محسوس کریں تو بجائے تعزیت نامہ پر وقت صرف کرنے کے وہی بجائے اپنی جگہ قرآن پاک جس قدر بھی آسانی سے پڑھ سکیں، مرحومہ کو بخش دیں۔

غم رحیمی غم! یہی غم آفریں نے بڑی لذت رکھ دی ہے! اور قلب کی قساوت کا تو اس سے بڑھ کر کوئی علاج ہی نہیں۔ کاش اس کے اثرات بھی پائدار ہوتی! — عجب شان حکمت ہے، اور جمال میں کمال، کہ لذت دیتے ہیں تو ہنسا کر، واپس لیتے ہیں تو رلا کر! جسم کی لذت اُس میں، روح کی لذت اِس میں!

نیاز اپنے آئینہ میں

نیاز فتحپوری نگار کے اپریل نمبر میں اپنی تصویر درج کرکے، اُسکے نیچے بجائے اپنے نام کے لکھتے ہیں:—

"کیے از دشمنان دین و ایمان یعین و ملحد و بوجہل دوران
سراپا کفر و عدوان فسق و عصیان مسلمان کافرے کافر مسلمان
نہ در نیش و دینے دارد نہ دنیا

شاعری میں خیر مبالغہ تو ہو ہی جاتا ہے، لیکن افراط و مبالغہ سے اگر قطع نظر کرلی جائے، تو کون کہہ سکتا ہے کہ نیاز کا قلم نثر کی طرح نظم میں بھی حقیقت نگاری پر قادر نہیں؟

صحیح تنبیہ

اکابر پرستی کے مرض پر از صدق میں جو نوٹ نکلے، اور ایک خانگی مکتوب میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا، اُسکے سلسلہ میں فاضل محترم، مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی اپنے مکتوب گرامی میں تحریر فرماتے ہیں:—

"فقیر کے ساتھ جس حسن ظن کا اظہار کیا گیا ہے، خدا کرے وہ میرے لیے کم از کم فال نیک ہی بن جائے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ رجال کو حق سے پہچانا جائے، لیکن لوگوں نے پیمبروں پر قیاس کرکرکے رجال سے حق کو پہچاننا شروع کیا ہے۔ میرے حلقۂ احباب کے بعض بزرگوں میں تو یہ رنگ اتنا گہرا ہوگیا ہے کہ شیخ اور نبی میں کم از کم عملاً اُنکے نزدیک کوئی فرق باقی نہیں رہا ہے۔ قرآن مجید میں ایک طرف اگر اُن لوگوں کو ڈانٹا گیا ہے جو کسی چیز کے غلط ہونے کی دلیل صرف اس بات کو قرار دیتے تھے کہ وہ "اولین" کے اساطیر میں سے ہے، گویا زمانہ جو ہم سے مقدم ہیں، اُنکی ہر بات غلط ہے، اور اس لیے غلط ہے کہ وہ ہم سے پہلے دنیا میں آئے۔ لیکن اسکے مقابلہ میں دوسرا طبقہ کا تھا اور اب بھی ہے جو کسی بات کی صحت کے لیے اسی کو کافی قرار دیئے ہوئے ہیں کہ گزشتہ نسلوں کا وہی طریقۂ عمل رہتا۔ گویا ہر وہ شخص جو ہم سے پہلے دنیا میں آیا تھا اسکا پہلے پیدا ہو جانا اسکو اس امر کا مستحق بنا دیتا ہے کہ جو بات بھی اُسکے منہ سے نکلے صحیح ہے۔

اوجدنا علیہ آباؤنا الاولین والوں کو اسی لیے میں "آبائیہ" کہتا ہوں، اور جن لوگوں کے نزدیک تغلیط کے لیے کسی چیز کا اساطیر اولین میں سے ہونا کافی ہے، یعنی پہلے زمانہ کی ہر بات "انکے قدیم" ہے "روشن خیالوں" کے اس گروہ کا نام میں نے "مقابلۃ آبائیہ" میں نہ آبائیہ ہوں نہ انکیہ۔ حق کے حق ہونے یا باطل کے باطل کے لیے آخر یہ کیا دلیل ہے کہ یہ اُنکا قول ہے جو ہم سے پہلے دنیا میں آ چکے تھے! چاہتا ہوں کہ حق تعالیٰ اسی مسلک قدیم پر قائم رکھے اور اسی پر میرے ادنیٰ سعی کا اختتام ہو۔"

یہی حق بینی، حق شناسی، حق جوئی اور حق گوئی اگر ہمارے علماء و مشائخ کی اکثریت میں ہوتی، تو آج ملت کی ملت کی حالت ہی کچھ سے کچھ ہوتی، اور بجائے پراگندہ و منتشر ٹولیوں اور ٹکڑیوں کے ایک منظم و متحد، امت واحدہ دنیا کے سامنے موجود ہوتی! — شخصیتوں کے ادب و احترام میں تفریط جس طرح محرومی کی دلیل ہے، افراط بھی اُسی طرح قاتل و تباہ کن ہے۔

یوم اقبال اور عرس اقبال

ذیل کا پیام یوم اقبال بمبئی کو ... بھیجا گیا تھا:—

"اب ضرورت اسکی ہے کہ کلام اقبال و پیام اقبال کی روح کو تمامتر محفوظ رکھا جائے، اور یوم اقبال کو محض ایک تماشہ اور رسم بننے سے بچایا جائے۔ اور اقبال کی گرمی روح اور اسلامیت کو گھر گھر پھیلایا جائے۔ اقبال یوم تمامتر اسلام و غیرت اسلام ہی کا پیام تھا"

لیکن اسی یوم اقبال کی روداد میں یہ بھی درج ہے:—

"دن بھر لڑکوں اور لڑکیوں کی کافی تعداد نے اقبال جھنڈا فروخت کیا، جس پر حضرت علامہ اقبال کی تصویر تھی" (خلافت۔ بمبئی)

اور یہ بھی:—

"½ ۱۱ بجے شب جلسہ ختم ہوا۔ صدر نے جلسہ برخاست کرنے سے قبل اعلان فرمایا کہ کل ½ ۹ بجے سے جلسہ کا آغاز ہوگا۔ کل کا پروگرام نہایت دلچسپ ہے۔ یعنی قوالی ہوگی۔ جس میں زیادہ تر علامہ اقبال کا کلام پڑھا جائیگا چونکہ کل کافی دیر تک جلسہ رہیگا، لہذا لوگ دن میں استراحت فرماکر آئیں"۔

گویا دن میں تصویر فروشی، اور شب میں قوالی بس — "جنت نگاہ" نہ سہی، تو "فردوس گوش" کی تیاری تو ضروری ہو جائے! — اور اسکا نام وقت کے سب سے بڑے علمبردار توحید کی یادگار رہے! اللہ اللہ سچ کہا جس نے کہا ع

یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا!

تصویر فروشی اور قوالی کی محفلوں کو اُس مصلح سے کوئی دور کی بھی نسبت ہے، جسکی طرف "اقبال" سب کو بلا رہے ہیں؟ — "یوم اقبال" کا نام بدل کر اسے آئندہ بصراحت صاف "عرس اقبال" ہی کیوں نہ قرار دیدیا جائے؟

ریاض پر لائبل

ایک معزز و سنجیدہ ماہی رسالہ کے ایک تازہ مضمون کا اقتباس:—

بڑے عشق کے یاں شراب' جو انہی کی شراب معلوم ہوتی ہے ....

مسئلہ کہ وہ فی الواقع شرب تھے یا نہیں' نفس مضمون سے علٰحدہ ہے۔ شاعری میں دونوں اقسام کی موجود ہیں۔ یعنی عینی شہادت پینے کی' اور وہ پینے کے بعض حضرات حلف اٹھانے کو تیار رہیں۔ اس سے مسئلہ اور بھی نازک ہو جاتا ہے ..... بہرحال وہ پیتے تھے یا نہیں' لیکن اُنکی خمریات نہایت مکمل ہے۔ اگر نہ پی کر ایسے مضامین باندھے ہیں تو یہ اُنکے کمالِ فن پر دال ہے ۔"

لیکن جب ایک مسلمان شاعر کی مے نوشی موضوع سخن سے بالکل خارج تھی (اور واقعی خارج تھی۔ "اور ہمیں خمریات" کو کسی شاعر کے ذاتی عمل سے کوئی بحث ہی نہ ہونا چاہیے) تو پھر مفرا معلوم یہ ذکر ہی لانے کی کیا ضرورت تھی کہ بعض عینی شہادتیں بھی حضرت داغ کی پینے پلانے کی موجود ہیں؟ —— کیا کسی شاعر ادیب کے کلام پر تبصرہ کرنے وقت یہ جائز ہے کہ ضمناً یہ بھی لکھ دیا جائے کہ اُنکے نسب سے متعلق دو روایتیں ملتی ہیں' بعض کہتے ہیں کہ وہ صحیح و ولدالحلال تھے اور بعض اسکے برعکس! بالآخر مضمون نگار کے نزدیک میخواری کا ارتکاب کسی مسلمان کے لیے ، سخت بدنسبتی سے کچھ کم توہین آمیز' کچھ کم اشتعال انگیز ہے؟ اور پھر اگر کلام سے شاعر کی میخواری پر استدلال کسی درجہ میں بھی صحیح مان لیا جائے' تو یہ بھی کیوں نہ کہا جائے' کہ امیر مینائی جیسے متقی بزرگ ، بازاری ہوسناکیوں میں مبتلا اور اول درجہ کے فاسق تھے؟ اور میر انیس' جنھوں نے میدانِ جنگ کی شکل تک نہیں دیکھی تھی' مگر اپنے مرثیوں میں فنِ حرب و ضرب کے جزئیات کو خوب باندھ گئے ہیں' اعلیٰ درجہ کے ماہر حربیات تھے؟

داغ مرحوم کی وفات کو تو ابھی چند ہی سال ہوئے ہیں۔ اُنکے سیکڑوں دیکھنے والے' جاننے والے اور شاگرد' عزیز و دوست موجود ہیں۔ عادۃً شرابی ہونا تو الگ رہا' وہ بیچارے تو کبھی اُسکے قریب تک بھی نہیں گئے تھے۔

اکثریت کا ظلم

یوپی کے ایک مشہور شہر سے متعلق اخباری اطلاع شایع ہوئی ہے' کہ میونسپل بورڈ کے ایک ہندو ممبر نے ہندو صدر کی صدارت میں' تجویز یہ پیش کردی کہ آیندہ سے میونسپلٹی کے سارے دفتروں میں کاروبار ہندی زبان میں ہوا کرے! ایک مسلمان ممبر نے ترمیم پیش کی ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ چار ممبروں کی ایک سب کمیٹی بنا دی گئی ۔ وہی فیصلہ کرے گی —— گویا سرِدست دفع الوقتی ہو گئی۔

یہ ہندی نواز مشہور شہر آپ سمجھے کون سا ہے؟ کانپور نہیں' متھرا نہیں' اجودھیا نہیں' خاص الخاص لکھنؤ ہے لکھنؤ! اردو کا مشہور و قدیم گہوارہ اور ضرب المثل مرکز!

ع طعنہ برسرو گریباں کہ اسے کیا کہیے!

وہ نماشا کے ہنستے ہوئے کہا اس پر حیرت رہیگی' کہ مسلمان ممبر حسبِ معمول

ہندوؤں سے بدگمان اور اُنکی چلائی ہوئی تحریکوں سے علٰحدہ ہیں!

گویّوں کی سرپرستی

لکھنؤ - ۲۳ - اپریل۔ کل شب میں میوزک یونیورسٹی کا سالانہ جلسہ نواب صاحب رامپور کی صدارت میں بڑی دھوم دھام سے ہوا۔ انعامات نواب صاحب نے اپنے ہاتھ سے فرمائے - اور اپنی تقریر صدارت میں فرمایا کہ میرا تو اس یونیورسٹی سے دوہرا تعلق ہے۔ ایک تو میں اس فنِ شریف کا خادم' دوسرے اس یونیورسٹی کے بانی' مشہور گویّے بھاتکھنڈے میرے گہرے دوست تھے۔ آپ نے آگے ارشاد فرمایا کہ افسوس ہے کہ ہندوستان میں آرٹ اور میوزک کی پوری قدر نہیں - ورنہ آج اس فن کو ملک میں وہ درجہ حاصل ہوتا"۔ (ہمدم)

ہز ہائینس مذہباً شیعہ ہیں' اُن کی خدمت میں صرف ایک سوال ہے - خلافتِ فاروقی کا ذکر نہیں' خلافتِ مرتضوی میں گویّوں کا عروج' عروج نہیں صرف وجود ممکن تھا؟ علی مرتضیٰؓ ایک لمحہ کے لیے بھی اس فنِ "شریف ولطیف" کے خادموں کا وجود برداشت کر سکتے تھے؟ ان میں سے کسی ایک کو زندہ چھوڑ سکتے تھے؟ یا حافظ بہرحال ان نسبت نوازیوں کے لیے تو دربارِ دمشق بدنام تھا۔ علیؓ کو اور حسنؓ کو اور باقرؒ کو اور جعفرؒ کو (آئمہ) دین میں سے کسی کو طبلہ اور سارنگی سے کچھ بھی لگاؤ رہتا؟ اسلام پر نہ سہی' کم از کم اپنی شیعیت پر تو ہز ہائینس للّٰہ رحم فرمائیں -

اُردو کی ہمہ گیری

لندن - ۲۶ - اپریل۔ ہندوستانی قیدیانِ جنگ جو کثرت سے اب دشمن ملکوں سے آزاد ہو کر برطانیہ میں پہنچے ہیں' اُنکے متعلق یہاں کے ڈاکٹر عجب چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔ اکثر سپاہی بیمار ہیں' لیکن انگریزی جانتے نہیں' اس لیے ڈاکٹروں سے اپنی تکلیف بیان نہیں کر سکتے - اعلان کر دیا گیا ہے کہ انڈین آرمی کور کے منشر افسر یا اور جو کوئی شخص بھی اُردو سمجھ لیتا ہو' اور ترجمانی پر قادر ہو' وہ اپنی خدمات رضاکارانہ طور پر پیش کردے" (رائٹر)

پھر وہی اُردو! ہندوستان کے ہر ہر صوبہ اور ہر ہر ذات کے سپاہیوں کی ترجمانی کے لیے جب تلاش ہوتی ہے تو نہ مرہٹی داں کی' نہ گجراتی داں کی' نہ بنگلہ داں کی' نہ تلنگی داں کی' نہ ہندی داں کی' بلکہ اُردو داں کی! —— کیا لندن میں احتیاج کے لیے ہندی کی سبھان کی کوئی شاخ موجود نہیں؟

نیا سوانگ

حیدرآباد ریڈیو کی ایک سرکاری اطلاع ہے کہ اپریل کی فلاں تاریخ کو دوسری نشر میں اقبال کی یاد میں ایک خاص پروگرام نشر ہوگا' جس میں فلاں مشہور مغنیہ اور دوسرے آرٹسٹ اقبال کا کلام گائیں گے' اور اقبال سے متعلق ایک نقل اور ایک منظوم ڈرامہ نشر ہونگے۔

جس قوم نے اپنے پیمبرؐ تک کی مقدس محفلِ ذکر کو گویّوں کا تختۂ مشق بنا ڈالا' اسکے لیے جائز اور بالکل جائز ہے کہ اقبال کی یاد تو

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۶)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س - جب انسانی اخلاق و عادات زندگی و پارسائی، گناہ اور نیکی نتیجہ ہوں ہماری تربیت اور بالخصوص بچپن کے ماحول کا، تو گناہ و ثواب کے ذمہ دار ہم کس حد تک ہو سکتے ہیں -

ج - جس حد تک کہ ہمارے اعمال ہمارے قصد و [illegible] سوال میں یہ جو فرض کر لیا گیا ہے کہ ہمارے اخلاق و عادات تمامتر [illegible] ہوتے ہیں ماحول غیر اختیاری عوامل کا، یہی اصل مغالطہ ہے - اختیاری اعمال کو تمامتر غیر اختیاری موثرات کا نتیجہ سمجھ لینا ہی خلاف واقعہ ہے - ایک حد تک یقیناً وہ ابتدائی اور غیر اختیاری عوامل بھی موثر ہوتے ہیں، پس اُسی حد تک حشر میں کوئی سوال بھی نہ ہوگا - لیکن اسکے آگے ناقل بالغ ہونے کے بعد جہاں سے اپنے قصد و اختیار کے حدود شروع ہوتے ہیں - بس وہیں سے عذاب و ثواب بھی مرتب ہونے لگیگا -

اگر کوئی مثال ہے جہاں زندگی بھر اپنے قصد و اختیار کا کوئی تصرف ہوا ہی نہیں، بلکہ مشین کی طرح بغیر اپنے ارادہ کے دخل و تصرف کے، دوسروں ہی کا وہ کام کرتا رہا، تو ایسا شخص مجنون کے حکم میں داخل اور غیر مکلف سمجھا جائیگا -

س - کسی طوائف زادی کا گندے ماحول میں آنکھیں کھولنا اور آگے چل کر اس غلط راہ پر چل پڑنا کس حد تک اُسکے بس کی بات ہے - تو پھر معصیت و زہد اُسکی مشیت کے تابع نہیں دیکھئے بنگال کی ۵۰ ہزار عورتیں قحط اور فاقہ کی تاب نہ لاکر بیسوا بن جاتی ہیں اُن میں کتنی تو ایسی ہونگی جنکے سینے شریفانہ احساسات سے نورانی ہونگے، لیکن یکایک کیا سے کیا ہو گئیں - اور کس کے حکم اور کس کی مشیت سے - ہے! اللہ اللہ میرا تو سر چکرانے لگا -

ج - دو سوال الگ الگ ہیں - انکے درمیان خلط ہو گیا ہے ایک کا تعلق افعال خلق سے ہے، دوسرے کا افعال خالق سے -

ایک مسئلہ تو یہ ہے کہ ان بیچاریوں کو ایسے سخت ابتلا میں کیوں ڈالا گیا، تو ظاہر ہے کہ اسکا مفصل اور مع جزئیات جواب کوئی بشر نہیں دے سکتا - خالق کے چھوٹے بڑے کسی بھی عمل کی حکمتوں کا احاطہ عقل بشری منفرداً کیا معنی، تمام اگلے اور پچھلے انسانوں کی عقلیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں - اجمالاً صرف اس قدر معلوم ہے کہ حکیم مطلق کے ہر عمل میں بیشمار تکوینی مصلحتیں اور حکمتیں ہوتی ہیں - آخر اسی نوعیت کے بیشمار واقعات روزمرہ ہوتے ہی رہتے ہیں - طوفانوں میں سیکڑوں ہزاروں نذر اجل ہوتے رہتے ہیں - زلزلوں سے آبادیوں کی آبادیاں صاف ہوتی رہتی ہیں - جنگ میں ہزاروں لاکھوں کٹتے رہتے ہیں، کتنے بیگناہ پھانسی پر لٹک جاتے ہیں - کتنے معصوم ننھے بچے یتیم ہو جاتے ہیں، کتنی نوجوان کمسن عورتیں بیوہ ہو کر رہ جاتی ہیں - غرض پورے کارخانۂ کائنات میں رات دن ایسے بیشمار واقعات پیش آتے رہتے ہیں - تفصیلی توجیہ ان میں سے کسی ایک جزئی واقعہ کی بھی علیت درجہ میں وہ و مقید عقل بشری کے لیے ممکن ہی نہیں -

البتہ دوسرا سوال افعال خلق سے متعلق ہے - یعنی بندوں کو اس حال میں کیا کرنا چاہیے - اور اُن پر جب ایسا وقت آن پڑے، تو انھیں ان حالات کو برتنا کیسے چاہیے! اور یہی سوال کام کا ہے - سو اسکا جواب یہ ہے کہ حالات کی مجبوریاں اور ماحول کا اضطرار جس حد تک بڑھتا جائیگا، بندہ کی ذمہ داری [illegible] سے گھٹتی جائیگی - اور جس نسبت سے اپنے قصد و ارادہ و خواہش کا حصہ شامل رہیگا، اُسی قدر معصیت کی شدت بھی بڑھتی جائیگی — حرام دوا کے استعمال یا مردار خواری کی اجازت حالت اضطرار میں ہے، اسکے قبل نہیں - اور حدود ستر رمق تک ہے، اس سے زائد کے لیے نہیں - رہا یہ کہ ہر بندہ کے لیے حدود اضطرار کیا کیا ہیں، سو اسکا تعلق کسی بندہ کے ضمیر و دیانت سے ہے - باہر کا کوئی شخص عبد و خالق کے مابین ایسے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا -

---

س - ایک مسلمان گورنمنٹ کے کسی عہدہ پر فائز ہے، اُسکو اللہ کے فضل سے قرآنی مطالعہ کا شوق پیدا ہوا اور مجھ سے کہا کہ کوئی انگلش ترجمہ قرآن پاک کا دو میں نے فوراً [illegible] کا کیا ہوا انگلش ترجمہ قرآن پاک کا جلد اول خرید کر دیدیا - باقی جلدوں کی بھی اُن کو ضرورت ہے - خدا کے فضل و کرم سے وہ روزانہ مطالعہ کرتے ہیں - وہ صرف یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ قرآن میں جو نشانات ط، لا، م، ج وغیرہ آیتوں کے درمیان یا ختم پر آتی ہیں، ان میں کس نشان کا کیا مطلب اخذ کرنا چاہیے - جیسے انگلش میں کاما، فل اسٹاپ وغیرہ ہیں -

ج - یہ علامتیں رموز اوقاف کہلاتی ہیں - انگریزی کی علامتوں کاما، فل اسٹاپ وغیرہ سے ملتی ہوئی، لیکن اُن سے زیادہ منضبط و مکمل، "ط" علامت وقف مطلق کی ہے، "م" وقف لازم کی، وقس علیٰ ہذا - انکی مفصل تشریح اکثر مصحفوں کے شروع میں مل جائیگی - مسلمانوں نے قرآن مجید کے رسم الخط کے ساتھ جو شغف و اہتمام و اعتنا برتا ہے، وہ اپنی مثال بس آپ ہے -

س - قبض و بسط کا سلسلہ اب تک جاری ہے -

ج - یہ تو عمر بھر جاری رہنے کی چیز ہے -

س - بعض اوقات قبض کا ناقابل برداشت غلبہ ہوا کرتا ہے - میں ان حالات کی طرف عقلاً متوجہ نہیں ہوتا مگر غلبہ بار بار زیادہ ہوتا ہے - اسی لیے آپ بزرگوں کی خدمت میں بار بار تحریر کر دیتا ہوں -

ج - ان شاء اللہ یہی بار بار کا ایک اجر بار بیڑا کر دیگا -

س - بعض اوقات غسل واجب ہونے پر صبح کی نماز قضا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ابھی ساتھ ہی ایک دو دن اسی بنا پر معمولات میں بھی خلل پڑ گیا۔ اس لیے خادم بہت شرمندہ ہے کہ منزل سلوک میں قدم رکھتے ہوئے اس قسم کی حیلہ بازی میں پھنسے رہنا شیطانی فریب ہے۔ آخر اسکے لیے کیا کیا جائے اور کس طرح اس سے نجات حاصل کروں۔ للہ تحریر فرمائیں۔

ج - غسل کی حاجت ہونا تو طبعی امر ہے اور جوان عمر والوں کے لیے ناگزیر۔ البتہ اسکے باعث نماز فجر کے قضا ہو جانے کی نوبت آنا بڑی حد تک تساہل اور بے پروائی کا نتیجہ ہے۔ اور بہت معمولی توجہ و ہمت سے اس سے نجات مل سکتی ہے۔ سفر کے حالات اور شدید سردی کا موسم تو بیشک عذر بن سکتے ہیں، لیکن اپنے گھر پر عام حالات اور سال کے بیشتر حصہ میں پانی کا انتظام بلا دقت ممکن ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں تو کوئی شائبہ بھی دقت کا نہیں۔ ہمت والے تو غسل کر کے تہجد بھی ناغہ نہیں ہونے دیتے۔ یہ بات کہ فرنفرۂ نجد سلطان ابن سعود (والی نجد و حجاز) بظاہر کوئی سالک و درویش نہیں ایک دنیا دار بادشاہ ہیں۔ اور ماشاء اللہ ایک بڑا حرم رکھتے ہیں۔ لیکن انکی بابت روایت مشہور یہی ہے۔

بعض صورتوں میں جہاں غسل میں دقتیں بہت زائد ہوں، تیمم کی گنجایش بھی نکل سکتی ہے۔ اور ان سب کوششوں کے بعد بھی اگر آنکھ ہی نہ کھلے یا کوئی اور ایسا ہی عذر قوی پیش آ جائے، تو پھر بندہ معاف ہے۔ لیکن اپنی والی ہمت و کوشش بہر حال ضروری ہے۔

س - آج کچھ روز سے غور کرنے پر معلوم ہوا کہ میرے اندر ریاکاری کا مرض نمایاں طور پر ہے۔ سب میری تعریف کریں۔ ہر کام میں چالاک کہلاؤں۔ کسی نہ کسی طرح میری اچھائیاں سب کے سامنے آ جائیں، سب کے نزدیک میں اچھا ہوں۔ یہ سب باتیں میرے دل کے اندر ہیں۔

ج - اپنے کو دوسروں کی نظر میں محبوب و ممدوح رکھنے کی خواہش تو طبعی ہے۔ اور ایک حد تک اگر ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بلکہ یہ مضمون تو حدیثی دعاؤں تک میں آیا ہے کہ اے اللہ میں اپنی نظروں میں حقیر اور دوسروں کی نظر میں معزز ہوں۔ خرابی وہاں پیدا ہوتی ہے، جب انسان کوئی اچھا کام اسی لیے اور اسی نیت سے کرنے لگے۔ یعنی اداے فرض یا تعمیل ارشاد الٰہی کے بجاے یہی خلق کی نظر میں محبوب بننا مقصود و غایت بن جائے ——— نماز اسی وقت پڑھے جب خلقت سے داد ملنے کی توقع ہو۔ اور جب کوئی دیکھنے والا نہ ہو تو نماز ترک ہی کر دے۔

نمود و نمایش کی تحریکات پر عمل نہ کرنا، یہ خود ایک بڑا مجاہدہ ہے اور اصلاح نفس کے حق میں اکسیر۔ اخلاص پیدا کرنے اور درجات اخلاص بڑھاتے رہنے کی بڑی گنجایش ہر وقت ہے۔ درجۂ تدبیر و علاج میں ایک بہت بڑی نعمت، مخلصین کی طویل صحبت ہے۔ اور دوسرے درجہ پر انکی کتابوں کا مطالعہ۔ خصوصاً امام غزالی کی کیمیاے سعادت اور احیاء علوم الدین کے ابواب مہلکات و منجیات کا۔ اور حکیم الامت تھانوی کے مواعظ اور کتب سلوک و طریقت کا۔ مولانا کی ترتیب انسانیات میں ریا اور وسوسہ ریا اور مسائل متعلقہ کا بیان جا بجا بسط و تحقیق سے ملیگا۔

س - میری سب سے بڑی کم نصیبی یہ ہے کہ میں آج تک کوئی مرض اپنے اندر سے تفتیش کر کے مولانا مرشدی مدظلہ العالی سے اصلاح نہ کرا سکا۔ حتیٰ کہ مرشدی قبلہ نے خود تحریر فرمایا کہ سب سے مقدم اصلاح نفس ہے۔ مرض کی اطلاع دیکر [illegible]۔ مگر خادم نا اہل اپنی نادانی اور کم علمی کی بنا پر تو [illegible] نہ کر سکا کہ کون کون سے امراض نمایاں ہو رہے ہیں جو فی الفور اصلاح کروں۔

ج - قرآن مجید کی یہ معروف تعلیم کہ لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا ہمیشہ پیش نظر رہے۔ جس کسی کو کوشش کے باوجود اپنے اندر کوئی مرض نظر نہ آئے، وہ بیچارہ معذور ہے۔ حدیث میں سو جانے اور آنکھ نہ کھلنے کو نماز جیسے فرض جلی سے عذر قرار دیا گیا ہے، تو جو نقص نسبتہً خفی ہیں، انکے باب میں طبعی غفلت کیسے عذر نہ ہوگی۔ اچھی کتابوں کے طویل مطالعہ اور اچھی صحبتوں کی مداومت سے اپنے نفس سے متعلق بصیرت از خود پیدا ہو جاتی ہے۔

”صدق“ کی قیمت

ایک مخلص عزیز لکھتے ہیں:—

”صدق کی ترقی دیکھ کر کس کو خوشی نہ ہوگی، ہمیشہ دل سے نکلتی۔ اگر صداقت دنیا میں ایسی ہی پھیل جائے تو پھر دنیا ہی کس بات کا رونا رہ جائے۔ گر صدق کے ستارہ دہ ہونے میں خوشی اُس وقت بہت زیادہ ہوتی جب اُسکے نمبروں کے ساتھ جناب کے مرقوں کی تعداد بھی بڑھتی۔ جب ایسا نہیں تو جناب کی تحریر دلپذیر کے شائقوں کی تشنہ لبی کیس اس طرح بجھ سکتی ہے۔ خیر دعا زیبی ہے کہ اللہ آپ کے وقت کی کمی کے باوجود آپ کی تحریر میں زیادتی کرے اور انکا حلقہ۔ البتہ چندہ کے اضافہ سے مجھے اتفاق نہیں ہوا۔ موجودہ وقت میں جہاں امیروں کی امیری بڑھ گئی ہے، ان غریبوں کی غریبی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ اور بہت سے غریب شائقین شاید اس رقم کے متحمل نہ ہو سکیں۔ اور اس طرح یہ کہیں ایک اونچے سے طبقہ کا پرچہ ہو کر نہ رہ جائے۔ میرا جی تو یہ چاہتا تھا کہ جنگ کے بعد یہ پرچہ اور کم قیمت پر ہوتا۔ تاکہ معمولی آدمی بآسانی اسکا خریدار بن سکتا۔ لیکن آپ سب حضرات مجھ سے زیادہ ذی فہم اور دوراندیش ہیں یقیناً اسی میں کچھ بھلائی ہوگی۔“

مشورہ بالکل صحیح و صائب ہے۔ ایسا ہی اگر چلتا، تو جنگ کے بعد نہیں، خسارہ کے مدد ان ہی یا قیمت گھٹا دی جاتی۔ کہے کہ ممکن حد تک کر دی جاتی ——— تبلیغ اور تجارت میں بڑا فرق

ایک تفسیری بحث

(از مولوی اصغر حسین صاحب بلیاوی)

سورۂ اعراف کی آیت "فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینہون عن السوء واخذنا الذین ظلموا" الآیہ (۱۶۵) کے تحت میں آپ کے موقر رسالہ ترجمان القرآن میں جمہور مفسرین کے خلاف ایک نیا نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں جمہور مفسرین جو خیال ظاہر کرتے ہیں وہی صواب ہے۔ قبل اسکے کہ جمہور مفسرین کی تائید کا فرض ہم انجام دیں مناسب ہوگا کہ ترجمان القرآن میں جو نظریہ پیش کیا گیا ہے اُسے اجمال کے ساتھ سامنے لائیں تاکہ حقیقت تک پہنچنے میں سہولت ہو۔ جن صاحب کو تفصیل مطلوب ہو وہ رسالہ مذکور کے جولائی و اگست ۱۹۴۴ء کے مجموعہ کی طرف رجوع فرمائیں

اس آیت سے متعلق رسالہ مذکور کے صفحہ ۴۴ کا تشریحی نوٹ ملاحظہ ہو:

"اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس بستی میں تین قسم کے لوگ موجود تھے ایک وہ جو دھڑلے سے احکام الٰہی کی خلاف ورزی کر رہے تھے۔ دوسرے وہ جو خود تو خلاف ورزی نہیں کر رہے تھے مگر اس خلاف ورزی کو خاموشی کے ساتھ بیٹھے دیکھ رہے تھے۔ اور ناصحوں سے کہتے تھے کہ ان کمبختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل ہے۔ تیسرے وہ جنکی غیرت ایمانی حدود اللہ کی اس کھلم کھلا بے حرمتی کو برداشت نہ کرسکتی تھی اور وہ اس خیال سے نیکی کا حکم کرنے اور بدی سے روکنے میں سرگرم تھے کہ شاید وہ مجرم لوگ انکی نصیحت سے راہ راست پر آجائیں۔ اور اگر وہ راہ راست نہ اختیار کریں۔ تب بھی ہم اپنی حد تک فرض ادا کرکے خدا کے سامنے اپنی براءت کا ثبوت پیش کر دیں۔ اس صورت حال میں جب اللہ کا عذاب اس بستی پر آیا تو قرآن مجید کہتا ہے کہ ان تینوں گروہوں میں سے صرف تیسرا گروہ ہی اس عذاب سے بچا لیا گیا کیونکہ اسی نے خدا کے حضور اپنی معذرت پیش کرنے کی فکر کی تھی۔ اور وہی تھا جس نے اپنی براءت کا ثبوت فراہم کر رکھا تھا۔ باقی دونوں گروہوں کا شمار ظالموں میں ہوا۔ اور وہ اپنے جرم کی حد تک مبتلائے عذاب ہوئے۔" اسکے بعد مفسرین کے اس خیال کی صحت سے انکار کیا گیا ہے کہ نجات پانے والے دو گروہ ہیں اور بڑے شد و مد سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ نجات پانے والا ایک ہی گروہ تھا۔ سورۂ انفال کی آیت "واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ" (الآیہ) اور ایک حدیث سے بھی اسے مشید کیا گیا ہے۔

مفسرین کا خیال تھا کہ "لم تعظون قوما" (الآیہ) کہنے والے گروہ کا شمار ظالموں میں ہوا۔ اور اسکا بھی وہی حال ہوا جو ظالمین کا ہوا۔ لیکن بعد میں انھوں نے اس خیال سے رجوع فرما لیا تھا۔ اور جمہور مفسرین کی اس رائے سے اتفاق فرما لیا تھا کہ اسکا شمار ظالموں میں نہیں بلکہ "انجینا الذین ینہون عن السوء" میں وہ بھی داخل ہے۔ سوال ہوسکتا ہے آخر وہ کیا وجوہ ہیں جنکی بنا پر تم جمہور کی رائے صحیح سمجھتے ہو۔ کیا جمہور پرست تو نہیں ہو؟ ایسا نہیں ہے کیونکہ ہم تو دوسرے معنی کے بدنام ہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ اس باب میں حق و صواب انھیں کے ساتھ ہے۔ اس لیے انکی رائے کی تائید کرنا ہمارا اخلاقی فرض ہے۔

صاحب ترجمان القرآن کی رائے اگر آیت کے سیاق و سباق سے ہوتی تو ہم تسلیم کر لیتے لیکن اس جہت سے جب آیت مذکورہ کا جائزہ لیتے ہیں تو بجز "انجینا الذین ینہون عن السوء" کے ٹکڑے کے اور کوئی لفظ ایسا نہیں ملتا جس سے اس شبہ کی گنجائش بھی نکل سکے کہ "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا" کہنے والے کا شمار ظالموں میں ہوا اور اسکا انجام معتدین فی السبت کا سا ہوا بلکہ اسکے برعکس بحث سے ایسے قرائن ہیں جن سے اس امر کی طرف رہبری ہوتی ہے کہ جس طرح یہ گروہ دوسری سزا کے عذاب سے محفوظ رہا (بقول صاحب ترجمان القرآن) اسی طرح پہلی قسط کے عذاب سے محفوظ رہا۔ کیونکہ "اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون" کے ٹکڑے میں ظلموا اور یفسقون سے ان لوگوں کے جرائم پر نشان دہی کی گئی ہے جو سبت کے احکام کی بے حرمتی کر رہے تھے۔ اور کوئی قرینہ ایسا نہیں جس سے یہ سمجھا جاسکے کہ ان جرائم میں "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم" کہنے والے گروہ کی بھی شرکت ہے۔ اور اگر کہیں اس میں شامل ہیں تو سوال یہ ہے کہ انکا ظلم اور فسق کیا ہے۔ اور اگر خاموشی کی بنا پر (بقول صاحب ترجمان القرآن) انکا شمار ظالموں میں ہوا تو کوئی وجہ نہیں کہ پہلی قسط کے عذاب میں تو وہ شامل مانے جائیں اور دوسری قسم کے عذاب سے انھیں بری قرار دیا جائے۔ اگر ظالم کے درجہ میں فرض کرکے پہلی قسط کے عذاب کا انھیں مستحق ٹھہرایا جا سکتا ہے تو پھر دوسری قسط کے عذاب کا مورد ٹھہرانے میں کیا مانع ہے۔ اس تقسیم (یعنی پہلی قسط کے عذاب کی زد میں تو وہ آئے اور دوسری قسم کے عذاب سے محفوظ رہنے) پر کوئی قرینہ نہیں ہے۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے اگر وہ ظالم ہیں تو ظالمین کا جو مآل ہوا وہی انکا بھی ہونا چاہیے۔ دونوں قسطوں میں ظالموں پر (قرآن کے الفاظ سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے) اگر عذاب آیا ہے تو پھر اسکی زد میں انھیں بھی آنا چاہیے کیونکہ یہ ظالم تھے۔ ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ آیت کے اس ٹکڑے "انجینا الذین ینہون عن السوء" کے ظاہر الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ نجات صرف انھیں لوگوں کو ہوئی جنھوں نے احکام سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کو اس سے روکنے میں جد و جہد کی اور بقیہ لوگ عذاب کی زد میں آگئے بظاہر ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اور غلط فہمی دراصل اسی ٹکڑے سے ہوئی ہے۔ "الذین ینہون عن السوء" میں وہ بھی داخل ہیں جو ان کی اصلاح میں جد و جہد کرکے تھک گئے تھے اور اب مزید انکے افہام اور تفہیم میں کوشش تضیع اوقات تصور کرتے تھے۔ اور جب کوئی انکی اصلاح کے لیے قدم اٹھاتا تو عملی تجربہ کہتے کہ دیوار کو سر مارنے سے کیا حاصل

با معقول صاحب، صاحب "ترجمان القرآن" ان کمبختوں کو نصیحت کرنے سے کیا حاصل" - اور یہ واقعہ ہے کہ جب کوئی داعیٔ حق کسی جماعت کی اصلاح پذیری سے مایوس ہو جائے، اور اسے تجربہ سے یقین ہو جائے کہ اس جماعت کو سمجھانا بجھانا لا حاصل ہے تو اس کے لیے مناسب ہے کہ ایسی جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت میں کام کرے۔ مناسب ہی نہیں بلکہ ضروری ہے کیونکہ ایسا عمل کرنے سے کیا فائدہ جس کا کوئی نتیجہ نہیں۔ پیغمبروں کو بھی اس طریقۂ دعوت کی تلقین کی گئی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ انبیاء نے ایسوں کو راہ راست پر لانے کی انتہائی کوشش کی ہے، جن سے کوئی توقع نہ تھی لیکن اس سے بھی تو انکار نہیں کیا جا سکتا ہے کہ ایسوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے اور پیغمبر اسلام کو تو بیشمار مقامات پر ایسے لوگوں کے پیچھے وقت صرف کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ اور نیز بعد کے حالات نے اسکی تصدیق بھی کر دی کہ احکام سبت کی بے حرمتی کرنے والوں کے بارے میں جو رائے انھوں نے قائم کی تھی وہی ٹھیک نکلی یعنی جو لوگ انکی افہام و تفہیم میں لگے ہوئے تھے انکی ایک نہ سنی گئی۔ انھوں نے کہا تھا انھیں سمجھانے سے کوئی حاصل نہیں انپر تو عذاب الٰہی بھڑکنے کو ہے۔ چنانچہ ویسا ہی ہوا۔ انکی دعوت و تذکیر بالکل بے اثر رہی اور عذاب الٰہی کی زد میں وہ آ گئے۔ ممکن ہے کہ کوئی یہ کہے کہ انکے عذاب سے محفوظ رہنے کی کوئی تصریح نہیں۔ ہاں ایسا ہے۔ لیکن قرائن سے صاف طور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ گروہ ناجی ہے معذب نہیں۔ ایک بہت ہی واضح قرینہ آیت "فلما عتوا عما نہوا عنہ قلنا لہم کونوا قردۃ خاسئین" ہے۔ وہ اس طرح سے کہ یہ آیت "ما سبق آیت فلما نسوا ما ذکروا بہ انجینا الذین ینہون عن السوء واخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس بما کانوا یفسقون" کی شرح و تفسیر ہے یعنی اصل صلاح کی دعوت دینا کر پر" دو قسط میں عذاب آیا۔ پہلی قسط میں جو عذاب آیا تھا وہ ہلکے درجہ کا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ فقر و فاقہ کا عذاب رہا ہو جیسا کہ بأساء و ضراء میں قوموں اور جماعتوں کو مبتلا کرنے کا قانون ہے اور اسکا ذکر قرآن میں بیشمار مقامات پر ہوا ہے۔ لیکن جب اس سے انکی آنکھ نہ کھلی اور انکی مدہوشی و سرمستی اسی طرح قائم رہی تو عذاب کی دوسری قسط ان پر نازل ہوئی اور دونوں عذاب کی زد میں احکام سبت کی بے حرمتی کرنے والے ہی تھے۔ اس پر دور و قریب کا کوئی قرینہ موجود نہیں کہ عذاب کی پہلی قسط کی زد میں معتدین فی السبت کے ساتھ افہام و تفہیم کو کار عبث سمجھنے والے بھی آ گئے۔ اور دوسرا قرینہ یہ ہے کہ قبل سے عذاب ہونے کے جو وجوہ بتائے گئے ہیں، انکا انطباق کسی طرح بھی "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا" کہنے والے گروہ کے حال پر نہیں ہو رہا ہے۔ عذاب میں آنے کی ایک علت یہ بتائی گئی ہے کہ انھوں نے ظلم کیا، دوسرے یہ کہ فسق انکے رگ و ریشہ میں رچ بس گیا تھا۔ ظاہر ہے ان دونوں باتوں "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا" کہنے والے کا دامن پاک معلوم ہوتا ہے۔ یہ لوگ نیک ہیں۔ نیکی اور بدی کا شعور رکھتے ہیں قوموں اور جماعتوں کے رفع و خفض کو قانون الٰہی کے تحت تصور کرتے ہیں۔ نیز انکا یہ فقرہ "اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا" پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ یہ کوئی عذاب رسیدہ جماعت ہے۔ اور اسے معتدین فی السبت کے احوال سے پوری واقفیت ہے۔ اور ظاہر ہے اس واقفیت کا وہ محض تماشائی یا خاموش تماشائی نہیں ہیں۔ بلکہ خود اس نے عملی میدان میں گامزن ہو کر انھیں حدود اللہ کی بے حرمتی سے روکا ہے اور بار بار روکا ہے۔ اور پھر عاجز آ کر بیٹھ گئی ہے اور انھیں خدا کے حوالے کر دیا ہے۔ جس طرح کہ ایک ڈاکٹر کسی مزمن مریض پر اپنے تجربات صرف کرے لیکن کوئی فائدہ نہ ہو اور مایوس ہو کر بیٹھ جائے ٹھیک اسی طرح اس گروہ نے انتہائی کوشش کر کے دیکھ لیا تھا کہ ان میں سدھرنے کی ذرا بھی صلاحیت باقی نہیں اور اس لیے کوشش بیکار ہے۔ نیز انکے اس فقرہ سے "اللہ مہلکہم او معذبہم" سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ کلی طور پر مایوس ہے اور جس عذاب الٰہی کے بھڑکنے کا انھیں انتظار تھا انھوں نے اپنی دقیقہ بین نگاہوں سے دیکھ لیا تھا کہ یہ بیمار جماعت شفا پانے کی نہیں اور آج نہیں تو کل عذاب کی زد میں آ سکے گی۔ رہی یہ بات کہ حدود اللہ کی بے حرمتی ہوتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا جرم ہے تو واقعہ ہے کہ منکر پر نکیر نہ کرنا بہت بڑا جرم ہے اور تعاون علی الاثم کے ہم معنی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ کس لفظ سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ انھوں نے حدود اللہ کی بے حرمتی کرنے والوں کے فعل پر نکیر نہیں کی اور مجرمانہ خاموشی اختیار کی یہ دعویٰ بالکل بے ثبوت ہے۔ "انجینا الذین ینہون عن السوء" میں دونوں گروہ داخل ہیں۔ فرق ان دونوں میں صرف یہ تھا کہ وہ لوگ جو اس بستی کی اصلاح پر کوشش کر رہے تھے وہ اپنا فرض تذکیر ادا کر رہے تھے اور اس وقت تک انکی صلاح سے کلی طور پر مایوس نہ تھے۔ چنانچہ "لعلہم یتقون" کے ٹکڑے سے امید کی جھلک صاف نظر آ رہی ہے اور جو لوگ یہ کہہ رہے تھے کہ انھیں سمجھانے سے کیا حاصل وہ اپنا فرض تذکیر ادا کر چکے تھے۔ اور انکی صلاح پذیری سے قطعی مایوس تھے اور انھیں نہ اب اپنا ایک لمحہ بھی ان پر صرف کرنا گوارا تھا۔ اور نہ یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا ان پر تجربہ کرے، کیونکہ انھیں اس جماعت کے متعلق یقین تھا کہ انکی نگاہوں میں دنیا کی مرغوبات اس درجہ کھب گئی ہیں کہ وہ ایسی باتیں سن ہی نہیں سکتے جو انکی لذتوں پر اثر انداز ہو۔ چنانچہ نتیجہ وہی ہوا جس سے پہلے ہی انھوں نے انھیں مطلع کر دیا تھا۔ رہا یہ کہ تذکیر بر اعتبار نتائج سے قطع نظر کر کے ہر وقت سرگرم رہنا چاہیے۔ یہ صحیح نہیں۔ تبلیغ کے لیے حالات اور مخاطب کا سمجھنا اور نیز نتائج پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے بلکہ حالات کے تقاضا سے ایک جماعت کو چھوڑ کر دوسری جماعت کو مخاطب کرنا بعض وقت ضروری ہوتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ "لم تعظون قوما اللہ مہلکہم" کہنے والے

گروہ نے حدود اللہ کی بے حرمتی پر مجرمانہ خاموشی اختیار نہیں کی کہ عذاب کی زد میں وہ آتا - بلکہ انکا ایسا کرنا انکی اصلاح سے مایوسی کی بنا پر تھا - آیت کا اسلوب پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ مایوسی یوں ہی نہ تھی بلکہ عملی تجربہ تھی - چنانچہ نتیجہ ہوا بھی ویسا ہی جیسا انھوں نے کہا تھا - تو پھر اس جماعت کا شمار ظالموں میں کیونکر ہو سکتا ہے عذاب کی زد میں وہ کیونکر آسکتی ہے - دوسری سورۂ انفال کی آیت "واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا" (انفال ۲۵) تو حضرت نے چاہا تو کسی قریبی فرصت میں اس پر ایک مضمون لکھیں گے کہ اسکا وہ مفہوم نہیں، جس میں وہ لی جا رہی ہے - اس لیے یہاں استدلال صحیح نہیں - دوسری حدیث تو وہ اپنی جگہ صحیح ہے لیکن اس آیت کے تحت لانا صحیح نہیں - کیونکہ وہ ایسے حالات کے لیے ہے جب سوائے اس ذریعہ کے چارہ نہ ہو کہ منکر پر لوگ مجرمانہ خاموشی اختیار کرلیں اور منکر کے خلاف آواز بلند کرنے والا کوئی نہ ہو - یہاں تو حدود اللہ کی بے حرمتی پر نکیر کرنے والی ایک جماعت کے موجود ہونے کا صاحب ترجمان القرآن کو بھی اعتراف ہے - پھر اس سے اس امر پر یہاں کیونکر استدلال ہو سکتا ہے؟

مراسلہ

المکرم و المحترم مولانا عبدالماجد صاحب دریا آبادی (مدظلہم)
بعد سلام علیکم و آداب کے واضح رہے کہ کیا معجزات انبیاء و آل و اولاد و اہل انبیاء و ائمہ و اولیاء سلف صالحین کو ماننا جزو ایمان ہے؟ ان تمام کے معجزات کو جھوٹا اور مداری کا کھیل ماننے والا اور یقین کہنے والا مسلمان رہ سکتا ہے؟ کیا ایسے خیالات رکھنے والا شخص تمسخر فی الدین نہیں کر رہا ہے؟ شرع اسلامی میں ایسے استہزاء کرنے والے کی کیا سزا ہے؟ بینوا توجروا - بات یہ ہے کہ بندہ خلافت آفس میں ایک پرانا اخبار لینے کے لیے گیا وہاں اڈیٹر صاحب نے دوران گفتگو میں کہا کہ آپ کی کتاب حالات امام حسینؓ میں نے پڑھی ہے افسوس ہے کہ آپ نے تعلیم یافتہ ہوتے ہوئے امام حسینؓ کے معجزات اور کرامات لکھے ہیں - یہ سب لغو ہیں مداری کے کھیل ہیں وغیرہ وغیرہ - میں نے کہا افسوس ہے کہ خلافت جیسے اسلامی ادارے میں یہ باتیں - کیا قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے معجزے نہیں بیان ہوئے ہیں؟ انھوں نے وہی جواب دیا کہ جو کسی نیچری یا آریہ یا دہریہ کی زبان سے متوقع ہو سکتی ہے یعنی سراسر منکر معجزات انبیاء و صالحین ہیں - کیا ظلم ہے کہ جو اڈیٹر نیچری اور علوم اسلامی کا [illegible] ہے وہ اس اہم ترین مسئلہ پر اپنی رائے کو دوسروں پر ٹھونسنا چاہتا ہے - اور اس اخبار کا اڈیٹر ہے جسکے بانی صحیح العقیدہ مسلمان اور اسلام کی ہر شے پر فدا ہونے والے تھے (رحمہ اللہ تعالیٰ) - افسوس تو اس بات کا ہے کہ اڈیٹر کے ہمنوا ایک دو نادان آدمی جو شاید دفتر ہی کا ہوگا اور خلافت تینوں نے بیجا طور پر مجھے قائل کرنا چاہا کہ معجزات و کرامات ڈھکوسلا ہیں (نعوذ باللہ) امید ہے کہ آپ اس اہم مسئلہ پر از قرآن و حدیث روشنی ڈال کر مجھے نیز تمام صحیح العقیدہ مسلمانوں کو ممنون و مشکور فرمائیں گے - جزاکم اللہ - والسلام

خاکسار، محمد علی الحاج سالمین
(مجیب منزل - فورٹ بمبئی)

صدق - معجزات انبیاء یا آیات الٰہی کا وجود تو قرآن مجید کا ایک مسلم عقیدہ ہے - یقین نہیں آتا کہ اہل سنت میں سے کوئی بھی اسکا منکر ہو - شاید معلوم مراسلہ نگار کو کیا غلط فہمی ہوگئی ہو - البتہ غیر نبی کے کرامات و خوارق عادت میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

(بقیہ صفحہ ۳)

ہنسی اور تماشہ اور راگ اور ناچ کا ایک سوانگ بنا ڈالے! ---
اللہ کے بندو، اقبال کا نام لیتے ہو تو کچھ تو اسکے پیام کا احترام سیکھو!

ایک سرگرم وکیل

ایک محترم بزرگ کا مکتوب ہے:-
"مولانا عبیداللہ سندھی پر پروفیسر سرور کی جو کتاب شائع ہوئی تھی اس پر مولوی مسعود عالم صاحب ندوی نے، خدا انھیں جزائے خیر دے، معارف میں خوب لکھا - لیکن پروانہ کی طرح "گواہ چست" بن کر اس "مدعی سست" کی نصرت و تائید کی جو سعادت حاصل کر رہے ہیں امید ہے کہ وہ بھی آپ کی نظر سے مخفی نہ ہوگی - کیا صدق میں اس پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہیں؟"

ارادہ اگر ہوتا بھی تو اس "گواہ چست" کے بلیغ فقرہ کے بعد کچھ لکھنا اب تحصیل حاصل سا ہو گیا ہے --- ایسا جانباز و سرگرم وکیل ہر بزرگ کو نصیب بھی تو نہیں ہوتا - ؎

دل روز حشر انکا طرفدار ہو گیا
بگڑا معاملہ مرا جھوٹے گواہ سے

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج - لکھنؤ سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

(والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون) (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق
سہ روزہ

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی للعہ
بیرون ہند سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۲ | چہارشنبہ یکم جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

صدر روزولٹ کل سہ پہر کو دفعتاً وفات پا گئے۔ صرف ایک مرتبہ یہ کہا کہ میرا سر درد سے پھٹا جاتا ہے، اور بیہوش ہو گئے۔ نگران ڈاکٹر نے ہاتھوں ہاتھ دوسرے کمرے میں جا کر لٹا دیا۔ اور فوراً ڈاکٹروں کو بلایا۔ انھوں نے آکر کہا کہ روح پہلے ہی مفارقت کر چکی ہے" (رائٹر)

خبر پچھلے مہینے آپ سب اخباروں میں پڑھ چکے ہیں۔ یہ امریکہ کا صدر کون شخص تھا؟ کہنا چاہیے کہ شاید دنیا کی سب سے بڑی شخصیت! چرچل، اسٹالن، ہٹلر سے گھٹ کر تو یقیناً نہیں، ممکن ہے کہ ان سے کچھ بڑی ہی ہو۔ اور پھر دنیا کو اس وقت اس کی ضرورت بھی کتنی زائد تھی۔ دوا علاج دنیا بھر میں سب سے زیادہ جیسا ممکن تھا، وہ وہی تھا۔ طب جدید کی کوئی حکمت، کوئی صناعت اسکے علاج کے لیے اٹھا رہتی؟ برطانیہ، امریکہ، روس، فرانس کے بڑے سے بڑے نامور ڈاکٹر اسکی جان بچانے کو اپنی اپنی جانیں لڑا دیتے۔ —— جب وقت آگیا، تو مہلت دو منٹ، ایک منٹ، چند سکنڈ کی بھی نہ ملی، اور قبل اسکے کہ دنیا کو بیماری کی اطلاع پہونچے، موت کی خبر مل گئی۔ قبل اسکے کہ قریب ترین مقام سے ڈاکٹر پہونچیں، موت کا فرشتہ پہونچ گیا!

اور پھر عزم اور حوصلے کیا کیا تھے کیسے کیسے تھے؟ جنگ ختم ہونے کو ہے، اور میری ہی کوششوں سے ختم ہونے پر ہے۔ آئندہ سیاسیات کا نقشہ یہ ہوگا، ملکوں کے باہمی تعلقات یوں منظم کرادونگا، روس اور برطانیہ اور فرانس اور اٹلی اور کناڈا اور آسٹریلیا اور جرمنی اور امریکہ کے لیے فلاں فلاں قاعدہ قانون جاری کردونگا، کسی ایک ملک یا چند ملکوں کا نہیں، ساری دنیا کا نظام امن فلاں فلاں معاہدے کے ماتحت قائم کردونگا۔ سان فرانسسکو کانفرنس ہی اب دیر ہی کتنی ہے، صبح شام ہوا ہی چاہتی ہے، بس وہیں اپنی اسکیم منظور کرکرا، دنیا کے مستقبل میں ایک نئے باب کا اضافہ کردونگا —— یہ سب خیالات صدر روزولٹ کے تھے یا نہیں؟ —— بچپن میں سنا ہوا، بادشاہ شداد کا وہ قصہ یاد کیجیے، کہ برسوں کی محنت اور بیشمار صرف زر کے بعد جب جنت "بن کر تیار ہو گئی" اور بادشاہ اسے دیکھنے کے لیے چلا ہے، تو جنت کے عین پھاٹک پر شاہی گھوڑے سے اترتے وقت، پیر ابھی رکاب ہی پر تھا، کہ وقت موعود آگیا! اور جنت ساز کو دید جنت کی حسرت لیے ہوئے ہی دنیا سے سفر کر جانا پڑا! —— کیا فرق ہے اس پچھلے قصہ، اور اس نئے واقعہ میں؟

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبر نے یہ کتنی سچی بات کہ ڈالی ہے! جو خدا تاثیر خلق کل بھی تھا، وہ آج بھی ہے! سب اُسکے محتاج جس طرح کل تھے آج بھی ہیں! اسکی حکومت و فرماں روائی جس طرح کل ہٹلر اور نمرود و فرعون وغیرہ ان پر چل رہی تھی، آج بھی ہٹلر اور مسولینی، اور اسٹالن اور چرچل پر چل رہی ہے۔ بندوں کی ساری ترقیوں کے باوجود اسکی خدائی جوں کی توں قائم ہے! —— روزولٹ اچھا تھا یا برا تھا،

اختیار کرنا پڑی تھی، اسکے اب یہ بھی کوئی بیان انہیں کے قلم سے ہوتا تھا۔ ۱۹۲۰ء میں مجلس خلافت کی ورکنگ کمیٹی کی طرف سے انگریزی میں جو بیان شایع ہوا تھا، وہ مولانا ہی کا لکھا ہوا تھا۔ اُسے بآسانی لیا جا سکتا تھا۔

مولانا کی انگریزی تحریر کے شیدائیوں کو یہ مجموعہ ایک نعمت معلوم ہوگا۔ اور یہی "مادم ہو" چاہیے بھی۔ افضل اقبال صاحب نہ جامعی ہیں نہ علیگ۔ اور نہ کبھی مولانا کی صحبت میں رہے۔ اس پر بھی دونوں کتابیں شایع کرکے وہ وہ کام کرگئے ہیں، جس پر ہر جامعی اور ہر علیگ کو رشک کرنا چاہیے۔

قیمت عشہ اگر کاغذ اور سامان طباعت کی موجودہ گرانیوں کے لحاظ سے زائد نہ ہو، تاہم عام شائقین کی جیب کے لیے تو یقیناً ایک بار ثابت ہوگی۔ — کاش ہز ہائینس نواب صاحب رامپور یا ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال یا اور کوئی صاحب ہمت ہزار پانچ سو کتابیں خرید کر ملک کی تمام مشہور لائبریریوں میں پہنچا دیں!

(۲) **اشتراکیت اور اسلام**۔ از مولانا سید مسعود عالم ندوی ۸۰ صفحے۔ ۱۸ × ۲۲ تقطیع۔ قیمت ۸؍ پتہ:- دار المصنفین اعظم گڑھ

اس موضوع پر اردو میں اب تک متعدد کتابیں آچکی ہیں، چھوٹی بھی اور بڑی بھی اور (چھوٹی) اور بری بھی۔ یہ رسالہ اُن سب سے زیادہ سلجھا ہوا ہے، اور مختصر ہونے کے باوجود کافی اور جامع اور مستند بھی۔ مصنف نے یہ گرہ شروع ہی میں کھول دی کہ اشتراکیت (سوشلزم) محض ایک معاشی نظریہ نہیں، ایک مستقل مذہب کا نام ہے۔ جسکے اپنے مخصوص عقائد ہیں۔ مخصوص اخلاق اور مخصوص تمدن کا نظام ہے۔ پھر دونوں مذہبوں کی تعلیمات کا موازنہ کیا ہے، اور اشتراکیت کی فلسفیانہ اور معاشی بنیادوں پر تبصرہ۔

کتاب مغز؛ عبارت دونوں کے لحاظ سے پوری ایک ندوی کی تصنیف ہے، اور انھیں خصوصیات کی حامل، جو ایک ندوی کے لیے طرۂ امتیاز ہیں۔ نکتہ چینی کی نگاہ کو کتاب بھر میں گنتی کے صرف دو لفظ کھلے۔ اور مصنف کی عام شستگی تحریر سے انکا جوڑ نہ مل سکا۔ ایک "پرجا" دوسرے "سماج"۔ ہندی لفظوں کا استعمال مطلقاً بُرا نہیں۔ لیکن ابھی ان لفظوں کے استعمال میں اُس وقت تک تامل چاہیے، جب تک یہ الفاظ ثقات ادب کی زبان پر نہ آجائیں۔

(۳) **لہو ترنگ**۔ از میر سکندر علی صاحب وجد بی اے ضخامت ۱۹۰ صفحے۔ قیمت قسم اول سے، قسم دوم ہے، پتہ، عبد الحق اکیڈمی حیدرآباد دکن

وجد صاحب حیدرآبادی، جامعہ عثمانیہ کے بہترین فرزندوں میں سے ہیں۔ اور خود تو ابھی اتنے نہیں، لیکن انکی شاعری کی عمر خاصی پرانی ہو چکی ہے۔ کلام انکا برسوں سے دیکھنے میں آرہا ہے — شاعر کی شہرت لیکر آئے ہیں۔ وجد — وجد آفریں!

"لہو ترنگ" کا لفظ اقبال کے ایک شعر سے لیا گیا ہے۔ اور خود اقبال کا رنگ ہے کہ کتاب کے صفحہ صفحہ سے پھوٹا نکلا رہا ہے — آج کلیات وجد ہے۔ یعنی ان کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے۔ نظمیں ۲۷ تک۔ اسکے بعد غزلیں۔ کل اشعار کا مجموعہ ایک ہزار کے دیباچہ تک [illegible]۔ نظمیں کوئی ۵۰-۵۵ کی تعداد میں ہونگی۔ عنوانات لسان الدولہ ایک قلی سے لیکر اقبال اور محمد علی تک ہیں۔ اقبال والی نظم تو معمولی ہے البتہ شاعر کے جوہر محمد علی والی نظم میں کھلے ہیں۔ وہ ایک بند ملاحظہ ہوں:—

نفرت ازلی تھی تجھے دنیا و درم سے	جھکی نہ کبھی آنکھ تری جاہ و حشم سے
سر جھک نہ سکا سطوت اسکندر و جم سے	بجلی تھی نہ باز آئی تری تیغ قلم سے

تحریر سے تھا رنگ عیاں قلب تپاں کا
تقریر میں تھا سوز مجاہد کی اذاں کا

یہ تیسرا بند تھا، اب پانچواں ملاحظہ ہو:—

کرتے ہی رہے خیش نہ اذکار و اشعار	غازی ہو اسامان سفر باندھ کے تیار
اسباب تھا قرآن، دل ریش، و تن زار	مونس تھی؛ لائے غلبۂ حیدر کرار

درپیش نیا معرکۂ کرب و بلا تھا
بے خوف اجل مرد خدا مست چلا تھا

غزلوں کی تعداد کوئی ۵۰ کے قریب ہوگی۔ اکثر چھلی ہوئی، شگفتہ بحروں اور مشہور استادوں کی زمین میں۔ غزلوں کا مرتبہ نظموں سے کمتر نہیں، کچھ بڑھا ہی ہوا ہے۔ اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاعر اپنے جوش و مستی کے سیلاب کو بار بار روک کر حدود و قیود کے اندر رکھنا چاہ رہا ہے۔

کہیں کہیں کسی لفظ یا ترکیب پر ممکن ہے کہ نکتہ چیں انگلی رکھ سکے مثلاً ص۲۲ پر "دوستانہ پیدا کرنا" یا مثلاً پر "دل پروردم"۔ لیکن معصوم کونسا شاعر یا ادیب ہوا ہے، یا ہو سکتا ہے؟ شاعر کی داد کے لیے یہ کافی ہے زاید ہے کہ وہ شاعر فطری ہے۔ وہ آورد نہیں، آمد کے بل پر چل رہا ہے اور اسکا دل و دماغ دونوں مسلمان ہیں، اور اسکی زبان اہل زبان کی سی زبان ہے۔

(۴) **اسٹڈی ان اقبالس فلاسفی** (انگریزی) از بشیر احمد صاحب ڈار ایم اے، ضخامت ۴۲۵ صفحے۔ مجلد۔ قیمت سے، پتہ: شیخ محمد اشرف، تاجر کتب انگریزی۔ کشمیری بازار۔ لاہور

اقبال پر کتابوں کا سلسلہ جاری ہے۔ یہ کتاب انگریزی میں اقبال کی شاعری یا مذہب پر نہیں، بلکہ فلسفہ پر ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ اس میں اقبال کے خیالات و تعلیمات کو فلسفہ کی اصطلاحوں میں پیش کیا گیا ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ مذہب سے اگر قطع نظر کرلی جائے تو اقبال کے کلام کے پھر معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ اور یہ افادہ تعبیر انگریزی خوانوں کے حق میں خاص طور پر مفید ہے۔

کتاب دیباچہ کے بعد چار بابوں میں تقسیم ہے۔ اور آخر میں ضمیمے ہیں۔ ایک سینی سوشلسٹ (اسحٰق کمانڈر) نے حال میں اقبال پر بہت کچھ زہر اگلا تھا۔ مصنف نے بہت اچھا کیا کہ ایک ضمیمہ لگے

(بقیہ صفحہ ۸)

روایاتِ نزولِ مسیحؑ

نمبر (۳)

(از مولوی عبد الرحیم خاں صاحب شاہجہانپوری، فرنگی محلی)

ان امور دور از مگانہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے اب آپ علامہ مجیب محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی کے اصل مضمون پر توجہ کی جائے کہ کہاں تک اصل سوال اُس سے حل ہوتا ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے۔ میرے مضمون میں نہ تو اس سے بحث تھی کہ ان مسائل کے متعلق حدیثیں ہیں یا نہیں اور نہ اس سے بحث تھی، کہ عقائد کی کتابوں میں بطور عقیدہ ان مسائل کا ذکر ہے یا نہیں۔ اصل سوال یہ تھا کہ (۱) کیا حیات و نزول مسیح علیہ السلام والے مسائل "قطعیات" میں سے ہیں جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمایا تھا اور (۲) کیا خروج مہدی کے متعلق کوئی ایک صحیح متواتر حدیث موجود ہے۔ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمایا تھا۔ اور آخر میں ضمنی طریقہ سے درخواست تھی کہ تعمیم فائدہ کے لیے معتبر، متداول عقائد کی کتابوں کی وہ عبارتیں پیش کر دی جائیں کہ جن میں ان مسائل کو بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو (یہ درخواست کیوں تھی اسکا جواب آگے آئیگا) مجھے افسوس ہے کہ علامہ مجیب نے جس طرز پر جواب تحریر فرمایا ہے اُس سے دونوں سوالوں میں سے کوئی بھی حل نہیں ہوتا۔ جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:—

علامہ مجیب نے پہلی عبارت "قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرۃ رواتہا عن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فی المہدی وانہ من اہل بیتہ وانہ یملأ الارض عدلا وان عیسیٰ علیہ السلام یخرج فیساعدہ علی قتل الدجال وانہ یؤم ہذہ الامۃ وعیسیٰ خلفہ فی طول من قصتہ وامرہ" بحوالہ تذکرۃ للقرطبی نقل فرمائی ہے فتح الباری میں یہ عبارت باوجود تلاش مجھے نہیں ملی۔ علامہ مجیب سے اُمید وار ہوں کہ اس معاملہ میں میری رہبری فرمائیں اور باب اور حدیث کے حوالہ سے مطلع فرمائیں۔ تذکرہ للقرطبی سردست میرے پاس موجود نہیں البتہ علامہ شعرانی نے اُسے مختصر کر کے جو رسالہ تیار کیا ہے وہ موجود ہے اُس میں بھی یہ عبارت مجھے نہیں ملی۔ (حالانکہ شعرانی نے اصل کتاب کے صرف اُن حصوں کو چھوڑا ہے جنکا تعلق تشریح الفاظ اور تفصیل اعراب سے تھا جیسا کہ اس مختصر کے دیباچہ میں مصرح ہے) اس مختصر میں شعرانی نے علامہ قرطبی کا قول "لا مہدی الا عیسیٰ" والی حدیث پر بحث کے سلسلہ میں یوں نقل کیا ہے (قال الامام القرطبی) وہذا لا ینافی التقدم فی احادیث المہدی لان معناہ تعظیم شان عیسیٰ بن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام علی المہدی وانہ لا مہدی الا عیسیٰ لعصمتہ وکما لہ فلا ینافی ذلک وجود المہدی کخروجہم لانفسہ الا علیٰ واللہ اعلم، ویؤید ذلک حدیث المہدی من اہل بیتی یملأ الارض عدلا وانہ یخرج مع عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام یساعدہ علی قتل الدجال بباب لد من ارض فلسطین وانہ یؤم ہذہ الامۃ ویصلی خلفہ عیسیٰ بن مریم والظاہر ان الم

(ظاہر ہے کہ قرطبی کی اس عبارت منقولہ میں "تواتر" کا لفظ بھی نہیں آیا) بہرحال اگر اُس میں یا فتح الباری میں یا کسی اور کتاب میں یہ عبارت موجود بھی ہو تو اس سے ان مسائل میں سے نہ کسی کی قطعیت ظاہر ہوتی ہے اور نہ کسی مسئلہ کے متعلق احادیث متواترہ کا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ ظاہر بینوں کو "قد تواترت الاخبار" کے لفظ سے شاید دھوکا ہو۔ حالانکہ اسکے بعد کا متصل جملہ "واستفاضت بکثرۃ رواتہا" تو اس امر کو بتا رہا ہے کہ تواتر سے یہاں ——— تواتر اصطلاحی مراد نہیں ورنہ تواتر کے بعد "استفاضت بکثرۃ رواتہا" کے ذکر سے کیا فائدہ جبکہ اس استفاضہ کے بغیر تواتر اصطلاحی کا وجود عادۃً ممکن ہی نہیں علاوہ اس کے تواتر کا مرتبہ استفاضہ سے بڑھا ہوا ہے پھر تواتر کے ذکر کے بعد بغیر کسی اہم فائدہ کے پیش نظر اُس سے ادنیٰ صفت کا ذکر طریقۂ انشاء کے بالکل خلاف ہے علاوہ اسکے "الاخبار" جمع معرف باللام ہے جسکے متعلق محققین کا فیصلہ یہ ہے (کما فی التلویح) کہ اگر عہد نہ ہو (جیسا کہ عبارت مذکورہ میں ہے) تو وہ عام ہوتی ہے اور الف لام سے اشارہ استغراق کی طرف ہوتا ہے اس بنا پر معنی یہ ہوئے (اگر تواتر سے تواتر اصطلاحی مراد ہو) کہ فلاں فلاں چیزوں کے بارے میں (مہدی، مہدی کا اہل بیت سے ہونا وغیرہ وغیرہ جنکا ذکر الفاظ "صلی اللہ علیہ وسلم" کے بعد ہے) جو جو خبریں ہیں ان میں سے ہر ہر خبر متواتر ہے۔ کیا کوئی اصول حدیث سے واقف شخص اتنی کثیر خبروں کو متواتر مان سکتا ہے؟ "الاخبار" سے جنس خبر مراد لینا مجاز ہوگا کیونکہ جمع محلی باللام جنس کے لیے مجاز ہے (کما فی التوضیح) اور حقیقت کے ہوتے مجاز ماننا شان علم کے خلاف ہے اور یہاں حقیقت بن سکتی ہے اس طور کہ "تواترت" کو "کثرت" کے معنی میں لیا جائے جو اس لفظ کے حقیقی معنی کا ماحصل ہے (جیسا کہ بحث سے ظاہر ہوتا ہے) اور "الاخبار" میں الف لام استغراق کا ہو اور معنی یہ ہوں کہ فلاں فلاں چیزوں کے متعلق ہر ہر خبر کثیر طریقوں سے مروی ہے۔ "تواترت" میں تواتر کے اصطلاحی معنی لیکر "الاخبار" میں مجاز کا قائل ہونا عجیب و غریب امر ہوگا۔ اس سے قطع نظر "تواتر" خبر کے "فرد" کی صفت ہوتی ہے نہ کہ جنس خبر کی۔ اس لیے کسی مسئلہ کی جنس خبر کو متواتر کہنا ایک نیا مجاز ہوگا۔ اصل یہی ہے کہ اس عبارت میں "تواترت الاخبار" کے ماحصل معنی "کثرت الاخبار" ہی کے ہو سکتے ہیں (تواتر کے اصطلاحی معنی کی جانب ذہن ملتفت نہ ہو جائے اسی لیے "واستفاضت بکثرت رواتہا" کا اضافہ کیا گیا) محدثین کے کلام میں اسکا نمونہ موجود ہے جیسا کہ مثلہ میں گزرا۔ اور استفاضۂ خبر نہ تو تواتر اصطلاحی کو مستلزم ہے اور نہ قطعیت کو۔ خبر مشہور سے ظن کا اعلیٰ مرتبہ حاصل ہوتا ہے، جو اگرچہ یقین کے لگ بھگ ہوتا ہے مگر یقینی نہیں ہوتا جیسا کہ مثلہ میں گزرا۔ پس اگر مبصر صاحب نے مہدی کے بارے میں احادیث متواترہ سے احادیث متکاثرہ مراد لیا تھا تو میری بحث اس سے متعلق نہیں۔ مبصر صاحب کے لیے بس یہی تشریح کر دینا کافی ہے

علامہ مجیب نے دوسری عبارت "ابن خلدون" کی پیش کی ہے

بیسویں صدی کے دو مجاہد

(محمد علیؒ کی برسی کے موقع پر)

غدر ۱۸۵۷ء کے بعد جو قوم سب سے زیادہ معتوب ہوئی، وہ یہی امت اسلامیہ تھی۔ جور و استبداد سے جو لوگ بالکل خاموش اور مرعوب کر دیئے گئے، وہ ہمارے ہی آباء و اجداد تھے! کس کی ہمت تھی جو فرنگی حکومت کے خلاف صدائے حق ہی بلند کر سکتا! علمائے اسلام نے بھی "خاموش عبادت" ہی پر اکتفا کیا اور ترک موالات کے فتاوے صادر کر دیے۔ لیکن سرسیدؒ نے جب دیکھا کہ برادران وطن مسلمانوں کی خاموشی اور عافیت پسندی سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں اور حکومت کا اعتماد حاصل کر رہے ہیں بلکہ حکومت کے پردہ میں مسلمانوں سے انتقام بھی لے رہے ہیں، تو وہ مرد میدان بنکر سامنے آگئے اور قوم کو آواز دی کہ سیاسی تدبر سے کام لے، اپنا مقصد پیش نظر رکھکر وہ راہ اختیار کرو جو زمانہ کا لحاظ تو ضرور ہے مگر جانا ہے منزل مقصود کی طرف! سرسید نے اینگلو اورینٹل کالج قائم کرتے وقت اعلان یہ کیا تھا کہ اس درسگاہ کے طلبا کے ایک ہاتھ میں علم ہوگا، دوسرے میں تلوار اور پیشانی پر کلمۂ طیبہ۔

اس نکتہ کو سب سے بہتر علی برادران نے سمجھا۔ اور اسی کو انھوں نے اپنی زندگی کا مشن اور لائحہ عمل بنا لیا۔ انھوں نے انگریزی کی اعلیٰ تعلیم محض ملازمت سرکاری کی غرض سے نہیں حاصل کی بلکہ برطانوی اور مغربی سیاست و تمدن کا علمی مطالعہ کرنے کی نیت سے حاصل کی تاکہ مخالف کے گھر کا جغرافیہ بھی معلوم ہو جائے اور اسکے خلاف اسی کے ہتھیار استعمال کر سکیں۔ چنانچہ انگریزی ادب میں علی برادران نے وہ کمال حاصل کر لیا کہ بڑے بڑے انگریزی ادباء رشک کرتے تھے۔ مغربی سیاست، آئین جہانبانی اور اصول حکومت سیکھنے پر آئے تو اسکے صرف حافظ ہی نہیں ہوگئے بلکہ انکی خامیاں، خودغرضانہ نکات، اور پوشیدہ اغراض و مقاصد کی قلعی کھول کے رکھدی۔ انکی تہذیب، معاشرت، انکا اخلاق و کردار، انکی اقتصادیات و ضروریات اور ڈپلومیسی و معاشیات کا اتنا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا کہ فرنگی بھی عش عش کرنے لگے۔ اس طرح تمام مغربی ہتھیاروں سے مسلح ہو کر یہ مجاہدین میدان مقابلہ میں اترے! اور انکے تمام داؤں پیچ کا اس طرح سے توڑ دیا کہ فرنگیوں کو کان ہی پکڑنا پڑا۔ ایسے نفوس دنیا میں کہاں ہوتے ہیں جو سیاہی کے سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد بھی جب باہر آئیں تو جسم و لباس دودھ اور بگلے کے پر کی طرح سفید و شفاف رہے؟ علی برادران نے اپنی ذات سے ثابت کر دیا کہ اگر ایمان اور نیت سلامت ہو، منتہائے نظر اسلام کی ترقی، قوم کی فلاح اور وطن کی آزادی ہو، تو مخالفین کے گھروں میں رہ کر بھی انسان بے راہ نہیں ہو سکتا اور نہ اس پر مخالف رنگ چڑھ سکتا۔

علی برادران نے ایسے زمانہ میں اپنے قومی حقوق، آزادی وطن، اور استخلاص ممالک اسلامیہ کا مطالبہ پیش کیا، جبکہ حکومت کی مرضی کے خلاف زبان و قلم سے ایک لفظ نکالنا بھی غداری سمجھا جاتا تھا۔ جبکہ حکومت سے صرف "عرض و گزارش" کی اجازت تھی اور جبکہ لفظ "مطالبہ" کو گستاخی سمجھا جاتا تھا۔ کانپور کی مسجد کے دروازہ کے انہدام پر جب مسلمانان ہند میں ایک ہیجان پیدا ہوا تو حضرت مولانا محمد علیؒ نے صوبہ کے لفٹننٹ گورنر جیمس مسٹن کو جو خط لکھا تھا اور جسے کامریڈ میں شایع کر دیا تھا۔ اس میں اُن کو "مائی ڈیر" لکھ کر مخاطب کیا گیا تھا۔ تاریخ ہند میں یہ پہلا واقعہ تھا جس میں ایک محکوم نے حاکم وقت کو برابر کے درجہ سے مخاطب کیا تھا۔ اسے پڑھ کر لوگ انگشت بدنداں رہ گئے تھے۔

اسکے بعد علی برادران نے "حمایت اسلامیہ" (پین اسلامزم) کی وہ تحریک زندہ کرنی چاہی جسے ختم کرنے کیلیے دو سو برس تک یورپ بے چین و مضطرب رہا! بڑے بھائی نے "خدام کعبہ" کی تحریک شروع کی۔ جسکا پس منظر ہی "مرکز اسلامی" تھا۔ اور چھوٹے بھائی نے ترکی سے تعلقات و روابط اسی مقصد سے پیدا کیے۔ جنگ بلقان کے زمانہ میں طبی مشن بھیجا اور ترکی کی حمایت میں "چوائس آف دی ٹرکس" مضمون لکھ کر نظر بند و قید ہونے کا مقصد اسکے سوا اور کچھ نہیں تھا کہ سارے عالم کے مسلمانوں کو ایک مرکز پر لایا جائے۔ اور ممالک اسلامیہ کو آزاد کرانے کے لیے ہندوستان کو پہلے آزاد کرایا جائے۔ اسی "وحدت اسلامیہ" کی خاطر بڑے بھائی نے کلکٹری چھوڑی، انگریزی وضع چھوڑی، اپنا وطن چھوڑا۔ اور قوم کی "سپہ سالاری" پائی۔ زمانہ اور دشمنوں نے انکو تکلیف، مصیبت، قید و بند، افلاس و غربت کی بھٹی میں تپایا اور قدرت خداوندی نے انکو "جوہر" بنا کے نکالا! رامپور کے دو یتیم بچوں کو اللہ نے نوازا۔ انکی خدمات اسلامی قبول کرکے ایک کو گہوارۂ انبیاء میں جگہ دی اور ایک کو گہوارۂ اولیاء میں۔

اللہ تعالیٰ انکی ارواح کو سکون ابدی اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے۔ انکی قبور کو نور سے بھر دے اور ہم کو انکے نقش قدم پر چل کر انکے مشن کو کامیاب بنانے کی ہمت و توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ (انقلاب بمبئی)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

(۱) موسیٰ اسمٰعیل دیسائی صاحب (ناگیشور) بہتر ہوگا کہ مسئلہ کا فیصلہ انھیں لوگوں پر چھوڑ دیجیے جو علوم اسلامی میں ماہر ہیں، اور اقبال سے محبت و شیفتگی میں اور اقبال کی عظمت کے اعتراف میں کسی سے پیچھے نہیں۔ اخبار میں تفصیلی بحث کرنا اقبال کے کسی دوستدار کا کام نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

جواب کے بے وقعت اردیا۔ اقبال کی جو تعلیمات ہیں اور جو پیام ہے وہ بالکل ظاہر ہیں، اب نہ وہ کسی تفارت کے محتاج ہے انھیں ابرار دوہرانے رہنے کی ضرورت۔ مصنف کا احسان یہ ہے کہ انھیں حقائق کو انھوں نے اچھے انداز میں بیان کردیا، جس سے تعلیم یافتہ انگریزی خواں طبقہ یقینا متاثر و مستفید ہوگا۔ اور یہ بھی اپنے ملک میں اچھی خاصی خدمت ہے، اقبال کی بھی اور سچے اقبال خادم مقصود یعنی اسلام کی بھی۔

آخر میں انڈکس (اشاریہ) اور کتابیات (ببلیوگرافی) دونوں مفید ہیں۔

رسید کتب

(۱) تقریر خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب۔ ۲۲ نومبر ۱۹۴۳ء کو مسلم گرلز کالج۔ علیگڑھ میں۔ ۲۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں

مسلمان عورتوں میں تہذیب جدید کیا کام کیا؟ "تعلیم" پہلے پہلے کی کہانی، شیخ عبداللہ صاحب کی زبانی۔ شاعروں کی صنعت "دروغ مصلحت آمیز ہی گوید" کا نثر میں نمونہ — کیا خوب کہا ہے وحید حیدرآبادی نے

کم جوش ہوا پیر دیا دین خدا کا
[illegible]وں نے دیا ساتھ زنا کی ہوا کا

مقدمہ کا فیصلہ

لاہور۔ ۲۲ مئی۔ "ہندوستانی نوجوان جو اپنے اخلاق حسنہ اور قوت کی وجہ سے عالمگیر شہرت رکھتے تھے پہلے ہی کافی ان اوصاف سے بڑی حد تک محروم ہو چکے ہیں۔ لیکن اب انھیں مزید تباہی کے گڑھے میں دھکیلنے والے نام نہاد ترقی پسند ادیبوں سے میں درخواست کرونگا کر وہ خدا کیلئے عوام کے جنسی جذبات کے ساتھ کھیلنے سے باز آئیں اور آرٹ کے نام پر ایسے ادب کی تخلیق سے ہاتھ اٹھالیں"۔ ان ریمارکس کے ساتھ چودھری مہدی علی خاں مجسٹریٹ درجۂ اول نے لاہور کے ماہوار رسالہ "ادب لطیف" کے ۱۹۴۳ء کے سالنامہ میں سعادت حسن منٹو کے لکھے ہوئے ایک بیہودہ فحش اور قابل اعتراض افسانہ "بو" کے سلسلہ میں مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے رسالہ کے مالک چودھری برکت علی اور ایڈیٹر نذیر قاسمی کو زیر دفعہ ۲۹۲ تعزیرات ہند ساٹھ ساٹھ روپے جرمانہ کیا۔ اور چودھری نذیر احمد پرنٹر و پبلشر کو بری کردیا۔ افسانہ "بو" کے مصنف مسٹر منٹو اور دیگر ملزموں کے خلاف ایک مقدمہ ۲۸ ڈیفنس رولز کے ماتحت بھی چل رہا تھا۔ مسٹر منٹو پہلے ڈسچارج ہو چکے ہیں اور اس مقدمہ کے دوسرے ملزم آج بری کیے گئے۔ س۔ ت۔ (انقلاب)

ہمارے عرس

جماعت احرار کے لیڈر ماسٹر تاج الدین اور سردار محمد شفیع [illegible] پچھلے عرس کے موقع پر پیران کلیر گئے۔ وہاں آپ نے جو [illegible] اپنی آنکھوں سے دیکھے ایک بیان میں فرماتے ہیں:—

" سائبان کے نیچے ایک بڑا اجتماع دیکھا۔ دریوں کے اوپر [illegible] بچھائے گئے۔ گاؤ تکیے لگائے۔ پانچ آدمی امیروں کی وضع بنائے گھیرا ڈال کر بیٹھے ہوئے تھے۔ انکی پشت پر سیکڑوں آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک طرف کچھ عورتیں بھی بیٹھی ہوئی تھیں۔ ہزاروں آدمی ادھر ادھر کھڑے ہوئے تھے۔ درمیان میں ایک رنڈی نیم برہنہ زرق برق لباس پہنے ناچ رہی تھی اور لوگ نوٹ پر نوٹ دیئے جا رہے تھے۔ رقص کے ایک ہی حلقہ میں ڈیڑھ دو سو روپے کے نوٹ اسکو دیئے گئے ہونگے یہ نظارہ دیکھ کر ہم وہاں سے ہٹ کر دس قدم اور آگے گئے۔ تو وہاں بھی ایسا ہی مجمع تھا۔ اور اسی طرح رنڈی ناچ رہی تھی۔ وہاں بھی اسی طرح آدمیوں کے ساتھ ایک طرف برقع پوش عورتیں نقاب الٹ کر بیٹھی ہوئی تھیں۔ اور رنڈی اسی طرح نوٹ پر نوٹ وصول کر رہی تھی۔

ایک ہی بازار میں بیسیوں جگہ پر ایسے اجتماع اور رنڈیوں کے ناچ ہو رہے تھے۔ ہم تھوڑی دور جاکر بس کیمپ میں پہنچے تو میرے ہمراہیوں نے مجھے بتایا کہ کم از کم ڈیڑھ دو سو جگہ پر اسی طرح ناچ ہو رہے تھے۔ رنڈیوں کی پارٹیاں ہیں۔ ہر رنڈی چند منٹ ناچتی ہے۔ پھر دوسری ناچنے گانے لگتی ہے۔ رات کو ۹ بجے سے مسلسل ۱۲ گھنٹے ہر جگہ یہی کیفیت رہتی ہے ہندوستان کے ہر گوشہ سے دو ہزار سے زیادہ رنڈیاں یہاں آتی ہیں اور لاکھوں روپیہ کماکر لے جاتی ہیں۔

دوسرے دن یہ بھی معلوم ہوا کہ پولیس میں چار عورتوں کے اغوا کی رپورٹ ہوئی ہے جن میں ایک رنڈی [illegible] ایک بڑا ہی [illegible] کیس مقبوضہ کی چار دیواری کے اندر [illegible]

بہت سے لوگوں نے ہمیں بتایا کہ [illegible] میں علانیہ شراب بھی پی جا رہی ہے۔ ہمارا اندازہ ہے کہ [illegible] درگاہ نے بیس کم از کم ۲۰ لاکھ روپیہ اور [illegible] آنے جانے اور رہنے کا خرچ کم از کم ڈیڑھ کروڑ سے زیادہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا ہر سال برباد ہوتا ہے۔ ہم نے مصمم ارادہ کرلیا ہے کہ آئندہ سال رنڈیوں کا ناچ یہاں نہیں ہونے دیا جائیگا۔ خواہ ہمیں ہزاروں کی گرفتاریاں کیوں نہ کرانی پڑیں۔"

یہ تو صرف ایک درگاہ پیران کلیر کے واقعات ہیں۔ کوئی ایک درگاہ ہے جہاں یہی سب کچھ مذہب کے نام پر نہیں ہوتا؟ اور جہاں کے سجادہ نشین کے ۱۱ اسٹیشن سے کم ہیں۔ (ریاست)

سچی باتیں

مسولینی کے نام کے نعرے اور جیکارے تو ابھی کانوں میں گونج رہے ہونگے! کس ٹھنٹھے اور کس دبدبے کا فرعونی وقت تھا؟ ۱۹۲۲ء اور ۱۹۳۹ء میں کیا اسکے نام کا طوطی بول رہا تھا۔ فرانس اور روس اور برطانیہ اور امریکہ کے اچھے اچھے شیردلوں اور اونچے اونچے مدبّروں تک پر اُسکے نام کی ہیبت طاری تھی۔ ۱۹۴۰ء بلکہ ۱۹۴۲ء کے شروع تک دنیا پر اُسکی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ ۴۰ ہزار سپاہی اور ۶ ہزار ہوائی جہاز بھیج، ۱۹۳۶ء میں ملک حبشہ کا خاتمہ ہی کردیا۔ کیسے کیسے خواب ملک گیری کے دیکھ رہا تھا۔ گویا قدیم رومن امپائر از سرِنو قائم ہو جائیگی، اور برطانیہ اور فرانس تک پر اُسکی اقبالمندی کا علم نصب ہو جائیگا۔ ——— دیکھنے دیکھتے وہ عظیم الشان وعالی مرتبت مسولینی کہاں گیا؟

"میلان (اٹلی)۔ یکم مئی۔ ڈیوچے، اسوقت میلان کے شمال میں کوموؔ میں تھا۔ جہاں اس نے ریڈیو کے ذریعہ سے احکام جاری کرکے ۲۰ ہزار فوج جمع کرلی۔ اتحادیوں کو اسکی خبر مل گئی، اور انھوں نے ہوائی حملوں سے شہر کو مسمار کر دینے کا تہیہ کرلیا۔ مسولینی نے روپوشانہ روز ایک گاؤں میں اپنی داشتہ کے ہمراہ بسر کیے۔ فوج اسی درمیان میں منتشر ہوگئی، اور مسولینی نے جرمن وردی پہن کر بھاگنے کی ٹھان لی۔ عین اسوقت جبکہ کا موٹر سوئیزرلینڈ کی سرحد میں داخل ہو رہا تھا، کمیونسٹ حکومت کے کارندوں نے اُسے گرفتار کرلیا۔ مقدمہ کا فیصلہ سنانے میں کل بہت لگے، اور سزائے موت کا حکم ملا۔ ۲۸ اپریل کو ۴ بجکر ۱۰ منٹ پر ایک کمیونسٹ کرنل کی ماتحتی میں ۱۵ سپاہیوں کے ایک دستہ نے باڑھ ماردی۔ لاغر ونحیف لیکن ضابطہ و مغرور مسولینی کا جسم تڑاپ تڑپ کر ٹھنڈا ہوگیا۔ (۱۷ اور رفیقوں کا بھی یہی حشر ہوا) لاش میلان لائی گئی، اور ایک نمایاں مقام پر رکھ دی گئی۔ لوگ گزرتے تھے، اور کوئی کوئی ان میں سے، اُسکے جسم پر جو ۲۳ سال تک اٹلی کا آمرِ مطلق رہا تھا، تھوک بھی دیتا تھا۔ ایک مسن عورت نے لاش کے قریب آکر پانچ گولیاں اور اُس پر چلا دیں، یہ کہکر کہ اس جلاد نے میرے پانچ بیٹوں کو ہلاک کر ڈالا تھا، آج اپنے ہر بیٹے کی طرف سے بدلہ لے رہی ہوں"!

مسولینی اچھا تھا یا بُرا تھا، بہرحال جبار کتنا بڑا تھا! یہ حسرتناک وعبرتناک انجام، خود اُسکے ملک میں، اُسی کے ہموطنوں کے ہاتھوں، کسی کے خواب وخیال میں بھی تھا؟ ——— جس خدا نے بندوں کی زبان سے یہ مناجات کہلائی ہے کہ

اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ، بِیَدِکَ الْخَیْرُ، اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ	اے بادشاہ حقیقی! آپ ہی جسے چاہیں حکومت دیں اور جس سے چاہیں حکومت سلب کرلیں! آپ ہی جسے چاہیں ذلیل وخوار کردیں!

ساری بھلائی آپ ہی کے ہاتھ میں ہے، آپ ہی قدرت ہر چیز پر رکھتے ہیں!

وہ آج بھی زندہ وقیوم خداوند ہے۔ وہ آج بھی جب تنکے کو چاہے پہاڑ بنا دیتا ہے، اور جس پہاڑ کو چاہتا ہے تنکا کرکے دکھا دیتا ہے! وَلَهُ الْکِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، بڑائی صرف اُسی کی ہے، اور جن سرکشوں نے خود اپنے کو بڑھانا چاہا، اُنکا انجام کیسا ہولناک ہر زمانہ میں ہوتا آیا ہے!

ایک تفسیری سوال

ایک کالجی طالبعلم کا خط:۔

"دوران تلاوت میں آیات ذیل سامنے آئیں۔ تفسیر کا طالب ہوں۔ سورہ ص، پارہ ۲۳، رکوع ۳۔ اذ عرض علیہ بالعشی الصّٰفنٰت الجیاد ۔۔۔ جسدا ثم اناب۔"

پہلے اس حقیقت کو پیش نظر رکھا جائے کہ جن قصوں کی تفصیل نہ قرآن ہی میں کسی دوسری جگہ مذکور ہے، اور نہ حدیث صحیح میں، اور تاریخ سے بھی جن پر پوری روشنی نہ پڑ رہی ہو، انکی کوئی ایک ہی قطعی تعبیر سمجھنا زیادتی ہے۔ انکی مختلف تعبیریں ہو سکتی ہیں۔ سوال صرف راجح و مرجوح کا رہ جائیگا، اور پھر جب قرآن کے الفاظ اور ترکیبیں ہی ایسی ہوں کہ کئی کئی معنی اور کئی کئی محمل نکل سکتے ہوں، جب تو کسی متفق علیہ تفسیر کی توقع ہی نہ رکھنی چاہیے۔

اس بنیادی حقیقت کے بعد، تمہید یہ ذہن میں رکھیے:۔

ووھبنا لداؤد سلیمان اور داؤد کو ہم نے (فرزند) سلیمان عطا کیا۔ وہ نعم العبد انہ اواب (سلیمان) بڑے اچھے بندہ تھے اور (ہماری طرف) بہت ہی رجوع کرنے والے تھے۔

یہ سب تردید ہو رہی ہے یہود اور مسیحیوں کے اس زعم باطل کی کہ نعوذ باللہ حضرت سلیمان فاسق فاجر ہی نہیں بلکہ بُت پرست و مشرک ہوگئے تھے۔ اور ان ظالموں نے اُنکی بابت گندی سے گندی روایتیں اپنے مذہبی نوشتوں میں داخل کر دی تھیں۔ قرآن مجید اُنکی صفائی دیتا اور اسکے ساتھ اعلان کرتا ہے کہ وہ بڑے زبردست موحد تھے۔ اور مثال میں ایک قصہ اُن سے متعلق بیان کرتا ہے۔ تفصیلات جو کچھ بھی ہوں، بہرحال سیاق کی مناسبت یہ چاہتی ہے کہ قصہ سے اُنکی دینداری ہی ظاہر ہوتی ہو —— اگلی آیتوں کا تفسیری ترجمہ عام مفسرین کے مذاق کے مطابق ملاحظہ ہو:۔

اذ عرض علیہ بالعشی الصّٰفنٰت الجیاد فقال انی احببت حب الخیر عن ذکر ربی حتی توارت بالحجاب ردوھا علیّ فطفق مسحا بالسوق والاعناق ۔ ولقد فتنا سلیمٰن والقینا علی کرسیہ جسدا ثم اناب ۔	اور جب شام کے وقت انکے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے پیش کیے گئے۔ تو وہ (بعد کو) بولے کہ میں مال کی محبت میں اپنے پروردگار کی یاد سے غافل ہو گیا۔ یہاں تک کہ (آفتاب) پردہ میں چھپ گیا۔ سو اُن (گھوڑوں) کو پھر میرے سامنے لاؤ۔ پھر آپ نے انکی گردنوں اور پنڈلیوں پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔ اور ہم نے سلیمان کی آزمائش کی، اور ایک (ادھورا) جسم اُنکے تخت پر لا ڈالا۔ پھر اُنھوں نے (اللہ کی طرف) رجوع کیا۔

عام مفسرین کے بیان کے مطابق ایک مرتبہ یہ ہوا کہ شام کے قریب آپ اپنے فوجی گھوڑوں کا جائزہ لے رہے تھے، کہ اس دیکھ بھال میں دیر لگ گئی، وقت زیادہ گزر گیا، اور آپکا اُسوقت جو معمول عبادت کا تھا وہ فوت ہو گیا۔ جب آپ کو احساس ہوا، آپ نے اپنے اوپر تعزیر کی، اور غیرت دینی کے جوش میں آکر اس سامان ہی کو ہلاک و غارت کرنا شروع کر دیا، جو آپ کے لیئے ذریعۂ غفلت کا سبب بن گیا تھا۔ پھر دوسری بات یہ ہوئی کہ آپ کا کسی اور طریقہ پر امتحان لیا گیا، اور وارث سلطنت ایک ناقص و ناتمام بچہ پیدا ہوا۔ آپ اسکے بعد خشیت و انابت میں مشغول ہو گئے۔

اس تفسیر کو مان کر بھی کوئی بات مرتبۂ پیمبری کے منافی نہیں پیدا ہوتی۔ انبیاء غفلات سے کاملین بھی مستثنیٰ نہیں ہوتے۔ بجز اسکے کہ وہ غفلات کوئی معصیت کے درجہ کی چیز نہ ہو۔ آپ کا کمال یہ ہے کہ آپ کو خود ہی اسکا تنبہ اور احساس ہوا، اور آپ نہ صرف زبان ہی پر کلمات حسرت و ندامت لائے، بلکہ عملاً بھی تدارک عظیم کی طرف متوجہ ہو گئے۔

لیکن خود یہ تفسیر بھی متفقہ اور قطعی نہیں۔ "مال کی محبت میں یاد الٰہی سے غافل ہو گیا" یہ صرف ایک معنی ہیں، ورنہ غفلت کے معنی نکلنا لازم ہرگز نہیں۔ عن بعید، لاجل کے معنی میں برابر آتا ہے، اور قرآن میں بھی آیا ہے۔ اور الخیر کے معنی بجائے مال کے جہادی گھوڑوں کے بھی آسانی سے لیے جا سکتے ہیں۔ پھر توارت کی ضمیر کا آفتاب کی طرف پھیرنا محض ایک قیاس ہے۔ آفتاب کا ذکر تو کہیں آس پاس نہیں۔ بالکل ممکن ہے کہ مراد وہی گھوڑے (صافنات جیاد) ہوں۔ اسی طرح انکی پنڈلیوں اور گردنوں پر ہاتھ صاف کرنا محض ایک قیاس ہے۔ بہ آسانی یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ اُن گھوڑوں کی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپتھپاتے رہے —— پورا تفسیری ترجمہ اب یوں ہوگا:۔

"اور جب شام کے وقت اُنکے روبرو اصیل عمدہ گھوڑے (جو تمامتر مجاہدوں اور اعلاء کلمۃ اللہ کے سپاہیوں کے لیے تھے) پیش ہوئے، تو آپ (خوش ہوکر) بولے کہ مجھ میں یہ جہاد کی محبت بھی یاد الٰہی ہی سے پیدا ہوئی ہے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ واپسی میں ان جانداروں کو میرے سامنے لاؤ۔ اور آپ (جیسا کہ گھوڑوں کے لیے معمول ہے) انکی پنڈلیوں اور گردنوں کو تھپکی دیتے رہے"

اب تو غفلات اور کفارۂ غفلات کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ اس میں قول جمہور کی مخالفت نکلتی ہے۔ سو اول تو قول جمہور قول جمہور ہی ہے، کوئی آیت و حدیث ہی نہیں۔ اور پھر ان معانی کی طرف تو متعدد اکابر پہلے ہی جا چکے ہیں۔

جوّز فی عن کونہا تعلیلیۃ (روح) قیل ضمیر توارت للخیل کضمیر ردوہا (روح)

احببت حب الخیر الذی لی عند اللہ تعالیٰ فی الآخرۃ بسبب ذکر ربی (روح) فطفق یمسح اعناقہا وسوقہا محبۃ لہا وتکریمًا وروی ان المسح کان لذلک عن ابن عباس والزہری وابن کیسان ورجحہ الطبری (روح)

قال الشیخ الاکبر محی الدین فی الفتوحات لیس للمفسرین الذین جعلوا التواری للشمس دلیل فان الشمس لیس لہا ہنا ذکر ولا للصلوٰۃ التی یزعمون (روح)

انما ہو الاختبار بالخیل لی حبہا عن ذکر ربہ تعالیٰ لا لاعینہا فاخبر علیہ السلام عن نفسہ انہ احبہا عن ذکر ربہ سبحانہ ایاہا لا لحسنہا وکمالہا وحاجتہ الیہا (روح ـ عن الشیخ الاکبر) قیل الضمیر للصافنات (ابو سعود) والعرب تسمی الخیل الخیر قالہ قتادۃ والسدی (بحر)

مفسر ابن حیان اور امام المفسرین رازی نے اس سے بڑھ چڑھ کر

نادر تصریحات کی ہیں، اور علامہ ابن حیان نے تو یہاں تک لکھ ڈالا ہے کہ

یہی تفسیر جو ابھی بیان ہوئی ہے شان انبیاء کے لائق ہے، نہ کہ وہ قول جو جمہور مفسرین کی جانب منسوب ہے، اس قصہ میں تو ایسی باتیں آگئی ہیں، جنکا انتساب ہی پیمبر کی جانب جائز نہیں۔	ہذا القول ہو الذی یناسب منصب الانبیاء ولا تصور المنسوب للجمہور فان فی قصۃ ما لا یلیق ذکرہ بالنسبۃ الی الانبیاء (بحر المحیط)

حضرت سلیمان (شہنشاہ شام) کی گھوڑ چڑھی فوج کی تعداد انجیل میں ۱۲ ہزار درج ہوئی ہے۔ تیاریوں کی ان سواریوں کا جائزہ لیتے رہنا، تو عین عبادت تھی، نہ کہ مزاحل عبادت۔ اللہم ارنا الحق حقاً۔

ایک تعزیت نامہ

بہت سے موصولہ تعزیت ناموں میں سے کم از کم ایک ضرور ایسا ہے جو ناظرین صدق تک پہونچا دینے کے قابل ہے۔ فاضل گرامی مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ تحریر فرماتے ہیں:-

"آپ نے حزن سے مجھے بھی محزون کیا۔ اسی وقت فاتحہ اور آیات قرآنی کی تلاوت کا ثواب انکی روح پر فتوح کو پہونچایا گیا اور گو ایسا کم ہوتا ہے لیکن پچھلی رات کو جب مناجات کا موقع ہوا، تو وہ یاد آئیں۔ دعا کی گئی۔ دل نے اطمینان پایا کہ ان شاء اللہ انکی مغفرت ہو چکی۔ آخر جنکی زندگی نمازوں میں گزری، روزوں میں گزری، مالک کی یاد میں گزری، انکی مغفرت کی توقع نہ کی جائے تو اور کس کی کی جائے؟ دنیا کا ایک بڑا حصہ کفر پر مصر ہے۔ قرآن ظاہر ہے کہ انکو جہنم میں روکے رکھیگا۔ لیکن جنت کے لیے بھی آدم ہی کی اولاد کا ایک حصہ پیدا کیا گیا ہے۔ اس حصہ میں آخر یہی لوگ نہ ہونگے تو اور کون ہونگے؟ محمد رسول اللہ صلعم کی رسالت پر جو ایمان لا چکے، اطمینان کا وعدہ کر چکے، اس وعدہ کے متعلق ما استطاعوا کی حد تک ادائے کی کوشش میں بھی مصروف ہیں، اور عام مسلمانوں کا یہی حال ہے۔ ان شاء اللہ ان سب کی مغفرت ہوگی، اور انھیں کو عمارت جنت کے لیے انکے خالق نے انکو پیدا کیا ہے۔ آپ بھی صبر سے کام لیجیے، لیکن فراق اور جدائی کا صدمہ طبعی صدمہ ہے، اور طبعی صدمہ کا ازالہ وقت کے گزرنے کا پابند ہے"۔

مولانا نے تعزیت کے ضمن میں مسئلہ کے عمومی پہلو پر جو اظہار خیال کیا ہے، وہ بہت صحیح اور عین مسلک حق ہے۔ نجات کو صرف مخصوص اولیاء کاملین کے ساتھ محدود کر دینا، حق تعالیٰ کی رحمتوں کی بڑی ناقدری کرنا ہے۔ — ہم گرتے پڑتے عوام مسلمانوں کے لیے یہ نجات اور جنت کی بشارت بہت بڑا سہارا ہے!

سہ روزہ صدق

الحمد للہ کہ اب صدق سہ روزہ ہو گیا ہے۔ ناظرین کرام سے دعائے استقامت کی التجا ہے۔ (مہتمم)

سورۂ بقرہ، رکوع ۲۱

(سلسلۂ صدق نمبر ۴۹ جلد ۱)

(از عبد الماجد)

۱۶۹۔ انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون	اور اسکا کہ تم اللہ پر ایسی باتیں گڑھو جنکا تم علم نہیں رکھتے ہو۔
۱۷۰۔ واذا قیل لہم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ آباءنا اولو کان آباؤہم لا یعقلون شیئا ولا یہتدون۔	اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ اللہ نے اتارا ہے اس کی پیروی کرو، تو کہتے ہیں کہ نہیں ہم تو اس کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ (دادوں) کو پایا ہے خواہ انکے باپ (دادا) نہ ذرا بھی عقل رکھتے ہوں اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔
۱۷۱۔ ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق بما لا یسمع الا دعاء ونداء صم بکم عمی فہم لا یعقلون۔	اور جو لوگ کافر ہیں انکا حال تو اس شخص جیسا ہے جو ایسے جانور کے پیچھے چلا رہا ہے جو کچھ سنتا ہی نہیں بجز بلانے اور پکارنے کے۔ (یہ) لوگ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، سو (کچھ بھی) نہیں سمجھتے۔

سوء، فحشاء دو لفظ متقارب المعنی ہیں، لیکن متحد المعنی نہیں۔ سوء تو وہ چیز ہے جو عقلاً بھی ناپسندیدہ ہے، اور فحشاء وہ ہے جسے شریعت نے بُرا ٹھہرایا ہے۔

السوء والفحشاء ما انکرہ العقل واستقبحہ الشرع والعطف لاختلاف الوصفین (بیضاوی)

یہ فرق بھی کیا گیا ہے کہ سوء میں کوئی حد شرعی مقرر نہیں اور فحشاء میں حد شرعی متعین ہوتی ہے۔ اور یہ معنی ابن عباسؓ سے منسوب ہیں۔

السوء ما لا حد فیہ والفحشاء ما فیہ حد۔ حکی عن ابن عباس وغیرہ (قرطبی)

۱۵۸ یعنی اپنی طرف سے نکالی ہوئی چیزوں کو احکام خداوندی کی طرح سمجھنے لگو۔

تقولوا علی اللہ۔ قول کا صلہ جب علیٰ کے ساتھ آتا ہے تو اسکے معنی ہوتے ہیں کسی کے خلاف گڑھ لینا، کسی پر بہتان لگانا۔

ما لا تعلمون علم سے یہاں مراد علم یقینی یا علم ثابت بالوحی ہے۔ پس اس وعید کے تحت میں صرف کفر ہی نہیں، بلکہ بدعت کے اقوال بھی داخل ہو جاتے ہیں۔

فیہ دلیل علی ان کل ما قرہ کل مبتدع ایضاً (قرطبی)؛ یدخل فیہ کل البدعات الی اللہ تعالیٰ ما لا یجوز علیہ (مدارک)

۱۵۹ یعنی جو کچھ اللہ نے تم سب پر اپنے پیمبر کے ذریعہ سے اتارا ہے۔

مراد یہ ہے کہ جب ان سے عالمگیر شریعت الٰہی کی اتباع کے لیے کہا جاتا ہے۔

[illegible] گو یا مورثی آبائی میں خطا و غلطی کا امکان ہی انکے نزدیک نہیں۔ اور یہی چیز عین جہالت و ضلالت ہے۔

آج مشرک قوموں اور بدعتی فرقوں کا بھی یہی حال ہے۔ جب اُنھیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے تو وہ جواب میں اپنے آباد اجداد کے رسوم کو پیش کر دیتے ہیں۔

[illegible] یعنی نہ خود ہی اور اُسکے حقائق و معارف کی رکھتے ہوں اور نہ ہدایت کسی کتاب آسمانی کے ماتحت رکھتے ہوں۔

لا یعقلون شیئاً المراد انہم لا یعقلون شیئاً من الدین (کبیر)

لا یہتدون اے لا یہتدون الی الحق (روح)

بعض کج رے فرقوں نے آیت سے تقلید فقہی کا عدم جواز ثابت کرنا چاہا ہے حالانکہ قاعدہ اقتضاء النص اسکا مقتضی ہے کہ آیت سے تقلید کے عدم جواز پر نہیں، عین جواز پر استدلال کیا جائے۔ آیت میں جس امر کی مذمت وارد ہوئی ہے وہ نفس تقلید نہیں، بلکہ گمراہ و ناداں اسلاف کی تقلید ہے۔ اور یہ قید خود اس امر کی دلیل ہے کہ محققین اہل علم کی تقلید جائز ہی نہیں، بلکہ عین مطلوب ہے! —— کسی مریض سے اگر یہ کہا جائے، کہ تم نے یہ کیا حماقت کی کہ ایک اناڑی اور ان پڑھ کا علاج شروع کر دیا، تو ظاہر ہے کہ اس فقرہ سے مذمت نفس علاج کی ہرگز نہیں نکلی، بلکہ اناڑی اور ان پڑھ سے علاج کی نکلی، اور نفس علاج کی مقصودیت و مطلوبیت ہی ظاہر ہوئی!

[illegible] (بے حسی اور ناسمجھی میں)

ذکر داعی حق کی دعوت حق کا ہو رہا ہے۔ ایک تشبیہ رسولؐ اور اسکی دعوت امت کے ردیہ سے متعلق پیش کی جا رہی ہے۔ مضاف "داعی" محذوف ہے۔

علیٰ حذف مضاف تقدیرہ مثل داعی الذین کفروا (بیضاوی) اے مثل داعیہم الی الایمان (کشاف) فیہا خلاف مذہب اما من جانب المشبہ او المشبہ بہ (روح)

[illegible] یعنی اُس جانور کی طرح جسکے کان میں پکارنے والے کی آواز اور الفاظ تو آ رہے ہیں، باقی وہ معنی و مفہوم کچھ نہیں سمجھتا، بس یہی معاملہ یہ منکرین دعوت حق کے ساتھ کر رہے ہیں۔ داعی کے الفاظ تو سن لیتے ہیں، لیکن اُسکے معنی و مفہوم پر غور ہی نہیں کرتے۔

مثل الدابۃ تنادی فتسمع ولا تعقل یقال لما کذالک الکافر یسمع الصوت ولا یعقل (ابن جریر - عن ابن عباسؓ)

صُمٌّ، یعنی بہرے ہیں آواز حق کی طرف سے۔ صمٌّ عن الحق فلا یسمعونہ ولا ینتفعون بہ (ابن جریر - عن قتادہ)

بُکْمٌ، یعنی اقرار حق کے لیے انکی زبان گونگی ہے۔ بکمٌ عن الحق فلا ینطقون بہ (ابن جریر - عن قتادہ)

عُمْیٌ، یعنی اندھے ہیں خود اپنے نفع و نقصان کے باب میں۔ عمیٌ عن الہدیٰ فلا یبصرونہ (ابن جریر - عن قتادہ)

اس سے ملتا جلتا ایک فقرہ توریت میں بھی موجود ہے:-

"وہ نہیں جانتے اور نہیں سمجھتے کہ انکی آنکھیں لیپی گئیں، سو وہ دیکھتے نہیں، اور اُنکے دل بھی سو وہ سمجھتے نہیں" یسعیاہ۔ (۴۴ : ۱۸)

[illegible] یعنی کھا پی سکتے ہو، کھانے پینے کی اجازت ہے۔ صیغہ امر یہاں بمعنی اجازت ہے، بمعنی حکم نہیں

کلوا فی ہذا الموضع لا یفید الایجاب ولا الندب بل الاباحۃ (کبیر)

کلوا یہاں لفظی معنی میں یہاں صرف کھانے تک محدود نہیں بلکہ ہر قسم کا جائز انتفاع اس میں آ گیا۔

المراد بالاکل الانتفاع من جمیع الوجوہ (قرطبی) وکلوا لعموم جمیع وجوہ الانتفاع ولانہ دعیارۃ (روح)

یا ایہا الذین آمنوا، خطاب اب تک عامۃ الناس سے تھا۔ حلال و حرام کے باب میں مشرکین کی غلطی کے اظہار کے لیے۔ اب خطاب صرف مومنین سے ہے۔ اُن سے ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال و حرام کے باب میں منکرین کی پیروی نہ کریں۔

طیبات، یعنی وہ چیزیں جنھیں شریعت خداوندی نے پاکیزہ قرار دیا ہے۔

[illegible] (زبان سے بھی اور عمل سے بھی)

اشکروا، شکر اس امر کا کہ اُس نے یہ رزق عطا کیا، اور رزق بھی حلال و طیب۔ یہاں صیغۂ امر وجوب کے لیے ہے، نہ کہ صرف اجازت کے لیے۔ اشکروا اللہ امر لیس باباحۃ (کبیر)

خدا کی یاد

"لندن - ۸ مئی - آج شام کو جنگ کے خاتمہ پر خدائے تعالیٰ کے حضور میں عاجزانہ شکریہ کی تجویز، وزیر اعظم مسٹر چرچل نے پارلیمنٹ میں پیش کرتے وقت الفاظ ذیل کہے:-

"مجھے خوب یاد ہے کہ آج سے ۲۵ سال قبل جب جرمنوں نے کے ہتھیار رکھ دینے کی اطلاع اس ایوان کو موصول ہوئی تھی، تو ایوان نے بجائے تقریروں کے خدائے بزرگ و برتر کا شکر ادا کرنا ہی مناسب سمجھا تھا جو افراد و اقوام سب کا تقدیر ساز اور حکم مطلق ہے۔ چنانچہ میں آج بھی تجویز پیش کرتا ہوں کہ ہم سب لوگ ویسٹ منسٹر کے چرچ سینٹ مارگریٹ کو روانہ ہوں۔ اور وہاں خدا کے حضور میں جھکیں۔ اور گریں"

اسکے بعد ایوان کے سب لوگ ایک جلوس مرتب کرکے چرچ کے لیے روانہ ہوئے۔" (رپورٹر)

اگر اتنی شدید اور مدید بلاؤں اور مصیبتوں کے بعد بھی، خدا کسی درجہ میں، اور کسی حد تک یاد آ جایا کرے، تو یہ ساری خرابیاں اور خوں ریزیاں بالکل ضائع نہ گئیں، تو شاید نہ ٹھہریں!

روایاتِ نزولِ مسیح

(۴)

(از مولوی عبد الرحیم خاں صاحب مبیوری۔ فرنگی محلی)

علامہ مجیب نے چوتھی عبارت "ابن کثیر" کی تحریر فرمائی ہے

"قد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیٰمۃ اماماً عادلاً وحکماً مقسطاً" اس عبارت میں بھی "تواترت الاحادیث" کے متعلق وہی گفتگو ہے جو اوپر "تواترت الاخبار" کے متعلق تحریر کی گئی۔ اس عبارت میں بھی "تواترت الاحادیث" کے حاصل معنی "کثرت الاحادیث" کے ہیں اس عبارت کا تواتر اصطلاحی سے جو مابہ البحث ہے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس عبارت سے نزول عیسیٰ ابن مریم کا قطعیات میں ہونا ثابت نہیں ہوتا اور خروج مہدی کا تو اس عبارت میں ذکر ہی نہیں۔ حالانکہ احادیث متواترہ کا اصل مطالبہ خروج "مہدی" ہی کے متعلق تھا۔

اس چوتھی عبارت کے بعد علامہ مجیب نے ابن کثیر کے سورۂ نساء میں نزول ابن مریم کے متعلق بہت سی حدیثیں ذکر کرنے کو بیان کیا ہے۔ کیا ابن کثیر کی ان ذکر کردہ حدیثوں میں سے کئی ایک احادیث متواترہ ہیں؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اُن حدیثوں کو متعین کیا جائے (کم از کم تین ہوں تاکہ "تواترت الاحادیث" والی عبارت میں "الاحادیث" کی جمعیت قائم رہے۔ کیونکہ حقیقت کے لحاظ سے جمعیت کی تخصیص تین ہی تک ہو سکتی ہے کما فی التوضیح) اور اگر جواب نفی میں ہے بایں طور کہ ان مذکورہ احادیث میں سے کوئی حدیث متواتر نہیں تو پھر اس عبارت کی تحریر سے کیا فائدہ سمجھا جائے؟ اس سے کس نے انکار کیا تھا کہ اسکے متعلق بہت سی حدیثیں نہیں ہیں اور اگر جواب نفی میں ہے بایں طور کہ اُن مذکورہ حدیثوں میں سے ایک حدیث یا دو حدیثیں (بہرحال تین کی تعداد سے کم) متواتر ہیں تو متواتر حدیث کو متعین کیا جائے کہ کون ہے؟ اور پھر اسی کے ساتھ "تواترت الاحادیث" میں "الاحادیث" کی جمعیت پر بھی روشنی ڈالنا مناسب ہوگا۔

ابن کثیر کے ان اقوال کی نقل کے بعد علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں

"امام ترمذی نے اپنی جامع میں عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے کی حدیث کا حوالہ پندرہ صحابیوں پر دیا ہے (کہ پندرہ صحابی اس حدیث کے راوی ہیں اور تواتر کے لیے یہ عدد بہت کافی ہے۔) آج یہ نیا انکشاف ہوا کہ خبر کے متواتر ہونے کے لیے بس یہ کافی ہے کہ طبقۂ اولیٰ میں (یعنی صحابہؓ کے دور میں) کثیر تعداد راویوں کی ہو۔ معلوم نہیں کہ یہ اصول حدیث والے اور یہ اصول فقہ والے تواتر کے لیے ہر دور میں کثرتِ رواۃ کی شرط کیوں لگاتے ہیں اور پھر حدیث متواتر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کے متعلق آخر یہ ناحق جھگڑا اور اختلاف محدثین میں کیوں برپا ہے؟ ایسا چہ بوالعجبی ست؟ کم از کم میری فہم ناقص تو اس گتھی کو سلجھانے سے قاصر ہے۔

اسکے بعد علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں "حافظ ابن حجر نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا متواتر ہونا ابو الحسن آبری کے حوالہ سے لکھا ہے (جو بہت بڑے محدث ہیں)" بیشک "آبری" حفاظ حدیث میں سے ہیں لیکن فتح الباری میں (علامہ مجیب کی عربی عبارت میں فتح الباری کا ذکر ہے لیکن ترجمہ میں رہ گیا ہے) باوجود تلاش کے آبری کے حوالہ سے ابن حجر کا یہ قول مجھے نہیں ملا کہ نزول عیسیٰ علیہ السلام کی خبر متواتر ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ علامہ مجیب فتح الباری کے باب اور صفحہ کے حوالہ سے مجھے مطلع فرمائیں۔ نزول عیسیٰ علیہ السلام کے وقت امام کون ہوگا؟ مہدی یا عیسیٰؑ اسکے بارے میں مختلف اقوال تحریر فرمانے کے سلسلہ میں علامہ ابن حجر فتح الباری میں تحریر فرماتے ہیں "وقال ابو الحسن الخسعی الآبری (مطبوعہ نسخوں میں اسی طرح ہے۔ میرے اُستاد محترم مدظلہ نے اسکے بارے میں دریافت کیا؟ فرمایا کہ میرے خیال میں آتا ہے کہ یہ من قبیل "سہو الناسخ" ہے صحیح "السجستانی الآبری" معلوم ہوتا ہے، انکی کنیت ابو الحسن اور نام محمد ابن الحسین ہے۔) فی مناقب الشافعی تواترت الاخبار بان المہدی من ہذہ الامۃ وان عیسیٰ یصلی خلفہ، ذکر ذلک رداً للحدیث الذی اخرجہ ابن ماجہ عن انس وفیہ لا مہدی الا عیسیٰ" جسکا حاصل یہ ہے کہ ابن ماجہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مہدی اور عیسیٰ کی شخصیت کے ایک ہونے کے متعلق جو روایت کی ہے اسکی رد کرتے ہوئے "مناقب الشافعی" نامی کتاب میں" ابو الحسن آبری نے یہ فرمایا ہے کہ مہدی کا اس امت میں سے ہونا اور حضرت عیسیٰ کا انکی اقتدا میں نماز پڑھنا اسکے متعلق بکثرت احادیث ہیں (پھر مہدی اور عیسیٰ کی شخصیت ایک کس طرح ہو سکتی ہے") اس عبارت میں بھی "تواترت الاخبار" سے "کثرت الاخبار" کے بجائے تواتر اصطلاحی مراد لیا جائے تو وہی سب خرابیاں لازم آئینگی جو تذکرہ للقرطبی اور فتح الباری کی جانب منسوب عبارت مذکورہ میں بیان ہو چکی ہیں۔ اگر علامہ مجیب کے پیش نظر فتح الباری کی یہی عبارت ہے تو محض اس عبارت کی بنا پر علامہ مجیب کا یہ تحریر فرمانا کہاں تک درست ہو سکتا ہے کہ ابن حجر نے آبری کے حوالہ سے نزول عیسیٰ بن مریم کا متواتر ہونا لکھا ہے۔ لکھنا اور چیز ہے اور لکھنے سے لازم آنا دوسری چیز۔ علاوہ اسکے لازم بھی نہیں آتا جبکہ "تواترت الاخبار" میں تواتر سے تواتر اصطلاحی مراد نہیں لیا جا سکتا مگر۔ علاوہ اسکے محض کسی کا قول نقل کر دینا عرف میں کسی کا بجوالہٗ فلاں "لکھنا" نہیں کہا جاتا کہیں سے تبادر یہ ہوتا ہے کہ کسی نے اپنی رائے لکھی ہے اور سند یا تائید میں فلاں کا قول نقل کر دیا ہے یا اُسکا حوالہ دے دیا ہے اور اس موقع پر علامہ ابن حجر نے اپنی خود کوئی رائے لکھی ہی نہیں مختلف علماء کے مختلف اقوال لکھے ہیں جن میں سے ایک آبری کا یہ قول بھی ہے۔ علاوہ اسکے عبارت مذکورہ میں وجود مسیح کی آخر الزمان کا ذکر ہے (جو مابہ البحث نہیں) نہ کہ نزول عیسیٰ کا۔

بہ البحث ہے) اور وجود نزول کو مستلزم نہیں۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے شوکانی کے رسالہ کا تذکرہ کیا ہے لیکن افسوس کہ علامہ مجیب نے اس رسالہ کی کوئی ایسی عبارت نہیں تحریر فرمائی کہ جس سے یہ معلوم ہوتا کہ شوکانی نزول عیسیٰ یا خروج مہدی کے بارے میں اس امر کے قائل ہیں کہ اُنکے متعلق احادیث متواترہ موجود ہیں یا کوئی حدیث متواتر پائی جاتی ہے۔ محض رسالہ کے نام "التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والدجال والمسیح" کے ذکر پر اکتفا فرما دیا ہے اور کیا محض کتابوں کے نام سے بھی کسی دعوے کا ثبوت ہوتا ہے؟ رسالہ کے اندر جو کچھ لکھا ہے اُسکا ذکر علامہ مجیب نے محض ان الفاظ سے کر دیا ہے "اس میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں انتیسؔ حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں صحیح بھی حسن بھی اور صالح بھی اور یہ زیادہ تر مرفوع اور آثار کا تو شمار نہیں ہو سکتا" کیا کسی معاملہ کے متعلق محض "انتیس" حدیثوں کا ہونا (اگرچہ طرق متباین نہ ہوں اور تواتر کے دوسرے شرائط بھی نہ پائے جاتے ہوں) کافی ہے؟ اور کیا نزول عیسیٰ کے متعلق "انتیس" حدیثیں ہو جانے سے یہ بھی لازم آگیا کہ مہدی منتظر کے متعلق بھی (جسکا ذکر رسالہ کے نام میں ہے) "انتیس" حدیثیں ہیں؟

اب تک علامہ مجیب نے جتنی عبارتیں تحریر فرمائی تھیں اُن میں سے کسی میں بھی "حیات مسیح" کا ذکر نہ تھا، اب پہلی مرتبہ اس چودھویں صدی کے ایک بڑے عالم مولانا سید انور شاہ کشمیریؒ کے رسالہ "عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام" کے تذکرہ سے اس مسئلہ کا ذکر سامنے آیا ہے۔ اس رسالہ کی یہ عبارت نقل کی گئی ہے "واعلم انہ کما تواتر النقل بالنزول انعقد الاجماع علیہ من الامۃ وما نسب الی المعتزلۃ من الخلاف فلا اصل لہ وانما خالفہ الملاحدۃ والمتفلسفۃ کما فی عقیدۃ السفارینی وکذا ما نسب الی ابن حزم فانہ مصرح بتواتر النزول فی کتابہ کتاب الملل والنحل قال مالک بین الناس قیام یستمعون اقامۃ الصلوٰۃ فتغشاہم غمامۃ فاذا عیسیٰ قد نزل" اول تو مولانا انور شاہؒ کی عبارت استدلال میں پیش کرنا ویسا ہی ہے کہ جس طرح میں اپنے دعوے کے استدلال میں اپنے کسی استاذ محترم کا قول نقل کر دوں (تائید میں پیش کرنا دوسری بات ہے) جو صرف علوم حدیث ہی سے واقفیت نہ رکھتے ہوں۔ بلکہ اُسکے ساتھ مرتبۂ فقاہت سے بھی فائز ہوں تو اگر مولانا موصوف نے نزول عیسیٰ کے بارے میں تواتر یا اجماع کا دعوےٰ کیا تو محض اُنکے دعوے سے تواتر یا اجماع کا ثبوت نہیں مانا جا سکتا جب تک کہ اسے ثابت نہ کر دیا جائے (خصوصاً جبکہ یہ معلوم ہے کہ انکا یہ قول اُس رسالہ میں ہے کہ جو بعض معاملات پر مناظرانہ انداز سے تالیف کیا گیا ہے) لیکن اس سے قطع نظر محض کسی کے کہدینے سے اگرچہ کہنے والا کتنے ہی مرتبہ کا عالم ہو کہ فلاں مسئلہ پر اجماع ہے اس مسئلہ کی قطعیت نہیں ثابت ہو جاتی جب تک کہ یہ معلوم نہ ہو جائے کہ اجماع کے وقت تک اُسکی نقل بطریقہ قطعیہ ہوئی ہے جیسا کہ ۔۔ میں گذرا۔ علاوہ اسکے اس دعوے اجماع میں اجماع سے اجماع سکوتی مراد ہے (جیسا کہ سیاق سباق سے ظاہر ہوتا ہے کہ اجماع کے ثبوت میں کسی کے اختلاف نہ ہونے کا ہی بار بار ذکر فرمایا گیا ہے) تو اس سے بھی مسئلہ کی قطعیت مسلم نہیں ہے جیسا کہ ۔۔ میں گذرا۔ علاوہ اسکے جس اجماع کا دعوےٰ کیا گیا ہے وہ اجماع ایک امر مستقبل کے متعلق ہے جو غیر مستنبط ہے کیونکہ خود شارع علیہ السلام سے اسکے متعلق روایتیں بکثرت موجود ہیں اور ایسے امر مستقبل پر جو اجماع ہو اُسکا اجماع شرعی اصطلاحی ہونا مشتبہ ہے جیسا کہ ۔۔ میں گذرا۔ پھر اس اجماع سے مسئلہ کی قطعیت (اصطلاحی قطعی) کیسے ثابت ہوگی جو اجماع شرعی اصطلاحی پر متفرع ہے اسی طرح "تواتر نقل" کے بارے میں بھی گفتگو ہے کہ مولانا موصوف کی اس سے مراد تواتر اصطلاحی ہے تو اسکی سند؟ کیونکہ نقل اور حدیث کا متواتر [illegible] بات نہیں ہوتی کہ اس سے عام علماء بے خبر ہوں (بے خبری تو خود اسکی دلیل ہے کہ تواتر نہیں ہے) سوائے گنتی کے چند علماء کے کسی معتبر عالم کے قول میں نزول عیسیٰ کے متعلق کسی حدیث کے لیے تواتر کے لفظ کا استعمال نہیں، عام طور سے علماء نے (اس چودھویں صدی کے پہلے) اس کے لیے احادیث صحیحہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اور اگر "تواتر" بمعنی "کثرت" ہے تو اس سے مضمون کا انکار نہیں لیکن اس سے مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ مولانا مرحوم کی واقفیت فی علوم الحدیث کی بنا پر میرا خیال تو یہ ہے کہ شاید مولانا مرحوم کی مراد "نقل" سے "نقل عادیث فی کتب الاحادیث" ہے، تو اس نقل کا تواتر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے تو اس سے بھی مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اخبار احاد ہیں جو تیسری صدی کے بعد بطور تواتر نقل ہوئے ہیں جیسا کہ ۔۔ میں گذرا۔ ملل ونحل میں مجھے کوئی ایسی عبارت نہیں ملی جس سے یہ معلوم ہو کہ ابن حزم نزول عیسیٰؑ کے خبر متواتر (بالمعنی المصطلح) سے ثابت ہونے کے قائل ہوں۔ مولانا تو اب اس دنیا میں تشریف نہیں رکھتے ورنہ اُن سے ہدایت حاصل کرتا۔ اس لیے اب صاحب مضمون علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب سے درخواست ہے کہ وہ میری اس معاملہ میں رہبری فرمائیں۔ بیشک امام مالکؒ کو اس سے اختلاف نہ تھا (جیسا کہ عقیدہ میں ہے) کہ حضرت عیسیٰؑ کا نزول ہوگا۔ اس حقیر نے بھی امام مالکؒ کی جانب انکار کو منسوب نہیں کیا تھا (امام مالکؒ اور ابن حزم کی جانب نزول عیسیٰؑ کے انکار کی نسبت میں نے کسی کے کلام میں نہیں پائی۔ اگر قادیانیوں نے منسوب کیا ہے تو حیات مسیح علیہ السلام کے انکار کو، جس سے اس عبارت میں کوئی بحث نہیں، قادیانی تو آخر زمانہ میں مسیح کے وجود کے متعلقہ احادیث کو بہت شد ومد سے مانتے ہیں یہ دوسرا امر ہے کہ وہ ان احادیث میں تاویلات باردہ کا ارتکاب کرتے ہیں وہ اگر وجود مسیح فی آخر الزمان کا انکار کر دیں تو اُنکے مذہب کی ساری عمارت بیٹھ جائے) اور اگر نزول عیسیٰ کے انکار کا مطلب اُسکے متعارف اور متبادر معنی کا انکار ہے تو ایسے شخص کے لیے ابن حزم اور امام مالکؒ کی عبارتوں میں بھی اُس قسم کی لغو تاویلیں کرنے سے کون چیز مانع ہے کہ جیسی احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تاویلیں کی جاتی ہیں۔

"جشنِ فتح"

پچھلے دنوں خبر آئی کہ لندن کے ہوٹل اور تناول خانے جشن فتح کے لیے شراب بچا بچا کر ذخیرہ کر رہے ہیں۔ تاکہ جب فتح کی خبر آئے تو شکوں کے منہ کھول دیے جائیں، اور دن بھر اور رات بھی اتنی گنگا بہائی جائے کہ ساری برطانوی قوم اشنان غسل ہو کر رہ جائے کیونکہ عیش و عشرت کے لیے "یومِ فتح" سے زیادہ موزوں موقع اور کون سا ہو سکتا ہے۔

شاباش مغرب کے رہنے والو! اللہ تعالیٰ تو بڑا ہی منتقم ہے۔ اس کے جبروقہر کی آگ نے مغرب کی آبادیوں کی آبادیاں جلا کر خاکستر کر دی ہیں، لیکن تم ابھی اتنے شقی اور چکنے گھڑے واقع ہوئے ہو کہ تمہارے قلوب کے اندر اس عذابِ عظیم سے جسکو جنگ کہتے ہیں عبرت کا ایک ذرہ بھی پیدا نہیں ہوا۔

شہروں کے شہر ڈھنڈار ہو گئے۔ لاکھوں کروڑوں انسانوں کا خون ندی نالوں کی طرح بہہ گیا۔ جبار و قہار خدا کے غیظ کی آگ نے سارے یورپ کو اپنے شعلوں کی لپیٹ میں لے لیا۔ کروڑوں انسان بے خانماں ہو کر اپنے ماں باپ بہن بھائی، شوہر بیوی، بیٹے بیٹی سبھی عزیزوں سے بچھڑ گئے۔ لیکن کیا مجال کہ یورپ کی آبادی جام سے اور لبِ معشوق سے ایک لمحہ کے لیے بھی اجتناب کر سکے۔ ع

ما ہمانیم کہ بودیم و ہماں خواہیم بود

چاہیے تو یہ تھا کہ تم غضبِ الٰہی کی اس آگ کے فرو ہو جانے کے بعد اپنی جبینِ نیاز کو اللہ کی حضور میں جھکا دیتے۔ فاتحین کا بچہ بچہ شکر و سپاسِ الٰہی کے جذبے سے سرشار ہو جاتا۔ گرجاؤں کی وسعت شاکرین کے ہجوم پر تنگ ہو جاتی۔ سارا یورپ حمداً للہ و شکراً للہ کے نعروں سے گونج اٹھتا۔ تم اپنی زندگیوں پر نظرِ ثانی کرتے اور شراب و کباب اور ظلم و استبداد سے توبہ کرتے۔ تاکہ خدا تم پر رحم و شفقت کی نظر ڈالتا۔ لیکن تمہارے قلوب اور تمہارے دماغ آج بھی وہی ہیں جو ۱۹۳۹ء میں تھے۔ یہ عالمگیر آگ بھی تمہیں گناہوں کی آلودگی سے پاک نہ کر سکی۔ اور تم اپنی عیش پسندی سے اللہ کے مزید قہر و غضب کو دعوت دے رہے ہو۔

فرانس کے زوال پر مارشل پیتان نے اس بدقسمت اور غمزدہ بڑھے نے جو اپنے برگشتہ بخت وطن کے زوال کے راز کو سمجھ چکا تھا ایک تقریر کی جو سراسر نالہ و فریاد تھی، اس نے کہا کہ جانتے ہو؟ ہمارے اس شرمناک تنزل کا راز کیا ہے؟ جب دوسرے اپنے حالات کو درست کر رہے تھے تو ہم عشرتوں میں مستغرق تھے - اور ہمارے کارخانے توپوں کے پاؤڈر، سرخی و لپ اسٹک بنا رہے تھے - ہمارے مرد عیاش اور ہماری عورتیں اوباش ہو رہی تھیں - اسکا لازمی نتیجہ یہی تھا جو نظر آ گیا۔

دیکھ لندن پر کیا موقوف ہے، سارے یورپ کی یہی کیفیت ہے

"تعمیرِ بعد جنگ" کا پروگرام تو بعد میں دیکھا جائیگا - فی الحال تو ہر ملک کے باشندے اس فکر میں سرگرداں ہیں کہ شرابوں اور عورتوں کا اتنا بڑا ذخیرہ جمع کرلیں کہ فتح کا اعلان ہونے کے بعد ہر شخص کا چہرہ فرطِ مے سے گلستان نظر آئے اور ہر شخص کی آغوش آباد ہو جائے کیونکہ یونان کے "ایپی کورس"، ایران کے خیام اور ہندوستان کے "لیبو سوامی" کے نزدیک شکرِ نعمت کا یہی طریقہ ہے کہ جی بھر کے عیش کیا جائے۔ انسان بھی عجیب شے ہے۔ اذا مسّہ الشر جزوعا و اذا مسّہ الخیر منوعا۔

(انقلاب)

"تصحیح مضمون روایات نزول مسیح"

(از مقالہ نگار)

(صدق ۵۱ ص۲ کے شروع میں لفظ "اجماع" کے بعد لفظ "میں" کا اضافہ اور پہلی عربی عبارت کے پہلے لفظ "توضیح" کے بعد "میں ہے" کا اضافہ، اور اسی پہلی عبارت میں "وسکت ابیاقات" کے بجائے "وسکت الباقون" اور تیسری عربی عبارت میں "الاسفرا" کے بجائے "الاستقرار"

(صدق ۵۳) ص۵ میں پہلی عربی عبارت کے شروع میں "ثم الاجماع" کے بعد "علی مراتب اجماع الصحابة و اجماع" کا اضافہ

ص۵ میں دوسری عربی عبارت کے شروع میں "قال جمع الاجماع" "قال جمع لا اجماع" اور اسی عبارت میں "و انی المستقبلات" کے بجائے "و انی المستقبات"

ص۹ کی دوسری عبارت میں "فلیغرب منہ" کے بجائے "فیغرب منہ"

ص۱۰ کی پہلی عربی عبارت میں "عند القلب" کے بجائے "عقد القلب"

اور دوسری عربی عبارت "منہا اشتہر فتوجب علم علم الطمانیة منہا الواحد" کے بجائے "منہا ما اشتہر فیوجب علم الطمانیة و منہا ما ہو خبر الواحد"

اور ص۱۲ (الف) میں الفاظ "فتح الباری میں (کتاب الانبیاء و نزول)" کے بجائے "فتح الباری میں ہے (کتاب الانبیاء و باب نزول)" اور اسی نمبر کی دوسری عربی عبارت میں "لبقاء الخضر" کے بعد الفاظ "لی الیاس ایضا علی ما ذہب الیہ الحفظ و من العلماء من ان ادلتہ من انبیاء فی زمرة الاحیاء الخضر" کا اضافہ۔

اور ص۱۲ (ب) میں الفاظ "جس موقع پر" کے بعد الفاظ "ظہور مہدی، نزول عیسیٰ، خروج دجال کے بارے میں احادیث صحیحہ کے وارد ہونے کا ذکر ہے اس موقع پر" کا اضافہ اور الفاظ "تحت قول "ثم نا مد دروت" کے بجائے "ثم انما قد وردت" کا اضافہ۔

قلم کا جادو

حال ہی میں شمالی ہند کے ایک مدرسۂ نسواں کی طالبات سے امتحانی پرچہ میں یہ سوال کیا گیا تھا کہ تم فارغ التحصیل ہو جانے کے بعد کس قسم کی زندگی گزارنا پسند کرو گی؟ اس پر

اس سوال کا جواب اس مدرسہ کی ۴۳ لڑکیوں نے نہایت شرح و بسط کے ساتھ تحریر کیا۔ ان ۴۳ لڑکیوں میں سے ۴۰ لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں اپنے محبوب جذبات اور دلی تمنّاؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا تھا کہ "تعلیمی زندگی کو خیرباد کہنے کے بعد وہ فلمی دُنیا میں داخل ہونے کی کوشش کریں گی۔ اور اگر اس کوشش میں اُنھیں کامیابی ہوئی، تو وہ ریڈیو آرٹسٹ بنا زیادہ پسند کریں گی اگر یہ بھی ممکن نہ ہوا، تو وہ اس پر قناعت کرلیں گی کہ افسانے لکھ لکھ کر پیٹ پالیں"۔ میرا خیال ہے کہ اگر اسکے بعد اُن سے یہ دریافت کیا جاتا کہ اگر اس آخری کوشش میں بھی اُنھیں ناکامی ہوئی تو تم کیا کروگی — تو اس سوال کا جواب وہ یہ دیتیں کہ - خودکشی!

بقیہ چھ لڑکیوں میں سے تین لڑکیوں نے اس سوال کے جواب میں لکھا تھا کہ کالج سے نکلنے کے بعد وہ معلّمی کا پیشہ اختیار کریں گی۔ دو لڑکیوں نے ڈاکٹری کی طرف اپنا رجحان ظاہر کیا تھا۔ صرف ایک بیچاری لڑکی نے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ گھر پر رہکر وہ بہترین ازدواجی زندگی بسر کرنا پسند کریگی، اور کسی شریف گھرانے کے ساتھ اپنی زندگی بسر کریگی۔

ان جوابات سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ آجکل ہمارا کارخانہ کدھر جارہا ہے اور زمانہ کی رفتار کس منزل کی طرف ہمیں لیے جارہی ہے؟ یہ تجربہ صرف ایک ہی اسکول سے تعلق رکھتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ہندوستان کی کسی لڑکی (شرط یہ ہے کہ وہ نئی روشنی کی ہو) کا سینہ چیر کر دیکھا جائے تو اُسکے سینے میں یہ تمنا مضطرب پائی جائیگی کہ — میں فلم ایکٹرس بنجاؤں یا میں فلم ایکٹرس بنجاؤں —— آپ جانتے ہیں کہ آج ہر ترقی یافتہ لڑکی کی یہ تمنا کیوں ہے؟ صرف اس لیے ہے کہ مغربی تہذیب نے اداکاری کی زندگی کو آئیڈیل زندگی قرار دیا ہے۔ اور مغربی تہذیب ہم لوگوں کا دین و ایمان ہے۔ عورت کے متعلق افلاطون نے یہ رائے ظاہر کی تھی کہ عورت کچھ نہیں ہے مگر خود نمائی —— اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ہم جس نازک و رنگین وجود کو "عورت" کہکر پکارتے ہیں، وہ فخر و غرور اور خود بینی و خود نمائی کی ایک پوٹ ہے۔ آپ عورت کو کسی رنگ اور کسی روپ میں بھی دیکھیں، وہ خود بیں، خود پسند، خود نما نظر آئیگی۔ فلمی زندگی میں سب سے بڑی کشش یہ ہے کہ وہ عورت کے اس جذبہ کی تسکین اور اسی تمنا کی تکمیل کرتی ہے۔ وہ جب ملکہ کے لباس میں اسکرین پر نظر آتی ہے اور ہزاروں لاکھوں تماشائیوں کو اپنی ساحرانہ لطافت سے مبہوت بنا دیتی ہے اُسوقت اُسکے جذبۂ خود نمائی کو سکون ملتا ہے (ریاست)

نمبر ۴ | سہ شنبہ- ۹- جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲- مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

روزولٹ اور مسولینی کے بعد ہٹلر! ان تینوں میں سب سے بڑا اور دنیا میں سب سے زیادہ پُر قوت، پُر عظمت، پُر جلالت شخصیت کا مالک! اب آپ نے دیکھا کہ کیسا آناً فاناً دُنیا کے پردہ سے غائب ہو گیا! گویا کبھی تھا ہی نہیں! نہ کہیں جنازہ اُٹھا، نہ مقبرہ تعمیر ہوا، نہ کوئی ماتمی جلوس نکلا، نہ کہیں دنیا کا کاروبار ایک گھنٹہ کیلیے بند ہوا! جب وقت آیا، تو اسی طرح چُپ چُپاتے دنیا سے رخصت ہو گیا، جیسا کہ لاکھوں کروروں اللہ کے بندے ہر روز چلتے ہی رہتے، اُٹھتے ہی رہتے ہیں! ——— اتنے حسرتناک وعبرتناک انجام کا کوئی تصور بھی کر سکتا تھا؟ وہ تو صرف دوسروں کو مارنے، گرانے، فنا و ہلاک کرنے کیلیے تھا- خود اُسے فنا و ہلاکت سے کیا واسطہ تھا- اور بالفرض، گویا بطور فرض محال، اسے موت آتی بھی، تو کیسی زلزلہ افگن ہوتی! دنیا کو ہلا کر آتی! یہ معلوم ہوتا کہ گویا مرکز کائنات اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے! زمین و آسمان جنبش میں آجاتے! آفتاب و ماہتاب تھرتھرا اٹھتے، ستارے ہیبت سے گر پڑتے! ——— وہم و خیال کے سارے خواب کیسے جھوٹے نکلے!

اور ہٹلر کے بعد گیرنگ اور ربن ٹراپ، اور گوئبلز! ان میں سے کون رستم و اسفندیار سے کم تھا؟ ان میں سے ایک ایک کی گرفتاری اس قابل تھی، کہ اخبارات ہفتوں اسی کے تذکروں سے چرچوں سے لبریز رہتے! اور ان سب سے بھی بڑھکر ڈاکٹر گوئبلز! پروپیگنڈا کے صحیح اور اصلی فن کا روئے زمین پر بہترین ماہر! اسکی اس خاموشی سے خودکشی کس کے ذہن میں آ سکتی تھی؟ خیال یہی تھا کہ اس کی موت قیامت برپا کرکے رہیگی!

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے!

آناً فاناً، تڑاپڑ، سب کچھ ہو کر رہ گیا! ——— گویا تاش کے پتے تھے، کہ ہوا کے ایک جھونکے نے سب بکھیر کر رکھ دیے! ——— انسان کس چیز کے بھی ثبات کا، قیام کا دعوے، ان حیرت انگیز مثالوں کے بعد کر سکتا ہے؟ بے حسی اور بیخودی کی تو بات ہی اور ہے- ورنہ احساس اگر ذرا بھی صحیح ہو، اور غور و فکر سے کسی درجہ میں بھی کام لیا جائے، تو بخدا عبرت کے دفتر کے دفتر ان سامنے واقعات میں، ان سامنے گزرے ہوئے حالات میں پوشیدہ ہیں!

صدیوں فلاسفی کی چناں اور چنیں رہی
لیکن خدا کی بات جہاں تھی وہیں رہی

اکبرؔ نے یہ کہا، تو کیا غلط کہا ہے؟ انسانی رائے، عقل و تدبیر کی کیسی پختہ سے پختہ تعمیریں یک بیک ہلتے اور گرتے اور افتادہ خاک میں ملتے ان آنکھوں نے دیکھ لیں! فارسی شاعر نے بڑی سے بڑی شان اور شاہی کی بابت ذکر کیا تھا ؎

بیک گردش چرخ نیلوفری نہ نادر بجا ماند نے نادری

دوسرے مصرعہ میں "نادر" اور "نادری" کے "ہٹلر" اور "ہٹلری" کا تصرف ہو سکتا ہے، آج "گردش چرخ" سے اور اور انقلاب نادری

صاحب کاندھلوی۔ ضخامت ۱۴۰ صفحات قیمت ۴ر پتہ:۔ کتب خانہ یحیٰی۔ بستی نظام الدین۔ متصل دہلی۔

اس رسالہ میں عقائد اسلامی، اور فرائض یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے ضروری اور روزمرہ کے مسائل سلیس انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہر فریضہ کے فضائل کی احادیث بھی تشویق کے لیے بیان کر دی گئی ہیں۔ لیکن بہشتی زیور، علم الفقہ اور رفقاء والے مثلاً کی سی مکمل و مدلل کتابوں اور مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کی تعلیم الاسلام جیسے مختصر و جامع رسائل کے شائع و رائج ہونے کے بعد اس کتاب کی کوئی خاص ضرورت بھی نہ تھی۔ (ز۔ ا۔ ق)

(۴) **فن صحافت** ۔ از چودھری رحم علی الہاشمی بی اے ضخامت ۲۵۲ صفحات۔ قیمت ۱۲ر پتہ: دفتر انجمن ترقی اردو دریا گنج۔ دہلی۔

اخبار بینی کا ذوق اردو خواں پبلک کو آج سے نہیں، مغلیہ دور کے آخری زمانہ سے ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو یہ جانتے ہوں کہ اخبار نویسی (صحافت) یورپ وغیرہ میں ایک مستقل فن کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسکی باقاعدہ تعلیم وہاں کی یونیورسٹیوں میں ہوتی ہے، اور اس پر، اور اسکے مختلف شعبوں پر انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں میں بیشمار کتابیں مستند و معتبر موجود ہیں۔

انجمن ترقی اردو زبان اردو کی ہمہ گیر خدمات انجام دے رہی ہے، اسی کے زیر اہتمام یہ اہم کمی بھی پہلی بار پوری ہو رہی ہے۔ اور فن صحافت پر ایک کہنہ مشق صحافی کے قلم سے ایک مستند کتاب اردو خوانوں کے سامنے آ رہی ہے۔

کتاب ۳ حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اول میں اردو صحافت کے ماضی و حال، اردو ٹائپ، اخبار کی تعریف، اڈیٹر، اسسٹنٹ اڈیٹر، اخبار کے انداز تحریر وغیرہ کا ذکر ہے، مرتب کتاب چونکہ متعدد انگریزی و اردو روزناموں میں کام کر چکے ہیں، انھوں نے محض انگریزی ترجمہ و اخذ پر اکتفا نہیں کی ہے بلکہ جا بجا عملی تجربات بھی لکھ دیے ہیں، جنکا مطالعہ اُن لوگوں کے لیے جو اخبار نویسی کے پیشہ میں داخل ہونے کا ارادہ کر رہے ہیں، بہت ہی مفید ہوگا۔

حصہ دوم یکجا طباعت کے مراحل کی تفصیل ہے، اور حصہ سوم میں انتظامی امور سے بحث ہے۔ یہ دونوں حصے عام ناظرین کے زیادہ کام اور دلچسپی کے نہیں، ہاں فن صحافت میں پڑنے والوں کے لیے انکا مطالعہ ضروری ہے، خصوصاً اُن حضرات کے لیے جو اُردو کے علاوہ کوئی اور زبان نہیں جانتے۔ مرتب کتاب نے صحافت کی ترقی کے لیے لیتھو (پتھر کی چھپائی) کے بجائے ٹائپ (لوہے کا چھاپہ) کو ناگزیر بتایا ہے اور اس سلسلہ میں جو دلائل دیے ہیں وہ اردو اخبار نویسوں کے لیے یقیناً قابل غور ہیں۔ (ا۔ ق)

(۶) **واجد علی شاہ** ۔ آخری تاجدار اودھ۔ مرتبہ محمد تقی احمد صاحب ایم اے۔ ضخامت ۱۱۲ صفحات، قیمت ۱۲ر پتہ: کتاب خانہ دانش محل۔ امین الدولہ پارک۔ لکھنؤ

کتاب کا اصل موضوع اودھ کے آخری فرماں روا واجد علی شاہ کی مختصر سوانح اور انکی معزولی کے تفصیلی اسباب ہیں۔ ضمناً پورے حکمرانان اودھ کا مختصر تذکرہ آ گیا ہے، اور اس سلسلہ میں مرتب نے اودھ کے متعلق اردو و فارسی کی مشہور کتابوں کے علاوہ انگریزی کتب اور سرکاری کاغذات (ریکارڈ) کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔ اور اُن الزامات کو جو آخری تاجدار اودھ پر عائد کیے گئے ہیں، مستند حوالوں سے جا بجا رفع کیا ہے۔ اور یہ دکھایا ہے کہ انتزاع سلطنت جن اسباب کی بنا پر ہوا اُن میں بہت کچھ کمپنی کی حکومت اور اُسکے کارپردازوں خصوصاً رزیڈنٹ بہادر کی مداخلت بیجا کو دخل تھا۔ سیاسی واقعات کے ساتھ ساتھ مختصراً اُس زمانہ کی تہذیب و معاشرت کا بھی آ گیا ہے۔ کتاب میں اختصار ضرورت سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہے۔ ممکن ہے کہ موجودہ زمانہ کی کاغذ کی قلت اسکا سبب ہو۔ امید ہے کہ آئندہ اڈیشن میں اور زیادہ بسط سے کام لیا جائیگا۔ (ع۔ ق)

(۵) **حیات سکندر** ۔ مولفہ مرزا احمد سعید بیگ صاحب ضخامت ۲۲۲ صفحات۔ قیمت مجلد ۴ر پتہ: تاج کمپنی ریلوے روڈ۔ لاہور

کتاب کے نام سے مغالطہ نہ ہو، یہ سکندر مقدونی یا سکندر لودی کی نہیں بلکہ (سر) سکندر حیات پنجابی کی سوانح حیات ہے لیکن سوانح حیات سے زیادہ اُنکے کوائف مرگ پر مشتمل ہے۔ یعنی کتاب کا تقریباً نصف آخر سر سکندر مرحوم کی اچانک وفات، تدفین، اور انکے متعلق مختلف مشاہیر کے تعزیتی پیغامات، اور بعض جرائد و رسائل کے ماتمی مضامین پر مشتمل ہے۔ سکندر یونانی اور سر سکندر (پنجابی) کی موت میں یک گونہ مماثلت بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ اول الذکر کا انتقال بھی عین اُس زمانہ میں ہوا تھا جبکہ اُسکا اقتدار روز افزوں تھا اور پنجاب میں عظیم الشان فتوحات حاصل کرکے اپنے وطن واپس جا رہا تھا۔ سر سکندر حیات کی وفات بھی اُسوقت ہوئی جبکہ وہ پنجاب کی نمایاں ترین سیاسی ہستی تھے۔ اور اس سے زیادہ عبرت و تاثر کی چیز یہ کہ وفات عین اُس دن ہوئی جبکہ وہ اپنے دو بیٹوں اور ایک بیٹی کے نکاح کی رخصتی سے فارغ ہو سکے تھے۔ اور نغمۂ شادی آہ، ناگہاں نوحۂ غم میں بدل کر رہا۔ انکی وفات کے حالات اس عبرت پذیری کے اعتبار سے بار بار پڑھے جانے کے قابل ہیں۔

کتاب کے شروع کے ابواب میں انکے خاندانی حالات، ابتدائی تعلیم اور پھر سیاسی زندگی کے کوائف درج ہیں۔ انکی نماز کی پابندی، تہجد کی ادائی، قرآن مجید کی اشاعت میں سرگرمی، نوکروں کے ساتھ حسن سلوک (مثلاً انکے خادموں کے لیے جو سالن پکتا تھا، وہ انکے دسترخوان پر بھی ضرور آتا تھا، اور منجملہ اور کھانوں کے وہ اسے ضرور

چلتے تھے) وغیرہ کی جو حکایات اس کتاب میں درج ہیں وہ خاص طور پر قابلِ مطالعہ ہیں۔

کتاب کے باب سوم میں جو سر سکندر کے والد نواب محمد حیات خاں کے حالات پر مشتمل ہے، حکومت انگریزی کی وفاداری پر جو زور دیا گیا ہے اور ۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں حصہ لینے والوں کو باغی وغیرہ کے لقب سے جو ملقب کیا گیا ہے، یہ آئندہ اڈیشن میں حذف کیے جانے کے قابل ہے۔ اسی طرح تاج کمپنی اور سر سکندر مرحوم کے تعلقات کے ذکر میں بہت زیادہ تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔ جسے آسانی مختصر کیا جا سکتا ہے۔ (ع۔ ق)

(۲) شعرائے عصر کے کلام کا انتخاب جدید۔ سنہ ۱۹۴۲ء ۱۳۶۱ھ

مرتبہ جناب عزیز احمد صاحب استاد جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن و جناب آل احمد صاحب سرور استاد یونیورسٹی علیگڈھ۔ ضخامت ۲۷۲ صفحات قیمت مجلد ہے غیر مجلد ہے۔ ناشر انجمن ترقی اردو۔ دہلی۔

جدید اردو شاعری کے ایک مستند معیاری مجموعہ کی اشاعت ایک اہم ادبی ضرورت تھی۔ ملک کی دو مشہور یونیورسٹیوں کے صاحبِ نظر استادوں نے انتخاب جدید ترتیب دے کر اس ادبی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک قابلِ قدر کوشش کی ہے۔ دیباچہ سرور صاحب کے قلم سے ہے اور تمہید عزیز صاحب کے قلم سے۔ سنین کی حد بندی کے اندر حروف تہجی کے اعتبار سے اقبال سے لیکر یاس چنگیزی اردو کے ۵۰ شاعر اس انتخاب کی زیب و زینت بنے ہوئے ہیں۔ اُنکی اندرونی ترتیب جا بجا غلط و ناقص ہے۔ تاہم مرتبین نے کلام کے انتخاب میں محنت و کاوش سے کام لیا ہے اور انتخاب اپنی بصیرت کے مطابق اُسی کلام کا کیا ہے جو پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ چھپے ہوئے شاعر محمد علی کو جدید شعرا کی بزم میں جگہ دینا جوہر شناسی کا ایک نمایاں ثبوت ہے۔ اسی طرح ہاشمی فرید آبادی کو سنا اب تک ایک ادیب اور مترجم سمجھتی تھی مگر اب معلوم ہوا کہ وہ اعلیٰ شاعرانہ صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں

جہاں تک جدید رنگ سخن کا تعلق ہے، بحیثیت مجموعی انتخاب اچھا ہے۔ مگر بعض حیثیتوں سے اسکا ادبی پایہ گرا ہوا بھی ہے۔ مرتب صاحبان کے ذوقِ سلیم سے توقع یہ تھی کہ وہ ترقی پسند شاعروں کے لیے اپنے معیاری انتخاب میں کوئی وقعت کی جگہ نہ نکال سکیں گے، وہ تنگ بندی کے نمونوں سے اپنے مجموعہ کو آلودہ نہ کرینگے۔ افسوس ہے کہ یہی نوازش بجائے اقبال، حسرت، ریاض، اصغر، جگر، فانی، عزیز، جوش، آثر وغیرہ کے پہلو میں راشد وغیرہ کو بھی بٹھا دیا

دیباچہ، سرور صاحب کے قلم سے یوں بھی "ترقی پسندی" کا نقیب ہے۔ لیکن ذیل کی تنقید میں تو حدود سے تجاوز تخفیف در درجہ تک ہے۔ اکبر کے ذکر میں فرماتے ہیں

"مشرقیت کا یہ پرستار ہر چیز کو جذبات کی آنکھ سے دیکھتا تھا۔ ہر نئی چیز سے چڑتا تھا۔ اس نے ساری عمر بتوں کے عشق میں گزار دی اور آخر میں باعذار رہنا چاہتا تھا۔"

اس سے اکبر کا تو کچھ نہ بگڑا۔ البتہ خود دیباچہ نگار کی پست مذاقی عالم آشکار ہو گئی۔

اس قسم کی چند خامیوں اور کوتاہیوں کے باوجود بہرحال انتخاب جدید، جدید رنگ سخن کا ایک خاصہ دلچسپ اور نظر افروز مرقع ہے۔ شائقین ادب اسکے مطالعہ سے لطف و نفع دونوں حاصل کر سکتے ہیں۔ (ح۔ ا۔ ق)

شہد کے فائدے

جالینوس نے لکھا ہے کہ اکثر بیماریوں میں شہد سے بہتر کوئی دوا نہیں ہے۔ مصطگی خالص کو شہد کے قوام میں معجون بنا لی جائے۔ یہ معجون معدہ کو قوت دیتی ہے اور آنتوں کی کمزوری کو رفع کرتی ہے، دافع ریاح ہے، دماغی رطوبتوں کو جذب کرتی ہے۔ خود شہد کے افعال یہ ہیں کہ جلا کرتا ہے، سُدّوں کو دور کرتا ہے، لیسدار بلغم اور رطوبت کو چھانٹ دیتا ہے، اور بدن کی گہرائی سے خراب مادہ کو نکال دیتا ہے۔ بھوک بڑھاتا ہے تھوڑے سے سرکہ کے ساتھ شہد کو ملا کر اگر روزانہ دانتوں پر ملیں تو دانت محفوظ رہتے ہیں۔ اسکے علاوہ شہد خالص زخموں کو صاف کرتا ہے۔ نیم گرم پانی میں ملا کر اسکا غرغرہ کرنا حلق کے ورم اور زبان کے زخم کو دور کرتا ہے۔ کان کے درد اور کان سے پیپ آنے میں اسکا کان میں ٹپکانا مفید ہے۔ اگر رات کو سوتے ہوئے شہد کو سلائی سے آنکھوں میں پابندی سے لگاتے رہیں تو نظر کو قوت ہو گی اور آنکھوں کی حفاظت رہیگی۔ جن بچوں کو شہد دیا جاتا ہے انکا نشو و نما خوب ہوتا ہے۔

آگ سے جلنے والے کے لیے ان تمام فوائد کے علاوہ علم و فن کے موجودہ دورِ ترقی میں شہد کا امریکہ میں آگ سے جلنے والے کے لیے بہت عظیم الشان تجربہ ہوا ہے جسکی مندرجہ ذیل رپورٹ امریکہ کے ایک رسالہ میں شایع ہو چکی ہے "آگ سے جلنے کی تکلیف میں شہد کا استعمال کئی تجربوں سے امریکہ میں نہایت مفید ثابت ہوا ہے۔ ایک عورت مویشی کے لیے کنڈا تیار کر رہی تھی۔ اسکی بچی (جس کی عمر ڈیڑھ سال تھی) گود میں تھی جھجری میں بچی اس ابلتی ہوئی ہنڈیا میں گر پڑی۔ اُسے فوراً نکال تو لیا گیا، لیکن پھر بھی اسکے چہرے اور جسم کی تمام جلد جل گئی۔ سر اور بازو کی اندرونی جانب بھی جلنے سے نہیں بچی۔ زخم اتنے گہرے تھے کہ بعض جگہ تو جلد کی اندرونی تہیں دکھائی دینے لگیں، اور بچی کو تشنج ہونے لگا۔ سانس اُکھڑ گیا، نبض جلد کی جلدی اور بقاعدہ چلنے لگی۔ نبض اور سانس کی یہ رفتار بتا رہی تھی کہ بچی موت کی سرحد میں داخل ہو رہی ہے۔ تمام زخموں کو صاف کرکے تمام جلی ہوئی جگہ پر شہد کا لیپ کر دیا گیا۔

روایات نزول مسیح

نمبر (۵)

(مولوی عبد الرحیم خاں صاحب جے پوری فرنگی محلی)

علامہ مجیب نے اسکے بعد علامہ برزنجی شافعی کی عبارت "من انکر ۔۔۔ ومن کذب بالدجال فقد کفر ومن کذب بالمہدی فقد کفر رواہ ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار وابو القاسم السہیلی فی شرح السیرۃ" نقل فرمائی ۔۔۔ ثم ۔۔۔ کے ترجمہ میں تحریر فرمایا ہے "اسی (تواتر و یقین) کی بنا پر سے وارد ہوا ہے" کیا اس تشریح کے لیے اقبل کی کوئی عبارت قرینہ ہے اگر ہے تو معلوم ہونا چاہیئے کہ تواتر کے علاوہ یقین جیسے قطعیت کو ظاہر کرنے کے لیے علامہ برزنجی علیہ کیا لفظ اختیار کیا ہے قطع نظر اس سے کہ سہیلی نے خود من کذب الخ والی روایت کا تہا سیر میں روایت کیا ہے (جیسا کہ علامہ مجیب کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے) یا ابوبکر الاسکاف کی روایت کو انکی کتاب فوائد سے نقل کیا ہے اور اس سے بھی قطع نظر کہ ابوبکر اسکاف کا پایہ علوم حدیث میں مانا جاتا ہے یا نہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ ایسے اہم مضمون کی حدیث ہے جس میں ایک مسئلہ کے انکار کو کفر بتایا گیا ہے معتبر حدیثوں کا سارا دفتر خالی ہے یا نہیں اور یہ کہ دجال اور مہدی کے متعلق جن جن اکابر علماء نے بحثیں کی ہیں کسی نے بھی اسے لائق اعتنا سمجھا یا نہیں اور یہ کہ عقائد فقہ کی معتبر کتابوں کے اوراق کی ورق گردانی سے اس روایت والے مضمون کا پتہ چلتا ہے یا نہیں اور یہ کہ کفریات کی فہرست میں جہاں معمولی معمولی باتیں مل جاتی ہیں جنکا تعلق محض اجتہاد سے ہوتا ہے، ہاں یہ کفر جو اسقدر صاف و صریح طریقہ سے ابوبکر الاسکاف کی روایت میں موجود ہے درج ہے یا نہیں اور اس سے بھی قطع نظر کہ ابوبکر الاسکاف نے من کذب الخ والے قول کو اپنی روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب کیا ہے اور علامہ برزنجی فرماتے ہیں (بقول علامہ مجیب) کہ اسی تواتر و یقین کی وجہ سے یا تواتر و یقین کی بنا پر (لفظ صاف طبع نہیں ہوا ہے) من کذب الخ والا قول وارد ہوا ہے "تواتر و یقین کا ظہور تو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے۔ یہ کیا کہ تواتر و یقین کی وجہ سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من کذب الخ۔ العجب ثم العجب ثم العجب۔ کہیں یہ برزنجی وہی تو نہیں جو اپنے مولود شریف کے رسالہ کی ۔۔۔ سے عرب و ہند میں ۔۔۔ جنھوں نے قیام مولود شریف کے متعلق یہ تحریر فرمایا ہے ۔۔۔ وقد استحسن القیام عند ذکر مولدہ الشریف ائمۃ ذوو روایۃ ورویۃ" ۔۔۔ سے بھی قطع نظر کہ تکذیب دجال تو عین ایمان ہے وہ وجہ کفر کیسے ہوسکتی ہے الا ان یتاول ویقال مرادہ من کذب بخروج الدجال بہرحال ان سب امور سے قطع نظر ابوبکر الاسکاف کی اس روایت کو بخاری اور مسلم کی روایت کردہ حدیث کا ہی مرتبہ دیدیا جائے تب بھی زیادہ سے زیادہ یہ روایت خبر واحد ہوگی جس سے کسی مسلمان مدعی اسلام منکر خروج مہدی کا کفر قطعیت کے ساتھ کیسے ثابت ہوگا۔ پھر اس سے خروج مہدی کی قطعیت پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ علاوہ اسکے خروج مہدی کے متعلق احادیث متواترہ کا مطالبہ کیا گیا تھا نہ کہ اس مسئلہ کی قطعیت کے ثبوت کا اور ظاہر ہے کہ قطعیت کا ثبوت تواتر پر موقوف نہیں

پھر اس مسئلہ کی قطعیت ثابت ہو جانے سے مسئلہ خروج مہدی کے متعلق احادیث متواتر ہونے کا ثبوت کس طرح ہو جائیگا۔ اس روایت کے نقل کے بعد کسی کا یہ کہنا کہ (جیسا علامہ مجیب کے مضمون میں ہے) "میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں خروج دجال کا ذکر ہے ان میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسی علیہ السلام اور انکے قاتل دجال ہونے کا ذکر نہ ہو۔ پس لازم ہے کہ جو نزول عیسی علیہ السلام کا منکر ہو وہ بھی کافر ہو" کیا وزن رکھتا ہے بلکہ محض اس روایت کی بنا پر التزام یعنی "منکر خروج دجال کا کفر" ہی قطعیت کے ساتھ ثابت نہیں کیا جا سکتا چہ جائیکہ لازم یعنی "منکر نزول مسیح کا کفر" قطعیت کے ساتھ (قطعیت کے ساتھ ثبوت کفر سے مسئلہ نزول مسیح کی قطعیت ثابت نہیں ہو سکتی) علاوہ اسکے علی سبیل التنزل یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ وجود مسیح اور مسیح کا قاتل دجال ہونا یہ نزول مسیح کو مستلزم نہیں بغیر نزول مسیح کے مانے ہوئے بھی مسیح کا قاتل دجال ہونا مانا جا سکتا ہے جسکے لیے محض وجود مسیح کافی ہے اگرچہ یہ وجود بطریق نزول نہ ہوا ہو۔ خروج دجال والی حدیثوں کے متعلق یہ کہنا کہ ان میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسی علیہ السلام کا ذکر نہ ہو وہ لائق تسلیم نہیں۔ شاذ و نادر کیا، خروج دجال کے متعلق متعدد روایتیں ذخیرہ احادیث سے ایسی پیش کی جا سکتی ہیں۔

اسکے بعد علامہ مجیب نے تفسیر بحر المحیط اور تفسیر النہر الماد کی علحدہ علحدہ دو عبارتیں نقل فرمائی ہیں حالانکہ واقف کار جانتے ہیں کہ تفسیر نہر الماد کوئی مستقل علحدہ کتاب نہیں وہ البحر المحیط کا خلاصہ ہے اور لطف یہ کہ یہ خلاصہ کسی دوسرے مولف کا کیا ہوا بھی نہیں خود مولف بحر المحیط نے خلاصہ کیا ہے۔ کیا اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ تصنیفوں اور مولفین کی فہرست میں محض اضافہ کے لیے ان دونوں تفسیروں کا علحدہ علحدہ ذکر کیا گیا ہے۔ بہرحال تفسیر البحر المحیط کی نقل کردہ عبارت یہ ہے "قال ابن عطیہ واجمعت الامۃ علی ما تضمنہ الحدیث المتواتر من ان عیسی ابن مریم فی السماء حی وانہ ینزل فی آخر الزمان" کیا ابن عطیہ کا یہ قول کچھ بھی لائق توجہ ہے جبکہ حیات مسیح علیہ السلام پر متضمن صحیح مرفوع پانچ حدیثیں بھی نہیں چہ جائیکہ حدیث متواتر۔ کیا نزول فی آخر الزمان "حیاۃ فی السماء" کو مستلزم ہے، کیا قادر و مقتدر ذات کسی کو اتنے عرصہ دراز تک زندہ رکھ سکتی ہے۔ کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ کسی انسان کو مرنے کے بعد قرب قیامت میں زندہ کرسکے اور اس نئی زندگی کے بعد پھر

اُس پر دوبارہ موت طاری کی گئی۔ کیا ابن عطیہ کے علاوہ اس پورے عرصہ
مدت میں کے قبل کسی معتبر عالم نے حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق کسی
حدیث متواتر ہونے کو بیان کیا ہے (کسی اور دلیل سے استدلال کی بحث نہیں) کیا حدیث
متواتر کی شان ہو سکتی ہے کہ اس سے صرف ابن عطیہ باخبر ہوں: شرقاً غرباً کسی
معتبر عالم کی زبان پر اس حدیث متواتر کا ذکر نہ ہو۔ علامہ مجیب سے درخواست ہے
کہ وہ ابن عطیہ والی حدیث کو متواتر بیان فرمانے والے دنیا کے علمائے علم
میں اس سے اضافہ ہو۔ حیات مسیح پر جس اجماع کا دعویٰ کیا گیا ہے آخر یہ اجماع کس
قرن میں ہوا اور ابن عطیہ اس اجماع سے بطریق قطعیہ مطلع ہوئے یا بطریق ظنیہ اور
کہیں ایسے اجماع سے اجماع سکوتی تو مراد نہیں۔ بہر حال اس دعوے اجماع کے
متعلق بھی وہی گفتگو ہے جو اوپر مولانا انور شاہ مرحوم مغفور کے دعوت اجماع کے متعلق
گزری۔ اس کے بعد علامہ مجیب نے ایک عبارت نقل فرمائی ہے اور تحریر کیا ہے
کہ یہ عبارت اس مطبوعہ تفسیر جامع البیان کی عبارت ہے جس کے حاشیہ پر تفسیر ابن کثیر
ہے۔ وہ عبارت یہ ہے "والاجماع علی انہ حی فی السماء ینزل ویقتل الدجال ویؤید الدین"
اگر تفسیر جامع البیان سے تفسیر طبری مراد ہو تو وہ مطبوعہ تفسیر طبری جس کے حاشیہ پر تفسیر ابن کثیر
مراد ہو میرے پاس موجود نہیں۔ اور اب تک میرے علم میں
یہ بھی نہیں آیا کہ ایسی کوئی تفسیر طبری طبع ہوئی ہے) میرے پیش نظر جو
مطبوعہ تفسیر طبری ہے جس کے حاشیہ پر قمی نیشاپوری کی تفسیر ہے اس تفسیر
طبری میں مجھے یہ عبارت نہیں ملی۔ کیا ہی اچھا ہو کہ علامہ مجیب
اس آیت سے مطلع فرمائیں کہ جس کے تحت ابن جریر طبری نے اپنی
تفسیر میں یہ عبارت درج کی ہو۔ تفسیر جامع البیان کے نام سے
ایک غیر مشہور تفسیر ہے جو معین ابن صفی کی تالیف کردہ ہے۔ اتفاقاً
اسے بھی میں نے دیکھ لیا۔ افسوس کہ اس میں بھی باوجود تلاش کے یہ
عبارت نہیں ملی۔ علامہ مجیب کے متعلق یہ بدگمانی تو کی نہیں جا سکتی
کہ موصوف نے عمداً اس کی تشریح نہیں فرمائی کہ جامع البیان نامی تفسیر
سے کون سی تفسیر مراد ہے تاکہ ناظر یہ دھوکا کھائے کہ طبری کی تفسیر سمجھ لیا
حسن ظن تو اسی کا مقتضی ہے کہ مؤلف کے نام کی تشریح سہواً رہ گئی ہے
یا واقعی تفسیر طبری ہی کی یہ عبارت ہے جو کہ تفسیر طبری کے جس نسخہ
میرا تصور ہے۔ واللہ اعلم

بہر حال جس تفسیر کی بھی یہ عبارت ہو اس میں بھی اجماع کے متعلق
وہی گفتگو ہے جو مولانا انور شاہ مرحوم و مغفور کے دعوے اجماع کے متعلق
اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ ص ۹ میں امام رازی کے دعاوی پر جرح و قدح کا
حال گزر چکا ہے۔ اسی کی نظیر فی نظر زین الدین عراقی کا بھی دعوے
اجماع ہے جو آنحضور کے شق القمر کے واقعہ کے تعدد کے متعلق کیا تھا۔
شہاب آفندی نے شرح شفا میں اسے علامہ زین الدین عراقی کے سہو
اور غفلت پر محمول کیا۔ جس سے یہ امر ظاہر ہو گیا کہ دعاوی اجماع
پر بہت احتیاط کے ساتھ توجہ کی ضرورت ہے۔ ہر دعوے اجماع
قابل قبول نہیں ہو جاتا۔ کسی مسئلہ کے متعلق دو ایک آدمیوں کے
دعوے اجماع سے اس مسئلہ کی قطعیت ثابت نہیں ہو جاتی (باقی)

مراسلات

شیعہ لکھنے کا جرم!

(۱)

المکرم والمحترم جناب عبدالماجد صاحب دریابادی طال عمرکم
بعد سلام مسنون کے عرض ہے کہ ۱۶- جمادی الاول ۱۳۶۴ھ کا
"صدق" ملا۔ افسوس کہ آپ نے صفحہ ۲ پر رسیدگی کتب کے سلسلہ
میں ہماری کتاب "دی ہولی پرافٹ" از قلم حضرت علامہ الحاج
سالمین مدظلہ العالی کے بارے میں اگر صرف "ایک مسلم مبلغ کے
قلم سے" لکھ دیتے تو کیا آپ کی سنیت میں فرق آ جاتا! افسوس
صد ہزار افسوس کہ آپ کے ذہن نے دہریت سے پالا کھایا تو
گر سے ایک مہلک مرض میں اور وہ مرض ہے فرقہ بازی کا۔ ایک مسلم
لکھنے کے بجائے آپ نے شیعہ لکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت
علامہ الحاج سالمین صاحب نہ سنی ہیں اور نہ شیعہ اور ہر فرقۂ
اسلام سے بالاتر ہیں۔ دراصل انہیں فرق اسلام نے اسلام کا
ستیاناس کر دیا ہے اور جو آئے دن مصائب مسلم قوم پر نازل ہوتے
ہیں وہ بھی اسی عذاب الیم کا ہی نتیجہ ہیں۔ خدا اپنے حبیب کے
صدقے میں مسلم قوم کو ان ملاؤں اور مولویوں اور مولاناؤں کے
پنجے سے چھڑائے جو دراصل فرقہ پرستی کو شہ دے رہے ہیں۔ ہمارے
نزدیک کافر اور منافق اسلام کو اتنا ذلیل نہیں کرتے جتنا کہ فرقہ
بازی کر رہی ہے۔ خدا آپ کو راہ حق پر چلنے کی ہدایت کرے
اور آپ کی آنکھیں ان لوگوں کی طرف سے پھیر دے جو اسلام پر
حملہ آوری کر رہے ہیں یعنی آریہ - بہائی - قادیانیت وغیرہ وغیرہ
خدا اسلام کو فرقہ بازی سے بچائیے - خدارا اسلام پر رحم کیجیے،
۱۳ سو سال کیا فرقہ بازی کے لیے کم تھے؟ جو آپ نے پھر سے
اپنے اخبار میں مسلمین میں تفرقہ بازی شروع کر دی ہے۔ کیا آپ
قرآن سے ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام میں فرقے ہیں؟ اور کیا آپ
کا یہ فرض نہیں کہ آپ بھی بجائے تفریق کے توحید کلمۂ اسلام پر
زور دیں اور ہر کلمہ جس سے تفریق ہوتی ہو اسکو صدق میں اصل
نہ چھپنے دیں۔ آپ یاد رکھیں کہ فرقہ بازی کا وقت گذر گیا - وہ
ہوا گئی۔ اور اب تمام اہل اسلام فقط ایک ہی نام سے موسوم
ہونا پسند کرتے ہیں - اور وہ قرآنی لفظ "مسلم" ہے - ورنہ آپ
ثابت کریں کہ کیا حضرت رسول اکرمؐ کے زمانہ میں شیعہ - سنی، اہلحدیث
وغیرہ وغیرہ تھے - اگر ثابت نہیں کر سکتے تو پھر یہ موہوم ہیں اسلام
کے لیے مضر چیز ہے - خدارا مسلمانوں کے حال پر رحم کیجیے اور
اپنوں کو مورد عتاب و دشمنی نہ بنائیے - آخر غیر مسلموں میں بھی تو
شاید آپ کا اخبار جاتا ہوگا۔ انکے سامنے آپ اسلام کو ایک
کیا بنا رہے ہیں - اللھم اھد قومی انہم لا یعلمون - آپ کی ہر تحریر کا اور
جواب کا انتظار۔ جواب الجواب دونگا بقول اللہ ورقۃ - تاآنکہ
آپ راہ راست پر آجائیں اور فتنہ بازی سے توبہ کر لیں۔ والسلام
علی من اتبع الھدیٰ

الحقیر۔ سکرٹری گرانڈ مسلم مشن۔ بمبئی ۴

(۲)

مورخہ ۲ مئی ۱۹۴۵ء   المحترم طال عمرکم۔ آمین

بعد سلام مسنون۔ اس خط کے قبل آپ کی جانب ایک مفصل
خط روانہ کر چکا ہوں مگر افسوس کہ دستخط کرنا بھول گیا اور پھر اس وقت
سے کہ شاید آپ اس بات کو بزدلی اور دھوکا دہی پر نہ محمول کریں
بندہ دوبارہ آج اپنے نام سے اس خط دوم کے ذریعہ اعادہ کر رہا ہے۔
بندہ اس خط کے ذریعہ پھر دوبارہ آپ جیسے اہل ارادہ و اہل علم
کٹر حنفی دیوبندی سے سوال کی جرأت کرتا ہے کہ آخر یہ فرق اسلامیہ
کی تو تو میں میں کب تک؟ یہ آپس میں بغض و کافر گری کب تک؟
آپ کا کیا بگڑ جاتا اگر الحاج مولانا سالمین صاحب کی شیعیت
یا سنیت کی جگہ فقط ایک مسلم مبلغ لکھ دیتے مگر آپ
وجدان کا انکو ایسا کہنے لگا - وہ بات ہی کیا جب تک کہ آپ
معاذ اللہ بنگالی کٹر شاید حنفی متعصب گروہ کی ہوئی انکو خوش نہ کریں۔
خدارا راست سلف امر نبی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجیے کہ
انہوں نے اور ہمارے الحاج صاحب نے آج سے ۱۵ یا
۲۰ سال سے لگاتار کوشش کی ہے کہ اسلام کے
نام نہاد فرقوں کا قلع قمع کر کے فقط مسلم بننے اور مسلم کا نام کافی سمجھ کر
دوسرے ناموں کو نابود کریں کہ اسلام کی عظمت و قوت اسی میں ہے
اور قرآن بھی ہماری تائید میں ہے - ہمارا رپورٹ رسالہ خدمت
کر دیا گیا ہے۔ خدا کرے کہ اس سے آپ کا شرح صدر ہو جائے
واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم - والسلام

خاکسار (مولوی) شیخ عبدالوہاب دہلوی۔ سکرٹری گرانڈ مسلم مشن
بمبئی ۴

صدق - اس بے پناہ زور قلم کے مقابلہ کی تاب بھلا اس
غریب "کٹر حنفی دیوبندی" میں کب ہے؟ دونوں مکتوبات خالی
حرف بحرف صرف چند فقروں کو زیر خط کر کے، حسن انشاء کے ایک
نمونہ کی حیثیت سے درج کیے جا رہے ہیں! —— آتش فشاں
جب پہاڑ ہو سکتے ہیں، تو آخر قلم کیوں نہیں ہو سکتا؟

بقیہ ص ۵

سکا فوری فائدہ یہ ہوا کہ تشنج موقوف ہو گیا - پھر دو دن بیقراری میں تسکین محسوس ہوئی
اور نبض اور سانس کی رفتار بھی کسی قدر اندر دو دن درست ہو گئی۔ احتیاط کے طور پر
اسکے بعد ارنیں کی پچکاری بھی زیر جلد کر دی گئی (تاکہ بچی آرام سے سو جائے) اسکے بعد
روزانہ شہد کا عطوہ کرتے رہے۔ چند روز میں بچی بالکل تندرست ہو گئی اور روس بچی
کے ساتھ کہ جلنے کا نشان تک نہ رہا - ۳ مہینے کے عرصہ میں نئی اور پرانی جلد
بھی یکساں ہو گئی۔ کوئی داغ دھبہ باقی نہ رہا۔ (طبی دنیا - دہلی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارہ میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

ہفتہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی پانچ روپیہ
بیرون ہند سالانہ: ۱۸ شلنگ

(رجسٹرڈ ایل نمبر ۲۹۱)

شنبہ - ۱۳- جمادی الاولیٰ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶- مئی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

یاد ایام

نمبر (۸)

(از عبد الماجد)

۴۰ - ۴۲ سال ادھر کا ذکر ہے۔ یہی گرمیوں کا موسم ہے۔ مئی کا مہینہ ہے گرم گرم ہوا اور لو اور کڑی دھوپ کے دن ہیں، صبح سویرے کا وقت ہے نماز سے فراغت کے بعد اب پڑھائی کا وقت شروع ہونے کو ہے۔ والدہ ماجدہ قرآن مجید اور تسبیح پڑھ پڑھا چکیں ہم لوگوں کے لیے شربت کے گلاس الگ الگ اور ٹھنڈی چیز کے تیار کر رہی ہیں۔ اور ہم تینوں بھائی بہن اسی کے انتظار میں آس پاس کھڑے ہوئے ہیں۔ گھر میں اللہ کے دیے ہوئے نوکر چاکر اندر اور باہر ستعد ہیں، لیکن والدہ اپنے ہی ہاتھ سے شربت بنا اور پلا رہی ہیں —— ان کو بچوں کا کام اپنے ہاتھ سے کرنے میں جو لطف آتا ہے، وہ دوسروں سے کام لینے میں نہیں آتا!

یہ ایک مثال نمونہ کے طور پر اس کے کام کرنے کی بڑی بوڑھی شریف بیبیاں، امیر، اچھی خاصی، خوشحال مسلمان مائیں۔ بچوں کا، شوہر کا، گھر کا سارا کام، خوش دلی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے انجام دیتی رہتی تھیں؟ خانہ داری کے کون سے کاموں سے شرماتی تھیں یا ہچکچاتی تھیں؟ گھر کے چھوٹے بڑوں کی خدمت کرنا، اپنی خدمت کو اپنا مقصد زندگی سمجھنا انہیں شروع سے بتا دیا جاتا، انکے دل میں اتار دیا جاتا تھا۔ سب کے کھانے پانی کی فکر رکھنا، دوسروں کو کھلا کر خود آخر میں کھانا، گھر میں کوئی بیمار پڑے، تو اسکی دوا کرنا، تیمارداری کرنا، بچوں کی خدمت کے لیے نگہداشت کے لیے، رات رات بھر جاگ کر صبح کر دینا، اسی تربیت میں انکی آنکھیں کھلتی تھیں، اور یہی سرمایہ لیے ہوئے وہ دنیا سے رخصت ہوتی تھیں —— کم از کم ایک پشت پیشتر تو یہی ہر شریف گھر گھرانے کا پروگرام تھا۔ خدمت کے لیے جینا، اور خدمت ہی پر مرنے کا دستور عام تھا۔

نہ کوئی لیڈیز جرنل، نہ کوئی "وومنس ایسوسی ایشن"۔ نہ پردہ کلب نہ بے پردہ کلب، نہ کوئی انجمن خواتین، نہ کوئی گرلز کالج، نہ "مساوات" کا زور، نہ مسلمانیہ حقوق کا شور، نہ ممبری نہ ووٹ، نہ لپ اسٹک نہ روژ۔ نہ کریم نہ پیف، نہ سگار نہ سگریٹ، بالبس یہی عطر، پھلیل، منہ میں پان، ہاتھ پیر میں مہندی، بچہ رہی تو ماں باپ کی آنکھوں کا تارا، جوان رہی تو شوہر کی نظروں میں ماہ پارہ، سن اترا تو جوان جوان لڑکوں کی خدمت کو موجود، چاکری پر کمر بستہ —— زندگی کا لطف اس میں تھا یا اس نقالی میں "صاحب" بن جانے میں؟ "کلچر" اور "آرٹ" میں غرق ہو جانے میں؟ —— ہسٹیریا کا مرض برطانیہ اور امریکہ اور فرانس اور روس میں کتنیوں کو لاحق ہوتا ہے، اور ہندوستان میں کتنیوں کو؟ جواب اعداد فراہم کرکے دیکھیے۔ خودکشی کی نوبتیں لندن اور پیرس اور نیو یارک میں کثرت سے پیش آتی رہتی ہیں، یا ہمارے قصبوں اور دیہاتوں میں؟ —— حشر کو چھوڑیے، آج دنیا ہی میں کس کا کیا حشر ہو رہا ہے؟

لہ اس سلسلہ کا نمبر ۷ صدق جلد ۱۰ نمبر ۲۲، ۲۔ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں نکلا تھا۔

تجدد کی رجعت!

کم لوگوں کو اطلاع ہوگی، کہ ۹ جولائی ۱۹۴۴ء کو صدر جمہوریہ سوویٹ روس کا ایک فرمان شایع ہوچکا ہے جسکی رو سے

(۱) ہر حاملہ عورت اور بچے والی ماں کو سرکاری وظیفہ ملا کریگا۔

(۲) دس یا اس سے زیادہ بچے پیدا اور پرورش کرنے والی ماؤں کو مادرِ معظمہ (MOTHER HEROWE) کا لقب عطا ہوا کریگا۔

(۳) متعدد تمغے، تمغۂ مادریت، مادریت عظمیٰ وغیرہ بچہ دار عورتوں کے لیے جاری کردیے گئے ہیں۔

(۴) وہیں ماؤں کے نام اور تصویریں اور سوانح عمریاں، فوراً اخبارات میں شایع ہوجاتی ہیں، اور گمنام و بے نشان مائیں ایک دم سے اپنے کو مشہور پانے لگتی ہیں۔

فرمان کے بعد سے ماؤں کے گروہ کے گروہ دور دور سے سفر کرکے پایۂ تخت کو آنے لگے ہیں، کہ صدر جمہوریہ کے ہاتھ سے انعام اور تمغے پائیں، اور بچہ کُشی کی تحریک ملک میں خوب عام اور مقبول ہوگئی ہے۔ (ڈومینین اینڈ ہفتہ وار ایڈیشن، ۱۳ مئی ۱۹۴۴ء)

یہ حال اُس ملک روس کا ہے، جو شاید بجز فرانس کے "ضبط و منع تولید" کی تحریک میں سب سے آگے تھا۔ —— کیا خدا کی قدرت ہے کہ غریب ہندوستان ابھی جا کر سبق لینے بھی نہ پایا تھا کہ خود اُستاد ہی کا پانسہ پلٹ گیا! اور روس بجائے بچہ کُشی کے بچہ کَشی کا سبق دینے لگا! —— دیکھیے دنیا کب اس سبق حقیقی پر، جو دقتی ہوا ان سے سبق نیا بن کر تمدن دنیا کو ملتی ہے، گیا ہے کہ زوجوا الودود۔

ماہرِ فن کا مشورہ

"نیشنل میڈیکل ہیلتھ کمیٹی کے سامنے ایک بیان میں ڈیم اینیڈ لائنس، ایم۔ بی۔ اور کوئینس لینڈ (آسٹریلیا) یونیورسٹی کی لکچرر فن مادریت نے کہا کہ آج فیشن کا حکم ہے کہ بچے کم سے کم پیدا ہوں، یا سرے سے نہ ہوں۔ ہالی وڈ (دنیا کے سینمائی مرکز) نے جو نسوانی معیار قائم کردیا ہے، اور جسکا ایک جزو مصنوعی نوجوانی ہے، وہ مادریت کے تصور پر غالب آگیا ہے، جو اب تک مسیحی تمدن میں معزز ترین مقام رکھتا تھا۔ … غیر شعوری طور پر ہماری عورت کے دل میں یہ بات بس گئی ہے کہ بجز خصوصی حالات کے مادریت کوئی قابل عزت چیز نہیں۔ آج کسی نوجوان کی عزت اُسکے ماں ہونے کی بنا پر ہے؟ عوام کی نظر میں وقعت و عزت بالکل اسی سانچے کی ہے۔ … صحیح مادریت، حسن و جمال کی دشمن نہیں بلکہ اور صحت، حسن و مسرت کے حق میں معین ہے۔" (لیڈر، الہ آباد، ۱۰ مارچ ۱۹۴۴ء)

یہ آسٹریلین لیڈی ایم۔ بی۔ صاحبہ کہیں ظرافت تو نہیں فرمارہی ہیں؟ —— اور پھر ایسی یونیورسٹی کی روشن خیالی وقدامت پرستی کو کیا کہکر داد دیا جائے، جو آج بیسویں صدی کے وسط میں ایک مستقل و متنوع فن امومت یا مادریت کو بنائے ایک مخصوص لکچرر شپ اسکے لیے قائم کیے ہوئے ہے!

—— اب تجدد غریب آخر کہاں پناہ لے!

دانت اور تمدنِ جدید

"لارڈ ہارٹ ویٹ کی صدارت میں جو انٹر ڈپارٹمنٹل کمیٹی فوجیوں کے دانتوں کی تحقیق حال کے لیے قائم ہوئی تھی، اُس نے فوجی رنگروٹوں کی ایک بڑی اور نمائندہ تعداد کے امتحان و معائنہ کے بعد لکھا ہے، کہ بھرتی ہونے والوں اور ہونے والیوں میں ۹۰ فی صدی مردوں کے اور ۸۶ فی صدی عورتوں کے دانت خراب اور قابل علاج ہوتے ہیں۔" (اکانومسٹ، لندن، ۲۵ نومبر ۱۹۴۳ء)

ظاہر ہے کہ فوجی سلسلہ میں داخل ہونے والے عموماً سب جوان و تندرست ہی ہوتے ہیں، یہ ۹۰ فی صدی تعداد اُنکے دانتوں کی خرابی کی ہے! ۹۰ فی صدی مرد، اور ۸۶ فی صدی عورتیں! باقی ساری آبادی کو اس پر قیاس کرنا کچھ مشکل ہے؟ —— جو قوم کی قوم منہ دھونے، دانت مانجھنے، کلی و غرارہ کرنے، مسواک کرنے ہی سے ناآشنا ہو، اور اُسکے برعکس عادی ہو سگرٹ اور رنگا رنگ غذاؤں کی، حیرت اس پر ہے کہ اُسکے ۱۰، ۱۴ فی صدی کے دانت کس طرح محفوظ ہیں؟ عجب نہیں جو اُنکی خرابی ڈاکٹروں کے علم میں نہ آئی ہو!

"صاحب" کا ذوق

نیوز آف دی ورلڈ (لندن) دنیا سے مہذب و متمدن کا سب سے بڑا ہفتہ وار ہے۔ ۳۰ لاکھ کا پرچہ ہر نمبر کا نکلتی رہتی ہیں۔ حال میں ٹائمس آف انڈیا (بمبئی) کے ایک سابق اڈیٹر اڈول ہارس نے تحقیق و تحلیل کرکے بتایا ہے کہ اوسطاً اس اخبار کے

۸ کالموں میں سیاسی و معاشیاتی خبریں ہوتی ہیں۔

۱۸ کالم کھیل تماشہ (فٹ بال، ہاکی وغیرہ) کے لیے وقف رہتے ہیں۔

۲۵ کالم جرائم اور شہدپن (چوری، قتل، حرام کاری، جعلسازی، ڈاکہ، اسقاط حمل وغیرہ) کی روئداد کی نذر رہتے ہیں۔ (بمبئی کرانیکل، ہفتہ وار ایڈیشن، ۲۰ فروری ۱۹۴۴ء)

"صاحب" کا مذاق طبیعت آپ نے دیکھ لیا؟ اسکے انتہائی رغبت و شوق کی خبروں کی نوعیت آپ کے ملاحظہ میں آگئی؟ —— "تہذیب" کے اسی سیارہ کی طرف آپ جانا، اور سب کو لیجانا چاہتے ہیں؟

کم سن آرٹسٹ

لکھنؤ سے ایک مراسلہ:۔

"ایک روز شہر کے ایک ادبی مرکز … میں بیٹھا ہوا تھا۔ شہر کے مشہور عالم خاندان … کے ایک کم عمر صاحبزادہ تشریف لائے۔ ہاتھ میں ایک نیا فلمی پرچہ تھا۔ غالباً انھیں کا نکالا ہوا تھا۔ سرورق پر ایک فلمی ایکٹرس کی تصویر تھی۔ صاحبزادہ سینما کے مناقب بیان کررہے تھے۔ فرماتے تھے کہ فلم کی صنعت میں مسلمان بہت پیچھے ہیں، انھیں آگے بڑھنا چاہیے۔ اور بعد جنگ سینما کی اہمیت اور مقبولیت اور بڑھ جائیگی۔ آج جو مرتبہ فلمی اداکاروں کا ہے، وہ کسی کو نصیب نہیں۔ میں نے تو اس صنعت کو فروغ دینا اپنا مشن بنا لیا ہے۔ مسلمانوں کو فلمی پرچے مزدور نکالنے چاہییں۔ میرے والد ماجد کو میرے اس شوق کا علم ہے، مگر وہ مجھ سے کچھ نہیں کہتے۔"

اس گراموفون بیچارے نے سمجھنے کی آواز نیا دور ہراتے ہیں، جن سے ساری فضا گونج رہی ہے۔ سینما تو خیر پھر بعد کی چیز ہے، مسلمان اپنے قوم

سورہ بقرہ بقیۂ رکوع ۲۱

(بہ سلسلہ صدق)

(از عبد الماجد)

۱۷۲ یٰۤاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ وَاشْکُرُوْا لِلّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ۔ — اے ایمان والو، پاک چیزوں میں سے جو ہم نے تمھیں دے رکھی ہیں، کھاؤ پیو اور اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اگر تم خاص اُسی کی بندگی کرنے والے ہو۔

۱۷۳ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ بِہٖ لِغَیْرِ اللّٰہِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْہِ ۭ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ — اُس نے تو تم پر بس مُردار، اور خون اور سور کا گوشت اور جو (جانور) غیر اللہ کے لیے نامزد کیا گیا ہو، حرام کیا ہے۔ لیکن (اس میں بھی) جو شخص مضطر ہو جائے، اور نہ بے حکمی کرنے والا ہو اور نہ حد سے نکل جانے والا ہو تو اُس پر کوئی گناہ نہیں۔ بیشک اللہ بڑا بخشنے والا ہے بڑا رحمت والا ہے۔

یعنی اگر اپنے دعوے ایمان و اخلاص میں سچے ہو تو اللہ نے حکم پر عمل کرو اور اسکے مقرر کیے ہوے حق ادا کرتے رہو۔

یعنی حیوانات کے سلسلہ میں تو شریعت الٰہی کی حرام کی ہوئی بس یہ چیزیں ہیں نہ وہ چیزیں جو تم نے اپنی تجویز سے گڑھ رکھی ہیں۔

یہاں تردید تمامتر مشرکوں کے خود تراشیدہ محرمات کی ہو رہی ہے۔ باقی جو چیزیں حدیث صحیح کی بنا پر، یا کسی اور دلیل شرعی سے حرام ہیں۔ ان سے آیت کو کوئی بحث نہیں۔

لیس المراد من الآیۃ قصر الحرمۃ علی ما ذکر مطلقا بل مقید بما اعتقدوہ حلالا (روح)

المیتۃ میتہ یا مردار وہ جانور ہے جو بغیر کسی کے ہلاک کیے، خود مر جائے۔ یا ہلاک تو کیا جائے، لیکن ذبح شرعی کے مطابق نہ ہو۔

ھو غیر المذکی اما لانہ لم یذبح او ذبح ولکن لم یکن ذبحہ ذکاۃ (کبیر)

وھی کل ما فارقہ الروح من غیر ذکاۃ مما یذبح (مدارک)

زندہ جانور سے اگر گوشت کا کچھ حصہ کاٹ لیا جائے، تو وہ بھی مردار ہی کے حکم میں داخل ہوگا

حنفیہ کے ہاں مردار سے کسی قسم کا بھی نفع حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ مردار گوشت کتوں اور شکاری پرندوں کو کھلانا بھی درست نہیں۔ کہ یہ بھی تو اس سے نفع اُٹھانا ہی ہوا، اور اسلئے کہ قرآن میں مردار کی حرمت مطلق صورت میں ہے۔

قال اصحابنا لا یجوز الانتفاع بالمیتۃ علی وجہ ولا یطعمھا الکلاب والجوارح لان ذلک ضرب من الانتفاع بھا وقد حرم اللہ المیتۃ تحریما مطلقا معلقا بعینھا (جصاص)

لیکن ہاں دباغت کے بعد مردار کی ہڈی، کھال وغیرہ پاک ہو جاتی ہے اور مُردار کے حکم میں رہتی ہی نہیں۔ یہ مسئلہ احادیث و آثار سے ثابت ہے، اور حنفیہ اور بعض دوسرے ائمہ فقہ کا بھی یہی مذہب ہے۔

قال ابو حنیفۃ واصحابہ والحسن بن صالح وسفیان الثوری وعبد اللہ بن الحسن العنبری والاوزاعی والشافعی یجوز بیع جلد المیتۃ اذا دبغ والانتفاع بہ وحجۃ لمن طھرھا وجعلھا ذکاتھا ورود عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاخبار المتواترۃ من الوجوہ المختلفۃ بالفاظ مختلفۃ کلھا یوجب طھارتھا بالدباغ وانہ ذکاتھا (جصاص)

اور احادیث اس قسم کی وارد ہوئی ہیں:

ایما اھاب دبغ فقد طھر (عن ابن عباس)

دباغ جلد المیتۃ طھورھا (عن زید بن ثابت)

ذکاۃ الادیم دباغتہ (عن سلمۃ بن المحبق)

دو جانور ایسے ہیں جو حدیث صحیح کی رو سے بغیر ذبح بھی حلال ہیں، ایک مچھلی۔ دوسرے ٹڈی۔

وقد خصت المیتتان بالحدیث السمک والجراد (مدارک) ھذہ الآیۃ ھی التخصیص بقولہ علیہ السلام اُحلت لنا میتتان الحوت والجراد اخرجہ دارقطنی (قرطبی)

فقہیہ مفسرین نے اسی سلسلہ میں اس مسئلہ کو بھی بیان کر دیا ہے کہ جن غذاؤں میں ذبیحہ کا سوال نہ پیدا ہو، وہ مجوس اور مشرکوں اور سب غیر کتابیوں کے ہاں کی جائز ہیں۔

وقال ابو عمر لا باس باکل طعام عبدۃ الاوثان والمجوس وسائر من لا کتاب لہ من الکفار ما لم یکن من ذبائحھم (قرطبی)

والدم یعنی خون جاری یا سیال

المراد بالدم الجاری (سالم) یعنی السائل (مدارک)

اور سورۂ انعام میں دم مسفوح کی قید خود موجود ہے۔ اور فقہاء کا متفقہ فیصلہ ہے کہ دم جو یہاں مطلق صورت میں ہے۔ وہ اسی قید مسفوحیت کے ساتھ حرام ہے۔

وحمل العلماء ھھنا المطلق علی المقید اجماعا۔ (ابن العربی)

اس پر فقہاء امت کا اجماع ہے کہ خون جاری حرام بھی ہے اور نجس بھی، نہ اسکا کھانا جائز ہے نہ اس سے اور کوئی نفع اٹھانا جائز ہے۔

اتفق العلماء علی ان الدم حرام نجس لا یوکل ولا ینتفع بہ (ابن العربی)

حدیث صحیح کی رو سے دو منجمد خون حلال ہیں، ایک جگر، دوسرے تلی۔ اور انکی حلت پر فقہاء امت کا اجماع ہے۔

اُحلت لنا دمان الکبد والطحال، اخرجہ الدارقطنی (قرطبی)

گو علماء نے یہ بھی کہا ہے کہ جگر و طحال خون کی تعریف میں آتے ہی کب ہیں، وہ تو گوشت کی قسم کی چیزیں ہیں، نہ کہ خون کی قسم کی، اور اسلئے ان استثناء کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ عبارتیں اُن کتابوں میں انہیں کی طرف منسوب ہیں کہ اجماع "مرتبۂ ثالثہ کا اجماع ہے" جو قطعیت کو مفید ہے یا رخصت والا (یعنی اجماع سکوتی) جس کا مفید قطعیت ہونا مسلم نہیں۔ دوسرے یہ کہ کیا محض ان تفسیروں کے حکایۃً اجماع سے نقل اجماع بطریقۂ قطعیہ ہو جاتا ہے؟ ظاہر ہے کہ اس کا جواب نفی ہی میں ہو سکتا ہے۔ پھر اس نقل اجماع سے بطریقۂ قطعیہ نہیں مسئلۂ حیات مسیح کی قطعیت کیسے ثابت ہو جائیگی جیسا دعویٰ مبصر صاحب نے کیا تھا۔

تیسرے مسئلہ "مسئلۂ نزول مسیح علیہ السلام" کے متعلق پیش کردہ عبارتوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق کثرت صحاح حدیثیں ہیں مگر کیا کسی مسئلہ کے متعلق کثرت صحاح حدیثوں کے ہونے کی وجہ سے وہ مسئلہ قطعی ہو جاتا ہے؟ بغیر اس کے کہ وہ حدیثیں حد تواتر (اصطلاحی) تک پہونچیں۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے صرف چند عبارتوں میں تواتر کا لفظ آیا ہے لیکن ان عبارتوں میں (تفسیر بحر محیط والی عبارت کے علاوہ) تواتر سے اصطلاحی تواتر مراد ہونا مشتبہ ہے جیسا کہ اوپر مفصل ذکر ہو چکا ہے (تفسیر بحر المحیط والی عبارت لائق اعتناء نہیں کما مر) لیکن اس سے قطع نظر کیا چند حدیثوں کے انتخاص سے کہ دینے سے اگرچہ ناقل کیسے ہی عظیم المرتبت ہوں کہ فلاں مسئلہ کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ واقعی اس مسئلہ کے متعلق حدیث متواتر موجود ہے؟ یہ بھی کوئی تقلیدی مسئلہ ہے خصوصاً جبکہ دوسرے سب علماء اس مسئلہ کے ذکر کے وقت احادیث صحاح سے ثابت ہونے کا ذکر کرتے ہیں کوئی تواتر کا نام بھی نہیں لیتا اور دو خاص حدیث کو چھان ڈالنے کے بعد اس حدیث کا متواتر ہونا ثابت نہیں کیا جا سکتا، اور خبر متواتر کے پائے جانے اور نہ پائے جانے کی بحث کے سلسلہ میں اس حدیث متواتر کا کوئی ذکر ہی نہیں کرتا۔ کیا حدیث متواتر کی یہی شان ہوتی ہے؟ بہرحال پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ نزول مسیح کے متعلق کوئی حدیث متواتر ہے۔ رہا اس مسئلہ پر اجماع تو سب سے پہلے یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ ایسے امر مستقبل پر جو مستنبط نہ ہو اس کے لئے صحیح احادیث موجود ہوں اجماع، اجماع شرعی اصطلاحی سمجھا جا سکتا بھی ہے یا نہیں۔ اسکے بعد یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ یہ اجماع اجماع سکوتی ہے جس کا مفید قطعیت ہونا امر مسلم نہیں یا مرتبۂ ثالثہ کا اجماع جو مفید قطعیت ہے۔ اسکے بعد یہ امر تصفیہ طلب ہے کہ یہ اجماع بطریقۂ قطعیہ منقول بھی ہے یا نہیں بغیر ان سب مراحل کے طے ہوئے اس مسئلہ کے متعلق محض کسی کے دعوے اجماع سے اس مسئلہ کا قطعیات میں سے ہونا ثابت نہیں ہو سکتا۔ پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ اجماع اجماع قطعی شرعی ہے نہ یہ کہ اس کی نقل بطریق قطعیت ہو

دیکھیں اس مسئلہ کی قطعیت کیسے ثابت ہو گی جیسا دعوے مبصر صاحب نے کیا تھا جبکہ ان دو مذکورہ وجوہ قطعیت کے علاوہ علامہ مجیب نے کوئی تیسری وجہ قطعیت کی بیان بھی نہیں فرمائی اس لیے سوال پہلا حصہ بھی بدستور جواب طلب رہا کہ کیا حیات و نزول مسیح والے مسائل قطعیات میں سے ہیں؟

اگرچہ میرا یہ منصب نہیں کہ میں حیات مسیح پر اجماع ہونے کے خلاف اور اس امر کے متعلق کہ خروج مہدی اور حیات و نزول مسیح علیہ السلام کی خبر متواتر سے ثابت نہ ہونے کے متعلق کوئی عبارت پیش کروں لیکن تتمۂ فائدہ کے لیے میں نے اوپر مسئلہ میں فتح الباری اور شرح مقاصد کی عبارتیں نقل کر دی ہیں جن سے حیات مسیح علیہ السلام کے متعلق دعوے اجماع پر اور خروج مہدی و نزول مسیح علیہ السلام کے ثبوت بالتواتر پر روشنی پڑتی ہے کیا ان عبارتوں کے پیش نظر مسائل حیات و نزول مسیح کی قطعیت کے متعلق اور خروج مہدی کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ موجود ہونے کے بارے میں (جیسا کہ مبصر صاحب نے تحریر فرمایا تھا) وہ سوال پیدا نہیں ہو جاتا کہ جو میں نے اپنے مضمون میں اُٹھایا ہے، اور جس کا تشفی بخش جواب علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب کے مضمون سے نہیں ملتا۔

مسائل حیات و نزول مسیح علیہ السلام کے قطعیات میں سے نہ ہونے کے سلسلہ میں میں نے اپنے مضمون میں جن دو امور کے قابل لحاظ ہونے کا ذکر کیا تھا، اُن میں سے ایک یہ تھا کہ "حیات مسیح علیہ السلام والے مسئلہ کے لیے بھی کوئی صحیح مرفوع حدیث (اگرچہ وہ خبر واحد ہی کیوں نہ ہو) ہے؟ اگر ہے تو اس میں حیات مسیح سے وہی حیات مراد ہے جسے ہم سب حیات اور زندگی کہتے ہیں، جس کے لیے کھانا، پینا اور پھر اس کے لوازمات عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں، یا کوئی دوسری حیات۔ پہلی صورت میں جبکہ کرۂ ارض سے علیحدہ قیام مانا جاتا ہے تو پھر کھانے کے انتظام (جو کرۂ ارض سے متعلق ہے) کے بارے میں کیا خیال کیا جائے اور اگر اس کے متعلق نیا نظریہ ہو تو پھر مسئلہ اس شق سے خارج ہو کر دوسری شق میں داخل ہو جاتا ہے" پھر اس کے بعد دوسری شق کی صورت میں کہا گیا تھا کہ "حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے دوسرے انبیاء اور شہداء کی حیات برزخی کے مابین فارق کونسی چیز ہو گی اور اس فرق کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی الخ" علامہ مجیب مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے میرے مضمون کے اس حصہ کے متعلق جواب دیتے ہوئے میرے اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیا کہ حیات مسیح کے لیے کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے یا کیا اس سے سمجھیں کہ علامہ نے سمجھے کہ اس کا جواب نفی میں تھا ورنہ حدیث ضرور تحریر کی جاتی۔ اگر جواب اثبات میں ہے تو اب بھی اس کا وقت ہے مہربانی فرما کر علامہ مجیب حیات مسیح کے بارے میں جو ...

موسیقی اور اسلام

صحابۂ کرام پر لائبل

[بمبئی سے ضیاء الدین احمد برنی صاحب ایم اے کا مکتوب موصول ہوا تھا کہ سلیمہ نیفی سنت نے ہندستانی موسیقی پر انگریزی زبان میں ایک کتاب "ہسٹری آف انڈین میوزک" نام سے لکھی تھی۔ اسکے صفحہ ۵۵ پر وہ لکھتی ہیں کہ خلیفہ عمرؓ کیونر (نغمہ ساز) تھے۔ خلیفہ عثمانؓ مشہور گویے ابن سریج کے بڑے قدردان تھے، خلیفہ علیؓ اور خلیفہ معاویہؓ راگ رنگنی کے خاص سرپرستوں میں سے تھے۔ ان روایتوں کی کیا اصلیت ہے؟

اسی سوال کے جواب میں مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی نے مقالۂ ذیل تحریر فرمایا ہے۔ — صدق]

موسیقی یعنی نغمہ و ساز سے حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کی دلچسپی اور اسکی سرپرستی و قدردانی کا کیا ذکر کسی معمولی سے معمولی صحابی کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی معتبر روایت نہیں مل سکتی۔ اگر کسی واقعہ سے کسی ناواقف نے یہ نتیجہ نکالا ہے تو یہ خود اسکی خوش فہمی ہے۔

اسکی حقیقت یہ ہے کہ یہ بزرگ خصوصاً حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ (رضی اللہ عنہم) بڑے سخن سنج اور نقاد سخن تھے۔ شعر و شاعری کا بڑا بلند اور پاکیزہ مذاق رکھتے تھے، بعض اشعار بھی انکی جانب منسوب ہیں۔ کبھی کبھی وہ اچھے اور پاکیزہ اشعار پڑھ کر یا سن کر ان سے لطف اندوز بھی ہوتے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کو بھی شعر و سخن کا مذاق تھا۔ اس کی تفصیل ادب اور تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔ اب اگر کوئی خوش فہم ذوق شعری سے موسیقی سے دلچسپی کا نتیجہ نکالتا ہے تو یہ اسکی خوش فہمی ہے۔ ان دونوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔

اس قسم کی روایات کا ماخذ زیادہ تر ابو الفرج اصفہانی کی مشہور کتاب اغانی ہے۔ اسکی حیثیت یہ ہے کہ وہ کوئی مستند تاریخ نہیں بلکہ عربی شعر و ادب اور عربی موسیقی کی کتاب ہے جیسا کہ خود اسکے نام اغانی (راگ رنگنی) سے ظاہر ہے۔ اس خاص موضوع سے متعلق معلومات کے بارے میں تو وہ بلا شبہہ بہت جامع اور معتبر کتاب ہے لیکن خالص تاریخی واقعات میں اسکو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ اس بارے میں ابو الفرج غیر محتاط ہے اور موسیقی کی اہمیت اور اسلامی عہد میں اسکی ترقی و مقبولیت کے ثبوت میں ہر قسم کی رطب و یابس روایتیں نقل کر دیتا ہے۔ لیکن اس بے احتیاطی کے باوجود اس نے حضرت امیر معاویہؓ کے سوا باقی اور بزرگوں کے متعلق اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں لکھا ہے بلکہ سختی سے تردید کی ہے۔ خلفاء و امراء خلفا زادوں کے ذوق موسیقی پر اس نے ایک خاص باب لکھا ہے۔ اس میں لکھا ہے

"خلفاء کی جانب راگ رنگنی اور نغمہ سرود سے دلچسپی کے جتنے واقعات منسوب ہیں انکا بڑا حصہ غلط ہے۔ انکی کوئی حقیقت نہیں۔ ابن خرداذبہ نے حضرت عمرؓ کے بارے میں جو یہ واقعہ لکھا ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ اس شعر کو جسکا مصرعہ یہ ہے ؏

کان راکبہا غصن بمروحۃ

گا کر پڑھا تھا، بالکل غلط ہے۔ ابن خرداذبہ نے موسیقی سے خلفاء کی دلچسپی کے واقعات اس التزام سے نقل کیے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے موسیقی بھی خلافت و امامت کا کوئی بڑا رکن تھی۔ لیکن یہ سارے واقعات لغو ہیں۔ انکی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر گانے کا انتساب کسی خلیفہ کی جانب صحیح بھی ہو سکتا تو بھی حضرت عمرؓ کی ذات سے بہت بعید ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے اونٹ کو ہنکاتے وقت یہ شعر پڑھا تھا گایا نہیں تھا اور انکے زمانہ میں حدی اور نصب (عربی شعر و انشاد کی ایک قسم) کے علاوہ عرب میں موسیقی رائج ہی نہ ہوئی تھی۔ حدی اور نصب ایک طرح کی شعر خوانی تھی جس میں خوش الحانی اور ترنم ہوتا تھا۔ فن موسیقی (نغمہ و ساز وغیرہ) کا دور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں اور آپ کے بعد ہوا"۔ (اغانی ج، ص ۱۴۴)

اس بیان میں چند باتیں قابل غور ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت عمرؓ کے متعلق زیادہ سے زیادہ . . . . صرف یہ واقعہ ملتا ہے کہ آپ نے ایک موقع پر ایک شعر ترنم کے ساتھ پڑھا تھا اور اسکو بھی ابو الفرج اصفہانی جیسا غیر محتاط مصنف بھی صحیح نہیں سمجھتا۔ لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو کسی شعر کو ترنم کے ساتھ پڑھنا موسیقی نہیں ہے۔ دوسرے سب سے اہم ٹکڑا یہ ہے کہ اس زمانہ میں عرب میں سرے سے ایسا گانا ہی رائج نہ ہوا تھا جس پر موجودہ اصطلاح کے لحاظ سے موسیقی کا اطلاق کیا جا سکے۔ فن موسیقی کی تدوین حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے زمانہ میں عمل میں آئی۔ اس لیے آپ کے پیشرؤں کی موسیقی سے دلچسپی اور اس کی قدردانی اور سرپرستی کا سوال باقی نہیں رہتا۔ اگرچہ اغانی کے اس بیان کے بعد مذکورہ بالا بزرگوں کی موسیقی

ؐ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ گو فطرتاً صالح و سعید تھے، لیکن ان کی پرورش اموی شاہزادوں کی طرح عیش و ناز کے گہوارہ میں ہوئی تھی اور خلافت سے پہلے انکی زندگی بڑی امیرانہ اور عیش پرستانہ تھی۔ اسکی تفصیلات تاریخوں میں موجود ہیں۔ موسیقی سے بھی انکو ذوق تھا بلکہ آپ بعض راگوں کے موجد بھی کہے جاتے ہیں۔ لیکن یہ واقعات خلافت سے پہلے کے ہیں۔ بیعت خلافت کے بعد انکی زندگی جیسی زاہدانہ ہو گئی تھی وہ معلوم و مشہور ہے اور آپ پانچویں خلیفۂ راشد شمار کیے جانے لگے۔ اس لیے خلافت سے پہلے آپ کا کوئی فعل سند کی حیثیت نہیں رکھتا۔ اس واقعہ کا لکھدینا اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ تاریخوں میں موسیقی سے انکے متعلق جو واقعات مذکور ہیں ان سے کسی کو غلط فہمی نہ ہو۔

سے دلچسپی پر بحث کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی لیکن اس سے قطع نظر انکے متعلق اغانی میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ نہیں ملتا۔ حضرت عمر و حضرت علی کو تو شعر و سخن کا بھی مذاق تھا اور حضرت عثمان کو اس سے بھی کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ آپ کی غریب کے متعلق ابن سریج کی سرپرستی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے۔ اغانی نے ابن سریج کے نہایت مفصل حالات لکھے ہیں اگر اس قسم کا کوئی واقعہ ہوتا تو وہ ضرور نقل کرتا۔ اسکا نہ لکھنا اس واقعہ کی تردید کے لیے کافی ہے۔ وہ عثمان کا عہد نہیں تھا۔ یہ ممکن ہے کہ حضرت عثمان نے کسی موقع پر اس سے کچھ اشعار سنے ہوں اور اسکے صلہ میں کچھ دیدیا ہو گو اسکا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے لیکن اسے مان بھی لیا جائے تو اسکو موسیقی سے دلچسپی اور اسکی قدردانی نہیں کہا جا سکتا۔

حضرت علی کے متعلق بھی اس قسم کی کوئی روایت نہیں ہے۔ زیادہ سے زیادہ صرف شعر و سخن سے دلچسپی کے واقعات مل سکتے ہیں بخاری کی زبان سے آپ کا ایک رجز البتہ مذکور ہے لیکن رجز خوانی کو موسیقی سے کیا نسبت۔ اگر تلوار کی جھنکار کو راگ کہا جا سکتا ہے تو البتہ رجز خوانی موسیقی کے ضمن میں آ سکتی ہے۔

حضرت امیر معاویہ کے متعلق البتہ اغانی نے بعض ایسی روایتیں نقل کی ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ آپ نے اس زمانہ کا عرب کا مروجہ گانا سنا ہے (نغمہ و ساز نہیں) اس لیے کہ وہ اس زمانہ میں رائج ہی نہ تھا۔ لیکن اس بیان میں بھی دو باتیں قابل غور ہیں ایک یہ کہ اغانی کی تمام روایات کو استناد کا درجہ حاصل نہیں ہے۔ دوسرے ابو الفرج شیعہ تھا۔ گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں ہے لیکن امیر معاویہ کے متعلق شیعوں کے اس قسم کے بیانات جس حد تک قابل قبول ہو سکتے ہیں وہ ظاہر ہیں۔

اس سلسلہ میں یہ اصول بھی پیش نظر رہنا چاہیے کہ ان امور میں جنکا تعلق دینی مسائل اور انکے جواز و عدم جواز سے ہے، صحابہ کرام کے قول و عمل کے ثبوت کے لیے جنھیں اصطلاح حدیث میں "اثر" کہا جاتا ہے اور جو مسلمانوں کے لیے سند جواز کا حکم رکھتے ہیں تنہا تاریخ کی شہادت کافی نہیں ہے بلکہ اسکا ثبوت روایت حدیث کے جملہ شرائط کے مطابق ہونا چاہیے ورنہ وہ بیان مردود ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ کے مبتدعین اپنے مسلک کی تائید مذہب ہی سے پیش کرتے رہے ہیں اور مسلمانوں میں کوئی گمراہ سے گمراہ اور باطل سے باطل عقیدہ رکھنے والا فرقہ ایسا نہیں ہے جو اپنے گمان میں اپنے عقیدہ کی مذہبی دلیل نہ رکھتا ہو۔ اس لیے ایسے مسائل میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جس بنیاد پر وہ عقیدہ قائم کیا گیا ہے اسکی نوعیت کیا ہے۔ اور اس سے اس عقیدہ کا استنباط کہاں تک صحیح ہے۔ مثلاً پردہ کے خلاف ایک دلیل یہ بھی دی جاتی ہے کہ امہات المومنین اور صحابیات غزوات میں ساتھ جاتی تھیں، اور مجاہدین کی خدمت کرتی تھیں۔

یا موجودہ تعلیم نسواں کی تائید میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے، العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ۔ یا صحابہ کرام احادیث نبوی میں حضرت عائشہ صدیقہ سے استفادہ کرتے تھے۔ لیکن مجاہدین فی سبیل اللہ کی خدمت کے لیے پردہ کے شرعی اہتمام کے ساتھ عورتوں کے نکلنے اور مخلوط پارٹیوں میں شرکت اور سینما، پارکوں، نمائشوں اور تفریح گاہوں کے سیر سپاٹوں میں کیا مناسبت ہے۔ اسی طریقہ سے دینی علوم کی تعلیم تعلم اور افادہ و استفادہ اور موجودہ کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم کو ایک دوسرے سے کیا تعلق ہے۔ اس قسم کے مغالطوں اور قیاس مع الفارق کی مثالیں آئے دن دیکھنے میں آتی رہتی ہیں۔

علوم عصریہ اور عالمگیر مذہب

(از قاضی محمد زاہد صاحب۔ دار الاشاعت شمس آباد ضلع اٹک)

موضوع مذکور مدت سے محل بحث رہا ہے۔ زمانہ گزشتہ میں تو اکثر علمائے وقت کا رجحان اس موضوع کے عدم جواز کی طرف رہا اکثر کتب فقہ اسلامی میں کچھ اشارات ایسے ملتے ہیں کہ اعلیٰ کتب نے متکلم کو امامت صغریٰ کے لیے مناسب قرار نہیں دیا۔ مگر جب اسلام جیسے عالمگیر مذہب کا تخیل کیا جاتا ہے تو اس موضوع کے جواز بلکہ اسکی ضرورت کا احساس نہایت ہی شدت سے پیدا ہوتا ہے۔ رسائل اسلامیہ میں نتیجۃً کسی طریقہ پر اس موضوع کو پیش کیا جاتا ہے میں نے چاہا کہ اس موضوع پر اپنے معلومات کے زیر اثر ذرا تفصیل سے لکھوں، شاید کوئی صاحب علم اس ضرورت کو محسوس کر کے اپنے قیمتی وقت کی نذر میں معلومات طلبا و علوم تک پہونچانے میں فیاضی سے کام لے۔

دنیا میں لوگوں کو ظلمات سے نکال کر مستفید کرنے کے لیے ہمیشہ نبی و رسول آئے۔ خداوند تعالیٰ نے انکو امتیازی دلائل نشان سے نوازا۔ جسے معجزہ کہا جاتا ہے۔ ایک انسان جسکو ہادی کا مقام حاصل ہو جاتا ہے اُسکے لیے ایک معیار مقرر کر دیا جاتا ہے جو اُس زمانہ میں اس قوم کو ہرگز نہیں ملتا بلکہ وہ اسکا مقابلہ کرنے سے عاجز ہو جاتی۔ معجزات انبیاء علیہم السلام پر غور کرنے سے آپ کو یہ بات معلوم ہو جائیگی کہ معجزہ بغیر ما اتفق طریقہ پر نہیں دیا جاتا، بلکہ زمانہ کے حالات جسکا تقاضا کرتے ہیں وہی چیز مابہ الامتیاز بنائی جاتی ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ید بیضاء عصا کا معجزہ دیا گیا تو عیسیٰ علیہ السلام کو احیاء موتیٰ ابراء ابرص کے نشان سے نوازا گیا۔ جناب ختم الرسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید جیسے معجز کلام سے سرفراز کر کے کائنات عالم کے لیے ہادی بنا کر بھیجا گیا۔ آخر اس ترتیب اور وضع میں کوئی اثر کار فرما ہے ورنہ اسکے برعکس کر دیا جاتا۔ معجزہ کا ترتیب ہی اس سب سوال کا حل

بتادیگی۔ تاریخ عالم کا مطالعہ کرنے والے بخوبی جانتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سحر کا زور تھا اور حضرت مسیح علیہ السلام کے زمانہ میں حکمت کی ترقی تھی۔ سرور دو عالم کے زمانہ عنبر شمامہ میں فصاحت و بلاغت کا عام چرچا تھا، اسی لیے ان انبیاء علیہم السلام کو وقت کی ضرورت کے مطابق ان اعجازی طاقتوں کے مختلف آثار سے معرفت کرکے دنیا میں بھیجا گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو یہی فرمایا تھا کہ میرے پاس آیات تصدیق میں سے یدِ بیضا اور عصا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا میں مردے کو زندہ کرسکتا ہوں۔ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری صداقت میں شک ہو تو قرآن کی ایک چھوٹی سی سورہ ہی بنا کر لے آؤ۔

اس تحریر سے کم از کم یہ امر تو واضح ہوگیا کہ نبی وقت کو ہمیشہ وہ طاقت دی جاتی ہے کہ جسکی اُس مقام پر ضرورت ہو اور وہ اُسی کو اختیار کرکے اپنی تبلیغ کی برتری اور کامیابی میں نصرت حاصل کرتا ہے۔ اس سے یہ امر بھی واضح ہوگیا کہ جس طاقت تصرف کے ایجاد سے خالق باریتعالیٰ نے منع نہ فرمایا ہو اُسے تبلیغ کی اشاعت میں استعمال کرنا ممنوع نہیں بلکہ وہ محبوب اور مشروع ہو سکتا ہے۔ عقلی استدلالات الہامی دلائل کے سوا دوسرے حسی دلائل کا استعمال جبکہ اُن سے مقصد اعلیٰ (تبلیغ قانون الٰہی) حاصل ہو محبوب و منظور ہو جائیگا۔ قرآن مجید کا طرز بیان دیکھنے سے پھر مصلح کائنات داعی امن رسنمایات علیہ الصلوٰۃ کے ارشادات اور طرز عمل کا مطالعہ کرنے سے میرے دعوے کی پوری تصدیق ہو جاتی ہے۔ باری تعالیٰ ابدی مجرموں کو یوں ارشاد فرماتا ہے کہ وہ جنت میں ہرگز داخل نہ ہو سکیں گے تا آنکہ اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل ہو جائے۔ اگر یہ منا طقہ کی اصطلاح میں تعلیق بالمحال نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی تاکیدی حکم کا مفہوم دوسرے الفاظ کے ذریعہ ادا ہو سکتا تھا۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہ سوال پیش کیا گیا کہ قرآن کا ارشاد ہے تم اور وہ جنکو تم معبود سمجھتے ہو جہنم کا ایندھن ہیں۔ یہ اطلاق اُن انبیاء علیہم السلام پر عادی ہو سکتا ہے جنکو قوم نے معبود سمجھا۔ معلم انسانیت علیہ السلام نے فرمایا کہ کلام الٰہی نے ما کا لفظ استعمال فرمایا جس سے غیر ذی روح اشیاء مراد ہیں۔ یعنی پتھر وغیرہ۔ ذوروح اشیاء انبیاء علیہم السلام مراد نہیں ہو سکتے۔

قبیلہ تمیم کے ایک وفد نے مفاخرت میں مقابلہ کی دعوت دی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکے شاعر ثابت بن قیس کے مقابلہ میں حسان بن ثابت کو حکم فرمایا۔ سرداران بنی تمیم نے حضرت حسان کے اشعار [illegible] سنے تو سب کے سب مسلمان ہوگئے

[illegible]

وکالت کے ساتھ کشتی کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچھاڑ دیا۔ وہ مسلمان ہوگیا۔

اسی طرح اکثر اسلامی کارنامے اُنکے سوانح میں آج تک محفوظ ہیں کہ بعضوں نے عصری رجحانات کے زیر اثر تقویت دین کی غرض سے اختیار کیا۔ آخر ان علوم کا انکار کس طرح مفید ہو سکتا ہے کہ جنکے وضع کرنے کی غرض ہی تقلیدی پستی سے نکل کر یقین کی بلندی حاصل کرنا ہے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

صحیح مرفوع حدیث ہو اُسے پیش فرما دیں تاکہ اسکے بعد حیات مسیح علیہ السلام کی جو نوعیت علامہ مجیب نے متعین فرمادی ہے اُس پر مزید گفتگو ہو سکے۔ سردست جبکہ علامہ مجیب کی طرف سے یہی نہیں بتایا گیا کہ اسکے متعلق کوئی صحیح مرفوع حدیث ہے بھی یا نہیں۔ علامہ مجیب نے حیات مسیح کی جو نوعیت متعین فرمائی ہے کہ "جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اُترنے سے پہلے آسمان میں تھے اُسی طرح عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اُٹھا لیے جانے کے بعد زندہ ہیں۔ اِنَّ مَثَلَ عِیسیٰ عِندَ اللّٰہِ کَمَثَلِ آدَمَ" اسکے متعلق صرف یہی عرض ہے کہ علامہ مجیب کی اس تحریر سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیات مسیح علیہ السلام کو حیات متعارفہ نہیں قرار دیتے۔ حیات متعارفہ تو زمین پر اُترنے سے اُنکو اور اسکے بعد اُنکی اولاد کو حاصل ہوئی۔ قرآن شریف میں ہبوط آدم کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے قَالَ اہْبِطُوا بَعْضُکُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَکُمْ فِی الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَیٰ حِینٍ، قَالَ فِیہَا تَحْیَوْنَ وَفِیہَا تَمُوتُونَ وَمِنْہَا تُخْرَجُونَ۔ اور زمین پر تشریف آوری پر وہ اُن اوامر و نواہی کے مکلف بنائے گئے جنکی جزا اور سزا کے لیے جنت و دوزخ ہے۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے قُلْنَا اہْبِطُوا مِنْہَا جَمِیعًا فَإِمَّا یَأْتِیَنَّکُمْ مِنِّی ہُدًی فَمَنْ تَبِعَ ہُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْہِمْ وَلَا ہُمْ یَحْزَنُونَ وَالَّذِینَ کَفَرُوا وَکَذَّبُوا بِآیَاتِنَا أُولَٰئِکَ أَصْحَابُ النَّارِ ہُمْ فِیہَا خَالِدُونَ۔ اور زمین پر اُترنے کے پہلے جنت کے کھانے اُنکی غذا تھے، وَکُلَا مِنْہَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا۔ اور ظاہر ہے کہ حیات متعارفہ رکھنے والے انسان کی غذا سوائے جنت نہیں۔ ہو سکتا ہے جنتی اور آسمانی زندگی میں کھانے پینے کے لیے بول و براز لوازم عادیہ میں سے نہ ہوں۔ لیکن جنتی اور آسمانی زندگی حیات متعارفہ تو نہیں۔ میں نے پہلی شق اس حیات کو قرار دیا تھا جسکے لیے کھانا پینا اور پھر اُسکے لوازم عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور حیات کی دوسری شق اسکے خلاف۔ علامہ مجیب حیات آدم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں، "تقریباً وہ کھاتے پیتے تھے [illegible]

[illegible]

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر:- عبدالماجد

سہ روزہ

صدق

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

رشید آباد بلڈنگ گولا گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

ششماہی ۔۔۔۔

بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ /

جلد ۱۱	دوشنبہ ۱۵ - جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۹ - مئی ۱۹۴۵ء	نمبر ۶

سچی باتیں

کہتے ہیں کہ ولادت مسیح سے ڈیڑھ ہزار سال قبل جب قوم اسرائیل کے تعاقب میں بحر قلزم میں فرعون مصر کی فوج غرق ہوئی ہے، تو خود شہنشاہ وقت بھی غرق ہونے سے نہ بچ سکا، معمولی سپاہیوں کی طرح وہ بھی ڈوب گیا - یہ اور بات ہے کہ غرقابی کے بعد اسکی لاش سطح سمندر پر تیر آئی، اور بعد کو محفوظ کر لی گئی۔ اور تو اور خود قرآن مجید نے قصہ کے اسی جزو، یعنی فرعون کی غرقابی کو صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اور توریت کے بیان کی تصدیق کی ہے ——— قرآن کے لفظ لفظ پر ایمان، یہ بالکل درست - لیکن کچھ کھٹکا سی کبھی کبھی ہوتی رہی، کہ عام لشکری اگر ڈوبے تھے تو خیر، لیکن فرعون کی شخصیت تو بہت اونچی بڑی پر جلالت تھی وہ سب کے ساتھ کیسے غرق ہو گیا اسکے بچنے بچانے کی کوئی صورت نہ نکل سکی؟ اس "بے سامان نہیں" "باسامان" فرعون کی حفاظت کا کوئی بھی سامان نہ ہو سکا؟

کل تک ہٹلر کے انجام نے بالکل مٹا دی - اس سے بڑھکر "باسامان" شخصیت آج یورپ بھر میں کس کی تھی؟ روئے زمین پر کس کی تھی؟ ہمت، تدبیر، عزم، اقبالمندی، قدم قدم پر قدم چومتی تھی - جدھر نظر اٹھا کر دیکھ لیا، میدان صاف تھا - مشکل سے مشکل مہم، بات کی بات میں پانی تھے - کیسے کیسے زبردست حریفوں میں آج اسے گرایا، کل اسے - سکندر، ہنیبال، چنگیز، نپولین، کسی کی بھی فتوحات اسکے سامنے لائی جا سکتی ہیں؟ کیسے کیسے ناموروں اور نامیوں کے نام اس نے گرد کر دیے تھے - ایک آندھی تھا، بگولا تھا، بجلی کی کڑک تھا - ماضی قریب و ماضی بعید، ساری تاریخ میں نہ اپنا نظیر رکھتا تھا نہ جواب ——— آناً فاناً کیسا نابود ہوا، گویا کبھی تھا ہی نہیں!

ہٹلر، اور مرنے کا یقین ہی نہیں آتا - کیسے یقین آئے؟ دیوتا اور دیوتا کہیں مرا کرتے ہیں؟ سب کو مار کر بھی نہ مرتا، اور اگر کہیں مر ہی جاتا، تو زمین و آسمان لرز اٹھتے، مرکز کائنات جنبش میں آ جاتا! ہزاروں لاکھوں انسان ہیں کہ موت کی خبریں، اطلاعیں پڑھتے ہیں مگر یقین کسی طرح نہیں کرتے! ——— اللہ کی قدرت اور مشیت جیسے کسی کے یقین و عدم یقین کی پابند ہے!

ہٹلر کی موت فرعون کی موت پر ایمان تازہ کر گئی - حفاظت کا سامان آج اسکے لیے اٹھ رہا تھا؟ کل انکے لیے کچھ اٹھ رہا ہوگا؟ لیکن ہر تدبیر کے آگے، ہر تدبیر کے اوپر، اور اس سے برتر، ایک تقدیر بھی ہوتی ہے، تدبیر، تدبیر کا توڑ کر سکتی ہے، تقدیر کا نہیں - کل جب وقت آیا، تو جو سب سے بڑا کہلاتا تھا، وہ چھوٹے سے چھوٹوں کی طرح پانی کی موجوں کا شکار ہو گیا - آج جب حکم ہو چکا، تو جو سب سے بڑا سمجھا گیا تھا، وہ چھوٹے سے چھوٹوں کی طرح بارود اور دھوئیں کی نذر ہو گیا! ——— وہی بے کسی، وہی بے بسی، جو کل بھی بندہ کے لیے تھی، آج بھی ہے! خاک کا پتلا، اور دعوے بڑائی اور سرداری کا!

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

واہ رے احکم الحاکمین! دیکھ لی دل کی آنکھوں نے بھی اور...

آنکھوں نے بھی، تیری بڑائی اور سرداری، بڑائی صرف تیرے لیے ہے، اور سرداری صرف تجھی کو حاصل ہے۔ اسکے سوا جو کچھ ہے، سب جھوٹ ہے، اور دنیا کا سب سے بڑا فریب ہے۔

---

۶۰ لاکھ کتابیں!

"دشمن نے صرف برطانیہ میں ۵۰ لائبریریاں تباہ کر ڈالی ہیں، اور ضائع شدہ کتابوں کی تعداد ۶۰ لاکھ تک پہونچی ہے! بعض کتابیں ان میں سے نایاب تھیں، اور اب اس نقصان کی تلافی کی کوئی صورت نہیں۔ دسمبر ۱۹۴۰ء میں جرمنوں کی جو ہوائی تاختیں لندن پر ہوئیں، اُنھوں نے کتابوں کو بے حد نقصان پہونچایا۔ خصوصاً جب سینٹ پال کے گرجا کے قریب کا سارا علاقہ تباہ و برباد ہوا تھا، اور کوئی ۶۰ لاکھ کتابیں نذرِ آتش ہو گئی تھیں"....

"یہ حال تو برطانیہ کا تھا، یورپ کے دوسرے ملکوں کی حالت اس سے کہیں بدتر ہے۔ پولینڈ میں ۶۰ اور ۷۰ فی صدی کے درمیان کتب خانے ضائع ہو چکے ہیں۔ یوگوسلویا میں ۵۰ سے ۶۰ تک کتب خانے برباد ہو چکے ہیں"۔

۶۰ لاکھ کتابیں نذرِ آتش! وہ بھی صرف ایک ملک میں! دنیا کی تمدنی تاریخ نے اندراج ابھی تک کسی اخباری افواہ سے نہیں، حکومت ہند کے محکمۂ اطلاعات کے سرکاری بیان مورخہ ۲۳ اپریل ۴۵ء سے اخذ و منقول ہے۔ اور اگر صحیح ہے، تو قدرت نے کیا خوب جواب دے دیا اُن ظالموں کو جنھوں نے اپنی تاریخوں اور دفتروں میں یہ چھاپ رکھا ہے، کہ پہلی صدی ہجری میں مسلمانوں نے کتب خانۂ اسکندریہ جلا دیا تھا!

شہروں کا شہر

رائٹر کے وقائع نگار خصوصی متعینہ پیرس کا یہ بیان:—

"برلن آج کھنڈروں کا شہر ہے۔ جس پایہ تخت کا نام برلن تھا، وہ آج روئے زمین سے فنا ہو چکا ہے۔ یہاں تک یہ نظر آ رہا ہے کہ جیسے فرداً فرداً ایک ایک مکان پر بمباری ہوئی ہے۔ میں لندن میں اگلی بمباری کے عین زمانہ میں رہ چکا ہوں۔ اسٹالن گراڈ کو اس کی بربادی کے بعد دیکھ چکا ہوں۔ روس کے دس بارہ شہروں کا انکی بربادی کے بعد دورہ کر چکا ہوں۔ لیکن برلن کا ان میں سے کسی کا مقابلہ نہیں۔ جس کی دہشت خیز ہلاکت الفاظ کے ذریعہ سے ناقابل بیان ہے — ان کی تباہی تو اسکے مقابلہ میں محض ہنسی کھیل معلوم ہوتی ہے! اس کی بڑی بڑی مشہور سڑکیں، مشہور محلّے، پورے کے پورے نابود ہو گئے۔ شہر میں کوئی کسی کو کہیں کا پتہ بتلائے تو کس طرح بتلائے، پتہ بتلانے کی جو علامتیں تھیں وہ خود ہی مٹ گر رہی ہیں۔ "جاپانی سفارتخانہ قریب ہے"، لیکن خود وہ سفارت خانہ ہی اب کہاں رہ ہے؟ ڈاکخانہ ... جب ڈاکخانہ کا بھی رجسٹر کہیں ہو؟ اسی طرح تقریباً تمام مشہور عمارتیں سرکاری، غیر سرکاری مٹ چکی ہیں۔ گوئرنگ کی ہوائی وزارت، گوئبلز کی پروپیگنڈا وزارت، یہ سب ونڈر اب معدوم ہیں۔ اور ہٹلر کے شاہی محل یا امارت خانہ (چانسلری) کو تو کچھ نہ پوچھیے، صاف کوئی پرانا قبرستان معلوم ہو رہا ہے۔ ملبوں ملبہ پڑا ہوا ہے۔ اور اسی ڈھیر کے نیچے عجب نہیں کہ ہٹلر کا جسم بھی کہیں دبا پڑا ہو۔ برلن سے بھاگے ہوئے شہری اب امن و تسلط کے بعد، اور سرخ روسی جھنڈے نصب ہو جانے کے بعد شہر میں واپس آ رہے ہیں، لیکن اب شہر میں رکھا کیا ہے، جسکے لیے وہ واپس آ رہے ہیں"۔

یہ کوئی ناول یا افسانہ نہیں۔ آج کے جیتے جاگتے آنکھوں کے سامنے گزرتے ہوئے واقعات ہیں۔ پوری کی پوری جرمن امپائر کا یوں پاش پاش ہو جانا کسی کے تصور میں بھی تھا؟ قرآن مجید نے اگلی پُرقوت و پُرشوکت قوموں اور اُنکے مسکنوں کی جو تباہی حالی اور بربادی دکھائی ہے، آج واقعات اُس پر کیسی مُہر تصدیق لگاتے جاتے ہیں!

"نگار" "ہند" کے آئینہ میں

"سب سے پہلا سوال یہ ہے کہ نگار نے ڈاکٹر تسڈل کی یہ کتاب ترجمہ کرکے چھاپی ہی کیوں؟" سوال جناب عبد الرزاق خاں صاحب ملیح آبادی صاحب ہند نے کیا۔ اور پھر خود ہی جواب دیا:—

"سچی بات یہ ہے کہ نگار اپنی بدنیتی میں مشہور ہو چکا ہے۔ آدھے تیتر، آدھے بٹیر کو کوئی پسند نہیں کرتا۔ یہ راہ بزدلی اور منافقت کی راہ ہے۔ جناب نیاز فتحپوری اگر مسلمان نہیں ہیں تو اُنہیں سچائی اور بہادری سے یہ بات اعلان کر دینا چاہیے۔ اب اگر مسلمان نہیں ہیں اُنہیں ... بھی ڈالیں تو اُنھیں مرنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔ لیکن اگر مسلمان ہیں تو اسلام کی پیٹھ میں چھری نہیں مارنا چاہیے.... اب بھی وقت ہے کہ نیاز صاحب اپنے میں استقامت پیدا کریں ورنہ یقین کریں کہ سچی عزت نہ پا سکیں گے۔ سچی عزت تو صرف سچے بہادر ہی لوگوں کو ملتی ہے۔ بزدل اور دل کے کھوٹے سچی عزت کبھی نہیں پا سکتے، اگرچہ روپیہ کما سکتے ہیں"۔

متن کی شرح بھی صاحبِ متن ہی کے قلم سے ملاحظہ ہو (یہ سب عبارتیں ہند کے مئی نمبر سے نقل ہو رہی ہیں):—

"ڈاکٹر تسڈل بھی شیطان اور گولیتھ جیسا ایک مستشرق ہے، جاہل ہے، اور اسکی جہالتیں بہت ہی اختصار کے ساتھ آپ ان کا لونیا کے ... لیکن تم سے نیاز پر! اتم ہے نیاز پر! اور اتم ہے نیاز پر! یہ شخص اگر مرد ہوتا تو اس طرح دجل و تلبیس کے ساتھ تسڈل کی یہ کتاب عام مسلمانوں کو پریشان اور گمراہ کرنے کے لیے اپنے رسالہ میں نہ چھاپتا، لیکن بزدل اور نامرد آدمی ہمیشہ ایسی ہی حرکتیں کیا کرتے ہیں۔ نیاز کی میرے دل میں ذرہ بھر عزت نہیں ہے۔ کیونکہ یہ شخص ثابت ہو چکا ہے کہ سچا اور بہادر نہیں ہے۔ اس شخص نے یہ کتاب بزدلی کی راہ سے چھاپی ہے تاکہ عام مسلمانوں کو اسلام کی راہ سے ہٹا دے۔ افسوس نیاز پر

اور افسوس نیاز کے شکار پر - میں اگر نیاز جیسا بزدل ہوتا تو قلم توڑ کے پان بیڑی کی یا نانبائی کی دکان کر لیتا - بزدل اور منافق اخبار نویس ہندوستان کی اخبار نویسی کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکا ہیں؟
نگار اور ہند کے درمیان محاکمہ کی نہ ہمت اور نہ سر دست اسکی ضرورت، دونوں اپنی جگہ اپنے اپنے رنگ کے مالک ہیں - غریب ہند کے نقطۂ نظر سے ؎

نغمہ ہو یا مژدہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے
اسے تیر قضا اسکو پر تیر قضا سمجھے!

البتہ کہیں ہند کے زور قلم کو کسی مولوی مُلانے کی جانب منسوب کر لیا جائے، اس لیے جلدی سے سن لیجیے کہ یہ انشاء "روشن خیالوں" کے سرتاج، مشہور مولوی کشش دہلوی اور "انیتی" اتابیگ کے بانی داماد کی ہے!

شحنۂ معزول

" لندن ۱۵ اپریل - اتحادیوں کے سپہ سالار اعظم جنرل آئزن ہاور نے آج فرمان شایع کیا ہے کہ آیندہ سے کسی بڑے سے بڑے جرمن گرفتار شدہ افسر سے بھی کسی قسم کی رعایت یا نرمی کا برتاؤ نہ کیا جائیگا -
فرمان کی ضرورت اس لیے پڑی، کہ ابھی مارشل گورنگ کی گرفتاری کے بعد امریکی افسر یعنی ۳۶ - امریکی ڈویژن کے جنرل رابرٹ سٹیک ان سے ہاتھ ملانے تھے، اور انہیں عزت کے ساتھ گرفتار کر کے لائے تھے - روسی اخبارات نے اس پر سخت احتجاج کیا اور لکھا کہ یہ انسانیت کے مجرم ہرگز کسی رحم و کرم کے مستحق نہیں - ان کے اکابر کے ساتھ بھی معمولی مجرموں کا سا برتاؤ رکھنا چاہیے -" (رویٹر)
یہ فیلڈ مارشل گورنگ وہی ہیں، جو ابھی کل تک ہٹلر کے بعد اکابر جرمنی کے صف اول میں تھے - خود کتنوں کو اعزاز بخش رہے تھے! کسی کی طرف نگاہ التفات سے دیکھ لینا ہی اُسکے لیے باعث شرف تھا - جسکا سلام قبول کر لیں، وہ اپنے کو خوش نصیب سمجھنے لگے! آج تھا یہ نوبت آگئی کہ دوسروں کو عزت دینا الگ رہا، خود ہی کسی عزت کے قابل نہیں - معمولی اور رسمی اخلاق کے بھی مستحق نہیں! اور جو کوئی انکے ساتھ تھوڑی سی بھی لطف برت لے، وہ خود زیر عتاب آ جائے! —— وتعز من تشاء وتذل من تشاء کی عملی تفسیر اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی!

فتنہ سامانیاں

" بدگمانیاں اور سرگرانیاں" یہ ایک عنوان ہے نگار کے سنی نمبر کا، اور اسکے ماتحت " علماے کرام کے خطوط" اخذ القرآن کے خطوط مدیر نگار کے نام کے درج ہیں - لیکن یہ عنوان کچھ تشنہ و ناتمام سا رہا - کیا حرج تھا اگر اسی ردیف و قافیہ میں مصرعہ کو بڑھا کر پورا شعر بنا دیا جاتا - یوں :-
" علماء کی بدگمانیاں اور سرگرانیاں اور علامہ کی لن ترانیاں اور جاہلیہ فتنہ سامانیاں!

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۷)

س - علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی

س - عشاء و فجر کی نماز باقاعدگی سے ہوسٹل میں ہوتی ہے - ایک کمی البتہ محسوس کرتا ہوں - پہلے نماز دل لگا کر توجہ سے پڑھتا تھا - آغاز تھا - سمجھنے پر جب کھڑا ہوتا تھا حالت ہی اور ہوتی تھی - خوف و خشیت کا خط اٹھاتا تھا - اب تو ROUTINE بن گئی ہے - اس لیے وہ بے توجہی جو اکیلی نمازوں میں رہتی تھی - اب امامت کے وقت بھی رہنے لگی ہے -

ج - جذبات و کیفیات میں تیزی ہمیشہ آغاز کار ہی میں ہوتی ہے مشق، عادت، مزاولت کے بعد اس میں کمی پیدا ہو جانا تو نفس بشری کا ایک قانون طبعی ہے - نئی دلہن کے ساتھ جذبات کا جو تعلق ہوتا ہے وہ کئی سال کی بیوی کے ساتھ باقی نہیں رہتا - استحسان بڑھ جاتا ہے - نماز پڑھانے کا جو اجر موعود ہے، یقین رکھا جائے کہ اس میں جذبات و کیفیات کے اس اتار چڑھاؤ سے ان شاء اللہ مطلق کمی نہ ہوگی - اور یہی اصل مقصود ہے - اسی کا استحضار کافی ہے -

س - جمعہ کے دن خطبہ سے پہلے بھی تھوڑا بہت جو کچھ اس ناچیز سے ہو جاتا ہے عرض کر دیتا ہوں، اپنی حالت تو گراموفون کے مشابہ پاتا ہوں، جو کچھ آپ بزرگوں کے ہاں سے پڑھا یا سنا سنی اور حتی الامکان انہیں الفاظ میں پہونچا دیا - اپنی حالت تو ویسی ہی پاتا ہوں، جیسے پہلے تھا ویسے ہی اب بھی ہوں - کیا خبر کہ اللہ اس بے عمل اور نالائق کے اس کام کی بدولت ہی رسے چھوڑ دیں -

ج - اچھی باتوں کی تبلیغ بجاے خود ایک عبادت ہے - البتہ بندی کے لیے اس راہ میں خطرات زیادہ ہیں (اور خطرات سے محفوظ تو متوسط، منتہی کوئی بھی نہیں) اس لیے بہتر یہ ہوتا کہ اس قسم کی ایک آدھ تقریر نمونہ کے طور پر قلمبند کر کے بھیج دی جاتی -

س - ڈاکٹر بحمد اللہ مسلمان بنا لیا گیا - جن کے نام سے آپ واقف ہو گئے - بیرسٹر محمد امین (سابق ساگر چند) تھے - خرافات کے بجاے الحمد للہ چند اچھی اچھی باتیں کانوں میں پڑیں - بار لوگ بہت چیں بجبیں ہوے، مگر ہمیں بحمد اللہ انقلاب میں کامیابی ہو گئی -

ج - اچھے موقعوں کو چاہے وہ چھوٹے چھوٹے ہوں ہاتھ سے ہرگز نہ دینا چاہیے - نیکی کے یہی ذرے کیا عجب کہ انبار بن کر پہاڑ ہو جائیں -

س - تقاریر کے سلسلہ سے متعلق پچھلے عریضہ میں عرض کر چکا ہوں - الحمد للہ عملی قدم اس طلبہ میں بھی اٹھایا گیا - تین تقریریں

اس وقت تک ہو چکی ہیں۔ اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ نتائج سے بے پروا ہو کر ہی کچھ کام ہو سکتا ہے۔ ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھنے سے یہ کہیں بہتر ہے کہ کچھ کیا جائے۔ چاہے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہو۔ ہدایت دہ ہستی اللہ کی ہے۔

ج۔ خیال بالکل صحیح ہے۔

س۔ اپنی حالت پہلے سے بہت بدتر ہے۔ کبر، فخر، غرور کا اعادہ کر آیا ہے۔ اپنا دوسروں سے افضل ہونا اکثر اوقات دل میں محسوس ہوتا ہے۔ نماز کو سکھانے کے لیے جب لوگوں کے پاس جاتا ہوں تو اپنے کو برتر محسوس کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اپنی پناہ میں رکھے۔ آخر اس مرض کا کچھ علاج کہاں ہے۔ کہیں یہ سب ریاکاری ہی میں تبدیل ہو کر نہ رہ جائے۔ اے اللہ مجھے اس سے بچا۔

ج۔ اپنے اس احساس برتری و فضیلت کو بُرا سمجھنا خود اسکی دلیل ہے کہ یہ احساس اپنے قصد و اہتمام سے نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے۔ اور جب یہ ہے تو مقصود میں مخل بھی نہیں۔ البتہ اس احساس تفوق کی غلطی کا استحضار برابر ذہن میں رہنا چاہیے۔ بہت دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ گو اس غلط احساس کے مقتضے پر عمل ارادۃً نہیں ہوتا۔ تاہم اُس احساس کے ذہن پر مسلط رہنے اور اسکی غلطی کے ذہول ہو جانے سے، نفس واقعۃً اپنے کو افضل و برگزیدہ سمجھنے لگتا ہے۔ بہرحال خود بینی کی شکست کے اور خود شکنی کے اسباب و وسائل پر نظر رکھنی ضروری ہے۔

ریاکاری سے اسکا کوئی تعلق نہیں۔ ریاکاری تو جب تھی کہ بالاتوقع اجر، لوگوں پر اثر ڈالنے کے لیے دعوت صلوٰۃ یا کوئی دعوت خیر اپنے سر لے لی جاتی!

س۔ طبیعت میں اعصابی کمزوری اور بدہضمی کی شکایت رہتی ہے۔ اس لیے سستی اور کاہلی پیدا ہوتی ہے۔ علاج ہومیوپیتھی کر رہا ہوں۔ حضور قلبی آج تک نصیب نہیں ہوئی۔ بارہا کوشش کرتا ہوں مگر قلب میں انکسار اور دل و دماغ اللہ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔

ج۔ جو جسمانی امراض و عوارض ہیں انکے علاج بھی جسمانی ہیں۔ اور طاعت و عبادت میں جو کوتاہیاں انکی بنا پر پیدا ہوتی ہیں وہ بالکل معاف ہیں۔ انکے لحاظ سے بالکل معذوروں کا حکم ہے۔

"حضور قلب" اور "خشوع" اور "توجہ الی اللہ" اور اسی قسم کے دوسرے لفظوں کے لیے یہ خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ یہ سب اضافی مفہوم رکھتے ہیں۔ عوام نے انھیں مطلق معنی میں سمجھ رکھا ہے۔ یعنی وہ یہ سمجھتے ہیں کہ بس ہر صورت میں مقصود استغراق ہے۔ اور یہیں غلط ہے۔ استغراقی کیفیت صرف خاص خاص اہل حال کو نصیب ہوتی ہے، اور اسکو کمال کا مرادف سمجھنا ہی نادانی ہے۔ عام مومنین کے لیے یہ بالکل کافی ہے کہ کوئی عمل دانستہ غافلانہ رہنا والہی نہ کریں۔ اور جب جب ذہن سے اسکا ذہول ہو جائے۔ یاد آتے ہی استغفار

وغیرہ کے ذریعہ سے فوراً اسکا تدارک کر لیں۔ باقی اس سے زیادہ اگر استحضار رہے تو وہ عین نعمت الٰہی ہے۔ حاصل ہو جائے تو یقیناً بہت شکر کیجیے گا۔ لیکن اگر نہ حاصل ہو تو خواہ مخواہ تشویش و تعب میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔

س۔ ہمارا مرحوم دو گاؤں کا روبار ایک ادنیٰ پیمانہ پر ہے۔ جیسا رہی خاطر خواہ نہیں۔ کوئی دوسری ادا بھی نکل رہی۔ آمدنی کم، خرچ کا اخراج زیادہ دکھائی دیتا ہے اس لیے بعض اوقات دل میں کچھ تردد رہا کرتا ہے۔

ج۔ اللہ فراغت و فراخی نصیب کرے۔ رزق میں فراخی بیشک دیکھنے میں بہت حسین ہوتی ہے لیکن فراخی کے حدود ہر شخص کے مناسب حال الگ الگ رہتے ہیں۔ اور بندہ کے ظرف و تحمل کا صحیح اندازہ خود بندہ کو نہیں بندہ کے خالق ہی کو ہو سکتا ہے۔ اور جائز و مناسب کوشش کے بعد آخری تسکین اسی عقیدہ سے حاصل کرنا چاہیے۔ اور پھر یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ آمدنی کی کمی جس سے محض ضروری مصارف میں بھی تنگی ہو اس سے کہیں بہتر ہے کہ آمدنی وافر ہو، اور طرح طرح کے ناجائز اور قابل مواخذہ کاموں پر اٹھ رہی ہو۔ آج کی عسرت نہرت، کل عسرت بیجا کے مقابلہ میں کہیں غنیمت بلکہ نعمت معلوم ہو گی بلا۔ جیسے پُرخوری کے نتائج تھوڑی سی بھوک کے مقابلہ میں ہمیشہ زیادہ افسوسناک ثابت ہوتے ہیں۔

س۔ مخلصین اور بزرگوں کی صحبت سے محرومی پر خادم سخت پریشان اور غمزدہ ہے۔ نہ معلوم کبتک بزرگوں کی مقدس صحبت سے فیضیاب ہونے کا موقع ملیگا۔

ج۔ جو چیز اپنے اختیار و بس کی نہ ہو، عقل کا تقاضہ ہے کہ اُسکے زیادہ درپے نہ رہا جائے۔ دعا اسکے لیے جاری رہے، لیکن اصل مشغولی اُنھیں چیزوں میں رکھی جائے جو اپنے اختیار کے اندر ہوں۔

س۔ [صدق، ۱۸ جلد ۱۱ صفحہ کے حوالے] میرے محترم مدار اگر ہو سکے تو اسکا جلوہ کرائیے جو کہتے ہیں کہ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ زیادہ نہیں اتنا ہی جتنا کہ اس جسم و جان کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

ج۔ لیکن جسم و جان بھی تو سب کے یکساں نہیں ہوتے۔ اور اسی اختلاف نے یہ شورش اور یہ سوزش برپا کر رکھی ہے۔ ہر ایک کا ظرف، ہر ایک کا آلۂ احساس الگ الگ ہے، اور ہر ایک کی بانٹ اُسی کے ظرف کے مطابق ہے۔

ادراک سب کو ہو رہا ہے۔ جو چیز آفتاب سے روشن تر ہے اُسکے عدم ادراک کے کوئی معنی ہی نہیں۔ لیکن ادراک اور ادراک میں صیانت دیانت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ایک سرے پر لحد و دہری کا ادراک ہے، اور دوسرے سرے پر حضرات انبیاء کی معرفت ذاتی

احتضاری مکاشفات

(صدق میں ایک مستورہ مرحومہ کا تذکرہ آ چکا ہے۔ یعنی وفات کے وقت مرحومہ کے قریب ترین عزیز ایک صالح نوجوان نے عجیب و غریب منظر دیکھے، اور وفات کے کچھ بعد تک یہ نظارہ قائم رہا۔ خلاصہ یہ کہ صحن نورانی ہستیوں سے بھرا ہوا ہے، گویا برق دیوار کے بنے ہوئے بیٹھے ہیں، اور کوئی کہہ رہا ہے کہ یہ فرشتے ہیں۔ فضا پر ایک نہایت خوش رنگ گلابی گھٹا چھائی ہوئی ہے، اور نہایت خوشگوار ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہیں۔ مرحومہ نہایت خوش خوش ایک سفید براق لباس میں ملبوس ہیں، اور انکی سواری کے لیے ایک انتہائی نورانی چیز آئی ہے، جیسے کوئی رخصت کر رہا ہے۔ دیکھنے والے کی زبان سے بے اختیار سبحان اللہ سبحان اللہ نکل رہا ہے۔ دور کوئی پکار رہا ہے: الا مرحومہ سے متعلق کہہ رہا ہے کہ یہ انتہا درجہ متقیہ تھیں۔ ہو رہا ہے۔ رخصت جب آسمان کی طرف بلند ہونے لگا، تو اس عزیز باوضو نوجوان نے پوچھا کہ اب کب ملاقات ہوگی، جواب میں آواز آئی، ملے ہوئے وقت السلام۔ علی الوقت المعلوم ۔۔۔ دیکھنے والے پر بظاہر استغراق و رعشہ کی کیفیت طاری رہی۔

ایک ۲½ سال کی معصوم بچی نے مرحومہ کے لیے پکار کر یہ کہا کہ دیکھو سبز سبز کپڑے لٹکائے ہوئے بیٹھے آسمان سے جھانک رہی ہیں۔

یہ سارا ماجرا حضرت گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا گیا تھا (کاش آج حضرت تھانویؒ موجود ہوتے!) مولانا کا مکتوب گرامی بجنسہ درج ذیل ہے)

گرامی نامہ کے ساتھ ہی صدق میں ہمشیرہ کی رحلت والا مضمون نظر سے گزرا۔ مرحومہ سے اس درجہ آپ کے دل کا لگاؤ تھا، اسکا صحیح اندازہ پہلے نہ ہو سکا تھا۔ گویا انکی حیثیت آپ کے گھر میں ماں کے بعد دوسری ماں ہی کی تھی۔ یقیناً اس سے آپ کا سارا گھر اتنا ہی متاثر ہو کم ہے۔ گرامی نامہ میں جس تفصیلی واقعہ کا ذکر فرمایا گیا ہے، نہ صرف میرا بلکہ اسوقت میرے پاس جو لوگ بھی موجود تھے، انکی ترقی ایمان کا ذریعہ بنتا چلا جا رہا تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس سے ایک دن پہلے خاکسار اپنے عزیزوں کے سامنے جن میں میرے چھوٹے بھائی مکرم احسن گیلانی ایم۔ اے سلمہٗ جو گلبرگہ کالج میں معاشیات کے لکچرار ہیں اور میرا بچہ سید محی الدین احسن گیلانی سلمہٗ دونوں موجود تھے۔ میں ان لوگوں سے کہہ رہا تھا کہ یہ معمولی روایتوں ہی میں نہیں آیا ہے بلکہ قرآن میں متعدد مقامات پر حق تعالیٰ سبحانہٗ کا ارشاد ہے کہ مومن اور کافر دونوں پر موت جب طاری ہونے لگتی ہے تو اسوقت بعض خاص قسم کے غیبی واقعات کا ظہور شروع ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کے متعلق تو قرآن میں فرمایا گیا ہے کہ الذین تتوفاہم الملائکۃ طیبین یقولون سلام علیکم ادخلوا الجنۃ بما کنتم تعملون (النحل ع ۴) یعنی نیکوں کو اٹھانے کے لیے ملائکہ آتے ہیں یہ کہتے ہوئے پھر انکو اس عالم سے دوسرے عالم میں لیجاتے ہیں کہ تم پر سلام ہو۔ گویا ہر قسم کے آلام و مصائب درد و دکھ و رنج سے سلامتی کی بشارت سناتے ہوئے انکو لیجاتے ہیں۔ اور انکو جنت کی خوشخبری بھی دیتے چلے جاتے ہیں جو انکے اعمال کا نتیجہ ہوگی اور جیسے ایمان والوں کے متعلق یہ اور اسی قسم کی آیتیں قرآن میں ہیں۔ منکروں اور کافروں کی بابت بھی صریح لفظوں میں یہ اطلاعیں دی گئی ہیں کہ "لو ترى اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیہم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الہون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق وکنتم عن آیاتہ تستکبرون (الانعام ع ۱۱) جان کنی کے غوطوں میں جب وہ مبتلا ہوں گے مجبور رہیں گے اور دونوں سے ہٹ کر زندگی گزار رہے۔ تو قرآن خبر دیتا ہے کہ اسوقت بھی "الملائکۃ" اندر گھستے ہیں اور کہتے ہیں اسی مرنے والے کو کہتے ہیں نکالو اپنی جانوں کو اور کہتے ہیں کہ آج بدلا دیا جائیگا (تمہیں) ذلت کے عذاب کا۔ یہ سزا ہوگی اسکی جو خدا پر ناحق باتوں کو منسوب کرتے تھے اور خدا کی آیتوں کو سن کر اکڑ جاتے تھے (یعنی اپنا سمجھا اور اپنا فکر و نظر پر جن پر زیادہ اعتماد تھا) سورۃ الانفال میں بھی ان ہی کا فروں کے اس آخری وقت کا تذکرہ ان الفاظ میں فرماتے ہوئے کہ ولو ترى اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوہہم وادبارہم وذوقوا عذاب الحریق (ع ۶) دیکھنے والوں کو دکھایا گیا ہے کہ کفر زدہ جو دہری پر اپنی آخری سانس اس دنیا میں جو پوری کرکے دوسرے عالم کی طرف جب روانہ ہوتے ہیں تو "الملائکۃ" انکے چہروں اور پیٹھوں پر مار لگاتے جاتے ہیں (اور ان سے کہا جاتا ہے) کہ چکھو جلن کا عذاب۔

الغرض ان ہی باتوں کا ان نوجوانوں سے تذکرہ کر رہا تھا۔ زیادہ زور اس پر دے رہا تھا کہ قرآن کی ایسی کھلی آگہی کے جب یہ واقعات ہر مومن کے سامنے پیش کر دیے گئے ہیں تو پھر انکو نہ دیکھنا اور ان سے اعراض کتنی غفلت کی بات ہے۔ یہ قصہ تو ختم ہو چکا، دوسرے دن جس وقت آپ کا گرامی نامہ ملا اور میں نے خود پڑھنے کے بعد انہی لوگوں کو خط کے اس حصہ کو سنانا شروع کیا تو مظہر سلمہٗ نے یاد دلایا کہ کل ہی تو آپ اس مسئلہ پر گفتگو کر رہے تھے اور آج اسکی تصدیق آ گئی۔ کہ مومن اور کافر کی موت کے وقت کیا کیا اس قسم کے واقعات پیش آیا آتے۔ انکے یاد دلانے پر مجھے بھی یاد آ گیا اور تعجب ہوا۔ بہرحال ایسی صورت میں یہ واقعہ ہے کہ ہر مرنے والے سے متعلق ہمیں یہ یقین کرنا چاہیے کہ احتضار و سکرات کی ان گھڑیوں میں جب آدمی دنیا کے آخری لمحات کو ختم کرتے ہوئے آخرت کی زندگی میں قدم رکھتا ہے تو غیر معمولی ایسے واقعات ضرور پیش آتے ہیں جنکا احساس ناسوتی آنکھوں کو عموماً نہیں ہوتا۔ اب رہ گئی اس عزیز کی یہ حالت کیا تھی؟ انکار کرنے کا ارادہ کر لیا جائے تو کہدیا جا سکتا ہے کہ شدت محبت میں انکی ساری توجہ ایک ہی نقطہ پر مرکز ہو کر انھی مشاہدات کا مشاہدہ کرانے لگی جو انکے دماغ میں پہلے سے موجود تھے۔ ان کو اپنے ذہنی عقیدہ کی بنا پر معلوم

(بقیہ صفحہ ۱۰ پر)

روایات نزول مسیح

نمبر (۷)

(از مولوی عبد الرحیم خان صاحب جے پوری فرنگی محلی)

جبکہ خلاصہ یہ ہوا کہ جنت میں حیات آدم میری بیان کردہ شقوں کے لحاظ سے شق دوم میں داخل ہوئی یعنی وہ حیات کہ جسکے کھانے پینے کے لوازم مادیہ میں سے بول و براز نہیں۔ تو جب علامہ مجیب کے بیان کے مطابق مسیح علیہ السلام کی حیات آدم علیہ السلام کی اس حیات کے مانند ہوئی جو زمین پر اُترنے کے قبل جنت میں اُنھیں حاصل تھی (اور جو یقیناً وہ حیات متعارفہ نہ تھی کہ جسکا ذکر حیات کے متعلق میری بیان کردہ شق اول میں تھا) تو مسیح علیہ السلام کے حیات کی نوعیت وہ ہوئی جو میں نے شق دوم میں ذکر کی تھی اس لیے علامہ مجیب کے لیے لازم تھا کہ اس شق دوم پر جو سوال دریافت کیا گیا تھا کہ "حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیاء و شہداء کی حیات برزخی کی نوعیت کے مابین فارق کون چیز ہوگی اور اس فرق کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی الخ" اُسے بھی حل فرماتے بغیر اس سوال کے حل کیے ہوئے تو مسیح علیہ السلام کی حیات کی نوعیت متعین نہیں ہوتی۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی حل طلب ہے کہ کیا جنت آسمان میں ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو کیا بروز حشر "السماء" کے فنا ہونے سے جنت بھی فنا ہو جائیگی؟ یا آسمان بھی جنت کی طرح ابدی ہے؟ اگر جواب نفی میں ہے تو علامہ مجیب کی اس تحریر کا کیا مطلب سمجھا جائے؟ کہ جس طرح آدم علیہ السلام زمین پر اُترنے سے پہلے آسمان میں زندہ تھے۔ آدم کے لیے جنتی زندگی تو سمجھ میں آسکتی ہے کہ جسکا ذکر علامہ مجیب نے کیا ہے لیکن اس آسمانی زندگی کیلیے کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اگر جنتی زندگی کیلیے بول و براز لوازم مادیہ میں سے نہیں تو محض اس سے یہ کیسے لازم آیا کہ آسمانی زندگی کے لیے بھی بول و براز لوازم مادیہ میں سے نہیں۔ یہ سوال اُس صورت میں جنت آدم کے متعلق بھی پیدا ہوتا ہے کہ جب جنت آدم کو جزاء الٰہی ابدی جنت نہ قرار دیا جائے۔ علاوہ اسکے اگر مسیح علیہ السلام کی حیات فی الارض کے ختم کے بعد والی حیات آدم علیہ السلام کی حیات کے مانند ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ انبیاء اور شہدا کی حیات برزخی کو بھی حیات آدم کے مماثل نہ مانا جائے پھر مسیح و خضر و الیاس و ادریس علیہم السلام کے ناموں کے ساتھ حیات کی کیا تخصیص، خصوصاً جبکہ شہداء کے لیے قرآن شریف میں حیات کی تصریح موجود۔ اور ان مذکورہ حضرات کی حیات کے لیے قرآن شریف میں کوئی صراحت نہیں۔ علامہ مجیب نے حضرت مسیح کی حیات کو حیات آدم کے مماثل قرار دینے کے بعد قرآن شریف کی ایک آیت کا حصہ بھی نقل فرمایا یعنی "ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم" حالانکہ اسکے بعد کا ٹکڑا "خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون" وجہ مماثلت کو صاف بتا رہا ہے کہ یہ مماثلت خلقت من التراب اور کن فیکون کے بارے میں ہے، حیات کا اس آیت میں ذکر ہی نہیں اور اگر مماثلت کو خلقت من التراب اور کن فیکون کے بارے میں منحصر رکھا جائے تو پھر اسی حصۂ آیت سے اسکا بھی استنباط کیا جا سکتا ہے کہ آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بغیر ماں باپ کے اُسی طرح عدم محض سے ہوگا جس طرح آدم کا وجود عدم محض کے بعد ہوا تھا کیونکہ آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے وجود عیسیٰ علیہ السلام جو ماں کا ذریعہ موجود تھا جس سے مماثلت آدم تو ہوئی نہ تھی اس لیے اب مماثلت آدم کو ظاہر کرنے کے لیے باری تعالیٰ آخر زمانہ میں بالکل آدم کی طرح حضرت مسیح کو بغیر ماں اور باپ کے کتم عدم سے وجود میں لائے گا جس طرح آدم کو بغیر ماں باپ کے کتم عدم سے وجود میں لایا تھا جس سے لازم آتا ہے کہ مسیح اپنے آخری زمانہ میں وجود کے پہلے کتم عدم میں ہوں پھر حیات مسیح علیہ السلام کے مسئلہ کا کیا حشر ہوگا؟ کیا علامہ مجیب کی اس آیت کو استدلال میں پیش کرتے دیکھکر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا ہے کہ علامہ مجیب بھی قادیانیوں کی صف میں آگئے؟ ابھی تک تو نزول عیسیٰ علیہ السلام کی قطعیت پر زور دے دے کر قادیانی تحریک کو ہوا دی جا رہی تھی۔ اب اس طرز استدلال سے تو کھلے بندوں قادیانی صف میں نوواردی جاتی ہے (میں ان آخری کلمات کے لیے جو بیساختہ میرے قلم سے نکل گئے مجیب سے معافی چاہتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ وہ مجھکو ان کلمات کے ادا کرنے میں معذور رکھیں گے) جبکہ علامہ مجیب میرے مضمون کے جواب کے سلسلہ میں متعدد جگہ قادیانیوں کا بلاوجہ تذکرہ نکال کر میری دلشکنی کا باعث بن چکے ہیں اسی لیے مجھے اس امر کے بتلانے کی ضرورت ہوئی کہ مسئلہ حیات و نزول مسیح کی قطعیت سے انکار تو قادیانی تحریک کی بیخ و بُن سے اُکھاڑ دیتا ہے مگر مسیح علیہ السلام کی حیات کا حیات آدم کی طرح قرار دینا اور اسکا ان مثل عیسیٰ الخ سے ثبوت، قادیانی تحریک کی جڑوں کو مضبوط کرتا ہے تو اب فیصلہ ناظرین کے ذمہ ہے کہ وہ مجرم کا پتہ چلائیں۔ کسی متقدر عالم کی شان سے بیحد بعید ہے کہ اپنی رائے کے مخالف کو مطعون کرکے اپنی بات منوانے۔ میرا شمار صف علماء میں نہیں ہے اس لیے میرے لیے اتنا یہ امر نازیبا نہیں جتنا اُن حضرات اہل علم کے لیے جنکی تقریروں اور تحریروں کی تقلید کی جاتی ہے۔ میں حیات مسیح کا منکر نہیں صرف مسئلہ کی قطعیت کا منکر ہوں اور قادیانی سرے سے حیات مسیح ہی کے منکر ہیں۔ میں نزول مسیح کی قطعیت کا منکر ہوں۔ قادیانیوں کی ساری تحریک کا دارومدار اُن ہی احادیث پر ہے کہ جن میں وجود مسیح فی آخر الزمان کا ذکر ہے۔ اگر وہ قطعی نہ ہوں تو قادیانی دعوے کی کیا حقیقت باقی رہ جاتی ہے۔

پھر میرے مضامین کے جواب میں قادیانیوں کا بار بار ذکر بلاوجہ نہیں تو اور کیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اسے صاف ہونا چاہیے اس میں اس سے کیا بحث کہ اس سے کسی فرقہ کی تائید

ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو آئندہ کیا مضائقہ۔ کیا محض دوسرے فرقہ کو زک دینے کی خاطر ہم غلطیات کے قائل ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں نہ میرے لیے مناسب ہے اور نہ کسی دوسرے کے لیے ایک دوسرے کو محض ملعون کرنے کے لیے قادیانیوں کا ذکر کرے۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ علامہ مجیب نے خواہ مخواہ قادیانیوں کو متوجہ کر دینے کا سامان کر دیا۔ اب خدا معلوم وہ ان تحریرات سے کتنے ناجائز فائدے اٹھائیں۔ جنکی بالواسطہ ابتدائی ذمہ داری بہرحال میرے سر نہیں۔ (اللہم اغفر لنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا) میں احقر تو حیران ہے کہ علامہ مجیب نے حیات مسیح کو حیات آدم کے مانند قرار دیتے ہوئے ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم کا ذکر کیسے کر دیا۔ اگر اقتباس سے تو کس قدر خطرناک اقتباس۔ میرے ذکر کردہ دو امروں میں سے صرف ایک ہی امر کے متعلق علامہ مجیب نے کچھ لکھنا مناسب سمجھا جسکا ذکر ابھی ہو ا۔ دوسرے امر کے بارے میں جسکا تعلق قرآن شریف کی آیتوں سے تھا علامہ مجیب نے خاموشی اختیار فرمائی۔ کیا یہ احقر اس سے یہ خیال قائم کرے کہ علامہ مجیب کو اس سے اختلاف نہیں ہے۔

میرا جو حصہ مضمون بطور ضمیمہ شائع ہوا تھا اس میں میں نے "خروج مہدی اعظم" کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے وجود کا نہ کہ تواتر کا جیسا کہ علامہ مجیب نے تحریر فرما دیا) انکار کیا تھا اور مبصر صاحب نے خروج مہدی اعظم کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ ہونے کو جو تحریر کر دیا تھا اس پر میں نے تعجب کا اظہار کیا تھا اسکے جواب میں اپنے مذکورہ بیان کا (جس پر میرا تبصرہ اوپر گزرا) حوالہ دیتے ہوئے علامہ مجیب تحریر فرماتے ہیں "اسکا جواب بھی اس تحریر میں مختصراً آ چکا ہے"۔ اس احقر نے اول سے لیکر آخر تک علامہ مجیب کے مذکورہ بیان کو (جسکی جانب الفاظ "اس تحریر" میں اشارہ تھا) متعدد دفعہ پڑھا، لیکن افسوس کہ مجھے اشارۃً بھی اس پورے مضمون میں خروج مہدی اعظم کے متعلق کوئی ایک حدیث متواتر بھی نظر نہ آئی، چہ جائیکہ احادیث متواترہ۔ میں حیران ہوں کہ اس "تحریر" کی کس عبارت کو مختصر جواب سمجھوں، کیونکہ جو کچھ "اس تحریر" میں ہے وہ علماء کے اقوال ہیں۔ سوائے ایک حدیث کے (جسے ابوبکر الاسکاف نے روایت کیا ہے) سرے سے کوئی حدیث بھی منقول نہیں۔ چہ جائیکہ متواتر حدیث اور ابوبکر الاسکاف والی حدیث کے متعلق زیادہ سے زیادہ دعویٰ کیا جا سکتا ہے کہ وہ متواتر حدیث تو کیا حدیث مشہور بھی نہیں۔ مزید لطف یہ کہ اس میں سرے سے "خروج مہدی" کا ذکر ہی نہیں چہ جائیکہ "خروج مہدی اعظم"۔ اس حدیث کا ٹکڑا یہ ہے "من کذب بالمہدی فقد کفر" کیا "تکذیب بالمہدی" تکذیب بخروج مہدی اعظم" کے مرادف ہے یا اول ثانی کا متکفر ہے یا اول ثانی کو مستلزم ہے؟ کیا مہدی کے دعوے مہدویت کی تکذیب، تکذیب بالمہدی نہیں خواہ وہ کسی ۔۔۔ کا مہدی ہو اور نہ یہ لازم کہ "مہدی اعظم" ہے جس کے آخری زمانہ میں خروج کے متعلق احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہونے کا دعوے کیا گیا تھا۔ البتہ ایک صورت ذکر انا جا سکتا ہے وہ یہ کہ ثانی اول کو مستلزم ہو اور یہ ظاہر ہے نہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب اس حدیث کے ساتھ اس دوسری حدیث کا بھی لحاظ کر لیا جائے جس میں "خروج مہدی اعظم" کا ذکر ہو جیسا ذکر اس حدیث کے ساتھ کیا نہیں گیا۔ رہا یہ امر کہ علماء نے اسکے متعلق احادیث متواترہ ہونا لکھا ہے یا نہیں اس سے میرے ضمیمۂ مذکورہ میں کوئی بحث تھی ہی نہیں، میں نے تو عرض یہ کیا تھا کہ اسکے متعلق میں نے کوئی حدیث متواتر اب تک نہ دیکھی نہ کسی سے سنی۔ اسکا جواب تو یہی ہو سکتا تھا کہ اسکے متعلق کوئی حدیث صحیح متواتر دکھائی جاتی اور بتائی جاتی۔ ایسی کسی صحیح متواتر حدیث کا نہ تو صراحتہً اور لفظی علامہ مجیب کے مضمون میں ذکر ہے اور نہ معنی۔ اس طور کہ ایسی حدیث کا ترجمہ کر دیا جاتا یا اس حدیث کی جس جس نے تخریج کی ہوتی اسکا حوالہ دیا جاتا۔ رہے اسکے متعلق بعض علماء کے اقوال وہ اگرچہ اس ضمیمہ کی حد تک بالکل غیر متعلق ہیں اسکے متعلق اوپر کافی بحث ہو چکی ہے۔

ضمیمہ میں میں نے خروج مہدی اعظم کے متعلق احادیث متواترہ کے وجود کا انکار کیا تھا، اسکے جواب میں علامہ مجیب نے جس مختصر جواب کی جانب اشارہ کیا تھا اسکا ذکر ابھی ابھی ہو چکا ہے اسکے تفصیلی جواب کے لیے علامہ مجیب نے چند کتابوں کا نام لکھ کر انکے مطالعہ کرنے کی اور اپنی ایک غیر مطبوعہ کتاب العطر الوردی کی طباعت کے انتظار کی ہدایت فرمائی ہے۔ علامہ مجیب کو یہ سنکر مسرت حاصل ہوگی کہ برزنجی کی کتاب کے علاوہ دوسری مذکورہ کتب کے مطالعہ کے متعلق انکی ہدایت پر پہلے ہی عملدرآمد ہو چکا ہے لیکن میں اپنی کم سوادی کو کیا کہوں کہ ان کتابوں میں "خروج مہدی اعظم فی آخر الزمان" کے متعلق مجھے کوئی حدیث متواتر نظر نہ آئی چہ جائیکہ احادیث متواترہ۔ اگر واقعی اس بارے میں ان کتابوں میں کوئی متواتر حدیث ہے تو علامہ مجیب سے درخواست ہے کہ وہ براہ کرم اس حدیث کو منظر عام پر لے آئیں کہ ہم ایسے بے سواد اشخاص بھی اس سے فیضیاب ہو سکیں اور اگر نہیں ہے تو اس سے مطلع فرمائیں کہ ضمیمہ والے حصۂ مضمون کے متعلق تفصیلی جواب کے لیے ان کتابوں کے مطالعہ کی کیوں ہدایت فرمائی گئی ہے۔ برزنجی کی کتاب سردست میرے پاس نہیں ہے مگر جن لوگوں نے اسکا مطالعہ کیا ہے ان میں سے بعض ذی ثقہ اشخاص سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ اس میں بھی "خروج مہدی اعظم" کے بارے میں احادیث صحیحہ متواترہ تو ایک طرف اسکے بارے میں کوئی ایک صحیح متواتر حدیث بھی نہیں بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم اس کتاب کی جو عبارت علامہ مجیب نے اپنے اس مضمون میں نقل کی ہے (جسکا ذکر حاشیہ کے ساتھ اوپر ہو چکا ہے) اسکے دیکھ لینے کے بعد تو جی نہیں چاہتا کہ ایسی غیر ذمہ دارانہ کتاب کا ایک حرف بھی پڑھوں مگر علامہ مجیب کی ہدایت کی بنا پر بادل ناخواستہ انشاء اللہ اسکا مطالعہ کرونگا

(بقیہ صفحہ ۵)

تھا کہ انھیں روحوں کو لینے کے لیے ملائکہ آتے ہیں، اور یہ ہوتا ہے
وہ ہوتا ہے، انھیں معلومات نے تخیلات کا لباس اختیار کرکے انکے
سامنے واقعہ کی شکل اختیار کرلی۔ ورنہ یہ جو کچھ تھا صرف ان کے
دماغ کا ایک اضطراری عمل تھا۔ (زیادہ سے زیادہ فلسفہ اگر
کھل جائے تو بس اسی قسم کی باتیں کہی جا سکتی ہیں)
لیکن آخر یہی کیوں نہ سمجھا جائے۔ مرنے والی کی زندگی سب کے
سامنے تھی، ایمان کی زندگی تھی، صدق و اخلاص کی زندگی تھی، وہی زندگی
تھی جس کے متعلق قرآن میں اطلاع دی گئی ہے کہ سلام کہتے ہوئے ملائکہ
اس قسم کی زندگی رکھنے والوں کو نزع کے عالم کی جنت کی بشارت دیتے
ہوئے جاتے ہیں) اس عزیزہ نے بھی آخر کیا دیکھا؟ ملائکہ کو دیکھا اور قرآن
بھی یہی دکھا رہا ہے۔ جانے والی مرحومہ کو یا کم از کم ان کی حالت اپنے اور متعلقین
حال پر دکھا "اور طیبین" کے لفظ سے قرآن نے بھی یہی دکھانا چاہا ہے
ایسے حالات کا مشاہدہ کیا جس سے امید قائم ہوتی ہے کہ جس نے ساری
زندگی خدا کی مرضی سے قریب رہنے کی کوشش میں گزاری، وہ اس میں راسخ
راضی ہوگیا۔ تو میں نہیں جانتا کہ فرد و اور دیکھتے گیا۔ رہ گئی یہ بات
کہ اس قسم کے احتضاری مکاشفات مرنے والے کے سوا عموماً دوسروں
کو جو اسکے پاس موجود رہتے ہیں، چونکہ نہیں ہوتے، اس لیے اس میں
شک پیدا اگر ہو تو رکھتا کہ انکے سوا دوسروں کو یہ چیزیں کیوں نہ محسوس
ہوں کم از کم میرے خیال میں تو یہ صرف شک ہی شک ہے۔ ایک
نہیں ایسے بیسیوں واقعات نصوص میں ملتے ہیں جن سے اس شک
کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ خندق کے پتھر پر ضرب لگاتے ہوئے جب ایک
غیبی روشنی چمکی جس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو مدائن اور روم و صنعاء کی
عمارتیں نظر آگئی تھیں، پیغمبر سے متجاوز ہو کر اس مکاشفہ کا اثر حضرت
سلمان فارسی پر بھی پڑا، دریافت کرنے پر ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
نے پوچھا، کیا سلمان تم نے بھی یہی دیکھا؟ جواب میں ہاں کہا گیا، اور اسکے
بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر جو کچھ اس روشنی میں نظر آیا تھا
اسکی تفصیل فرمائی۔ اور یہی کیا ولادت باسعادت کے وقت جن
مکاشفات کا ذکر عام میلاد کی کتابوں میں کیا جاتا ہے، جن میں بعض
چیزیں روایۃً بھی بہت قوی ہیں، ان میں بھی یہی دیکھا جاتا ہے کہ سب
کو نظر نہیں آیا۔ حضرت آمنہ کے سامنے واقعات گذر رہے تھے،
اور کبھی کبھی ان واقعات کی ہلکی سی جھلک ان عورتوں کو بھی محسوس
ہوئی، جو زچہ خانے میں اس وقت موجود تھیں۔ اور میں یہ پوچھتا ہوں
کہ قرآن ہی میں کیا یہ نہیں ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام "إنی
لأجد ریح یوسف" کے مکاشفے سے سرفراز فرما رہے ہیں۔ فلسطین میں
پیراہن یوسف کی بو مصر سے پہنچ جاتی ہے لیکن یعقوب کے ارد گرد
بنی زادوں کی جو جماعت تھی وہ اسی مکاشفے سے اس درجہ بیگانہ تھے
کہ خود حضرت یعقوب علیہ السلام کو لولا ان تفندون (مجھے سٹھیایا نہ
ٹھہراؤ) کہنا پڑا۔ میرے نزدیک تو اسی عزیزہ صالحہ کو بھی لولا ان
تفندون کہتے ہوئے جو کچھ دیکھا ہے اسے اظہار کرنا چاہیے۔ (باقی)

خاندان غالب کی ایک خاتون

دہلی ۱۹ مئی۔ جناب نواب معظم زمانی بیگم صاحبہ عرف بگا بیگم
جناب نواب ضیاء الدین احمد خاں صاحب نیر درخشاں مرحوم جاگیردار
لوہارو کی صاحبزادی اور جناب نواب زین العابدین خاں صاحب
عارف مرحوم (جو مرزا اسد اللہ خاں غالب مرحوم کے متبنیٰ فرزند
تھے) کی بیوہ نے بعمر صد سال بتاریخ ۹ ارسوارہ دو شنبہ ۲ بجے شام
کو رحلت فرمائی۔ جنازہ خاندان لوہارو کے قبرستان واقع مہرولی میں
رات کو ایک بجے دفن کی گئیں۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
(منشور)

(بقیہ صفحہ ۴)

ا مرزا کا حق سے نزدیک مقام انبیاء تک کا ترجمان ہے۔ بلندی کے
بعد ایک لینہ تر مقام کی تمنا اور تڑپ۔ اکبر الہ آبادی کا شعر بہت
موزوں ہے ؎

حشر تک کھل نہ سکے راز اسے کہتے ہیں
جستجو پھر بھی کرو ناز اسے کہتے ہیں

تسکین قلب و سکون خاطر کی راہ صرف ایک ہے، احکام شریعت
کا اتباع حتی الامکان تک۔ جوں جوں یہ عادت راسخ ہوتی جائے گی،
طبیعت مزاج شریعت کے سانچے میں ڈھلتی جائیگی۔ اور بڑی حد تک
دنیا ہی میں جنت کی فضا محسوس ہوتی جائیگی۔

وہ محتاج نہیں، اور جو محتاج نہیں وہ قدیم ہے، بس عالم قدیم ہے۔ موثر کا استغنا اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ موثر جب یہ اثر ڈال رہا ہے وہ چیز موجود تھی یا نہیں۔ اگر نہیں تھی تو نیست محض پر اثر ڈالنا کیا معنی رکھتا ہے۔ محسوسات و مشاہدات عالم سے اسکی کوئی نظیر نہیں پیش کی جا سکتی کہ گھڑی کے پرزے کیل کانٹے کچھ نہ ہوں اور کوئی اثر جو پیدا کر ڈالے۔ اور اگر کہیں کہ وہ چیز موجود تھی تو پھر اثر کا ڈالنا وجود رکھنے کے لیے تھا اور وہ شے موجود ہے پس تحصیل حاصل لازم آئیگا۔ اور وہ محال ہے۔ پس موثر کا استغنا ہر شق پر ظاہر ہے۔ یہ نقشہ تو مثال کا جیسا موجود ہے۔ اسکے صغرے کبرے کی خرابیاں واضح کی جائیں۔

جس طرح ہمارے ہاں شاعروں کو اجازت مل گئی ہے کہ خیالی مضامین بنتے بھی جائیں، بعض مقاموں سے ہٹ کر محض دماغ سے تراش خراش کرتے جائیں "اس روش پہ فدویت" پہ ایشیا سارا ہی لٹتا رہیگا۔ اُسی طرح جاہلی قوموں میں "فلاسفہ" اور بالخصوص نام نہاد "حکماء" کو یہ آزادی رہی ہے کہ عقل نارسا کو کج روی میں جتنی چاہیں ڈھیل دیتے جائیں، اور واقعیت حقیقت سے ہٹ کر جتنا بھی چاہیں، کذب و کج بینی میں فکر کرتے چلے جائیں۔ خلفہ یونان اس بات میں سب سے پیش پیش رہا ہے۔ اسکے بہترین فلسفی وہی ہیں، جو غلط اندیشی اور پریشان خیالی کے استاد تھے۔ صرف ایک آدھ نظیر ان عقلمندوں کے عقلی کمالات کی سن لیجیے :-

(۱) کسی شے میں حرکت کے معنی اسکے انتقال مکان کے ہیں لیکن یہ انتقال مکان ممکن کیونکر ہے؟ اگر حرکت ٹھیک وہیں ہو رہی ہے، جہاں وہ شے پہلے سے موجود تھی، تو حرکت ہی کیسے ہوئی؟ انتقال مقام کا اطلاق ہی اس پر کیسے ہوگا؟ اور اگر کہیں اور ہو رہی ہے یعنی ایسی جگہ جہاں اُس شے کا وجود نہیں، تو بغیر شے کے وجود کے معنی ہی کچھ نہیں۔ اس لیے دونوں شقوں پر حرکت کا نفس وجود ہی باطل ہے!

(۲) حرکت سکون کی ٹھیک نقیض ہے۔ لیکن اگر کوئی شے حرکت میں ہے، تو اُسکے معنی یہ ہیں کہ وقت کے فلاں لمحہ میں وہ چیز کے فلاں مقام میں ساکن ہے، اور حرکت انھیں سکونی نقطوں کے تسلسل کا نام ہے، لیکن حرکت اور سکون باہم نقیض ہیں۔ اور کسی شے کا اپنے نقیض کے اجزا سے مرکب ہونا محال ہے۔ اس لیے کوئی شے کسی حال میں متحرک ہو ہی نہیں سکتی!

افلاس دماغی اور تہی مغزی کے اس قسم کے مضحک مظاہروں کا نام ان دانشمندوں کی اصطلاح میں "فلسفہ" تھا، "الہیات" تھا —— اس دون دماغ والوں نے اگر وجود باری کو بھی اپنی افراط عقل کا تختہ مشق بنا لیا تھا تو اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ افسوس اُن مسلمانوں پر ہے، جنھوں نے "یونان" کے نام سے مرعوب ہو کر خواہ مخواہ ان خرافات کو اپنے اسی فخر و تعلی کے ساتھ نقل کر دیا، اور حماقت کا نام حکمت ٹھہرا دیا! —— وہی مسلمان بیچارہ جو آج فرنگیت کے سحر سامری سے اسی طرح مرعوب ہے۔

اس استدلال کا مغالطہ بالکل واضح ہے، اور ذرا کھول کر بیان کر دیا جائے تو ہر سننے والے کو بجائے یقین کے، ہنسی آ جائے۔ یونانی بیچارہ دلیل وجود باری کے خلاف نہیں بلکہ وجود اسباب کے خلاف لا رہا ہے۔ وہ موثر یا علت فاعلی کی نفی عالم یا مجموعۂ کائنات سے نہیں، بلکہ مافی العالم یعنی کائنات کے ہر ہر جزو اور ہر ہر شے سے کر رہا ہے اور وہ یہ کہہ رہا ہے کہ کوئی چیز کسی چیز کی علت نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ معلول یا تو نیست ہوگا یا ہست۔ اور علت کا تعلق ان دونوں شقوں میں باطل ہے! گویا عالم میں نہ کوئی سبب ہے نہ کوئی نتیجہ! نہ کوئی باپ ہے نہ کوئی بیٹا! نہ کوئی تخم نہ کوئی درخت! نہ کوئی آفتاب اور اسکی روشنی، نہ کوئی رات اور اسکی تاریکی! سلسلۂ اسباب کا وجود ہی سرے سے باطل! —— باطل پر ایسی جسارت بجز ایک یونانی کے اور کون دماغ کر سکتا ہے!

یونانی کی اصل دلیل کا مغز یا ماحصل اسی قدر ہے! قانون علیت یا سببیت سے انکار۔ اسکا انطباق جب کائنات اور اُسکے خالق پر کیا جائیگا، تو سارا زور دہرے مغالطہ کا کرتا ہوگا۔ حادث کے تجربات و مشاہدات کا آخر کس قاعدہ سے قدیم پر اطلاق ہوگا؟ قدیم کا وجود ہے بھی یا نہیں، یہ ایک الگ بحث ہے۔ بہر حال یہاں گفتگو تو قدیم ہی کی صفت اور خاصیت پر ہے۔ قدیم کی اس صفت فاعلیت سے، اس بنا پر انکار کہ اس صفت کا مشاہدہ حادث میں نہیں ہوتا، اگر قیاس مع الفارق نہیں تو اور کیا ہے؟

گھڑی اور گھڑی سازی کی مثال خصوصیت کے ساتھ بے محل ہے۔ گھڑی ساز بیچارے کے متعلق کب کسی نے دعوائے صنعت گری سے زیادہ کیا ہے؟ کب کسی نے قوت ایجاد، تخلیق، ابداع کو اس کی جانب منسوب کیا ہے؟ جب گفتگو ان صفات رکھنے والی ہستی پر ہو رہی ہے، تو نظیر ان صفات سے محروم پر لانا عقل پر کیسا ظلم کرتا ہے؟

حادث کے تجربات سے جو دشواریاں پڑتی ہیں، اور ہر مسئلہ ایک نہ سلجھنے والی گتھی بنتا ہے، اُسی کے حل کرنے ہی کیلیے ایک واجب الوجود کا وجود تسلیم کرنا پڑتا ہے، جس میں تمام وہ صفات بدرجۂ اتم ہوں، جو قدیم کے شایان شان ہیں۔ قدیم کے وجود کو مان کر پھر اُس کی صفات کو حادث پر قیاس کرنا عقل سلیم کی شریعت میں وہ جرم کبیرہ ہے، جسکا مرتکب یونان ہی کا دماغ ہو سکتا ہے —— وہی خطہ جہاں کے اعلم الناس ارسطو علیہ ما علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا ہے تو ضرور، لیکن اسکی قوتیں اور قدرتیں محدود و متناہی ہیں!

سورۂ بقرہ رکوع ۲۱

(از عبد الماجد)

بقیہ حواشی صفحہ ۵

البتہ امام مالکؒ کا رجحان چونکہ یہ ہے کہ زندگی خود دلیل طہارت ہے، اور ہر زندہ جانور پاک ہے، اس لیے وہ سور کی نجاست کے بھی قائل نہیں۔

قال مالک انہ طاہر لانہ کل حیوان عندہ وان علتہ الطہارۃ عندہ ہی الحیاۃ (ابن العربی)

سور کا اور سارا جسم تو ناپاک ہوتا ہی ہے، البتہ اُسکے بالوں سے نفع اٹھانے کی گنجائش ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں اسکا یہ ذکر آیا ہے

لا خلاف ان جملۃ الخنزیر محرمۃ الا الشعر فانہ یجوز الخرازۃ بہ وقد روی ان رجلاً سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن الخرازۃ بشعر الخنزیر فقال لا باس بذالک (قرطبی)

امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ دونوں سور کے بالوں سے انتفاع کے جواز کے قائل ہیں، اور امام شافعیؒ عدم جواز کے، اور امام ابو یوسفؒ سے جواز و کراہت دونوں کی روایتیں منقول ہیں۔

وقد اختلف الفقہاء فی جواز الانتفاع بشعر الخنزیر فقال ابو حنیفۃ ومحمد یجوز الانتفاع بہ للخرز وقال الشافعی لا یجوز الانتفاع بشعر الخنزیر (جصاص)

فقہی احکام اور شرعی حرمت سے قطع نظر، خنزیر ہے ہی ایسی نجس چیز کہ خود فطرت سلیم اسے گندہ سمجھتی ہے اور نظافت طبع کو اسکی جانب رغبت کرنے سے کراہت آتی ہے۔ یہاں تک کہ لفظ خنزیر بھی عربی فیلالوجی (لسانیات) کے بعض ماہروں کا خیال ہے کہ خنز (یعنی کوئی چیز گندی ہوگئی) سے بنا ہے۔ انگریزی زبان میں بھی جتنے نام اس جانور کے مثلاً PIG، SWINE، HOG یا اس جانور کے گوشت کے لیے ہیں، مثلاً PORK، HAM، BACON ہیں وہ بھی سب کے سب دلالت ثانوی گندگی و غلاظت پر کرتے ہیں۔

اور اسکے گوشت کے جو طبی نقصانات ہیں، خصوصاً امراض غدودی میں جس طرح معین ہوتا ہے، اُس پر تو آج کل کے ڈاکٹر بہت کچھ لکھ چکے ہیں۔

سور کی گندگی اور ناپاکی اتنی روشن و عیاں ہے کہ بعض پرانی قومیں مثلاً اہل مصر بھی اسے نجس ہی سمجھتی رہی ہیں، بلکہ خود یہود کے ہاں بھی یہ حرام تھا۔

آج "مسیحی" قومیں جس ذوق و شوق سے گندہ گوشت تازہ اور خشک دونوں صورتوں میں کھایا کرتی ہیں، اور اسکی چربی سے جو طرح طرح کے کام لیتی رہتی ہیں، بلکہ اسکی نسل کی پرورش کا انتظام جس بڑے پیمانہ پر جا بجا کیے ہوئے ہیں، اسے دیکھ کر تو قیاس یہی ہوتا ہے کہ شاید کسی، عجب نہیں کہ کچھ فضائل اس جانور کے مسیحیت میں وارد ہوئے ہوں! حالانکہ اسکی حرمت اور نجاست دونوں صراحت کے ساتھ بائبل میں موجود ہیں۔

"اور سور کہ کھر اسکا دو حصہ ہوتا ہے اور اسکا پاؤں چرا ہے پر وہ جگالی نہیں کرتا وہ بھی تمھارے لیے ناپاک ہے" (احبار ۱۱:۷)

"اور سور بھی کہ اُسکے کھر چرے ہوئے ہیں۔ یہ جگالی نہیں کرتا، اور یہی تمھارے لیے ناپاک ہے۔ تم اسکا گوشت نہ کھائیو نہ اُنکی لاش کو ہاتھ لگائیو" (استثنا ۱۴:۸)

۔ وما اُہل لغیر اللہ بہ۔ اہلال کے اصل معنی آواز بلند کرنے پکار کر دینے، شہرت دینے کے ہیں۔

ہو رفع الصوت عند رؤیۃ الہلال ثم یستعمل لکل صوت (راغب)

الاہلال رفع الصوت (قرطبی) مراد یہ ہے کہ جس جانور کو بطریق تعظیم و عبادت یا بہ قصد تقرب کسی مخلوق کے لیے نامزد کر دیا جائے، اور نیت کسی مخلوق کی نذر و نیاز یا بھینٹ کی کر لی جائے، وہ حرام ہو جاتا ہے، خواہ اسکے ذبح کے وقت بسم اللہ ہی پڑھ لی جائے۔ شیخ سدو کے نام کے بکرے اور اس قبیل کی تمام چیزیں اسی حکم کے تحت میں آ جاتی ہیں۔

ولا خلاف بین المسلمین ان المراد بہ الذبیحۃ اذا اہل بہا لغیر اللہ عند الذبح (جصاص)

ودر حدیث صحیح وارد است کہ ملعون من ذبح لغیر اللہ یعنی ہر کہ بہ ذبح جانور تقرب غیر خدا نماید ملعون است خواہ در وقت ذبح نام خدا گیرد زیرا کہ چون شہرت داد کہ ایں جانور برائے فلانے است ذکر نام خدا وقت ذبح فائدہ نکرد۔ (تفسیر فتح العزیز) جس جانور کو غیر اللہ کے نامزد اس نیت سے کیا ہو کہ وہ ہم سے خوش ہونگے اور ہماری کارروائی کر دینگے، جیسا کہ اکثر عام جاہلوں کی عادت ہوتی ہے۔ کہ اس نیت سے بکرا، مرغا، وغیرہ مقرر کر دیتے ہیں، وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اگرچہ ذبح کے وقت اُس پر اللہ کا نام لیا ہو۔ البتہ اگر اس طرح نامزد کرنے کے بعد اس سے توبہ کر لے پھر حلال ہو جاتا ہے۔ (تھانوی)

بعض فقہاء نے یہاں تک لکھا ہے کہ اگر کسی حاکم یا امیر وغیرہ کے آنے پر بطور بھینٹ کے ذبح کریگا، تو بھی وہ حرام ہو جائیگا اگرچہ اُس پر اللہ کا نام لے لیا گیا ہو۔

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اُہل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ تعالیٰ (در مختار)

بلکہ فقہاء نے تو یہ بھی کہا ہے کہ کوئی مسلمان اگر جانور کو تقرب غیر اللہ کے قصد سے ذبح کریگا، تو مرتد ہو جائیگا، اور یہ ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ سمجھا جائیگا۔

قال العلماء لو ان مسلماً ذبح ذبیحۃ وقصد بذبحہا التقرب

(مراسلہ) گرانڈ مسلم مشن (بمبئی)

(از مولوی حاجی ظفر الملک ... ایڈیٹر علوی کم)

۲۲ مئی کے صدق میں کے عبدالوہاب دیلوری صاحب سکرٹری گرانڈ مسلم مشن بمبئی کے دو ... خط شایع ہوئے ہیں جن میں انھوں نے مولانا عبدالماجد صاحب سے اس امر کی شکایت کی ہے کہ انھوں نے صدق کے کسی سابق پرچہ میں علامہ سالمین کی کتاب دی ہولی کانٹ کی رسید تحریر فرماتے ہوئے مصنف کو شیعہ مبلغ کیوں لکھ دیا۔ سالمین صاحب کو اپنے شیعہ ہونے سے انکار ہے اگرچہ ان کی تحریر پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ وہ معمولی درجہ کے نہیں بلکہ تبرائی شیعہ ہیں۔ میں نے حال ہی میں ان کی کتاب "علی دی کیلیف" پڑھی ہے جس کے دیباچہ میں انھوں نے نہایت بیباکی سے لکھا ہے کہ

"اگرچہ یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ پہلے دو خلفاء نے منصب خلافت کو روحانیت سے دنیاداری میں تبدیل کر دیا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ لوگ شہرت اور منافع کے طالب تھے تاہم اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی خلافت کے دوران میں مسلمانوں کی ترقی اور اسلام کی شہرت اپنے انتہائی عروج کو پہونچ گئی تھی" (صد دیباچہ)

اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر ہے:-

"جو لوگ یہ چاہتے ہوں کہ علیؓ اپنے قریبی پیشرو عثمانؓ کی طرح حکومت کے سارے خزانہ کو اپنے عزیزوں کے لیے استعمال کرتے اور تمام مسلمانوں کو اس سے محروم کر دیتے انکو معلوم ہونا چاہیے کہ علیؓ ابن ابو طالب کو حکمرانی کی کوئی حاجت نہ تھی۔ انکی خلافت ربانی تھی اور اسکا بقا و استحکام روحانی قوت اور شجاعت پر مبنی تھا۔"

دنیا میں کون مسلمان ہے جو جانشینان رسولؐ کے متعلق اس قسم کے اتہامات تراش سکتا ہے؟ یہ صرف شیعوں ہی کی جسارت ہے جو ایک طرف مسلم ہونے کے مدعی ہیں اور دوسری طرف پیغمبر اسلامؐ کے ان خلفاء کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں جنکے دست حق پرست پر خود حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے بیعت کی تھی۔

گرانڈ مسلم مشن کی ایک رپورٹ سالمین صاحب بانی و صدر مشن کی تحریر کردہ ۲۸ - اپریل اور مابعد کی قسطوں میں لکھنؤ کے شیعہ اخبار نظارہ میں شایع ہوئی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ انھوں نے اس مشن کی جانب سے علاوہ حضور سرور کائنات کی سوانحعمریوں کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا، حضرات حسنین رضی اللہ عنہم، حضرت زینب بنت حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سوانحعمریاں شایع کی ہیں اور ائمہ اثنا عشر کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے جو ابھی تک شایع نہیں ہوئی۔ کیا یہی دفعہ اس بات کے اثبات کے لیے کافی نہیں کہ گرانڈ مسلم مشن ایک شیعی ادارہ ہے۔ اگر وہ شیعہ نہ ہوتے اور واقعی مسلم ہوتے تو حضرات خلفاء ثلثہ و عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور حضرات امہات المومنین رضی اللہ تعالی عنہم کو نظرانداز نہ کرتے۔ ائمہ اثنا عشر میں سے کتنے ہیں جو صحابی کیا معنی تابعی اور تبع تابعی بھی نہیں ہیں۔

پھر "علی دی کیلیف" میں مسلسل اس بات کی کوشش کی گئی ہے کہ حضرت علی کے مناقب و فضائل کے بیان پر قناعت نہ کی جائے بلکہ انکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی جانشین اور بعد رسولؐ کے اسلام کا سب سے بڑا پیشوا بنایا جائے۔ کعبۂ کرمہ کے اندر انکی ولادت کے واقعہ کو عظیم الشان بنانے کے لیے بغیر کسی مقبول سند کے یہ معجزہ تصنیف فرمایا گیا ہے کہ جب انکی والدہ کو آثار حمل معلوم ہوئے تو انھوں نے اللہ کی جناب میں دعا کی اور معاً کعبۂ مکرمہ کی دیوار شق ہو گئی اور وہ اسکی آغوش میں چلی گئیں اور تین دن تک وہیں رہیں جبکہ دیوار مثل سابق جڑ گئی تھی۔ تین دن کے بعد دوبارہ دیوار شق ہوئی تو وہ حضرت علی کو گود میں لیے ہوئے باہر نکلیں اور دیوار دوبارہ جڑ گئی۔

کعبہ مکرمہ میں ولادت کا شرف تنہا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حاصل نہیں ہوا بلکہ انکے علاوہ متعدد اشخاص ایام جاہلیت میں کعبہ مکرمہ کے اندر پیدا ہو چکے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ولادت سے چالیس سال قبل حکیم ابن حزام، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے برادرزادہ کی ولادت کا حال تو مولانا عبدالحی فرنگی محلی نے اصابہ میں اور حاکم نے مستدرک میں درج کیا ہے۔

اور جس معجزہ کو سالمین صاحب نے بیان کیا ہے اسکی سند وہی بتا سکتے ہیں۔ علمائے اسلام اور اسلامی مورخین کے علم سے یہ واقعہ خارج رہا ورنہ کوئی تو اُسے بیان کرتا۔

حضرت علیؓ اور ائمہ اثنا عشر کی امامت کا کوئی ثبوت قران میں نہیں ملا تو توراۃ کی پیشین گوئی سے مدد حاصل کی گئی جس میں حضرت ابراہیم کی اولاد میں بارہ شہزادوں کے ہونے کی بشارت دی گئی ہے۔

اس قسم کے عقائد رکھنے کے بعد بھی مطالبہ یہ ہے کہ ہم کو شیعہ کہنے کے بجائے مسلم کہا جائے۔ حالانکہ مسلمان اس قسم کے عقائد نہ رکھتے ہیں اور نہ قرآن کریم نے ایسی دور از کار باتوں کی گنجایش رکھی ہے۔

سالمین صاحب کو اگر اپنے مشن کے لیے مسلمانوں سے امداد حاصل کرنا ہے اور وہ واقعۃً شیعیت سے بیزار ہیں تو انھیں علی الاعلان حضرات خلفاء ثلثہ کی شان میں گستاخانہ باتیں لکھنے پر اظہار ندامت کرنا چاہیے اور اپنے "زور قلم" کو حدود اعتدال کے اندر رکھکر تبلیغ اسلام کرنا چاہیے۔ فرقہ پرستی کی تبلیغ کرنے اور شیعہ معتقدات کو پھیلانے میں اگر انھیں کوئی فرق نہیں محسوس ہوتا تو وہ تمام مسلمانوں کو کیوں ایسا نادان سمجھتے ہیں کہ وہ بھی حق و باطل کی تمیز نہ کرینگے —

بود ایں دام بر مرغ دگر نہ کہ عنقا را بلند است آشیانہ

صدق - براہ کرم کوئی اور صاحب اس موضوع پر طبع آزمائی نہ فرمائیں۔

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

سہ روزہ
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق خط و کتابت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرغزار! بلیس گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ
قیمت فی پرچہ
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

صدق

نمبر ۹ | شنبہ ۲۸ - جمادی الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"یہاں پیرس (فلنسبرگ) ۲۳ - مئی - جس طرح ناٹک کا ہوتا ہے کہ ڈائرکٹر کے حضور میں طلب ہوتا ہے، اور پھر جب وہاں پہنچتا ہے، تو نقاب اور فوج کے الزام میں گرفتار، پولیس کی حراست میں دیدیا جاتا ہے، اسی طرح آج میجر جنرل لاول رکس کے کمرہ میں جرمنی کے گرینڈ ایڈمرل کارل ڈونٹز پیش ہوئے، اور انھیں حکم ملا کہ انکی جرمن گورنمنٹ اور جرمن فوج کا منصب اسی منٹ سے ختم ہوتے ہیں! رائٹر کے وقائع نگار خصوصی کا بیان ہے کہ جرمنی کے ڈراما کے اس سب سے آخری سین میں کل چار منٹ کا وقت لگا۔" (رائٹر)

بیچ کل ۴ منٹ کی مدت میں اس عظیم الشان اور گردن کش گورنمنٹ کا سچا کھچا حصہ ہست سے نیست، موجود سے معدوم محض، اور دنیا کا یہ نامور ایڈمرال (امیر البحر) دم کے دم میں معزول و نظر بند۔ فیصلہ قطعی۔ آگے نہ اپیل نہ دلیل نہ وکیل!—— کاش خبر رساں ایجنسی نے افسانہ کی زبان اختیار نہیں کی، ٹھوس مادی واقعات خود انتہائی حیرتناکی کے باعث افسانے بن گئے!

"لندن ۲۴ - مئی - ہائنرش ہملر، یورپ کے خوفناک ترین شخص نے رات کو ۱۱ بجکر ۴ منٹ پر برطانوی دوسری فوج کے کیمپ میں خودکشی کرلی۔ ہٹلر کے اس دست راست اور وزیر پولیس اور وزیر داخلہ کی نعش بے گور و کفن فوج کی ایک بارک میں پڑی ہوئی ہے۔ آنکھیں چھت کی طرف تکی ہوئی ہیں۔ جسم پر انگریزی فوج کے کپڑے ہیں جو انھیں کل رات گرفتاری کے بعد انگریزی افسروں نے زبردستی اسے پہنائے تھے۔ آدھا جسم انگریزی کمبل سے ڈھکا ہوا ہے۔ پاس ہی پانی کے برتن رکھے ہیں اور زمین پر پانی پڑا ہوا ہے۔ بڑے بڑے فوجی ڈاکٹر زہر نکالنے اور تنفس جاری کرنے کی کوشش میں ۱۵ منٹ تک انتہائی کوشش کے بعد ناکام رہے۔ بلے زیں ڈاکٹروں اور فوجی افسروں نے ہملر کی گرفتاری کے فوراً بعد ہی اسکے جسم کی تلاشی بار بار لی تھی اور یہ چوتھی بار جامہ تلاشی تھی اسکے منہ کو کھول کر اور منہ میں انگلی ڈال کر ایک ڈاکٹر کر رہا تھا جب ہملر نے سائنائڈ آف پوٹاشیم کی ایک ننھی سی شیشی کو جسے وہ منہ میں چھپائے ہوئے تھا، دانتوں سے توڑ کر زہر نگل گیا اور ایک منٹ کے اندر ختم ہوگیا۔ آدھا اٹھا کر معدہ صاف کرنے کی جو کوشش ۱۵ منٹ تک جاری رہی سب بے سود ثابت ہوئیں۔ عمر ۴۴-۴۵ سال کی تھی۔ نعش ابھی تک پڑی ہوئی ہے، جسم کی پیمائش ہو کر دفن کرنے کے تابوت کی تلاش ہو رہی ہے۔ یہ نہیں معلوم کہ ہملر کے عقائد کیا تھے، اور اسکی تدفین کس فرقہ کے دستور کے مطابق ہوگی۔ ایک پادری نے کہا کہ اس مرتد کی تدفین مسیحیت کے مطابق کرنا مسیحیت کا منہ چڑھانا ہے۔" (رائٹر)

یہ واقعات افسانہ پارینہ نہیں، آپ کی آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں۔ اسکے ہوتے ہوئے یہ پوچھنے کی حاجت کس کو باقی رہ جاتی ہے، کہ دارا کا انجام کیا ہوا تھا، اور سکندر نے جان کس حسرت سے دی تھی؟ چنگیز کس طرح مرا تھا، اور نپولین نے دم کس بیکسی اور بے بسی کے ساتھ توڑا تھا؟

نئی راج ہٹ!

صدق مئی میں مولانا محمد علی کی انگریزی تحریروں کے جدید مجموعہ پر جو تبصرہ تحریر ہوا تھا، اس میں کچھ مشورے ناشر صاحب کی خدمت میں عرض کیے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک مشورہ یہ بھی تھا، کہ کامریڈ ۱۹۱۴ء کے ایک اہم اور اپنے زمانہ میں بڑے معرکۃ الآرا مضمون "چوائس آف دی ٹرکس" کا شامل ہونا ضروری تھا۔ مولانا نے یہ مضمون ٹائمس (لندن) کے جواب میں، اُسی کا عنوان اختیار کرکے ۴۲ گھنٹے مسلسل جاگ کر اور صرف کافی کی پیالیوں پر گزارہ کرکے لکھا تھا، اور اسی کی پاداش میں انھیں برسوں تک نظربندی ملی تھی اور نتیجۃً کامریڈ (اول) کی زندگی بھی ختم کرنی پڑی تھی۔ مضمون بحق سرکار ضبط ہو گیا تھا۔ واقعہ کو اب ۳۰ سال گزر چکے، اور خیال بھی نہ تھا، کہ اتنے طویل عرصہ کے بعد اب اُس میں کوئی زہر گورنمنٹ کے نقطۂ نظر سے باقی ہوگا۔ لیکن ذرا اسکی روداد ناشر صاحب کی زبان سے سنئے:-

"اس مضمون سے متعلق آپ کو مطلع کرنا ضروری ہے کہ اسی کے لیے بہت کوشش کی گئی کہ گورنمنٹ اس کی طباعت کی اجازت دیدے، لیکن گورنمنٹ نے اجازت نہیں دی۔ پہلے میں نے پنجاب گورنمنٹ کے ہوم سکرٹری سے خط وکتابت کی مگر بے سود۔ پھر گورنمنٹ آف انڈیا سے درخواست کی۔ انھوں نے مضمون کی نقل طلب کی جو ارسال کی گئی۔ انھوں نے بے تکلف حکام شملہ پریس برانچ، امور خارجہ وغیرہ وغیرہ سے دریافت کیا، مگر بالآخر اجازت نہ دی۔ اسمبلی میں بھی سوالات کرائے، اور پھر مزید سوالات کا ارادہ ہے۔ ورنہ چوائس آف دی ٹرکس جیسا شہ پارہ تو کبھی ہماری آنکھوں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا۔"

مضمون حقیقۃً اُسوقت بھی قابل گرفت نہ تھا، اور اب اتنے طویل عرصہ کے بعد بھی اُسکی عدم اشاعت پر اَڑے رہنا نتیجہ کس چیز کا قرار دیا جائے؟ دفتر شاہی جمود کا؟ سرکاری کینہ پروری کا؟ یا دیرینہ راج ہٹ کا؟

صحیح نصب العین

آل انڈیا مسلم مجلس کے تازہ اجلاس کے خطبۂ صدارت سے:-

"مسلم مجلس کا مطمح نظر یہ ہے کہ مسلمانوں کے اندر روح اسلامی کو پھر حرکت دی جائے۔ اور اُن سے اصرار کیا جائے کہ وہ عقائد اسلامیہ کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اسلام کے معنی محض زبانی اقرار کے نہیں ہیں، بلکہ یہ ہیں کہ عملی حیثیت سے خدا اور رسول کی فرمانبرداری کی جائے۔ مسلم سیاست کو مذہب کے تابع ہی نہیں ہونا چاہیے بلکہ اسکو بہ حیثیت کل کے قبول کرنا چاہیے۔"

آل انڈیا مسلم مجلس، مسلم لیگ کی مقابل اور حریف کی حیثیت رکھتی ہے، لیکن جہاں تک اس مقصد اولین کا تعلق ہے، ظاہر ہے کون بدبخت مسلمان اس سے اختلاف کریگا ہم — اچھی بات اور سچی بات جس جماعت، جس انجمن، جس پارٹی میں پائی جائے مسلمان کا کام اس پر لبیک کرنا، اور تعصب کے ہر خیال سے بلند تر رہنا ہے۔

"ادب خبیث"

مرزا یگانہ "چنگیزی" "لکھنوی" کے چنگیزی آرٹ کا نمونہ حیدرآباد کے ایک ادبی ماہنامہ سے:-

"گذشتہ پچیس سال سے، ادب جمیل، ادب لطیف، [illegible] وغیرہ کے بھیس میں ادب خبیث رنگ بدل بدل کر کیا کیا ہنگامے برپا کر رہا ہے ..... پہلے تو اس نئے ادب میں کمینہ پن ہی تھا رندانہ شہدپن بھی داخل ہوتا اور بڑھتا گیا۔ پریس نے اپنے صفحات کی شکم پری اور چند ٹکوں کی خاطر اس گندے ادب کو اتنا اچھالا دیا کہ آخر اُس نے ایک اوباشانہ تخریبی تحریک کی صورت پکڑ لی۔ ننھے ننھے حشرات الارض نے ذہنی عیاشی کے شوق میں اپنی چھچھوری شاعری کو بیکاری کا مشغلہ بنا لیا ..... خدا جانے نسیمؔ کون صاحب ہیں "شاعری" یوں فرماتے ہیں:-

(۱) بول کہ اب آزاد ہیں تیرے (۲) بول زباں اب تک تیری ہے (۳) بول یہ تھوڑا وقت بہت ہے۔ (۴) بول کہ سچ زندہ ہے اب تک (۵) بول جو کچھ کہنا ہے کہہ لے

بول بول بول، لاحول لاحول۔ یہ ہے "ترقی پسند" شاعری، نہ تال کی نہ سم کی، نہ سُر کی .... یہ گویا ترقی پسندوں کا ادب جدید ہے۔ خدا جھوٹ نہ بلوائے۔ لکھنؤ کے ان پڑھ شہدے ایک ایک پیسہ میں ایک منٹ کے اندر اس قسم کے فقروں سے زیادہ چست فقرے تراش کر رکھ دیں ..... نئے اسلوب کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو:-

(۱) بادصبا کے جھونکوں میں تند ہوا تبدیل ہوئی۔
(۲) پھول کھلے (یہ گویا دوسرا مصرعہ ہوا) تھو!
(۳) مستی چھائی (,, تیسرا ,,) تھو!
(۴) مرجھائے کنول شاداب ہوئے
(۵) میں ہوں بیدل
(۶) مایوس
(۷) ایک
(۸) بیچارا

یہ سب گویا آٹھ مصرعے ہوئے۔ انھیں تلے اوپر لکھ کر ایک بند قرار دیا گیا ہے اور گویا ایک گاؤدم سی شکل بنانے کی کوشش کی گئی ہے! تھو!"

سچ کہا جس نے کہا کہ لوہے کو لوہا ہی کاٹ سکتا ہے! علاج بالمثل کا قاعدہ اب کون کہتا ہے کہ نفع بخش نہیں رہا ہے؟

حدودِ تقلید

مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی کے ایک مضمون کا اقتباس:

"اس مسئلہ میں جملہ ائمہ نے امام ابو حنیفہؒ کی رائے سے اختلاف کیا ہے حتی کہ انکے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ بھی انکے ساتھ نہیں ہیں اور ہمارے نزدیک نص قرآنی کا مفہوم یہی ہے جسکے مقابلہ میں امام ابو حنیفہؒ کے پاس بجز ایک ضعیف حدیث یا ضعیف قیاس کے کوئی قوی دلیل نہیں ہے اور اس عبارت میں ہمارے لیے اتنا ہی بس ہے کہ امام صاحب سے ادب سے کسی طرح مخالفت نص نقل کر کے الزام کو رفع کر کے انکے دامن اجتہاد کو طعن و تشنیع سے بچا لیں۔ . . اسلام مرشد قول ابی حنیفہ کا نام نہیں، بلکہ قرآن و حدیث کے احکام کا نام ہے۔ اگر قول ابی حنیفہ انکے موافق ہوگا اسلام ہوگا ورنہ امام کے قول کا کوئی حصہ مستحق لائق نہ کیا جائیگا۔" (معارف، مئی ۲۵ء)

الحمد للہ وجزاک اللہ۔ تقلید کے یہی حدود ہیں، کاش ہمارے تمام علماء یاد رکھیں، اور تقلید کو دانستہ اور ہمیں اپنے امام کی تقلید جامد یا امام پرستی کے مرادف نہ بننے دیں!

ہمارے امراء

"محمد علیؒ کی انگریزی تقریروں اور تحریروں کے اس مجموعہ کی قیمت ضخامت کو موجودہ مصارف طبع وغیرہ کے لحاظ سے گراں نہ ہو، لیکن متوسط طبقہ کی جیب پر یقیناً بار ہے۔ کاش ہز ہائینس نواب صاحب رامپور، ہز ہائینس نواب صاحب بھوپال اور کوئی صاحب ہمت رئیس اس کی ہزار پانسو کاپیاں خرید کر ملک کی ہر بڑی لائبریری تک پہونچا دیں"۔

صدق ... کے اس نوٹ پر شیخ محمد اشرف (ناشر کتاب) لکھتے ہیں:

"آپ کی اس سفارش کا شکریہ ضروری سمجھتا ہوں۔ جناب نے والیان ریاست کو توجہ دلائی ہے کہ اسکی ۵۰۰ کاپیاں خرید کر تقسیم کریں۔ مگر ہمیں اس معاملہ میں جسقدر مایوسی ہے وہ حد بیان سے باہر ہے۔ والیان ریاست اور نوابوں کا طبقہ صرف اسی جگہ مدد کر سکتا ہے جہاں نام و نمود ہے۔ کسی ٹھوس علمی مذہبی کارکن کو ایک پیسہ بھی دینا انکے لیے ناممکن ہے۔ ہمارے ادارہ نے ہندوستان میں ایک نئے ذوق یعنی انگریزی میں اسلامی کتب کا باب کھول دیا ہے اور جس حد تک کامیاب ہوا ہے، اسکا علم آپ کو ہے۔ یہ سب صرف ایک شخص تن تنہا کر رہا ہے۔ کبھی کسی امیر، نواب، والی ریاست سے نہ حقیر سی حقیر امداد ملی ہے اور نہ اسکی توقع ہے۔ ہم صرف ایک اللہ ہی کی خوشامد کرنا جانتے ہیں"۔

بات بڑی حد تک صحیح ہے البتہ تجربہ کلی نہیں۔ بعض صورتیں خیر میں ان امراء کے زمانے کام آتے ہیں۔ البتہ یہ بالکل صحیح ہے کہ ان تک رسائی آسان نہیں، اور ہر ایک کا کام نہیں — سعدیؒ کا تجربہ گلستان میں بالکل صحیح ہے (باب - جدال سعدی با مدعی)

سورۂ بقرہ رکوع ۲۱ و ۲۲

(بقیہ صدق نمبر ۷)

(از عبد الماجد)

(بقیہ حاشیہ) عند الضرورة رخصة بل ذلك عزيمة واجبة ولو امتنع من الاكل كان عاصيا (بحر)

وقال مسروق لبعض انه من اضطر الى الميتة فلم يأكل حتى مات دخل النار كانه اشار الى انه قاتل نفسه بتركه ما اباح الله (بحر)

غیر باغ، یعنی اسکی نیت اور ارادہ نافرمانی اور قانون شکنی کا نہ ہو اور وہ محض طالب لذت نہ ہو۔

یعنی ضرورت واقعی ہو یہ ہرگز نہ ہو کہ کسی شخص کے دل میں قانون الٰہی کا احترام ہی نہ ہو یا وہ حرام چیزوں سے لذت ہی حاصل کرنا چاہتا ہو۔ باغ کے معنی دو ہو سکتے ہیں۔

ایک، دوسرے پر ظلم کرنے والا، دوسرے طالب لذت۔

ولا عاد اور نہ حدود شرعی سے تجاوز کرنے والا۔ یعنی مقدار میں بس اتنا کھائے بقدر ضرورت کھالے، یہ نہ ہو کہ خوب سیر ہو کر کھانے لگے۔

قال الشافعي وابو حنيفة واصحابه لا يأكل المضطر من الميتة الا قدر ما يمسك رمقه (كبير)

غفور۔ ایسا مغفرت والا کہ مجبوری کی حالت میں حرام پر بھی مواخذہ نہیں کرتا بلکہ انہیں جرائم باقی بھی نہیں رہنے دیتا۔

رحیم۔ ایسا شفقت والا کہ زندگی کے وقتوں پر آسانی بہم پہونچا دیتا ہے۔

یہود کی جانب اشارہ ہے جو اپنے اہل کی اصل آسمانی تعلیمات کو چھپاتے تھے، اور اس اخفاء و کتمان سے انکا مقصود کچھ نفع دنیوی حاصل کرنا ہوتا تھا۔

ثمنا قليلا سے یہ مراد نہیں کہ زیادہ قیمت اور بڑے معاوضہ پر دین فروشی جائز ہے۔ مراد اس سے محض دنیوی معاوضہ ہے۔ اور دنیوی معاوضہ نفع آخرت کے مقابلہ میں ہمیشہ قلیل ہی ہوگا۔

یہود کا جرم اخفائے حق اور کتمان وحی آسمانی انکی معصیت اکل حرام سے کہیں بڑھا ہوا تھا۔ اس لیے اس جرم کی سزا بھی اس سے سخت تر مذکور ہوئی۔

(بہ طریق لطف و ملاطفت)

جو خطاب بہ طریق عتاب ہوگا، وہ ظاہر ہے کہ اس سے مستثنٰی ہے۔

قیامت کے دن اللہ کی اپنے بندوں سے گفتگو انکی انتہائی خوش قسمتی ہوگی۔ اور اس سے محرومی انکی انتہائی بدنصیبی۔

(گناہوں سے)

برزخ کے بعد حشر میں بھی جو لوگ اپنے ایمان اور دوسری نیکیوں کی بنا پر اپنے کو گناہوں سے دُھلا دُھلایا اور اپنے کو

افراد دو اختلام یا عالم قوموں کے افراد کو مجبور کر دیا ہے اور
ایک عیسائی طبیب ابن اثال نامی ہے - ابن ابی اصیبعہ نے
اپنی طبقات میں لکھا ہے
"جب حضرت معاویہ بادشاہ ہو گئے تو ابن اثال کو بطور
خاص اپنی ذات کے لیے چن لیا - وہ اس کے ساتھ بڑی عقیدت رکھتے
تھے - شب و روز اس سے گفتگو کرتے رہتے" صفحہ ۱۴۱

بنی امیہ کے اسی شاہی دربار میں دوسرا طبیب جو برسر اقتدار
آیا وہ بھی ایک عیسائی ہی طبیب ابو الحکم تھا - اور ابو الحکم کے بعد
اسی دربار میں جس کے وجود نے اتنی اہمیت حاصل کر لی کہ جو
سب کو ڈراتا پھرتا تھا وہی حجاج اس سے بھی ڈرتا تھا - سب ان
جانیں حجاج کی مرضی سے وابستہ ہر کسی تھیں لیکن حجاج نے
اپنی جان کا مالک جسے بنا دیا تھا وہ تیاذوق نامی نصرانی طبیب
تھا - سب پر حجاج اور حجاج کی تلوار کا حکم چلتا تھا لیکن حجاج
پر بھی جس کا حکم چلتا تھا وہ یہی تیاذوق طبیب تھا - مشہور ہے کہ
دوا پیٹ کے چند دواؤں کے استعمال کا حکم تیاذوق نے حجاج
کو دیا - لیکن پیٹ جیسی چیز کو بھلا حجاج جیسا آدمی جو ایک ایک
وقت میں جیسا کہ ابن عساکر نے لکھا ہے :
"کہتے ہیں لوگوں نے گنا ہے چوراسی چوراسی روٹیاں کھاتا
تھا - ایک ایک روٹی میں ایک ایک کٹ دست مکھن ڈالتا اور
نگل جاتا تھا" (جلد ۴ ابن عساکر)
پیٹوں کو بھی مٹھی میں بھر بھر کر کھایا کھتا چلا گیا - ثقیل مغز ہضم
نہ ہو سکا - دست جاری ہو گئے - تیاذوق بلایا گیا - اللہ اکبر جو
بڑے سے بڑے آدمی کی ہر بات کا جواب تلوار سے دیتا تھا آج
اس نصرانی طبیب کے آگے پڑا ہوا ہے - پھر تھوڑت میں سخت
سست جو کچھ حجاج کے سننا مقدر تھا سنتا رہا - مٹی کھانے کی
بری لت میں ایک دفعہ حجاج بھی مبتلا ہو گیا - تیاذوق سے
اس نے اپنی بری عادت کا اظہار کیا - ایک ڈانٹ پر
حجاج ہمیشہ کے لیے مٹی کھانا بھول گیا -

دور بنی امیہ کے اسی سال تو خیر گزرنے ہی کے لیے تھے
وہ جلد گزر گئے ، اسکے بعد اسلامی خلافت کی شاہی گدی پر
بنی عباس جب جلوہ افروز ہوئے تو اسوقت اپنی محکوم قوم اور
دین اپنے محکوم دین عیسائیت کی پشت پناہیوں میں ان عیسائی طبیبوں
نے جو کام کیا حقیقت یہ ہے کہ مسلمان اپنی محکومیت کے اس دور
میں چاہیں تو ان سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں -

خیال تو کیجیے یہی ہارون الرشید عباسی خلیفہ ہے جو عیسائیوں
کے بادشاہ قسطنطنیہ کو یا کلب الروم (اے یورپ کے کتے)
کے خطاب سے خطوط میں مخاطب کرتا تھا لیکن محکوم عیسائیوں
نے چند ماہرین اپنا طبیہ کالج مارستان کے ساتھ ساتھ جو نام
رکھا تھا اسی مدرسہ کا صدر جو رئیس خلیفہ ابو جعفر منصور
کے دربار میں سب سے پہلے رسائی حاصل کرتا ہے اور اسکی یہ رسائی
ایسی کارگر ہوتی ہے کہ چند صدیوں اسی مدرسہ کے اطباء کے ہاتھوں میں
عباسی خلفاء ، وزراء ، امراء اور شاہزادوں اور شاہی محل کی خواتین
کی جانیں چلی جاتی رہیں - طبقات الاطباء میں لکھا ہے کہ بوختیشوع کے
بیٹے جبرئیل طبیب کے ساتھ ہارون کا جو تعلق تھا اسکی تعبیر لوگ اسی
شکل میں کرتے (اپنی جان کی طرح اسے عزیز رکھتا تھا) بات کرتے تھے - اس
طبیب کے متعلق ہارون کا یہ مشہور فرمان صادر ہوا تھا "کہ من کانت
له الی حاجت فلیخاطب بها جبرئیل لانی افعل کل ما یسئلنی - طبقات
صفحہ طبقات - مجھ سے جو ضرورت کسی کی وابستہ ہو چاہیے کہ وہ
جبرئیل کو اپنی بات سے مطلع کرے کیونکہ میں نے یہ بات طے کر لیا ہے
کہ جبرئیل جو کچھ بھی مجھ سے مانگے گا اسے دوں گا ،

انتہا یہ کہ ہارون نے برسر دربار جب ہاشمی شاہزادے بھی
بیٹھے ہوئے تھے جبرئیل کو مخاطب کر کے کہا کہ حج کے موقع پر عرفات
کے میدان میں میں نے تیرے لیے بہت بہت دعائیں کی ہیں - یہ کہنے کے
ساتھ ہی شاہزادوں کی طرف خطاب کر کے ہارون نے کہا تم لوگوں
کو شاید میری یہ ادا ناپسند ہوئی ہوگی لیکن بات یہ ہے کہ میری ذات سے
سارے اسلامی عالم کی بقا وابستہ ہے اور جبرئیل کے ساتھ میری صحت
اور میری بقا کا تعلق ہے - اب بتاؤ اس سے بڑا کون ہے ؟ ---
یہی جبرئیل تھا --- ہارون پر غشی کا دورہ پڑ گیا - علاج کیا ، اچھا
ہوا ، آنکھیں جب ہارون کی کھلیں تو شاہی باڈی گارڈ کا افسر
سامنے کھڑا تھا پوچھا تجھے کیا تنخواہ ملتی ہے - بولا تین لاکھ درہم
سالانہ - اتنے میں کوتوال پیدہ حاضر ہوا اس سے بھی یہی دریافت
کیا اس نے اپنی تنخواہ پانچ لاکھ درہم سالانہ بتائی - اسکے بعد
حاجب آیا - تنخواہ پوچھی - معلوم ہوا ایک کروڑ درہم سالانہ - چونکہ
جبرئیل کی تنخواہ اسوقت تک ان لوگوں سے کم تھی اس لیے کہا نہ
کہ یہ انصاف سے بعید ہے کہ انسانوں سے جو میری حفاظت کریں انکو
تو اتنی بڑی بڑی تنخواہیں دی جائیں اور امراض و اسقام سے جو میری
حفاظت کرتا ہے اسکی تنخواہ ان سے کم ہو - پھر کیا تھا ، جبرئیل کو جو
دولت عباسی دربار سے ملی آج تک منہ پھاڑ کے مورخین اسکا
ذکر کرتے ہیں - علاوہ سرکار کے خزانہ سے اور دیگر درباری امراء شاہزادوں
اور شاہی بیگمات وغیرہ سے جو روپے نقد جبرئیل کو ملے تھے اس کا
حساب جب کیا گیا تو ستائیس کروڑ اور چھ لاکھ درہم ہوئے - اسکے
سوا مکانات ، اور باغ سیرگاہوں کی شکل میں نیز گھوڑے ، خچر ، گدھے
غلام وغیرہ کی قیمت لگائی گئی تو ۷ کروڑ درہم ہوئے - ۸ کروڑ
آلات طبی اور دواؤں وغیرہ کی قیمت میں اس نے وصول کیے اور
جاگیر اسکے علاوہ تھی جسکی قیمت بارہ کروڑ درہم لگائی گئی - لکھا
ہے کہ جبرئیل کے پاس جواہر وغیرہ کے جو ذخیرے تھے انکی قیمت
پانچ لاکھ اشرفیاں اور پچاس کروڑ درہم تھی - انکو میزان کرکے
دیکھیے - اس حساب میں جو آجکل جنگ کے عمارت بیان کیے جاتے ہیں

نہیں ہوئی تھی اور مسئلہ نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق ہی اگرچہ .... تعجب ایک نہیں ہے لیکن محیر العقول اس صاحب کے اعداد بھی اسی طرح ہیں جس طرح وہ عالم کے مثل معارف کو سنکر آدمی مبہوت ہو جاتا ہے اور یہ حال کچھ گنے چنے چند طبیبوں ہی تک نہیں تھا عباسی دربار اور عباسی خلفاء نے عیسائی طبیبوں کی فہرست اگر بنائی جائے تو سیکڑوں سے متجاوز ہوگی۔ آخر زمانہ تک ان غیر مسلم طبیبوں کا اثر خلفاء اور اسلامی سلاطین کے دربار میں قائم رہا۔ انتہا یہ کہ عیسائیوں سے صلیبی جنگ لڑنے والے ناصری صلاح الدین ایوبی کے دربار کا سب سے بڑا طبیب غیر مسلم موسیٰ ... ہودی تھا۔ جسکے حالات اور سوانح کے لیے ایک مستقل جلد کی ضرورت ہے۔

ان غیر مسلم طبیبوں نے محکومیت کے اس عہد میں صرف یہی نہیں کیا کہ دنیاوی منافع حاصل کیے بلکہ آپ انکے حالات کو پڑھ جائیے ہر ایک اپنی قومی اور مذہبی خصوصیتوں کو پوری قوت کے ساتھ تھام رکھے ہوئے تھا۔ وہی جورجس جند ساپور کے طبی کالج کا پرنسپل اسکے متعلق لکھا ہے کہ جب خلیفہ منصور کے دربار میں آیا اور انعام و اکرام سے نوازا گیا تو اس سلسلہ میں چند چھوکریاں جنکا اس زمانہ میں رواج تھا، خلیفہ نے اسکے پاس بھجوائیں۔ انکو دیکھکر جورجس بہت برہم ہوا۔ اور اسی وقت انکو واپس کیا۔ خلیفہ کو کہلا بھیجا کہ انکو شاید یہ معلوم نہیں ہے کہ ہم عیسائیوں کے پاس ایک بیوی کے رہتے ہوئے دوسری عورت سے تعلق اختیار کرنا حرام ہے۔

ابن ابی اصیبعہ نے اسی جورجس کے خاندان کے اطباء کا ذکر کرکے لکھا ہے کہ "یہ لوگ نیکی کرنے اور خیر خیرات، بیماروں کی خبرگیری مساکین کے ساتھ حسن سلوک، مصیبت زدوں کی اعانت، بیکاروں کی امداد میں حد سے بڑھے ہوئے تھے۔ اتنا کہ ہم بیان نہیں کر سکتے۔"

(ص ۱۳۶ / ج ۱) اور ظاہر ہے کہ ان تمام نیکیوں میں زیادہ حصہ قدرتاً خود ... کے لوگوں کا ہوتا تھا۔ جسکے تفصیلات بھی کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ ان عیسائی اطباء کو اپنے دین اور اپنی قومیت پر استقامت پر کتنا اصرار تھا۔ اسکا اندازہ اسی مشہور واقعہ سے کیا جا سکتا ہے کہ یہی جورجس صدر مدرسہ جند ساپور جب مرض الموت میں مبتلا ہوا تو ابو جعفر خلیفہ خود اس کی عیادت کو اسکے گھر آیا۔ خلیفہ نے بطور بہی خواہی کے جورجس سے کہا "جورجس دیکھ! خدا سے ڈر۔ اب تیرا وقت آخر ہے مسلمان ہو جا۔ میں جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔" جورجس نے متعلق الفاظ خلیفہ کی اس فرمائش کے سننے کے بعد جو بات کہی وہی غور کرنے کے قابل ہے۔ اس نے کہا

"حضور بندہ تو اپنے آباء و اجداد کے دین ہی پر قائم ہے۔ اور اسی پر مرے گا۔ اب میرے آباء و اجداد جہاں کہیں ہوں وہی جگہ میرے لیے پسندیدہ ہے خواہ وہ جنت میں ہوں یا جہنم میں"

(ص ۱۲۵ / ج ۱) کہتے ہیں منصور اس کی یہ بات سن کر ہنسنے لگا۔ اور میں شبہ نہیں کہ جورجس کی یہ بدبختی تھی کہ اسلام سے وہ محروم رہا لیکن

بھی تو صرف یہ دکھانا ہے کہ محکومیت کے زمانہ میں اس قوم نے اپنے کمال سے جسے انھوں نے محنت اور جانفشانی سے حاصل کیا تھا اس کے ذریعہ سے خود اپنی قوم اور اپنے دین اور اپنی ثقافت کو کس طرح سجا لیا۔ سچ تو یہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ کے عیسائی کو جو کچھ بھی اپنے آباء و اجداد کا ورثہ ملا ہے وہ انہی مخلص بزرگوں کی محنتوں کا نتیجہ ہے ان ہی لوگوں نے یونانیوں کے سارے علوم و فنون کو عباسی خلفاء کی سرپرستیوں کے نیچے رہ کر مسلمانوں میں ترجمہ کرکے انھیں پھیلایا اور پھر مسلمانوں نے ان چیزوں کو یورپ کے حوالہ کیا۔ مدراس کے مسلم یونیورسٹی کا یہ طبیہ کالج بھی مسلمانوں کی محکومیت کے اس عہد میں ایسے باکمال مسلمان اطباء پیدا کرے جنکے بغیر قوت حاکمہ کا کام ہی نہ چلے۔ آج ہمارے نوجوان تھوڑی توجہ سے کام لیں۔ مغربی طب کے ساتھ ساتھ اسلامی اور ہندی طب کے گڑے ہوئے خزانوں کو برآمد کرکے ایک ایسا نظام طبی قائم کریں کہ مسلم یونیورسٹی کا طبیہ کالج جند ساپور کا مدرسہ اور "بیمارستان" بنجائے اور میرے خیال میں کچھ بھی ہو ضرورت تو اس طبی کالج کی مسلم یونیورسٹی میں اس لحاظ سے اتنی زیادہ تھی کہ سب سے پہلے کم از کم اگر مجھ سے پوچھا جاتا تو اسی کالج کے قیام کا مشورہ دیتا۔ لیکن خیر دیر میں سہی جب بات سمجھ میں آگئی تو جہاں تک جلد ممکن ہو چاہیے کہ اس کالج کو قائم کر دیا جائے۔ کل ساٹھ ہزار کا مطالبہ مسلمانوں سے ہے۔ کاش! کوئی اہل خیر اسلامی تاریخ کے اس ورق سے جو میں نے پیش کیا ہے، متاثر ہو اور مسلمانوں کو بھی اپنی محکومیت کے اس دور میں بجائے جند ساپور کے علیگڈھ میں ایک ایسے طبیہ کالج کے قائم کرنے میں مدد دے جسکے پڑھنے والے طلباء نئی اسے بھی کمالات... کہ پھر اس کالج سے نکلیں کہ جس طرح عیسائیوں نے اپنی محکومیت کے زمانہ میں ہماری حکومت کو مسخر کر لیا تھا ہم بھی حاکم قوموں پر اس راہ سے اپنا اقتدار قائم کر سکیں۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ صرف توجہ کی ضرورت ہے۔

دگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا می کرد

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔ (رہبر دکن)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

غوث انصاری صاحب فرنگی محل لکھنؤ - جناب کا مدیحہ لولے میں موصول ہوا۔ بہت خوب ہے۔ لیکن جس دلنواز کھیل کا نام آپ نے "گڑیں اچھالنا اور اچھالنا" لکھا ہے، اسکے لیے آپ کے گلستان کے ہوتے ہوئے اور کسی کا حق ہو سکتا ہے۔

شیخ شوکت حسین تاجر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

— کتاب ایک ثلث سے زائد، باب طرب و نشاط کے تذکرے کے لیے وقف ہے، اور اس محفل میں ڈوم ڈھاڑی، ساز نواز، بھانڈ، ان کے علاوہ امرد (لونڈے) اور بیسوائیں بھی بے تکلف اپنے "کمالاتِ فن" کے نظر آرہی ہیں! — نادر شاہ کے حملہ کی تاریخ یاد کیجیے ۱۷۳۹ء تھا۔ یہ ذکر ۱۷۳۹ء کا ہو رہا ہے! یعنی اس یادگار تاخت و تاراج ور شہر دہلی کے قتل عام کے کل چند ہی روز بعد یا اس غفلتوں اور سرمستیوں، فسق کی گرم بازاریوں کے بعد حیرت اس پر کیوں کیجیے کہ ایک صدی بعد یہ برائے نام حکومت ختم کیونکر ہو کر رہی، حیرت اس پر کیجیے کہ اسے صدی سوا صدی بعد تک باقی رہنے کی مہلت کیسے ملی!

امن کی برکتیں!

"شملہ ۲۵ مئی۔ گھوڑ دوڑ جو برما میں پہلے بہت مقبول تھی، اب برطانوی تسلط کے بعد دوبارہ شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ رنگون میں پچھلے ہفتہ دو دن دوڑیں ہوئیں ... بازیوں کی میزان ۳۰ ہزار روپیہ تھی" (ایسوسی ایٹڈ پریس)

"نیویارک ۲۴ مئی۔ کاروباری اور تجارتی حلقوں میں قتل کی وارداتیں ازسرنو شروع ہو گئی ہیں۔ چنانچہ نیو جرسی میں دریائے ہڈسن میں کسی نے آلوؤں کا بورا تیرتے ہوئے دیکھا۔ اسکی تلاشی شروع ہوئی، اور آخر میں جب اسے کھولا گیا، تو اندر سے تین مردوں کے کٹے ہوئے اعضاء و جسم نکلے! اس سے دو ہفتے قبل تقریباً اسی جگہ ایک مرد کی لاش میز پوش میں لپٹی ہوئی مل چکی تھی۔ پولیس کا خیال ہے کہ نقلی پٹرول کی تجارت اور جوئے کی رقابت مندی میں تفوق و مقابلہ کے سلسلہ میں، نیویارک کے حدود میں خونیوں کے مسلح گروہ پھر نمودار ہونے شروع ہو گئے ہیں۔ پولیس گرانہ ان خونیوں کے جتھوں کی ازسرنو تلاش کر رہی ہے، جیسے کہ قانون امتناع شراب کے آغاز میں پیدا ہو گئے تھے۔" (کرانیکل، بمبئی)

"صاحب" کی چلائی ہوئی جنگ کے قہر و غضب کے نمونے تو سب دیکھ ہی چکے ہیں، اب یہ نمونے "صاحب" کے پیدا کیے ہوئے امن کے ملاحظہ ہوں! — شیطان کا جمال، کیا شیطان کے جلال سے کچھ کم ہے؟

سکون کی راہ

"ہمارے ہاں ہر دس شادیوں میں ایک شادی یقیناً ناکامی پر ختم ہوتی ہے۔ بلکہ عجب نہیں کہ ناکامی کی شرح ۲۰ فی صدی تک پہونچ گئی ہو" (ڈیلی میل، لندن ۔ ۶ مئی ۱۹۴۵ء)

یہ میرج گائیڈنس کونسل (مجلس ہدایات نکاح) کے ڈائرکٹر کے صدر ڈاکٹر ... نے حال میں کہا۔ ... یہ کیا ارشاد ہوا؟ مین، کہ ہم ملاتیہ میں اگر ۲۰ فی صدی نہیں، تو کم از کم ۱۰ فی صدی شادیاں ناکام ہی رہتی ہیں! — اب تک تو سنتے میں آرہا تھا اور شاید یہ سنا جا رہا تھا کہ شادیاں ناکام وہاں رہتی ہیں، جہاں کورٹ شپ نہیں، اور جہاں ماں باپ جاہتے ہیں اٹھا کر لڑکی لڑکے کو دے دیتے ہیں! اب تجربہ اور مشاہدہ بتا رہا ہے کہ زندگیوں میں سکون، احساس محبت سے خود بخود پیدا ہوتا ہے، نہ کہ کورٹ شپ کی تاک جھانک، دیکھ بھال سے۔

۵۰ گنا انتقام!

"لندن ۱۰ جون۔ برلن ریڈیو نے جدید روسی حکومت کے ماتحت آج اعلان کیا کہ کسی ایک روسی سپاہی یا ملکی عہدہ دار کی جان پر اگر حملہ کیا گیا، یا آتش زنی کی کوشش کی گئی، تو اسکے انتقام میں پورے پچاس نازی جرمن قتل کر دیئے جائیں گے! اور جس کسی کو ایسی سازش کی اطلاع ہو اور وہ پولیس کو خبر نہ کرے تو اسکا بھی یہی حشر ہوگا" (روئٹر)

ایک اقدام قتل کے انتقام میں پورے ۵۰ انسانوں کا قتل! یہ جدید ترین تہذیب، یا جدید ترین انصاف! — اب کچھ قدر ہوئی اس قانون کی، جس نے شدید اشتعال کی حالت میں بھی ایک جان کے بدلے ایک ہی جان کا قاعدہ رکھا ہے؟

زندہ دل دلّی

۱۷۳۹ء کی محمد شاہی دہلی کا ایک منظر ایک معاصر سیاح کے تاثرات کے قلم سے:—

"ادا بیگم ... دہلی مشہور و معروف اند کہ پائجامہ نمی پوشند و بدن اسفل را برنگ آمیزی اسے خانہ نقاش باسلوب قطعہ پائجامہ گلبدن می کنند بے شائبہ تفاوت گل و برگ کہ در تھان کمخاب ہند رومی می باشد نقلش می کشند و در محافل امراء می روند ہرگز امتیاز پائجامہ و ایں رنگ کردہ نمی شود تا پردہ از کار نشگفتہ فہم ہیچکس کنہ صنعت آنہا نمی رسد چنداں خالی از ندرت و غرابت نیست مرغوب دلہا اند" (مرقع دہلی ۱۷۳۹ء)

ادا بیگم کے لیے مشہور یہ ہے کہ پائجامہ سرے سے پہنتی ہی نہیں۔ بلکہ بجائے اسکے جسم کے حصہ زیریں کو اس خوبصورتی و ندرت کے ساتھ رنگ لیتی ہیں کہ کسی کو عریانی کا گمان بھی نہیں ہوتا۔ بعین یہی اصل لباس ہی معلوم ہوتا ہے اور اسی طرح یہ بے تکلف امراء کی محفلوں میں آتی جاتی رہتی ہیں۔ جب تک نماوت میں راز فاش نہ ہو جائے کسی کو پتہ بھی نہیں چلتا۔ لوگ اسکے اس نادر کمال فن پر فدا ہیں۔

کیا کہیں یہ باکمال آرٹسٹ دو صدی قبل پیدا ہو گئیں؟ — انکے فوٹو اخباروں میں، رسالوں میں چھپنے نہ پائے، اور نہ یہ اپنے کمالات کی داد اسٹیج پر یا پردۂ سینما پر حاصل کر سکیں! شمع گردش میں آئی بھی، تو پروانے صرف چند امراء بن سکے۔ آج کی جمہوریت و "عوامیت" کی حکومت ہوتی، تو بجلی کے قمقمے لاکھ دو لاکھ چونی ٹکٹ والوں تک کی آنکھوں میں جکا چوند پیدا کر دیتے! — کون کہتا ہے کہ تجدد کا قدم دو سو سال قبل، آج کی ترقیوں ...

فکر سندھی پر تبصرہ

مولانا عبید اللہ سندھی کے افکار و خیالات، مذہبی اصلاح و انقلاب کے سلسلہ میں اب کسی جدید تعارف کے زیادہ محتاج نہیں۔ ذیل میں انہی کے افکار پر مفصل تبصرہ علامہ مناظر احسن گیلانی مرحوم کے قلم سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ تبصرہ آج سے قبل روزنامہ [illegible] (دہلی) میں نکل چکا ہے۔ یہاں بجنسہ اسی سے نقل کیا جا رہا ہے۔

تبصرہ کا لب و لہجہ جا بجا جناب سندھی کے معتقدین کو یقیناً تلخ و تند و صبر آزما معلوم ہوگا۔ لیکن مولانا گیلانی نے بھی اسے جس جوش دینی و غیرت ایمانی کے ماتحت لکھا ہے، اس کے لحاظ سے وہ بھی معذور ہیں۔ [illegible] رحمۃ اللہ علیہ نے کب کوئی کسر [illegible] اور بادشاہ اکبر کے تذکرہ میں اٹھا رکھی؟

بہر حال مقالہ کے نفس مطالب کی اہمیت کے پیش نظر جناب سندھی کے معتقدین سے معافی طلب کرکے اصل مقالہ ناظرین ہے۔ مدیر

نحمدہ ونصلی والصلوٰۃ والسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔

مجھے مولوی عبید اللہ سندھی کی نہ ذات سے بحث ہے اور نہ مقصد ہے۔ میرے سامنے اس وقت ایک کتاب ہے جو پروفیسر سرور کی کتاب "مولانا عبید اللہ سندھی" نامی ہے۔ اس کتاب میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مولف کتاب نے وقتاً فوقتاً مولوی عبید اللہ سندھی کے خیالات جو سنے ہیں انہیں قلمبند کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ کتاب باریک حروف [illegible] (۳۸۴) صفحات پر ختم ہوئی ہے۔ ظاہر ہے کہ اتنی ضخیم کتاب میں کیا کچھ نہ ہوگا۔ لیکن پڑھ کر مولوی عبید اللہ صاحب سندھی کے جو خیالات میں اس سے دریافت کر سکتا ہوں انہیں ایک خاص ترتیب سے ذیل میں درج کرتا ہوں۔

اس کتاب میں مولوی عبید اللہ صاحب کی سوانح عمری بھی مختصراً مولف کتاب نے لکھی ہے اور اس کے بعد مختلف عنوانوں کے تحت ان ہی کی طرف منسوب کرکے انہوں نے مولوی صاحب کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔

سچ پوچھیے تو مجھے اس سے بحث نہیں کہ اپنے سیاسی سفر سے پہلے مولوی عبید اللہ صاحب کیا تھے۔ سکھ تھے۔ ڈیرہ غازی خاں کے ایک پٹواری کے یتیم بھانجے تھے۔ پھر مسلمان ہونے کی صورت کیسے پیش آئی؟ مسلمان ہونے کے بعد دار العلوم دیوبند میں داخل ہو کر انہوں نے کیا کیا پڑھا؟ فارغ ہونے کے بعد ان کی زندگی کن مشاغل میں گزری؟ ارادت و بیعت کا تعلق دیوبندی بزرگوں سے انہوں نے حاصل کیا یا سندھی پیروں کی صحبت میں رہے۔ ان کے پہلے پیر سندھی پیر حافظ محمد صدیق مرحوم خود کس عقیدہ اور عمل کے آدمی تھے۔ پھر ان کی [illegible] کی صحبت دیوبند آنے سے پہلے کس حد تک ان پر اثر انداز ہوئی۔ دیوبند سے واپسی کے بعد جس طریقہ کا "راشدی قادری طریقہ" نام انہوں نے رکھا ہے اس طریقہ کی خصوصیات کیا ہیں اور اس طریقہ کے بزرگوں نے ذکر و شغل کے طریقے جو انہیں بتائے تو اس خوف سے کہ

"اگر میں ان اشغال و اذکار میں لگ رہوں تو ابتدائی کام نہ کر سکوں گا۔ اس لیے ادھر سے توجہ کم کر دی اور درس قرآن میں زیادہ وقت دینے لگا" (صفحہ ۱۰، کتاب مذکور)

صوفیانہ اشغال و اذکار کو شروع کرنے کے بعد درمیان ہی میں چھوڑ دینے کے نتائج کیا ہوتے ہیں۔ اور اس قسم کی بیسیوں باتیں بحث طلب ہو سکتی ہیں، لیکن ان میں الجھنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح سرور صاحب نے ان کے متعلق جو یہ لکھا ہے کہ

"دیوبند میں مولانا کی مسلمانوں کی سماج سے واقفیت ہوئی اور جس طرح سکھ سماج کا دائرہ مولانا کے لیے تنگ ثابت ہوا، اسی طرح مسلمانوں کے خود ساختہ سماج سے بھی جسے وہ اسلام کا نام دیتے تھے، مولانا پر اپنے دروازے بند کر دیے" ص۳۲

اس فکر کا مطلب کیا تھا، اور فکر کن لوگوں کے مقابلہ میں تھی۔ حتیٰ کہ سرور صاحب کا جو بیان ہے کہ علماء دیوبند جنہیں انہوں نے "مشائخ دیوبند" کے نام سے موسوم کیا ہے ان "علما" یا "مشائخ دیوبند" نے مولوی عبید اللہ صاحب کو کافر کا لقب بھی دیا۔ (صفحہ ۲۲)

ان مشائخ اور علماء میں حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری، حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب مفتی دار العلوم، مولانا حبیب الرحمن عثمانی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی وغیرہم حضرات کے سوا اور کون کون سے حضرات تھے۔ کیونکہ یہ سارے واقعات خاکسار کے سامنے گزرے ہیں، جب دار العلوم دیوبند میں بحیثیت ایک طالب علم کے یہ فقیر شریک تھا۔ وہ مسئلہ کیا تھا اور بالآخر مولوی عبید اللہ صاحب کو یہ فیصلہ کرنا پڑا جیسا کہ ان ہی کے الفاظ میں سرور صاحب راوی ہیں کہ

"وہ (یعنی مولوی عبید اللہ صاحب) جان گئے کہ اسلام وہ نہیں ہے جس کے ٹھیکہ دار یہ لوگ ہیں" (صفحہ ۲۲)

"یہ لوگ" یعنی مولانا انور شاہ کشمیری، مفتی عزیز الرحمن صاحب، مولانا حبیب الرحمن اور مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہم حضرات جس اسلام کے ٹھیکہ دار ہیں۔ مولوی عبید اللہ پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ سرے سے وہ اسلام ہی نہیں ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے؟ اور یہ سلوک تو مولوی عبید اللہ مشائخ دیوبند سے ان کا صرف تعلیمی اور ظاہری علوم کے پڑھنے پڑھانے کا تعلق تھا لیکن ان کے الفاظ یہ کا بیان ہے کہ مولوی عبید اللہ

"دیوبند کی ظاہری رنگ روپ اور شکل و صورت کے تو وہ کبھی قائل نہ تھے" (صفحہ ۲۱)

(باقی آئندہ)

روایاتِ نزولِ مسیح

نمبر (۱۱)

(سلسلۂ صدق نمبر ۱)

از مولوی عبدالرحیم خان صاحب جیپوری فرنگی محلی

دو عبارت بھی اس امر پر شاہد ہے کہ مذکورہ امر عقائد میں سے نہیں،
یہاں کوئی سمجھدار ذی فہم شخص، ان توجیہوں کو عقائد میں شمار کر سکتا ہو
جبکہ بظاہر پہلی توجیہ سے قرآن کا نسخ خبر واحد سے لازم آتا ہے
اور دوسری توجیہ سے علت غیر منصوصہ کے نہ پائے جانے کی وجہ سے
حکم کا عدم لازم آتا ہے۔ اور یہ دونوں امر کم از کم اصول حنفیہ
کے لحاظ سے تو درست نہیں (بہر حال خیالی کی اس عبارت سے
بھی نزول مسیح یا حیات مسیح والے مسائل میں سے کسی کی قطعیت
ثابت نہیں ہوتی۔ حیات مسیح کا تو اس عبارت میں ذکر ہی نہیں اور
نزول مسیح کا ذکر ہے لیکن مسئلہ کی قطعیت پر کوئی لفظ بھی دلالت
نہیں کرتا) شارح عقائد نسفیہ اور خیالی کی ان عبارتوں کے
علاوہ شارحین و محشین کی اور عبارتیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔
جن میں ذکر شدہ مسئلہ کو عقائد میں سے نہیں شمار کیا جا سکتا۔
اسکے بعد علامہ مجیب نے حاشیہ عبدالحکیم سیالکوٹی بر خیالی
سے یہ عبارت تحریر فرمائی ہے "واما النقل الشارح بذکر عیسیٰ علیہ
السلام فلان حیاته ونزوله الارض واستقراره علیه قد ثبت باحادیث
صحیحة بحیث لم یبق فیه شبهة ولم یختلف فیه احد بخلاف الثلثة الباقیة"
اس عبارت میں جو کچھ تحریر ہے اس کی صحت اگر تسلیم بھی کر لی جائے
(حیات مسیح علیہ السلام کے لیے احادیث صحیحہ سے ایسا ثبوت کہ
جس میں شبہ نہ باقی رہے اور اسکا مخالف فیہ نہ ہونا یہ امور قابل
تسلیم نہیں) تب بھی اس سے مسئلہ حیات و نزول مسیح کی قطعیت
ثابت نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ حدیث مشہور و مستفیض (جو مفید قطعیت
نہیں) کے متعلق بھی بعض مرتبہ "لم یبق فیه شبهة" کا گمان ہو جاتا ہے
ثانی اور غور کے بعد "شبہ" تک رسائی ہوتی ہے (وغیرہ ملاحظہ طلب)
اور کسی شارح یا محشی کا اختلاف نہ کرنا یہ بھی کوئی قطعیت کی دلیل نہیں
علاوہ اسکے عبدالحکیم سیالکوٹی نے جس امر کا ذکر کیا ہے اس کا
تعلق علم حدیث اور اصول فقہ سے ہے اور یہ قول بھی بطور ادعا ہے
نہ بطور حکایۃ و نقل (سیالکوٹی نے اپنے بیان کے لیے کوئی حوالہ
نہیں دیا ہے) اور عبدالحکیم سیالکوٹی علم حدیث اور فقہ کے مستند
علماء میں سے نہیں۔ درس نظامی کی کتابیں محض پڑھ لینا (جنکے
مطالعہ نہ کرنے کا علامہ مجیب نے مجھ پر طنز فرمایا ہے) کافی نہیں
ہوتا۔ یک من علم را دہ من عقل باید مشہور مثل ہے۔
ایک بہت بڑے شیخ الاسلام کے متعلق "علمہ اکبر من عقلہ" کہا گیا ہے
ان ہم الا نحن ۔۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ
علامہ مجیب نے اپنے مضمون میں جو کچھ تحریر فرمایا تھا اس پر

تبصرہ ختم ہو گیا۔ اب آخر میں گزارش ہے کہ اس کہنے سے کہ فلاں مسئلہ
قطعیات میں سے ہے یا فلاں مسئلہ کے متعلق احادیث متواترہ ہیں، عام
لوگ کیا بلکہ خواص تک عام طریقہ سے یہی سمجھتے ہیں کہ اس مسئلہ کا
منکر کافر ہے اگرچہ وہ مدعی اسلام ہو (حالانکہ محققین کی تحقیق یہ
ہے کہ ہر وہ مسئلہ کہ جو قطعیات میں سے ہو کوئی ضروری نہیں ہے
کہ اسکے منکر کی تکفیر کی جائے جبکہ وہ "اولین" میں سے ہو اور
مسئلہ ضروریات دین میں سے نہ ہو) بنا بریں مبصر صاحب نے
جب حیات و نزول مسیح کو قطعیات میں سے شمار کیا اور خروج
مہدی کے متعلق احادیث متواترہ ہونے کا دعوےٰ کیا تو اس پر
احقر نے مبصر صاحب کی خدمت میں جو چند گزارشات پیش کیے (جنکے
جواب میں علامۂ مجیب محترمی مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے یہ
تحریر فرمایا جس پر میرا تبصرہ ناظرین کی خدمت میں پیش ہو رہا ہے) انکی
اصلی غرض یہی تھی کہ مبصر صاحب کی تحریر سے کوئی صاحب غلط فہمی
میں مبتلا نہ ہوں، اگر غلط فہمی باقی رہی اور معاملہ صاف نہ ہوا
تو آیندہ نسلیں اس چودھویں صدی کے علماء کی تحریروں کی
سند پکڑ کر ایک غلط امر کے ارتکاب میں مبتلا ہونگی، اور جس طرح
اس چودھویں صدی میں بعض اگلے علماء کے بعض
الفاظ سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک جماعت علماء مسائل
میں "تاویلین" کی تکفیر پر آمادہ ہے۔۔ اس سے بڑھ کر آیندہ یہ
ایک متفقہ فیصلہ سمجھا جاتا اگر ان معاملات پر پردہ پڑا رہتا۔ خدا
کا لاکھ لاکھ شکر کہ صدق نمبر ۲۳ جلد ۱۰ مورخہ ۱۲ مارچ ۶۰ء میں
ایڈیٹر صاحب صدق کا جو نوٹ صفحہ ۳ پر بعنوان "روایات نزول
مسیح" شایع ہوا اس سے یہ ظاہر ہو گیا کہ میری کوشش بار آور ہو گئی
اور ایک صاحب علم کے قلم سے کم از کم مسئلہ نزول مسیح کے متعلق
تو یہ تحریر شایع ہو گئی کہ اسکے منکر کی تکفیر نہ کی جائیگی۔
اگر مبصر صاحب یا علامہ مجیب بھی یہ ظاہر فرما دیں کہ ان ہر سہ
مسائل میں سے کسی سے اگر کوئی مدعی اسلام کسی تاویل کی بنا پر انکار
کرے تو اسکی تکفیر نہ کی جائیگی اور یہ کہ نزول مسیح اور خروج مہدی کے
منکر کی تضلیل و تفسیق کے بابت "ضلالۃ دون ضلالۃ" کا لحاظ
کیا جائیگا (یہ امام بخاری کے "کفر دون کفر" کی طرح ایک نئی
اصطلاح ہے) کہ منکر خروج مہدی کو مبتدعین اور فرقۂ ضالہ
میں سے نہ شمار کیا جائیگا اور حیات مسیح کا منکر کسی تفسیق و تضلیل
کا بھی مستحق نہیں کہ یہ کوئی تقلیدی مسئلہ نہیں کہ جس میں علماء
کے مسالک کی تقلید ضروری ہو) تو یہ بحث کم از کم میری طرف
سے ختم ہو جائیگی، کہ پھر نزاع محض لفظی اور اصطلاحی رہ جائیگی
جس کے لیے ضرورت نہیں کہ اخبار و رسائل کے صفحات واسکے
ساتھ ساتھ اُن "صاحب علم" کی خدمت میں بھی گزارش ہے کہ
ان ہر سہ مسائل میں سے صرف نزول مسیح کے متعلق تو آپ نے
اپنے اظہار ۔۔۔ یعنی ہر دو مسائل کے متعلق سکوت سے اس احقر نے

"اور اسلوب کی معرض البیان بیان" کے لحاظ سے یہ خیال قائم کیا ہے کہ
جناب والا بقیہ دو مسائل کے بارے میں میرے ہمنوا ہیں یعنی
آپ بھی مسئلہ حیات مسیح کو قطعیات میں سے نہیں سمجھتے اور آپ کے
نزدیک بھی خروج مہدی کے لیے کوئی صحیح متواتر حدیث موجود
نہیں۔ چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ (اور یہ کہ یہ مسئلہ بھی قطعیات
میں سے نہیں ہے) اگر میرا یہ خیال صحیح ہے تو بہت مناسب ہے
کہ اسے بھی صراحت آپ تحریر فرما دیں یا کم سے کم اس امر کی صراحت
فرما دیں کہ محض ان دونوں مسئلوں میں سے کسی کے منکر کی ابھی تکفیر
نہیں کی جا سکتی۔ اسی کے ساتھ یہ بھی درخواست ہے کہ "نزول
مسیح کے بارے میں تواتر معنوی ہے" اس پر نظر ثانی بھی فرما لیں۔ کیا
عجب ہے کہ نظر ثانی کے بعد "نزول مسیح کے بارے میں تواتر معنوی"
کے بجائے "وجود مسیح کے بارے میں تواتر معنوی" ہونے کے آپ
قائل ہو جائیں۔ اس طرح ہمارے اور آپ کے مابین اختلاف لفظی
و اصطلاحی کی خلیج اور بھی کم ہو جائیگی۔ کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ
ابن مہدی کے قبل بجز چند غیر معروف علماء کے جنکا پایہ استناد ذرا
معرض بحث میں آ سکتا ہے کسی معتبر اور مستند عالم کی زبان و قلم
پر نزول مسیح کے متعلق تواتر معنوی کا لفظ نہ ہو۔ حالانکہ بیسیوں
علماء نے اس مسئلہ کا ذکر کیا ہو اور عام طور سے اسے احاد ...
کی جانب نسبت دی ہو اور ہم آج اس چودھویں صدی میں تواتر
معنوی کی جانب اس مسئلہ کو منسوب کریں۔ علامہ تفتازانی کی
شرح مقاصد کی عبارت جو صدق (ب) میں اوپر مذکور ہوئی۔ کیا
لائق توجہ نہیں جبکہ مسئلہ امامت مہدی و عیسیٰ علیہ السلام کے
بارے میں انکی رائے پر جرح کی گئی ہے۔ لیکن اس معاملہ میں انپر
کسی کی جرح کم از کم میری نظر سے نہیں گزری۔ اور اگر نئے سرے سے
اجتہاد و تحقیق ہی کا معاملہ ہے تو احادیث کا ذخیرہ سامنے ہے انپر
نظر ثانی کر دیکھا جائے کہ نزول مسیح کے بارے میں (نہ وجود
مسیح آخر الزمان کے بارے میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
ایسے ہی کثرت سے روایات مختلف ارشادات ہیں کہ انکی بنا پر تواتر
معنوی کا خیال قائم کیا جا سکے۔ مجھے امید ہے کہ میری یہ گزارش
رائیگاں نہ جائیگی۔ اور اگر نظر ثانی کے بعد رائے عالی میں کوئی ترمیم
ہو تو اس سے صدق کے صفحات محروم نہ رکھے جائیں گے۔ ورنہ
کم از کم میری طرف سے تو اپنے لیے اس بحث کو ختم ہی سمجھیں۔ یہ نزاع
محض لفظی و اصطلاحی رہ جائیگی۔ جسکے لیے جیسا کہ اوپر میں
نے عرض کیا ہے اخبار و رسائل موزوں نہیں۔ آپ کی مذکورہ تحریر پر
جو کچھ مولانا ظفر احمد صاحب نے تحریر فرمایا ہے (جو صدق مورخہ ... بابت ...
میں شائع ہو چکا ہے) اسے ملاحظہ فرما کر غالباً آپ نے اندازہ کر لیا
ہوگا کہ جب نوبت یہاں تک پہونچ جائے کہ مسئلہ کی قطعیت تو ایک طرف
تہ بھی علامہ ... کی تحقیق اور انکے اجتہاد کے خلاف ہے ...
ضروریات دین میں سے نہیں ہے تو کس طرح خاموش رہا جا سکتا ہے

کیا اب ضروریات دین کی نئی فہرست بنائی جانے والی ہے؟
اللہم انا نعوذ بک من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا
و نشکو الیک ... وصلی اللہ علی سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آل سیدنا
و مولانا محمد و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

امارت و افلاس

(اسلام کا نظریۂ توافق)

یہ تو ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ اس دنیا میں اگر ایک طرف
دولت و امارت کی دھوم ہے تو دوسری طرف غربت و افلاس
کی پکار۔ ہزاروں سال سے دنیا اسی تضاد و تنقص کی وادیوں
میں سرگرداں ہے۔ روس کی اشتراکیت بھی اسکا کوئی حل پیش
کر سکتی ہے ... آگے چل کر خود
بھی سرگرداں ہو جاتی ہے۔ اسکو دیکھا جائے تو صرف اسلام ہی ایک
مذہب کا یہ ادعا ہے کہ دنیا کے اس متناقض نظام کی پیچیدگیاں
کو سلجھانے میں اسکی روشنی ہی میں کامیابی کا راستہ نظر آ سکتا ہے
اسلام نے امارت اور غربت میں توافق پیدا کرنے کی کامیاب
کوشش کی۔ اس نے معاشرت کے ایسے دلپذیر آئین وضع کیے
کہ انکی پابندی سے ہر شخص حق کا شکوہ حاصل کر سکتا ہے۔

سود کی وجہ سے نظام معاشرت میں جو فساد پیدا ہوتا ہے
اسکے سدباب کے لیے اسلام نے بہت سخت نقطہ نظر قائم کیا۔
اسلام نے ہر قسم کے سودی کاروبار کو خود خدا سے جنگ کے
مصداق قرار دیا ہے۔ بعد میں اسلامی قوانین کے ردعمل کے طور
پر مغربی مہاجنوں کے جنون امارت نے دنیا میں اپنی برتری منوالی
دنیا اب اس جنون کے رد عمل کے چنگل میں گرفتار ہے۔

معاشی قوانین اسلام کے رد عمل سے پہلے خود اسلام کو
ایک بہت شدید فلسفیانہ رد عمل سے دوچار ہونا پڑا تھا۔
اسوقت یہ ہوا کہ مسلمان فلسفہ کے مکاتب میں شراب ... کر
زانوے ادب تہ کرتے اور ان علوم میں پوری مہارت اور
دسترس پیدا کرتے تھے۔ جنکے متعلق یہ خیال تھا کہ ان سے
اسلام کی بنیادیں کمزور ہو جاتی ہیں۔ لیکن کچھ زیادہ عرصہ نہیں
گزرا کہ خود فلسفہ نے علوم کی تائید و ... مسلمان مفکرین نے
تو فلسفہ کی بنیاد متزلزل کر دی۔ امام رازی اور امام غزالی
نے فلسفہ کے خیالات کے تاروپود کو بکھیر دیا۔ اور اس زمانہ
میں بالآخر یورپ کو بھی اس کو تسلیم کرنا پڑا کہ فلسفہ کے بڑھتے ہوئے
سیلاب کو روکنے میں امام غزالی کی شخصیت سد سکندری ثابت ہوئی
لوگ منتظر تھے کہ اس معاشی افراط و تفریط کے دور ...

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے

سہ روزہ

صدق

(جنوری ۱۹۴۱ء)

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبد الروف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد و پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی " "
بیرون ہند سے سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ... آنہ
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۱۲ | سہ شنبہ - ۸ - رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

یادِ ایام

نمبر (۹)

(از عبد الماجد)

ابھی کل کی بات ہے، ہمارے درمیان ایک زندہ بزرگ تھے، مولانا حمید الدین، اعظم گڑھ کے ضلع میں ایک چھوٹی سی بستی ہے، پھریہا - وہاں کے رہنے والے۔ عربی تلفظ میں اسی نسبت سے اپنے کو فراہی کہلاتے۔ عربی زبان و ادب اور اسلامی علوم کے زبردست فاضل - مولانا شبلی نعمانی کے عزیز قریب، عجب دلاویز و موثر شخصیت تھی - ایسے مومن تام ایسے زندہ مسلمان کمتر دیکھنے میں آتے ہیں - قرآن مجید پر بڑی غائر نظر رکھتے تھے، عربی پر قدرت اہل زبان کی سی رکھتے تھے - متعدد سورتوں کی تفسیر عربی میں لکھ گئے ہیں - لیکن یہاں ذکر انکی تصانیف کا نہیں، محض شخصیت کا ہو رہا ہے ---- اللہ والوں کی تعریف میں یہ کہا گیا ہے کہ انکے پاس بیٹھ کر اللہ یاد آتا ہے۔ مولانا اس معیار پر پورے اہل اللہ تھے - حیدر آباد میں مدتوں رہے، اچھے بڑے مشاہرے پر دار العلوم کے صدر (پرنسپل) تھے۔ تعلقات قدرۃً اعلیٰ حلقوں سے رہے۔ اپنی قناعت و سادگی، دیانت و بے لوثی، بے غرضی و صداقت، کسی چیز میں فرق نہ آنے دیا۔ اور سکون خاطر کی تو گویا تصویر تھے۔ نفس مطمئنہ کا لفظ کتابوں میں بارہا نظر سے گزرتا رہتا تھا - انھیں دیکھ کر دل گواہی دیتا کہ نفس مطمئنہ یہی ہے۔ قناعت کے تو گویا عاشق تھے۔ وقت کی آمد کے انتظار میں جیسے گھڑی لیے بیٹھے ہوئے ہیں (اور یہی بات اکبر الہ آبادی مرحوم میں بھی تھی) معاش کی طرف سے ایسے مطمئن کہ جیسے یہ چیز کوئی فکر کرنے کے قابل ہی نہیں (قناعت و توکل، اعتماد علی اللہ کی یہ مثال حسرت موہانی کے اس بعد دیکھنے میں آئی) پنشن کی رقم بہت قلیل منظور ہوئی کوئی دوسرا ہوتا تو کوشش اور پیروی کرکے بڑھوا لیتا۔ یہاں دماغ میں یہ خیال ہی نہ تھا - اُسی پر صبر کے ساتھ نہیں، شکر کے ساتھ ہنسی خوشی گزر بسر کرکے دکھا دی۔ غیبت لغو گوئی، فضول کلامی، ہزل کا مجلس میں گزر نہ تھا - کام ہی کی بات کہتے، کام ہی کی بات سوچتے - ذکر، فکر، سب قرآن و آیات قرآنی سے متعلق رہتا -

ذکر جمالش، فکر و کمالش ۔ دیگر ہیچ نہ کارے دارم

سادہ کھاتے سادہ پہنتے، دنیا سے بہ قدر ضرورت لیتے ---- کھانا کھا رہے ہیں، دسترخوان پر صرف دال اور روٹی ہے۔ دال میں نمک کم ہے۔ بلا کسی ناخوشی کے اوپر سے نمک ملا لیا - اور چہرہ تک سے ناگواری ظاہر ہونے دی - دوسرے دن پھر وہی کھانا - آج نمک بہت زیادہ ہو گیا ہے، اُسی اندازسے اُٹھے، اور آج پانی ملا کر پھر اس ناخوشگوار کو خوشگوار بنا لیا۔ کھانے میں شریک طالبعلم کچھ جھنجھلانے لگے، منہ سب نے بنایا - فرمایا، بھائی بات کچھ نہیں، ایک چٹنی تیار رکھو، بغیر پیسہ کوڑی کے خرچ کے تیار ہو جاتی ہے، جس کھانے میں ملا لوگے، مزہ دار ہو جائے گا، چٹنی کا نام ہے قناعت!

حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ

جناب صفدر صاحب

(خورجہ) لکھے سوالات:

(۱) کیا شاہ مصر نے حضرت سارہ سے بدکاری کا قصد کیا تھا؟
(۲) حضرت ہاجرہ علیہا السلام شاہ مصر کی لڑکی تھیں یا لونڈی؟
براہ نوازش ان روایتوں کی حقیقت سے متعلق آپ اپنی تحقیقات سے مشرف فرمائیں۔

(۱) پہلے سوال کے جواب میں عرض ہے کہ تاریخ سے تو ایسا نہ معلوم ہوتا ہے۔ مصری اُس زمانہ کے اپنی بد چلنی میں مشہور تھے۔ اور حضرت ابراہیم کو ضرورت اسی ملک میں جانے کی پیش آگئی تھی۔ توریت میں ہے۔

"جب مصر نزدیک پہونچا تو اُس نے اپنی جورو سرہ کو کہا کہ دیکھ میں جانتا ہوں کہ تو دیکھنے میں خوبصورت عورت ہے اور یوں ہوگا کہ مصری تجھے دیکھ کے کہینگے کہ یہ اسکی جورو ہے۔ سو مجھ کو مار ڈالینگے اور تجھے جیتا رکھینگے تو کہیو کہ میں اسکی بہن ہوں تاکہ تیرے سبب سے میری خیر ہو اور میری جان تیرے سبب سے سلامت رہے۔

جب ابرام مصر میں آ پہونچا مصریوں نے اس عورت کو دیکھا کہ وہ نہایت خوبصورت ہے۔ اور فرعون کے امیروں نے بھی اُسے دیکھا اور فرعون کے حضور میں اُسکی تعریف کی اور اُس عورت کو فرعون کے گھر میں لے گئے۔ اور اُس نے اسکے سبب ابرام پر احسان کیا۔۔۔ پر خداوند نے فرعون اور اُسکے خاندان کو ابرام اور اُس کی جورو کے سبب بڑی مار ماری۔ تب فرعون نے ابرام کو بلا کر کہا اُسے کہا کہ تو نے یہ مجھ سے کیا کیا، کیوں نہ جتایا کہ یہ میری جورو ہے، تو نے کیوں کہا کہ وہ میری بہن ہے یہاں تک کہ میں نے اُسے اپنی جورو بنانے کو لیا۔ دیکھ یہ تیری جورو حاضر ہے اسکو لے اور چلا جا" (پیدایش ۱۲: ۱۰ - ۲۰)

دوسرے یہودی نوشتوں میں اس اجمال کی تفصیل آئی ہے۔ ہمارے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں نقش واقعہ زیادہ تفصیل کے ساتھ مروی ہے، لیکن ملک مصر اور فرعون مصر کی تصریح کسی روایت میں نہیں۔ اور چونکہ توریت میں بعینہ یہی ایک واقعہ دو مختلف موقعوں کے لیے بیان ہوا ہے، اس لیے احادیث سے یہ صاف نہیں کھلتا کہ اُن میں تذکرہ کس کا ہے، آیا شاہ مصر کا یا دوسرے بادشاہ کا، جسکا نام توریت میں ابی ملک آیا ہے۔

(۲) حضرت ہاجرہ کے متعلق توریت میں تو لونڈی ہی کا لفظ آیا ہے، لیکن یہودی ہی کے دوسرے مقدس نوشتوں میں تصریح ملتی ہے کہ آپ شاہ مصر کی صاحبزادی تھیں۔ چنانچہ ہدراش میں ہے کہ فرعون مصر نے جب حضرت سارہ کے معجزات مشاہدہ کر لیے، تو اپنی صاحبزادی کو اُنکی خدمت میں ہدیۃً پیش کر دیا کہ اپنے گھر میں ملکہ رہنے سے سارہ کے ہاں باندی بنکر رہنا بہتر ہے۔" (جیوش انسائیکلو پیڈیا جلد ۶ صفحہ ۱۳۸) اور ہمارے ہاں کی تاریخوں اور نیز ہماری روایتوں میں تو آپ کی عالی نسبی مسلّم ہی ہے۔

"ترقی" کی رَو

"نیویارک۔ ایک تار مورخہ ۲۰۔ جنوری سے معلوم ہوا کہ نیویارک کے ٹاؤن ہال میں ایک عرب مطربہ اوراکا کارلن صاحبہ نے مشرق قریب والا لباس پہن کر اور اسٹیج پر رقص کے ساتھ جب گوکے عربوں کے راگ راگنی سنائے۔ تیس عرب سازندے بھی اُنکے پیچھے بیٹھے ہوئے قانون اور ڈرم کی ہوا کر انکی سنگت کر رہے تھے۔ نیویارک کے پریس نے بڑا ہمدردانہ تبصرہ کیا ہے" (اسلامک کلچر، حیدرآباد، اپریل ۱۹۴۰ء صفحہ ۲۵۰)

مبارک ہو ممالک عرب کو، کہ اب اُنکے دن پھرنے کا زمانہ آگیا! عرب خاتون آج مجرے کے لیے باہر نکل آئی! اور اپنے کمالات فن کے مظاہرے کے لیے ایک پورا طائفہ سازندوں کا لیے ہوئے "نئی دنیا" میں جا پہونچی! اور وہاں کے سپیروں کی داد و تحسین حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی! اس سے زیادہ اور اسکے بعد کیا چاہیے کیا! سچ کہا تھا اُس سچے نے، جو ہمیشہ سچ ہی کہتا تھا، کہ عورتیں اپنا قیامت کے قبل ایک بار پھر ناچ اور شراب لیگی! لا تقوم الساعۃ حتی تضطرب الیات نساء دوس حول ذی الخلصۃ۔

جامعہ عثمانیہ کے بعض مقالات

جامعہ عثمانیہ کے طلبہ فضلاء و علماء، اپنے علمی و ادبی کارناموں کے، دین و مذہب کی بھی جو خدمات مسلسل بجا لا رہے ہیں، اُنھیں دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔ حیرت اس لیے کہ اصلاً یہ کوئی دینی درسگاہ نہیں، دوسری یونیورسٹیوں کی طرح محض دنیوی علوم کا ایک ادارہ ہے۔ دینیات کا شعبہ تو محض ایک فرعی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلامک کلچر کے تازہ پرچے سے معلوم ہوا کہ اس سال ماسٹر کی ڈگری کے لیے جو مقالے پیش ہوئے ہیں اُن میں متعدد اسلامی عنوانات پر ہیں۔ چنانچہ ماسٹر آف لاز (ایل ایل ام) کی ڈگری کے لیے ایک مقالہ کا عنوان ہے "منصب خلافت اور پاپائیت کا تقابل" عربی کے ایم اے کے لیے ایک مقالہ کا عنوان ہے "حسان بن ثابت اور اُنکی شاعری" اور تاریخ کے ایم اے کے ایک مقالہ کا عنوان ہے "مولانا محمد علی کی فکر سیاسی"۔ یہ آخری مقالہ ایک غیر مسلم نے لیا ہے۔ محمد علیؒ کی سیاسی فکر ظاہر ہے کہ اسلام کے سوا اور کیا تھی۔

جدت میں کہنگی!

"آج (۸ رمئی) کو لندن میں تو ہر طرف جو فتح کے جشن نظر آ رہے ہیں، اس سارے جوش مسرت میں ایک خاص بات یہ ہے کہ سڑکوں پر نوجوان عورتوں کی جو ٹولیاں گاتی ہوئی نکل رہی ہیں، اُن میں صرف عورتیں ہی عورتیں ہیں، مرد کوئی نہیں۔ ان میں بہت سی تو وہ ہیں، جو جنگ کے کسی محکمہ میں کام

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۹)

(س علامت سوال کی ہے، اور ج علامت جواب کی)

س۔ (نامہ نگار) تقریباً ڈیڑھ سال سے دنیوی مصروفیتیں اس طرح کی نازل ہو رہی ہیں کہ بہت سے ضروری مشاغل ترک ہو گئے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس اور رنج اس کا ہے کہ حفظ قرآن کے کام میں غیر حاضریاں بہت زیادہ ہونے لگی ہیں۔ خدا کے فضل سے کلام کا انقطاع یا ارادہ کی تنسیخ ہرگز نہیں ہوئی پھر بھی اتنے ناغے سخت بار ہو رہے ہیں۔ اپنی اس غیر ذمہ دارانہ روش پر جب نگاہ پڑتی ہے تو شرمسار ہو جاتا ہوں اور اپنے آپ پر غصہ کر کے ارادہ کر لیتا ہوں کہ آئندہ ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ لیکن دو چار روز بعد پھر وہی ناغہ مسلسل کئی کئی دن تک ہونے لگتا ہے۔

ج۔ بات بے شک بہت افسوسناک ہے۔ انسان کا نفس بڑا حیلہ باز واقع ہوا ہے۔ اپنی ہر خطا کے لیے کوئی نہ کوئی خوشنما تاویل کر ہی لیتا ہے، اور انسان کو نیکی کی راہ سے برابر روکتا رہتا ہے۔ معذوریاں اور موانع اگر واقعی اور حقیقی ہیں، جب تو فرائض تک معاف ہو جاتے ہیں، لیکن اگر محض تسویل نفس اور تساہل کا نتیجہ ہیں، تو حیرت انگیز بھی ہیں اور افسوسناک بھی۔ حفظ قرآن بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ اور اس سے محروم ہو جانا ایسا ہی ہے جیسے گھر میں کوئی بڑی چوری ہو جانا یا کاروبار میں ہزارہا کی رقم کا یکایک اُٹھ جانا۔ اور پھر جب اُسکی نذر مان لی گئی ہو، تو نذر کا پورا کرنا تو واجب ہے۔ اسکے استحضار کے بعد ہر فطرت سلیم والے کا ذہن ضرور از سر نو مستعدی پر آمادہ ہو جائیگا۔

س۔ مقصود اس طویل سمع خراشی سے یہ ہے کہ آپ میرے حق میں دعا فرمائیں کہ خدا مجھے اس ارادہ کی تکمیل تک پہونچنے کی توفیق دے۔

ج۔ دعا تعمیل ارشاد میں کر دی گئی۔ لیکن دعا ایسے مقاصد کے لیے جو تمامتر اپنی محنت اور اپنی سعی کے ماتحت ہیں اچھے اچھے مقبولین کی زبان سے بھی کافی نہیں، بلکہ اس قسم کے سہارے اعتماد کرنا تو نفس کے ہاتھ میں اپنی بدعملی کے لیے ایک اور بہانہ دے دینا ہے۔ نفس کو ایسے موقع پر سزا دینا ضروری ہے۔ مثلاً ہر ناغہ پر ایک وقت یا دو وقت کا فاقہ۔ یا نقد جرمانہ کی کوئی بڑی رقم۔ یا زیادہ تعداد میں نماز نفل کی رکعتیں۔ — مرشد یا مؤدب کی ضرورت حقیقتاً ایسے ہی موقعوں کے لیے ہے۔

س (نامہ نگار) ایک دوست کو خط لکھتے وقت قلم سے بے ساختہ یہ نکل گیا کہ یہاں قیامت کی گرمی پڑ رہی ہے۔ بعد کو دل نے یہ ٹوکا کہ دنیا کی معمولی گرمی کو قیامت سے تشبیہ دینا تو بڑی ہی بے ادبی ہوئی کہ جس دن کی ہولناکیاں قرآن مجید میں اتنا زیادہ بیان کیا گیا ہے، اُسے اپنی روزانہ تکلیف پر قیاس کیا جائے۔ میں نے اپنے ان دوست کو یہ سب لکھ بھیجا اور یہ بھی عرض کر دیا کہ یہ محض ملا والی باتیں ہیں، عوام کے لیے ممنوعات اور مستحبات کی شاہراہ موجود ہے۔ لیکن خواص کی گرفت ان ایسی چھوٹی باتوں پر بھی نہ چھوڑیے کہ کیا تم نے قیامت کو ایسا ہلکا سمجھ لیا تھا۔ اُن دوست نے جواب میں لکھا کہ یہ موشگافی صحیح نہیں۔ تشبیہ اور تضحیک میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یہ محض تشبیہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ اسے مبالغہ کہا جائے۔ لیکن تضحیک یا سوء ادب کا تو کوئی پہلو اس میں نہ تھا۔

میں یہ کہتا ہوں کہ اسے تو میں دلیل قرار نہیں دیتا، لیکن کسی صاحب دل اہل اللہ کے شایان شان تو نہیں معلوم ہوتا کہ قیامت جیسی زبردست ہیبتناک شے کو اتنا معمولی سمجھ لیں۔ اب یہ جاننا چاہتا ہوں کہ میری گزارش کس حد تک صحیح ہے؟ یا محض میری دماغی کمزوری یا اختلال کا باعث ہے۔

ج۔ ہر زبان میں کثرت سے لفظیں اور عبارتیں ایسی ہوتی ہیں، جو علاوہ اپنے حقیقی اور اولین معنی کے ایک ثانوی اور مجازی مفہوم بھی رکھتی ہیں۔ اور یہ مفہوم بھی خوب متعارف اور چلا ہوا ہوتا ہے۔ اور لفظ و عبارت کو اس دوسرے مفہوم میں بھی استعمال کرنا اسی طرح جائز ہوتا ہے جس طرح پہلے مفہوم میں۔

قرآن مجید تک نے ہر مناسب موقع پر مجاز کا استعمال اسی طرح بے دغدغہ کیا ہے جس طرح الفاظ کا اُنکے لفظی مفہوم میں۔ مثلاً سبعین کو بجائے ستر کے متعین عدد کے محض کثرت کے معنی میں یا الخیط الابیض کو بجائے سفید دھاگے کے سپیدۂ صبح کے معنی میں۔ وقس علی ہذا۔ اور یہ عین اقتضائے بلاغت ہے۔

تو قیامت کے بھی دو مستقل معنی اسی طرح اردو میں چلے ہوئے ہیں۔ ایک تو شرعی اصطلاح کے لحاظ سے۔ دوسرے معنے قیامت کے، محض شدت کے ہیں۔ "قیامت کی گرمی" کے کھلے ہوئے معنی "شدت کی گرمی" کے ہیں۔ ہر شخص یہی مراد سمجھے گا۔ یوم قیامت کی طرف کسی کا ذہن بھی نہ جائیگا۔ اور نہ کوئی اس سیاق میں قیامت کا ترجمہ انگریزی میں DAY OF JUDJMENT / RESURRECTION وغیرہ سے کریگا۔ بولنے والے کی نیت بھی یوم قیامت سے تشبیہ دینے کی نہیں ہوتی اور وہ محض وہ لفظ دہرا رہا ہوتا ہے جسے اُس نے "شدت" کے مفہوم کے لیے بچپن سے سنا ہے۔ اس لیے سوء ادب وغیرہ کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

البتہ محبت کے نقطۂ نظر سے جو بات اہل دل کے لیے کہی گئی ہے اُسکے اندر بڑی گنجائش ہے۔ عاشق تو بیسیوں کھلی ہوئی چیزیں اپنے حق میں ناجائز کر لیتا ہے۔ ادنیٰ ادنیٰ شک اور وہم اور دور کے احتمالات کو اہمیت دینے لگتا ہے اور بار بار خود و پیشتر سے جو گمان

پوچھا گیا ہے ـ

اما یہ ترا نمی پسندم عشق ست و ہزار بدگمانی

یہ مقام ہی دوسرا ہے اور اسکا کاروبار ہی نرالا۔ پھر اس میں بھی اپنا اپنا ظرف ہے اور اپنا اپنا حوصلہ۔ ایک کی سند دوسرے کے لیے کام نہیں آتی، اور ایک کی نظیر دوسرے کے لیے سند نہیں بن سکتی۔ عمر فاروقؓ سے بڑھکر صاحب مقام اور صاحب رسوخ و تمکین اور کون ہوگا، مگر وہ تک وفات رسولؐ کے اہم ترین حادثہ کے وقت غلبۂ حال سے مضطر ہوکر پکار اٹھے کہ جو کوئی یہ خبر زبان سے نکالیگا اُس کی گردن اُڑا دونگا۔ اُپ یہ بسطامی سے متعلق مشہور ہے کہ عمر بھر اُنھوں نے خربوزہ اس خیال سے کھایا ہی نہیں کہ معلوم نہیں رسول خدا صلعم نے اسے کس طرح تناول فرمایا ہے! ــــــ تو ایسوں کو کسی سے استفتاء کی حاجت نہیں، انکا قلب خود انکا مفتی ہے۔ ان معصیت کے حدود میں داخل ہونے کی اجازت کسی کو بھی نہیں۔

س ۔ کثر اپنے خیالات کی دنیا میں کھویا ہوا سا رہتا ہوں، خدا معلوم یہ دماغ بھی صحیح ہے یا نہیں۔ مجھے انگریزی پڑھنے کا بہت شوق تھا۔ لیکن اب اسکا مطالعہ ترک کردیا ہے۔ حضرت مولانا تھانویؒ کی تصانیف کا مطالعہ روزانہ پابندی کے ساتھ کیا کرتا ہوں۔

ج ۔ مولاناؒ کے مواعظ و تصانیف کی برکت و افادیت کا کیا کہنا۔ لیکن انگریزی پڑھنے میں بھی کوئی مضائقہ نہیں، بشرطیکہ مقصد صحیح کے ساتھ ہو۔ اور خدمت دین کی نیت سے اگر کافروں کی زبانیں اور علوم سیکھے جائیں (بجز اُن چند علوم کے جو سراسر حرام ہیں) تو یہ تو بجائے خود ایک عبادت ہے۔

تذکرۂ حبیبی اُردو

(مولانا و مرشدی و مولائی اعلیحضرت حافظ محمد علی حیدر شاہ صاحب قلندر مدظلہٗ)

پہلی جلد میں تصوف کی اہمیت، خیال و یقین، شریعت و طریقت کا باہمی سمبندھ اور صوفیاء کرام کے تقریباً تمام مروجہ سلسلوں کا تفصیلی ذکر ہے، اور دوسری جلد میں ایک ایسے زندہ نادر پیر طریقت جامع شریعت کے سوانح حیات جو ذات و صفات کے انسانی مظہر ہونے کے ساتھ ساتھ کچھ اور بھی تھے یعنی ـــہ دل درد آشنا را آشنائے۔ اہل دل اور صاحبان نظر کے لیے تذکرۂ حبیبی کا مطالعہ کونین کی عظمتیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ صرف چند جلدیں اور محفوظ ہیں، دونوں جلدوں کی مجموعی قیمت صرف چھ روپیہ علاوہ محصولڈاک۔ کاغذ ولایتی، طباعت و کتابت شایان شان۔

ملنے کا پتہ

مہتمم کتب خانہ انوریہ تکیہ شریفہ کاظمیہ کاکوری (ضلع لکھنؤ)

(بقیہ صفحہ ۵)

لیکن اچھا ہے کہ "آیا نزول مسیح" کے ان کارناموں" کی یاد دہانی کے ساتھ مظلوموں کے دل میں کبھی کبھی تازہ ہوتی رہے۔ یزید اور حجاج کے دور سے لیکر اس بیسویں صدی عیسوی تک کس سے خلافت جیسے اہم اور مرکزی دینی ادارہ پر ہاتھ ڈالنے کی جرأت کی تھی؟

تصحیح مضمون: آیا نزول مسیح

صدق ۳ جلد ۱۱ صفحہ ۶ سطر ۵ کے شروع میں الفاظ "کے فرض اور واجب" کے بجائے "ہے (لفظاً فرض اور واجب"

صدق ۳ جلد ۱۱ صفحہ ۶ سطر ۳۰ میں عربی عبارت صحیح یوں ہے "ائمۃ ذوو روایۃ و درایۃ"

صدق ۵ جلد ۱۱ صفحہ ۴ کالم ۲ کی سطر ۲۶ میں "پیش کردہ ..... اس لیے" کے بجائے صحیح عبارت یوں پڑھیے:- "پیش کردہ عبارتوں میں سے کسی عبارت میں اس مسئلہ کے متعلق کسی ایک ہی حدیث صحیح متواتر کا بیان نہیں ہوا ہے، چہ جائیکہ احادیث صحیحہ متواترہ کا بیان، اس لیے"۔

صفحہ ۵ کالم ۱ سطر ۳۷ میں الفاظ "کسی عبارت سے نہ یہ ثابت ہوتا ہے" ان الفاظ کا اضافہ کیا جائے "نہ کہ نزول مسیح کے بارہ میں کوئی حدیث متواتر ہے (احادیث صحاح کے وجود کا انکار نہیں) اور نہ یہ ثابت ہوتا ہے"

صفحہ ۵ کالم ۲ سطر ۳ میں "اس لیے سوال" کے بعد لفظ "کا" بڑھایا جائے۔

اسی صفحہ کی سطر ۷ میں "اور اس امر کے متعلق کہ خروج مہدی" کے بجائے "خروج مہدی"

سطر ۲۸ میں "نیا نظریہ" سے پہلے "کوئی" کا اضافہ۔

براہ کرم

خط و کتابت وغیرہ میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایا کریں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

فکر سندھی پر تبصرہ

نمبر (۲)

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

(مسلسلہ صدق ملاحظہ)

حالانکہ ان کا کوئی تعلق مشائخ دیوبند سے تھا ہی نہیں لیکن فرماتے ہیں کہ "دیوبندی روح" کوئی چیز تھی لکھا ہے کہ وہ اسی روح کے لینے والے تھے یہ روح کیا تھی، اسکی شرح یوں کی گئی ہے "جو شاہ ولی اللہ سے مشائخ دیوبند نے حاصل کی اور مولانا محمد قاسم بانی مدرسہ اسکے مبلغ تھے اور مولانا محمود حسن نے ظواہر و رسوم کے تمام پردے ہٹاکر اپنے عزیز شاگرد کو اسی "روح" کا جلوہ دکھایا تھا" (صلے)

چونکہ تبصرہ سے طول طویل مباحث ہیں اور اسکا ثابت کرنا کہ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری حضرت عزیز الرحمن، مولانا حبیب الرحمن، مولانا شبیر احمد صاحب وغیرہم حضرات جس اسلام کے ٹھیکیدار ہیں۔ مولانا محمود الحسن کا اسلام ان بزرگوں کے اسلام سے مختلف تھا۔ مولوی عبید اللہ کے پاس اس کے کیا دلائل ہیں۔ اگر ان سوالوں میں ہم پڑگئے تو جو چیز میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس سے دور ہو جاؤں گا۔ اس لیے اسی اجمالی تذکرہ پر اس مضمون کو ختم کرکے جیسا کہ میں نے شروع میں عرض کیا تھا "سیاسی سفر" سے واپسی کے بعد جن خیالات کی تبلیغ و اشاعت انھوں نے کی وہ کیا تھے۔ اسکو اسی کتاب سے اخذ کرکے بیان کرنا چاہتا ہوں۔

جیسا کہ انکے راوی کا بیان ہے کہ اس سفر پر عبید اللہ صاحب خود اپنے دل کی لگن اور ارادہ سے نہیں گئے تھے بلکہ سرور صاحب لکھتے ہیں کہ "سنا ہے کہ مولانا (عبید اللہ) کابل جانے کے لیے آمادہ نہ تھے۔ صفحہ (۲۰)

بہر حال آپ خود گئے "یا لے برند کش" کی صورت پیش آئی ہو، یا کچھ اور ہوا ہو۔ اب آگے خود مولوی عبید اللہ صاحب کے الفاظ سرور صاحب نقل کرتے ہیں یعنی لکھتے ہیں "مولانا خود فرماتے ہیں کہ میں وطن سے نکلا اور افغانستان پہونچا

یہاں پہونچنے کے بعد ان پر پہلا اثر جو مترتب ہوا وہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہے: "وہاں (افغانستان) میں مجھے نئے حالات سے سابقہ پڑا"

وہ نئے نئے حالات کیا تھے جن سے سابقہ پڑا، اس کی کوئی تفصیل نہیں دی گئی۔ لیکن ان حالات میں مبتلا ہو۔ نے کا نتیجہ انھیں کے الفاظ میں یہ ہوا کہ "بزرگوں کی بتائی ہوئی اور سوچی ہوئی باتیں بیکار نظر آئیں"

ظاہر ہے کہ جن بزرگوں کی بتائی ہوئی اور سوچی ہوئی باتیں ان نئے حالات میں بیکار نظر آئیں وہ بیچارے وہ لوگ تو ہو نہیں سکتے جن کے متعلق وہ پہلے ہی جان گئے تھے کہ اسلام وہ نہیں ہے جسکے وہ ٹھیکیدار ہیں۔ اب جن بزرگوں کی باتیں بیکار ہوتی معلوم ہوئیں وہ اسی "دیوبندی روح" کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔ جسے مولانا محمود حسن نے انکو دکھایا اور بتایا تھا۔ اور یہ حال تو کابل تک تھا۔ وہ اور آگے بڑھتے ہیں۔ فرماتے ہیں "روس گیا تو بالکل اور دنیا نظر آئی "روس" اور "دنیا" کا اثر کیا ہوا، خود ہی ارشاد ہوتا ہے "جن عقائد میں میری ساری زندگی گزری تھی روس میں انکو ایک ایک کرکے ٹوٹتے اور مٹتے دیکھا"۔[1]

واللہ اعلم مزعومات سے جناب سندھی صاحب کی مراد کیا ہے لیکن عقائد کا لفظ تو صاف ہے وہ "مذہبی عقائد" جسے وہ "دیوبندی روح" کہتے ہیں اسکے سوا اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔

اور یہ تو خیر سلبی تماشا تھا۔ اب انکے دماغ کے سامنے جو ایجابی نظارہ بے نقاب ہوا انکے الفاظ میں اسکی تعبیر یہ ہے کہ

"اور نئے اصولوں پر زیادہ جاندار زیادہ مستحکم نظام بنتے کا مشاہدہ کیا" صفحہ (۱۱۹)

یہ زیادتی جانداری اور استحکام کی ظاہر ہے کہ اسی "دیوبندی روح" کے مقابلہ ہی میں تو ہو سکتی ہے کہ اسی "روح" میں انکی زندگی گزری تھی۔

بہر حال باہر کے اس مشاہدہ کا اثر اپنے باطن میں سندھی صاحب نے کیا محسوس کیا۔ فرماتے ہیں کہ "انکی (یعنی روسی انقلابیوں) کی تمام مادیت کو میرے الہی فکر نے اپنے اندر ہضم کرلیا" صفحہ ۱۱۹

مولوی عبید اللہ سندھی۔ کی الہی فکر کے ساتھ روسی انقلابیوں کی مادیت کا انضمام جس شکل میں ہوا اور اس عمل انضمام سے جو داخلی پیداوار انکے اندر پیدا ہوئیں دراصل اسکی تفصیل بجائے قیاس آرائیوں کے خود انہی کی زبانی جیسا کہ انکے الراوی نے بیان کیا ہے پیش کرنا میرا مقصود ہے۔

سب سے پہلی بات تو اس سلسلہ میں یہ نظر آتی ہے کہ اس سفر سے پہلے ہندوستان میں تو ان پر یہ واضح ہوا تھا کہ مشائخ دیوبند جس چیز کے ٹھیکہ دار رہے وہ اسلام نہیں ہے بلکہ انضمام کے اس عمل کے بعد

---

[1] یہ ایک غیر ضروری حوالہ ہے جسکا ذکر اصول حدیث کے سلسلہ میں مولوی عبید اللہ نے حضرت مولانا محمد قاسم مرحوم کی کتاب ... سے اخذ کرکے مقالہ شاہ ولی اللہ میں کیا ہے۔ میں نے مولوی سندھی کی کسی تحریر و تقریر میں مولانا محمد قاسم کی کوئی بات نہیں پائی۔ ہاں شاہ ولی اللہ کے نام اور کام سے انھوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا ہے

[2] اگر اس سے اسلامی قوانین کی ٹوٹ پھوٹ مراد ہے تو میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ یہ نئی بات کیا تھی۔ اسلامی حکومت کے خاتمہ کے بعد آج ڈیڑھ دو سو سال سے اسی کا تماشا تو نظر آرہا ہے۔ اس ملک ہندوستان میں اسلام کا کونسا قانون جاری ہے یا کچھ اور مراد ہے تو سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ زندگی جو اسلامی تھی وہ اسلامی قوانین کی شکستوں کے سوا اور کس چیز سے متاثر ہوئی۔

آپ پر واضح ہوا کہ صرف شائخ دیوبند ہی نہیں بلکہ عام مسلمانوں کو خطاب کرتے ہوئے یہ ارشاد ہوتا ہے

"وہ اسلام ہے، جسے تم اسلام کہتے ہو، یہ تو کفر سے بھی بدتر ہے" مثلاً مسلمانوں کے تمدن اور معاشرت کے متعلق انکو نظر آیا جیسا کہ سرورق پر نقل کیا ہے کہ "اس تمدن میں اسلام کا کہیں شائبہ بھی نہیں" صفحہ ۳۰ جسکا مطلب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا ظاہر و باطن سب اسلام سے قطعاً خالی ہو چکا ہے۔ اسکے ساتھ عجیب فیصلہ مولوی سندھی نے یہ بھی کر دیا کہ "جس طرح مسلمان اسکو (یعنی قرآن کو) عام طور پر پڑھتے ہیں اور جو تفسیر وہ کرتے ہیں وہ حق نہیں ہے"

صرف یہی نہیں کہ حق ہی نہیں ہے بلکہ آگے ارشاد ہوتا ہے:-

"اگر گیتا اور انجیل کو غلط طور پر ماننے والے کافر قرار دیے جا سکتے ہیں تو قرآن کو غلط مفہوم میں ماننے والے کیسے مومن سمجھے جا سکتے ہیں" صفحہ ۳۵۔

یعنی اپنی غلط کافرانہ زندگی کو قرآن پر پیش کر کے مسلمان اگر پھر اصلی اسلام کو پانا چاہیں، یا اسکے جس تمدن و معاشرت میں اسلام کا شائبہ بھی باقی نہیں رہا ہے" اگر اسلامی عناصر کو پھر قرآن سے خود لینا چاہیں یا قرآن کے جاننے والے علما سے اس کام میں مدد لیں تو سندھی صاحب نے اسکا دروازہ بند کر دیا۔ کیونکہ قرآنی آیات کا جو مفہوم مسلمان اور اُنکے علما سمجھتے ہیں وہ تو کفر قرار پا چکا اب ظاہر ہے کہ اسکے سوا کوئی صورت قدرتی طور پر باقی نہیں رہی کہ مسلمان اور انکے علما سب اگر کفر کی اس زندگی سے نکلنا چاہتے ہیں تو وہ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کی طرف رجوع کریں اور جس صحیح اسلام کو انھوں نے پایا ہے وہ مولانا سے حاصل کریں۔

آئیے اب مولانا سندھی سے پوچھیے کہ کھوئے ہوئے اسلام کو پا کر کفر کی گندگی سے نکلنے کی کیا صورت ہے۔

کیا فقہا، مجتہدین اور ائمہ دین نے دین کو جس شکل میں مدون فرمایا ہے۔ اسکے مطابق اپنی زندگی کو بنائیں۔ لیکن جب مولانا سندھی کا خیال ہے کہ "وہ حجازی فقہ ہے جسکا مرکز مدینہ منورہ تھا" (صفحہ ۲۶۰) اسی طرح "فقہ شافعی" کے متعلق بھی فرماتے ہیں "عربی ذہنیت کا فقہی مظہر امام شافعی ہیں۔ صفحہ ۲۶۳۔ رہ گئی "حنفی فقہ" سو اسکے متعلق مولانا ممدوح کا ارشاد ہے

"اس فقہ (یعنی حجازی اور عربی فقہ) میں دو چیزیں یہ غیر مسلمانوں کو کھلتی تھیں انکا بدل تجویز کیا گیا" صفحہ ۲۶۱

اور یہ کہ "جہاں انھیں مناسب سمجھا اپنی "قومی خصوصیات" کی وجہ سے اس میں تبدیلیاں کیں" صفحہ ۲۴۲۔

الغرض مولانا کے الفاظ میں قرآن کے بین الاقوامی قانون کی حجازی تعبیر عربوں کے لیے قومی مذہب ہے اور اسکی حنفی تعبیر عجم کا قومی دین قرار پائی۔ صفحہ ۲۱۲۔

اب بتایئے ہندوستان کا مسلمان جسکی طرف جناب سندھی منسوب ہیں اسکے لیے عربوں کا قومی مذہب" اور عجم کا "قومی دین" کہاں کارآمد ہو سکتا ہے۔ بلکہ آپ نے صاف ارشاد فرمایا ہے "غیر عرب اقوام کے خواص کو اجازت تھی کہ اگر وہ چاہیں تو عربی قانون کو بجنسہٖ قبول کر کے عرب بن جائیں یا اس کی روشنی میں اپنے لیے ایک قومی قانون بنا لیں۔ صفحہ ۲۶۱

ظاہر ہے کہ ہندی ہے وہ بیچارہ عرب کیسے بن جائے اور نہ ہندوستانی مسلمانوں کے خواص نے ہندی قوم کیلیے کوئی ہندی دین بنا کر مسلمانوں کو دیا ہے۔ پھر اب کیا کیا جائے۔ موجودہ فقہی سرمایہ تو ہندی مسلمانوں کے علاج کی دوا بننے سے رہا۔ خصوصاً جب مولانا نے بار بار اس پر اصرار بھی فرمایا ہے کہ ہندی مسلمانوں کو بجز ہندی ہونے کے قطعاً کچھ نہ ہونا چاہیے۔

اچھا تو ہندی فقہ کے موجودہ سرمایوں سے مایوس ہو کر کیا "السنت" یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال، افعال و تقریرات کی روشنی میں اپنے گم کردہ اسلام کو پا سکتے ہیں۔

مولوی عبید اللہ صاحب اور انکے الہامی نے بار بار اپنا ٹک اس کتاب میں پہلے تو بہت زور شور کے ساتھ اسکا پروپیگنڈا کیا ہے کہ "دین صرف قرآن ہے اور قرآن ہی دین کی اساسی بنیاد ہے۔ آیت وما ینطق عن الہوی سے مراد صرف قرآن ہے۔ حدیث اور فقہ اسی سے مستنبط ہے اور فقہ حدیث سے مستنبط کی گئی۔ صفحہ ۲۲۳،

(باقی آیندہ)

ۃ۵ عربی دین، عجمی دین، ہندی دین میں اسلامی فقہ کو دیکھ کر خیال خواہ مخواہ سوامی دیکانند کے اس خیال کی طرف چلا گیا۔ یعنی قرآنی جنت کا ذکر کرتے ہوئے سوامی جی نے ایک دفعہ کہا تھا "مدینہ میں پانی کا قحط ہے، اس لیے عربی پیغمبر نے ایسی جنت ایجاد کی جسکے محلوں کے نیچے دریا بہتے ہوں۔ میرے وطن (بنگال) میں بکثرت سیلاب آتے رہتے ہیں اور پانی کی افراط ہے اس لیے میں پورب والے بہشت کا خیال اگر باندھتے تو ایسی جگہ فرض کرتے جہاں سالوں میں کبھی ایک قطرہ بارش نہ ہو" (فلاسفی، باب سیزدہم، گیان یوگ ویدانت)

جنت کی اس تقسیم میں خود ہی سوچیے اور مولوی عبید اللہ کی فقہ اسلامی کی تقسیم میں کچھ فرق ہے؟ حقیقت تو یہ ہے ویکانند کا خیال جس طرح بے معنی ہے میرے نزدیک تو سندھی صاحب کی یہ تکمیندی بھی اپنے اجمال اور غیر واقعیت میں کچھ کم نہیں ہے۔ آخر ویکانند سے میں پوچھ سکتا ہوں کہ شرک اور تنگی کا عقیدہ تو ویدک دھرم میں بھی پایا جاتا ہے تو کیا ہندوستان کے مقامی خصوصیات کی بنا پر بجائے قرآن کی جنت کے ہندو دھرم میں قرآن کی جہنم کا نقشہ ہندوستانیوں کے سُرگ کا کھینچا گیا ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ قرآن میں جنت کا جو نقشہ پیش کیا گیا ہے یہ ایسا نقشہ ہے جو عام انسانی فطرت کا مطالبہ ہے۔ کہیں کا آدمی ہو، مشرق کا ہو، مغرب کا ہو، ایشیا کا ہو، افریقہ کا ہو، یورپ کا ہو، ہر کوئی فطری طور پر پسند کرتا ہے خدا جنھیں اس دنیا میں بھی دے

مراسلہ — آج اس عاصی کو ایک ہندوستانی فلم دیکھنے کا سابقہ پڑا
نام فلم بتا نہیں سکتا، مدراس کے ایک مسلم ڈائرکٹر نے فلما کر شہر کے بہترین
فلم تھیٹر کے پردۂ سیمیں پر پیش کیا ہے۔ فلم کی خوبی، ڈائرکٹر کی قابلیت
اور فلم کی مقبولیت کا کوئی سوال ہی نہیں۔ فلم میں ایک جگہ بیماروں
کے بستر مرگ کے پاس قرآن شریف کو اپنے سر پر اٹھائے ہوئے بیکار لگائے
دکھایا ہے۔ ایک جگہ پر اذان کی گونجتی ہوئی آواز یہ صاف بتاتی
ہے کہ کسی تاریخی آواز ہے۔ بعض بعض جگہ پر نماز پڑھتے ہوئے دکھایا
گیا ہے۔ ان چیزوں کی تاریخی صداقت پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔
بس ان چیزوں کو دیکھتے ہی اس احقر کے دل میں یہ سوال ضرور پیدا
ہوا کہ کیا وہی قرآن جو کبھی دنیا کی گمراہی کو دور کرنے کے لیے آیا تھا، جو
لوگوں کے تاریک دلوں میں ایمان کا چراغ روشن کرنے کے لیے آیا تھا، جو
سچائی کو پھیلانے کے لیے آیا تھا، جو انسان کو خدا تک پہنچنے کا راستہ
دکھاتا تھا، اور جو ہدی للمتقین کا دعوے کرتا تھا، آج ایک فلم
ڈائرکٹر کے ہاتھ کا کھلونا بنکے رہ گیا۔ اور وہ بھی ایک ایسے ڈائرکٹر
کے ہاتھ جو قرآن شریف کو اپنی مذہبی کتاب سمجھتا ہے۔ اذان کبھی
بلال حبشیؓ کی مبارک زبان سے میناروں پر گونجتی تھی اور کفار کو
دعوت حق دیتی تھی، آج وہی اذان کسی ڈائرکٹر کا ذریعۂ معاش بنکر
رہ گئی ہے اور فلم انڈسٹری کی ایک نمائشی آلہ بن کر رہ گئی ہے۔
وہ نماز جس میں صحابہ کرامؓ اپنے خدا کی یاد میں دنیا و مافیہا کو بھول
جاتے تھے، اور وہی نماز جس میں رسولؐ اور انکے صحابہ کرام کو دنیا
کی بڑی بڑی سلطنتوں کے تخت و تاج کے مالک کو دیکھتے تھے تو ڈگ
مگا جاتے تھے، آج بازیچۂ اطفال بن کر رہ گئی ہے۔ ہمیں ان چیزوں
دیکھ کر سوا آنسو بہانے کے اور کوئی چارہ نہیں ہے۔ اگر یہ سب مذہب
کا مذاق اڑانا نہیں تو اور کیا ہے؟ البتہ ڈائرکٹر کی مسلمانیت اور
مسلمانوں کی بیچارگی اس پر پردہ ڈالتی ہے۔ لیکن یہ یقین رکھیے کہ
اگر مسلمان ان چیزوں کو خاموشی سے برداشت کرتے جائیں تو وہ
وقت دور نہیں ہے کہ وہی ڈائرکٹر جو آج قرآن، نماز اور اذان تک
کو اپنا ذریعۂ معاش اور فلم انڈسٹری کا آلۂ نمائش اور بنا لینے سے
نہیں چوکتے، اس بات کی جرأت کریں کہ قرآن کے لے آنے والے
کو بھی نعوذ باللہ فلم انڈسٹری کے پردۂ سیمیں پر کھینچ لائیں۔ یہ
ناچیز آپ سے التجا کرتا ہے کہ ان چیزوں کے خلاف آپ آواز بلند
کریں۔ امید ہے کہ آپ کی محنت رائگاں نہ جائیگی۔ فقط

نیاز مند شہاب۔ از بمبئی ۳

صدق — سینما بجائے خود لہو و لعب کی ایک بدترین صورت ہے،
مسلمانوں کو جوق درجوق اسکی سرپرستی کرنا یقیناً ایک جرم ہے۔ دلوں پر
اور جسموں پر حکومت اگر قرآن کی ہوتی تو کبھی ایسی بدعت راہ پا ہی نہیں سکتی
تھی۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں کہ اسلامی مناظر اس میں دکھانا ہر حال میں قابل ملامت
بھی ہے۔ "عیب بے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو" عیب و ہنر دونوں کے پہلو اس میں موجود ہیں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۷)

دیتا ہے تو جنت والی چیزوں کو غیر کوان پیدا کرسکتا ہے لیکن جو بھی اپنی [illegible]
سے کام لیتے ہیں انکو قرآنی جنت کے نمونوں کی تعبیر میں تو صرف [illegible]
کسی کو نہیں دکھائی دیا ہے کہ مال و دولت ملنے کا بیان جہنم کی تعبیر کی صورت [illegible]
اسی طرح میں مولوی عبید اللہ سے بھی پوچھتا ہوں کہ کیا وہ یہ [illegible]
کرسکتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کی فقہ عربوں کی طبیعت کے مناسب نہیں ہے [illegible]
حجاز کی فقہ پر عراق یا ایران کے آدمی اگر عمل کرینگے تو انکو کیا دقت پیش
آئیگی؟ شاعری کے سوا یہ اور بھی کچھ ہے۔
لاکھوں کروڑوں ایرانی و عراقی ہر زمانہ میں شافعی رہے ہیں [illegible]
اسی طرح ہمیشہ حجاز و عرب میں حنفی فقہ پر چلنے والے پائے گئے ہیں [illegible]
چونکہ مجھے صرف مولوی صاحب کے خیالات پیش کرنے ہیں اسلیے
سردست انکی نکتہ بندیوں کی تنقید ملتوی کرتا ہوں۔ اشارۃً اتنی
بات کہدی گئی: قرآن سے پوچھا جا سکتا تھا کہ کتاب و سنت
و اجماع و قیاس کے سوا "مقامی خصوصیت" یا "غیر مسلموں کے لیے
کھلنا" فقہ کے دلائل جو آپ قرار دے رہے ہیں جناب والا کے پاس
اسکا کوئی ثبوت بھی ہے۔ بجائے قرآن و سنت اجماع کے کسی مسئلہ میں امام
ابو حنیفہؒ نے صرف مقامی یا غیر مسلموں کے کھلنے کی وجہ سے تبدیلی کی ہے
مگر جو دعوے کرنا جانتا ہو اُسے دلیل سے کیا تعلق ہے۔

سنی و شیعہ

(راجہ غضنفر علی خاں ایم ایل اے سابق صدر شیعہ پولیٹیکل کانفرنس
کی تقریر گجرانوالہ مسلم لیگ کانفرنس میں)

اب ہندوؤں کا ایک سنجیدہ طبقہ پاکستان کے مطالبہ کو تسلیم کرنے
لگا ہے۔ ہر مسلم جماعت پاکستان کی اہمیت اور مطالبہ کو صحیح خیال کرتی ہے اور
یہ امر مسلمہ ہے کہ تمام مسلمانوں کی ترجمان مسلم لیگ ہے۔ مگر مجھے افسوس
ہے کہ چند مسلمان دوست مسلم لیگ کا ساتھ نہیں دے رہے ہیں اور ملت
کی جڑیں مضبوط کرنے کے لیے فرقہ وارانہ سوال پیدا کر رہے ہیں۔ پنجاب ہی
کے چند شیعہ حضرات نے وزیر اعظم کو تار دیکر ہندوستان کی آزادی میں
رخنہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ کوئی شیعہ یہ دعوے نہیں کرسکتا کہ اسکا تمدن
مسلمانوں سے مختلف ہے، ایسے نازک دور میں جبکہ قومی زندگی و موت کا
سوال در پیش ہو، سنی شیعہ کا سوال اٹھانا اسلام دشمنی کے مترادف
ہے۔ اس وقت بڑے بڑے عہدوں پر شیعہ حضرات کی بڑی تعداد مامور ہے
بہت سے شیعہ ارکان اسمبلی میں محض سنیوں کے ووٹوں سے ممبر منتخب ہوئے
ہیں۔ مسلم لیگ میں بھی بہت بڑی تعداد شیعوں کی موجود ہے۔ آل انڈیا شیعہ
پولیٹیکل کانفرنس پاکستان کی حمایت میں ہے۔ پنجاب شیعہ پولیٹیکل کانفرنس نے
میری صدارت میں پاکستان کی حمایت کا رزولیشن پاس کیا اور مسلم لیگ
کو اپنی نمائندہ جماعت تسلیم کیا اور یہ وعدہ کیا کہ وہ ہر معاملہ میں مسلم
لیگ کا ساتھ دیگی۔ (منشور)

بقیہ سورۂ بقرہ رکوع ۲۲

سلسلہ صدق نمبر (۱۱)

از عبد الماجد

واٰتی المال علیٰ حبه ذوی القربیٰ والیتامیٰ والمساکین وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب واقام الصلوٰة واٰتی الزکوٰة	اور اس کی محبت میں مال صرف کرے قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور راہ گیروں اور سائلوں پر اور گردنوں کے آزاد کرانے میں اور نماز کی پابندی کرتے اور زکوٰۃ ادا کرتے

عقائد کی تصحیح ہو چکی تو اب اعمال کی تصحیح شروع ہوئی اور اعمال میں ابتدا شعبۂ معاملات سے ہوئی۔ آیت کے اسی حصہ میں اسکا بیان ہے۔

علیٰ حبه۔ اس کی محبت میں۔ ضمیر اللہ کی طرف ہے، اور محبت سے مراد اللہ تعالیٰ کی محبت ہے۔ یعنی یعطون المال علیٰ حب اللہ اے علیٰ طلب مرضاته (کبیر) قیل علیٰ حب اللہ (کشاف) قیل الضمیر للہ تعالیٰ (بیضاوی) گویا یہ بتا دیا کہ صرف مال فی نفسہ ہرگز محمود و مطلوب نہیں۔ مطلوب و مقصود صرف وہ صرف مال ہے جو اللہ کی راہ میں، اللہ کی رضا جوئی کے لیے، اللہ کے دین کے فروغ کے لیے ہو۔

دوسرے معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صرف مال، مال کی محبت کے باوجود ہو۔ یعنی ضمیر غائب کا مرجع بجائے اللہ کے، لفظ قریب، مال کو قرار دیا گیا ہے۔ وہو قول الاکثرین انه راجع الی المال (کبیر) اے مع حب المال والشح به کما قال ابن مسعود (کشاف)

اس میں بھی ایک پختہ مومن کی تصویر آگئی ہے۔ مال و زر کی محبت اور قدر اسکے دل میں ہے، خواہشیں اسکی زندہ ہیں، اپنی ذات پر، اپنے محبوبات و مرغوبات پر وہ خرچ کرنا چاہتا ہے لیکن امر الٰہی کے آگے اپنی گردن جھکا دیتا ہے۔ اپنی خواہشوں کو دبا دیتا ہے اپنے شوق کو حکم خداوندی پر قربان کر دیتا ہے۔ وہ عمل اسی پر کریگا، جو حکم ربانی ہے۔ اور خرچ وہیں کریگا، جہاں شریعت حکم دیتی ہے۔

ذوی القربیٰ الخ معارف خیر کی اسلام نے یہ کتنی مناسب اور حکیمانہ ترتیب قرار دی ہے۔ آیت کے اس جزو میں امت کا پورا نظام معاشی ایک خلاصہ کی شکل میں آگیا ہے۔

مالی اعانت سب سے پہلے اپنے عزیزوں قریبوں کی کرنی چاہیے۔ یہ نہ ہو کہ بھائی کی کوٹھیاں تیار ہو رہی ہیں اور بہن جھونپڑے کو ترس رہی ہے۔ چچا کے پاس موٹریں ہوں اور بھتیجے کو اکے کے پیسے بھی میسر نہ ہوں۔ ہر زر دار کو سب سے پہلے خبرگیری اپنے نادار عزیزوں، کنبہ والوں، بھائیوں، بہنوں، بھتیجوں، بھانجوں اور دوسرے قریبوں کی کرنا چاہیے۔ اسکے بعد نمبر محلہ کے، بستی کے، شہر کے یتیم بچوں بچیوں کا آتا ہے، جنکا کوئی والی، وارث، سرپرست باقی نہیں رہا ہے۔ اسکے بعد جو درجہ فہرست کے عام مفلسوں محتاجوں، اور پھر ان مسافروں راہگیروں کا آتا ہے جو زاد راہ سے محروم ہیں۔ اور اس لیے اپنی ضروری سفروں سے محروم رہے جاتے ہیں۔ یا بستی میں کہیں باہر سے وارد ہو گئے ہیں، اور کوئی انکے ٹھہرانے، کھلانے پلانے کا روادار نہیں ہو رہا ہے۔ اور پھر آخر میں اہل حاجت سوالی رہ جاتے ہیں۔

اس پورے معاشی پروگرام پر اگر قاعدہ سے عمل ہونے لگے تو امت میں کہیں مفلسی، تنگدستی، بے معاشی، بے روزگاری کا وجود باقی رہ سکتا ہے؟

(قیدیوں اور غلاموں کی)

فی الرقاب، رقاب، رقبة کی جمع ہے۔ لفظی معنی گردن کے ہیں۔ محاورہ میں اس سے مراد وہ ہوتے ہیں، جنکی گردنیں آزاد نہیں، یا جو بندھے ہوئے ہیں۔ یعنی غلام جو دوسروں کی رعایا ہیں۔ یا قیدی، جو کسی جرم، قرضداری یا دیوالی کی علت میں گرفتار ہو کر محبوس ہیں۔

الرقبة جعل فی التعارف، سما للعضو کما عبر بالرأس وبالظهر من المرکوب (راغب) والرقبة مجاز عن الشخص (روح)

تقدیر کلام یوں ہے فی تخلیص الرقاب، یا فی فکاک الرقاب، گویا مضاف محذوف ہے، اور یہ ترکیب قرآن مجید میں عام ہے۔ مراد وہی زر معاوضہ دے کر قیدیوں کو قید سے اور غلاموں کو غلامی سے آزادی دلانا ہے۔

یعنی المکاتبین قاله الاکثر المفسرین (معالم) وقیل فداء الاساریٰ (معالم) وهم المکاتبون (ابن کثیر) اے فی تخلیصها بمعاونة المکاتبین او فک الاساریٰ (بیضاوی) اے فی تخلیصها الرقاب وفکاکها (روح)

معارف خیر و اعانت کی ایک ضروری مد رہ جاتی تھی۔ قرآن مجید نے آخر میں اسکا بھی اضافہ کر دیا۔ اور اب یہ فہرست امت کے اجتماعی نقطۂ نظر سے ہر طرح مکمل ہو گئی۔

تصحیح عقائد کی ہو چکی۔ تصحیح معاملات کی ہو چکی۔ اب نمبر عبادات کا آتا ہے۔

عبادات جیسا رہیں، بنیادی اور بڑی تقسیم عبادت بدنی اور عبادت مالی کی ہے۔ یہاں الصلوٰة والزکوٰة لیکر دونوں کی جنس کی طرف اشارہ کر دیا۔ نماز ساری بدنی عبادتوں کی قائم مقام ہو گئی۔ زکوٰۃ ساری مالی عبادتوں کی۔

والموفون بعهدهم اذا عاهدوا والصابرین فی البأساء والضراء وحین البأس اولٰئک الذین صدقوا واولٰئک هم المتقون۔	اور اپنے وعدوں کو پورا کرنے والے جب وعدہ کر چکے ہوں اور تنگی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے۔ یہی لوگ ہیں جو سچے اترے، اور یہی لوگ تو متقی ہیں

مولانا کے نزدیک موطا امام مالک ایک ایسی مرکزی کتاب ہے جس پر سارے فقہا اور محدثین متفق ہیں۔ نیز موطا میں جو روایتیں ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ روایت کرنے والوں کی پڑتال کچھ بہت مشکل نہیں۔ کیونکہ عموماً ایک سلسلہ روایت میں ایک ہی دو راوی ہوتے ہیں جنکا اکثر حصہ اہل مدینہ سے ہے۔ جنکو ائمہ مسلمین متفق علیہ اور ثقہ مانتے ہیں" (صفحہ ۲۴۲)

بلا شبہ یہ ایک صحیح واقعہ کا اظہار ہے اور اب یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ ہندی مسلمانوں کو اپنے مرض کا علاج ابو حنیفہ کی فقہ اور امام بخاری کی حدیث میں نہ سہی، موطا میں تو مل ہی جائیگا۔ حدیث جن خصوصیتوں کے ساتھ موطا میں ملتی ہے اور سنت کا جو علم اس سے حاصل ہوتا ہے۔ مولوی عبید اللہ صاحب نے اسکی افادیت پر اس سے بھی زیادہ واضح لفظوں ایک دفعہ اس وقت تقریر کی جب ان سے کہا گیا کہ بعض لوگ حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ سرور صاحب لکھتے ہیں:-

"مولانا نے فرمایا ہمارے نزدیک حدیث یا سنت اس زندگی کی تصویر پیش کرتی ہے جو قرآنی تعلیمات کی بدولت وجود میں آئی۔ اب اگر قرآن کو اسکے عملی نتیجہ سے الگ کرکے پیش کیا جائیگا تو ذہنی پریشانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا" صفحہ (۲۴۳)

گویا سنت کی افادیت اور سنت کے پانے کی صحیح راہ موطا میں مل گئی۔ مگر اچانک لہجہ بدل جاتا ہے۔ اور سندھی صاحب فرمانے لگتے ہیں: "لیکن یہاں کسی کو یہ گمان نہ گزرے کہ "موطا" میں جس کلام کو مدون کیا گیا ہے، قرآن کی ساری کی ساری تعلیمات اس میں منحصر ہیں"

اور اپنے مجمل بیان کی تفصیل ان الفاظ میں فرماتے ہیں

"بیشک مدینہ کی سوسائٹی قرآنی تعلیمات کا نتیجہ تھی اور خلافت راشدہ کے دوران میں مسلمانوں کی جو زندگی تھی وہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہی تشکیل ہوئی۔ لیکن یہ سمجھ لینا کہ قرآن اسی زندگی میں محدود ہوگیا ٹھیک نہیں"

یہ مجمل تقریر ہوئی۔ اسباب سنیے:-

"رسول اللہ عرب میں مبعوث ہوئے اور عرب ہی انکے اولین مخاطب تھے۔ اس لیے انکی تعلیمات کا ایک قالب عربی ذہنیت کے مطابق ہونا ایک فطری بات ہے"

یہ تمہید تھی۔ اور اب اس "موطا" کا حشر سنیے۔ جس سے مل جانے کے بعد سمجھا گیا کہ درد کا درماں مل گیا۔ فرماتے ہیں

"موطا دراصل قرآن کی عمومی تعلیمات کے عربی قالب کا مرقع ہے" صفحہ ۲۴۷۔

ڈھونڈ رہا تھا ہندی مسلمان اپنے کھوئے ہوئے اسلام کو سندھی صاحب کے مشخصہ کفر سے نکلنے کے لیے۔ لیکن موطا بھی جب عربی قالب کا مرقع بن کر رہ گئی تو اس عربی قالب کے مرقع سے ہندی مسلمان کا کیا کام چلیگا۔ سندھی صاحب [illegible] کہتے ہیں:

"قرآن کی تعلیم کا نتیجہ ایک زمانہ میں ایک خاص شکل میں ظاہر ہوا۔ اگر وہ اب دوبارہ نہیں [illegible] دوسرے زمانہ میں [illegible] ظاہر ہو" (صفحہ [illegible])

جس سے معلوم ہوا کہ [illegible] مسلمانوں [illegible] دوسرے زمانہ والے [illegible] مسلمان [illegible]

لیکن ابھی تو [illegible] "موطا" تک محدود ہے [illegible] اگر [illegible] پہلے کے بنے ہوئے [illegible] پر اکتفا ہو تو قرآن کی اثر آفرینی کا انجام ظاہر ہے۔ صفحہ (۸۹)

اور یہ تھا انجام اس "موطا" کا جسکی مدح سرائی میں [illegible] صفحات [illegible] دیے گئے ہیں

فقہ کے بعد سنت کا درجہ تھا۔ سنت کی محفوظ ترین شکل "موطا" تھی۔ اور موطا تھی "عربی قالب کا قدیم مرقع" اور "پہلے کی بنی ہوئی شریعت زندگی" جب اثر آفرینی میں وہ بھی بیکار ثابت ہوچکی تو اب کہاں جائیے۔

قرآن

اب لے دے کر پیغمبر علاوہ ایک قرآن رہ گیا ہے۔ اگرچہ قرآن کے متعلق پہلے ہی کہا گیا ہے کہ سلف اور مسلمانوں کے علماء اسکا جو مطلب سمجھتے ہیں وہ تو کفر ہے۔ کفر سے بھلا کفر کا ازالہ کیا ہوگا۔ لیکن بہرحال سندھی صاحب قرآن کو بار بار دین کی ساری بنیاد بنا کر وجود اور مدار مانے کیا کیا فرماتے چلے گئے ہیں۔ کتاب کا بیشتر اکثر حصہ قرآن کی اہمیت اور اسکی عالمگیریت کے ذکر سے بھرا ہوا ہے۔ مان لیجیے کہ مسلمانوں نے اب تک قرآن سے جو کچھ سمجھا وہ سب غلط۔ تیرہ سو سال سے اس کتاب کی جو تفسیریں انکے علماء لکھتے آئے سب بقول جناب سندھی صاحب کفر۔ آپ سندھی صاحب قرآن کا جو مطلب بتائیں اسی مطلب میں ممکن ہے آپ کو اپنا اسلام مل جائے۔ خصوصاً جب جناب کا دعوے بھی ہے کہ اسوقت جتنے علماء قرآن دنیا میں ہیں قرآن کا عالم تو ان میں کوئی نہیں ہے۔ البتہ طالب علم انکو قرار دیا جا سکتا ہے۔

لیکن مطالب قرآن سے پہلے یہ جان لینا غالباً زیادہ مناسب ہے کہ سب سے خود قرآن کو جناب سندھی کیا تصور فرماتے ہیں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ ہم جاہل مسلمانوں کا تو عقیدہ ہے کہ قرآن لفظاً و معناً بغیر کسی بیرونی آمیزش کے براہ راست حق تعالیٰ جل مجدہٗ کا کلام مبارک ہے جسے جبرئیل امین نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہونچایا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں اسکو پیش کیا۔ لیکن سرور صاحب فرماتے ہیں "مولانا کے خیال میں قرآن مجید کل انسانیت کی بنیادی فکر کا ترجمان ہے" سمجھا آپ نے۔ قرآن حق تعالیٰ کی مرضیات کا ترجمان آپ تو یہ سمجھے بیٹھے ہیں، لیکن جناب سندھی صاحب قرآن کو انسانیت

علم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۱)

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈانگر ضلع بستی)

[یہ مقالہ دو علمی مجلسوں میں پڑھا جا چکا اور اہل علم سے سند قبول حاصل کر چکا ہے]

حضرات۔ مجھے عربی تعلیم اور دینی مدارس کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ امید کہ ناظرین باتمکین سنجیدگی کے ساتھ اس کے تمام پہلوؤں پر غور کی نگاہ ڈالیں گے۔ عصر حاضر میں علم عربی کے متعلق طرح طرح کے وسوسے پیدا ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ عربی ایک مردہ زبان ہے۔ اس مردہ زبان کے سیکھنے بولنے والے بیکار ہیں۔ اس کے خلاف انگریزی زبان زندہ ہے اور اس کے پڑھنے والے دنیا میں عزت کی جگہ پا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ترکی کے صدر مسٹر عطاترک نے بھی یہی کہا تھا۔ کوئی کہتا ہے کہ عربیت سے مولویت پیدا ہوتی ہے۔ اور مولویت گداگری و دریوزہ گری سکھاتی ہے۔ اس لیے عربیت قابل نفرت ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ عربی علوم و فنون کے حامل تاریک خیال، تنگ نظر ہوتے ہیں۔ ایسے ترقی پذیر زمانہ میں دقیانوسی ملاؤں کی کیا حاجت ہے۔ پہلے ہی سے ایسے ملاؤں کی کیا کمی تھی کہ نت نئے مدارس اور جامع کھول کر انکی کثرت اور انکی پیداوار بڑھا دی جائے۔

حضرات کہنے کو تو یہ سب کچھ کہہ گئے لیکن آپ خود سوچیے کہ دین الٰہی اور مذہب اسلام کی زندگی کی خاطر عربی تعلیم و تعلم کی ضرورت ہے یا نہیں؟ کچھ شک نہیں کہ ہماری مذہبی کتاب قرآن مجید اور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث شریفہ سب عربی زبان میں ہیں۔ پس ان سے بلاواسطہ استفادہ کرنے کے لیے اور غور و خوض حاصل کرنے کے لیے عربی مدارس اور طلبہ و مدرسین کا وجود عقلاً ضروری ہوا۔ اب نفس واقعہ دیکھیے کہ کیا فی الاصل عربی ایک مردہ زبان ہے؟ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی لکھتے ہیں، کیا وہ زبان جس میں سینکڑوں سے زائد اخبارات اور رسائل ہوں جو ریڈیو پر نشر ہوتی ہو، جو سرزمین عرب و مصر وغیرہ کی عام مادری زبان ہو، جس کی تعلیم جرمنی، فرانس، امریکہ، برطانیہ کی تمام بڑی بڑی یونیورسٹیوں میں جاری ہو، جس میں عربی علم ادب و لغات پر ہزار ہا ہزار اوراق کی ایک ایک کتاب تیار رہتی ہو، جس میں اقرب الموارد، المحیط وغیرہ جیسی کتابیں لکھی جاتی ہوں، جس کا نصاب داخل ہو ہندوستان کے ہر ہر صوبہ کے محکمۂ تعلیم میں اور غیر اسلامی یونیورسٹیوں میں بھی، جس کے بولنے والے لکھنے والے اکیلے ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ ایسی زبان کو مردہ کہنے کی جسارت وہی قوم کر سکتی ہے جو دیدہ دلیری کے ساتھ دریا برد کرنا ہو۔ ایک اور شہادت بھی سنتے چلیے۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ صاحب پنجاب یونیورسٹی کے ایم اے ہیں اور لندن کے پی ایچ ڈی۔ انگریزی میں متعدد عربی کتابوں کے مصنف اور بکثرت علمی مقالات کے مقالہ نگار ہیں۔ آپ نے ایک تازہ رسالہ عربی زبان سیکھنے کی ضرورت اور اہمیت پر لکھا ہے۔ اور اس کے شروع میں لکھتے ہیں کہ جغرافی رقبہ کی وسعت کے اعتبار سے انگریزی اور ہسپانوی زبان کے بعد تیسرے نمبر پر کرۂ ارض پر سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان بھی عربی ہے۔ (صفحہ ۹) آپ نے اس کے بعد بہت سے مقامات کا نام لیتے ہوئے آخر میں لکھا ہے۔ "غرض یہ کہ جہاں تک اعلیٰ ادبیات کی بنا پر عربی کا شمار دنیا کی مشہور علمی زبانوں میں ہے وہاں اس کی اہمیت نوع انسان کی ایک زندہ زبان کی حیثیت سے بھی ہے۔ زندہ صرف اس معنی میں نہیں کہ لوگوں کے ذہن اس سے متاثر ہوتے رہتے ہیں بلکہ زندہ ایک بڑی اور پھیلی ہوئی بول چال والی زبان کی حیثیت سے ہے۔" (کتاب مذکور صفحہ ۵) بحوالہ صدق ۱۱ اپریل ۱۹۴۹ء

ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے اس رسالہ کی تیسری فصل میں لکھا ہے کہ خود بائبل کے مطالعہ کے لیے بھی عربی بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ دسویں میں یہ بیان کیا ہے کہ سائنس کی تاریخ کو سمجھنے کے لیے عربی سے واقفیت کس درجہ ضروری ہے۔ پندرھویں فصل میں عربی کی اہمیت اور ہندوستان کے لیے اس کی خاص بھی اہمیت جتائی گئی ہے۔ مولانا دریابادی نے اس کتاب کی بڑی تعریف کی ہے۔ شیخ محمد اشرف تاجر کتب کشمیری بازار لاہور اس کے ناشر ہیں۔ صدق ۲۰ جون ۱۹۴۹ء ہمارے روشن خیالوں کو گوش ہوش سے سننا چاہیے کہ صرف مولوی ہی عربی زبان کا حامی نہیں ہے اس کے فضائل صرف انکی نگاہوں ہی میں نہیں بلکہ اونچے کلاس کے روشن خیالوں کے سرتاج بھی سمجھتے ہیں جو مولوی کہتے ہیں ؎

آہ بلبل کی تھی پہلے سے چمن میں بدنام
محفل گل میں صبا آکے شریک اور ہوئی

مغربی علوم و فنون اور انگریزی تعلیم و تہذیب ہونے کے متعلق یہ عرض ہے کہ انگریزی کا شوق کسی وقت میں ذریعۂ معاش تھا۔ یہ وہی ۱۸۵۷ء کے بعد کا زمانہ تھا جبکہ انگریز نے مسلمانوں کے قلعۂ دل پر حملہ آور ہونے کی اسکیم بنائی تھی۔ اور انگریزی حکومت کے ایک اہم رکن لارڈ میکالے نے کہا تھا کہ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ دلی کا سلسلہ رکھو۔ ناچار انگریزی تعلیم و تہذیب پر لوگ مجبور رہیں گے۔ یہ لوگ رنگ نسل کے اعتبار سے اگرچہ ہندوستانی ہوں گے مگر افکار و خیالات اور تہذیب و ذہنیت کے اعتبار سے یکسر انگریز ہوں گے۔ چنانچہ اس کے ماتحت مسلمانوں کو انگریزی علم کی ترغیب دی گئی۔ جس نے مڈل بھی پاس کیا اسے ڈپٹی کلکٹری دے دی گئی۔ انٹرنس پاس کیا تو وہ وقعت ہوئی کہ جس کی انتہا نہیں۔ ملاحظہ ہو کتاب "مسلمان کیا کریں" (صفحہ ۱۰۹)

(باقی آئندہ)

گاندھی ٹریننگ کیمپ

سبق آموز حالات

اس وقت کانگریسی کارکنوں کی سب سے بڑی مہم گاندھی جی کا تعمیری پروگرام ہے۔ ہم یہاں بتائیں گے کہ ہندو قوم کیسی خوش اسلوبی سے اس پروگرام کی ضروریات کو پورا کر رہی ہے۔

گاندھی جی کو تعمیری پروگرام کے لیے روپے کی ضرورت تھی اسکے لیے کستوربا میموریل فنڈ میں ۷۵ لاکھ روپیہ مانگا گیا۔ یکم جولائی تک ۲۰ لاکھ روپیہ جمع ہوگیا - ۳۰ ستمبر تک ۸۰ لاکھ ۲ اکتوبر تک ایک کروڑ اور آخر دسمبر تک پورا سوا کروڑ۔ گویا ۹ مہینوں میں ہندو قوم نے ۱۲۵ لاکھ روپیہ جمع کیا اور گاندھی جی کے حوالے کردیا۔

گاندھی جی کی طرف سے دوسرا اعلان کیا گیا کہ مجھے اپنے تعمیری پروگرام کے لیے کم از کم ایک لاکھ نوجوانوں کی ضرورت ہے ۔ میں انھیں ٹریننگ دونگا اور دیہات میں بھیجونگا تاکہ دیہاتیوں کو پڑھائیں، بچوں کو تعلیم دیں، گھروں اور گلیوں کی صفائی کریں، گھریلو صنعتیں جاری کریں، لوگوں کو بیماریوں سے نکالیں اور جس طرح بھی بن پڑے اہل دیہات کو باکار، باحس، تعلیم یافتہ اور خوشحال بنادیں۔

جب سیواگرام میں ٹریننگ کیمپ کھولنے کے انتظام مکمل ہوگئے تو گاندھی جی نے پہلی جماعت کے لیے نوجوانوں کی درخواستیں طلب کیں۔ شرائط داخلہ حسب ذیل تھیں :۔

۱۔ ٹریننگ کی میعاد ایک مہینہ ہوگی

۲۔ ہر امیدوار کرایہ آمدورفت خود ادا کریگا۔

۳۔ ہر امیدوار ۲۵ روپیہ خرچ خوراک خود دیگا۔

۴۔ ہر امیدوار ہر روز پاخانہ خود صاف کریگا۔

۵۔ اپنے رہنے کے لیے جھونپڑی خود بنائے گا۔

۶۔ باورچی خانہ کا تمام کام خود کریگا

۷۔ کیمپ کی صفائی خود کریگا۔

ٹریننگ کیمپ کے لیے ایک سو نوجوانوں کی ضرورت تھی - مگر ۸۵۰ نوجوانوں نے درخواستیں بھیجیں - جن میں صوبہ وار نسبت کا لحاظ کرکے ۱۸۳ امیدوار چنے گئے ۔ اسکے بعد ایک اور انتخاب ہوا، اور کل ۱۰۹ نوجوان کیمپ میں داخل کیے گئے - جن نوجوانوں کو کیمپ میں داخل ہونے کی اجازت ملی اُن میں بی اے بھی تھے، ایم اے بھی تھے، غریب بھی تھے، امیر بھی تھے - بنگلوں میں رہنے والے بھی تھے اور موٹروں پر سوار ہونے والے بھی تھے، کاروباری لوگ بھی تھے اور تاجر بھی۔

ایک نوجوان نے ٹریننگ کیمپ کے حالات شایع کرائے ہیں، وہ لکھتا ہے :۔

۵ بجے صبح پہلا بگل بجتا ہے اور تمام نوجوان اُٹھ بیٹھتے ہیں۔

۵ بجکر ۴۰ منٹ پر دوسرا بگل بجتا ہے اور ورزش اور پریڈ شروع ہو جاتی ہے - نوجوانوں کے آنے جانے میں قدم ملاکر چلنے پر زور دیا جاتا ہے

۶ بجکر ۲۰ منٹ پر پرارتھنا شروع ہو جاتی ہے - ۷ بجے ناشتہ دیا جاتا ہے - ناشتہ میں گڑ اور چنے ملتے ہیں - کبھی کبھی جوار کا ناج اور ایک بسکٹ - کبھی کبھار ایک کیلا یا سنترہ - یا دودھ چھٹانک بھر اور پھر کسی دن دلیا۔

۷ بجکر ۱۰ منٹ پر تمام نوجوان کھادی ودیالیہ میں پہنچ جاتے ہیں - یہاں قابلیت کا لحاظ کرکے چار جماعتیں بنادی گئی ہیں - کھادی ودیالیہ میں دو پلہ روئی بیلن سے کپاس اوٹنا، پھر بانس کی چھڑی سے تانا کرنا، پھر پونی بنانا، پھر کاتنا، پھر بُننا - یہ سب کام درجہ وار سکھائے جاتے ہیں ۔ ۹½ بجے سے ۱۰½ بجے تک سوت کی جانچ ہوتی ہے جس میں پچھلے دن کا کاتا ہوا، اوٹا ہوا، تانا ہوا تولتے ہیں ہر قسم کا حساب کرتے ہیں اور رفتار ترقی کا اندازہ لگاتے ہیں - اسکے بعد کھادی اسکول سے چھٹی ہو جاتی ہے۔

کیمپ کے نوجوان ۵ بجے بیدار ہوتے تھے - ۴۰ منٹ ضروریات اور غسل وغیرہ پھر ۴۰ منٹ ورزش اور ڈرل، پھر ۴۰ منٹ عبادت پھر ۲۰ منٹ ناشتہ - پھر دو گھنٹے اوٹنا دھنا کاتنا اور بُننا - پھر ایک گھنٹہ نمائش سوت - اسکے بعد نوجوان کیمپ میں آجاتے ہیں، اور پیشاب خانوں، پاخانوں کی اور تمام کیمپ کی صفائی کرتے ہیں اسکے بعد ½۱۲ بجے تک غسل، کھانا اور آرام ہوتا ہے۔

۲ بجے پھر کھادی اسکول شروع ہوتا ہے، جس میں چار پیریڈ ہوتے ہیں

پہلے ۴۰ منٹ، گایوں کی پرورش کے متعلق لکچر۔

دوسرے ۴۰ منٹ - کھدر کا مضمون اور معلومات

تیسرے ۴۰ منٹ - گاؤں کی خدمت کے طریقے

چوتھے ۴۰ منٹ - بنیادی تعلیم کا طریقہ

چار بجے کے بعد سب پارٹیاں بناکر کھیلنا

½۸ بجے سے ۹ بجے تک پرچار اور تقریریں

۱۰ بجے سے ۵ بجے تک سونا۔

تمام نوجوان ہر اتوار کے دن جھاڑو، پھاوڑے، رسی، کھرپے، اور ٹوکریاں لیکر سیواگرام میں جاتے تھے - کیونکہ یہ ایک بہت ہی گندہ اور میلا گاؤں ہے - مضمون نگار لکھتا ہے کہ اپنے کیمپ کی جھونپڑیاں، اردگرد کا میدان، سڑکیں، راستے، پاخانے اور پیشاب خانے تو ہم ہر روز صاف کرتے تھے، لیکن ہر اتوار کو دیہات میں چلے جاتے تھے اور وہاں گلیاں ہموار کرتے تھے، کنوؤں کی نالیاں صاف کرتے تھے اور پودوں کے گرد باڑیں اور منڈیریں بناتے تھے - چونکہ گاندھی جی نے پہلے ہی مناسب نوجوانوں کو

تاکید کی تھی کہ وہ جو کچھ پڑھیں اور سمجھیں اسکا باقاعدہ نوٹ کرلیں۔ اسلئے ہر نوجوان کے پاس یہاں کے تمام لکچر کتابی شکل میں محفوظ ہوگئے ہیں۔

۲۰ فروری کو گاندھی جی نے کیمپ کا معائنہ کیا اور فرمایا کہ یہاں کی صفائی دیکھ کر بہت خوش ہوا ہوں۔ پاخانے بھی اچھے تھے۔ اور ان سے بو نہیں آتی تھی۔ مگر [illegible] والے کہتے ہیں کہ ادھر بو آتی ہے کافی مٹی ڈالنی چاہیے۔ جو برتن پیشاب کے لیے رکھا جاتا ہے اس میں پانی اور [illegible] ہونا چاہیے۔ پھر بدبو نہیں ہوگی۔ انسان میں میل بہت ہے۔ پسینہ۔ پیشاب۔ ٹٹی وغیرہ میل ہی میل ہے جو انسان کے اندر سے نکلتی ہے۔ اس لیے انسان ہی کا حق ہے کہ وہ اسکو صاف کرے۔ جو لوگ باہر سے میلے ہوتے ہیں وہ اندر سے بھی گندے ہوتے ہیں۔ ہم اپنے آپ کو دھوکا دے سکتے ہیں۔ لوگوں کو دھوکا دے سکتے ہیں مگر خدا کو دھوکا نہیں دے سکتے۔ خدا تب ملتا ہے جب تن صاف ہو۔ اگر آپ ایک پیسے بھر صفائی کا مطلب سمجھ جائیں تو میں سمجھوں گا کہ آپ نے [illegible] کچھ سیکھ لیا ہے۔

جب یہ نوجوان رخصت ہوئے تو گاندھی جی نے انھیں یہ پیغام دیا۔ "میرے نوجوانو! تم دیہات میں نکلو اور اپنے ہم وطنوں کی سیوا کرو۔ وہاں جاکر بھنگیوں کا فرض ادا کرو اور دیہات کو صاف کردو۔ [illegible] بوڑھا ہو [illegible] نہیں لیکن بوڑھی ہوئی عقل لیکر جاؤ۔ اگر تم میں جذبۂ خدمت نہیں ہے تو تم دیہات کے قابل نہیں ہوسکتے۔ [illegible] تمھیں ملی جلی اردو ہندی (ہندوستانی) بولنی چاہیے۔ تاکہ دیہاتی تمھیں سمجھ سکیں۔ دیہات میں جاؤ اور [illegible] خوشحال بنادو۔"

(پیام آزادی)

(بقیہ صفحہ ۲)

جب [illegible] نیا [illegible] ہے [illegible] کے اس فرض کفایہ کو ادا کرکے گونگے شیطان کے الزام کا تو ازالہ کردے، تو اب اسکو تنگ نظری و دقیانوسیت سے متہم کیا جارہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند اور دیوبند [illegible] سے پڑھ کر نکلنے والے مولوی، خدا کی شان ہے کہ ہم جیسے خاکسار کو عہد حاضر کے افکار و خیالات، تحریکات و رجحانات سے مطلع فرماتے ہیں! امروہوی صاحب کی لن ترانیاں، منطقی فلسفہ نوازیاں پڑھتا جاتا تھا اور دل ہی دل میں [illegible] جاتا تھا کہ یا [illegible] دیوبند کہاں تھا، کدھر جارہا تھا، اور اب [illegible] اسکا رخ کدھر پھر گیا ہے۔ کہاں جارہا ہے۔ امروہوی صاحب کے مقالہ کو میں نے لاجواب قرار دیا ہے۔ اپنی معیت کا اظہار خود اپنی ذات سے وہ کررہا ہے۔

جی ہاں، دیوبند آخر کب تک دیوبند رہتا!

[illegible] مگر [illegible] کب تک کوئی کرتا [illegible]!

اور اس [illegible] گروہ [illegible] کے سبب کون اب نہیں [illegible]

مل کر یہ نتیجے پیدا کیے ہیں

ایک اور مشہور فاضل و صاحب قلم اپنے [illegible] نہایت [illegible]

"آپ کو سن کر حیرت ہوگی کہ مولانا سندھی کے خیالات انھیں تک محدود نہیں۔ متعدد نوجوانوں اور سیاسی [illegible] تک ساری ہوچکے ہیں؟

دیوبند اور [illegible] چند روز پیشتر کوئی اسکے امکان کا [illegible] خیال بھی کرسکتا تھا!

(بقیہ صفحہ ۵)

کی بنیاد ہی "فکر" کا "ترجمان" سمجھتے ہیں۔ اسکا کیا مطلب ہے۔ سندھی صاحب تو خیر تشریف لے گئے۔ لیکن انکے معتقدوں سے پوچھتا ہوں کہ وہ اسکا مطلب کیا قرار دیتے ہیں کیونکہ اس کے بعد یہ بھی ارشاد ہوتا ہے

مذاہب اور فلسفوں کا اصل الاصول یہی فکر ہے۔

فلسفہ کے متعلق تو بیشک یہ معلوم تھا کہ اسکا خدا سے نہیں بلکہ آدمی کے بھیجے اور اسکی فکر سے تعلق ہے، لیکن مذاہب کی بنیاد بھی انسانی فکر ہے اور اسکا مرکز بھی انسانی دماغ ہے، یہ نہیں سمجھتا کہ اسکے بعد فلسفہ اور مذہب میں کیا فرق رہ جاتا ہے۔ مذہب کی فلسفہ پر عدم اعتماد کی وجہ اسکے سوا اور کیا ہے کہ اسکا تعلق ناقص انسان کی ناقص معلومات سے ہے۔ جب انسانی فکر ہی پر اعتماد کرنا ہے تو آدمی بجائے دوسروں کی فکر کے خود اپنی ہی فکر پر کیوں اعتماد نہ کرے۔

بہرحال مذہب پر ہم مسلمانوں کا جو لازوال اعتماد ہے اسکا تو گر یہی یہ ہے کہ ہمارے علم کا رشتہ ایک ایسے علم سے مل جاتا ہے جو لامحدود اور محیط کل ہے، جس میں غلطی کا احتمال کسی حال میں کسی جہت سے نہیں ہے۔ ظاہر و باطن، ماضی و مستقبل کا کوئی پہلو اس سے مخفی نہیں ہے یعنی خدائے علام الغیوب کا علم۔ لیکن اگر مذہب کی بنیاد بھی وہی ہے جو فلسفہ کی بنیاد ہے، اور جیسا کہ سندھی صاحب کے بیان سے بھی معلوم ہوتا ہے تو انکے معتقدوں کو یہ غور کرنا چاہیے کہ قرآن کو سندھی صاحب کیا چیز بنانا چاہتے ہیں۔

خلاصۂ مراسلات

سیٹھ حاجی کریم صاحب امراؤتی - برار سے اخبار الفاروق (کانپور) کا ایک تراشہ بھیجتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ ہر جگہ کے مسلمانوں کو جلسہ کرکے بذریعہ [illegible] عموم پرچارک منڈل اندور کے رسالہ پرچارک جنوری ۳۵ء کے اس مضمون پر جس میں اللہ تعالیٰ، قرآن کریم اور حضرت رسول اللہ صلعم کی توہین کی گئی ہے، سخت نفرت و غصہ کا اظہار کریں اور رزولیوشن کی نقول حکومت ہند اور مہاراجہ اندور کے پاس اس مطالبہ کے ساتھ بھیجیں کہ مضمون نگار، ایڈیٹر و پرنٹر و پبلشر کو قرار واقعی سزا دی جائے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق سے شائع کیا

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے

" ششماہی [illegible]

بیرون ہند [illegible]

قیمت فی پرچہ [illegible]
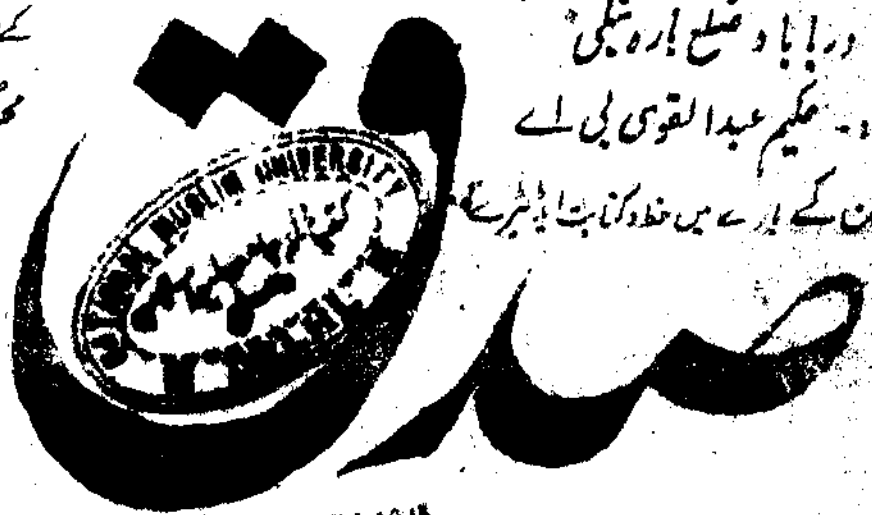
ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

نمبر ۱۵ | شنبہ - ۱۹ رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۳۰ - جون ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ہرقل دیوتا کے پجاری کو ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ سوجھی کہ آؤ دیوتا سے ایک بازی چوسر کی بدکر کھیلیں۔ اور جیت میں کوئی قیمتی تحفہ اس سے حاصل کریں۔ لیکن اگر دیوتا جیت جائے، تو اسکے لیے عمدہ عمدہ کھانے پکوانے کے علاوہ ایک حسین عورت بھی پیش کی جائے۔ چنانچہ بازی بچھی اور کھیل شروع ہوا۔ اتفاق دیکھو کہ پجاری کا ہر پانسہ الٹا پڑا۔ اور دیوتا کی بازی جیت گئی۔ شرط کا ایفا ضروری تھا، اسلیے پجاری نے دیوتا کے لیے دسترخوان بچھانے کے علاوہ لارن شیہ کو جو اسوقت کمال حسن پر تھی، روپیہ دے کر دیوتا کی خدمت کے واسطے منتخب کیا۔ اور پلنگ بچھاکر مندر میں اسکو تنہا بند کردیا۔ کہتے ہیں کہ اسکا یہ سامان فی الواقع بیکار نہ گیا۔ بلکہ سچ مچ دیوتا لارن شیہ کے پاس آیا اور اسکو حکم دے گیا، کہ صبحدم منڈی میں جو شخص سب سے پہلے نظر پڑے اسی کو سلام کرکے اپنا دوست بنالے۔" (مشاہیر یونان و روما - جلد اول ۵۵ مترجمہ مولوی سید ہاشمی فرید آبادی، جدید ایڈیشن)

ان ہرقل دیوتا کا شمار قدیم رومی دیومالا میں صف اول میں ہے روما کے ایک زبردست دیوتا۔ ہاں وہی روما جسکی تہذیب و شائستگی، قانون و تمدن، علوم و فنون کی دھاک ہر انگریزی اسکول کے طالب علم کے دل میں شروع سے بٹھادی گئی ہے!

دیوتا ایسے ہیں جو گاتے نہیں، ناچتے نہیں، جو سرجوا نہیں کھیلتے، شرابیں نہیں پیتے، حرام کاریاں نہیں کرتے، ہر ناکردنی نہیں کرگزرتے؟ بڑی بڑی مہذب و مشہور قوموں کا "کلاسیکل" اور مذہبی لٹریچر پڑھ جائیے، سوا انھیں قصوں قضیوں کے اور ان میں ملیگا کیا؟ کہیں کہیں کوئی اخلاقی سبق بھی انکے اندر نکل آئینگے، جیسے رات کے وقت کالے ڈراؤنے بادلوں کے بیچ میں بجلی ورنہ عام طور پر تو انھیں ظلمتوں اور اخلاقی کدورتوں کی گھٹاٹوپ گھٹائیں ہیں۔ —— قرآن مجید کی جو تنزیہی آیات ہیں، جن آیتوں میں حق تعالی کی تنزیہ اور پاکی تمام گندہ صفات سے بیان کی گئی ہے انکا راز یہی دوسری قوموں کے مشرکانہ خرافات ہیں۔ کیسی کیسی گندی اور ناسزا باتیں بلاتکلف بلکہ فخر کے ساتھ دیوتاؤں، معبودوں، خداؤں کی جانب منسوب تھیں، اور دلوں میں رچی ہوئی تھیں۔ قرآن کو بار بار ان عقیدوں پر ضرب لگانی پڑی، اور بتانا پڑا کہ خدائے واحد کی ذات پاک تو لطافت و پاکیزگی کا سرچشمہ اور ان تمام لغویتوں سے بہ ترو منزہ ہے۔

کام کی رفتار

تفسیر اردو کے پارۂ سوم کی نظرثانی بحمداللہ پچھلے ہفتہ ختم ہوگئی۔ ۲۶ مارچ کو شروع ہوئی تھی۔ ڈھائی مہینے ایک پارہ کی نظرثانی میں لگے۔ اب دو تین ہفتوں کے وقفہ کے بعد پارۂ چہارم شروع ہوگا ان شاءاللہ۔ وقفہ کا یہ زمانہ آرام کے لیے نہیں ہوتا۔ تصنیف و تحریر کے دوسرے ضروری کاموں کے لیے ہوتا ہے۔

پارۂ اول کی طبع و اشاعت کا ہنوز دور اول ہے۔ تاریخ کہیں اپنی مصلحتوں کو خود ہی بہتر سمجھتی ہے۔

—— ایک روما پر کیا موقوف ہے، یونان، ایران، مصر، ہندوستان، کس قدیم ملک کی دیومالا انھیں خرافات سے بری بچتی ہے؟ [illegible]

پچھلی پندرھویں میں ذیل کی رقوم بہ امداد تفسیر قبول کی گئیں

۲۳ - جون ۱۹۴۵ء - ایک مخلص، قومی کارکن، ریاست میسور عـــہ
(علاوہ اقساط سابق)

۲۱ - جون - ایک مخلص، مقیم پشاور (۱۰ روپیہ ابھی، قسط) عـــہ

تجدد کی ترقیاں

فریج ارادہ (LE CLARION) (بمبئی) کے کسی نمبر سے:

"پچھلی جنگ عظیم سے قبل ہندوستان کے کل سینما گھر صرف ۳۰ سے کچھ زیادہ تھے اور وہ بھی عموماً باہر کی فلمیں دکھاتے تھے۔ اب ملک میں کوئی ۵۰ کارخانے فلم سازی کے کھل چکے ہیں، اور سینما گھروں کی تعداد ۱۷۰۰ تک پہونچ چکی ہے۔ کہنا چاہیے کہ کوئی شہر ہندوستان بھر میں ایسا نہیں جہاں سینما گھر نہ ہو۔ ہندوستان کی پہلی فلم ۱۹۱۳ء میں تیار ہوئی تھی، اور آج ہندوستان کی فلمی صنعت دنیا کے تمام ممالک میں بجز روس و امریکہ کے سب سے بڑی ہے!

... "ٹاکی" (بولتی فلمیں) سب سے پہلے ۱۹۳۱ء میں بمبئی اور پھر کلکتہ میں تیار ہوئی تھیں۔ حساب لگایا گیا ہے کہ دس سال کے عرصہ میں یعنی ۱۹۳۱ء سے ۱۹۴۱ء تک ۱۵۰۰ بولتی فلمیں ہندوستان میں تیار ہو چکی تھیں۔ ۱۳ مختلف زبانوں میں، جن میں سے پانچ تامل میں اور دو انگریزی میں تھیں۔" (صفحہ ۲۲)

مبارک ہوں تجدد کو یہ روز افزوں اور شب افزوں ترقیاں!

—— اب فرانس اور برطانیہ اور جاپان اور ٹرکی کی ترقیوں اور آزادیوں پر رشک کیا کیجیے، کہ فلم سازی اور سینما نوازی میں تو ہم خود ان سب سے بڑھ کر رہے ہیں —— آہ یہ بھوکا، ننگا، مفلس اور کنگال ہندوستان! کون جھوٹ اس سے بڑھ کر عریاں، اور کون دروغ اس سے بڑھ کر بے فروغ ہوگا؟

امراض خبیثہ کی وبا!

"۱۹ - جون - ہیڈ کوارٹر ۲۱ - آرمی گروپ

آج ایک میڈیکل اسٹاف افسر نے اپنے بیان میں کہا کہ یوم فتح سے لیکر آج تک برطانوی اور کناڈین فوجوں میں امراض خبیثہ کا شیوع بمقدار ۸۷ فی صدی کے بڑھ چکا ہے اور اگر یہی رفتار مرض جاری رہی تو یہ بڑا سخت مسئلہ بن جائیگا۔ لفٹنٹ کرنل ڈاکٹر کیمبل مشیر امراض خبیثہ آرمی ہیڈ کوارٹر نے اپنی رپورٹ میں بیان کیا کہ ڈیڑھ مہینے کے اندر، امراض خبیثہ کی شرح ۳۵ فی ہزار سے بڑھ کر ۵۳ فی ہزار تک پہونچ گئی ہے"! (امریکن ایسوسی ایٹڈ پریس)

جو فوجیں ملکوں اور قوموں کی خودی کو نہیں، خدا کے نام کو سربلند کرنے کے لیے فوج کشی کرتی ہیں، کیا انکا ریکارڈ بھی یہی رہتا ہے؟ نسبت کیا، وہ زبردست شہنشاہیوں، روم امپائر اور پرشین امپائر کے علمبرداروں کا زور توڑنے کے لیے جب مصر و شام اور عراق کی سرحدوں پر اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ فاتحانہ جا پہونچی تھیں، تو اُن میں بھی کوئی بیماری اس قسم کی پیدا ہوئی تھی؟

بہادروں کی بزدلی

معارف، جون نمبر کے شذرات سے:

"تاریخ کا یہ کسقدر عبرتناک انجام ہے کہ وہ ہٹلر، وہ مسولینی، وہ ہملر، وہ گوئرنگ، وہ گوبلز جن کے لفظ لفظ کو دنیا تقدیر مبرم سمجھتی تھی، جن کے ہر محال دعوے کو انکے کہنے ہی سے ممکن یقین کر لیتی تھی، جنکے رعب و دبدبہ سے زمین کا ہر قطعہ خوف و دہشت سے لرزہ براندام تھا، اور جنکے ایک ایک قدم سے دنیا زیر و زبر ہو رہی تھی — آخر وہ گھڑی آ گئی کہ ذلت اور مایوسی نے انکی ہر امید کا خاتمہ کر دیا۔ ان میں سے کسی نے اپنے ہاتھ سے آپ اپنا گلا کاٹ لیا، کسی نے زہر کا پیالہ پی لیا، کوئی اپنے دوستوں کی تلواروں سے آپ مارا گیا، اور برلن جو کبھی بابل کو شرما رہا تھا، آج خاک کے تودوں کے سوا کچھ نہیں"

لیکن ناکامیوں اور مایوسیوں کے بعد خودکشی سے روکنے والی شے، بجز اللہ پر ایمان اور آخرت پر ایمان کے اور ہے کیا؟ جب ذہن پر یہ عقیدہ مسلط ہو گیا کہ اس دنیا کے آگے کوئی دنیا نہیں، اس زندگی کے بعد کوئی زندگی نہیں، تو ناکام و مایوس انسان آخر کیوں نہ خودکشی کر لے؟ —— ایمان سے محروم بڑے سے بڑے عزم والوں کی ہمتیں، ایک معمولی اور ادنیٰ مومن کی ہمت کے مقابلہ میں کیا حیثیت اور کیا بساط رکھتی ہیں؟

نئی تعلیمی بستی

"لاہور - ۲۰ - جون - لاہور کے مضافات میں ایک بڑے یونیورسٹی ٹاؤن بننے کی اسکیم منظور ہو چکی ہے، اور تیاریاں بڑے پیمانہ پر ہو رہی ہیں۔ خود پنجاب یونیورسٹی اور لڑکوں اور لڑکیوں کے ۱۸ کالجوں کی عمارتیں مع اپنے ملحقات کے اسی علاقہ میں بنیں گی۔ ہر مردانہ کالج کے لیے سو ایکڑ زمین کا، اور ہر زنانہ کالج کے ۵۰ ایکڑ کا رقبہ تجویز ہوا ہے۔ نئے شہر کا کل رقبہ ۲ ہزار ایکڑوں کا ہوگا۔ اس جدید اسکیم کا مقصد یہ ہے کہ ساری بستی پر یونیورسٹی کی فضا چھا جائے۔ اور شہر کی عام ترغیبات سے بالکلیہ محفوظ رہیں۔" (اسٹیٹسمین، کلکتہ، دہلی کے وقائع نگار خصوصی کا تار)

کیا خوب! گویا مخلوط تعلیم کی شاندار ترقیوں کے بعد، زنانہ اور مردانہ کالجوں کی یکجائی کے بعد، یونیورسٹیوں کی مشہور اور عام فضا کے بعد، پھر بھی "شہر کی نامناسب فضا" سے تحفظ کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے!

جاتے ہوئے کہتے ہو قیامت کو ملینگے
کیا خوب، قیامت کا ہے گویا کوئی دن اور

نئی راہ فرار!

"ماخذ القرآن کی بحث - یہ مسئلہ بہت اس

سورۂ بقرہ رکوع ۲۲

(از سلسلۂ صدق جدید)

لہ (کا بقیہ)

بعض صوفیوں نے آیت کے اجزاء کی جامعیت پر نظر کر کے کہا ہے کہ آیت اصل مدار ہے شریعت وطریقت کی۔ آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مومن کے لیے کافی نہ صرف باطنی اعتقاد ہے اور نہ صرف ظاہری، بلکہ دل میں ایمان ہونا بھی لازمی ہے اور ظاہر میں احکام کی اطاعت بھی

اور خیر یہ باتیں تو سب اپنوں کی تھیں۔ فرنگیوں میں ایک مسیحی شریعت پادری وہیری (WHERRY) گزرے ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بڑے معاند "سن سنیدا گو" مذہبی کے اہل اسلام کی عداوت ہی میں صرف کیے۔ سیل SALE کے انگریزی ترجمۂ قرآن پر تفسیر کا اضافہ انھیں کے قلم سے ہے۔ اس آیت پر پہنچ کر قدرت اُنکے قلم سے یوں لکھواتی ہے:۔

"یہ (آیت) قرآن کی بلند ترین آیتوں میں ہے ۔۔۔۔ ذات باری کا ایمان، اور نوع انسانی کے ساتھ حسن سلوک، اسکو اس میں واضح طور پر مذہب کا جوہر اصلی بتایا گیا ہے۔ اس میں لب لباب عقائد اور اعمال کا آگیا۔"

خیر یہ بہت غنیمت ہے کہ پادری صاحب کو کچھ تو آیتیں قرآن مجید میں بلند نظر آگئیں۔

۳ (اس حال میں کہ جب تم اپنی حکومت رکھتے ہو اور سزاؤں کے نفاذ پر باقاعدہ قدرت رکھتے ہو)

اسلام اپنے پیرووں سے توقع دنیوی سربلندی ہی کی رکھتا ہے، اور اسے بطور ایک مسلّمہ کے فرض کیے رہتا ہے کہ اسے دنیوی اقتدار کی بھی مالک ہوگی۔ مسلمانوں کا صدیوں تک مسلسل قرنوں کے تسلط و اقتدار میں رہنا اسلام کے مفروضات اولیہ میں تو داخل ہی نہیں۔ قانون فوجداری اور قانون دیوانی دونوں کی اکثر دفعات کا نفاذ نظام حکومت کے اسلامی ہونے پر معلق ہے یعنی امت کو ان قوانین الٰہی کی تنفیذ کی باقاعدہ قدرت بھی تو ہو۔

لا خلاف ان القصاص فی القتل لا یقیمہ الا اولو الامر فرض علیہم النھوض بالقصاص واقامۃ الحدود وغیر ذلک (قرطبی)

اتفق ائمۃ الفتوی علی انہ لا یجوز لاحد ان یقتص من احد حقہ دون السلطان ولیس للناس ان یقتص بعضہم من بعض (قرطبی)

قصاص۔ یہ انتقام محض کا مرادف نہیں کہ ہر فرد دوسرے فرد سے از خود لینا شروع کر دے، بلکہ قانون فوجداری کے ماتحت سزا کی منظم، مہذب، منضبط ترین شکل کا نام ہے۔ امت کا ایک قانونی واجتماعی حق ہے۔ اسکے اجراء کی ذمہ داری حکومت یا اہل حل و عقد پر عائد ہوتی ہے۔ یا ایہا الذین آمنوا میں مومنین سے خطاب

۱۷۸ یا ایہا الذین آمنوا کتب علیکم القصاص فی القتلی، الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی۔ فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف

اے ایمان والو، تم پر مقتولوں کے باب میں قصاص فرض کر دیا گیا ہے! آزاد کے بدلے میں آزاد اور غلام کے بدلے میں غلام اور عورت کے بارے میں عورت۔ ہاں جس کسی کو اُسکے فریق مقابل کی طرف سے کچھ معافی حاصل ہو جائے، سو مطالبہ معقول اور نرم طریق پر کرنا چاہیے۔

اجتماعی حیثیت سے ہے، انفرادی حیثیت سے نہیں۔

قتلی۔ قتل عمد کی سزا دنیا کے ہر قانون میں عموماً قتل ہی ہے البتہ خود قتل عمد کی تعریف میں بہت کچھ اختلافات ہیں۔ شریعت اسلامی کی اصطلاح میں قتل عمد وہ ہے کہ کوئی کسی کو ارادہ کر کے کسی آہنی سلاح سے یا کسی اور حربہ سے جس سے گوشت پوست کٹ کر خون بہ سکے، قتل کرے۔

اما العمد فما تعمد ضربہ بسلاح او ما اجری مجری السلاح فی تفریق الاجزاء (کالمحدد) السلاح ما یکون آلۃ قاتلۃ اعدت للقتال (قتبا یہ)

اور فقہاء نے تصریح کر دی ہے کہ قصاص یعنی سزائے قتل اسی قتل کے ساتھ خاص ہے۔

۴ مراد یہ ہے کہ قصاص میں مساوات ملحوظ رہیگی، اور خون خون سب کا برابر سمجھا جائیگا۔ یہ نہیں کہ اونچے شخص کی جان کی قیمت معمولی شخص کی جان سے زیادہ سمجھی جائے۔ عرب جاہلی میں ایک دستور یہ پڑ گیا تھا کہ آزادوں میں سے کوئی اگر کسی غلام کو مار ڈالتا، تو قصاص میں جان اُس آزاد کی لینے کے بجائے کسی غلام کی لیجاتی۔ دنیا کی تاریخ دوسرے ملکوں میں بھی ایسی مثالوں سے خالی نہیں۔ اور امریکہ میں تو آج تک ایک گورے (WHITE) کا خون ایک کالے (NEGRO) کے خون سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے اور فرنگی حکومتیں اپنے ایک ایک مقتول کے عوض، قاتل قوم کے کئی کئی شخصوں کی جانیں بے تکلف لیتی رہتی ہیں۔ یہاں پہنچکر داد اُن فقہاء ومفسرین کی نکتہ سنجی کی دینا پڑتی ہے جنھوں نے آیت کی تفسیر میں صاف لکھ دیا ہے

ای المساواۃ بینہم لا الزیادۃ

اسلام نے ان ظالمانہ دستوروں کو مٹا دیا، اور اعلان کر دیا کہ زندگی ہر مومن کی، امت کے ہر فرد کی، یکساں قابل احترام ہے۔ اور مرد ہو، عورت ہو، آزاد ہو، غلام ہو، کوئی ہو، جبکہ وہ قاتل ہوگا، وہی سزا پائیگا۔

القصاص علیکم من المساواۃ۔ والمعنی فرض علیکم اعتبار المماثلۃ والمساواۃ بین القتلی (مدارک)

فقہ حنفی کے جزئیے اس سلسلہ میں قابل خیال رکھنے کے ہیں۔

فکرِ سندھی پر تبصرہ

نمبر (۵)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

بہ حال انکو بدل دیا جائے، انکی تجدید کی جائے، انکو توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جائے، الغرض انکو کچھ سمجھا جائے۔ دیکھ رہے ہیں ان کے اشارے کن چیزوں کی طرف ہو رہے ہیں۔ قرآن پر عمل جو اسی زمانے کے بعد اصلے جو دو حصے کیے گئے تھے، یہ سب کچھ اسی کا شاخسانہ بن صرف ایک دلیل یعنی بہم دعوے یعنی "بے روح ہو جانے کے دعوے کے بعد کر دیا گیا ہے۔ اور در اصل بے روح ہونے کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ روح دار ہو یا بے روح جب کوئی قانون ابدی و سرمدی ہوتا ہی نہیں، بلکہ ایک مرحلے تک کی انسانیت کو دوسرے مرحلے تک دھکیل دینے کا ذریعہ ہوتا ہے، اگر یہی اسکا کام ہے تو ہر حال میں اسکے ساتھ یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیئے جسکے اختیار کرنے کا مشورہ "بے روح ہو جانے" کے نقاب کو اوڑھ کر دیا گیا ہے۔

خیر جانے دیجیے ان رسوم و شعائر کو جب حضرت مولانا عبید اللہ السندھی المجاہد المفادی البطل فرماتے ہیں کہ وہ کبھی ابدی و سرمدی نہیں ہو سکتے تو خواہ مخواہ آپ انکی ابدیت و سرمدیت پر کیوں زور دیتے ہیں۔ قرآن پر عمل کرنے کے لیے اور قرآن کے ساتھ رہنے کے لیے اور اپنے کھونے اسلام کو اس میں پھیر جانے کے لیے

ایک چیز تو رہی باقی ہے۔ مولانا ارشاد فرما چکے ہیں کہ

"ابدیت صرف حکمت کو ہے"

آئیے اس حکمت کو قرآن سے حاصل کر کے اپنے کفر کا ازالہ کیجیے مگر یہ حکمت ہے کیا چیز؟ کچھ نہیں تو قرآنی تعلیم کی آخری "حیاتی معرفت" یعنی توحید و شرک کا مسئلہ، اور حق تعالیٰ کے صفات و کمالات کا علم یہ تو ضرور قرآن کی اس حکمت کا جزو ہوگا۔ قرآن نے ہر پیغمبر کی دعوت میں توحید کی دعوت کو ایک مشترک جزو کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، اور اسی توحید کے مقابلہ میں شرک کو اس نے اعظم الجرائم اور ایک ایسا جرم قرار دیا ہے جسے خدا کبھی معاف نہیں فرما سکتا۔ اب سنیئے سندھی صاحب کے الرادیہ کے ارشادات عالیہ ایک جدید تقسیم سے پہلے مسلمانوں کو روشناس فرمایا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:

مولانا کل انسانی فکر کی ارتقائی کشمکش کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ایک حصہ جو حضرت ابراہیمؑ سے پہلے گزرا ہے، اسے صابی دور کہتے ہیں۔ اور انکے نزدیک حضرت ابراہیمؑ سے حنیفیت کا دور شروع ہوا۔ (صفحہ ۸۵)

پھر سندھی صاحب کے ان الفاظ نقل کرنے کے بعد الرادیہ صاحب نے سندھی صاحب کی طرف پھر ان ہی الفاظ کو منسوب کیا یعنی "ابراہیم سے پہلا دور صابین کا تھا۔ صفحہ ۸۵

حضرت ابراہیم سے پہلے انبیاء بت پرست تھے؟

ابراہیمؑ سے پہلے صابئین کے اس دور کا تعلق کن لوگوں سے تھا، سندھی صاحب کے الفاظ یہ نقل کیے گئے ہیں "اس دور کی جس میں آدمؑ، ادریسؑ، نوحؑ ما قبل ابراہیم علیہ السلام داخل ہیں۔ صفحہ ۸۵۔

مطلب جس کا صاف ظاہر ہے کہ آدمؑ، ادریسؑ، نوحؑ وغیرہ پیغمبروں کی تعلیم پر چلنے والوں کا نام "صابئین" تھا۔

اور وہ تعلیم جو ان پیغمبروں نے "صابئین" کو دی تھی کیا تھی۔ یہ فرماتے ہوئے کہ

"اس تمدن کے حامل صابی عقیدے کے تھے"

اس عقیدہ کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے:—

"یہ لوگ مظاہر قدرت کی پرستش کرتے تھے۔ انکے نزدیک چاند، ستارے، سورج، خدا کے مظہر تھے۔ مندروں میں انکے بت بنانے اور انکی پوجا کرتے" (صفحہ ۱۶۹)

اس مطلب کو اور واضح الفاظ میں ادا کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے

---

[1] مسلمانوں کے اعمال و افعال عبادات و معاملات کی روح نکل گئی ہے" اگر مان بھی لیا جائے کہ یہ کلیہ صحیح ہے تو اصلاح کا طریقہ روح کا ان میں واپس کرنا ہوگا یا سرے سے ان اعمال و افعال ہی کے نظام کو درہم برہم کر کے رکھ دینا چاہیے۔ جسکا اپنا رسول مسلمانوں کو قرآن اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بنایا ہے اور سچی بات یہ ہے کہ عہد صحابہ کے بعد اپنے عالمگیر سیاسی اقتدار کے ان ہی دنوں میں جن میں دنیا کی باگ مسلمانوں اور صرف مسلمانوں کے ہاتھ میں تھی، اچھے برے ہر طرح کے مسلمان پائے گئے ہیں۔ گذشتہ مسلمانوں اور موجودہ مسلمانوں میں اس لحاظ سے اگر کچھ فرق ہوا ہے تو وہ بہت کم ہوا ہے۔ البتہ سیاسی اقتدار کے زوال کے بعد ایک نیا طبقہ تعلیم یافتوں کا مسلمانوں میں پیدا ہو گیا ہے۔ ان میں بھی سب نہیں بلکہ انکی بھی ایک محدود اقلیت "شک و ریب" کے عوارض میں مبتلا ہوئی ہے۔ جب کہتے ہیں کہ ابھی ہندوستان میں دس فی صدی بھی صحیح تعلیم لوگوں میں نہیں پھیلی ہے تو مسلمانوں میں تعلیم یافتوں کی تعداد ہی کتنی ہے اور ان میں اس قسم کے ایمانی روگیوں کی تعداد کیا ہوگی۔ بہرحال

[2] روح رفتہ کی تلاش صرف گم شدہ سیاسی اقتدار کے حصول کے لیے میرے نزدیک تو غیر ضروری ہے۔ عباسیوں بلکہ امویوں اور انکے بعد سلاجقہ، عثمانی ترک وغیرہ کے زمانہ میں بھی شاید "روح" کا حال قریب قریب یہی تھا جو آج ہے۔ ۱۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
مقام - دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط و مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۔۔۔
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/

نمبر ۱۷ | یوم شنبہ - ۲۶ - رجب المرجب ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ - جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ریڈیو سیٹ اگر آپ کے یا آپ کے کسی دوست کے یہاں ہے تو آپ کو اکثر اسکے سننے کا اتفاق ہوتا ہوگا - یا کم از کم محکمۂ ریڈیو کے رسالہ آواز پر تو ہر پندرہویں آپ کی نظر پڑتی ہی رہتی ہوگی - پھر آپ کو اس میں سب سے زیادہ کیا لگتا ہے؟ فضا کی برقی لہریں سب سے زیادہ کس موضوع کے نشر کے لیے وقف رہتی ہیں؟ جنگ کی خبروں اور دوسری سرکاری خبروں کی اہمیت تو بالکل ظاہر ہی ہے - محکمہ بہرحال سرکاری محکمہ ہے، اور سرکاری خدمت اسکا سب سے پہلا فرض ہے - لیکن اسکے بعد جہاں تک پبلک کی خدمت نفع رسانی کا تعلق ہے، اولیت اور اہمیت کس عنوان کو حاصل ہے؟ معاشیات کو؟ اخلاقیات کو؟ تعلیمات کو؟ صنعت و حرفت کے مسائل کو؟ تجارت و زراعت کے عنوانات کو یا شعر و ادب کو؟

جی نہیں - ان میں سے کسی کو بھی نہیں - اہمیت حاصل ہے صرف راگ اور گیت کو، باجہ اور ساز کو! صبح ہو یا شام، رات ہو یا دوپہر اور دہلی یا لکھنؤ، مدراس یا کلکتہ، لاہور یا بمبئی، آل انڈیا ریڈیو کا کوئی سا بھی اسٹیشن ہو، اسکے کھلے رہنے کے اوقات میں جب بھی کان لگائیے گا، سترفی صدی یقین ہے کہ یا تو کوئی بائی صاحبہ تان لے رہی ہونگی، یا کوئی خان صاحب، پنڈت جی مہاراج اُستادی کے کمالات دکھا رہے ہونگے، یا کسی غزل یا دادرے کا ریکارڈ بجایا جا رہا ہوگا! بہرحال گانے ہی کی کوئی قسم گایا ہو رہا ہوگا!

فن کو اس دور سے قبل یہ آزادیاں کب حاصل تھیں؟ اتنی سربلندیاں کب نصیب تھیں؟ فتنہ نزوشی کے کاروبار کو کب ایسی درجہ ترقی ہوئی تھی؟ سازندوں، ڈوموں، معاریوں، بیسواؤں کی سرپرستی کب اس پیمانہ پر اور ۔۔۔ نے کی تھی! ہمارے شاعر نے بڑی بلند پروازی سے کام لیا تو کہا تھا، ع

قصۂ منصور دیکھو اور قوالی سنو!

لیکن اب قصۂ منصور دیکھنے اور قوالی سننے کی ضرورت ہی کیا باقی رہی ہے؟ دیکھنے کو تو ہر طرف سنیما کی تصویریں ہیں اور سننے کو ہر وقت ریڈیو کے گانے! ---- کیا خوب کام اللہ کی بخشی ہوئی بڑی سی بڑی نعمتوں، باصرہ اور سامعہ، آنکھ اور کان سے لیا جا رہا ہے! ---- وقت کے شیطانی تقاضوں کو کیسر دبا دینا تو اسوقت بے شبہ ہمارے بس سے باہر ہے، تاہم ان پر کچھ نہ کچھ قیود و حدود تو ضرور ہی عائد کی جا سکتی ہیں - ریڈیو کسی تجارتی کمپنی یا پرائیوٹ فرم کی ملک نہیں، بالکل سرکاری محکمہ ہے، اُسی طرح کا جیسے دوسرے محکمے ڈاک، تار، تعلیم، عدالت وغیرہ کے ہیں - مرکزی اسمبلی کے مسلمان ممبر اگر چاہیں تو یقیناً اپنا اثر ڈال کر اس حد سے بڑھی ہوئی لغویت میں کمی کرا سکتے ہیں - اور یہ جو ہماری ملی اور قومی انجمنیں اور مجلسیں ہیں - مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء وغیرہ! کیا ان پر کوئی ذمہ داری اس بارے میں ہے ہی نہیں؟

تثلیث نزع میں!

"لندن - ۱۹ - جون - کنٹربری اور یارک کے لاٹ پادریوں کی تحریک پر جو کمیشن چرچ آف انگلینڈ نے مقرر کیا تھا، اس کی رپورٹ آج شائع ہو گئی ہے - رپورٹ کا خلاصہ یہ ہے، کہ آج برطانیہ میں مسیحی مذہب کی حالت انحطاط بہت زیادہ قابل توجہ ہو گئی ہے اور اب انگلستان کو نئے سرے سے مسیحی بنانا ہے۔

اس غرض کے لیے دعوت و تبلیغ مسیحیت کا کام ایک عظیم الشان پیمانہ پر نئے سرے سے شروع ہوگا۔ ساری آبادی کو جو عملاً دہری ہو چکی ہے، پھر سے مسیحی بنانا ہے، اور مسیحیت کو گھر گھر پہونچانا ہے۔ اسکے لیے ۸ لاکھ ڈالر سالانہ کے صرف سے ایک مستقل ادارہ قائم ہوگا - اور اخبارات کے علاوہ تھیٹر، سینما وغیرہ ہر مقبول، عام ذریعہ سے پیام کو عوام تک پہونچایا جائیگا۔

رپورٹ میں یہ تصریح درج ہے کہ ایسے کافروں میں جو بہرحال کسی نہ کسی صورت میں خدا کے قائل ہوں، پیام پہونچا دینا آسان ہے، لیکن برطانیہ میں تو کلیسا کو اپنی آواز مسیحی قوم کے ہر ہر حلقہ تک پہونچانا ہے، جو سرے سے کوئی مذہبی عقیدہ ہی نہیں رکھتی" (اسٹیٹسمین ۲۲ - جون ۱۹۴۵ء کا خصوصی تار، بحوالہ نیویارک ٹائمس، ملخصاً)

خوب خوب تالیاں بجی تھیں، خوب خوب قہقہے لگے تھے جب خبریں آنا شروع ہوئی تھیں کہ ٹرکی سے اسلام رخصت ہو گیا! خوب خوب آوازے سننے میں آئے تھے، کہ وہ دین تو تھا ہی اس لائق کہ دنیا، مہذب دنیا، جلد سے جلد اُس سے آزادی حاصل کرے! ——— یہ کیا ہوا کہ ضعیفِ توحید پر ٹھٹھے لگانے والوں کو شکست تثلیث کا ماتم کرنا پڑ گیا! ——— واللہ خیر الماکرین آخر حق ہے!

اور یہ کیا ارشاد ہوا کہ آیندہ "دین حق" کی اشاعت کا کام پروپیگنڈا اور تھیٹر اور فلم کی مدد سے لیا جائیگا! ——— یہ "آیندہ" کیا معنی؟ اب تک کیا تھا؟ "پروپیگنڈا" کا تو لفظ ہی زبان میں مسیحیت کے راستہ سے آیا ہے، اور ایک رومن کیتھولک اصطلاح تھا! اور تھیٹر کی تاریخ لکھنے والے تو یہی لکھ گئے ہیں کہ مہذب دنیا میں اسکی ابتداء ہی مذہبی مسیحی سوانگ تماشوں سے ہوئی ہے! یہ کہیے کہ تثلیث کے شرک نے اب پھر علانیہ اور بے محابا فسق و آلاتِ فسق سے استمداد اور ساز باز کی ٹھان لی ہے!

مذہب یونیورسٹیوں میں

ایک ماہر تعلیم اور موجودہ وزیر تعلیمات حکومتِ آصفیہ دکن کی ایک تازہ تقریر کا اقتباس:-

"مذہب اور اخلاقیات کی تعلیم پر جو آپ کے ہاں زور دیا جا رہا ہے وہ مناسب ہے - اب دیگر ممالک بھی آپ کی ہمنوائی کر رہے ہیں۔ نہ صرف ہندوستان بلکہ ولایت کے ماہرین تعلیم کی رائیں بھی یہی خیالات ظاہر کیے جا رہے ہیں - دو سال قبل باہر کے دو ماہر تعلیم حیدرآباد آئے تھے - جامعہ عثمانیہ کے معائنہ کے دوران میں انکی نظر اُن تختیوں پر پڑی جن پر اخلاقیات اور لازمی دینیات لکھا ہوا تھا - چلتے ہوئے ان ماہرین تعلیم نے مجھ سے پوچھا کہ کیا جامعہ عثمانیہ میں مذہبی تعلیم کا بھی انتظام ہے؟ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ جامعہ عثمانیہ کی ابتدا ہی سے یعنی ۲۵ برس سے یہاں مذہبی تعلیم دی جاتی ہے تو اُنھوں نے بڑی طمانیت کا اظہار کیا اور کہا کہ اب متمدن دنیا کے یہی رجحانات ہیں، اور غور کیا جا رہا ہے کہ مذہب و اخلاقیات کو لازم کر دیا جائے - جو چیز آپ کو ۲۵ برس سے حاصل ہے، دنیا اُسکی ضرورت اب محسوس کر رہی ہے" (رہبر دکن)

کیا ارشاد ہوا؟ مذہبی تعلیم کا کہاں تو علم دوست، علم پرور، علم نواز یونیورسٹیوں میں کوئی نام بھی نہیں لے سکتا تھا (لکھنؤ یونیورسٹی اور الہ آباد یونیورسٹی، کلکتہ یونیورسٹی اور بمبئی یونیورسٹی، ناگپور یونیورسٹی، اور پنجاب یونیورسٹی میں کوئی یہ نام لے کر دیکھے تو!) اور کہاں اب یہ تجویز کہ مذہبی کورس کو یونیورسٹیوں میں داخل ہی نہیں، لازم بھی کر دیا جائے یعنی بغیر مذہبی تعلیم حاصل کیے کسی کو ادنیٰ سے ادنیٰ ڈگری کی سند بھی نہ مل سکے ——— ٹرکی کا تجدد اور ہندوستان کا تجدد اس خبر کو سن کیا کریگا!

رہی جامعہ عثمانیہ، تو اسکی ۲۵ سالہ دینی خدمات بجائے خود ایک مستقل مقالہ کا موضوع بن سکتی ہیں!

"روشن خیال" امریکہ!

"نیویارک - ۲۱ - جون - واشنگٹن کی اطلاع ہے کہ کہانت اور جوتش کی اب خوب بن آئی ہے - اور آپ ٹیکسی میں جا رہے ہوں، دوکان پر گشت لگا رہے ہوں، شبینہ کلب میں ہوں، آفس میں ہوں، ہوٹل میں ہوں، کیبن میں ہوں، آپ جوتشی سے اپنے مستقبل کا نقشہ دریافت کر سکتے ہیں - ایک ڈالر خرچ کیجیے تو حسب ذیل سوالات کے جوابات لیجیے:-

تم ان نے میرے ہوتے ہوئے اُس دوسری لڑکی کو کیسے پسند کر لیا؟

لوہے کے کاروبار میں اپنا روپیہ لگا دوں؟

میری شادی کب تک ہوگی؟

اور چار ڈالر گرہ سے نکالیے، تو ان سوالوں کے جواب پائیے:-

جنگ (جاپان) کب ختم ہو جائیگی؟

اب کی انتخاب میں میری جیت یقینی ہے؟

پٹرول کی مقدار کب سے زیادہ ملنے لگیگی؟

ان جوتشیوں کے سرپرست اور قدردان، بڑے اور چھوٹے حکام، اہل سیاست، کانگریس کے ممبر وغیرہ، سب ہی قسم کے لوگ ہیں" (گلوب ایجنسی، ملخصاً)

(ملاحظہ ہو صفحہ ۴ کالم ۲)

سورہ بقرہ ۔ رکوع ۲۲

(سلسلۂ صدق ۱۵۱)

وادآء الیہ باحسان ذٰلک تخفیف من ربکم ورحمۃ، فمن اعتدٰی بعد ذٰلک فلہ عذاب الیم۔	اور مطالبہ کو اس (فریق) کے پاس خوبی سے پہونچا دیا چاہیے ۔ یہ تمہارے پروردگار کی طرف سے رعایت اور مہربانی ہے ۔ سو جو کوئی اسکے بعد بھی زیادتی کریگا، اُسکے لیے عذاب دردناک ہے ۔
۱۷۹ ۔ ولکم فی القصاص حیوٰۃ یآاولی الالباب لعلکم تتقون۔	اور تمہارے لیے اے اہل فہم (قانون) قصاص میں زندگی ہے ۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ ۔
۱۸۰ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیۃ للوالدین والاقربین بالمعروف حقا علی المتقین۔	تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آتی معلوم ہو، بشرطیکہ کچھ مال بھی چھوڑ رہا ہو، تو والدین اور عزیزوں کے حق میں معقول طریقہ سے وصیت کر جائے ۔ یہ لازم ہے پرہیزگاروں پر ۔

۵۲۹ (اور خواہ مخواہ چھیڑ چھاڑ، شور و فساد کا موقع نکالنا چاہیے)

یعنی مقتول کا فریق، جو اب مدعی یا مستغیث ہوگا، خونبہا کی مطلوبہ رقم کا مطالبہ معقولیت، آدمیت سے کرے، خواہ مخواہ ضد اور اشتعال سے فریق مقابل کو تنگ نہ کرے، اور اُسکے جوش کو نہ بڑھا جائے کہ اس سے فساد کو مزید تحریک ہوگی۔

نیز مروت و اشتعال طبع کے نازک موقعوں پر بھی رکھ رکھاؤ کا خیال رکھنا، اور حسن معاشرت کو سنبھالے رکھنے کا اہتمام شریعت اسلامی کا خصوصی حصہ ہے۔

۵۳۰ اب یہ تاکید قاتل یا اُسکے فریق کو ہو رہی ہے ۔ ان ملزموں یا مدعا علیہم کو بھی اپنی طرف سے بھی چاہیے کہ جتنی رقم کی قرار داد ہو چکی ہو، اُسے بغیر مزید طوالت و پیچیدگی و بدمزگی کے فریق مقتول یعنی مدعیوں یا مستغیثوں تک خوبصورتی اور خوش اسلوبی سے پہونچا دیں۔

الیہ میں ضمیر فریق مقتول کی جانب ہے۔
والضمیر فی الیہ للاخ (مدارک)

فطرت بشری کی ان نزاکتوں کا لحاظ، اور قاتل و مقتول ہر دو فریق کے مصالح و جذبات کی رعایت کون انسانی قانون رکھ سکتا ہے؟ قانون ساز انسان تو ایک محض خشک انسان ہوتا ہے۔ اتنے متعدد اور باریک پہلوؤں کی رعایت تو صرف خدائی ہی قانون کی شان ہو سکتی ہے۔

۵۳۱ ذٰلک یعنی یہی حکم جو اوپر فمن عفی لہ کے اندر مذکور ہو چکا۔
یعنی الحکم المذکور من العفو واخذ الدیۃ (مدارک)

ایک طرف قصاص کی بظاہر سختی، دوسری طرف دیت اور عفو کی نرمی، یہ حسن امتزاج اور اعتدال و توازن کا یہ کمل نمونہ اُسی قانون کا حصہ ہو سکتا ہے جو بشری دماغ سے نہیں، حکمت مطلق سے نکلا ہو۔

۵۳۲ (آخرت میں)

— اعتداد یعنی زیادتی کی صورتیں بہت سی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً ایک یہی کہ کسی بےگناہ پر قتل کا جھوٹا دعویٰ دائر کر دیا۔ یا یہ کہ قاتل کو پہلے تو معاف کر دیا، اور پھر معافی کے بعد پورے قصاص کے درپے ہو گئے۔ وقس علیٰ ہٰذا۔ ایسے بیدردوں اور نامعتدلوں کو صرف خوف آخرت ہی بیجا جسارتوں سے روک سکتا ہے۔

۵۳۳ قانون قصاص عین عدل و مساوات کا قانون ہے، اور ہیئت اجتماعی کے نظم و قیام و استحکام کا بہترین ضامن و کفیل، کہ کوئی کسی پر زیادتی نہ کرنے پائے، اور قوی و ضعیف سب کے حقوق کا تحفظ ہو جائے۔ یہ نہ ہو کہ جو زبردست ہوں وہ زیردستوں پر ستم ڈھاتے رہیں۔ امت کے مختلف طبقوں میں ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان و دلجمعی پیدا کرنے والا درحقیقت یہی قانون ہے۔

اور جب اس قانون پر عملدرآمد ایک عرصہ تک رہیگا، اس قانون کی روح امت میں سرایت کر جائیگی، تو ساری قوم کا مزاج صالح ہو جائیگا، اور آئین پسندی، باہم صلح سازگاری، خدمت و معاونت جزو زندگی بن جائیگی، اور امت دیکھتے ہی دیکھتے امت صالحین و ابرار، امت عادلہ کہلانے کی مصداق بنجائیگی۔

۵۳۴ یہ حکم وصیت آیت میراث کے نزول سے (جس میں ہر ایک حقدار کے حصے متعین کرکے بتا دیے گئے ہیں) بہت قبل کا ہے۔

نزلت قبل نزول الفرائض والمواریث (قرطبی)

اس لیے قدرۃً اب اس پر عملدرآمد اس آیت متاخر و مابعد ہی کے ماتحت ہوگا۔ اور اسی کو مفسرین اپنی اصطلاح میں ایک آیت کا دوسری آیت سے منسوخ ہو جانا کہتے ہیں۔

جائداد کی تقسیم اب آیت میراث کے بموجب ہوگی۔ اور وصیت کا اب کوئی محل ہی نہ رہا، بجز جائداد کے ایک ثلث کے، کہ اتنے میں وصیت چل سکتی ہے، اور اسکی تصریح بھی اسی سورہ النساء کی آیت میراث میں موجود ہے۔

وصیۃ کے لفظی معنی نصیحت کے ہیں۔ اصطلاح شریعت میں اس سے مراد وہ ہدایتیں ہوتی ہیں، جو وصیت کرجانے والے کی موت کے بعد قابل عملدرآمد ہوتی ہیں۔

(۱۸۱) فمن بدلہٗ بعد ما سمعہٗ فانما اثمہٗ علی الذین یبدلونہٗ ان اللہ سمیع علیم۔	پھر جو کوئی اُسے اسکے سننے کے بعد بدل ڈالے، سو اسکا گناہ بس اُنھیں پر ہوگا جو اُسے بدلیں، بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے، بڑا جاننے والا ہے۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ وصیت کی بھی کئی قسمیں ہیں

(۱) بعض وصیتوں کی تعمیل درجۂ واجب میں ہے۔ مثلاً ادائے زکوٰۃ و کفارہ کی وصیت، یا ادائے امانت یا ادائے قرض کی وصیت۔

(۲) بعض مستحب کا درجہ رکھتی ہیں۔ مثلاً کسی کارِ خیر کے لیے وصیت کر جانا یا کسی ایسے عزیز کو میراث دے جانا جسے حصۂ میراث نہ پہنچ رہا ہو۔

(۳) بعض صرف مباح ہوتی ہیں، جیسے کسی امر جائز کے لیے وصیت کر جانا۔

(۴) انکے علاوہ بعض وصیتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جنکی تعمیل ممنوع ہے وہ وصیتیں کالعدم سمجھی جائیں گی۔ مثلاً کسی کا قرابی یا کسی فعل حرام کے لیے وصیت کر جانا۔

(۵) اور بعض وصیتیں موقوف کہلاتی ہیں۔ انکی تعمیل شرط کے ساتھ معلق ہوتی ہے۔ مثلاً ترکہ کے ایک ثلث سے زائد میں وصیت کر جانا۔ اسکی تعمیل دوسرے ورثہ کی رضامندی پر موقوف رہیگی۔

الوصیۃ یہاں الایصاء کے معنی میں ہے۔ اور اسی معنی کا لحاظ کرکے اسکے لیے فعل مذکر (کُتِبَ) لایا گیا ہے، ورنہ اصل قاعدہ کے لحاظ سے فعل مؤنث (کُتِبَت) آنا چاہیے تھا۔ اور تاءِ تانیث کے حذف کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ اسم وصیۃ اپنے فعل سے بہت فاصلہ پر ہے۔ اور اتنا فاصلہ حائل ہو جانے پر محاورۂ زبان میں فعل کی تاءِ تانیث حذف ہو جاتی ہے۔ (قرطبی)

خیراً۔ خیر کے ایک معنی علاوہ مشہور معنی کے، مالِ طیب کے بھی آتے ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اس استعمال کی مثالیں جابجا ملتی ہیں۔ مثلاً قل ما انفقتم من خیر (سورۂ بقر) یا وما تنفقوا من خیر (سورۂ بقر) وقس علیٰ ہذا

بہر حال اس پر سب کا اتفاق ہے کہ یہاں خیر، مال ہی کے معنی میں ہے۔ الخیر ہٰہنا المال من غیر خلاف (قرطبی) قال بعض العلماء وانما سمی المال ہٰہنا خیراً وہنا علی معنی لطیف وہو ان الذی یحسن الوصیۃ بہ ما کان مجموعاً من المال من وجہ محمود (راغب) اے مالاً کما قالہ ابن عباسؓ ومجاہد (روح)

ایک گروہ نے لفظ وجوب سے استنباط کرکے کہا ہے کہ کچھ نہ کچھ وصیت ہر حال کر جانا چاہیے۔ دوسرے گروہ نے آیت میراث کی موجودگی میں اسے بالکل غیر ضروری ٹھہرایا ہے۔ امام نخعی کا قول اس باب میں قولِ فیصل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارے

سامنے دونوں قسم کے اسوۂ حسنہ موجود ہیں۔ ابوبکر صدیقؓ وصیت کر گئے تھے، لیکن خود رسول اللہ صلعم نے کوئی وصیت نہیں فرمائی:۔

وقال النخعی مات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یوص وقد اوصی ابوبکر فان اوصی فحسن، وان لم یوص فلا علیہ شئی (قرطبی)

بالمعروف۔ یعنی پسندیدہ طریقہ پر، عقل کی رعایت سے، حاجت کا لحاظ کرکے۔ حسنِ معاشرت و حسنِ معاملت دونوں قسم کے احکام کے سلسلہ میں قرآن مجید میں یہ لفظ کثرت سے آیا ہے۔

حقاً علی المتقین۔ متقین سے یہاں مراد مومنین ہیں۔ انکے وصفِ تقویٰ کا ذکر کرکے مراد خود انھیں سے لی گئی ہے۔

مراد بالمتقین المومنون وہم الذین اتقوا الکفر (بحر) والمراد بالمتقین المومنون (روح)

(بقیہ صفحہ ۲)

عقل پرستی کے مدعیوں کو، دعویٰ آخرت کے عقیدہ سے انحراف کرنے۔ الوں کو یہی شیطان اپنی انگلیوں پر کیسا کیسا نچاتا رہتا ہے! —— کن کن پستیوں میں بیچاروں کو بیچارہ وار کو قوت نا پڑتا ہے کیسے کیسے گڈھوں، خندقوں، غاروں میں آ دھمکے منہ گرنا پڑتا ہے!

مسجد ضرار ایک مراسلہ نگار پنجاب سے صدق ۔ کے ایک نوٹ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:۔ "لندن میں نئے خانۂ خدا کی تعمیر پر آپ نے جو نوٹ لکھا تھا اُس پر یہاں کے ۔۔۔ اختلافی تبصرہ کیا ہے۔ ممکن ہے پرچہ آپ کی نظر سے نہ گزرا ہو، اس لیے اُسکا تراشہ ملفوف ہے۔"

لبا تراشہ موصول ہوا۔ معاصر موصوف کے اختلاف کا خلاصہ صرف اسقدر ہے کہ عمل کا انحصار نیت پر ہے، اور برطانیہ کی نیت نیک نہیں یہ مسجد برطانیہ نواز علماء کی سرگرمیوں کا مرکز بنائی جائیگی اور اس سے مسلمانوں میں تفریق کا کام لیا جائیگا، اس لیے یہ مسجد "مسجد ہی نہیں، بلکہ مسجد ضرار کے حکم میں داخل ہے، جسے قرآن مجید نے برباد کر دینے کا حکم دیا تھا۔

افسوس ہے کہ تبصرہ چند در چند غلطیوں پر مشتمل ہے۔ پہلا دعویٰ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے، لیکن اُسکو اس مسئلہ سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ عمل کا مدار نیت پر صرف عامل کے لحاظ سے ہے، دوسروں کو اس سے مطلق غرض نہیں۔ یعنی نیت اگر فاسد ہے، تو صاحبِ عمل کو کچھ اجر نہ ملیگا، باقی دوسروں پر اسکا کوئی اثر نہیں۔ کوئی شخص مسجد محض اپنی ناموری کے خیال سے بنا تا ہے تو وہ اجر سے محروم رہیگا، لیکن خود عمارت کی مسجدیت میں اس سے کوئی فرق نہ آئیگا، وہ بہرحال مسجد اپنے تمام احکام کے لحاظ سے رہیگی "مسجد ضرار" کا حکم کسی مسجد پر جاری کرنے سے پہلے اُسے مسجد ضرار ثابت کرنا ضروری ہے۔ محض بدگمانی یا احتمالات ہرگز کسی مسجد کو اس حکم میں لانے کے لیے کافی نہیں۔ رسول اللہ صلعم سے بڑھکر دانا تر، حکیم تر فہیم تر کون بشر ہو سکتا ہے۔ آپ نے بھی آخر مسجد کو اپنی رائے سے ضرار نہیں کیا تھا، جب تک کہ وحی الٰہی صاف صاف اسکے متعلق نہ آگئی۔ (باقی ہے)

فکرِ سندھی پر تبصرہ

نمبر (۷)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اس تمہید کے بعد ارشاد ہوتا ہے یعنی "اسی کا نتیجہ تھا کہ سامیوں کے پیغمبر خدائی پیغام کے ترجمان ہونے کے باوجود انسان ہی رہتے ہیں لیکن آریوں کے ہاں جو ذات پیغام کی حامل تھی وہ خود پیغام بھیجنے والے کی مظہر ہو جاتی ہے۔"

اور فرماتے ہیں

"چنانچہ ایک میں خالص توحید ہے اور ایک اجسام مظاہر میں خدا کو پاتا ہے۔" (صفحہ ۱۵۵)

آپ نے سمجھا وہ کیا کہنا چاہتے ہیں؟ یعنی عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابنیت کا جو خیال ہے "لم یلد" سے قرآن نے جس کی تردید کی ہے اور کیسی سخت تردید

تکاد السموات یتفطرن منہ وتنشق الارض وتخر الجبال ان دعوا للرحمٰن ولدا	قریب ہے کہ پھٹ پڑیں آسمان اور شق ہو جائے زمین اور ڈھیر ہو جائیں پہاڑ اس وجہ سے کہ انہوں نے "الرحمٰن" کے لیے ولد (بچہ) ہونے کا دعویٰ کیا۔

توحید قرآنی خاص چیز نہیں؟

اسکی وجہ کہ قرآن کا لہجہ اس مسئلہ کے متعلق اتنا سخت کیوں ہے، ایک بڑا اہم مسئلہ ہے۔ میری کسی کتاب میں اسکی تفصیلات پڑھنا چاہیے۔ اس وقت تو مجھے کہنا یہ ہے کہ قرآنی حکمت کی اسی عظیم معرفت کو سندھی نے کیسا ہلکا بنا کر دکھا دیا۔ گویا یہ وہی توحید شہودی و وجودی والے اختلافات کی نوعیت ہے اور قومی خصوصیت ہے جس میں وہ بیچارے مجبور تھے۔ حد تو یہ کر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں پر الزام لگایا کہ یونانی ذہنیت کی رعایت سے انہوں نے مصلحتاً غلط بیانی سے کام لیا۔ قرآن میں ان حواریوں کا جو مقام بیان کیا گیا ہے اسے پڑھیے اور سندھی صاحب نے اپنے اوپر قیاس کر کے انکو بھی اسی کا مریض قرار دے دیا جس میں خود مبتلا ہیں۔

اسی طرح ہندوؤں کا یہ خیال کہ جب دنیا کی اصلاح کا وقت آتا ہے، تو [illegible] انکے محققین نے شدت سے اس کی تردید کی ہے

لیکن عوام کا خیال یہی تھا کہ خدا کسی آدمی کی کوکھ اور قالب میں جنم لیتا ہے۔ اسی بنیاد پر رام چندر جی کے متعلق انکا خیال تھا کہ دسرتھ راجہ اجودھیا کے گھر خدا پیدا ہوا تھا۔ اسی طرح سری کرشن کے متعلق بھی کہتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تعبیر اوتار کے لفظ سے کی جاتی ہے۔ لم یولد (یعنی خدا کسی کا بیٹا بن کر نہیں پیدا ہوتا) اس لفظ سے اس عقیدہ کی تردید قرآن میں کی گئی ہے۔ لیکن سندھی صاحب نے اسکو بھی آریائی ذہنیت کا ایک ایسا نتیجہ قرار دیا ہے کہ گویا انکے دماغ سے یہ خیال نکل ہی نہیں سکتا اور اس عقیدہ میں ترمیم کی کوئی حاجت نہیں۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانیں یا ہندو خدا کو دسرتھ کا فرزند قرار دیں انکے نزدیک یہ باتیں قابل لحاظ نہیں ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ قرآن کے ایسے اہم مسائل بھی قرآن کی مخصوص صداقتوں میں جب نہ رہے بلکہ انکی مخالفانہ شکلیں بھی اسی طرح صحیح ہیں جس طرح قرآن کی بتائی ہوئی باتیں، تو قرآن کو مان کر ایک مسلمان اس میں آخر کیا پائیگا؟ قانون تو اسکا پہلے ہی غیر سرمدی اور اس قابل ٹھہر چکا تھا کہ ضرور بدل جائے اور قانون کے سوا اس میں اسی قسم کے کچھ حقائق و معارف ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم اور چوٹی کے مسئلے یہی توحید و شرک اور مسئلہ صفات و ذات تھے۔ جب وہ بھی نکل گئے تو اب قرآن میں باقی کیا رہا جس سے آدمی اپنی غلطیوں کی تصحیح قرآن سے کرے۔ لے دے کے صرف عربی زبان میں اسکا ہونا، سو سندھی صاحب مسلسل اول سے آخر تک عربی زبان اور عربیت پر اپنی کتاب میں تعریضیں کرتے چلے آئے ہیں، اور آخر میں تو کھل ہی کر کہہ دیا ہے۔ جیسا کہ انکے الراویہ راوی ہیں :—

"مولانا کے خیال میں قرآن کی تعلیم کا اصل مقصد اسکے معانی ہیں۔ الفاظ پر زور دینے والے عربی تفوق کے داعی ہیں" (صفحہ ۴۲۷) اور بڑے زور سے آپ نے منقیانہ رنگ اختیار کر کے ارشاد فرمایا ہے۔

قرآن عربی میں یوں ہی نازل ہو گیا؟

"چنانچہ امام ابو حنیفہ فارسی زبان میں نماز پڑھنے کو جائز سمجھتے تھے اور انکی طرف رجوع کا قصہ گھڑ لیا گیا ہے[۱]۔ معلوم ہوتا ہے کہ کہیں یورپ والوں کی نکتہ نوازیوں کے سلسلہ کی وہ بات یعنی خلق قرآن کا مسئلہ جس نے خلافت عباسیہ میں بہت زیادہ اہمیت حاصل کر لی تھی، آپ نے اسکو عربی اور غیر

ہ؎ مسٹر پی ٹی سری نواس آئنگر اپنی مشہور کتاب "اصول فلسفہ ہنود" میں یہ لکھنے کے بعد کہ "اوتار کے معنی عموماً یہی سمجھے جاتے ہیں کہ یہ ایشور ہی کی ذات ہوتی ہے جو عالم خاکی میں نازل ہوتی ہے" نیز اسکے بعد رقمطراز ہیں کہ "یہ بالکل لغو بات ہے۔ ایشور ہر جگہ ہوتا ہے۔ اس لیے اسکے واسطے نزول ایک ناممکن الوقوع شے ہوگی۔" ۱۲

لہ؎ ہندو مصنفین اوتار وار [illegible] میں کہتے ہیں کہ ترقی یافتہ ہستیوں میں کبھی ایک ایسی [illegible] آ جاتی ہے جس سے معمولی آدمیوں کا قلب جاری ہوتا ہے۔ خود کرشن جو اوتار کے ایک کامل نمونہ ہیں، اس سے پہلے معمولی انسان کی شکل ہو جاتے ہیں۔ ص۲۵ — (اصول فلسفہ ہنود مترجمہ دارالترجمہ)

عربی کے اختلافات کی طرف اس طرح منسوب کیا ہے گویا جناب والا ہی کی کوئی نئی اُپج ہے۔ حالانکہ مستشرقین یورپ کی خود یہ ایک شاعری ہے، جسکے ذکر کا یہاں موقع نہیں۔ البتہ ارماڈیوک پکتھال مرحوم نے ایک دفعہ یہ بیان کیا تھا کہ لینن سے چند باتوں کے انجام دینے کا عزم بالجزم کیا تھا۔ ان میں قرآنی حروف شائع کرنے کی بھی سکیم تھی۔ لیکن لینن کے بعد چونکہ اشتراکی تحریک کو صرف روس تک محدود کر دیا گیا۔ اسلیے بات آگے نہ چلی۔ بہر حال وہ رخصت ہوئی۔ مدیث زمانی و مکانی بنکر رہ گئی۔ قرآن کا قانون مثال ونمونہ بنکر ختم ہوا۔ حکمت قرآنیہ میں جو اہم ترین معارف تھے انانیت بنگئے کہ وہ صرف ایک لفظی نزاع کی غلط فہمی تھی۔ تبایئے کہ مسلمانوں کے جس اسلام کو کفر سندھی صاحب نے قرار دیا تھا اس کفر کے ازالہ کےلیے وہ اب کہاں جائیں۔

اسکے سوا آخران تمام باتوں کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ سندھی صاحب جس پروگرام کو بنام اسلام پیش کریں مسلمانانِ ہند اسی کو اسلام باور کرکے کافر ہونے کے بعد مسلمان ہو جائیں۔ سندھی صاحب کا تفصیلی پروگرام اس کتاب میں نہیں ہے لیکن "کلمۂ اسلام" کی جو جدید تعبیر اس کتاب میں سندھی صاحب کی طرف منسوب کی گئی ہے اس سے کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہ چاہتے کیا تھے۔ الراویہ راوی ہیں۔

مقصود صرف شخصی "انا" کی بیداری ہے مولانا نے اس خیال کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ اسی "انانیت" کا بیدار کرنا انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصد ہے۔"

مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے شخصی "انا" یا شعورِ ذاتی میں حق تعالیٰ کی معرفت و قرب محبت کے احساس کو پیدا کرے۔ یہی انانیت کی بیداری ہے اور یہی انبیاء کی تعلیم کا اصل مقصود ہے۔ فرماتے ہیں۔ یعنی سندھی صاحب کے الفاظ نقل کرتے ہیں "جب اس زندگی میں کسی فرد کی "انانیت" بیدار ہو جائیگی۔ تو موت کے بعد جب بدن اور اسکی انانیت میں مفارقت ہو جاتی ہے تو یہ انانیت دوسری دنیا میں بلا خوف و خطر ترقی کی راہیں طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اسے ہم فوز و فلاح اور جنت کہتے ہیں۔ اور جسکی انانیت خوابیدہ رہی اور ظلم و کفر کی وجہ سے اس نے اپنی "انانیت" کو ڈھانپے رکھا تو اس زندگی کے بعد جہنم کا عذاب ان پردوں کو جلاکر پھر اس "انانیت" کو مجلّی اور بیدار کر دیگا۔ لا بد جس دن اس شخص کی "انانیت" بیدار ہو جائیگی وہ جہنم سے نکل جائیگا"۔ مولانا نے فرمایا "محشر نام ان تمام "انانیتوں" کے ایک مرکز پر جمع ہونے کا ہے"۔ (صفحہ ۱۰۱)

اس تقریر میں جو کچھ کہا گیا ہے اسکے دوسرے اجزاء سے سردست مجھے بحث نہیں۔ جنھوں نے "اخوان الصفا" کے رسائل پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کہاں سے لیے گئے ہیں، بلکہ مجھے اسوقت صرف یہ کہنا ہے کہ ہم عامی مسلمان تو یہ جانتے ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جو قیامِ قیامت تک ہر انسان کےلیے آخری پیغام ہے۔ اس کی تکذیب اور اس نبوت کو اپنے لیے قرار نہ دینا اسکا نام کفر ہے، اور محمد رسول اللہ اور آپ کی لائی ہوئی باتوں کو ماننا اسی کا نام ایمان ہے۔ لیکن یہ بات کہ "انانیت کی بیداری" اسلام ہے اور اسکی خوابیدگی کفر ہے۔ ہم اس سے ناواقف ہیں۔ بیشک انانیت کی یہ بیداری "اسلامی تصوف" کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔ لیکن انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کا یہی اصل الاصول ہے۔ یعنی جس نے یہ کر لیا آس نے سب کچھ کر لیا۔ اور جس نے یہ نہیں کیا وہ بیچارہ جہنمی ہوگا، اور اپنے پردوں کو جلوانے کے لیے اسے جہنم میں جھونکا پڑیگا۔ سندھی صاحب کا یہ نیا سکتے ہیں۔ مگر جب وہ کہتے ہیں کہ

تصوف شریعت سے بالا ہے "اس تصوف کا پیام سب کے لیے ہے۔ کسی دھرم یا شریعت کی اس میں تخصیص نہیں" (صفحہ ۱۰۰) تو معلوم ہوا کہ خواہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی تکذیب کرے، آپ کی نبوت عامہ اور خاتمہ ہونے کو جھٹلائے لیکن اپنی انانیت کو بیدار کرلے۔ بس وہ نجات کا مستحق ہے پس در اصل مذہب کی اصلی روح یہی "فرد کی انانیت کی بیداری ہوئی۔

ہے سب رکھتے ہوئے یوں ہی اس شخص نے ایک بات کہدی اور خود یہ مشکوک ہے کہ حضرت امام نے یہ فتوےٰ محض اُن لوگوں کے لیے دیا تھا، جو عربی زبان کے تلفظ پر قادر نہ ہوں۔ یعنی جب تک قرآنی سورتیں انکو یاد نہ ہوں اُسوقت تک ترجمہ سے کام چلاکر نماز تو پڑھ لیا کریں۔ اور بعد کو علماء نے لکھا ہے کہ انکے تلامذہ کی جو مسلک تھی اس کی طرف رجوع فرمایا ہے۔ لیکن اتنا سوخت لفظ "گھڑتے" کا صرف اس لیے اُنکی زبان سے نکل گیا ہے کہ بار بار شوق سے اپنے دعووں کو وہ ہیشہ مستغنی سمجھتے ہیں۔ فقہ میں گفتگو اسکے اصول و قواعد ہی سے نہ کی، یا جو جی میں آیا کہدیا۔ کیا سندھی صاحب یا ان کے عقیدت کیش ثابت کرسکتے ہیں کہ کسی عالم نے بھی رجوع کے قصہ کے متعلق یہ لکھا ہے کہ یہ گھڑا ہوا قصہ ہے ۱۲

ہے ۵: عجب بات ہے کہ اس کتاب میں ہر جگہ "انا" کے الف یا ہمزہ کو مد کے ساتھ لکھا گیا ہے۔ یعنی "آنا" اور اسکا التزام کیا گیا ہے۔ یہی ہے کہ کاتب کی غلطی پر اسکو محمول کرنا مشکل ہے۔ سندھی صاحب سے اسکی توقع نہیں ہو سکتی۔ لیکن سید صاحب تو مصر میں رہے ہیں ۴

ہے ۴ علماء ازہر کے درس میں بیٹھ کر انکی پیغمبر زمی کے احساسات اپنے ساتھ لائے ہیں اُن پر حیرت ہوتی ہے۔ کیا وہ اتنی بھی عربی نہیں جانتے۔ پھر مصری علماء کے لکھے کو وہ کیسے سمجھتے تھے ۱۲

(باقی)

علم عربی اور امرائے زمانہ

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر، ضلع بستی)

نمبر (۳)

حضرات! ہماری بدقسمتی سے علم عربی کا بہت بڑا حصہ ہے مقام غور ہے آپ اسوقت کسی اچھے سے اچھے ٹیچر اور ایم اے بی اے کو چاہیں تو فوراً ضرورت سے زیادہ اعلیٰ معیار کے بہت اشخاص آپ کو مل جائینگے۔ لیکن ایک اعلان آپ ایسا نکلوا کر دیکھیے کہ ہم کو ایسے جید عالم فاضل کی ضرورت ہے جس میں فلاں فلاں اوصاف اور قابلیت ہوں، تو شاید آپ کو کسی طرف سے ایسا جواب نہیں ملیگا۔ اور آپ کو مایوس ہونا پڑیگا۔ بمقابلات اسکے انگریزی ایم اے۔ بی اے کی تعداد اور اُن میں سے اعلیٰ معیار کے لوگ بکثرت مل جائینگے۔ اس ترقی و زیادتی کی وجہ صرف یہ ہے کہ انگریزی تعلیم و تہذیب کو روٹی کا بہت قوی ذریعہ سمجھا جاتا ہے اس لیے ہزارہا ہزار روپیہ کے خرچ سے بھی اس تعلیم کو اس لالچ میں حاصل کرتے ہیں۔ اس تعلیم کا مطمح نظر صرف روٹی کا سوال ہے۔ لیکن درحقیقت یہ سودا بہت مہنگا پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ تعلیم یافتہ طبقہ اتنا لے کے ہمیں آٹا قیمتاً دے کے آتا ہے۔ اسی حقیقت کی طرف اکبر الہ آبادی نے اشارہ کیا ہے ؎

ترقی پاتے ہیں لڑکے ہمارے نور دیں کھوکر
غضب یہ ہے کہ سمجھ جاتے ہیں غیب جا کر چمکتے ہیں

اور لطف یہ ہے کہ یہ جہالت اور تاہو گئی تھی روٹی کیلیے، یہ بھی ملی نہیں۔ البتہ ایک قیمتی چیز دین تھی جسے دے کے آئے۔ کالج کے ان نوجوانوں کی روح اسلام سے ناشناسی و بیگانگی ہی کے متعلق ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں ؎

میں کتب بایں دانش چہ نازی کہ نامد بکف ہزار دو جاں تن کرد

کونسلوں اور اسمبلیوں کی یا وزارت کی چند کرسیاں عامۃ المسلمین کی اقتصادی مشکلات کا کوئی حل نہیں۔ علاوہ ازیں سوال شکم پری کا نہیں ہے، یوں تو شاہان بازاری بھی کیا پیتی ہیں بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ انکی تہذیب جدید میں دنیا کے امن و امان کا کیا سامان ہے؟ انکی معیشت و معاشرت کے اصول و سائنس کی ترقی میں دنیا کی فلاح کے لیے کیا فائدہ ہے؟ انکے یہاں تعلیم و تہذیب کے ثمرات و نتائج کیا ہیں؟ تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کے بارے میں یہاں کس قسم کا مواد ہے۔

حضرت مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی کے رسائل تنقیحات پڑھنے کے تنقیحات کے دیکھنے والے اور مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کے اخبار صدق کو برابر مطالعہ میں رکھنے والے قاری محمد طیب صاحب ناظم دار العلوم دیوبند کی تصنیف تعلیمات اسلام اور مسیحی اقوام کے پڑھنے والے یہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ہمارے ان مفکرین نے مغربی تعلیم و تہذیب کے متعلق جو کچھ لکھا ہے وہ یکطرفہ فیصلہ نہیں ہے بلکہ حالات کا صحیح موازنہ کرکے لکھا گیا ہے۔ ان بزرگوں کے فیصلہ کی روشنی میں خالص انگریزی تہذیب و تعلیم ہمارے لیے حد درجہ مایوس کن ہے۔ فردوسیِ وقت حفیظ جالندھری اپنے تلخ تجربہ کی بنا پر لکھتے ہیں

ہزاروں آور ہیں جنکا یہی انجام ہوتا ہے
نئی تعلیم کی تکمیل ہی ناکام ہوتا ہے

حضرات! لفظی تمدن اور یورپین ترقی اور مغربی تہذیب آج خود انکے لیے تباہی کا باعث اور بلائے جان ہو رہی ہے۔ اب وہ خود اپنے تمدن اور تہذیب کو ایک مصیبت سمجھ رہے ہیں اور اپنے اسی تمدن و تہذیب کے ہاتھوں آج وہ خود گرفتار رنج و بلا ہیں۔ الغرض انکی تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل اور سیاست مدنیہ کا جو حال ہے اُسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ڈاکٹر اقبال مرحوم کے حکیمانہ شعر میں جو اشارہ ہے آج سب کچھ وہی ہو رہا ہے۔ فرماتے ہیں ؎

تمہاری تہذیب اپنے ہاتھوں سے آپ ہی خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائدار ہوگا

اب رہی یہ بات کہ بعض حضرات جو یہ کہتے ہیں کہ علمائے عربیہ کی کثرت کا سوا اسکے اور کیا انجام ہوگا کہ ملک میں گداگروں کی تعداد میں اور اضافہ ہو جائے۔ اولاً یہ عرض ہے کہ حاجتمند علماء کی اعانت کرنی اور پھر انکو طعنہ دینا اصول اخلاق و تہذیب کے یکسر منافی ہے بیشک گداگری بُری چیز ہے لیکن ضرورت سے مجبور انسان کی امداد کرنی اور پھر گداگر کہکر اسکے دل کو مجروح کرنا اس سے بھی زیادہ بُری بات ہے۔ ارشاد ہے یا ایہا الذین آمنوا لا تبطلوا صدقٰتکم بالمن والاذیٰ - (بقرہ) یعنی اپنی زکوٰۃ کو احسان جتا کر اور صدمہ پہنچا کر ضائع نہ کرو۔ اس لیے علماء حضرات یہی کہینگے کہ بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی۔

(باقی آئندہ)

خلاصۂ مراسلات

مولوی عبد الرؤف خاں صاحب ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر ضلع بستی لکھتے ہیں :- "ایک ہزار جن صاحب نے دینے کا وعدہ فرمایا تھا انکا پانچسو تو وصول ہو چکا ہے باقی بھی انشاء اللہ وہ بھی ملجائیگا مگر "صدق" کے ناظرین اور "المحدث" کے ناظرین اتنک تو یہ سوز اسکے سر اجیب اب خالی ہے۔ عمارت کا اللہ والی ہے۔ لہٰذا بہرحال اگر اعانت نہ ہو سکی تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کچھ حصے بغیر تعمیر کے رہ جائینگے اللہ تعالیٰ ہماری نصرت فرمائے۔

مراسلہ

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شان میں:۔

(۱) شیخ خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
(۲) جو مری نیغ و دم تھی اب مری زنجیر ہے
(۳) شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی
(۴) تیرے شیشے میں مے باقی نہیں ہے
(۵) بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
(۶) سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

دام فیضہٗ ۔ السلام علیکم ۔ ان چھ مصرعوں کی نسبت عرض ہے کہ آپ شرعی نقطۂ نظر سے انکو ملاحظہ فرماکر اپنی رائے سے ممتاز فرمائیں ۔

چھٹے مصرعہ "بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے" ۔ کی بابت یہ بھی دریافت کرنا ہے کہ یہ مصرعہ "یداللہ مغلولۃٌ" کے تحت میں آتا ہے یا نہیں؟ زیادہ ادب ۔ والسلام

اشعار ذیل کی نسبت بھی رائے عالی سے سرفراز فرمایا جائے:۔

نبی اور صدیق صالح شہید | کی تنقیص سے کفر و فسق شدید
کریگا جو تنقیصِ ربِّ قدیر | اگرچہ ہو علامۂ بے نظیر
وہ کفر گوئی میں ہو بے نظیر | مگر ہو گا مردودِ ربِّ جلیل

(احقر صفدر ۔ از خورجہ)

صدق ۔ مبالغہ، غلو، افراط و تفریط، بے اعتدالی شاعری کا جزو اعظم تقریباً ہر دور اور ہر قوم میں رہے ہیں ۔ شاعری کی بنیاد ہی جذبات پر ہے، اور معلوم ہے کہ جذبات کی شدت توازن فکری کی دشمن ہے ۔ وحی الٰہی نے اسی لیے شاعری کو پیمبری کے بالکل منافی قرار دیا ہے ۔ وما علمنٰہ الشعر وما ینبغی لہ ۔ حالانکہ اہل جاہلیت کلام کے محض جوش، زور اور تاثیر کو دیکھ کر قرآن کو شعر قرار دے رہے تھے ۔ اور وحی الٰہی نے یہی فیصلہ فرما دیا کہ شاعر بیچارہ تو خیال و ضلال کی وادیوں میں سر ٹکراتا پھرتا ہے ۔ وہم فی کل واد یہیمون ۔ اور اسکے پیچھے تو بس وہی لوگ ہو لیتے ہیں جو خود ہی جادۂ حقائق سے ہٹے ہوئے، خالی و غیر متوازن ہوتے ہیں ۔ والشعراء یتبعہم الغاوٗن ۔

پھر ہر انسان کی طرح شاعر پر بھی زندگی کے مختلف دور گزرتے ہیں ۔ عمر، علم، تجربہ، احوال کا تفاوت اُسے کچھ سے کچھ کر دیتا ہے ۔ نوجوانی کا رند اکثر پیری کے وقت زاہد ہو جاتا ہے ۔ اقبال نے یہاں تو کبھی یہ کہا تھا کہ "سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا" اور کہاں حجاز کے نام پر جان دینے لگے تھے ۔ اور وطنیت سے متعلق یہ فرمانے لگے تھے ؎ ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے ؎ جو پیرہن اسکا ہے وہ مذہب کا کفن ہے ۔

ملّا جامیؒ کی مذہبیت اور دینداری میں کسے کلام ہو سکتا ہے باوجود اسکے کلام میں ایک جگہ نہیں، متعدد مقامات پر توہین انبیاء جیسے شدید جرم کی مثالیں ملتی ہیں ۔ مولانا سے روحی سے بڑھ کر عارف باللہ اور کون ہوگا ؟ اس پر بھی متعدد اشعار خصوصاً کلیات (۱) ایسے ہیں، جنکی توجیہ و تاویل میں اچھی خاصی دشواریاں آتی ہیں ۔ اور حافظ شیرازی کے کلام کے لفظ و عبارت کو کچھ پوچھیے ہی نہیں ۔ تمام تر ایک دعوتِ فسق !

ان حقائق و بعد ہا کو پیش نظر رکھنے کے بعد پھر شاعر کے منقولۂ بالا ۶ مصرعوں کی بابت سوال کچھ بہت زیادہ اہم و پریشان کن نہیں رہ جاتا ۔ مصرعوں کے الفاظ یقیناً خلاف احتیاط اور مضمون کا ظاہری پہلو یقیناً خلاف شریعت ہے ۔ لیکن شاعر اگر مسلمان تھا، تو کلام کی توجیہ و تاویل ناممکن بھی نہیں ۔ ہو سکتا ہے کہ مصرعۂ اول میں ہستی شیخ کو ذات محمدی میں فانی فرض کرکے اُسے اس خاص حیثیت سے سب سے اعلیٰ و اشرف قرار دیا ہو ۔ اسی طرح ممکن ہے مصرعہ (۳) میں "شوخ و بے پروا" واللہ غنی عن العالمین' اور واللہ لا یستحی من الحق کا ترجمہ ہو ۔ مصرعہ ۶ میں شاعر اپنا عقیدہ ظاہر نہیں کر رہا ہے، بلکہ خالق کی صفات رحیمیت، رزاقیت و ربوبیت کو بروئے کار لانے کے لیے طنز اور غیرت دلانے کا اسلوب بیان اختیار کر لیا ہے ۔ رسول اللہ صلعم کی دعا کے الفاظ جنگ بدر کے موقع پر غلبۂ کفار کے وقت خیال میں رہیں ۔ نیز قرآن مجید کی یہ آیتیں ۔ (حضرت موسیٰ کی زبان سے) ان ہی الا فتنتک ۔ یا حتیٰ اذا استایٔس الرسل وظنوا انہم قد کذبوا ۔ یداللہ مغلولۃٌ تو یہود نے پیمبرؐ کی تکذیب و تضحیک کے لیے کہا تھا، جب آپؐ مسلمانوں سے انفاق مال کے لیے کہہ رہے تھے ۔ اسکا شاعر کے اس نعرۂ مستانہ سے کوئی تعلق نہیں ۔

آخر کے تینوں شعر لحاظ مضمون درست ہیں ۔ لیکن یہاں وہ بالکل ہی چسپاں نہیں ہوتے ۔ انکے حکم کے تحقق کے لیے لازمی ہے کہ پہلے تنقیص رسول، تنقیص ثابت ہو لے ۔ اور ایسے شدید جرم سے ایک مسلم کو بچانے کے لیے اسکے کلام کی ہر ممکن تاویل کر لی جائیگی ۔ البتہ جس کلام سے شبہۂ تنقیص بھی پیدا ہوتا ہو، اُس سے بھی حتی الامکان احتیاط واجب ہے ۔

(بقیہ صفحہ ۴)

آج اگر وحی نہیں آسکتی تو کم از کم انسانی معیار سے تو ثبوت قطعی ہونا ہی چاہیے ۔ معاصر موصوف حقیقۃً بڑی خدمت کرتا اگر اس باب میں ثقہ شہادتیں پیش کر دیتا ۔ "نظام باطل" کے ماتحت تو ظاہر ہے کہ اسوقت ہندوستان کی ساری مسجدیں ہیں ۔ تو کیا محض اسی بنا پر انھیں مسجدیت سے خارج کر دیا جائے ؟ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح کسی کلمہ گو کو منافق قرار دینے کے لیے بڑی حجت قوی، اور شہادت قطعی کی ضرورت ہے، اسی طرح کسی مسجد کو بھی حکم مسجد سے خارج کر دینا بڑی اہم اور نازک ذمہ داری ہے ۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

نمبر ۱۹ | یوم شنبہ - ۴ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۴ جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

یہ تارے جورات کو چمکتے جگمگاتے نظر آتے ہیں، انکی تعداد آسمان کی چھت پر تو کوئی دو ہزار ہے۔ اور اگر اس گنبد کی افقی دیواروں پر بھی لٹکے ہوؤں کو جوڑ لیا جائے، تو کوئی ۶ ہزار۔ لیکن اگر آلات کی مدد اور بڑی بڑی رصدگاہوں جب لگی ہوئی بڑی بڑی دوربینوں کی وساطت سے یہ "اخترشماری" کا کام شروع ہو، تو میزان لاکھ دو لاکھ پر نہیں رکیگی، کرور دو کرور پر بھی نہیں، پورے ۲۰ نیل تک پہونچیگی! یا ہندسوں میں ۲,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰,۰۰۰ ——

یہ تعداد بھی صرف اُنکی ہوئی جو ابتک انسانی آلات کی گرفت میں آسکے، اور جو ابتک انکی دسترس سے باہر ہیں، اُنکی گنتی کون کہے؟

—— حدود کائنات کی وسعت بے پایاں کی پیمایش کون بشر آج تک کر سکا ہے، یا کبھی بھی کر سکیگا؟

زحل، زہرہ مریخ، مشتری عطارد، وغیرہ بہت سے تاروں کے نام سے ہم آپ سب واقف ہیں۔ لیکن کل ۲۰ ارب تاروں کے نام بھی تو ۲۰ ارب ہی ہوے؟ یہ کس ڈکشنری میں ملینگے؟ کس نے اب تک اتنی ہمت کی ہے؟ —— سنیے، کوئی مشین بالفرض ایسی کل بھی آئے، جو بے تحاشہ بس نامزدگی کا کام شروع کردے، اور ہر منٹ نہیں، ہر سکنڈ، کھٹا کھٹ ایک ایک تارے کا نام تجویز کرتی چلی جائے، تو بھی آپ کو اندازہ ہے کہ کل کتنی مدت لگیگی؟

کیا سال دو سال؟ نہیں۔ پھر کیا؟ تیس بیس پچاس سال؟ پوری ایک صدی؟ یہ بھی نہیں۔ پورے سترہ سو سال! —— اور یہ نامزدگی بھی صرف معلوم تاروں کی ہوئی، نامعلوم پھر بھی نامعلوم ہی ترنوسوم رہے۔ اور ان نامعلوموں کی تعداد خود بھی نامعلوم!

—— انسان کے جہل کا دائرہ اُسکے علم سے کتنا بڑا ہے! اور وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّكَ اِلَّا هُوَ کی یہ تفسیر دلپذیر نادانستہ وغیر شعوری طور پر سہی، بڑے بڑے ہمہ دانوں، ہیئت دانوں، "فلک پیما" ماہرین فن کی زبان سے بہرحال ہو رہی ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ

"علوم"۔ الحاد، دہریت، بیدینی پھیلانے والے علوم بھی، وہ حیاتیات ہو یا نباتات، ریاضی ہو یا ہیئت، اگر صحیح نقطۂ نظر سے مطالعہ کیے جائیں، تو ان شاء اللہ دین کے خادم ہی ثابت ہونگے، اور ایمان گھٹائیں گے نہیں، کچھ بڑھا ہی دینگے۔ بڑی گمراہی اور اصلی زہر ان مادی علوم کی نفس تعلیم نہیں، بلکہ غلط نقطۂ نظر سے انکی تعلیم ہے۔ —— بجز اُن چیزوں کے جو نص سے حرام قطعی ہیں، باقی بڑی گنجایش اسکی ہے، کہ جو چیزیں مشتبہ یا ذو جہتین ہیں، صحیح نقطۂ نظر سے کام لیکر زہر کو تریاق میں تبدیل کردیا جائے۔ اور جو راہ کے کانٹے ہیں، اُنھیں کو مہکتے ہوے پھول بنا لیا جائے۔ سائنس، فلسفہ، ادب، شعر سب اسی دائرہ میں آجاتے ہیں۔

شراب کا کال

لندن ۳۰ جون۔ انگریز شراب سازوں نے کمیٹی وزارت ... [illegible]

کہ اب چار پانچ سال تک وہسکی بہت ہی کمیاب رہیگی! گورنمنٹ نے اب اجازت اس سال ۱۰ لاکھ گیلن تیار ہونے کی دیدی ہے، تاہم یہ مقدار اُس مقدار کی جو اوسطاً ہر سال رہتی تھی، صرف ⅓ ہے۔

(ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ)

یہ احمق ہندوستانی! اپنے ملک میں کپڑے کی ناپلی اور غلہ کی گرانی ہی کو روئے چلے جاتے ہیں! یہ نہیں دیکھتے کہ "صاحب" کے دیس میں وہسکی (شراب) جیسی نعمت کا کال پڑا جا رہا ہے!

وضو کی حکمتیں

محمد علی روڈ بمبئی سے ایک مراسلہ:

"میرے ایک دوست مجھ سے پوچھ رہے تھے کہ نماز سے پہلے وضو کرنے کی کیا مصلحت ہے؟ اگر آپ کا قلم اسکی وضاحت کرسکے تو بہت بہتر ہے"۔

لیکن خود نماز ہی کی کیا مصلحت ہے؟ کیا یہ پوری طرح ان صاحب کی سمجھ میں آ گئی ہے؟ —— عجب مرض یہ جزئی احکام شریعت کی حکمتوں اور مصلحتوں کے دریافت کرنے کا چھپا ہے! عقلی حیثیت سے گفتگو صرف اصول دین اور بنیادی عقائد، توحید، رسالت، ضرورت دین وغیرہ پر ہو سکتی ہے، نہ فروع و جزئیات پر۔ انکے لیے شارع کا حکم بس یہی سب سے بڑی دلیل ہے (جس طرح نزلہ کے نسخہ میں ۴ ماشہ بنفشہ کی مقدار صرف حکیم حاذق کا ذوق و تجربہ ہے، نہ کہ کوئی اور خارجی "دلیل عقلی"!)

چہرہ، ہاتھ، گردن پر پانی پڑنے، آنکھ، دانت، منہ، ناک کے بار بار دھلنے کی طبی مصلحتوں پر، اور جسمانی صفائی سے باطنی پاکیزگی اور حضور قلب میں مدد ملنے کی روحانی حکمتوں پر بہت سے ذہین لوگ اپنی اپنی ذہانت کے لحاظ سے لکھ چکے ہیں، اور چہرہ، ہاتھ، پیر کے غسل کی طرف تو ہر فطرت سلیم طبعاً بھی راغب ہے۔ لیکن یہ سب زائد چیزیں ہیں، اصل وہی شریعت و صاحب شریعت کا حکم ہے۔

ترقی کے قدم

"لندن۔ یکم جولائی۔ وگمور ہال لندن کا مشہور و معروف ناچ گھر (کنسرٹ ہال) ہے۔ ۹۔ جولائی کو مس آشا ہارڈی (برمنگھم کے ڈاکٹر کے۔ ایم۔ ہارڈی کی لڑکی) اس میں مجرا کریں گی۔ یہ مس صاحبہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں، جو اس نامور کنسرٹ ہال میں قدم رکھیں گی" (رویٹر)

لیجیے، آپ کے ملک کی خاتون، صاحب کے دیس میں وہاں پہنچ گئی، جہاں آج تک اسکی کوئی بہن نہیں پہنچی تھی۔ اسکا نام اخبارات میں اس حیثیت سے آ گیا۔ اسکے فوٹو چھپیں گے، اسکے "انٹرویو" اخبارات میں نکلیں گے، اسکے "کام" پر تبصرے شائع ہونگے۔ آپ کے ملک کی ناموری ہوگی۔ اس سے زیادہ "ترقی" کے لیے اور چاہیے کیا؟ گانا اور ناچنا، اور وہ بھی غیر مردوں، بیگانوں نہیں "صاحب" کے سامنے! آزادی کے حوصلہ اور ارمان نکلنے کا اس سے بڑھ کر موقع اور منصب کیا ہو سکتا!

حسرت بہت ترقی دختر کی تھی انہیں
پردہ جو اٹھ گیا تو وہ آخر نکل گئی!

لباس اور پارسائی

"بدن کے چست کپڑے، جسم کو ہر طرف سے ڈھک لینے والی پوشاک، انسان کی دماغی آزادی کے حق میں بھی سخت مضرت ہے۔ قلب گویا بالکل سکڑ کر، مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔ مغربی خاتون نے جب دن سے کہ اپنے طرز کی پوشاک ترک کی، اسی دن ذہنی آزادی میں آگے قدم رکھنے لگی ہے، اسی وجہ سے اس نے باپ اور بھائی اور شوہر کی غلامی سے آزادی حاصل کی۔ آج ۸۰ سال کے سن تک کی جو خاتونیں ہیں، ہم بمشکل اندازہ کر سکتے ہیں کہ انکی ماؤں اور نانیوں کو کیسے بندوں وغیرہ کی کیسی کیسی بندشوں میں جکڑ دیا پڑا تھا —— یہ سب کچھ مس ایتھل کیمبل نے اپنی تازہ کتاب (کین آئی ہیلپ یو، سر؟) میں بہت تفصیل سے لکھا ہے"۔

(ڈیلی۔ یکم جولائی۔ بحوالہ گلوب ایجنسی لندن)

غریب مشرق تو یہی کہتا آیا ہے کہ لباس اور حیا دامن و چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اور اگر شرافت، عصمت، عزت عزیز ہے، تو سر کو ڈھکے رہنا ہوگا، چادر اوڑھنی ہوگی، برقع بھی پہننا ہوگا، نقاب بھی ڈالنی ہوگی، قس علی ہذا —— خوش رہیں مس صاحب کہ اپنے لفظ و اصطلاح میں "روشن خیالی" کی زبان میں انھوں نے بھی اُس بوسیدہ و فرسودہ خیال پر مہر تصدیق لگا دی!

بید کی سزا

ہمعصر ریاست (دہلی) نے امرتسر کا واقعہ درج کیا ہے کہ وہاں کے رام باغ پارک میں کالج کے لڑکے عورتوں اور لڑکیوں کے ساتھ برابر شہدپن سے پیش آتے رہتے تھے۔ آخر ایک روز ایک پولیس افسر برقع سپن کر گئے، اور ایک سائیکل سوار "عشقباز" نوجوان کو گرفتار کرکے حوالات میں بند کر دیا ہے۔ اور پھر لکھا ہے:

"ہماری قطعی رائے یہ ہے کہ پنجاب کو اس وبا سے پاک کرنے کے لیے ایسے جرائم کی سزا کی نوعیت بدل دی جانی چاہیے۔ ایسے غنڈوں کے لیے جرمانہ یا چند ہفتوں کے لیے جیلوں میں چلا جانا کچھ اثر نہیں رکھتا۔ انکا علاج صرف یہ ہے کہ ایسے جرائم کرنے والوں کو چوکوں اور گزرگاہوں پر عام پبلک کے سامنے بیدوں کی سزا دی جائے۔ تاکہ یہ لوگ پبلک میں اسی طرح رسوا ہوں جس طرح یہ کمینہ لوگ شریف خواتین کی رسوائی کا باعث ہوتے ہیں"۔

بالکل صحیح ہے۔ لیکن معاصر موصوف کو تجربہ شاید صرف پنجاب کا ہے، ورنہ حقیقتاً اس وبا میں کسی صوبہ کی کوئی قید نہیں۔ سنیما اور کالج اپنے موجودہ ماحول کے ساتھ جہاں جہاں بھی ہوں گے، وہیں یہ وبا پھیلیگی اور پھر امریکی فیشنوں کے مطالعے کہیں بڑھا دیا ہے لکھنؤ اور دہلی، کلکتہ اور بمبئی، لاہور اور امرتسر سب ایک سے ایک بڑھ کر رہا!

ادب صالح

خواجہ عبدالوحید صاحب لاہوری کے قلم سے مولوی منور الدین صاحب دہلوی کی کتاب النکاح ریویو کے ضمن میں:-

"مولوی منور الدین صاحب نے اُردو داں دنیا پر بہت بڑا احسان کیا ہے کہ فقہ اسلامی کی صدیوں کی میراث کو ان لوگوں کے لیے آسان بنا دیا جو عربی اور فارسی زبانوں میں درک نہیں رکھتے اور جنکے لیے اپنی معلومات بڑھانے کا ذریعہ صرف اُردو زبان ہے۔

یہاں بے موقع نہ ہوگا اگر ہم اُن ادیبوں اور افسانہ نگاروں کو مخاطب کریں جنکی تمام مساعی اُردو زبان میں عریاں اور فحش افسانے جمع کرنے کے لیے وقف ہیں۔ قوموں کی تعمیر میں ادبیات کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اور وہ ادب جو تعمیر قومی میں حصہ لیتا ہے فحش اور عریاں افسانوں پر مشتمل نہیں ہوا کرتا۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اُردو زبان کی ہمہ گیری دنیا پر واضح ہو اور ساتھ ہی اتحاد اسلامی کا گلہائے رنگ رنگ سے بھرا ہی جائے، تو ہمیں چاہیے کہ مختلف علوم و فنون کی کتابیں زیادہ سے زیادہ اس زبان میں تصنیف یا تالیف کریں۔ کیا سیاسی اقتصادی، معاشرتی، عمرانی، قانونی اور علمی مسائل پر علمی ادبی پایہ رکھنے والی کتابیں دنیا کے ہر ادب میں موجود نہیں ہیں"۔

تو کیا خواجہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ "ترقی پسندی" "ادب لطیف" و "ادب جمیل" کے دفتر میں آگ ہی لگا دی جائے؟ کیا وہ یہ غنیمت نہیں سمجھتے کہ اس "لطف شباب" اور "مست قلندر" اور "حسین دنیا" (یہ تینوں مشہور رسالوں کے نام ہیں) اب بھی کچھ لوگ فقہ و کلام پر کتابیں لکھے جاتے اور کچھ ان پر ریویو کیے جاتے اور کچھ پڑھے جاتے ہیں۔

مراسلہ

حق کی پکار

۱- کیا آپ قرآن مجید کی کوئی خدمت انجام دے رہے ہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے تو سوچیے کہ نوع انسانی کے لیے اللہ کے "آخری پیام" کا علم کیونکر ہوگا، انسانیت اپنا کھویا ہوا وقار کیونکر حاصل کرسکے گی اور مسلمان اپنا بھولا ہوا سبق کیونکر حاصل کرسکینگے؟

۲- کیا آپ کے احباب اجتماعی شکل میں خدمت قرآن کے لیے کوئی سعی فرما رہے ہیں۔ یاد رکھیے کہ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اسکے متعلق مسئولیت لگی ہوئی ہے۔ لہذا جس قدر جلد ممکن ہو انکی توجہ اس طرف مبذول ہونی چاہیے

۳- کیا آپ کی قریبی مسجد میں درس قرآن مجید کا سلسلہ جاری ہے جس میں بلا امتیاز ہر شخص شریک ہوتا ہو۔ اسی طرح کیا آپ کے یہاں کی زنانہ اور مردانہ تعلیم گاہوں میں قرآن مجید کی بامعنی تعلیم دی جا رہی ہے؟ اسکو فراموش نہ کیجیے کہ انہیں بچوں اور بچیوں پر اسلام کے روشن مستقبل کا انحصار ہے اور وہ قرآن کے علم و عمل بغیر

سورہ بقرہ رکوع ۲۲ و ۲۳

بسلسلۂ صدق نمبر ۱

۱۸۱- فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ، إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ-	پھر جو کوئی اسے اسکے سننے کے بعد بدل ڈالے سو اسکا گناہ بس انھیں پر ہوگا جو اسے بدل ڈالیں بیشک اللہ بڑا سننے والا ہے بڑا جاننے والا

۱۳۱ (ورنہ حاکموں پر جو عالم الغیب نہیں ہوتے، بلکہ گواہوں کے بیانات ہی پر فیصلہ کی بنیاد رکھتے ہیں)

بَدَّلَهُ اور سَمِعَهُ دونوں میں ضمیر وصیت کی طرف ہے۔

والضمیر فی بدل یرجع الی الایصاء وکذلک الضمیر فی سمعہ (قرطبی)

یعنی جن گواہوں کے سامنے وصیت کی گئی کہ فلاں فلاں عزیز کو اتنا اتنا حصہ ملے، اور وہ گواہ اس میں اپنی طرف سے کچھ قطع و برید کر دیں، جس سے بعض کی حق تلفی لازم آتی ہے۔

إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ - یہ حاکموں، قاضیوں کو اطمینان دلایا ہے کہ تمہارا اس غلط اجراء میں کیا قصور۔ قصور تو بس انہیں جھوٹے گواہوں کا ہے۔

۱۳۲ سَمِيعٌ اس پر خوب روشن ہے کہ گواہ نے کس کس طرح جھوٹ سے کام لیا، اور اصل وصیت میں کیا کیا تحریف کی۔

عَلِيمٌ اس پر خوب روشن ہے کہ قاضی یا ثالث ایسے موقع پر کیسا معذور اور بے بس ہوتا ہے۔

۱۳۳ اور وہ اس بنا پر ازراہ اخلاص و خیر خواہی وصیت میں تبدیلی کردے، جس سے اس بے ضابطگی یا معصیت کی اصلاح ہو جائے۔

خَافَ۔ خوف عربی میں ہمیشہ اندیشہ اور ڈر ہی کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ کبھی علم کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اور یہاں یہی معنی مراد ہیں۔

اے فمن توقع وعلم وہذا فی کلام شائع (کشاف) والخوف والخشیۃ العلم (کبیر) ومعنی خاف توقع وعلم (روح)

اے قد ظہر لہ من احوال الموصی ما یغلب معہ علی ظنہ انہ یرید الجور وصرف المیراث عن الورثۃ (جصاص)

جَنَفًا۔ جنف کہتے ہیں نادانستہ غلطی یا بے ضابطگی کو۔ مراد ہے سہو یا خطائے فہم سے گونہ زیادتی۔

الجنف الخطاء (ابن جریر عن ابن عباس) الجنف الخطاء من حیث لا یعلم بہ (کبیر) میلا عن الحق بالخطاء (کشاف)

إِثْمًا۔ یعنی دانستہ غلطی۔ کھلی ہوئی حق تلفی، جس پر گناہ کا اطلاق ہو سکے۔

الاثم العمد (ابن جریر عن ابن عباس) الاثم العمد (کبیر)

۱۳۴ مضمون وصیت میں ترمیم کرکے، اور وارثوں کی حق تلفی دور کر کے

فکر سندھی پر تبصرہ

نمبر (۸)

(بہ سلسلہ تصدیق مکا)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

لیکن یہ تو اندر کا حال ہوا باہر کسی قانون کی پابندی کیا ضروری ہے۔ سندھی صاحب کا یہ جواب منقول ہے کہ "شریعت طریقت پر مقدم ہے"

لیکن شریعت کا سوال کیا ہے۔ فقہ و حدیث قرآن کا قانون تو سب مقامی و زمانی و قومی چیز کر ختم ہو چکے تھے۔ سنئے شریعت کا مطلب ارشاد ہوتا ہے

شریعت طریقت پر مقدم ہے یعنی ایک شخص کے لیے ضروری ہو کہ وہ جس جماعت میں رہے اسکے اجتماعی قانون کو تسلیم کرے۔ یہیں ہو سکتا کہ وہ اسکا جو جی چاہے اسی کو قانون بنا لے اور اس پر چلنے کی کوشش کرے۔ اس سے زندگی میں کوئی نظم پیدا نہیں ہوگا - اور جماعتی زندگی کا سرے سے شیرازہ بکھر جائیگا - صفحہ ۱۵۱ -

جسکا ظاہر مطلب اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آدمی جس قوم میں جس ملک میں رہے اسی قوم و ملک کے قوانین کو اپنی شریعت قرار دے۔ اگر آپ اشتراکیوں میں ہیں تو اشتراکیوں کے قانون کو شریعت بنا لیجیے اور ہندوؤں میں ہوں تو ہندوؤں کے قانون کو شریعت تسلیم کرکے اس پر چلیے۔

رہا انبیا کی تعلیم یعنی مذہب اسکا اصل الاصول تو معلوم ہی ہو چکا کہ صرف ایک پرسنل اور شخصی بات ہے۔ اپنی اپنی "انانیت" میں خدا کے قرب و محبت کے احساس کو بیدار رکھیے اور بس یہ بنا ہے۔ سندھی کی وہ بات کہ

انکی (روسی انقلابیوں) کی مادیت کو بیرے الٰہی فکر نے ہضم کر لیا"

دیکھا آپ نے۔ ہضم کا یہ عمل کس خوبی سے انجام پا گیا۔ یورپ والے بھی تو یہی کہتے ہیں کہ مذہب ایک پرسنل اور شخصی مسئلہ ہے سندھی صاحب نے اس حد تک مذہب کو بچا لیا۔ اور ہر وہ قانون جو کسی قوم و ملک میں پایا جاتا ہو اسی کے مطابق زندگی بسر کرنا شریعت کی پابندی ہو گئی - اور جس خوراک کو جناب نے خود ہضم فرما لیا ہے مسلمانان ہند میں بھی چاہتے ہیں کہ وہی ہضم ہو جائے۔ مگر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا فقہ، حدیث اور قرآنی قانون کی پابندیوں میں الجھا رہنا اس راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ تھی۔ ان رکاوٹوں کو کتنی آسانیوں کے ساتھ سندھی صاحب نے ختم کر دیا۔ میدان باہر کا تو صاف ہو گیا۔ باقی رہا اسکے لیے انانیت کے احساس والا اسلام کافی ہے۔ ایسا اسلام جسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تکذیب کرنے والا - ہندو

اور عیسائی - بلکہ لامذہب آدمی بھی اسی وسیع اسلام کے دائرہ میں پا سکتا ہے ور رہ سکتا ہے۔ آپ نے ایک موقع پر شاید اسی نام نہاد اسلام کی برتری کا اعتراف ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

مسلم صوفی اور عیسائی مشابہ ہیں!

"ایک مسلمان صوفی جو کامل روحانیت پر ہو ایک ہندو اور عیسائی صوفی کی اصل سے زیادہ قریب ہے" صفحہ ۱۱۲

بس زیادہ قریب ہے - گویا اصل قرب الٰہی کا مقام تو ایک ہندو اور عیسائی صوفی سب ہی کو حاصل ہے۔

اب میں کیا کہوں کہنے کی حد تک سندھی صاحب کا دعویٰ ہے کہ روسی انقلابیوں کی مادیت کو اپنے الٰہی فکر کے ساتھ انھوں نے روس پہونچنے کے بعد ہضم کر لیا۔ لیکن اس کتاب میں جستہ جستہ کہیں کہیں آپ کی زبان مبارک سے اس قسم کی باتیں جو نکل گئی ہیں مثلاً انہیں روسی انقلابیوں کے عزم و ارادہ کی منقبت فرمائی فرماتے ہوئے انکے الماد یہ کا بیان ہے کہ

"مولانا کا کہنا ہے کہ عزم و ارادہ و اراده کی غیر معمولی قوت انقلابیوں میں اعتماد نفس ہے - اور انقلاب کے لیے اعتماد نفس انقلابیوں میں اعتماد نفس ہے اور انقلاب کے لیے اعتماد نفس تر ہے" - پھر انکے اعتماد ہو گئے سرور صاحب فرماتے ہیں "آپ (سندھی صاحب) کے خیال میں انقلابی کو اپنے اوپر بڑا اعتماد ہوتا ہے۔ اس بڑے اعتماد کی تفصیل یہ ہے۔" وہ نہ وہمی کو خدا کہتا ہے نہ انکے اخلاقی معیاروں کو، وہ سماج کا انکار کرتا ہے حکومت کا انکار کرتا ہے ماں باپ کے کہنے کو نہیں مانتا دوستوں اور عزیزوں کا انکار کرتا ہے (صفحہ ۵۴) خیر یہ سب کچھ کہنا سننے کے بعد آخر میں سندھی صاحب اس راز کو طشت از بام اس موقع پر کرتے ہیں کہ "اصل ہوا اعتماد علی اللہ اسی اعتماد علی النفس کا حاصل ہے۔" (صفحہ ۵۶) اور آگے ارشاد ہوتا ہے

"روس جانے سے پہلے کو میں اس حقیقت کا شعور رکھتا تھا لیکن اس کو زبان پر کبھی نہ لاتا تھا - پر اب بر ملا کہتا ہوں" صفحہ ۶۵

یعنی اللہ کا لفظ روس جانے سے پہلے اعتماد کے اس سلسلہ میں جو سندھی صاحب بولتے یا سمجھتے تھے اس سے واقعی اللہ نہیں بلکہ خود انکا نفس مراد تھا - پر زبان پر لانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی لیکن جو بات آپ کے اندر تھی اب برملا اسکا اعلان فرمایا جاتا ہے اور اس قسم کی دوسری باتوں کو دیکھنے والا اگر یہ رائے قائم کرے کہ جس مادی اشتراکیت کے ہضم کرنے کا دعوے واپسی روس کے بعد آپ فرماتے تھے، اصل روس جانے سے پہلے آپ اسی کو اگر ہضم نہیں تو غالباً نگل ضرور چکے تھے۔

ایسی صورت میں کون کہتا ہے کہ لفظ احمد مرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامی قرار دینے کا خیال اور اسی کے ساتھ رہا رہا ایک جانو گر زنانہ اسباب کو اتو

یعنی قران دیوان"

لے [حاشیہ] ... [illegible]

"انت رسول الامیین" (الامیین) اور صیادی[۶] ایمان روس کا تحفہ نہیں ہے
اور صحیح تو یہ ہے کہ بیچارے نانک کی دعوت اسکے سوا اور کیا تھی
اگر واقعی سندھی صاحب کے اسی قسم کے خیالات تھے تو انکے الفاظ
کے بیان پر اگر بھروسہ کیا جائے تو اسکے سوا انکار کیا جا سکتا ہے؟ تو
پھر میری سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ بار بار ہم مسلمانوں پر جو وہ یہ احسان جتلاتے
تھے کہ محض اسلام کی وجہ سے ہم نے گھر چھوڑا، در چھوڑا، ماں کو
چھوڑا، اپنوں کو چھوڑا۔ انکا یہ احساس کس حد تک برمحل ہے۔
لکھنے والا تو کہہ سکتا ہے کہ آپ مسلمانوں کو بھی وہی بنانا چاہتے تھے
جو آپ تھے۔
ان روس سے واپسی کے بعد علاوہ ذہنی انقلاب کے سیاسی اور
معاشی انقلاب کا پیام بھی اپنے ساتھ لائے تھے اسی لیے بیچارے
گاندھی جی سے بھی بہت خفا تھے۔ خفگی کی وجہ یہ تھی کہ
"خوش قسمتی سے گاندھی جی محض ایک سیاسی لیڈر نہ رہے
بلکہ مذہبی رہنما بھی بنے۔ ہندو مذہب کا احیاء انکا مقصد ٹھہرا" (ص...)
اس لیے گاندھی جی کو اپنی راہ کا کانٹا تصور کیے رہے کہ وہ

---

[۵] کبیر، بابا نانک وغیرہ ہندوستانی سنتوں نے یا جنہوں نے اس خیال کو
ہندوستان میں جب پھیلایا تو اوروں نے جو کچھ اس سلسلہ میں کوشش کی
اسکو تو کتابوں میں پڑھنا چاہیے۔ اسوقت حضرت مجدد صاحب کا
ایک لطیفہ یاد آیا جو مکتوبات شریفہ میں ہے۔ کسی نے یہ بات دریافت
کی کہ خدا کو بجائے رحیم کے اگر رام کہا جائے تو اس میں کیا
حرج ہے۔ مجدد صاحب نے فرمایا کہ رام تو دسرتھ کے بیٹے کا نام تھا
جو سیتا جی کے شوہر تھے۔ اب یہی نام خدا کو اگر دیا جائے تو اسکے الحاد
فی اسماء اللہ ہونے میں کیا شبہ ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ کسی بادشاہ
کو اگر کوئی ... بجائے بادشاہ کے ... تو کیا حرج ہے کہ بادشاہ
کی ذات میں تو کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی، لیکن ہے کوئی جو اپنے اصلی
نام کی جگہ ... وغیرہ کے صرف لفظ کے انتساب کو پسند کرے؟
حضرت مجدد کے مکتوب میں جو مضمون ہے اسکا خلاصہ اپنے الفاظ
میں میں نے ادا کیا ہے۔ تفصیل مطلوب ہو تو اسی میں پڑھیے۔

[۶] صیادی میری اپنی اصطلاح ہے۔ ابن صیاد یہودی جسکے
متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ دجال بنکر آخر زمانہ میں وہی نمودار ہوگا۔
بخاری وغیرہ سب میں ہے کہ جب ابن صیاد دیکھا تھا اور آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ تو اس نے کہا کہ امیین
(یعنی عرب قوم) کے رسول ہو۔ آپ نے اور بھی کچھ باتیں دریافت
فرمائیں۔ آخر میں فرمایا "اخساء" یعنی اخساء وہیں کتوں کو دھتکارتے
ہیں وہ اسکا مفہوم ہے۔ گویا "دھت" فرمایا۔ دراصل آنحضرت کا نبی
ہونا ابن صیاد کی پہلی آواز ہے جو کبھی کبھی اوروں سے بھی اٹھتی رہتی ہے
ایسوں کو "اخساء" والا انداز کے سوا اور کیا کہا جائے۔

ہندو مذہب کا نام کیوں لیتے ہیں۔ اب میں کیا کیا بتاؤں کہ
انکے ارادے کیا گیا تھے۔ شاہ ولی اللہ کا نام اپنے سودے کے
بیچنے میں جو بار بار لیتے ہیں اسکی کیا وجہ تھی۔ خود انکی زبان سے
ظاہر ہوگئی ہے۔ الفاظ یہ راوی ہیں یعنی سندھی صاحب کا بیان تھا کہ
"شاہ صاحب کی حکمت عمومی چیز ہے

شاہ ولی اللہ کی حکمت شریعت سے بالا ہے؟

یہ کسی شریعت و ملت کے حدود میں مقید نہیں۔ ایک ہندو بھی
اس سے استفادہ کر سکتا ہے۔ اور تو اور ہر وہ شخص جو کسی مذہب
کا پیرو نہ ہو، اسکے لیے جاذب توجہ ہو سکتی ہے۔ یہ حکمت خالص
انسانی حکمت ہے۔ اور انسانیت کے سوا کسی قید کو قبول نہیں
کر سکتی" (صفحہ ۲۲۳)
گویا شاہ ولی اللہؒ بھی ایک قسم کے کبیر داس اور نانک شاہ تھے
محمد رسول اللہؐ کی تو ہر چیز عرب کے دماغ کے ساتھ مخصوص ہو کر رہ
جاتی تھی، لیکن شاہ ولی اللہ کا دماغ ایسا دماغ تھا جو کسی زمانی
مکانی، قومی قید کو قبول نہیں کرتا تھا۔
میں سندھی صاحب کے متعلق کوئی مضمون خاص لکھنے نہیں بیٹھا
ہوں، بلکہ ایک خاص ترتیب سے تقریباً چار سو صفحات کی اس کتاب
چھاپ کر جو باتیں کہی گئی ہیں انہی کو اس ترتیب سے پیش کرنا مقصود
تھا۔ اور وہ مقصود پورا ہو چکا۔
لیکن آخر میں دو باتوں کا ذکر کر دینا بھی مناسب ہے۔ ایک
تو یہ ہے کہ سندھی صاحب کے کلام میں ہر قسم کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ اگر
کوئی چاہے تو جو کچھ میں نے نکال کر دکھایا ہے بالکل اسکے مخالف خیالات
بھی اسی کتاب سے انتخاب کر سکتا ہے۔ مثلاً ابھی آپ سن چکے
ہیں کہ "اعتماد علی اللہ" کے مسئلہ میں اپنے اندر وہ ہمیشہ روسی
انقلابیوں کے اعتماد علی النفس کی حقیقت کا شعور رکھتے تھے لیکن
انکے مقابلہ میں آپ ایک جگہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ زندگی کی مشکلات
جن میں آپ ہمیشہ مبتلا رہے تو ان موقعوں پر یہی خیال ان کی
قوت بنا رہا کہ
"اس بڑے وجود (اللہ میاں) کو ہمارا خیال ہے اور اسکی
کارسازی ہمارے اوپر نگاہ رکھتی ہے" (ص ۲۰۲)
تعجب ہے کہ روسی انقلابیوں کے اعتماد علی النفس والے
آدمیوں کی زبان پر یہ فقرہ کس معنی میں پھبتا ہے۔ لیکن سندھی
صاحب کو اس قسم کے متناقضات کے بیان کرنے میں کمال حاصل ہے
اور انکو کیا، حافظ نباشد تو ایسے نفوس کا عام دستور ہے۔
بہر حال غرض یہ کرنا ہے کہ میرے بیان کی تردید کے لیے ضرورت
صرف اس بات کی ہے کہ میں نے جن حوالوں کو درج کیا ہے انکے
متعلق ثابت کر دیا جائے کہ "مولانا عبید اللہ سندھی" نامی کتاب یا رسالہ
شاہ ولی اللہ میں وہ نہیں ہیں۔
لیکن یہ ترکیب کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے۔ اسکے متناقض بیانات
نقل کر دیے جائیں۔ یہ قطعاً کافی نہیں۔ دوسری بات مجھے یہ کہنی ہے

مولانا کہتے ہیں کہ یہ گھروندے جو تم نے (مسلمانوں نے) بنا رکھے ہیں اور جنھیں تم فلک الافلاک سے بلند سمجھتے ہو، یہ گھروندے زمانہ کے ہاتھ سے بچ نہیں سکتے"

اور فرماتے ہیں "تمہارا تمدن تمہارا سماج تمہارے افکار تمہاری سیاست تمہاری معاشرت سب کھوکھلی ہو چکی ہے"

اس لیے الارم دیتے ہیں کہ "بدلو، ورنہ زمانہ تمہارا نشان تک نہ چھوڑے گا، سنبھلو ورنہ مٹا دیئے جاؤ گے"۔ صفحہ ۳۱۔

اور آخر میں بڑے بہت مرحوم سلطان عبد الحمید اور امیر حبیب اللہ خاں مرحوم کا نام لینے کے بعد، جو مقصود ہے اُسکو ان الفاظ میں ظاہر کیا ہے کہ "ان کا انجام جو کچھ ہوا سب جانتے ہیں"

دراصل آپ کی ان دھمکیوں کا اشارہ جس طرف ہے وہ وہی طاقت ہے جس نے ان کو انکے انجام تک پہونچایا، مگر شاید خیال تھا کہ بیچارے مسلمانوں کے پاس رکھا ہی کیا ہے جنکی دھمکی دیں" تو فرماتے ہیں کہ "بدقسمتی سے ہندوستان والے شیشے کے کمرے میں بند ہیں اس لیے یہاں "مقدس" خدائی الہی انقلاب سے لوگوں کو گمراہ کیا جا رہا ہے۔ صفحہ ۲۱۔

گویا روس میں جو کچھ ہوا شیشے میں رہنے والے ہم ہندوستانی لوگ اُس سے کہاں واقف ہیں۔ اسکی خبر صرف سندھی ہی تو لائے ہیں۔

شاید انکو کچھ کہا بھی گیا تھا "بطور پیامبر کے آپ نے پیام بھی دیا ہے "اب زمانہ بدل چکا ہے، انقلاب کی گھڑی قریب آگئی ہے۔ صفحہ ۱۰

جو کچھ اس گھڑی میں ہوگا اُسکے متعلق آپ خبر پہنچاتے ہیں "تمہارا یہ کھوکھلا سماج اور بے روح تمدن چند دنوں کا مہمان ہے اسکو خود بدل ڈالو تو بہتر ہے ورنہ زمانہ کا ریلا خود بدل دیگا اور تم کہیں نظر نہ آؤ گے"۔ صفحہ ۳۱

الغرض بیچ بیچ میں بڑے بڑے ڈراونے لہجوں میں آپ نے مسلمانوں کو دھمکانے اور دہشت دلانے کی بھی مسلسل کوشش کی ہے۔

کتاب و سنت سے ہٹ لو

لیکن سوال یہ ہے کہ جس بدلنے کا پیغام آپ اس گھڑی سے پہلے دے رہے ہیں اسکا حاصل یہی ہے کہ مقامی فقہ، زمانی حدیث، مثالی قرآن کے قوانین سب مسلمان چھوڑ بیٹھیں اور شرک و توحید دونوں کو ایک قرار دے کر اس باب میں بھی قرآن کی راہنمائی سے ہم مسلمان مستغنی ہو جائیں تو اس گھڑی سے پہلے ہی کیا ہم خود اپنے ہاتھوں ختم نہ ہو جائیں گے۔ گھڑی کے وقت تو اسکا الزام دوسروں پر آئے گا لیکن اُس گھڑی سے پہلے آپ کے واویلا سے متاثر ہوکر ہم سب کچھ مٹا دیں گے تو اپنے ہاتھوں کیا یہ اپنی خودکشی نہ ہوگی عجب مشورہ نیک ہے، کہ اسلام بچانے کے لیے کفر کو قبول کرلو خیر آپکے مشورہ کو قبول کر لینے کے بعد بچے ہی گا کیا؟ اور

اصل یہ ہے کہ ایک سندھی صاحب ہی نہیں بلکہ سب بڑے مسلمان سیاسی زوال کی موجودہ مصیبت میں مبتلا ہیں سب سے (یہ) اس مصیبت کو مشق بنا کر مسلمانوں کے نوجوان یہ حیثیت خود گرفتس پڑے ہیں اور ہر ایک اسی کا وعدہ کرکے کہ اس مصیبت سے نکل جائیگے۔ اگر یہی مشورہ ہے کو ان لوگوں نئی نئی تجویزیں مسلمانوں کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ کوئی مسلمانوں کے صوفیوں کو انکی ان سیاسی ہزیمتوں کی ذمہ داری ان سے چھڑا لیتے ہیں کوئی فقہ اور فقہا پر اسکا الزام تھوپتا ہے کوئی حدیثوں پر غلط زمین سنا تاہے، کچھ لوگ اسلامی سلاطین کے نام رکھ رہے ہیں جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ اور سندھی صاحب نے تو سب ہی کو جمع کرلیا ہے۔ بلکہ یہ تو شاید کسی نے نہیں کہا تھا کہ قرآنی قوانین بھی مثالی حیثیت رکھتے ہیں۔ صرف ایک مرحلے سے دوسرے مرحلے تک تشکیل کر انسانیت کو پہونچانا بھی انکا کام تھا جو پورا ہو چکا گویا ابتدائی زمانہ بچپن کے پاؤں کا جوتا پہننا سوائے پن کے سوا اور کیا ہے

الغرض اس سیاسی مصیبت کے سلسلہ میں ہمدردوں کی جماعت سے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ مسلمانوں پر صوفی، فقیہ، محدث، سلاطین اسی زمانہ میں تو سامنے تھے جو زمانہ انکے سامنے عروج و اقبال کا تھا۔ پھر ان غریبوں پر جو الزام لگایا جاتا ہے وہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ باقی آپ لوگوں کے مشوروں پر تقریباً دو سو سال سے مسلمانوں کا کوئی نہ کوئی گروہ عمل کر چکا ہے لیکن حالت ذلیل بھی بدتر سے بدتر ہوتی چلی جا رہی ہے۔

مسلمانوں کو میں یہ بتلا دینا چاہتا ہوں کہ بلا شبہ وہ مصیبت میں مبتلا ہیں اور اس مصیبت سے نکلنے کی تدبیروں کا سوچنا اُنکے اہم ترین فرائض میں ہے۔ لیکن بدر کے بعد اگر اُحد کی صورت آج پیش آگئی ہے تو یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ جن لوگوں کے ہاتھوں نے بدر کی بازی جیتی تھی چونکہ اُنھیں کو اُحد میں شکست اُٹھانی پڑی اس لیے انکا انکار کر دیا جائے۔ یہ سیاسی عروج و زوال دنیا کا عام قصہ ہے، خصوصاً اقوام و اُمم کے لیے سو دو سو سال کی مدت کوئی بڑی مدت نہیں ہے۔ ہم کو اس اُحد کی شکست سے پھر خندق اور خیبر کے فتوحات کا راستہ پیدا کرنا ہے۔ اور بالفرض اگر یہ مقدر ہو چکا ہے کہ لا فعل اللہ مسلمان مٹا دیئے جائیں، انکے قرآن کی، حدیث کی، تصوف کی، غالم یہ ہے کہ خاک اُڑا دی جائے تو بجائے دوسروں کے اس جنازہ کی تیاری ہم خود کیوں کریں قبل اسکے کہ زبردستی بزور شمشیر ہمیں کافر بنایا جائے، اس جبری کفر کے ڈر سے یہ عجیب مشورہ ہے کہ برضا و رغبت العیاذ باللہ کافر ہو جائیں۔ اور میری سمجھ میں تو یہ بھی نہیں آتا کہ جو کچھ ہو چکا ہے اب اس سے زیادہ کیا ہوگا۔ مسلمانوں کے قانون پر آج وہ حکومتیں کیا عمل کر رہی ہیں، جو اُن پر مسلط ہیں۔ اگر بجائے انکے کوئی دوسری حکومت آئے تو وہ زیادہ سے زیادہ۔۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ | (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ادیٹر سے کیجیے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:
محمد سعید الزماں عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی چار
تین ماہ سے کم کا نہیں ہوتا
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ
(ٹیلیفون نمبر ۱۹۴)

نمبر ۲۰ | یوم سہ شنبہ - ۸ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۷- جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

برجِ جوزا کا نام ہر جنتری میں نظر سے گزرا ہوگا۔ یہاں جو بڑا ستارہ ہے، اُس کا نام انگریزی میں SIRIUS ہے اور عربی میں کلب اکبر ہے۔ تاروں کی دنیا میں سب سے زیادہ روشن اور چمکدار اور آپ کی زمین سے سب سے زیادہ قریب۔ اس قریب ترین ہمسایہ سے بھی بُعد کا آپ کو کچھ اندازہ ہے؟ چند ہزار میل؟ نہ سہی، لاکھ دو لاکھ میل؟ اچھا یہ بھی نہ سہی، تو کوئی کروڑ دو کروڑ میل؟ جی نہیں، یہ بھی نہیں۔ بس سنیے، اور حیرت کیجیے۔

۵ میل اور ۶۰ کھرب میل!

یا ہندسوں میں ۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰،۶۰،۰۰۰،۵ میل! روشنی کی نپی ہوئی رفتار، فی منٹ نہیں، فی سکنڈ ایک لاکھ ۸۶ ہزار میل ہے! لاکھوں میل دور چاند کی روشنی سکنڈوں میں، اور کروڑوں میل دور سورج کی روشنی منٹوں میں کرۂ زمین تک آجاتی ہے۔ لیکن ستاروں میں اس قریب ترین ستارہ کی روشنی زمین تک پہونچنے میں مدت، منٹوں اور گھنٹوں کی نہیں، دنوں اور ہفتوں اور مہینوں کی بھی نہیں، آٹھ سال کی لگ جاتی ہے! ـــــ فاصلہ ہی اتنا ہے! ـــــ فتبارک اللہ احسن الخالقین!

کلب اکبر! CANIS MAJOR تو انکا اصطلاحی نام اہل فن کے ہاں کا ہے۔ باقی عام نام زبانوں پر چڑھا ہوا عربی میں شعریٰ ہے۔ یہ دنیا میں خوب پجے ہیں۔ شروع سے پجتے آئے ہیں۔ مصر، یونان، روم، عرب، سب جگہ ان کی پوجا مختلف ناموں سے ہوتی ہے۔ پرستش تو زہرہ، مشتری، زحل، عطارد، سب ہی کی ہوئی ہے۔ لیکن ان بزرگ کا نمبر سب سے بڑھا رہا ہے ـــــ سورج دیوتا اور چاند دیوتا کے بعد سب سے بڑا مرتبہ انھیں کا رہا ہے ـــــ دنیا ـــ شرک کی پوری تاریخ پر نظر ڈالنے کے بعد یاد کیجیے، قرآن کی وہ آیت جس میں مشرکوں کو یہ جتایا گیا ہے کہ خدائے برحق وہ ہے جو تمھارے خدا کا بھی خدا ہے! ہو ربّ الشعریٰ (سورۂ نجم) ـــــ یہ نہیں فرمایا کہ وہ زہرہ کا خدا ہے، مشتری کا خدا ہے۔ پرستش انکی بھی ہوئی بھی گو اتنی کب ہوئی تھی۔ فرمایا تو یہ کہ آفتاب و ماہتاب کے بعد جو ستارہ معبودِ اعظم ہے، وہ اسکا بھی خدا ہے! عرب کا اُمّی یہ بات اپنی طرف سے کہہ سکتا تھا؟ یہ تو وہی کہہ سکتا تھا جسکے سامنے مشرکین عرب ہی کی نہیں، مشرکینِ عالم کی ذہنیت آئینہ تھی! جسکے لیے مصر اور یونان اور روم غرض دنیا کے کسی گوشہ کی بھی شرک پرستی عالم "غیب" میں نہ تھی سب کی عالم شہود میں تھی!

دوسرے مضامین کے ہجوم کے باعث یہ نمبر بغیر شذرات کے شائع ہو رہا ہے۔
نائب مدیر

انگریزی اور تفسیر کی مدد سے دینی اور فقہی مسائل پر کبھی کبھی آپس میں بحث و مناظرہ کرکے وقت ضائع کیا تھا؟

س ۔ آخر مجبور ہو کر معترض صاحب ہی سے جواب طلب ہوئے تو وہ سمجھانے لگے۔

ج ۔ گویا تحقیق حق کسی درجہ میں بھی مقصود نہ تھی ۔ بلکہ مقصود محض ایک فریق کا دوسرے فریق کو قائل اور ساکت کردینا تھا۔

س ۔ ہم میں بہت سے اکم از کم مجھے تو انکے جواب سے تشفی نہیں ہوئی ۔ آج تک میرے دل میں خلش ہے ۔ اپنے آپکو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہوں، لیکن ہمیشہ ناکام ہی رہتا ہوں۔ مجبور ہو کر خیال دامنگیر ہوا کہ کسی عالم سے دریافت کرکے تشفی حاصل کرلوں۔

ج ۔ گویا سال بھر کی خلش آپ کو اس نتیجے تک لائی مگر یہ اب بھی آپ نے اپنی جگہ طے کرلیا ہے کہ وہ مسئلہ بہرحال زبانی گفتگو ہی سے حل ہو کر رہیگا! فلاں شخص سے نہ ہوا فلاں سے سہی! اور گویا آپ اسکے قائل ہی نہیں کہ کائنات میں بہتیرے مسائل حواس بشری کی طرح عقل بشری سے بھی ماوراء ہیں!

س ۔ بہت ہی سوچ بچار کے بعد بزرگ ہستیوں کی جانب رجوع کرنے کا عزم کرکے یہ خط لکھ رہا ہوں ۔ امید ہے آپکا جواب تسکین دہ ہوگا ۔ مجھے قال اللہ یا قال الرسول کہکر خاموش کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔

ج ۔ یہی وہ "خدا اور رسول پر سچا ایمان ہے" جسکا شروع خط میں بڑے زور سے دعوے ہو چکا ہے؟

س ۔ بلکہ عقلی دلائل اور سائنس کے ذریعہ بھی سمجھایا جائے۔

ج ۔ سائنس غریب کو بجز اپنے مخصوص تجربی شعبوں کے عام استدلال خصوصاً اصول مذہب سے آخر کیا تعلق ہے؟ بہتر ہوتا کہ سائنس کا محض نام سن لینے کے بجائے کچھ تو اسکی حقیقت و ماہیت سے واقفیت حاصل کرلی جاتی!

س ۔ ہمارا عقیدہ ہے اور سچا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انصاف والا ہے ۔ وہ نہ کسی نفس پر بیجا ظلم کرتا ہے

ج ۔ لیکن کسی پر ظلم و انصاف کی تحقیق بھی جب ہی ہو سکتی ہے، جب اسکا پورا سلسلہ زندگی ہر ہر شعبہ کا بلا کسی استثناء کے ہمارے سامنے موجود ہو۔

س ۔ اور نہ کسی کو کسی نعمت سے محروم رکھتا ہے ۔ اور اسکے انصاف کا تقاضہ بھی یہی ہے۔

ج ۔ لیکن ساتھ ہی ہمارا اور آپکا عقیدہ یہ بھی ہے کہ جس طرح حواس بشری ذات باری کا ادراک نہیں کرسکتے اسی طرح ذہن بشری نہ صفات باری کا احاطہ کرسکتا ہے نہ افعال الہی کی حکمتوں کو گرفت میں لاسکتا ہے اور نہ انکو پورا پورا سمجھ سکتا ہے ۔ اور اگر یہ سب ممکن ہو جائے تو پھر وہ لا محدود و لامتناہی خدا نہ رہا ۔ بلکہ ہمارا ہم سطح ایک محدود و متناہی انسان ہو گیا۔

س ۔ یہی بات ہے تو اندھے اور لنگڑے لولے اور پیدائشی احمق کو خدا کیوں پیدا کرتا ہے ۔ ساری دنیا ایک نعمت سے نوازی جائے، اور صرف چند افراد اس سے محروم رہ جائیں ۔ کیا اس کو انصاف کہہ سکتے ہیں؟ اگر آپ کہیں کہ ماں باپ کے نطفہ کی خرابی کی وجہ سے خرابیاں ظہور میں آئیں تو میں کہونگا کہ ماں باپ نے اگر غلطی کی ہے تو انھیں اسکی سزا بھگتنا چاہئے تھا ۔ اسکے بجائے غریب بچہ کو اندھا یا لنگڑا کرکے اسکو عمر بھر عذاب میں مبتلا رکھنا یا سرے سے اسکو خدا کی قدرت ہی نہ دکھانا کہاں کا انصاف ہے؟ نادرہ اور عجیب و غریب ہستی پیدا کرنا کیا خدا کی صفت احسن الخالقین پر ایک دھبہ نہیں ہے؟

ج ۔ سوال دو نہیں ہیں صرف ایک ہی ہے ۔ اور اس طول طویل عبارت کا خلاصہ صرف اسی قدر ہے کہ فلاں فلاں افعال الہی کی حکمت کیا ہے؟ تو کیا آپ اسکے مدعی ہیں کہ آپ افعال الہی میں سے کسی چھوٹے سے چھوٹے فعل کی بھی حکمتوں کا احاطہ کرسکتے ہیں؟ چہ جائیکہ اتنا بڑا فعل جو مرادف ہے ساری مشیت تکوینی کا!

آپ تو دوسرے لفظوں میں یہ پوچھ رہے ہیں کہ کائنات کا یہ موجودہ نظام کیوں ہے؟ اللہ نے اس میں کمی زیادتی، اچھائی برائی، بڑائی، چھٹائی کے فرق کیوں رکھے، سب کو ہر حیثیت اور ہر اعتبار سے بالکل یکساں، ہم سطح اور ہمسر کیوں نہ پیدا کیا؟ —— آپ اپنی ہی عقل سے سوال کیجئے کہ دین یا دنیا کا کوئی سا مجتہد اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہے؟ بالفرض کوئی حکمت اس خاص قسم کی بتا بھی دی گئی تو کیا بجنسہ یہی سوال اسی زور و قوت کے ساتھ خود اس حکمت پر بھی نہ قائم ہوگا ۔ یعنی یہ کہ یہ حکمت ہی کیوں رکھی گئی؟ کیا خدا کی قدرت اس خاص قسم کے طرز تخلیق تک محدود ہے؟ کیا خدا مجبور تھا؟ اسکے علاوہ کوئی دوسری شق اختیار نہیں کرسکتا تھا؟ وغیرہ وغیرہ بیسیوں سوالات ہیں ۔ اسی گورکھ دھندے سے بچنے اور اسی بھول بھلیاں سے نکلنے کے لیے اور عقل جزوی بشری کو ماوراء عقل مسائل کے سمجھانے سے عاجز دیکھ ہی کر تو ہم نے ایک لامحدود و لامتناہی قوت والے، حکمت مطلق کے مالک کا وجود تسلیم کیا تھا، اور آپ پھر ہمیں اسی سطح کی طرف واپس لیے جارہے ہیں جہاں ہماری عقلیں جواب دے چکی تھیں ۔ اور معلوم ہوتا تھا کہ انسانی کان انسانی آنکھ کی طرح انسانی دماغ کی رسائی بھی بہت ہی محدود و قلیل ہے۔

میں آپ ہی کے ارشاد کی تعمیل میں قال اللہ و قال الرسول کہکر آپ کو خاموش نہیں کرانا چاہتا لیکن آپ ہی کی پیش کی ہوئی عقلی دلیل کو ادا کرکے [illegible] اور نہ سوال

ہرگز کسی عقل و حکمت سے نہیں، بلکہ تمامتر نافہمی اور بےغوری سے ہوا ہے! ——— عقل کا کام صرف جزئیات اور مدرکات کے باہمی تعلقات کو سمجھنا ہے، نہ یہ کہ جو ہستی کلیات سے بھی زیادہ کلی ہو، اور سرے سے انسانی ادراک سے ماورا، اُسکے افعال پر تنقید و احتساب کے لیے عقل غریب کو تکلیف دی جائے!

آ مسئلہ تقدیر پر صدق میں ایک بار نہیں متعدد بار چھوٹے بڑے مضامین نکل چکے ہیں۔ اب ہر مرتبہ آخر انھیں کہاں تک دہرایا جائے۔

پیش لفظ

اُردو کی ایک زیرِ طبع کتاب پر

(از عبد الماجد)

مولانا حکیم سید عبد الحی رائے بریلوی ثم لکھنوی (متوفی سنہ ۱۳۴۱ھ) ناظم ندوۃ العلماء ایک عجیب نیک نفس، پاکیزہ صفات بزرگ گزرے ہیں۔ طبیب بدن کے بھی تھے اور طبیب روحانی بھی۔ اللہ نے ایک بڑی دولت اولاد صالح سے سرفراز فرمایا۔ بڑے صاحبزادے حکیم حاجی ڈاکٹر عبد العلی۔ ایم۔ بی۔ بی۔ ایس۔ طبابت و نقاہت، شرافت و نقاہت میں والد ماجد کے نقش قدم پر چلے بلکہ ان سے بھی کچھ آگے بڑھ گئے۔ چھوٹے نے علم و فضل، صلاح و تقوے اور صحیح روشن خیالی کی ایک نظیر قائم کردی۔ صاحبزادی نے "فتقبلہا ربہا بقبول حسن و انبتہا نباتاً حسناً" کے مصداق خدمت دین کی توفیق ایک نئے رنگ سے پائی۔

انکے چھوٹے بھائی مولانا ابو الحسن علی ندوی کی کتاب قصص النبیین للاطفال اب کسی تعریف کی محتاج نہ تعارف کی۔ سلیس شستہ عربی میں پیمبروں کے سچے سبق آموز پر ہدایت حالات لڑکوں اور بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل۔ حصہ اول کچھ روز ہوئے شایع ہو چکا ہے اور حصہ دوم اب شایع ہو رہا ہے۔ ان بہن صاحبہ نے یہ کیا کہ انھیں مطالب کو عربی سے اُردو میں منتقل کر دیا۔ اور افادیت کا جو حلقہ پہلے بھی ماشاء اللہ اچھا خاصہ وسیع تھا اُسے اب وسیع تر کر دیا ہے۔

قصص النبیین اصلاً عربی کے مبتدی طلبہ کے لیے خاص تعلیمی نقطۂ نظر سے لکھی گئی، اور سرسری نظر سے دیکھیے تو صرف ایک درسی اور تعلیمی کتاب معلوم ہوگی۔ لیکن حقیقۃً علم کلام کی کتاب ہے۔ ایمان کے مسائل، توحید کے دلائل جس حسن لطافت سے اسکے اندر جمع کر دیے گئے ہیں وہ اپنی نظیر آپ ہے ——— ادھر زبان عربی کے اسلوب بیان کے رمز سمجھ[illegible]

ادھر قلب ایمان اور قرآن کے حقائق سے معمور ہوتا گیا ——— دماغ نے نشو و نما پائی، روح نے بھی بالیدگی محسوس کی۔

اللہ کے ان پیام لانے والوں کو اپنے اپنے زمانہ میں کیسی کیسی مخالفتوں سے دوچار ہونا پڑا ہے۔ کیسے کیسے معرکے سر کرنا پڑے ہیں۔ اب نوحؑ، ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، اسحٰقؑ، یعقوبؑ، یوسفؑ، ہودؑ، صالحؑ، یونسؑ، شعیبؑ، موسیٰؑ و عیسیٰؑ (اللہ کی بیشمار رحمتیں ان پر نازل ہوں) تو نظروں کے سامنے موجود ہیں۔ لیکن انکی تاریخیں اور سرگزشتیں ہیں، اور دور جدید کے منکروں اور کافروں کو سب سے زیادہ الجھنیں اسی سلسلہ میں پیش آرہی ہیں ——— ادریسؑ کس زمانے میں ہوئے ہیں، اور ذو الکفلؑ سے کونسی شخصیت مراد ہے؟ لوطؑ کا ملک کون سا تھا، اور طوفان نوحؑ کہاں تک آیا تھا، موسیٰؑ کا معاصر کون سا فرعون تھا یا کون کون سے فرعون تھے؟ اور عیسیٰؑ کا آخری انجام اس دنیا میں کیا ہوا؟ بیسیوں بلکہ سیکڑوں سوالات اسی نوعیت کے آج مذہبیات کے ہر متعلم کو پیش آرہے ہیں۔ اور مبارک ہے وہ اہل قلم جسکا قلم ان گتھیوں کو حل کرتا جائے۔

فلسفۂ یونان اور معقولات کسی زمانہ میں اسلام کے دشمن ہونگے آج تو اسلام کے پہلوان کو سب سے زیادہ مقابلہ تاریخ اور جغرافیہ اور معاشیات و سیاسیات کے میدانوں میں کرنا ہے

رائے بریلی ہی کا ایک سید زادہ کبھی ہجرت و جہاد کے شوق میں وطن سے بے وطن ہوا تھا اور قلعہ بالاکوٹ (پشاور) کی سرزمین پر اپنی زندگی کے حق سے ادا ہو گیا تھا۔ آج اللہ کے دین کو نصرت کے لیے تلوار سے بھی کچھ زیادہ قلم کے مجاہدوں کی ضرورت ہے۔ اسی خاندان سے پھر ایک سید اُٹھا ہے۔ اور انکی اسکے ہمراہ ایک برقع پوش سیدانی بھی ہے ——— غزوات نبوی میں شہیدوں اور غازیوں کی خبرگیری و تیمارداری کرنے والیوں کی یاد تازہ کردینے والی!

آج مسلم خاتون غیروں کی دیکھا دیکھی کہاں سے نکل کر کہاں پہونچ گئی ہے۔ گھر سے نکل کر اسکول، اسکول سے کالج۔ اور پھر سوئمنگ بال، اور سینما گھر اور بے حجابی اور بےحیائی کا ہر اڈہ اور ہر منزل! ——— عین اس فضا اور اس ماحول میں جو بہن دین کی خدمت کے لیے نکلی ہیں وہ اپنی صنف کا گناہ کچھ تو ہلکا کر رہی ہیں۔ اللہ انکی ہمت میں برکت اور ارادوں میں استقلال نصیب کرے۔

کتاب ترجمہ نہیں ترجمہ سے کچھ بڑھکر ہے۔ زبان کی خوبیاں صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں، "مشک آنست کہ خود ببوید" ——— جو لڑکے اور لڑکیاں اسے پڑھینگے وہ ساتھ ہی ساتھ اُردو زبان بھی سیکھتے جائینگے۔

نکتہ چینی کی نگاہ کو کتاب میں صرف دو جگہ حرف رکھنے کی گنجایش نظر آئی۔ ایک بالکل شروع یعنی پہلے صفحہ کی پہلی سطر میں، "شہر اور گاؤں" نہیں "ایک مشہور شہر" تھا۔ اور دوسرے ص ۳ میں ختم صفحہ کے قریب "پار جانور" کے بجائے "چار پرندے" ہونا چاہیے تھا۔

یقینا یہ ناقابل یقین پیشگوئی تھی کہ رومی چند سال میں غالب آجائیں گے

وھم من بعد غلبھم سیغلبون (روم)
اور وہ اُنکے غالب کرنے کے بعد عنقریب غالب آئیں گے۔

چند سال بعد یہ پیشینگوئی پوری ہو جاتی ہے اور قریش کے بیشتر لوگ سکو دیکھ کر ایمان لاتے ہیں۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو بتلانا چاہیے تھا کہ اس پیشینگوئی کا ماخذ کیا تھا؟ یعنی اُسوقت جبکہ یہود اپنی قوت اور شوکت کے اعتبار سے سب سے زیادہ اہمیت رکھتے تھے۔ زبان رسالت نے اعلان کیا

ضربت علیھم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس
اور اُن پر رسوائی مقرر کی گئیں جہاں بھی پائے جائیں، لیکن خدا یا آدمیوں کے سہارے!

آج تک کیا اس پیشگوئی کے صادق ہونے کے خلاف کوئی شہادت پیش کی جا سکی؟ اور کیا یہ بتایا جا سکتا ہے کہ ایسی صحیح پیشینگوئی کا ماخذ کیا تھا۔ منافقین کو ڈر تھا کہیں انکا نفاق بذریعہ وحی آشکارا نہ کر دیا جائے۔ نفاق سے قطع نظر اُنکے اس خطرۂ قلبی کو وحی الٰہی نے یوں ظاہر فرمایا

یحذر المنافقون ان تنزل علیھم سورۃ تنبئھم بما فی قلوبھم (توبہ)
منافقین ڈرتے ہیں کہ انکے متعلق کوئی سورۃ اُترے جو انکے دل کی باتوں کی خبر دے!

ڈاکٹر ٹسڈل کو نشاندہی کرنا چاہیے کہ منافقین کے اس خطرۂ قلبی کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے ہوا؟

ڈاکٹر ٹسڈل کا دعوٰی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نعوذ باللہ یہودی عربوں سے یہودی روایات کو اخذ کیا۔ لیکن اُن عربوں کا حال اُنکے نزدیک یہ تھا،

"عرب یہودی جنکو یہ روایتیں یاد تھیں زیادہ پڑھے لکھے نہ تھے اور انھیں بمقابلہ بائبل کے تالمود کی روایات زیادہ معلوم تھیں ص۲۸"

عیسائیوں کے متعلق ڈاکٹر موصوف کا بیان ہے

"وہ لوگ جو محمد پر ایمان لائے تھے اُن میں سے کوئی بھی سچا اور اچھا تعلیم یافتہ عیسائی نہیں تھا۔ ص۱۱۶"

ڈاکٹر ٹسڈل کے یہ بیانات ذہن نشین رہیں۔ اسکے بعد اس پر غور کیجیے کہ قرآن مجید یہود و نصارٰی کو سختی سے کفت و عید سناتا ہے اور انکی ایک ایک اخلاقی کمزوری اور معاشرتی پستی کی پردہ دری کرتا ہے انکی تحریف و تاویل کا راز فاش کرتا ہے لیکن یہ لوگ ایسے صابر ہیں کہ زبان سے بھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ تم جاہل عربوں اور ناواقف اہل کتاب سے مضامین حاصل کرتے ہو اور پھر ہمارے مقابلہ میں آتے ہو؟ قرآن نے کہا

یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتاب
اے اہل کتاب تمہارے پاس ہمارا پیغمبر آیا وہ تم کو ہر ان چیزوں سے آگاہ کرتا ہے بہت اُس میں سے جو چھپاتے ہو تم کتاب میں سے۔

ایک دو نہیں بلکہ یہ "کثیر" امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جاہل عربوں سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ اور پھر وہ عرب جنکو بقول ڈاکٹر ٹسڈل بائبل سے زیادہ تالمود سے دلچسپی تھی وہ تو اس سلسلہ میں اور بھی بیکار تھے۔ ڈاکٹر ٹسڈل کو بتلانا چاہیے تھا، کہ یہ مخفی امور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسے معلوم ہوئے؟ اور اگر قرآن کا یہ دعوٰی "نعوذ باللہ" صحیح نہ تھا، تو کیا یہود و نصارٰی نے اسکے جواب میں کوئی آواز بلند کی تھی۔ قرآن نے خبر دی کہ بعض پاک چیزیں یہود پر اُنکی بداعمالیوں کی وجہ سے حرام کی گئی ہیں۔

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم الطیبات
یہودیوں کی نافرمانی کی وجہ سے ہم نے اُن پاکیزہ چیزوں کو حرام کر دیا۔

یہود کو اس سے انکار تھا قرآن نے اُن سے کہا کہ تم سچے ہو تو توراۃ لاکر پڑھو دیکھو اس میں کیا ہے

قل فاتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صادقین
کہیے کہ توراۃ لاؤ اور اُسکو پڑھو اگر تم سچے ہو۔

اس قدر پرزور مطالبہ کیا جاہل عربوں سے سنی ہوئی باتوں پر ہو سکتا تھا اگر یہود کو وہم بھی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بائبل کے مضامین سے واقف ہیں تو وہ قرآن کے اس دعوے کے انکار کی جرأت نہ کرتے بہر حال وہ قرآن کے اس مطالبہ سے پریشان ہو گئے۔ اور توراۃ کے پیش کرنے کا حوصلہ نہ کر سکے۔

ڈاکٹر ٹسڈل کا تصنیفی فرض تھا کہ اس قسم کے امور کا وہ اپنی تصنیف میں جواب دیتے، انکے ماخذ بتلاتے اور اپنے ناظرین کی تسلی کا سامان بہم پہنچاتے۔

---

(۳)

ڈاکٹر ٹسڈل کا اصل موضوع یہ ہے کہ وہ قرآن مجید کا سراغ لگائیں۔ لیکن داد دیجیے اُنکے اس عدل و انصاف کی کہ جب وہ اپنے نتائج تحقیق پیش کرنے لگتے ہیں تو قرآن کے بجائے کتب تاریخ کا حوالہ دیتے ہیں یا ان کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں جو عموماً پایۂ اعتبار سے ساقط ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم اور آتش نمرود کے واقعہ کا جب سراغ دیتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اس واقعہ کا ماخذ تو فلاں کتاب ہے اور اسلامی ماخذ میں یہ واقعہ ابوالفداء اور عرائس المجالس میں موجود ہے۔ گویا فاضل مصنف کے نزدیک کسی واقعہ کا ابوالفداء اور عرائس المجالس میں ہونا عین قرآن میں ہونا ہے

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست!

اسی طرح ہاروت و ماروت، گوسالۂ سامری، کوہ قاف

تعلیم کو م وغیرہ کے متعلق وہ کچھ بیان کرتے ہیں، اس میں وہ ایک بات قرآن سے لیتے ہیں باقی روایات ابو الفداء، عرائس المجالس، تفسیر عباسی، اور قصص الانبیاء وغیرہ سے بیان کرتے ہیں پھر ان کتابوں کی روایات یا ان سے ملتی جلتی چیزیں جب انکو اسرائیلیات یا کسی دوسرے دفتر میں ملتی ہیں تو ڈاکٹر صاحب جوش سے پکار اٹھتے ہیں کہ "دیکھو یہ ہے قرآن کے فلاں واقعہ کا ماخذ!"

(۴)

ڈاکٹر ٹسڈل کی اس تصنیف کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اسلام سے پیشتر کسی صحیفہ یا کسی مذہبی روایت میں انکو خدا، بہشت، جہنم، فرشتہ، شیطان، لوح محفوظ، میزان، عرش، اور اسی قسم کی مذہبی چیزوں کا نام مل گیا، اور یہی نام اُن کو اسلامی تعلیمات میں بھی ملے، دونوں کے حقائق کا مقابلہ کیے بغیر اُنھوں نے یہ حکم لگا دیا کہ اسلام کا فلاں عقیدہ فلاں مذہبی روایت سے ماخوذ ہے۔ اگر ڈاکٹر ٹسڈل اسلامی تعلیمات سے کما حقہ واقف ہوتے تو غالبًا وہ ایسی واضح غلطی کے مرتکب نہ ہوتے۔ قرآن کا یہ دعوٰی اپنی جگہ پر ثابت شدہ ہے کہ وہ اگلے صحیفوں کی صحیح تعلیمات کا حامل ہے۔ اور اسی لیے دوسرے آسمانی صحیفوں اور قرآن کے مضامین میں کہیں تطبیق پائی جاتی ہے۔ اور یہ قرآن کی صداقت کی ایک واضح دلیل ہے۔ اس مطابقت سے یہ سمجھنا کہ قرآن ان صحیفوں سے ماخوذ ہے، معلوم نہیں کس منطقی دلیل کا نتیجہ ہے؟ لیکن یہاں ہم اس بحث کو نہیں چھیڑنا چاہتے ہیں بلکہ صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر ٹسڈل جن چیزوں کو اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن کا ماخذ ہے، ان کا یہ کہنا غیر صحیح اور انکی نشان دہی غلط ہے۔ اس سے ناظرین کو معلوم ہوگا کہ ڈاکٹر موصوف نے یا تو خود بری طرح فریب کھایا ہے یا اپنے ناظرین کو بری طرح فریب میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں۔

بے شبہ عقائد کا ذکر دوسرے آسمانی صحیفے بھی کرتے ہیں، لیکن اگر اسلام کے بتلائے ہوئے اعمال میں اور اُن دوسرے مذہبی صحیفوں یا مذہبی روایات کی تعلیمات میں بالکل یکسانی تھی تو عرب کا ذرہ ذرہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحابؓ کا دشمن کیوں ہوگیا تھا؟ اور ذات نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے اصحاب کو مصائب کا نشانہ کیوں بننا پڑا؟

فاضل مصنف نے بار بار اپنی تصنیف میں فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ کی خاطر فلاں چیز کو اپنے مذہب میں شامل کیا، یہود کو مائل کرنے کے لیے فلاں چیز کو اپنے مذہب میں شامل کیا۔ نصاریٰ کی رضامندی کے لیے فلاں عقیدہ قبول کرلیا۔ مجوس کی خاطر فلاں بات قبول کرلی۔ لیکن اسکا نتیجہ کیا ہوا؟ کیا یہ تمام فرق باطلہ اس ترکیب سے رام ہوگئے۔ کیا مصنف نے عہد رسالت کی تاریخ سے بالکل آنکھیں بند کرلی ہیں۔

خدا کو کیوں مانا جائے؟ اُسکی صفات کیا ہیں؟ اسکی توحید کی دلیلیں کیا کیا ہیں؟ اُسکا اور بندہ کا تعلق کیا ہے؟ رسول دنیا میں کیوں آتے؟ رسولوں کی پہچان کیا ہے؟ انکا تعلق خدا کے ساتھ کیا ہوتا ہے؟ کتاب الٰہی کا مقصد کیا ہے؟ سچی کتاب الٰہی کس طرح تسلیم کیا جائے؟ فرشتہ اور خدا کا تعلق کیا ہے؟ فرشتوں کا کام کیا ہے؟ موت کیا ہے اور قیامت کیا ہے؟ موت سے لیکر قیامت تک، اور قیامت سے لے کر ابد تک کیا ہوگا؟ قیامت کا تقاضا کیوں ضروری ہے؟ جزا و سزا کے اصول کیا ہیں؟ کیا قرآن کے سوا کسی صحیفہ نے ان سوالات کا مفصل اور مکمل جواب دیا ہے؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ محض اشتراک اسمی کو نہ دیکھتے۔ انکی حقیقتوں کا مقابلہ کرتے۔ اسکے بعد اس سلسلہ کی اسلامی تعلیمات کے ماخذ بتاتے، تو دنیا اُنکی ممنون ہوتی۔

خدا کی عبادت کا حکم کس مذہب نے نہیں دیا؟ لیکن قرآن کے سوا کسی نے بتلایا ہے کہ عبادت کا مفہوم کیا ہے؟ اسکا فائدہ کیا ہے؟ عبادت کے لائق کون ہے؟ خدا کے سوا دوسرے کی عبادت کیوں نہ کی جائے؟ بدنی عبادتیں کس طرح کی جاتی ہیں؟ مالی عبادت کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟ عبادت قلبیہ کے اصول کیا ہیں؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ اسلام کی ان تعلیمات کے ماخذ سے اپنے ناظرین کو محروم نہ رکھتے!

حسن اخلاق کے حکم سے کون آسمانی صحیفہ خالی ہے لیکن یہ کہ حسن اخلاق کا معیار کیا ہے؟ حسن اخلاق کا حقیقی مقصد کیا ہے؟ اخلاق حسنہ اور ایمان کا تعلق کیا ہے؟ علم الاخلاق کے ان مسائل کو قرآن کے سوا کس نے حل کیا ہے؟ ڈاکٹر ٹسڈل کا فرض تھا کہ وہ ان تعلیمات کے ماخذ کی بھی نشاندہی کرتے اور تبلیغ خراج تحسین وصول کرتے۔

عقائد و اعمال کے سوا قصص قرآن کے ماخذ بتانے میں بھی دانستہ یا نادانستہ ڈاکٹر ٹسڈل اسی مماثلت اسمی کے شکار ہوئے ہیں۔ اُنھوں نے روایات یہود و نصاریٰ میں کسی واقعہ کو دیکھا اور اس سے ملتا جلتا واقعہ قرآن میں بھی دیکھا بس سوچے سمجھے بغیر کہہ دیا کہ قرآن کے فلاں واقعہ کا ماخذ فلاں یہودی اور نصرانی روایت ہے۔ انکو یہ غور کرنا چاہیے تھا کہ یہود و نصاریٰ کے علما نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ قرآن بار بار انکو اپنی سند میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم جو کچھ بیان کرتے ہیں تم اسکی تصدیق اہل کتاب سے . . . .

مراسلہ

کرم فرمائے صدق - السلام علیکم - براہ کرم ۲۶ جون ۵۴ء
کے صدق میں جو نوٹ بعنوان "شرعی کنیزیں" شائع ہوا ہے، پھر
ملاحظہ فرماویں۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ اس
سلسلہ میں آپ کی توجہ پانچویں سیپارے کے پہلے رکوع کی طرف
منعطف کراتا ہوں۔ آیت ۲۹ کا ترجمہ ترجمان القرآن مرتبہ
[illegible] جلد [illegible] درج ذیل کرتا ہوں
تاکہ آپ اس مسئلہ پر مزید روشنی ڈال سکیں۔
"اور تم میں سے جو [illegible] کہ مسلمان بیبیوں سے
نکاح کرے، تو ان عورتوں سے [illegible]
[illegible]"
مزید براں [illegible] سیپارہ کے پہلے رکوع کی تفسیر جلد دوم
بھی ملاحظہ فرماکر اپنے ارشادات گرامی سے قارئین صدق کو مستفید
فرماویں تاکہ ذہن سے الجھن دور ہو۔ والسلام
نیازمند - مسعود شامی

صدق - اپنی محدود بساط و بصیرت کے مطابق جو صحیح
اسلامی مسئلہ تھا، وہ اسی نوٹ میں عرض کیا جا چکا ہے۔ وفاداری کے
ساتھ ازدواجی تعلق اور تاحیات معاشرت کا اعلان عام جیسے خود ایک
نکاح اور نکاح کا پورا قائم مقام ہے۔ اسکے علاوہ کسی اور نکاح
شہادت کی ضرورت قرآن مجید یا حدیث نبوی سے ثابت نہیں۔ جس
کسی اہل علم نے ایسا لکھ دیا ہے، ضرورت اُسی سے دلیل طلب کرنے
کی ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں کے لیے

[illegible] (بھوپال) [illegible] کے رسالہ کا تراشہ موصول ہوا۔ تقسیم میراث
کا اصل اصول یہ ہے کہ [illegible] وارث کی موجودگی میں بالواسطہ عزیز کو
میراث نہیں پہنچتی [illegible] بیٹے زید متوفی اگر اولاد چھوڑ گیا ہے تو اُسی کو
حصہ ملیگا، اولاد در اولاد کو نہ ملیگا۔ اسی قاعدہ کے ماتحت یتیم پوتا محروم
رہ جاتا ہے۔ فقہ میں یہ مسئلہ بہت صاف ہو چکا ہے۔ اب جو کوئی اصل
قاعدہ پر اعتراض کرتا ہے، وہ شریعت سے جنگ کر رہا ہے۔

تصحیح صدق ۱۹

صفحہ [illegible] کالم [illegible] پیرا ۲ [illegible] کے بجائے دونوں جگہ [illegible] پڑھیے۔
صفحہ ۳ کالم ۲ کے شذرہ "[illegible]" کے آخر میں قوسین (بریکٹ) کے بعد
"کے دور میں" بڑھا لیجئے۔

شیخ شوکت حسین نے [illegible] پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر صدق گولہ گنج
لکھنؤ سے شائع کیا

نمبر۲۱ | یوم شنبہ ۔ ۹ ۔ شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ ۔ جولائی ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"قریش بڑھ کے ان مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ اُحد پر پڑاؤ ڈالا .... سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے تماشائی قریش رن پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن میں کشتگان بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے۔ ہند، ابوسفیان کی بیوی آگے آگے تھیں، اور چودہ عورتیں ساتھ ساتھ تھیں۔ اشعار یہ تھے، ؎

نحن بنات طارق	
نمشی علی النمارق	ہم تالینوں کے اوپر چلنے والیاں ہیں
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو تمھیں گلے لگا لینگے
او تدبروا نفارق	اور اگر پیچھے قدم اٹھایا تو تم سے الگ ہو جائینگے"

(سیرۃ النبی، شبلی، جلد اول ص ۲۷۵)

مشہور و معروف جنگ اُحد میں نہ تو نسان قریش کا جنگ میں شریک ہونا، بلکہ صف جنگ میں آگے آگے ہونا، ساز پر گا گا کر پر جوش نظمیں پڑھنا، جوانان قریش کو جنگ کیلئے ابھارنا، تاریخ کا ایک مشہور و مسلم واقعہ ہے —— اور یہ کوئی بھی نہیں لکھتا کہ یہ واقعہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے تاریخ قریش میں بالکل انوکھا تھا۔ یا یہ کہ اسکی کوئی مثال انکے ہاں ملتی ہی نہیں! اہل جاہلیت اس طرز عمل سے بالکل اجنبی اور نا آشنا تھے!

آج جو جنگ یورپ میں اب جنگ اور عورت کا چولی دامن کا ساتھ دیکھ رہے ہیں، جنگ کے ہر شعبہ اور ہر ہر صیغہ میں مردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کو گھیرا ہوا ہے، ہم روزانہ اخبارات میں پوری پوری زنانہ پلٹنوں کی تصویریں دیکھ چکے ہیں، اپنی آنکھوں سے ہر بڑے شہر میں فوجی عورتوں کو مردانہ وردی میں چلتے پھرتے ملاحظہ کر چکے ہیں، ان سب میں ایجاد کی کونسی بات ہے؟ یہ تو دہی پرانی سنت جاہلی ہے۔ جو آج پھر امریکہ میں اور روس میں، اور برطانیہ میں اور آسٹریلیا میں نئے نئے ناموں اور خوشنما لقبوں کے ساتھ زندہ ہوئی ہے۔ —— حجاب و نقاب کی قیدوں سے تو جاہلیت کی آزاد خیال آزاد منش آزادی پسند، آزادی خواہ عورت کو ہمیشہ چڑھ رہی ہے، اور یہ تو محض تہذیب اسلامی تھی جس نے ان بے قیدیوں اور بیباکیوں کا ترجمہ "آوارگی" سے کیا تھا۔ "ترقی پسند" عورت ان بندشوں کو توڑ کر اب پھر آزاد یا آوارہ ہوئی ہے، اور "بزم" و "رزم" دونوں میں مردوں کے پیچھے رہنے کا نہیں، انکے آگے چلنے کا مطالبہ کر رہی ہے!

تاریخ پر ایک نظر

ایک مولوی صاحب کا مراسلہ:

"اسلام میں قرآن اور حدیث کے نقطۂ نظر سے تاریخ کی تردید کی واضح طور پر ضرورت ہے۔ عقلی دلائل تو موجود ہیں مگر نقلی دلائل کی ضرورت ہے۔ اگر جزا میں عمل کے نظریہ کو تسلیم کرالیا جائے جیسا کہ قرآن و حدیث سے منضبط ہو سکتا ہے تو کیا عجب لازم آئیگا۔ کیا قرآن سے جزا و عمل کا مناسبت پر کوئی

روشنی ڈالی ہے یا نہ ؟"

جزا و سزا، عمل کے مطابق ہونا سب ہونا تو بیشک قرآن مجید سے ثابت ہے (جزاؤ ۔ وفاقا ۔ وغیرہا) حدیث نبوی اور بیشمار مشاہدات صوفیہ سے تائید میں شہادتیں اسکے علاوہ ۔ لیکن اس جزا و عمل کا ظہور اس عالم آب و گل میں نہیں، اسکے بعد کا عالم آخرت ہوگا ۔ قرآن مجید اسی تصریحات سے بھرا پڑا ہے ۔ کوئی ایک دو آیتیں ہوں، تو نقل کر دی جائیں۔

تناسخ والوں کا اصلی بنیادی مغالطہ یہ دیکھنے سے کہ جزا کا مکمل ظہور یہیں عالم میں ہوتا ہے ۔ سزا یہیں ملتی رہتی ہے، اور روح قدیم ہے اسے فنا نہیں ۔ وہ برابر ستور آتی رہتی ہے، اور صرف قالب بدلتی رہتی ہے اور یہ دونوں دعوے اسلام کے بنیادی عقائد کے منافی ہیں ۔

تناسخ کی تہ میں چونکہ روح کے قدیم و غیرفانی ہونے کا عقیدہ کام کر رہا ہے اس لیے بلحاظ حقیقت حال پر ذرا بھی تعجب نہیں کہ تناسخ تقریباً تمام مشرک قوموں میں مشترک ہے ۔ برخلاف اسکے اہل کتاب میں سے یہود نے بھی توحید کی بنا پر اس سے ابا و انکار کیا ہے ، البتہ نصاریٰ پر چونکہ یونانی اور رومی شرک اچھی طرح غالب آ گیا اس لیے وہ تثلیثی شرک کے ساتھ ساتھ ، حضرت مسیح کی ذات کی حد تک تناسخ کے بھی قائل ہو گئے ہیں ۔ مسیح کا بعد وفات دنیا میں دوبارہ تشریف لانا تناسخ ہی کی ایک صورت ہے ۔ اہل قادیان جب گمراہ ہوئے، تو مسیحیوں کی تقلید میں انھوں نے بھی حضرت مسیح کی وفات کو تسلیم کر لیا، لیکن کلمۂ توحید کی برکت سے بہر حال اسکے قائل نہ ہو سکے کہ بجنسہ وہی متوفی مسیح ابن مریم دنیا میں دوبارہ آئیں گے ، اور اس طرح تناسخ کی شدید تر گمراہی سے بال بال بچ گئے ۔

مرض اور دوائے مرض

بمبئی کے ایک مشہور اردو روزنامہ کا ادارتی شذرہ :-

" ایک عرصہ سے بمبئی میں ڈکیتی ، قتل ، خون اور عصمت فروشی کا بازار حد سے زیادہ گرم ہے ۔ روزانہ نہایت دردناک اور افسوسناک واقعات اخبارات کے کالموں میں آتے رہتے ہیں اور بتاتے رہتے ہیں کہ بمبئی کا امن و امان اور اخلاق کس حد تک تباہ ہو چکے ہیں ۔

اخلاقی جرائم اور قتل و خونریزی کے واقعات میں اضافہ کا سبب صرف یہ ہے کہ بمبئی میں شراب سازی، شراب فروشی، اور شراب نوشی نیز قماربازی وغیرہ جیسے فساد انگیز اعمال کی حیات ہے ۔ پولیس دیکھتی ہے اور کچھ نہیں کرتی ۔ کرتی بھی ہے تو محض برائے نام ۔ ظاہر ہے کہ جہاں اس قسم کے گندہ اعمال کی آزادی ہو، وہاں چوری، ڈکیتی، قتل و خونریزی اور عصمت فروشی کے سوا اور کسی چیز کا دور دورہ نہیں ہو سکتا"

بالکل سچ ہے ، لیکن اس میں قید اور خصوصیت بمبئی کی کیا ہے ؟ کلکتہ کا کیا حال ہے ؟ اور پھر دہلی اور لاہور، اور کراچی اور کانپور کو کیوں بھولیے ــــ صاحب کی لائی ہوئی اور پھیلائی ہوئی ان "ترقیوں" کے قدم تو جہاں جہاں بھی جس درجہ میں پہنچے ہیں، سب کا حال ایک سا ہے ۔ قرآن اور شریعت کی حکومت اگر ہوتی تو یہ بڑے بڑے بینک (سود خواری کے قلعے) اور بڑے بڑے سنیما (ہر قسم کے فحش اور فسق کے مرکز) اور بڑے بڑے کلب اور ریسٹوران (جوئے اور شراب کے اڈے) یقیناً نہ ہوتے اور ساتھ ہی نہ کہیں عصمت فروشی کا بازار رہتا ، نہ ملک بھر میں کوئی شرابی اور شراب فروش نظر آتا ، اور نہ کوئی جواری اور نہ کوئی قاتل اور ڈاکو !

یہ ترکی ہے !

"جس طرح ترکی انقلاب کے بعد زندگی کے تمام شعبوں میں بڑے بڑے تغیرات رونما ہوئے ہیں، اسی طرح فن و ادب میں بھی نئی طرحیں ڈالی گئی ہیں ۔ پہلے عام طور پر مصوری، بت تراشی ، موسیقی ، اور تھیٹر کی [illegible] ہوتی تھی ۔ اتاترک کے حریت آفریں اثر نے صورت گری، موسیقی اور تھیٹر میں نئی روح پھونک دی ہے ......

اتاترک کے جو مجسمے آسٹری، جرمنی اور اطالوی صناعوں نے تیار کیے تھے، انھیں بڑے بڑے چوراہوں پر نصب کرنے سے جدید ترکی میں بت تراشی کا شوق پیدا ہوا ۔ استنبول میں فنون لطیفہ کی بھی ایک اکاڈمی قائم ہوئی اور ترکی کے نوجوان طلبہ کو تعلیم دینے کے لیے غیرملکی فن کار بلائے گئے ۔ چنانچہ آج بہت سے قابل فخر فن کار پیدا ہو گئے ہیں ......

اتاترک نے سرکاری تقریبات کے موقع پر ملکی غیرملکی آرکسٹرا (ساز) کو رائج کیا ، اور بڑے بڑے افسران اور تہذیب یافتہ لوگوں کو مغربی موسیقی سے واقفیت پیدا کرنے پر آمادہ کیا ۔ اس سے موسیقی میں مغربیت پسندی کی تحریک کا نشوونما ہوا ، اور انقرہ میں موسیقی اور اداکاری کی تعلیم کے لیے ایک ادارہ کا قیام عمل میں آیا ۔ ...

ادھر ترکی میں تھیٹر پر بھی کافی توجہ کی گئی ہے ۔ اور ۱۵ سال کے عرصہ میں اس نے نمایاں ترقی کی ہے ۔ چنانچہ انقرہ میں ایک خوبصورت اعلیٰ درجہ کا جدید ساز و سامان سے آراستہ تھیٹر ہے جو خوش مذاق لوگوں میں بہت مقبول ہے ۔" (اجمل ۔ بمبئی ۔ سنڈے اڈیشن ۔ ۸ ۔ جولائی ۵۲ء)

یہ ساری منقبت سرائی دوست ، [illegible] قدرداں کی زبان سے ہے ۔ مخالف و معترض کے قلم سے نہیں ! ـــ گویا مختصر لفظوں میں یوں کہیے کہ یہ اتاترک بادۂ فسق کی ایک امت شاخ کو اپنے نالی خوب چمکا گئے ، اپنی قوم کو مصوروں ، بت تراشوں ، نقالوں ، گویوں سے بھر دیا ۔ اپنے ذہن رسا سے پیمبر کی امت کو اس میٹھے زہر کی چاٹ ڈال دی ، جہاں تک رسائی نہ بادشاہ اکبر کی ہوئی تھی نہ بادشاہ زادہ دارا شکوہ کی ! ـــ داعی افلاس اور قرابت

باپ بھی تھا؟

ڈاکٹر سنڈل کے جواب میں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ کوئی نئی منطق نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مغیرہ بن شعبہ کو نجران (یمن) دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا تھا تو وہاں کے لوگوں نے بھی حضرت مغیرہ سے یہ بات کہی تھی۔ حضرت مغیرہ جب بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو یہ شبہ نقل فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم نے کیوں نہ کہہ دیا کہ وہ لوگ اپنے پیغمبروں اور گذشتہ بزرگوں کے نام پر نام رکھا کرتے تھے۔

ڈاکٹر سنڈل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات کا ماخذ بتلاتے ہوئے کہا ہے کہ اس سلسلہ واقعات کا ماخذ "انجیل طاس اسرائیل" ہے۔ یہ انجیل ہم کو بتاتی ہے کہ حضرت عیسیٰ بچپنے کے کیا کیا کھیلا کرتے تھے۔ یوسف حضرت عیسیٰ کے باپ تھے۔ یوسف نے حضرت عیسیٰ کو ڈانٹا! ڈاکٹر سنڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ قرآن میں یہ واقعات کہاں مذکور ہیں؟ اور حضرت عیسیٰ کے لیے باپ ثابت کرنا کیا قرآنی تعلیم کے مخالف نہیں ہے؟

---

(۵)

ڈاکٹر سنڈل کی اس تصنیف کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی پوری کتاب کی بنا احتمالات و امکانات پر رکھی ہے۔ کسی چیز کے متعلق وہ یقینی فیصلہ نہیں دیتے ہیں۔ وہ جن کتابوں کو قرآن کا ماخذ بتلاتے ہیں ان کا فرض تھا کہ ان کتابوں کی تاریخیت سے بحث کرتے۔ انکو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ عہد رسالت میں یہ کتابیں عرب میں موجود تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا ان سے ملنے والے ان کتابوں سے واقف تھے۔ انکو یہ بھی واضح کرنا چاہیے تھا کہ ان کتابوں کی حیثیت اہل عرب کی نگاہ میں کیا تھی؟ اس لیے کہ کوئی داعی مذہب محض افسانوں پر اپنے مذہب کی بنیاد نہیں رکھ سکتا ہے۔ انکو ان اشخاص سے بھی پوری بحث کرنا چاہیے تھا جن سے (نعوذ باللہ) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے خیال کے مطابق مسائل کو اخذ کیا تھا!

فاضل مولف نے پوری کتاب میں کسی ایک واقعہ کے متعلق بھی متعین طور پر یہ نہیں بتایا کہ قرآن کا فلاں واقعہ یا مسئلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں سے سنا۔ اور قرآن میں درج فرمایا!

پوری کتاب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بچپن کے واقعہ کے متعلق انہوں نے ڈرتے ڈرتے یہ کہا کہ حضرت ماریہ قبطیہ سے غالباً حضور نے یہ واقعہ سنا ہوگا۔ ص [illegible]۔

قرآن میں حضرت عیسیٰ کے بچپن کا واقعہ ترتیب نزول کے اعتبار سے پہلے سورۂ مریم میں بیان ہوا ہے۔ اور سورہ مریم مکہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ماریہ قبطیہ سنہ ۶ھ میں حرم نبوی میں داخل ہوئی ہیں۔ یعنی نزول قرآن کے ابتدا کے سترہ سال کے بعد!

واہ رے ڈاکٹر سنڈل کی تحقیق! اس کا نام ہے کہ راوی اپنے مروی عنہ سے سالہا سال بعد متعارف ہو لیکن مروی عنہ کی سابقہ روایت کی سند اسی راوی سے ملا دی جائے

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

حضرت ماریہ کے سوا چند نام اور بھی ڈاکٹر موصوف نے گنائے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام، حضرت سلمان، ورقہ، حضرت صہیب، حضرت زید، جبر و یسار اور ڈرتے ڈرتے یہ کہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) قرآن کی تصنیف میں انھیں سے مدد لی ہوگی۔ امکان و احتمال کا سلسلہ یہاں بھی قائم ہے!

ڈاکٹر سنڈل کے بیان کردہ ان اشخاص میں حضرت عبداللہ بن سلام سنہ ۱ھ یا سنہ ۸ھ میں مدینہ میں اسلام لائے۔ یعنی نزول قرآن کے تیرہ سال بعد یا اکیس سال بعد۔ حضرت سلمان فارسی مدینہ میں اسلام لائے۔ یعنی نزول قرآن کے تیرہ سال بعد!

ڈاکٹر سنڈل کو بتانا چاہیے تھا کہ انکے نزدیک جو شخص قرآن کا مصنف ہے اتنے عرصہ تک کس سے نفع اٹھاتا رہا۔ ورقہ بن نوفل حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تیسرے یا چوتھے سال وفات پا گئے تھے۔ (زرقانی اول ص [illegible]) ڈاکٹر سنڈل کو واضح کرنا چاہیے تھا کہ انکے انتقال کے بعد (نعوذ باللہ) مصنف قرآن کس سے استفادہ کرتا رہا؟

باقی رہے حضرت صہیب و حضرت زید، جبر و یسار۔ تو انکے ڈاکٹر سنڈل کو ثابت کرنا چاہیے تھا کہ یہ لوگ اہل کتاب کے علوم سے اس قدر واقف تھے کہ (نعوذ باللہ) قرآن جیسی کتاب میں انکی مدد سے تصنیف کی جا سکتی تھی؟

ڈاکٹر سنڈل کو غور کرنا چاہیے تھا کہ عہد نبوی میں مخالفین اسلام نے اسلام کی مخالفت میں تن من دھن سب قربان کر دیا، ان کے لیے کیا مشکل تھا کہ بدر و احد، خیبر اور حنین کے معرکوں کے بجائے وہ ان لوگوں کو قتل کر دیتے جو انکے نزدیک (نعوذ باللہ) تصنیف کے مدد معاون تھے۔ اور اس طرح اپنی پریشانیوں کا خاتمہ کر لیتے! نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات۔

علم عربی اور امرائے زمانہ

(از مولوی عبد الرؤف صاحب۔ جھنڈے نگر۔ ضلع بستی)

نمبر (۵)

خادم ملک و قوم حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدظلہ لکھتے ہیں کہ جب میں سات برس کا تھا تو والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ چودہ برس تک میں بیسب اقارب مع والدہ کے مجھ سے چھوٹ گئے۔ پورے چودہ برس کے بعد میں نے ابتدائی فارسی اور عربی کا آغاز کیا۔ امرتسر میں کچھ شد بد کے بعد حافظ عبد المنان صاحب محدث وزیر آبادی کے پاس جاکر پڑھا۔ پھر جاکر سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے سند اجازت لی۔ پھر سہارنپور و دیوبند سے سند فراغت حاصل کی۔ پھر کانپور علوم الٰہیہ منطق و فلسفہ ریاضی وغیرہ پڑھنے کے لیے دوبارہ آئے۔ پھر لکھتے ہیں کہ سلسلۂ تصنیف غالب آگیا جس میں بہ اصول من صنف فقد استہدف بہت سے مناظرے بھی ہوئے اور ہر مذہب والوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ وغیرہ۔ دیکھیے رسالہ نور توحید۔ اب دیکھو یہی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں جنکی آج ہندوستان اور بیرون ہندوستان میں وہ شہرت ہے کہ محتاج بیان نہیں۔ پس اگر کل دنیا مولانا کو غربت زدہ نادار سمجھ کر شکم پرور قرار دے کر ٹھکرا دیتی تو آج ہم سے کتنا بڑا جوہر کھویا جاتا۔ بچپن میں کون کہہ سکتا تھا کہ محمد بن اسمٰعیل بخاریؒ اتنا بڑا امام ہوگا اور ایسی کتاب حدیث کی تالیف کریگا جسکو اصح الکتاب بعد کتاب اللہ البخاری کا درجہ ملیگا!

شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ تم دانہ روزانہ چڑیوں کو دو۔ کسی دن کوئی ہما تمہارا شکار ہو ہی جائیگا۔ دیکھو مدرسہ نظامیہ جس میں چھ ہزار طلبہ روزانہ رہتے تھے، ان میں نامور محض تھوڑے ہی لوگ ہوے۔ مثلاً سعدیؒ، غزالیؒ، جیلانیؒ۔ پس یہ تلاش کرنا کہ سب کے سب طلبہ انتخاب زمانہ ہوں تو ایسے ادارے مفید ورنہ غیر مفید۔ محض بیکار جستجو ہے۔ پس یہ ضروری نہیں کہ سب کے سب افراد قابل ہی ہوں۔ البتہ ان لاکھوں، ہزاروں بچوں میں سے کچھ افراد جوہر قابل بھی ہوتے ہی ہیں۔ امام رازیؒ، امام خواجہ نصیر الدین طوسی، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، ابن قیمؒ، مولانا شاہ ولی اللہؒ، سید نذیر حسین صاحب محدث وغیرہ فضلاء عصر ائمۂ وقت لوگوں کی نسبت انکے طفلی اور بچپن کے زمانہ میں کون کہہ سکتا تھا کہ یہ کیسے جلیل القدر و مراتب لوگ ہیں، اور ان سے دنیا کو کیا فیض پہنچنے والا ہے لیکن عام طلبہ میں یہ بھی چھپے ہوئے تھے۔ پس اگر ہم ظاہر غیر مفید طلبہ کی حالت دیکھ کر مایوس ہو جاتے، تو آج رازیؒ، غزالیؒ، مسلمؒ، بخاریؒ جیسے لوگ ناپید رہتے۔ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر کسی کو یقین ہو جائے کہ طالب علم محض وظیفہ خوری یا شکم پروری کی وجہ سے ہے تو بھی انکا وظیفہ بند نہ کریں بلکہ سنت فاروقی پر عمل کریں۔ کیونکہ بند کر دینے سے اصلح و انفع ہستیوں سے بھی ہاتھ دھونا پڑیگا۔

سنت فاروقی

آپ کو اس واقعہ سے معلوم ہوگی کہ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے طلبہ کے لیے وظائف مقرر کرکے عاملوں کو حکم بھیجا کہ ان اعط الناس علی تعلم القرآن۔ اس حکم پر عاملوں نے لکھا کہ بعض لوگوں نے قرآن سیکھنے کی رغبت کے بغیر محض وظیفہ حاصل کرنے کی خاطر طالب علم بننا اختیار کر لیا ہے۔ امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ نے حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ اسکے باوجود وظیفہ جاری رکھا۔ (کتاب الاموال للامام ابو عبید الہروی ص ۲۳۳) پس معلوم ہوا کہ طالبعلموں کے ابتدائی مراحل میں اس شبہ کا لحاظ نہیں ہونا چاہیے کہ یہ طالب علم گھربار چھوڑکر محض شکم پروری کے حیلہ سے طالب علم بن گئے ہیں۔ ابھی اوپر گزر چکا ہے کہ امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ جیسے اعلام امت نے طالبعلمی اپنی یتیمی و ساتھ پورے کسمپرسی کے زمانہ میں کی ہے۔ اگر آج کی طرح بدقسمتی پہلے بھی قائم کر لی گئی ہوتی اور انکو درس سے شکم پرور سمجھ کر علحدہ کر دیا گیا ہوتا تو امت اسلامیہ کا کتنا بڑا نقصان تھا! حالی نے اس موقع پر خوب لکھا ہے۔

بہت ہم میں اور تم میں جوہر ہیں مخفی
خبر کچھ نہ ہم کو نہ تم کو ہے جنکی
اگر جیتے جی کچھ نہ انکی خبر لی
تو ہو جائینگے ملک کے سب ہی ہیٹی
یہ جوہر ہیں ہم میں امانت خدا کی
مبادا اکارت ہو ودیعت خدا کی
یہی جو کہ پھرتے ہیں بے علم جاہل
بہت ان میں ہیں جنکے جوہر ہیں قابل
رذائل میں پنہاں ہیں جنکے فضائل
انہیں ناقصوں میں ہیں پوشیدہ کامل
نہ ہوتے اگر مائل لہو و بازی
ہزاروں انہیں میں تھے طوسی و رازی
نہ بو نصر تھا نوع میں ہم سے بالا
نہ تھا بو علی کچھ جہاں سے نرالا
طبیعت کو بچپن سے محنت میں ڈالا
ہوے اسلیے صاحب قدر والا
اگر فکر کسب و ہنر تم کو بھی ہو
تمہیں پھر ابو نصر اور بو علی ہو

(باقی آئندہ)

تصحیح ضروری

صفحہ ک ا۔ انگریزی لفظ SIRIUS پڑھیے۔
" " ہندسوں میں [illegible] پڑھیے۔
" ک ۲ س CANIOMAJOR پڑھیے

ایک اور استہار!

المکرم و المحترم ایڈیٹر "صدق" - دریاباد

بعد سلام مسنون عرض ہے کہ شاید آپ کو یاد ہو کہ بندہ نے حضرت سیدی و مولائی الحاج سالمین ابدہ اللہ کی کتاب بزبان انگریزی منظم سوانح عمری مبارک سرکار دو عالم صلعم روانہ کی اور اسے مدت بھی ہو گئی۔ آپ نے فقط رسید کی سے آگاہی کی ہے مگر ریویو ہنوز نہیں لکھا۔ اگر اس متبرک ونادرالوجود کتاب پر ریویو لکھنا مقصود نہ ہو اطلاع دیں تاکہ انتظار کی زحمت گوارا نہ کیجئے۔ کیونکہ الانتظار اشد من الموت[1]۔

پھر ام آپ کی توجہ پر مبذول کرتا ہوں کہ خدارا آپ "صدق" کو صدق کی پالیسی پر ضرور گامزن کیجئے[2]۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ فرقہ وارانہ رنگ اس پر غالب ہے اور "فرقہ" اور "مذہب" یہ نہ تو اسلامی ہے اور نہ حق[3] قرآن کریم میں دونوں آیتیں "لا تفرقوا" پکار رہی ہیں[4]۔ دور حاضر مسلمانوں کی یہ ذہنیت ہو رہی ہے کہ وہ تفریق بین المسلمین پر زور آزما رہے ہیں۔ اسلام اور مسلم کے نام پاک کو تو کوئی یاد نہیں کرتا، البتہ شیعہ، سنی، وہابی، دیوبندی اور بریلوی تکفیر المسلمین زوروں پر ہے[5]۔ ہائے افسوس! نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

---

[1] کتابیں ہر قسم اور ہر درجہ کی ریویو کے لیے موصول ہوتی رہتی ہیں کسی کتاب کے درجہ اور اہمیت کا متعین کرنا یہ کام اداریہ کا ہے نہ کہ مصنف یا اُن کے سکریٹری کا! بعض جو ریویو کے قابل نہیں ان کی صرف اطلاع دیدی جاتی ہے۔ یہ ضرور نہیں کہ آپ کے "سیدی و مولائی" کی کتاب کو دوسرے بھی "متبرک و نادرالوجود" ہی سمجھے ہوں! (صدق)

[2] اس پالیسی کی تشریح نہ ارشاد ہوئی —— کیا یہ بھی کہ آپ کے پروپیگنڈہ کی ہم آوازی ہوتی رہے! (صدق)

[3] کیا اس پروپیگنڈے کے لیے آپ کا "گرینڈ مشن" کافی نہیں؟ (صدق)

[4] لیکن ان آیتوں کے مخاطب کون ہیں؟ وہ جنھوں نے امامت وغیرہ کے نئے عقیدے دین میں داخل کر لیے، یا وہ جو دین محمدی پر بدستور قائم ہیں؟ (صدق)

[5] یہ "تکفیر المسلمین" صدق کے کس پرچہ میں، کس صفحہ، کس سطر میں کی گئی ہے؟ (صدق)

[6] اگر کسی سنی کا اعتقاد اہل سنت پر فخر کرنا "النجم کا رنگ چڑھ جانا ہے" تو یقین فرمائیے، کہ ہر سنی پرچہ النجم ہی رہے! (صدق)

[7] یہ کس نمبر کے کس صفحہ پر؟ (صدق)

حالانکہ اسنا مضمون نہ صدق پر النجم کا رنگ چڑھا ہے یعنی وہی شیعہ سنی تفریق[8] اور حقارت آمیز کلمات۔ بیچارہ شیعہ نہیں ہے[9] اور نہ کسی فرقے سے (معاذاللہ) تعلق ہے[10]۔ تاہم میرا دل یہ چاہتا ہے کہ آپ اسلام کے کسی فرقہ کو طعنہ بالواسطہ یا بلاواسطہ نہ دیں۔

ویسے آپ نے میرے اور لکھنؤ کے ایک صاحب ظفر الملک کے درمیان مراسلت کا سد باب کیا ہے کہ آخر آپ نے یہ ظلم کیا کہ بغیر میرے جواب کے مراسلت کا دروازہ بند کر دیا[11]۔ یہ ہی بات حقیقت نے کی ہے۔ کاش کہ آپ اور موقع دیتے تو ظفر الملک صاحب کی اسلام دشمنی و بغض و عناد آل محمد منظر شہود پر آجاتا۔ مگر الخیر فی ما وقع۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ[12]۔ الحقیر عبدالوہاب۔ گرینڈ مسلم مشن بمبئی

---

[8] الحمدللہ! (صدق)

[9] کاش آپ کا اور آپ کے "سیدی و مولائی" کا تعلق فرقہ اہل حق سے ہوتا! (صدق)

[10] باطل کے درجات مختلف ہیں۔ باطل کا شمول جس درجہ میں جس فرقہ میں ہوگا، اسی حد تک حسب ضرورت و موقع وہ طعن کا مستحق ہے اور ایسے موقع پر مداہنت طریق تقیہ ہو تو ہو، طریق صدق ہرگز نہیں۔ (صدق)

[11] کیا آپ کے خیال میں عدل یہ تھا کہ آخری مضمون مولوی ظفر الملک صاحب کا نہیں، بلکہ آپ کا رہنے دیا جاتا! یا یہ کہ سرے سے کوئی مضمون آخری مضمون ہی نہ ہونے پاتا؟ اور اس طرح "گرینڈ مشن" کا اشتہار کسی نہ کسی عنوان سے برابر نکلتا ہی رہتا! (صدق)

[12] یہ ہر مراسلہ میں یہ عربی فقرہ خدا معلوم بطور تکیہ کلام کے تحریر کر دیا کرتے ہیں، یا آپ اس کے محل استعمال سے بھی واقف ہیں؟ —— بہر حال یہ ذہانت قابل داد ہے کہ بحث کوئی بھی پہلو اختیار کرے، ہر بحث سے "گرینڈ مشن" کے اشتہار کا موقع ضرور ڈھونڈھ نکالا جائے! —— خوب ہے دیوانگی میں یہ ہوشیاری! سادگی میں یہ پرکاری! (صدق)

اعلان تعطیل

شب برات کی تعطیل میں دفتر صدق و پریس بند رہیگا اس لیے آئندہ دو شنبہ ۲۴ - جولائی ۱۹۴۵ء کا پرچہ ارسال نہ ہوگا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔ (مہتمم)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

نمبر ٢٢ | یوم شنبہ - ١٨ - شعبان المعظم ١٣٦٤ھ مطابق ٢٨ - جولائی ١٩٤٥ء | جلد ١١

سچی باتیں

١٩ - جولائی ١٩٤٣ء - دو برس، انگریزی حساب سے پورے دو برس گزرے، کہ آج ہی شام کو عشاء کے وقت ۸۰ - ۸۲ سال کی عمر میں اُس ہستی کی شمع حیات گُل ہوئی تھی، جو دین، خدمات دین، افادات دینیہ کے اعتبار سے اپنے وقت کی شاید سب سے بڑی شخصیت تھی! تھانہ بھون کا معمولی سا قصبہ، نہ تجارت میں ممتاز نہ سیاسیات میں نامور، نہ کوئی ریلوے جنکشن - لیکن اس آفتاب کی ذات تھی کہ اسی گوشہ میں بیٹھے بیٹھے سارے اسلامی ہند کے طول و عرض کو مطلع انوار بنائے ہوئے تھی! تفسیر، فقہ، کلام، ردبدعات وغیرہ علوم ظاہری کا کونسا شعبہ ایسا تھا، جسے مولانا نے چار چاند نہیں لگا دیے تھے؟ —— سچ کہا جس نے اُنھیں مجدد ملت کہا! طریقت، سلوک، اصلاح نفس کے تو گویا امام تھے امام —— سچ کہا جس نے اُنھیں حکیم الامت کہہ کر پکارا! ایسا مجدد اور ایسا حکیم اب کہاں نظر آئیگا! آنکھیں قیامت تک ترستی ہی رہیں گی!

یاد تو سال کے سال قائم رہتی ہے - کون دن ایسا بدنصیب ہوتا ہوگا، جب گھر بیٹھے مجلس اشرفی کا سماں تخیل کے سامنے نہیں پھرتا رہتا، لیکن جولائی میں یہ یاد کتنی بڑھ جاتی ہے! ابھی حضرت بیمار رہتے، کیسی کیسی دوائیں تجویز ہو رہی تھیں، لکھنؤ اور سہارنپور کے حاذق طبیب اپنی جانیں لڑائے دیتے تھے - کیسی کیسی دعائیں ہو رہی تھیں! ایک دو نہیں، سیکڑوں، ہزاروں اللہ کے مقبول اور پیارے بندے اضطراب اور اضطرار کے ساتھ اپنی آہیں اور اپنے نالے عرش الٰہی کی طرف بھیج رہے تھے! —— رسولؐ کی زیست و بقاء کے لیے کیا بڑے بڑے صدیقوں نے، اہل بیت نے، صحابیوں نے، کسی نے کوئی کسر دعاؤں میں اُٹھا رکھی تھی - حکمت مطلقہ نے جب نبی، بلکہ نبی اعظم کے معاملہ میں ظاہر میں بندوں کی نہ سُنی، تو یہاں تو معاملہ صرف ایک ولی، یا بزرگ امت کا تھا! کوئی صورت اب بجز

اب کے بچھڑے ملیں گے حشر کے دن

کے وعدہ پر اطمینان کے نہیں۔

ایک مبارک موت

اطلاع آئی کہ ٢٠ رجون کی شام خان صاحب شیخ حفیظ الرحمٰن قدوائی ایم - اس، سی مارکٹنگ آفیسر کوئٹہ نے بالکل دفعۃً کوئٹہ میں وفات پائی - إنا للہ موتیں تو عموماً افسوسناک اور دردانگیز ہوا کرتی ہیں - یہ مبارک موت کیسی؟ مبارک اس لیے کہ مرحوم نے عین حالت نماز میں، نماز مغرب کے سجدہ میں، جان جان آفریں کے سپرد کی! ایسی قابل رشک اچھے اچھے ذاکرین و صالحین کے لیے قابل رشک، موت کو مبارک نہ کہیے تو اور کیا کہیے؟ —— جی یہی تو چاہتا ہے کہ فرزدق اب سو گیا دیجیئے

اور اشکبار عزیزوں کی خدمت میں بجائے تعزیت کے تحفۂ مبارکباد کا پیش کیجیے۔ ایسی موت کسی کے نصیب میں آتی کب ہے؟

بالکل جوان عمر تھے۔ ضلع بارہ بنکی (اودھ) کے مشہور قصبہ بڑاگاؤں کے مشہور و شریف خاندان قدوائی سے تھے۔ والد ماجد شیخ احسان الرحمن قدوائی بیرسٹر لکھنؤ اور ممبر یو پی لیجسلیٹو کونسل، مدت تک صوبہ مسلم لیگ کے کارکن رہے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں سائنس کی اعلیٰ ڈگری ایم۔ ایس سی حاصل کی، وطن سے دور بہت دور کوئٹہ (بلوچستان) میں ملازمت پاکر تدین اور سیرت اعلیٰ کا ایک اعلیٰ نمونہ قائم کردیا۔ نماز، روزہ، تلاوت وغیرہ کے ہمیشہ پابند رہے۔ ملازمت میں، خصوصاً آخری دور جنگ کے زمانہ میں عجیب عجیب آزمائشیں ہوئیں، ٹھیکہ داروں وغیرہ کی طرف سے دس دس اور بیس بیس، بلکہ شاید پچاس پچاس ہزار تک کی رقمیں پیش ہوئیں، اور کبھی بجائے نقد کے موٹر، یا کسی عیش کی صورت میں۔ ہر دفعہ انکار ہی پر قائم رہے۔ ایک بار ایک ماتحت کی ترقی کی سفارش خود اپنے ہی خلاف یعنی اپنی جگہ کے لیے کردی——— اللہ کی رضا جوئی کے لیے مجاہدے صرف حجروں اور خانقاہوں ہی کے اندر نہیں کیے جاتے، کچہریوں، بازاروں، دفتروں کے مجاہدے عجب نہیں کہ کل اللہ کے ہاں کچھ بڑھ ہی چڑھ کر نکلیں!

۲۰ - جون کی سہ پہر کو دفتر سے گھر آئے تو کہا طبیعت کچھ سست ہے۔ شام کو وضو کرکے نماز مغرب کے لیے کمرے میں داخل ہوئے۔ معاً بیوی کو آواز چھوٹے بچے کے رونے کی سنائی دی جھپٹ کر دیکھا تو جانماز پر گرا ہوا پایا۔ پانی پلایا۔ اور پڑوس کے ایک حاجی صاحب کو آواز دی۔ وہ فوراً آگئے، تو دیکھا کہ سجدے میں ہیں۔ انتظار کے بعد نبض دیکھی، سانس دیکھی۔ روح پرواز کرچکی تھی۔ جلد سے جلد ڈاکٹر لائے گئے۔ انجکشن پر انجکشن دیے۔ آخر دو گھنٹے کے بعد روتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ اپنی اور اپنے فن کی شکست اور فرشتۂ اجل کی فتح کا اعلان کیا! کوئٹہ کے اخبارات کا بیان ہے کہ صبح شہر میں اس خبر نے گویا آگ ہی لگادی، خلقت جنازے پر ٹوٹ پڑی۔ اور کوئٹہ کی تاریخ میں پہلی بار یہ ہوا کہ فروٹ مارکیٹ (میووں کی منڈی) اُس دن بند رہی!——— خلق اور خالق کے حقوق ادا کرنے والے کا یہ اعزاز پس مرگ ہو تو اس پر حیرت کیوں کیجیے۔ کذالک نجزی المحسنین۔ وطن سے سیکڑوں ہزاروں میل دور موت یوں ہی قابل قدر ہوتی ہے، اور پھر یہ حالت نماز کی۔ واسجد واقترب والی، قابل صد رشک موت!

نکاح کا جرم

لندن، ۱۸ - جولائی - ڈاکٹر گرین جنھیں ایک بیوی کے ہوتے ہوئے ہندوستان میں دوسری شادی کرلینے پر فوجداری عدالت سے ۱۲ مہینے کی سزا ہوچکی تھی، آج اُن کا معاملہ اُنکے پیشہ کے لحاظ سے لندن میں جنرل میڈیکل کونسل کے سامنے پیش ہوا۔ اور کونسل نے ڈاکٹر کی عدم موجودگی میں فیصلہ یہ کیا کہ ڈاکٹری کی سند چھین لی جائے۔ ڈاکٹر کی پہلی بیوی کی طرف سے درخواست بھی رحم کی درخواست پیش ہوچکی تھی، کہ میری دوسری تمنا نہیں کوئی حق تلفی نہیں کی، اور ان کا ذریعہ معاش ہی ڈاکٹری ہے، اس لیے میں چاہتی ہوں کہ یہ اپنی سند سے کام لیتے رہیں! (ایسوشی ایٹڈ پریس)

اللہ اللہ۔ دوسری شادی کے جُرم کی ہولناکیاں، صاحب تہذیب معاشرت میں! پہلے تو جیل کی سزا، اور جیل بھی دس مہینے کم دو سال کی مدت کا! پھر یہ عدالتی سزا بھی گویا ناکافی! مزید سزا محکمہ کی طرف سے روزی چھین لینے کی! اور اخبارات کے ذریعہ سے جتنی رسوائی ہوئی، وہ تو کسی شمار ہی میں نہیں!——— سنتے ہیں کسی زمانہ میں مشرق نے سزا جُرم حرام کاری کے مجرم کے لیے رکھی تھی کہ اُسکا مُنہ کالا کرکے، گدھے پر سوار، اور جوتوں سے پٹواتے ہوئے شہر میں تشہیر کرایا جائے! آج شیطان کی ذہانت نے وہی سزائیں اپنے پیرؤوں کے ایک دستور میں حرام کاری نہیں، دوسری شادی کرنے والوں کے حق میں منتقل کردی ہیں! آج آزادی ہے کہ ان آزاد ملکوں میں مُنہ کالا جتنی بار بھی چاہے کرلیا جائے، لیکن اِدھر نکاح کا نام آیا کہ اُدھر یہ سارے عذاب شروع ہوگئے! اِنّا للہ۔

ترک کی تحقیق!

جامعۂ استنبول کے شعبۂ "کلچرل ریسرچ" کے اُستاد کوئی ترک صاحب ہیں، جنکا نام نامی انگریزی اخبارات میں ڈاکٹر عبدل: دینقہ ایا ہے۔ آپ کا تازہ کارنامہ یہ عجیب رہا ہے کہ آپ نے ماضی کی ہلین (یونانی) اور کلیوپیٹرا (مصری) سے لیکر حال بٹی گریبل اور ہڈی لامار تک جملہ مشہور "حسینان عالم" کے حسن و جمال کی تحقیق کرڈالی ہے، اور اعلان فرمایا ہے کہ حُسن نسوانی کا معیار اتنے فٹ اور اتنے انچ ہونا چاہیے۔ کمر اتنے انچ، سینہ اتنے انچ، وقس علیٰ ہذا۔ امریکہ کی کولمبیا پکچرز (فلم ساز کمپنی) نے اس معیار کو لیکر جو جانچا، تو معلوم یہ ہوا کہ امریکہ کی فلاں فلم ایکٹرس دنیا کی حسین ترین عورت، معیاری حسن و جمال والی ہے!

دنیائے تجدد کے یہ "علوم" ہیں علوم! "حقائق" ہیں حقائق! دنیا کو ان معلومات کی کس درجہ ضرورت شدید لاحق تھی!———

"لا زوال سردار" کے دور سے قبل، شریعت اسلامی سے علانیہ بغاوت اور علمی ارتداد سے قبل، کب کسی ترک کو، یا ترکی قوم کو فرنگیت کے ضمیمہ بن جانے کی یہ عزتیں اور یہ برکتیں حاصل تھیں!

تجدد کی تقلید

"دیکھ لیجیے گا ہندوستان کی بیشمار لڑکیاں "پیمایش حسن" کے معیار کو پڑھ کر اپنے آپ کو ناپنے لگیں گی۔ حالانکہ ان میں حقیقی طور پر خوبصورت عورتیں بہت کم ہیں۔ یہ محض پاؤڈر، سرخی، اور لپ اسٹک کی کارگزاری ہے جو بڑے شہروں کی لڑکوں پر جیکا جونر پیدا کررہی ہے۔ اور کچھ عجب نہیں کہ مسوری پہاڑ پر جو گرمی کے موسم میں حسن و جمال، نعدہ، نظر، رقص و سرود اور نادوانی

کے جیا سود ہنگاموں کا سب سے بڑا مرکز بن جاتا ہے، ٹرکی کے پیش کردہ معیار پر ایک مقابلۂ حسن ہو جائے، اور پھر اول آنے والی کا نام ساری سوسائٹی میں اچھالا جائے، اور روپے جا بجا لٹائے جائیں" (انقلاب، لاہور)

سوری کے مناقب پر جو کچھ تحریر ہو، بالکل صحیح ہے۔ وہی سوری جو آج سے ۲۰ سال اُدھر اپنی سادگی کے لیے مشہور تھا وہی "آرٹ" اور اُسکے لوازم و فواحش کا مرکز اعظم ہے۔ لیکن جہاں تک "نقرہ کی شاگردی" اور "لا زوال سرداری کے نقیب اعظم ہونے کا تعلق ہے" یہ شرف تو سوری کو نہیں بلکہ یوپی کے ایک دوسرے شہر کو حاصل ہے! اور اسکے ہوتے ہوئے سوری کا نام لینا اُسکے شرف تعدد کے ساتھ ناانصافی کرنا ہے!

الکشن کی بہار

"لندن - ۱۲ - جولائی - اس مرتبہ کا انتخاب عام پارلیمنٹری انتخاب کی تاریخ میں اپنے عام سکون و سنجیدگی کے لحاظ سے ممتاز رہیگا - اب تک کوئی معتبر روایت انڈوں کے پھٹنے کی نہیں ملی ہے، نہ سوجے ہوئے چہروں کی، نہ دھینگا مشتی کی۔ بلکہ بعض نوجوان ووٹران کو تو یہاں تک کہتے سنا گیا، کہ ایکی چھوٹا رہا! - تماشہ بالکل پھیکا رہا۔" (اسٹیٹسمین، ۱۵- جولائی ۱۹۴۵ء)

گویا الکشن کی اصل بہار تو جب تھی، کہ کسی کے دانت ٹوٹتے، کسی کی آنکھ پھوٹتی، اور کسی کسی کی ناک کٹ جاتی! عجب بیچارا الکشن بھی کوئی الکشن ہے! —— یہ ہیں ڈیماکریسی (جمہوریت) کے معنی "صاحب" کے مہذب دیس میں! تو ہندوستان غریب تو ابھی تہذیب کے سبق میں بہت پیچھے ہے، جہاں اگر گالیاں اور دھینگا مشتیاں نہ ہوئیں تو ہوا ہی کیا!

غریبوں کی زندگی

"شملہ - ۱۶ - جون - میں نے اپنے پندرہ روزہ قیام میں یہاں کے مہتروں کے محلہ کو بھی دیکھا - معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ بھی اسی عالیشان کوٹھیوں اور عظیم الشان محلوں والے شہر میں رہتے ہیں! ایک کوٹھری میں نے دیکھی ۱۰ فٹ لمبی ۸ فٹ چوڑی - اس میں پورے دس انسانوں کا ایک بڑا خاندان آباد تھا" (خبر)

یہ پنڈت جواہرلال نہرو نے کہا - اور اس مختصر طول و عرض کے اندر یہ دس انسانوں کا خاندان محض اُٹھتا، بیٹھتا، لیٹتا اور سوتا ہی نہ تھا، سب کا کھانا بھی اسی کلبۂ احزاں کے اندر پکتا، سب کا نہانا دھونا بھی اسی کے اندر رہتا، زندگی کی اور ضرورتیں بھی اسکے اندر پوری ہوتیں - اور یہ وہ لوگ ہیں کہ انھیں کے دم سے بڑے بڑے محلوں اور کوٹھیوں کی صفائی قائم ہے! —— امیروں اور غریبوں کے درمیان اتنی عظیم الشان عدم مساوات، اس "دورِ ترقی" میں نہیں کہاں ہے؟

نئی کتابیں

(۱) موجودہ جنگ کے اثرات قانون بین الممالک پر

از رشید صدیق حسین صاحب بی اے - ایل - ایل - ایم (عثمانیہ) صفحات ۲۵ صفحے - قیمت عہ اوسط درجے کی طباعت و کتابت - ملنے کا پتہ :- دفتر انجمن طیلسانین عثمانیہ، باغ عامہ - حیدرآباد دکن۔

پیش نظر رسالہ جناب صدیق حسین صاحب کا مقالہ ہے جو انھوں نے ایل ایل ایم کیلیے لکھا تھا - یہ ایک خالص فنی مقالہ ہے انٹر نیشنل لا یا قانون بین الممالک پر اب تک اُردو میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب استاذ قانون جامعہ عثمانیہ کے سوا کسی دوسرے کی تصنیف موجود نہیں اس لیے اُردو کی ایک بڑی کمی مقالہ نگار کے ذریعے پوری ہوئی۔

اس مخصوص موضوع پر غالبًا یہ پہلا مقالہ ہے۔ موجودہ جنگ ایک ہمہ گیر جنگ ہے - بین المالکی قانون پر بھی اسکے گہرے اثرات پڑے - انکو مقالہ نگار نے علمی پیرایہ میں اس مقالے میں بیان کیا ہے۔

بین المالکی قانون کی تین خاص تقسیمیں ہیں - قوانین امن، قوانین جنگ اور قوانین غیر جانبداری - مارچ ۱۹۴۵ء تک ان میں سے ہر ایک پر موجودہ جنگ کے جو خاص اثر پڑے اور جو تبدیلیاں ہوئیں انکو مثالیں دے دے کر بیان کیا گیا ہے۔ فہرست مضامین پر نظر ڈالتے ہی ان تمام امور کا پتہ چل جاتا ہے جن کا مقالہ میں ذکر کیا گیا ہے - مقالہ مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ جامع ہے - قریب قریب تمام باتوں کو بیان کردیا گیا ہے۔ شروع میں نئے "نظام عالم" سے متعلق خاص نظریوں کا ذکر کیا گیا ہے - منشور اوقیانوس کی تشریح کی گئی ہے - انتداب کا تذکرہ کیا گیا ہے - فلسطین اور لبنان کے حالات اس سلسلہ میں آگئے ہیں - روس کے دستور اساسی میں اس جنگ کی وجہ سے جو اہم اور دوررس تبدیلیاں عمل میں آئی ہیں انکو بتایا گیا ہے مقالہ نگار نے حیدرآباد کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا ہے۔ وہاں یورپیوں اور امریکنوں کو مراعات خصوصی حاصل ہیں اسی سلسلہ میں اسکا ذکر کردیا گیا ہے۔

موجودہ جنگ کی وجہ سے بین المالکی قانون میں نئی اصطلاحات داخل ہوگئی ہیں - مثلاً کوئز لنگ، پانچواں کالم - مقالہ نگار نے قوانین جنگ کے سلسلہ میں انکا بھی ذکر کردیا ہے۔

مصر، ٹرکی دونوں یورپین جنگ میں غیر جانبدار رہے اسکا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔

علمی ہونے کے باوجود کتاب دلچسپ ہے۔ سیاسیات کے طلبہ کیلیے یہ خاص طور سے مفید ہوگی۔

بعض اصطلاحات لبتہً نامانوس ہیں۔ انکی مزید تشریح اگر حاشیوں میں کر دی جاتی تو مقالہ کی افادیت میں اضافہ ہوجاتا۔ مثلاً شادی سرٹ اجازت نامے۔

انجمن طیلسانین اس مفید اور ٹھوس علمی مقالہ کی اشاعت پر قابل مبارکباد ہے۔ (م - ہ - ق)

(۲) **اسلام کے سیاسی تصورات۔** مرتبہ جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے۔ دیدہ زیب گرد پوش، عمدہ طباعت و کتابت۔ ضخامت ۱۴۲ صفحے۔ قیمت ۲/ ناشر۔ نفیس اکیڈمی، عابد روڈ۔ حیدرآباد دکن!

اس موضوع پر اردو میں بہت کم کتابیں ہیں۔ زمانہ کی ضرورتوں کا لحاظ کرتے ہوئے تو انکی تعداد بمنزلہ صفر کے ہے۔ عنوان کو دیکھ کر قدرۃً خیال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کتاب اس موضوع پر ہوگی اور اس کمی کو پورا کرےگی، مگر افسوس ہے کہ یہ کتاب کوئی تصنیف نہیں بلکہ محض چند متفرق مضامین کا مجموعہ ہے۔ بعض ناشرین نے یہ عجیب ادبی بدعت نکالی ہے کہ ایک ہی موضوع پر مختلف الخیال مختلف الجہات بلکہ بعض بالکل مختلف معیار کے مقالوں اور مضمونوں کو لیکر یکجا کر دیتے ہیں، جس سے افادیت کا پہلو بہت کم ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات تو وحدت موضوع تک باقی نہیں رہتی، اور ایک مقالہ نگار کے ذہن میں موضوع کا تصور ہی دوسرے سے مختلف ہوتا ہے۔

پیش نظر کتاب اسلام کے سیاسی تصورات کے باب میں مولانا ابوالکلام صاحب آزاد، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، ڈاکٹر حمیداللہ صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ، پروفیسر عبدالقادر پروفیسر جامعہ عثمانیہ علامہ اقبالؒ، اور پرنس سعید حلیم پاشا مرحوم ایسے مختلف النوع اہل قلم فاضلوں کے مضمونوں کا مجموعہ ہے۔ اور انکے درمیان کسی قسم کی وحدت، نظم یا ہم آہنگی نہیں اور نہ مضامین کا معیار ہی ایک ہے۔ اسکا طبعی نتیجہ یہ ہے کہ پڑھنے والا ایک ذہنی الجھن میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ بعض مضامین ۳۰-۳۵ سال قبل کے اور ایک بالکل مختلف ماحول میں لکھے ہوئے اور ایک بالکل مختلف طبقۂ مخاطبین کے لیے تمامتر خطیبانہ و ادیبانہ انداز کے ہیں، جو ایک ہفتہ واری کے لیے موزوں ہوسکتے تھے۔ بعض اسکے برعکس خالص تحقیقی رنگ میں اونچے درجہ کے طلبہ کے کام کے ہیں۔ پھر کوئی مضمون تمام تر علمی اور فلسفیانہ ہے اور کوئی کمیر مذہبی۔ خدا معلوم ایسے انمل بے جوڑ مقالات کے اکٹھا کردینے سے کس طبقے کا نفع خیال میں رکھا گیا۔

ایک دوسری بڑی کمی یہ رہ گئی ہے کہ مقالہ اور مقالہ نگار کا تعارف کرانا غیر ضروری خیال کیا گیا ہے۔ حالانکہ ضرورت اسکی تھی کہ مجموعہ کے شروع یا ہر مضمون کے شروع میں ایک تمہیدی نوٹ میں مقالہ نگار کی شخصیت اور مقالہ کے ماحول کا تعارف کرادیا جاتا۔ آج تو ہیں ڈولے پڑھنے والے پرنس سعید حلیم پاشا کے نام سے ناواقف محض ہیں۔ یہ تک نہیں جانتے کہ وہ مصری تھے یا ترکی۔ زندہ ہیں یا مرحومین میں ہیں۔ علیٰ ہذا مولانا ابوالکلام آزاد کے نام سے ذہن میں تصویر موجودہ صدر کانگریس کی آتی ہے۔ بتانا چاہیے تھا کہ یہ مقالات مرحوم الہلال کے ایڈیٹر کے ہیں، جنپر اب ربع قرن گزر چکے!

کل دس مضامین ہیں۔ جن میں دو عہد رسالت پر ہیں۔ اور انکی نوعیت تحقیقی مضمونوں کی ہے۔ ایک مضمون قرآنی تصور مملکت پر ہے۔ ایک مضمون حکومت الٰہیہ پر، ایک مضمون ان الحکم الا للہ پر اور ایک اسلام کے سیاسی نظریہ پر اور ایک اسلام کے نظریۂ خروج پر ہے۔ بعض مضمون بہت مختصر ہیں اور بعض بہت مفصل۔ اور ساری کتاب پڑھ جانے کے بعد بھی بہت کم واقفیت ان مسائل سے ہو پاتی ہے کہ اسلامی طرز حکومت متعین طور پر کیا تھا۔ اسکی مشخص ہیئت و نوعیت کیا تھی۔ راعی و رعایا کے باہمی حقوق اور حکومت کے اقتصادی اور سیاسی اصول کیا تھے۔ باقی یوں متفرق مضامین کے لحاظ سے مجموعہ اچھا ہے۔ رشید صاحب ایک مخلص اہل قلم ہیں اور تھوڑی سی توجہ سے اسے کہیں مفید تر بنا سکتے تھے۔ (م - ہ - ق)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

سید شاہ شرف عالم ندوی (بھاگلپور) جو بات چار پانچ سطروں میں نرم لہجہ میں کہی جاسکتی تھی، آپ نے پورے پانچ صفحہ کے مقالہ میں، شاید "رکیک اور پگڑی اچھالنے کی حرکتوں" سے پرہیز کیے بغیر ادا فرمائی گئی! آپ اس "صداقت کے اعتراف" کے منتظر رہیںگے؟

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق" اخبار گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)۔

چار سالہ تعلیمی تجربات

(ایک انٹرمیڈیٹ پاس نوجوان کے قلم سے)

لکھنؤ کے ایک اسکول میں دو سال اور نچلے درجوں میں پڑھنے کا اتفاق ہوا - اس اسکول کے لڑکے اپنی شرارتوں اور سرکشیوں کے لیے شہر میں اچھے خاصے مشہور تھے - جا کر معلوم ہوا کہ واقعی وہاں کے لڑکے علاوہ شریر ہونے کے گستاخ اور سرکش بھی ہیں - اکثر و بیشتر اُستادوں کا ادب و لحاظ اُنھیں بالکل نہ تھا - نہ اُنکی عزت کرتے تھے نہ ادب معلوم ہی نہ ہوتا تھا کہ وہ اسکے اُستاد ہیں اور یہ شاگرد - پیٹھ پیچھے آپس میں تو اُنکو گالیاں تک سُنا لیتے تھے - اور سامنے بھی اُنکی بزرگداشت ذرا نہ کرتے - لیکن خود اُستادوں کی اکثریت کا طرزِ عمل بھی سوءِ الزام سے بری نہ تھا - محض ضابطہ اور قانون کی پابندی کرتے ہوئے وہ لڑکوں کے ساتھ بالکل خشک اور غیر ہمدردانہ برتاؤ رکھتے تھے - دلسوزی، شفقت، محبت اور ہمدردی تو گویا جانتے ہی نہ تھے - جب اُستاد ہی اپنے شاگردوں کے ساتھ شفقت اور محبت آمیز سلوک نہ کریں تو پھر لڑکے کیونکر اُنکی عزت کرتے اور کیوں اُنکے حقوق پہچانتے - جیسا وہ لڑکوں کے ساتھ کرتے ویسا لڑکے اُنکے ساتھ - کچھ اُستاد ایسے بھی تھے جو لڑکوں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھتے اور اُن سے محبت و شفقت سے پیش آتے - ایسوں کی عزت اور لحاظ لڑکے بھی کرتے تھے - اسکے علاوہ اُستادوں میں بھی پارٹی بندی بھی تھی - دو ٹولیوں میں اساتذہ بٹے ہوئے تھے اور اُنکے ساتھ لڑکے بھی - فرقہ داریت اور نہ ہی تعصب ہر ایک کرتا تھا - اسی وجہ سے آپس کے تعلقات بڑی حد تک ناخوشگوار تھے - اور یہی وجہ تھی کہ وہاں کے لڑکے اخلاقی حیثیت سے بہت پستی میں پڑے ہوئے تھے - بالکل یہی حالت دوسرے اسکول کی بھی تھی بلکہ وہاں پارٹی بندی کا تو بڑا زور تھا اور وہاں بدقسمتی سے مسلمان مسلمان آپس میں برسرِپیکار تھے -

اخلاقی فضا دونوں جگہ بڑی حد تک افسوسناک تھی - لڑکوں کی اکثریت بہت ہی زیادہ پستی اور جہالت میں پڑی تھی - نہ اُنکو گھر پر ایسی تربیت ملتی تھی کہ وہ اخلاقی اعتبار سے اچھے بن سکیں اور نہ اسکولوں کے اساتذہ اُنکو بتلاتے تھے - ہر وقت غیر اخلاقی لغو چرچے ہوتے تھے جنکے سننے سے نہ کسی قسم کا فائدہ ہوتا تھا اور نہ صحیح واقفیت حاصل ہوتی تھی - جھوٹا فخر، دوسروں پر تہمت لگانا، جھوٹ بہت کثرت سے بولنا، اور چالاکیاں کرنا، یہی سب باتیں لڑکوں کے لیے مایۂ امتیاز تھیں - اور جو ان چرچوں سے الگ رہتا یا دوسروں کو سمجھانے کی کوشش کرتا، پہلے تو اُسکو خوب بیوقوف بناتے، اور پریشان کر ڈالتے تھے - دوسروں کی دلآزاری کر دینا یا کسی کو فحش بات کو بکنا اپنے نزدیک بڑا مذاق اور عمدہ ظرافت سمجھتے تھے - لیکن ساتھ ہی کچھ نہ کچھ ایسے طلبا ضرور تھے جنکی اخلاقی حالت قابلِ رشک تھی - لیکن اول تو اُنکی تعداد کم تھی اور دوسرے اُنکا کوئی اثر نہ تھا - ان لڑکوں کی اخلاقی پستی کی بڑی وجہ شہر کی ترغیبات تھیں - مثلاً سنیما، کارنیوال وغیرہ - جنکے پیچھے یہ لوگ دیوانے رہتے تھے اور دوسروں کو بھی بہکاتے تھے - مجھے زیادہ تر ایسے لڑکے ملے جو فلم ایکٹرسوں کے پیچھے دیوانے رہتے تھے اور اپنی زندگی کا مقصد ہی فلمی لائن بتلاتے تھے -

دونوں اسکولوں کی تعلیمی حالت بھی میں نے افسوسناک اور مایوس کن پائی - زیادہ تر لڑکے تعلیم کی اصلی قدر و قیمت اور اصلی مقصد جانتے ہی نہ تھے - وہ یہ سمجھتے تھے اور زیادہ تر اساتذہ بھی اُنکو یہی سمجھاتے تھے کہ بس امتحان پاس کر لینا اور ڈگری حاصل کر لینا ہی اصل چیز ہے ——— چنانچہ رٹ رٹا کر یا اور کسی طریقہ سے بھی بس امتحان پاس کر لینا ہی چاہتے تھے - اسی وجہ سے نہ تو اُنکو صحیح قابلیت آتی تھی اور نہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوتے - اسی عرصہ میں نہ معلوم کتنے لڑکوں نے پڑھنا چھوڑ دیا اور اُنکے تمام منصوبے اور ارادے خاک میں مل گئے - وقت کی پابندی اور باقاعدہ محنت ان سب چیزوں کی وہ پروا نہ کرتے تھے اور نہ اُنکو کوئی بتلاتا تھا -

مذہبیت بھی بہت کم لڑکوں میں تھی - بہت سے ایسے مسلمان لڑکے تھے جنکو معمولی معمولی چیزیں تک نہ معلوم تھیں - وہ لوگ جمعہ یا رمضان میں نماز پڑھ لینا بڑا کام سمجھتے تھے - چند ایسے لڑکے تھے جنکو مذہب سے دلچسپی تھی - ایک اسکول میں تو دینیات لازمی طور سے پڑھائی جاتی تھی - لیکن ہمارے یہاں اسکو نہ تو جب سے پڑھتے تھے اور نہ کوئی ضرورت و اہمیت سمجھتے تھے - مذہبی کتابیں وغیرہ پڑھتے ہوئے یا مذہبی چرچے کرتے ہوئے میں نے خال ہی خال لڑکوں کو پایا - ورنہ زیادہ لڑکے لغو اور گھٹیا قسم کے اخلاق سوز افسانے اور نظمیں پڑھا کرتے تھے اور اسی قسم کی باتیں بھی کرتے تھے - بہت سے تو ایسے لڑکے بھی ملے جنھوں نے مذہب اسلام کو سمجھا بھی نہ تھا - اور مہمل اعتراضات کیا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ واقعی ہم نے دوسروں کو لاجواب کر دیا - اور اپنی علمیت کا رعب دوسروں پر بٹھا دیا - اسی طرح جسمانی اعتبار سے بھی ہمارے نوجوان بھائی بڑی پستی میں پڑے ہوئے تھے - جسمانی کھیلوں اور ورزشوں کی طرف توجہ کم لڑکے کرتے تھے ورنہ عام طور سے تو طلبا وسگرٹ پی پی کر اور سنیما دیکھ دیکھ کر اپنی صحتیں اپنے اخلاق سب چوپٹ کرتے تھے - اور حفظانِ صحت کی طرف توجہ کرنا تضیعِ اوقات سمجھتے تھے - اسی طرح سے ادبیت بھی بہت کم لڑکوں میں تھی - اچھے افسانے، اچھی نظمیں اور اچھے مقالات بہت کم لڑکے پڑھتے تھے - ورنہ عام طور پر لڑکے ادب میں بھی بہت پستی میں پڑے تھے - غرض ہر اعتبار سے دونوں اسکولوں کے لڑکوں کی اکثریت کی حالت افسوسناک حد تک اخلاقی اور مذہبی اعتبار سے خراب ہے -

نزولِ مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اسلامی اصول کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری، مجلس علمی، ڈابھیل)

حامداً و مصلیاً۔ امام حجۃ الاسلام غزالی "مقاصد الفلاسفہ" وغیرہ میں فرماتے ہیں:- یونانیوں کے علوم میں حساب، ہندسہ و اقلیدس یقینی علوم تھے، لوگوں نے انکو یقینی اور صحیح پاکر انکے بقیہ علوم الہیات، طبعیات، نجوم وغیرہ کو بھی انکی تقلید کرکے صحیح خیال کرنے لگے۔ الخ۔ حقیقت میں یہ ایک عام چیز ہے، نہ اس عہد کی تخصیص ہے نہ یونانیوں کے علوم کی خصوصیت۔ اکثر جب لوگ کسی کی شخصیت سے مرعوب ہو جاتے ہیں اُنکے بعض خود ساختہ غلط نظریات و افکار کو یا تو صحیح مان لیتے ہیں یا اُس میں تاویل کے درپے ہو جاتے ہیں اور اُنکی شخصیت کو بچاتے رہتے ہیں۔ آج کل بھی یہ کھیل رہی ہے۔ بعض مشاہیر جنکے بعض کمالات و خصائص عوام میں مسلم ہو گئے ہیں، تو اکثر لوگ اُنکی شخصیت اور بعض خصوصیات سے مرعوب ہو کر اُنکے بقیہ خیالات افکار کو بھی صحیح تصور کرنے لگتے ہیں اور بسا اوقات اس میں غلو کرکے ان ہی تحقیقات کو صحیح نظریات سمجھنے لگتے ہیں۔ اس عقلی ترقی کے دور میں یہ چیز خود دنیا کے دوسرے عجائبات کی طرح حیرت انگیز ہے۔ ایک طرف کبار امت اور اساطین اسلام ائمۂ دین اشعری، ماتریدی، باقلانی، غزالی، رازی، آمدی وغیرہ جیسے محققین اسلام کی تحقیر کی جاتی ہے۔ کبار فقہائے امت اور اکابر محدثین کے فیصلوں کو بنظر اشتباہ دیکھا جاتا ہے دوسری طرف قرنِ حاضر کے بعض ارباب قلم کی قلمی جولانیوں سے متاثر ہو کر یا انکی شخصیت سے مرعوب ہو کر انکے ہر فکر اور ہر خیال کو قطعی خیال کرنے لگتے ہیں۔ کچھ دنوں سے ہندوستان کے موقر محققانہ دینی جریدہ "صدق" میں نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ زیر بحث ہے۔ جو مدتوں پہلے سے فیصلہ شدہ ہے اور فتنۂ قادیانیت کی وجہ سے پھر تقریباً چالیس سال زیر بحث رہا اور متعدد کتابیں تصنیف ہوئیں۔ مولوی ابوالکلام صاحب مولوی جار اللہ صاحب مولوی عبیداللہ صاحب سندھی وغیرہ کی تحریرات میں یہ چیز آئی۔ اور ان حضرات نے نزول مسیح سے صاف انکار کیا، اکبر یار جنگ الذکر صاحب نے تو یہاں تک لکھ دیا کہ اگر یہ عقیدہ نجات کے لیے ضروری ہوتا تو قرآن کریم میں کم سے کم "واقیموا الصلوٰۃ" جیسی تصریح ضروری تھی اور ہمارا اعتقاد ہے کہ کوئی مسیح اب آنے والا نہیں۔ الخ۔ اُس وقت بھی میں نے اس خیال کی تردید میں ایک مفصل مضمون لکھا تھا جو بعض ارباب جرائد کی مداہنت سے شایع نہ ہو سکا اور نہ اُسکا مسودہ میرے پاس ہے۔ تاہم کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کو اصلی داعیہ اس قسم کے خیالات پر عقلی استبعاد ہے اور بدقسمتی سے اپنے عقلی معیار کو ان حضرات نے اتنا بلند سمجھا ہے کہ نبوت کا منصب گویا ان عقول قاصرہ کو دیا گیا۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے بعض نیک دل ارباب قلم ان ہی حضرات کی شخصیتوں سے مرعوب ہو کر غیر شعوری تقلید میں کچھ درمیانی صورت اختیار کرنے لگے ہوں۔

اہل حق کے مسلک کی تائید میں جناب محترم مولانا ظفر احمد صاحب محدث تھانوی نے ایک مقالہ "صدق" میں شایع فرمایا۔ اسکے جواب میں بجے پور کے ایک محترم نے بہت طویل مقالہ "صدق" میں شایع فرمایا جسکی تنقیح حسب ذیل امور میں ہو سکتی ہے:-

(۱) نزول مسیح کا عقیدہ صحیح ہے لیکن ظنی ہے یقینی نہیں۔
(۲) نزول مسیح کے بارے میں احادیث اصطلاحی تواتر کو نہیں پہونچیں۔
(۳) نزول مسیح کے بارے میں اجماع کا نقل مشتبہ ہے غیر ... کے آیندہ امور میں اجماع محل نظر ہے۔

ممکن ہے کچھ اور اجزا بھی تنقیح طلب ہوں، لیکن اصلی مدار ان تین چیزوں پر ہے۔ اور یہی زیادہ اہم بھی ہیں۔ اس وقت اس مختصر فرصت میں اس مسئلہ کے چند اصولی گوشوں کو واضح کرنے کا ارادہ ہے اور اس مسئلہ کی نوعیت میں بعض خطرناک اصولی غلطیاں جو پیش آرہی ہیں اُنکا تصفیہ مقصود ہے۔ بجے پوری صاحب نہ تو میرے مخاطب خاص ہیں نہ اُنکے مضمون کی سطر سطر کی تردید یا گرفت منظور ہے نہ طالبانہ بحثوں میں اُلجھنا مقصود ہے نہ انکی نیت پر حملہ ہے، صرف طالب حق کے لیے چند اصولی اساسی امور بیان کرنے ہیں۔ باقی جمود و عناد کا تو کوئی علاج نہیں۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ۔

(۱)۔ دین اسلام کے مہمات عقائد و اعمال یا اصول و فروع کا ایک ذخیرہ جیسے قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے ہم تک پہونچا ہے اسی طرح اعتقادی و عملی ضروریات دین ہم تک بذریعہ توارث یا تعامل طبقہ بہ طبقہ پہونچتے رہے ہیں۔ بلکہ اگر غور کیا جائے تو یہ معلوم ہوگا کہ دین اسلام اور اسکے کل ضروریات ہم کو اسی توارث کے ذریعہ پہونچی ہیں۔ لاکھوں کروڑوں مسلمان جنکو نہ تو قرآنی تعلیمات کی پوری خبر ہے نہ احادیث نبویہ کا علم ہے لیکن باوجود اسکے وہ دین کی مہمات و ضروریات سے واقف رہتے ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ عوام کا ایمان اجمالی ہوتا ہے۔ تفصیلات کے وہ اُس وقت مکلف ہوتے ہیں جب اُنکے علم میں آجائے۔ یہ حق تعالیٰ کا ایک مستقل احسان ہے کہ باوجود اس دینی توارث کے قرآن کریم و حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل میں ایک ایسا دستور اساسی بھی دیدیا کہ اگر کسی وقت قرون کے بعد اس دینی عملی توارث میں فتور یا قصور آجائے یا لوگ منحرف ہو جائیں تو تجدید و احیاء کے لیے ایک مکمل "اسی قانون"۔

اور مثلاً "وغیرہ" بھی محفوظ رہے تاکہ امم سابقہ کی طرح ضلالت کی نوبت نہ پہنچے اور حق تعالیٰ کی حجت پوری ہو جائے۔ اور ظاہر ہے جب کتاب الٰہی خاتم الکتب الٰہیہ ہو اور نبی خاتم الانبیاء ہو اور دین خاتم الادیان اور امت خیر الامم ہو تو اُسکے لیے یہ تحفظات ضروری تھے اور اسی لیے اس علمی قانون پر عمل کرنے کے لیے عملی نمونوں کی ایک جماعت بھی ہمیشہ موجود رہیگی تاکہ علمی و عملی دونوں طرح حق و باطل کا امتیاز قائم رہ سکے اور پوری طرح تحفظ کیا جائے اور مزید اطمینان یا اتمام حجت کے لیے دونوں باتوں کا صاف صاف نہایت موکد طریقہ پر اعلان بھی کر دیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے :-

(۱) انا نحن نزلنا الذکر وانا ہم ہی نے قرآن کو اُتارا اور ہم ہی

لہ لحافظون (آیہ نمبر ۹ حجر) اُسکے محافظ ہیں۔

(۲) اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :- لا یزال من امتی امۃ قائمۃ بامر اللہ لا یضرہم من خذلہم ولا من خالفہم (یعنی ایک گروہ قیامت تک ہمیشہ کے لیے دین حق پر قائم رہیگا، کسی کے امداد نہ کرنے سے یا مخالفت کرنے سے اُنکا کچھ نہ بگڑیگا)

اور میرے خیال ناقص میں تو فاسئلوا اہل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھتے رہو) میں بھی ایک لطیف اشارہ ہے کہ ہر دَور میں کچھ اہل حق ضرور ہونگے۔ بہر حال اتنی بات واضح ہوئی کہ محافظین حق اور قائمین علی الحق کا ایک گروہ قیامت تک ہوگا۔ جس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ تعلیمات دین کے لیے صرف علمی اور ذہنی دستور اساسی ہی نہیں بلکہ وہ عملی آئینہ بھی موجود رہیگا۔ اور اسی طرح توارث اور تعامل کا سلسلہ بدستور جاری ہی رہیگا۔ اگر بالفرض وہ علمی دفتری قانون دنیا سے مفقود بھی ہو جائے تو حصول مقصود کے لیے اس گروہ کا وجود بھی کافی ہوگا۔ "دین اسلام" کی بہت سی ضروریات اور قطعیات مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، نکاح، طلاق، خرید و فروخت کی اجازت، شراب خواری، زناکاری، قتل و قتال کی حرمت وغیرہ وغیرہ بیسیوں باتیں اسی توارث کے ذریعہ سے ہم تک پہونچی ہیں۔ بلکہ نماز کی بعض کیفیات اور زکوٰۃ کی بعض تفصیلات نہ تو صریح قرآن سے ثابت ہیں نہ اس بارے میں احادیث اصطلاحی متواتر ہیں، لیکن باوجود اسکے دنیا جانتی ہے کہ وہ سب چیزیں ضروری ہیں اور قطعی ہیں اور اس میں کوئی شبہ بھی نہیں۔

(۲) "ادلہ سمعیہ" یعنی عقائد و احکام کے ثبوت کے لیے قرآن و حدیث کے نصوص چار قسم پر ہیں :-

الف :- ثبوت و دلالت دونوں قطعی ہوں۔ ب :- ثبوت قطعی ہو دلالت ظنی ہو۔ ج۔ دلالت قطعی ہو ثبوت ظنی ہو۔ د۔ ثبوت و دلالت دونوں ظنی ہوں۔ ثبوت کے معنی یہ کہ اللہ و رسول کا کلام ہے دلالت کے معنی یہ کہ مراد یہ ہے۔ قرآن کریم و احادیث متواترہ کے ثبوت کے اعتبار سے دونوں قطعی ہیں البتہ دلالت کے اعتبار سے

کبھی قطعیت ہوگی کبھی ظنیت۔

اخبار احاد میں تیسری چوتھی قسم پائی جاتی ہے۔ مزید تفصیل کے لیے کشف الاسرار شرح اصول فخر الاسلام اور شرح تحریر الاصول وغیرہ ملاحظہ ہوں۔ پہلی قسم سے انکار کفر ہے۔ دوسری تیسری قسم کے انکار سے کفر کی نسبت نہیں ہو سکتی۔

(۳) تصدیق رسالت جو بنیادی عقیدہ ہے اُس میں تصدیق کے معنی یہ ہیں کہ دل قبول کرلے اور تسلیم کرلے۔ جو قرآن میں "مصدق" ہے اور "ویسلموا تسلیما" میں مراد ہے۔ صرف کسی شے کا علم میں آجانا جو منطق و معقول کی تصدیق ہے، نجات کافی نہیں ہے ورنہ صرف معرفت تو بہت سے یہودیوں کو اور ہرقل کو بھی حاصل تھی لیکن مسلمان ہونے کے لیے اور نجات کے لیے اتنی بات کافی نہ ہوئی۔

(۴) احادیث متواترہ کا افادہ قطعیت اہل حق کا متفقہ اجماعی مسئلہ ہے۔

(۵) اصطلاحی تواتر میں ایک شرط یہ ہے کہ ہر دَور میں نقل کرنے والے اتنے ہوں کہ غلطی و شبہ کی گنجائش نہ رہے۔ نقل کرنے والوں کی کوئی خاص تعداد مقرر نہیں۔ بسا اوقات کسی خاص موقع پر پانچ خاص آدمیوں کی روایت سے یقین حاصل ہو جاتا ہے جو پچاس دوسروں سے کسی دوسرے موقع پر حاصل نہیں ہو سکتا ہے۔ اس لیے علماء اصول نے تصریح کر دی ہے کہ بیان کرنے والوں یا سننے والوں کے مرتبہ سے فرق پڑ جاتا ہے اور کبھی مضمون اور بات کی نوعیت سے بھی تفاوت ہو سکتا ہے۔ دیکھو فواتح شرح مسلم (۲-۱۱۰) طبع مصر

(۶) بعض اصولیین کے نزدیک تواتر حدیث کا مدار راویوں کی کثرت اور طرق و مخارج کی تعداد پر نہیں بلکہ دار و مدار "تلقی بالقبول" پر ہے۔ جن احادیث کو قرن اول یعنی صحابہؓ کے عہد ہی میں امت نے قبول کر لیا ہے وہی متواتر ہیں۔ اس تعریف کے پیش نظر متواتر احادیث کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے۔ بعض محققین نے اسی تعریف کو زیادہ پسند کیا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں عملی اعتبار سے قبولیت عامہ نفس کثرت رواۃ سے کہیں زیادہ موثر و قوی ہے۔ اسی کو ہم نے توارث و تعامل سے تعبیر کیا تھا۔ عنقریب اس بات کی تائید دوسری طرح سے بھی ہو جائیگی۔

(۷) قرن اول میں ناقلین شرط تواتر پر ہوں اور قرن ثانی و ثالث میں کمی آ جائے یہ محض عقلی احتمال ہے۔ ذخیرہ حدیث میں اسکی مثال نہیں ملتی، بلکہ احادیث کی روایت میں واقعہ یہ ہے کہ راوی بڑھتے گئے اور قرن ثانی و ثالث میں "اخبار احاد" کے راوی بھی اس کثرت کو پہونچ گئے ہیں جو قرن اول میں احادیث متواترہ کے بھی نہیں تھے۔ چودھری صاحب کو یہاں بھی بظاہر اشتباہ ہے اگرچہ آخری جزو کو خود بھی ایک مقام پر تسلیم کر گئے ہیں۔

(باقی آئندہ)

معاصرین کا حسنِ ظن

عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ

نمبر(۲)

تنظیم۔ (حیدرآباد دکن)

معاصر صدق ہفتہ وار لکھنؤ، گزشتہ مہینہ سے سہ روزہ ہوگیا ہے اور خوشی کی بات ہے کہ جدید انتظام سے ہمارے اس معزز معاصر کا دائرۂ افادیت کچھ اور زیادہ وسیع ہوگیا ہے۔ اسکے فاضل مدیر مولانا عبدالماجد دریا بادی ہندوستان کے ممتاز ادیبوں اور یگانۂ روزگار رسالوں میں سے ہیں۔ "صدق" نے اب تک مسلمانوں کی جو مفید خدمات انجام دی ہیں اور اپنی خصوصیات خاص کی بدولت جس انفرادیت کا مالک ہے اُسکے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی۔ مغرب زدگی کی اُس وبا کے خلاف جو ہندوستانی مسلمانوں کے اذہان پر مسلط ہوتی جاتی ہے اُسکے خلاف اس جریدہ نے بطور خاص قلمی جد و جہد کی ہے اور مولانا عبدالماجد کا دلنشیں اسلوب تحریر جو طنز نگاری کا عمدہ نمونہ ہے، صدق کے شذرات کو عرصۂ دراز سے مقبول بنا چکا ہے۔ مذہبی اور علمی موضوعات پر صدق بلند پایہ مضامین پیش کرتا ہے اور مدیر محترم کے قلم سے تفسیر کا جو سلسلہ جاری ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ بہرحال ایک ایسے مفید اور بلند پایہ جریدہ سے مسلمانوں کو استفادہ کرنا چاہیے۔ ہم معاصر صدق سہ روزہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے اُسکی کامیابی کے متمنی ہیں۔ چندہ سالانہ آٹھ روپے۔ ملنے کا پتہ:— مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ماہ اگست ۴۵ء میں تمام ہو رہی ہے براہ کرم چندہ ایسے وقت روانہ کریں کہ شروع اگست میں وصول ہوجائے ورنہ ۱۰ اگست سے بذریعہ وی پی روانہ ہونگے۔

نمبر ۱۸۹، ۳۰۸، ۳۲۰، ۳۶۲، ۴۲۶، ۴۴۷، ۵۶۹، ۵۸۰، ۶۴۴، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۳، ۹۱۷، ۹۲۲، ۹۲۶، ۹۳۰، ۹۳۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۶، ۱۰۶۸، ۱۱۴۵، ۱۱۵۱، ۱۱۶۵، ۱۱۷۶، ۱۱۶۲، ۱۱۶۸، ۱۲۶۳، ۱۲۹۳، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۱۳، ۱۳۲۸، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۴۷، ۱۴۴۵، ۱۴۴۶، ۱۴۴۷، ۱۴۶۶، ۱۵۶۴، ـــــ

خادم مہتمم صدق لکھنؤ

فرعون نمرود اور شداد کی جرم و سزا کی تاریخ

جبکہ دولہن دولہا کے پاس جانے سے قبل بادشاہ کے پاس جاتی تھی۔ جبکہ باپ کی قبر قرض کی کفالت میں دی جاتی تھی۔ جبکہ جوتے کے پیوند کے لیے انسانوں کے کان کاٹے جاتے تھے۔ جبکہ طمانچہ مارنے کی سزا قتل تھی اور انسان کو مورت میں ٹھونس کر مروا دیا جاتا تھا۔ اُسوقت یعنی نمرود۔ شداد۔ قوم لوط قوم عاد۔ بنی اسرائیل۔ موسوی۔ عیسوی۔ اور زمانہ جاہلیت عرب کی دور تک جرم و سزا کی تاریخ اور اسکے ساتھ قرآن مجید نے جو اصول عدل و اصول سزا مقرر کیے اور جن افعال کو جرم قرار دیا اور انکی جو سزائیں مقرر کیں، حضور صلعم اور حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کے زمانہ میں قیدیوں کے ساتھ کیسا انسانی اور شریفانہ سلوک ہوتا تھا اور کس طرح عدل و انصاف کس شان کے ساتھ ہوتا تھا۔ یہ سب آپ کو **جرم و سزا جلد دوم** میں ملیگا جو اسلامی ابتدائی دور کے جرم و سزا کی تاریخ ہے۔ ۴۰۲ صفحات قیمت ہے،

جلد اول کے دو حصے ہیں۔ پہلے حصہ میں ہندوستان کے عہد قدیم منو۔ بدھ مت۔ مغلوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کی جرم و سزا کی مکمل تاریخ ہے، اور دوسرے حصہ میں ہندوستان کی جیلوں میں کیا کیا سزائیں دی جاتی ہیں، کیا کیا مشقتیں کرائی جاتی ہیں، کیا لباس اور کھانا دیا جاتا ہے۔ ۵۵۰ صفحات قیمت ہے، علاوہ محصول ڈاک۔

۲۔ علامہ اقبال کی تصانیف پر مولانا محمد اسلم صاحب جیراجپوری کا فاضلانہ تبصرہ ملاحظہ کرنا ہے تو آپ **مقالات اسلم** پڑھیے تاکہ آپ علامہ اقبال کے تبلیغی ارشادات سے لطف اندوز ہو سکیں۔ صفحات ۲۰۰ قیمت ۱؎

۳۔ اُردو، فارسی، ہندی اور انگریزی محاوروں و مثالوں کے متعلق اگر یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ کب کیونکر رائج ہوئے تو آپ **قصص الامثال** منگا کر مطالعہ کریں۔ اس میں محاورات کو قصہ و کہانیوں کے ذریعہ بتایا گیا ہے کہ وہ کیونکر رائج ہوئے۔ انداز بیان دلچسپ اور عام فہم ہے۔ صفحات ۳۰۰۔ قیمت ۱؎

۴۔ مولانا محمد علی مرحوم کی مکمل سوانحعمری باتصویر ۱؎

۵۔ غازی مصطفےٰ کمال " " " "

سب کتابیں اکٹھی منگانے پر محصولڈاک معاف،

ملنے کا پتہ

رائل ایجوکیشنل بکڈپو ۲۸۸ اُردو بازار دہلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجئے

سہ روزہ

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
سوسفد ۱۷ پلیس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ ۔ ۔ ۔
ششماہی ۔ ۔ ۔
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۔ ۲ ر

نمبر ۲۴ | یوم شنبہ - ۲۵ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۴ - اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

امریکہ کے ایک ماہر فلکیات، جارج گیمو (استاد طبیعیات، جارج واشنگٹن یونیورسٹی) کی ایک کتاب حال میں دیکھنے میں آئی۔ نام ہے (BIRTH AND DEATH OF THE SUN) "آفتاب کی پیدائش اور موت" —— تو کیا آفتاب بہ ایں عظمت واجلال، ہماری آپ کی طرح فنا پذیر ہی ہے؟ اور اسی طرح فنا کی طرف قدم بڑھاتا جارہا ہے، جس طرح ہم آپ اور اللہ کی ساری فانی مخلوق ہے —— فنی بحثوں کو تو صرف اہل فن کے لیے چھوڑیے، یہ دیکھیے کہ کچھ ہمارے آپ کے بھی کام کی باتیں ہاتھ آتی ہیں؟ آتی ہیں، اور ایک نہیں، کئی ایک:-

ایک بات تو یہ ملی کہ آفتاب اور سارے نظام شمسی کی پیدائش کو تقریباً ۲۰ کھرب سال ہوئے! —— گویا اسکی تصدیق ایک ماہر فن کی زبان سے ہوگئی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستارے سب حادث ہیں، قدیم کوئی بھی نہیں! صرف پیدائش کا سوال بالکل غیر متعلق ہے۔

دوسری بات یہ ہاتھ آئی، کہ آفتاب اپنے عنصر ترکیبی یعنی ہائیڈروجن وغیرہ کو بڑی احتیاط سے سنبھال سنبھال کر استعمال کر رہا ہے، اس لیے ابھی ۲۰ کھرب × ۱۰ سال یعنی دو نیل سال تک اور زندہ رہیگا —— اس سے تصدیق ہوگئی اسکی کہ آفتاب اور ماہتاب اور ستاروں کو ایک روز بہرحال فنا ہونا ہے۔ اور چشم کائنات کو اذا الشمس کورت، واذا النجوم طمست، واذا الکواکب انتثرت وغیرہ کا نظارہ کرنا ہے!

تیسرے پتہ اسکا چلا کہ آفتاب روز بروز گرم سے گرم تر ہوتا جارہا ہے، یہاں تک کہ اسکی گرمی کی شدت ایک دن زمین والوں کے لیے ناقابل برداشت ہو جائیگی، اور روئے زمین پر جو کچھ ہے وہ سب اس سے جل جائیگا —— مذہب نے اگر اس کیفیت کو یوں بیان کردیا کہ آفتاب ایک روز سوا نیزے کے فاصلہ پر آجائے گا، تو کیا بیجا کیا؟

چوتھی گرہ یہ کھلی، کہ نئے نئے ستارے آہستہ آہستہ پیدا ہوتے جاتے ہیں، اور پرانے، فنا شدہ ستاروں کی جگہ لیتے جارہے ہیں —— سلسلۂ آفرینش جاری ہے، اور احسن الخالقین اپنا کام کرکے معطل نہیں ہوگیا ہے۔ کل یوم ھو فی شان کی یہ کیسی پیاری تفسیر نکل آئی!

سائنس اس بیچارے کو مذہب سے مس نہیں۔ اور اسلام کا تو اس نے نام تک بھی شاید نہ سنا ہو۔ اپنی دھن میں اپنے فن کے متعلق لکھتا چلا گیا ہے۔ لیکن یہ کیا ہے کہ قلم سے جو کچھ نکلا ہے اس سے ہمارے حقائق کی اور تائید و تصدیق ہی ہوتی گئی ہے! —— کہیں یہی معنی تو اس آیت کے نہیں، کہ

ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعا وکرہا۔	جو موجودات بھی زمین و آسمان میں ہیں وہ سب چار و ناچار اللہ ہی کے آگے جھکی ہوئی ہے!

کام کسی کا بھی کیا جائے، نام اسکا کچھ ہی رکھ لیا جائے، سب آخر میں تکمیل ہو کر اللہ اور اللہ کے دین ہی کا کام جاکر ٹھہرتا ہے!

خدائی قدرتوں کا اعجاز

ایسر ا گمسکا . ۱۹۱۰ ء

معلوم ہوئے۔ کامل استخارہ کے بعد طبیعت کا میلان حضرت والا ہی کی طرف پایا گیا۔ اب یہ مریض حضرت والا کی خدمت میں حاضر ہے اور توقع رکھتا ہے کہ اسکے علاج سے حضرت والا احتراز نہ فرمائیں گے۔

ج۔ مجھ جیسے کو شیخ بنانا تو محض میرے نفس کی رعونت اور شیخی کو بڑھانا ہے۔ ہرگز ہرگز اس منصب کی نہ کوئی صلاحیت رکھتا ہوں نہ اس سے کوئی مناسبت۔ سو اگر یہ ارادہ ہو تو اس سے قطعاً معذور ہوں۔ اور یہ جواب بالکل مختتم ہے۔

البتہ اگر محض طلب مشورہ ہے تو یہ ہر مسلمان کا دوسرے مسلمان پر حق ہے۔ اپنی خدمت سے بقدر فرصت و دست کسی حال میں انکار نہیں۔ اور پھر یہ کیا ضرور کہ مریض نئے مریض کو مفید ہدایت دے بھی سکتا ہے۔

س۔ احقر کی طبیعت میں کاہلی بہت زیادہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض نمازیں بھی قضا ہو جاتی ہیں اور بعض بہت تاخیر سے ادا ہوتی ہیں۔ براہ کرم اس سقم کو رفع کرنے کی تدبیر سے مطلع فرمایئے۔

ج۔ کیا ترک نماز یا تاخیر نماز کی وعیدیں مستحضر نہیں رہتیں؟ بلا وجہ ایک نماز کے بھی ناغہ کرنے یا تاخیر کرنے کی کیسی ملامت ہے! یہ محض طبعی کاہلی کا نتیجہ نہیں بلکہ سخت قسم کی IN- DISCIPLINE یا عدم اطاعت ہے جس سے اغماض ہرگز نہیں برتا جا سکتا۔

ہر ہر ناغہ پر نفس کو کوئی سخت سزا دینا چاہیے، مثلاً دو وقت کا فاقہ یا نفس پر بار ڈالنے والا مالی جرمانہ۔

اسکے علاوہ نمازی و پابند نماز دوستوں ساتھیوں کی صحبت کا ایک مدت تک لزوم۔

س۔ نماز میں بعض وقت تو خشوع و خضوع حاصل رہتا ہے مگر اکثر اوقات ذہنی انتشار رہتا ہے کہ یہ یاد بھی نہیں رہتا ہے کہ کونسی سورتیں میں نے پڑھی ہیں۔

ج۔ توجہ و یکسوئی کی جو صورتیں اپنے اختیار کے اندر ہیں انکا التزام رکھا جائے۔ مثلاً نماز سے قبل نماز کی اہمیت کا احساس اور اسکی فرضیت کا استحضار۔ محض MECHANICAL طور پر عادت کی بنا پر نماز کے لیے نہ کھڑا ہوا جائے، بلکہ تازہ دم قصد و ارادہ کے ساتھ۔ اور وضو بھی جی لگا کر کیا جائے غفلت کے ساتھ نہیں، احساس بیداری کے ساتھ کیا جائے۔ اور حالت نماز میں تصور خانہ کعبہ کا رکھا جائے۔ وقس علی ہذا۔

ان سب تدبیروں کے بعد بھی اگر جی نہ لگے تو بندہ معاف ہے۔ اس سے زیادہ بندہ مکلف نہیں۔ لیکن دل لگے یا کم لگے یا بالکل نہ لگے لیکن ادائے نماز تو ہر حال و ہر صورت فرض ہے۔ اور ادائے نماز میں فرق کسی صورت میں نہ پڑنے پائے۔

س۔ بعض احباب صالح سے ملنے کی وجہ سے اور دینی کتابوں کے پڑھنے کی وجہ سے طبیعت چاہتی ہے کہ اس دنیا کو ٹھوکر مار کر دین ہی کے لیے وقف ہو جاؤں، مگر یہ چیزیں جدا ہوتی ہیں تو یہ خیال ہوتا ہے کہ جو کچھ ہے یہی دنیا ہے اور اسکا ٹھاٹ باٹ۔

ج۔ طبیعت کے احوال ہر وقت یکساں تو حضرات صحابہؓ تک کے نہیں رہتے تھے۔ اصل شے اعمال ہیں نہ کہ احوال یا طبیعت کے کوائف۔ اور اعمال کی صحت کے لیے عقیدۂ عقلی کا صحیح ہونا ضروری ہے۔ سو وہ بحمداللہ حاصل ہے۔

س۔ احقر سینیر بی اے میں ہے اور ..... کالج میں تعلیم پاتا ہے۔ دعا فرمایئے کہ اس بدترین ماحول کے برے اثرات سے محفوظ و مامون رہوں۔

ج۔ دعا کر دی۔ لیکن مقدم تو اس باب میں دوسروں کی دعائیں نہیں، بلکہ اپنے اختیار کی تدبیریں۔

س۔ پھر حضرت والا سے درخواست ہے کہ میری فلاح دارین کے لیے دعا فرمائیں۔

ج۔ انشاءاللہ فلاح دارین عطا ہوگی، جیسا کہ ہر مخلص طالب سے اللہ کا وعدہ ہے۔ باقی جہاں تک درخواست دعا کا تعلق ہے وہی ادھر سے بھی ہے۔ ہر مسلمان کی بھلائی کی دعا کا حق دوسرے مسلمان پر ہے۔ اس میں بڑے، چھوٹے کا کوئی امتیاز نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

قلب بہت متاثر ہے۔ اسی تاثر کا یہ اضطراری نتیجہ تھا۔ خداوند تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ پیش کرنے والے جن تحریکوں کو "انقلاب نو" اور "دنیائے جدید" "تہذیب جدید" کے نام سے پیش کر رہے ہیں۔ قرآن نے مجھ پر یہ واضح کیا ہے کہ انکی نسبت کی سب سے پرانی دنیا، نوسی تاریخ کا اعادہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عہد حاضر کے فتنوں سے بچنے اور اسکے "کرکٹر" کے سمجھنے کے لیے قرآن کی نوتی آیتوں کی تلاوت انشاءاللہ مفید ہوگی۔ موقع ہو تو کسی مستقل مضمون میں ان آیتوں کو جمع کر کے ان پہلوؤں کو ناظرین صدق کے آگے انشاءاللہ پیش کردوں گا۔ جواب تک میرے سامنے رکھے ہیں۔ فقط

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں

ماہ مبارک کا زمانہ آرہا ہے اس ماہ میں اہل خیر حضرات زکوٰۃ کی رقم نکالتے ہیں۔ اسی لیے میں اپنا یہ فرض سمجھتا ہوں کہ زکوٰۃ کے بہترین مصرف کی نشاندہی کروں۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کثرت سے ایسے طلبا ہیں جنکے طعام و لباس کی کفالت اہل خیر حضرات کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنا گھر بار چھوڑ کر دور دراز مقامات سے آتے ہیں اور [illegible] دینی تعلیم حاصل کرتے ہیں اور میاں کی قیام و تربیت

نسائیت اور جنگ

جنگ جتنی زیادہ طویل ہمہ گیر اور شدید ہوگی اُسکے اثرات اتنے ہی دیر پا اور ہمہ گیر ہونگے۔ موجودہ جنگ دنیا کی سب سے بڑی ہولناک اور تباہ کن جنگ ہے اس بنا پر اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ پہلی جنگ کے مقابلہ میں یہ جنگ کے نتائج انسانی اخلاق و معاشرت کے لیے کس درجہ تباہ کن ثابت ہونگے۔

پہلی جنگ نے اگر عورتوں کی عریانی کو اس اندازہ پر پہونچایا تھا تو اب نہیں کہا جا سکتا کہ اگر مذہب اور اخلاق کی بے قیدی کا یہی عالم رہا تو یہ عریانی کس حد تک پہونچ کر دم لیگی۔

چنانچہ موجودہ جنگ کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں مردوں کی تعداد کے کم ہو جانے سے وہاں کی عورتوں میں جو آوارہ مزاجی پیدا ہوئی ہے اسکی خبریں ابھی سے اخبارات میں آنے لگی ہیں۔ اور ان سے ایک صاحب بصیرت انسان آسانی قیاس کر سکتا ہے کہ فضا کا یہ تکدر مستقبل میں کس ہولناک طوفان کے آنے کی خبر دے رہا ہے۔ امریکہ کے ایک رسالہ دی امریکن میگزین میں ایک یورپین فاضل ڈاکٹر ہنری بوین نے حال ہی میں ایک بیان شائع کرایا ہے جس میں موصوف نے کہا ہے کہ "امریکہ کے بڑے بڑے شہروں میں اب مردوں اور عورتوں کی تعداد ایک اور دس کی رہ گئی ہے اور یہاں عورتوں کی ایک نئی قسم دیکھنے میں آئی ہے۔ یہ عورتیں جوق در جوق سڑکوں پر چلتی پھرتی ہیں اور جہاں کہیں انکو کسی مرد کی صورت نظر آتی ہے یہ عورتیں اس مرد کو دیکھ کر سیٹی بجاتی ہیں اسکی طرف رومال اُڑاتی ہیں اور طرح طرح کی ترکیبوں سے اسکو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔"

یہ حالت تو اب ہے جبکہ فوجیں ابھی تک واپس نہیں آئی ہیں۔ فوجوں کی واپسی کے بعد ان عورتوں کا کیا حال ہوگا؟ اسکا اندازہ بھی مشکل ہے۔

اسی قسم کے خاص حالات کے پیش نظر اسلام میں تعدد ازدواج کو مباح اور جائز رکھا گیا ہے جسکی وجہ سے ایک سوسائٹی جنگ کے بعد بد اخلاقی اور بدکاری سے محفوظ رہ سکتی ہے اور اس طرح جنگ میں جتنے مردوں کا نقصان ہوا ہے اسکی مکافات بھی جلد ہی ہو سکتی ہے ورنہ اگر آپ ان حالات میں بھی ایک مرد کو ایک سے زیادہ عورت سے شادی کرنے کی اجازت نہیں دے سکتے تو پھر دنیا میں کوئی تدبیر ایسی نہیں ہے جسکے ذریعہ آپ بد اخلاقی بدچلنی آوارگی اور ہوس پرستی کے سیلاب کا انسداد کر سکیں۔

(برہان)

(بقیہ صفحہ ۵)

سے مستفید ہو کر اپنے اپنے مقامات پر جا کر اسلام کی خدمت کرتے ہیں اور سیکڑوں ناواقف مسلمانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنتے ہیں۔ اگر صاحب ثروت مسلمان اپنی زکوٰۃ کا کوئی حصہ ان غریب طلبہ کے لیے مخصوص فرما دیں تو زکوٰۃ ادا ہونے کے علاوہ انھیں قیامت تک ان شاء اللہ کے بندوں کے اعمال حسنہ کا ثواب ملتا رہیگا جنکی ہدایت بالواسطہ یا بلاواسطہ ان طلبہ کے ذریعہ سے ہوئی ہوگی۔ امید ہے کہ اس صدقہ جاریہ کو صاحب نصاب مسلمان فراموش نہ فرمائیں گے اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے غیر مستطیع طلبہ کے لیے کوئی رقم مرحمت فرمائینگے۔

سید عبد العلی۔ ناظم ندوۃ العلماء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد

سہ روزہ

صدق

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے متعلق خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں اس پتہ پر مراسلت کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ، [illegible] لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی [illegible]
سہ ماہی چندہ سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ [illegible]

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

(رجسٹرڈ نمبر [illegible] ۳۹۱)

نمبر ۲۵ | یوم سہ شنبہ - ۲۸ - شعبان المعظم ۱۳۶۴ھ مطابق ۷ - اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

برطانیہ کی وزارت بات کی بات میں بدل گئی - برسوں کا جما جمایا نقشہ آناً فاناً الٹ گیا۔ "ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا"! جو بڑے مانے جاتے تھے، وہ چھوٹے نکلے، اور جو چھوٹے سمجھے گئے تھے، وہ بڑے بن گئے۔ "زیادہ تھے جو اپنے زعم میں وہ سب سے کم نکلے"! چرچل گئے۔ اٹلی آئے — چرچل کی شکست، حیرت انگیز انقلاب آفرینی میں، ہٹلر کی ہلاکت سے کم سہی، لیکن بہت کم تو یقیناً نہیں۔

میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد!

ٹوری نکلے، لیبر والوں کا جھنڈا بلند ہوا۔ خیر وہ کوئی آئے یا کوئی جائے، "صدق" غریب کو ان قصوں قضیوں سے کیا واسطہ؟ بقول شخصے

مارا چہ ازیں قصہ کہ گاؤ آمد و خر رفت!

— واسطہ ہے؟ "سات سمندر پار" کے، اسی گاؤ و خر کے قصہ آمد و رفت سے ہے۔

ہندوستان کے اسٹیٹسمین اور ٹائمس آف انڈیا کو چھوڑیے۔ بہت بڑے اخبار سہی، پھر بھی ہندوستان کے ہیں۔ خاص لندن کے ڈیلی میل، ڈیلی ٹیلیگراف، ڈیلی اکسپریس اور آبزرور، اور سنڈے ٹائمس کو، اور سب سے بڑھکر ٹائمس کو لیجیے۔ سب کے سب ٹوری پارٹی کے ہمدرد، بلکہ اس کے زبردست نقیب و ترجمان۔ لیکن اس شکست فاش پر ایک بار بھی نہ غصہ نہ بدزبانی، نہ حریف پر بیجا رکاکت اور بددیانتی کے الزامات، نہ کامیاب پارٹی کے مقابلہ میں بغاوت کی دھمکیاں، نہ کامیاب ممبروں پر مقدمہ چلانے کی تیاریاں، نہ پاؤں پٹخنے، جلسوں میں کامیاب لیبر پارٹی کے لیے "مردہ باد" کے نعرے، نہ تقریروں میں اسکے لیے "غدار" اور "قوم فروش" کے خطابات! — بڑے بڑے لیڈر، اور بڑے بڑے اخبارات سب یہی کہہ رہے ہیں، یہی لکھ رہے ہیں، کہ نتیجہ یقیناً سخت افسوسناک اور نہایت حیرت انگیز نکلا ہے، لیکن بہرحال جو فیصلہ ہونا تھا ہو چکا۔ قوم کا فیصلہ یہی ہے، اسی کے آگے گردن جھکانا ہے، اسی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہے۔ اور آئندہ الکشن کے وقت زیادہ سے زیادہ باقاعدہ و سرگرم کوشش کرنا، اور پارٹی کو زیادہ مرتب و منظم بنا لینا ہے! — سنتے ہیں کسی زمانہ میں "سمع و طاعت" "اطاعت و ڈسپلن" غیروں کا نہیں، اپنا شیوہ رہ چکا ہے!

ڈیماکریسی (جمہوریت) کا جو فرضی بت انھوں نے گڑھ رکھا ہے، اس کی اطاعت، بے چون و چرا اطاعت، یہ اسی کی ہو رہی ہے، ہمارے ہاں یہ مرتبہ کسی امیر قوم کو، کسی امیر الامرا کو، کسی قائد اکبر کو، کسی قائد اصغر کو نہ سہی، کسی لیگ، کسی مجلس، کسی جمعیۃ کو نہ سہی، خود کتاب و سنت کو بھی عملاً حاصل ہے؟ ہر زندہ ہستی کے مقابلہ میں گالیاں ہیں، تالیاں ہیں، سیاہ جھنڈیاں ہیں، اور "برباد" و "مردہ باد" کے نعرے ہیں! — "شتر بے مہار" قوم، بے گلہ بان کا گلہ، کس معنی میں "زندہ قوم" کہے جانے کا مستحق ہے؟

جاہلیت کی بازگشت

"خدا کی ذات ہر طرح کے ادراک و تصور سے بلند ہے، اس لیے ظاہر ہے کہ جہاں کلام سے صرف اس کا مفہوم مراد ہوگا۔ لیکن زیادہ صحیح الفاظ میں طبعی و نفسیاتی کیفیت جس کے زیر اثر ایک شخص بے اختیارانہ کچھ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے، اسی کیفیت کا نام مذہبی زبان میں وحی و الہام، جبرئیل و روح القدس وغیرہ ہے۔۔۔۔ (قرآن) چونکہ اسی زبان میں نازل ہوا تھا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی، تو اس کے الفاظ کو کیونکر خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے؟ بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک نقطہ خدا کا بنایا ہوا ہے، اور خود رسول اللہ کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا، خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے، اور رسول کو سطح انسانیت سے بہت نیچے گرا دینا ہے۔"
(نگار، جولائی سنہ ۶۲ء، ص ۳۲۰)

وحی، جبرئیل اور روح القدس کی حقیقت آپ نے سن لی؟ —— گویا دین کی ہر حقیقت ایک شاعرانہ مجاز ہے! —— اور یہ سب [illegible] اور [illegible] دہریے کے قلم سے نہیں، بلکہ انھیں کے دماغوں سے نکلی ہوئی چیزیں "محقق زماں، علامۂ دوراں" نیاز فتحپوری کی زبان سے دہرائی ہوئی! —— اور آگے چلیے:—

"آپ نے ہوش سنبھالتے ہی اپنی قوم کی اس گری ہوئی حالت کا بہت اثر لیا۔ اور یہ اثر لینا صرف اس بنا پر تھا کہ قدرت نے آپ کے دل و دماغ میں غیر معمولی صلاحیت سوچنے سمجھنے کی ودیعت کر دی تھی۔ جسے ہم مذہبی زبان میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ آپ کو خدا نے منصب نبوت کے لیے چن لیا تھا۔ ....

اس میں کلام نہیں کہ رسول اللہ قدرت کی طرف سے غیر معمولی ذہنی صلاحیت لیکر آئے تھے اور سالہا سال کے غور و فکر کے بعد آپ نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس قوم کی اصلاح کر کے رہیں گے۔ اور دنیا کی کوئی مخالف قوت انھیں اس ارادہ سے باز نہ رکھ سکی" (ایضاً، ص ۳۰)

گویا آپ اپنی قوم کے ایک مخلص اور باہمت مصلح و ریفارمر تھے، اور بس —— وہی تشخیص جو "دانایان فرنگ" بارہا کر چکے ہیں! اور آگے پڑھیے:—

"آخر کار وہ وقت آیا کہ یہ سیلاب ابل پڑا، یہ چشمہ پھوٹ نکلے، اور جذبات و تاثرات کے طوفان نے الفاظ کی صورت اختیار کر لی۔ اور انھیں الفاظ کا مجموعہ قرآن ہے" (ص ۲۷) "اگر آپ قرآن کا بغور مطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ رسول اللہ کے تاثرات کے لحاظ سے اس کا انداز بھی بدل گیا ہے۔ کہیں تو وہ بالکل ... ہے یعنی رسول اللہ نے خود اپنے نفس سے خطاب کیا ہے۔ کہیں انھوں نے خدا کو مخاطب کر کے اپنے جذبات عبدیت و تشکر کا اظہار کیا ہے۔ کسی جگہ اپنے ابنائے قوم اور اپنے اعزہ و احباب اور اپنے دشمنوں کو مخاطب کیا ہے، اور کہیں ایسا انداز [illegible] کیا گیا ہے گویا خدا کچھ فرما رہا ہے۔ اور ان مختلف اسالیب بیان سے صرف یہی نہیں کہ ہم رسول اللہ کے ذہنی اثرات ہی کی صحیح تاریخ مرتب کر سکتے ہیں، بلکہ اس نتیجہ تک بھی پہنچتے ہیں کہ رسول اللہ کا تنہا مقصود (کسی نہ کسی طرح لوگوں) کو درستی اخلاق کی طرف متوجہ کرنا تھا، اور اسی مقصود کو مختلف طریقوں اور مختلف اسالیب بیان سے پورا کیا گیا ہے"۔ (ص ۲۷ و ۲۸)

قرآن مجید کی قوت تاثیر سے تو کسی بڑے سے بڑے معاند کو بھی انکار نہ تھا۔ اور اسی سے تو وہ آپ کو زبردست شاعر اور [illegible] کہتے تھے۔ آنحضرتؐ کی ذہانت و فطانت، جوش و اخلاص، ابوجہل اور ابولہب دونوں کو مسلم تھا۔ آج بھی سیور اور مارگولیس کی پادریوں میں اکثر کو مسلم ہے، گفتگو ساری کی ساری اس میں تھی کہ قرآن اللہ کا کلام ہے یا رسولؐ کا اپنا گڑھا ہوا، اور خواہ مخواہ اللہ کی جانب منسوب کیا ہوا؟ —— نیاز اپنی "تحقیقات عالیہ" کے بدولت ٹھیک اُنھیں نتیجوں پر پہنچے ہوئے ہیں جن پر جاہلیت قدیم و جدید مستقل ہو چکی تھی! اور اس پر بھی اس شخص کو اصرار ہے کہ دنیا اسے مسلمان کیوں نہیں سمجھتی!

اپنوں کا گلہ

"شملہ سے ۱۰ روز کے بعد واپس آیا ہوں ... آپ سیسل ہوٹل میں تشریف لائیے۔ پاکستان کے ارباب تقویٰ جمع ہیں۔ جتنے مرد ہیں اس سے زیادہ عورتیں۔ سب تشریف فرما ہیں۔ نماز اور ناچ کا وقت ایک ہے۔ کون ہے جو اذان سنے اور کون ہے جو نماز سے مطلب رکھے۔ مسلمانوں کی بیویاں، بیٹیاں، پوتیاں، کبھی ایک کے پہلو میں ہیں، کبھی دوسرے کے۔ ناچ سب کے سامنے جاری ہے۔ لباس انگریزی، تمدن انگریزی، بیٹھنے بولنے کا انداز انگریزی .... معتبر روایات ہیں کہ شاید کوئی ہوگا جسے دس بجے رات کے بعد اپنا ہوش ہو۔ سسل ہوٹل کے بل اٹھا کر دیکھ لیجیے ... جہاں پر سب مسلمان تھے، لیکن انگریز سے کم کوئی نہ تھا۔ آپ کس کس کو لکھیے گا، اور کیا لکھیے گا"۔

اقتباس ایک "نیشنلسٹ" مسلمان صحافی کے مکتوب کا ہے۔ جو کچھ بیان ہوا ہے، اگر اس کا نصف حصہ بھی صحیح ہے، تو گردن کسی ایک پارٹی یا چند اشخاص کی نہیں، بلکہ ہم سب کی، شرم سے جھک جانا چاہیے —— آہ بہادر یار جنگ مرحوم! لیگ کے کیمپ میں بڑی بڑی اصلاح کی امید انھیں کے دم سے تھی۔ بعد محمد علیؒ کے اللہ نے انھیں کو اسی دل و دماغ کے ساتھ یہ ذوق و غم بھی دیا تھا۔ لیکن شخصیتوں کا ماتم کب تک! یہ فرض تو ہم سب کا مشترک ہے، اور بڑے چھوٹے سب پر اپنی بساط کے لائق عائد ہوتا ہے۔

فرعون مصر

ایک صاحب علم و فضل کے سوالات:—

"حضرت موسیٰ کے معاصر فرعون کا نام کیا تھا؟ کیا ان کے واقعات کا تعلق ایک ہی فرعون سے ہے، یا اس عرصہ میں دو فرعون تخت مصر پر آئے؟ ایک وہ جس کے محل میں حضرت نے پرورش پائی (اور) دوسرا

سورۂ بقرہ۔ رکوع ۲۳

(سلسلہ صدق نمبر ۲۲)

(از عبدالماجد)

ومن کان مریضا او علی سفر فعدۃ من ایام اخر یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر ولتکملوا العدۃ ولتکبروا اللہ علی ما ہدٰکم ولعلکم تشکرون

اور جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو (اس پر) دوسرے دنوں کا شمار رکھنا (لازم ہے)[۱۵۹]۔ اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا[۱۶۰]۔ اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو[۱۶۱]۔ اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی[۱۶۲] عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ[۱۶۳]

الشہر کوئی ملک اس دنیا کے پردہ پر ایسا بھی ہے، کہ وہاں انسانی آبادی ماقطوں بالفور شریعت کے مکلفوں کی ہے، وہاں کئی کئی مہینے آفتاب طلوع نہیں ہوتا، یا جب طلوع ہوتا ہے تو کئی کئی مہینے غروب نہیں ہوتا، تو ظاہر ہے کہ وہاں رویت ہلال کے انتیسویں دن یا تیسویں دن کے واقع ہونے کا کوئی امکان ہی نہیں۔ اور جب یہ نہیں تو وہاں شہود الشہر یعنی طلوع ماہ رمضان کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا ہے —— قرآن مجید کے اس اعجاز بلاغت کے قربان جایئے کہ صرف ایک لفظ شہد الشہر کے لے آنے سے کتنے سوالات اور شبہات کی جڑ کاٹ دی!

بطور تطوع یا بہ خیال تقویٰ کوئی وہاں بھی روزہ رکھنا چاہے تو سونے جاگنے، کھانے پینے، غرض دنیا کے اور سارے کاروبار کے لیے وہاں اوقات کا جو معیار ہو اسی انداز اور حساب سے روزہ بھی رکھ سکتا ہے۔

۱۵۸ ابتداء میں حکم صرف اسی قدر تھا کہ تندرست اور مقیم بھی جو ماہ رمضان میں روزہ نہ رکھنا چاہیں، قضا کر سکتے ہیں۔ جب آیت فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ نازل ہوئی، اسوقت سے تندرستوں اور مقیموں سے یہ اختیار چھن گیا۔ اور رمضان کے روزے انکے لیے اختیاری نہیں رہے، لازمی ہوگئے۔ لیکن مریضوں، ناتوانوں، مسافروں کے لیے قضا کا اختیار بدستور باقی رہا۔ آیت کے اسی جزو من کان مریضا الخ کو ایک بار پھر اسی لیے دوہرا دیا گیا کہ من شہد منکم الشہر فلیصمہ کی تعمیم سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ معذوروں سے بھی رعایت ختم کر دی گئی، اس لیے حکم کی تکرار صرف صوری اور ظاہری ہے۔ حقیقی اور معنوی نہیں۔

گو تکرار لفظا توہم نسخہ تعمیم من شہد (جلالین) مخصص للمرض المسافر المرض من شہد الشہر ولعل تکریرہ لذالک اولئلا یتوہم نسخہ (بیضاوی)

۱۵۸ چنانچہ شریعت اسلامی کے سارے احکام و قوانین اسی ایک اصل پر مبنی ہیں۔ اور خود اسی روزۂ رمضان کے معاملہ میں معذور کیسی گنجایش، کیسی سہولتیں رکھدی گئیں۔

حدیث میں یوں جو آیا ہے "دین اللہ یسر" وہ اسی آیت قرآنی کی شرح ہے۔ اور واقعی اگر غور کر کے دیکھا جائے تو شریعت کا ایک حکم بھی ایسا نہ ملیگا، جس میں عامل کے حالات، عمر، صحت، جنس، موسم اور دوسری مشکلات کا لحاظ نہ کر لیا گیا ہو۔ اور جو احکام بظاہر سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تہ میں بھی ہمیشہ یہی حقیقت پائی جائیگی کہ فرد یا امت کی راہ میں کچھ آسانیاں ہی پیدا ہوں۔

امت اسلامی کے فخر و مسرت کے لیے یہ کافی ہے کہ جو احکام غیروں کو سخت معلوم ہوتے ہیں، انکی تعمیل بھی ہی، اور آج ساڑھے تیرہ سو برس گزر جانے کے بعد، ساری مخالف فضا و ماحول کے باوجود، اس خوشدلی اور بے تکلفی کے ساتھ لگی ہوئی ہے کہ اغیار دیکھ دیکھ حیرت میں رہ رہ جاتے ہیں۔

مسز بیچر لکھتے ہیں:-

"روزہ کی سختیاں بدستور قائم ہیں۔ خواہ وہ کسی موسم میں بھی پڑیں، اور آج تک مشرق کے میدانوں میں، جلجلاتی ہوئی دھوپ، اور جھلساتی ہوئی سموم میں، گرمیوں کے لیے لمبے دنوں میں، مجمع کے مجمع، صبح سے شام تک پانی کا ایک قطرہ حلق کے نیچے نہیں اتارتے۔ ... اتنی سخت ریاضت، قوت ایمانی اور ضبط نفس کا پورا امتحان ہے" (لائف آف محمد، ص ۱۹۳)

۱۵۹ (ایام قضا کی)

یعنی جتنے روزے قضا ہو جائیں انکی تکمیل کر لو، تو پورا پورا اجر روزوں کا مل جائیگا۔

ولتکملوا نحوی اعتبار سے یرید اللہ کے ہے، اور عطف الیسر پر ہے یجوز ان یعطف علی الیسر ای ویرید بکم لتکملوا (بیضاوی)

۱۶۰ (تمہارے ہی نفع اور فلاح کی)

اور راہ بھی ایسی جس میں زیادہ مشقت و تعب، بلکہ ہر ایک کے حالات کی پوری پوری رعایت۔

۱۶۱ شکر گزار بنجانے کا کتنا آسان نسخہ اللہ کی نعمتوں کا مراقبہ ہے۔ بندہ بس اسی پر غور کرتا رہے کہ اللہ نے شریعت اسلامی کے ذریعہ کیسے کیسے پر سہولت طریقے اسکے نفع اور زجر کے بتا دیے ہیں!

۱۶۲ (اے پیغمبر!)

عنی یعنی میرے قرب و بعد سے متعلق

اقریب ربنا فنناجیہ ام بعید فنناد یہ (بیضاوی)

گمراہ قوموں نے باری تعالیٰ کے وجود کا اقرار تو بار ہا کیا ہے لیکن ذات باری

اسلامی سیاسی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

(مسلسل)

افادہ: علامہ مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ

"اسلامی معاشیات" کے عنوان سے میرے مضامین کا ایک طویل سلسلہ پچھلے چند سالوں میں شمال و جنوب کے مختلف علمی مجلات میں شائع ہوتا رہا ہے اور عنقریب میری ضخیم کتاب جو تقریباً ہزار بارہ سو صفحات پر ختم ہوگی۔ ان ہی مسائل کے متعلق انشاء اللہ پریس سے نکلنے والی بھی ہے۔ اس کتاب سے معلوم ہوگا کہ بنی نوع انسانی کی معیشت صالحہ کی اساسی بنیاد کس چیز کو قرار دیا جائے؟ آدمی آدمی ہی ہے آدمی ہونے کے سوا وہ اور کچھ نہیں ہے۔ نہ وہ شیر ہے اور نہ ہاتھی۔ نہ بکری ہے نہ بیل۔ آیا اس مشاہدہ اور واقعہ کو اسکی بنیاد بنایا جائے؟ یا سب کو غریب بنا کر امیر سے امیر بنتے چلے جانے کی نہ بجھنے والی جھوٹی غیر ضروری پیاس ملک کے چند ایسوں میں جو کبھی کسی وجہ سے بھڑک اٹھتی ہے، محض اسی جھوٹی غیر فطری پیاس کی جھوٹی تسلی کے لیے یہ فرض کر لیا جائے جیسا کہ یورپ و امریکہ کے سرمایہ دار ممالک میں کچھ دن پہلے فرض کر لیا گیا تھا کہ آدمی آدمی نہیں بلکہ جنگل کا کوئی بھیڑیا، اور کچھاروں میں زندگی گزارنے والا وہ کوئی شیر ہے۔ طے کر دیا گیا تھا کہ کمزوروں کو فنا کرکے اپنی بقا و ارتقاء کا سامان پیدا کرنا اسکا قدرتی حق ہے۔

یا پھر یہ کہ کر سب چونکہ امیر نہیں بن سکتے، اس لیے سب کو غریب بنا دینے کی جو جبری تحریک ان ہی ممالک کے بعض علاقوں میں شروع ہوئی ہے، اور اسی عام غربت کی دھمکیاں دوسرے ملکوں کو دی جا رہی ہیں کیا غریب بنانے کی اسی جابرانہ مہم کو جائز ٹھہرا سکتے ہیں؟ فرض کیا جائے کہ بجائے آدمی ہونے کے آدمی ایک قسم کی بکری یا گائے بھیڑ ہے یعنی ان ہی جانوروں میں سے ایک جانور آدمی بھی ہے جن کے ہر فرد کو گھاس چارہ، پانی وغیرہ ضروریات زندگی کی وہی مقدار ملتی ہے جو اسی صنف کے دوسرے افراد پا رہے ہیں جسمانی و دماغی، اخلاقی، الغرض زندگی کے اکثر و بیشتر شعبوں میں صفات و کمالات کے لحاظ سے جو پیدائشی تفاوت بنی نوع انسانی کے مختلف افراد میں پایا جا رہا ہے اور تفاوت کے اسی قدرتی قانون نے انکی زندگیوں میں جو تفاوت پیدا کر دیا ہے ایسا تفاوت جسے جھٹلایا نہیں جا سکتا یا وہ کر دیا گیا ہے کہ وہی جھٹلا دیا گیا یا قریب ہے کہ اسے جھٹلا دیا جائے۔ کیڑوں مکوڑوں، جونکوں، تتلیوں، چیونٹیوں، مینڈکوں، گدھوں، کبوتروں، طوطوں، مینوں، گایوں، بکریوں، الغرض انسان کے سوا زمین کے اس کرہ کے عام باشندوں کی طرح جس معاشی نظام کا پابند بنا کر پیدا کرنے والے نے پیدا کیا ہو ان سینوں میں دلوں کے متعلق ان بدگمانیوں کی چنگاریاں سلگائی جا رہی ہیں کہ اسی قادر علی الاطلاق کا زبردست اقتدار اپنی لامحدود قدرت صرف بنی نوع انسانی کو معیشت کے اس نظام کا پابند بنانے کی کوشش میں ناکام رہی۔ گویا پیدا کرنے والا جس مہم میں ناکام رہا اب اسی میں کامیاب ہونے کی کوشش خود پیدا کیے جانے والے کر رہے ہیں

بہر حال بنی نوع انسانی کے معاشی نظام کی بنیاد کے متعلق قرآن نے جو جواب دیا ہے اور اپنی مخصوص اندرونی و بیرونی خصوصیتوں کی امداد سے آدمی زندگی کے موجودہ دور (یعنی الحیوٰۃ الدنیا) میں نفع اٹھا رہا ہے۔ انکی نوعیت کیا ہے۔ نیز اسی "الحیوٰۃ الدنیا" کے بسر کرنے کے لیے زمین کے اس کرہ پر اذوقہ کا جو سرمایہ قدرتی پیداواروں کی شکل میں اسے عطا کیا گیا ہے انکی پیدائش کس پیمانہ پر ہو رہی ہے؟ کیا یہ کوئی ایسا سلسلہ ہے، جس سے آدمی چاہے تو اپنے لیے اور اپنے ابنائے جنس کے ہر ہر فرد کے لیے رزق مبسوط پیدا کر سکتا ہے؟ قرآن نے اسکا کیا جواب دیا ہے۔ خود اس رزق مبسوط اور اسی کے بالمقابل رزق مقدور کی اصطلاح کا کیا مطلب ہے؟ خلاصہ یہ ہے کہ قرآنی آیات

واللّٰہ فضّل بعضکم علیٰ بعض فی الرزق	اللہ ہی نے تم میں بعض کو بعض پر از قبیل (روزی) میں برتری عطا فرمائی ہے۔
ولا تتمنوا ما فضّل اللّٰہ بہ بعضکم علیٰ بعض	اور بعض کو بعض پر جو برتری عطا کی گئی ہے اسکی تمنا نہ کیا کرو
اسی طرح بیسیوں جگہ واللّٰہ یبسط الرزق لمن یشاء و یقدر	اور اللہ ہی کشادہ کرتا ہے روزی کو جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ فرماتا ہے جسے چاہتا ہے

کا قرآن نے بار بار اعادہ کرکے اس حقیقت کا جو اعلان کرایا گیا ہے کہ "الرزق" میں بسط و قدر یعنی کشادگی اور تنگی کے متعلق یہ خیال کرنا کہ ہمیشہ انسانوں ہی کی مصنوعی تدبیروں سے یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے صحیح نہیں ہے بلکہ ایک خاص نصب العین کی تکمیل قدرتی مدارج و مراتب کے امتحانات سے مقصود ہے۔ رزق کی دونوں کیفیتیں اپنے ساتھ کچھ مخصوص ذمہ داریاں بھی رکھتی ہیں۔ ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی مخلصانہ کوشش اجتماعی حیثیت سے انسانی زندگی کے موجودہ دور کو بھی خوشگوار بنا دیتی ہے، اور آخرت کی آنے والی دوسری زندگی میں اپنے ثمرات و نتائج کا مشاہدہ بھی ثابت کر دیگا کہ رزق کی یہ دونوں حالتیں کتنی مبارک و مسعود تھیں۔ اسی طرح ان دونوں کیفیتوں کے غلط استعمال کے غلط نتائج کے جن خمیازوں کو نسل انسانی بھگتتی

رہتا ہے، اور غلطیوں پر جب تک اصرار اسکا باقی ہے محکلبنی رہتی۔ اس زندگی میں بھی اور آنے والی زندگی میں بھی۔ انکی تفصیلات گیا ہیں۔ ارشاد ربانی

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض	اور اگر اللہ رزق کو اپنے بندوں پر اتنا مبسوط بنا دیں تو زمین میں سرکشی کرنے لگیں

پھر قرآن نے ان غلطیوں کی اصلاح کی جو تدبیریں بتائی ہیں، ربوا (سودی کاروبار) اور اسکی مختلف شکلوں کا انسداد کرکے جن معاشی مفاسد کو اسلام نے روکا ہے، اُخروی سزاؤں اور دھمکیوں کے ساتھ ساتھ دنیا میں بھی اسلامی حکومتوں کو انسداد ربوا پر آمادہ کرنا، سود خواروں کو مسلمانوں اور مسلمانوں کی حکومتوں کی طرف سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اعلان جنگ دیدینا، ہر قسم کی مذہبی آزادی عطا کرتے ہوئے غیر مسلم رعایا کو خصوصیت کے ساتھ اس پر مجبور کرنا کہ نہ مسلمانوں سے اسلامی قلمرو میں انکو سودی لین دین کی اجازت دی جا سکتی ہے اور نہ باہم غیر مسلموں سے وہ اس چیز کو روا کر سکتے ہیں۔ مالی، جانی، عزتی ذمہ داریاں جو غیر مسلم رعایا کی اپنے سر اسلامی حکومت لیتی ہے ان ساری ذمہ داریوں کو اسی کے ساتھ مشروط کر دینا یعنی سود لینے کے ساتھ ہی وہ سارا معاہدہ قطعی طور پر ختم ہو جائیگا[1] ایک طرف ربوا اور سود کے دروازے کو بند کرکے شرکت قراض، مضاربت، سلم اور دوسرے ایسے مختلف کاروباری ابواب کو کھلا رکھنا جنکے ذریعہ سے انکے بچے ہوئے فاضل سرمایہ سے بڑے بڑے پیمانہ پر پیداوار کا امکان باقی رہتا ہے، اس کے ساتھ بجائے ساہوکار کے قرض کو نیکی اور صدقات و خیرات کے ذیل میں داخل کر دینا، اور ہر مرنے والے کی موت پر اسکے چھوڑے ہوئے سرمایہ کی ایسے اصول پر تقسیم کہ ایک طرف رزق کے سمٹی محدود کی اسکے ذریعہ سے مسلسل حد بندی بھی ہوتی چلی جاتی ہے اور دوسری طرف مرنے والے کے جانشینوں میں سے ہر ایک تک سرمایہ کی ایک خاص مقدار پہنچ جاتی ہے۔ چاہنے والے اگر چاہیں تو انکو پونجی بنا کر زائد آمدنی کا ذریعہ بنا سکتے ہیں۔ پھر تاذوہ احتکار[2]، بیع الحاضر للباد، تلقی جلب وغیرہ قوانین کے ذریعہ سے حکومت کو اور مرتشہ یہ کرنا کہ تجارتی کاروبار میں بھی عوام کے مصالح و مفاد کی نگرانی حکومت کے فرائض میں ہے، اور صرف یہی نہیں، بلکہ فتوحات کے بعد پیداوار کا سب سے بڑا ذریعہ جب مفتوحہ زمینیں بن گئیں، تو ابتداءِ اسلام ہی میں اس سوال کا اُٹھنا کہ پیداوار کے اس بڑے ذریعہ کو آیا شخصی ملکیتوں میں دیدیا جائے یا حکومت اسکو اپنی نگرانی میں لے لے؟ چند صحابہ کے اختلاف کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر اصحاب (حضرت علی، حضرت معاذ، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح) کی تائید سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اپنے اس فیصلہ کو نافذ فرمانا کہ آج اشخاص پر ان زمینوں کو اگر تقسیم کر دیا جائیگا، تو مسلمانوں کی آیندہ آنے والی نسلیں پائیں گی کہ انکے لیے کچھ بھی باقی نہیں رکھا گیا ہے۔ اور اسکے بعد آمدنی کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو حکومت کا اپنے ہاتھ میں لے لینا، بلکہ اس سلسلہ میں جو اس واقعہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ قادسیہ کی مشہور جنگ جسکے بعد عراق کی سرزمین جسے السواد کہتے تھے، مسلمانوں کے قبضہ میں آگئی۔ چونکہ قادسیہ کی مہم میں جانیوالی فوج کا چوتھائی حصہ قبیلہ بجیلہ کا تھا جسکے سردار حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے، اس لیے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شروع میں السواد کی زمین کا چوتھائی حصہ قبیلہ بجیلہ کے سپرد کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ دو سال یا تین سال تک بجیلہ والے اس پر قابض بھی رہے، لیکن جب آخر میں یہ طے پا گیا کہ مسلمانوں کی آمدنی کے اس سب سے بڑے ذریعہ کو حکومت براہ راست اپنی نگرانی میں لے لے، تو حضرت عمر نے حضرت جریر بن عبداللہ (رئیس قبیلہ) کو آمادہ کیا کہ انکے قبیلے والے اس زمین سے اپنا قبضہ اٹھا کر حکومت کے سپرد کر دیں۔ حضرت جریر اس پر راضی ہو گئے۔ اور السواد کا یہ حصہ بھی حکومت کی زیر نگرانی آ گیا۔ کہتے ہیں کہ قبیلہ بجیلہ کی ایک عورت جنکا نام اُم کرز تھا، انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ میرا باپ جنگ میں کام آیا ہے اور میرا حصہ سواد کی زمین میں ثابت ہو چکا ہے، میں اس سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اُم کرز! تمھاری قوم جیسا کہ تم جانتی ہو، اپنے حصہ سے دست بردار ہو چکی ہے، پھر تمھیں کیوں عذر ہے۔ اُم کرز نے کہا کہ قوم کے لوگوں نے خواہ کچھ ہی کیا ہو، لیکن جناب میں تو اُس وقت تک اپنے حصہ کو حکومت کے سپرد نہیں کر سکتی جب تک مجھے ایک سدھی ہوئی اونٹنی جس پر سرخ خوگیر کسی ہوئی ہو اس طور پر نہ ملے کہ میری دونوں مٹھیاں سونے سے بھر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اُم کرز کی اس خواہش کی تکمیل کر دی۔ کہتے ہیں کہ مٹھی میں جو سونا بھر گیا تھا، جب اُم کرز نے اُسے گنا تو معلوم ہوا کہ اسّی اشرفیاں اُنکے ہاتھ پڑیں۔

(باقی آیندہ)

---

[1] نجران کے عیسائیوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو معاہدہ فرمایا تھا، اس میں منجملہ دیگر دفعات کے ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ سودی کاروبار کرنے کے ساتھ ہی ذمہ کا یہ عہد ختم ہو جائیگا۔ ۱۲

[2] اسلام کے معاشی ابواب کی یہ چند خاص اصطلاحیں ہیں۔ احتکار کی اصطلاح تو اُردو میں بھی مستعمل و مشہور ہے۔ یعنی گرانی کے انتظار میں غلہ وغیرہ کو بیوپاری جو روک لیتے ہیں۔ اسی طرح بازار میں آنے سے پہلے آگے بڑھ کر بازار میں بکنے والی چیزوں کو اس غرض سے خرید لینا کہ عوام سے من مانگے دام اس طریقے سے ہم وصول کر سکتے ہیں۔ آجکل منوپولی اور سول ایجنسی وغیرہ کے ذریعہ سے جن فاسد اغراض کی تکمیل عام پبلک کے مفاد کے مقابلہ میں سوداگر کرتے ہیں، ان ہی کی عربی صورتوں کا نام تلقی جلب بیع الحاضر للباد وغیرہ ہے۔ ۱۲

علوم عربی اور امراے زمانہ

نمبر (۷)

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب۔ جھنڈے نگر۔ ضلع بستی)

مسئلہ تعلیم پر غور کی ضرورت

آخر میں چلتے چلتے ہماری گزارش ارباب مدارس و صاحبان علم و فضل سے یہ ہے کہ موجودہ نصاب اور درس نظامیہ کے موجودہ کتابوں میں حسن ذوق و حسن اخیرہ کا فرق کر دیا جائے۔ ملا نظام الدین مرحوم مغفور کے عہد کا تقاضہ شاید یہی رہا ہو جو اب درس نظامیہ کی شکل میں نظر آ رہا ہے لیکن ہم تو اب جس دور سے گزر رہے ہیں اس میں ضروریات دینیہ کے لحاظ سے ہمیں اپنے نصاب کے اندر بہت کچھ تبدیلی کی ضرورت نظر آ رہی ہے۔ کتب فلسفہ و منطق جسے ہم نے علوم عالیہ سمجھا تھا، آج ہمارے نصابوں میں علوم عالیہ (قرآن و حدیث) سے بھی زیادہ اس کے ذخیرے نظر آتے ہیں۔ تفسیر میں صرف جلالین کے کچھ پارے، بخاری شریف کا ایک دو پارہ تبرکاً نصاب کا حاصل ہے۔ برخلاف کتب معقولات کے کہ اس میں منطق میں شرح تہذیب، قطبی، سلم، میرزاہد، قاضی وغیرہ۔ فلسفہ میں شرح ہدایت الحکمت، میبذی، صدرا، شرح مواقف، اشارات وغیرہ وغیرہ ضرورت سے زیادہ کتابیں موجود ہیں۔ آج بلاشبہ ان میں ترمیم تبدیل کی سخت ضرورت ہے۔ اور انکی جگہ پر علم ادب (تاریخ و تفسیر) شعبہ کے اضافہ کی سخت حاجت ہے۔ فلسفۂ قدیم کی موجودہ کتابوں میں توغل و انہماک اور اشتغال کو بڑی حد تک کم کرنے کی ضرورت ہے۔ حالی رحمۃ اللہ علیہ اگرچہ معقولات قدیم کی تردید میں یہ اشعار لکھ گئے ہیں کہ ؎

اب اس فلسفہ پر جو ہیں مرنے والے — شفا اور مجسطی کا دم بھرنے والے
ارسطو کی پرکھٹ پہ سر دھرنے والے — فلاطون کی اقتدا کرنے والے
وہ تیلی کے کچھ بیل سے کم نہیں ہیں
پھرے عمر بھر اور جہاں تھے وہیں ہیں
دلیلیں ہیں سب آج بیکار انکی — نہیں چلتی توپوں میں تلوار انکی

لیکن ہم اسے مولانا حالی کی زیادتی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ فلسفۂ قدیم کے سارے نظریات و اصول آج بھی بیکار و غلط ثابت نہیں کیے جا سکتے۔ حدوث مادہ اور ابطال جزء لا یتجزی اور قدم خالق کے مسائل آج بھی مدلل (ناقابل ترمیم) و مبرہن ہیں۔ ہاں بہت سے مسائل مثلاً عقول عشرہ کی تحدید اور الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد وغیرہ کے غلط بھی ہیں۔ جن پر علامہ ابوالبرکات صاحب کتاب المعتبر نے خوب سیر حاصل بحث کی ہے لیکن اس سلسلہ کے پیش نظر سائنس جدید کے نظریات بھی آج [illegible] مکمل ہو چکے ہیں جو ہم اسے اعتقاد کی

کریں۔ نظریۂ اضافیت پر کیا سب متحد ہیں؟ کیا طریقۂ ارتقاء پر سب کا اجماع ہو چکا ہے؟ کیا ماہرین سائنس آج اپنے سب مسائل میں اتفاق رکھتے ہیں۔ علاوہ ازیں یہ بھی سوچیے کہ بالفرض سائنس قدیم کو اگر بیسویں صدی کے جدید سائنس نے غلط ہی کر دیا ہے تو کیا بیسویں صدی کے سائنس کی نسبت اطمینان ہو چکا ہے کہ آئندہ اور اس کے بعد والی صدیاں اس سے قطعاً متفق رہیں گی جبکہ ہم ان میں نظریۂ اضافیت وغیرہ کی تعبیروں میں خود آج بھی اتفاق نہیں دیکھ رہے ہیں۔ غرض یہ ہے کہ موجودہ سائنس کے متعلق قطعاً غور طلب دلائل کے اٹل اور محکم ہونے کا کوئی صحیح موازنہ اور فیصلہ نہیں ہو سکتا اور سائنس جدید کے ارباب فکر و نظر کا موجودہ اختلافات خود ایک محاکمہ کو چاہتا ہے تاکہ کسی تھیوری کے صحیح یا غلط ہونے پر دلائل اپنی پوری واقفیت کی بنا پر قائم کیا جا سکے۔ تازہ ترین تحقیقات و معلومات کا ایک مجموعہ آٹھ ضخیم جلدوں میں امریکہ سے شائع ہوا ہے۔ اسکی آخری جلد میں ایک باب ہے "نیو فلاسفی آف سائنس" یعنی سائنس کے فلسفۂ جدید پر۔ اسکا اقتباس ملاحظہ ہو:-

"جوں جوں ہم مطالعہ فطرت میں بڑھتے جاتے ہیں، اپنی جہالت ہم پر زیادہ روشن ہوتی جاتی ہے۔ ہر عقدہ کشائی کے بعد نئے عقدے سامنے آنے لگتے ہیں۔ جہاں تک آخری اسرار کائنات کے حل کا تعلق ہے ہم وہیں ہیں جہاں ارسطا طالیس اور فیثا غورث تھے۔ اور آخری حل کی تلاش اختلال زدہ دماغ کی نشانی ہے۔ بیسویں صدی کی ترقی انیسویں صدی کی ترقی کا تسلسل ہی ہے"

اس اقتباس سے معلوم ہوا کہ موجودہ تحقیقات و نظریات آخری و انقطاعی نہیں ہیں، اہل سائنس خود اسکو اب تک قابل اعتماد اور مکمل نہیں سمجھتے۔ (ایونیورسل ہسٹری آف دی ورلڈ جلد صفحہ ۵۰۱۲ بحوالہ صدق ۱۱ جولائی [illegible])

الغرض حقائق شرعیہ کے مقابلہ میں نہ فلسفۂ قدیم کو لایا جا سکتا ہے نہ فلسفۂ جدید کو ؎

نگہ ہو یا مژہ ہو ہم تو دونوں کو بلا سمجھے

غرض ہماری معروضات سے یہ ہے کہ دونوں کے حقائق و نظریات کو محکم اور اٹل ہونے کی حیثیت سے ہم نہیں پیش کر سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلسفۂ قدیم کو سائنس جدید نے توڑ دیا ہے، کیونکہ یہ تو اب تک اکثر مسائل میں وہی ہیں جہاں ارسطا طالیس (ارسطو) تھے تو پھر ارسطو کے پرکھٹ پہ سر دھرنے والے یہ بھی ٹھہرے۔ بس کتب معقولات میں کچھ کمی کرنے کی رائے محض اس لیے ہے کہ علوم عالیہ کتب تفسیر و سیر و فنون ضروریہ اور زیادہ اس میں جگہ پا سکیں۔ کلامی مسائل کے فہم اور تشحیذ اذہان اور قوت تکلم کے خاطر بقدر ضرورت کتب منطق و فلسفہ پر کفایت کی جائے اور [illegible]
[illegible] تفسیر سیر اور اسکے اصول کی کتابیں تاریخ [illegible]

رکھدی جائیں تو تھوڑے وقت میں نتیجہ خیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔

امرائے زمانہ کی شکایت

امراء و پارٹی سے ہماری گزارش ہے کہ وہ اپنے بچوں کو عربی کی تعلیم دلائیں انکے عربی میں لیاقت پیدا کرنے سے اسلام کو زیادہ فائدہ پہنچنے کی توقع ہے کیونکہ انکو مطالعہ کی فرصت، کتابوں کے خریدنے کی قیمت دونوں حاصل ہیں۔ اس سہولت اور فرصت کی بنا پر وہ زیادہ سے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ لیکن امرائے زمانہ کی بے توجہی کا یہ عالم ہے کہ مولانا شبلی کو اپنے وقت میں لکھنا پڑا کہ آریہ (انگریزی تعلیم میں) اس تیزی سے ترقی کر رہے ہیں کہ مسلمان انکی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتے تاہم وہ گروکل (مذہبی اسکول) قائم کر رہے ہیں جو سنسکرت کی تعلیم سے مخصوص ہے اور جسکا مقصد صرف اپنے مذہب اور اپنے لٹریچر کی حفاظت و اشاعت ہے۔ اس گروکل میں جو لڑکے داخل ہوتے ہیں، پچیس برس کی عمر تک اُس میں تعلیم دی جاتی ہے۔ انکو سادہ اور خشک غذا ملتی ہے۔ کمری کے بنے ہوئے تخت سونے کو ملتے ہیں۔ اس جفاکشی اور سخت تعلیم کے باوجود تین سو دولتمندوں نے اپنے بچے اس میں بھیجے ہیں اور باقاعدہ ماہوار اپنے بچوں کا خرچ دیتے ہیں۔ غرض انگریزی کالج اپنی دنیا طلبی یا دنیوی کی حاجت ہے آریوں کو یہ اپنی انگریزی دانی گروکل کی ضرورت ہے تو خوشحال مسلمانوں کو بھی دنیا کے ساتھ ساتھ عربی اور مذہبی تعلیم کی ضرورت ہے۔ اور یہ ضرورت اُسوقت تک باقی رہیگی جب تک مسلمان قوم کا باقی رہنا ضروری ہے۔" (رسالہ ندوہ ۱۰ اگست ۱۹۱۱ء)

سچ ہے ؎

قوم مذہب سے ہے مذہب جو نہیں تم بھی نہیں
جذب باہم جو نہیں محفل انجم بھی نہیں

مولانا سید سلیمان ندوی کی بھی عصر حاضر کے امراء کے متعلق شکایت سنتے چلیے۔ فرماتے ہیں "یہ بات افسوس کے ساتھ دیکھی جا رہی ہے کہ اعلیٰ گھرانوں سے عربی تعلیم بالکل فنا ہو گئی ہے، اور گویا مذہبی تعلیم کا سارا بوجھ غریبوں کے کندھوں پر رہ گیا ہے۔ کیا کھاتے پیتے گھرانوں نے امت محمدیہ کے دفتر سے اپنا نام کٹا دیا ہے، یا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رزق کا دروازہ صرف رومن حروف کی تعلیم کے ذریعہ ہی کھل سکتا ہے، حالانکہ صاف نظر آ رہا ہے کہ یہ جدید تعلیم اس دروازہ کے کھولنے سے عاجز ہے۔ مسلمان حیرت سے سنیں کہ ہمارے ہندو ہموطنوں کے سامنے اب یہ تجویز ہے کہ اسکول کے ابتدائی درجوں میں معمولی سنسکرت کی تعلیم لازمی کر دی جائے۔ دوسری طرف ہم مسلمان ہیں کہ روز بروز دینی مذہبی زبان سے دور ہوتے جاتے ہیں۔ سارے عربی مدرسوں کا جائزہ لے لیجیے شاید ہی کسی دولتمند رئیس یا اعلیٰ شریف گھرانے کے لڑکوں کو آپ علم عربی میں مصروف پائیں گے۔" (معارف، بابت ماہ نومبر ۳۹ء)

اگر ودر سند چاہیے تو ایک سند اور لیتے چلیے۔ نواب مہدی یار جنگ جو ملکت آصفیہ دکن کے سررشتہ تعلیم کے موجودہ ناظم ہیں انھوں نے اپنے والد ماجد نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی سے متعلق ہمارے کہا کہ نواب عماد الملک مرحوم کسی مسلمان کو تعلیم یافتہ نہیں سمجھتے تھے جب تک وہ عربی نہ پڑھے۔ یہ وہی نواب عماد الملک ہیں جو چوٹی کے انگریزی داں اور بڑے صاحب رسیدہ انگریزی زبان کے ماہر وزیر ہند کی کونسل کے ممبر تھے۔ انکا خیال ہے کہ بغیر عربی تعلیم کے حاصل کیے تعلیم یافتہ کا لقب انسان کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ دنیاوی تعلقات اور دنیا سازی ضرورت کے پیش نظر انگریزی بھی پڑھ لیجیے لیکن بغیر عربی کے چارہ نہیں۔" (صدق لکھنؤ فروری ۱۹۴۰ء بحوالہ رہبر دکن) خلاصہ بحث یہ ہے کہ عربی تعلیم مسلمان قوم کی زندگی کے لیے ہوا میں سانس لینے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ غور کیجیے، اپنے بچوں کو پڑھانے اور قومی جماعتی دینی کاموں کو ترقی پر پہنچانے میں آپ کو اگر اپنے مذہب کے علوم و فنون پر روپیہ خرچ کرنا پڑتا ہے تو یہ بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ کے ابنائے وطن اپنے قومی کاموں میں لاکھوں کروڑوں روپیہ اپنے مذہب و تہذیب کے نام پر خرچ کر رہے ہیں اس موقع پر ارشاد ہے ان تکونوا تالمون فانہم یالمون کما تالمون وترجون من اللہ ما لا یرجون (سورۂ نساء پارہ ۵)

(باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

جدید ترین تحقیق یہی ہے۔ لیکن پرانے محققین کے نزدیک گل وذی تھے۔ اور خود بائبل سے بھی اسکی تائید نکلتی ہے۔ بہرحال وہ ثابت ہوں یا چار یا ایک یا دس۔ قرآن مجید کے بیان پر تو کوئی اثر کسی تعداد کو بھی مان کر پڑتا نہیں۔ البتہ یہ بحث تاریخی اہمیت رکھتی ہے۔

(۲) فراعنۂ مصر سورج دیوتا (رع) کے اوتار سمجھے جاتے تھے۔

اور یہی مصر کا سب سے بڑا دیوتا تھا (جیسے آج جاپان میں میکاڈو بادشاہ جاپان سورج دیوی کا اوتار سمجھا جاتا ہے) اور جب یہ خود اسکے اوتار رہتے، تو انکے ساتھ معاملہ بھی وہی کیا جاتا تھا جو دیوتاؤں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ سجدہ کی جو اہمیت سوال سے ظاہر ہوتی ہے، وہ تو صرف اسلامی احول اور اسلامی تربیت کا نتیجہ ہے، ورنہ مشرک قوموں میں "پاؤں پڑنا" تو ایک معمولی اور ادنیٰ تعظیمی رسم ہے، ہر بزرگ کو اسکا مستحق سمجھا جاتا ہے۔

بنی اسرائیل کا طرز عمل اس باب میں کیا تھا، اسکی تصریح تو کسی کتاب میں نظر سے گزرتا اسوقت یاد نہیں پڑتا۔ لیکن عام حالات کی بنا پر بالکل ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل ان تمام مشرکانہ رسوم سے الگ تھے۔ اور نہ ان اعمال کی توقع اُن سے کی جاتی تھی۔ اور اگر ان چیزوں میں شریک ہو جاتے تو پھر اتنے مظلوم ہی کیوں رہتے۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے، دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

ج ۔ یہ تو ایسی ہی بات ہوئی کہ کوئی مریض دوا کے پینے سے انکار کردے۔

اوراد میں اخلاص جسکا ذکر اوپر آچکا ہے، اسکی آزمایش کے بھی موقع ہوتے ہیں۔ طبیعت کو اپنے اوپر حاکم بنا لینے کے معنی یہ ہیں کہ شیخ و مصلح کوئی اور نہیں، بلکہ وہی مریض اور اعتدال سے منحرف طبیعت ہے۔

س ۔ چند دن سے معمول ہوگیا تھا کہ روزانہ قرآن پاک کا آدھا یا نصف پڑھ لیا کرتا تھا۔ مگر ادھر تین دن سے مطلق توفیق نہیں ہو رہی ہے۔ اور طبیعت میں ایک قسم کا ہیجان اور پریشانی ہے۔

ج ۔ قرآن مجید کی تلاوت تو خود ایک علاج خفقان کا ہے۔ اسکا چھوڑنا عین بیماری کے وقت دوا کا چھوڑ دینا ہے۔

خفقان اور اختلاج اکثر مادی وجسمانی بیماریوں سے پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ صورت ہو تو توجہ ان جسمانی امراض کی طرف کرنا لازمی ہے۔ قرآن مجید میں اگر یوں عام طور سے دل نہ لگتا ہو، تو ایسی کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، جو قرآن کی طرف لے جانے والی ہیں۔ مثلاً حکیم الامت کے مواعظ، امام غزالیؒ کی تصانیف، کسی اور اہل اللہ کے مقالات، ملفوظات۔ ایسی چیزیں ذہن کے اردگرد ایک قرآنی فضا تیار کرتی ہیں۔

س ۔ نماز کی باقاعدہ ادائگی میں ایک مانع یہ ہوتا ہے کہ مسجد سے دُور کوئی جلسہ ہو رہا ہے۔ نماز کیلیے جلسہ ملتوی نہیں ہوتا لیکن نماز پڑھنے والے جو جلسہ گاہ کو چھوڑے بغیر نماز پڑھنا چاہتے ہیں وضو کا انتظام مفقود پاکر نماز کھو دیتے ہیں۔ ان حالات میں تیمم کی اجازت ہو تو بہت لوگ نماز پڑھ لیں اور فرض کی ادائی میں کوتاہی سے بچ جائیں۔ اس بارے میں کیا ارشاد ہے؟ کیا فلم تجدوا ماءً کے الفاظ کا ان حالات پر اطلاق ہے؟

ج ۔ پانی نہ ملنے کی صورت کا کوئی معیار تو بہرحال قائم کرنا ہوگا، اور دشواری کا کوئی معتدبہ درجہ تو بہرحال رکھنا ہوگا۔ ورنہ اگر ہر خفیف اور برائے نام دقت کو بھی کافی عذر ٹھہرا لیا گیا، تو پھر وضو کا حکم قطعاً معطل ہوکر رہیگا۔ جلسہ گاہوں یا انکے قرب وجوار میں مل جانا کچھ ایسا دشوار تو نہیں۔ تھوڑی سی توجہ وانتظام کے بعد ہر جلسہ گاہ میں پانی میسر آسکتا ہے۔ شریعت اپنے پیرووں سے کسی غیر معمولی مطالبہ کی تو نہیں، بلکہ تھوڑی سی ہمت، مستعدی اور احساس کی ہر وقت بیداری چاہتی ہے۔

ہاں اگر کہیں بطور استثناء واقعی زیادہ دشواری پانی کی فراہمی میں پیش آرہی ہو یا پانی تک پہنچنے کا فاصلہ بہت زائد ہو، تو گنجائش تیمم کی نکل آئیگی۔ انتہائی ضرورت میں تو ترک نماز سے تیمم والی نماز بہرحال بہتر ہے۔ لیکن مناسب ہوگا کہ کسی صاحب فہم فقیہ سے بھی مشورہ کرلیا جائے۔ (صاحب فہم کی قید ضروری ہے)

نیا مطالبہ

حکم ہوا ہے کہ اتحادی فوجوں کے تمام شادی شدہ مردوں کو یہ حق ہے کہ وہ اپنے جذبات شہوانیت کی تسکین میں بالکل آزاد ہیں۔ یورپ میں لاکھوں مرد لڑائی میں کام آگئے۔ جسکے نتیجہ میں غول کے غول عورتیں بیکار پھر رہی ہیں۔ جس سے انحراف کے نتیجوں سے گویا ازراہ ہمدردی یہ حکم نافذ کیا ہے کہ اگر اتحادی فوجوں کے مرد سپاہی چاہیں تو یورپ والیوں سے آزادی سے مل سکتے ہیں۔

مگر اس قسم کی رنگ رلیوں میں ایک قباحت یہ ہوا کرتی ہے کہ چند خبیث قسم کی جنسی بیماریاں آدمی کو لگ جاتی ہیں۔ لیکن سائنس کی ترقیوں کا زمانہ ہے۔ اس لیے ڈاکٹروں کو خاص طور سے ہدایت ہوئی ہے کہ وہ ان امراض سے بچانے کی تدبیریں بتاتے رہیں۔ یعنی اخلاقی عفونت کو روکنے کے قدرتی طریقوں کو ناکام بناتے رہیں۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ مزے کی دلیل یہ دی جارہی ہے کہ اس طرح فاتح ومفتوح کے درمیان بھائی چارگی کے تعلقات مضبوط ہونگے اور اخوت وبرادری کے روابط بڑھیں گے۔ چنانچہ آجکل پردہ زن وشوہر کے ساتھ یہ روابط بڑھائے جارہے ہیں۔ ہر گلی میں میخانہ آباد ہے اور ساقی کی چشم مست سے رندان قدح خوار کی تمام دلی مرادیں پوری ہو رہی ہیں۔ میکشوں کو اذن عام ہے کہ بادۂ حسن وعیش کے چھلکتے ہوئے جام جہاں کہیں پائیں، اٹھا لائیں۔

مگر رندی وہوسناکی کی یہ اجازت صرف فاتح فوجوں کے مردوں کو عطا کی گئی ہے لیکن شیطان کی دکان پر مرد وعورت کی تخصیص کوئی معنی نہیں رکھتی اس لیے انگلستان کی عورتوں کی طرف سے احتجاج پر احتجاج ہو رہے ہیں کہ میکدے کی کنجیاں ہمارے سپرد بھی کرو۔ کہا جاتا ہے کہ مرد اور عورت برابری کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس لیے کیا وجہ ہے کہ مردوں کو تو بھائی چارگی کی اجازت ہے مگر ہم عورتیں اس سے محروم ہیں۔

مسز ڈوراتھی ولسن نے اس آواز کو بڑے زور وشور سے اٹھایا ہے۔ آپ شادی شدہ عورتوں کی ایک انجمن کی سرگرم ممبر ہیں۔ ایک فوجی افسر کی بیوی ہیں، اور خیر سے دو بچوں کی ماں بھی ہیں۔ آپ فرماتی ہیں کہ "اگر جرمنی کی عورتوں کے ساتھ ہمارے مردوں کا آزادانہ میل جول باہمی بھائی چارگی کو پیدا کرنے میں مدد دے سکتا ہے اور اس سے امن عالم کے مقصد کو طاقت پہونچ سکتی ہے تو ہم اسکا خیر مقدم کرنے کو تیار ہیں، مگر ایسی صورت میں یہ آزادی صرف مردوں ہی تک محدود نہ ہونی چاہیے بلکہ عورتوں کو بھی یہ حق ملنا چاہیے۔" دیکھیں آپ نے تہذیب جدید کی نیرنگیاں یعنی احتجاج اس بات پر نہیں کیا جاتا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے، شور اس پر نہیں مچایا جاتا کہ اس طرح عورت کی عصمت وعفت کو جنس کاسد کی طرح نیلام پر کیوں چڑھایا جا رہا ہے اور شکوہ اسکا نہیں ہے کہ ان آزادانہ رنگ رلیوں سے انسانی اخلاق میں عفونت

احکام اور حِکَمِ احکام

(ماخوذ از مواعظ حضرت تھانویؒ - مرتبہ مولوی محی الدین صاحب منیر کانپوری)

۱- مومن کا طرۂ امتیاز سمع و طاعت ہے، نہ کہ حِکَمِ احکام کے درپے ہونا۔

۲- اکثر تعلیم یافتہ اور جدید دین و غیرہ کے اصل مخاطب یہی ہیں جو خدا کے منکر ہیں۔

۳- تفکر فی الاحکام لازمی نہیں ہے، تعمیلِ احکام لازمی ہے۔ البتہ تفکر اہل فکر کے لیے ممنوع نہیں، اُسکا نفع باعثِ ازدیادِ ایمان ہوتا ہے۔ عمل بلا تفکر باعثِ قرب و نجات ہے اور تفکر بلا عمل بیکار محض۔

۴- غور و فکر کا مسئلہ ایمان لانے تک ہے۔ جب اللہ، کتاب اللہ، رسول اللہ پر ایمان غور و فکر کے بعد آ گیا تو اب بے چون و چرا سمع و طاعت کا مطالبہ ہے۔ غور و فکر کا کسی درجہ میں نہیں۔

۵- نا اہل عامیوں کا مصالح کے پیچھے پڑنا سخت خطرہ کی بات ہے۔ حتیٰ کہ کبھی ایمان بھی خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

۶- کسی گورنمنٹ کو تسلیم کر لینے کے بعد اُس کے احکام کی تعمیل میں تامل بغاوت کہلاتی ہے، جسکی سزا قتل ہے۔

۷- سالار فوج کے آرڈر کی تعمیل میں تامل کورٹ مارشل کا موجب ہوتا ہے۔

۸- تؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض، نتیجہ ہے اسی تامل کا جسکا منافیِ ایمان ہونا منصوص فی القرآن ہے۔

۹- تعمیل کیلیے کسی حکم کا حکمِ خدا ہونا کافی ہے۔ اپنی فہم میں بھی آ جانے کی شرط لگائے رہنا حق تعالیٰ کی حاکمیتِ مطلقہ سے صاف انکار اور شرکت فی الحکومت کا دعویٰ کرنا ہے۔

۱۰- حق تعالیٰ حکیم ہیں، اُنکا کوئی حکم حکمت اور بندوں کی مصلحت سے خالی نہیں، تاہم ہر حکم کی حکمت بندوں کو معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اس بات کا یقین کافی ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام ہماری مصلحت اور منفعت سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ منافع اور مصلحتیں ہم کو معلوم ہوں یا نہ ہوں۔

۱۱- بعض احکام کی مصلحتیں اللہ اور رسول نے بتلائی ہیں لیکن وہ سب از راہِ شفقت اور تبرع ہے۔ عالم کو احکام کی حکمت بتانا ضروری نہیں۔ اور حکایۃً احکام کے مصالح سے سروکار نہیں، بندہ کا منصب صرف تعمیلِ احکام اور امتثالِ امر ہے۔ جب ہمارا کوئی ہماری سمجھ ہے، ہمارے احکام کے مصالح پوچھنے کا حق نہیں رکھتا تو مخلوق اپنے خالق سے کب حق رکھیگی۔

۱۲- حق تعالیٰ کبھی حکماء امت کو احکام کے اسرار و حکم سے مطلع بھی فرما دیتے ہیں، اور باوجود اسکے اُن کا بیان کرنا اُن پر ضروری نہیں۔ اُنکا کام صرف احکام کی تعلیم ہے۔ اگر وہ احکام کے مصالح و حکم سے کسی کو آگاہ کریں تو یہ اُنکا تبرع و احسان ہے۔

۱۳- اہل علم و فہم کا عوام کو حکم و مصالح کے درپے بنانا، اُنکو غلط راہ پر ڈالنا اور اُن سے اطاعت کا نہ کا جوہر کھونا ہے۔

۱۴- پس احکام کی جو حکمتیں اہل اللہ، رسول اللہ کے ذریعہ یا خود خزانۂ حکمت سے قرآن پاک کے اندر معلوم ہوں اُن پر شکر بجا لائے اور جن احکام کے حکم و مصالح سے سکوت ہو اُنکے درپے نہ ہو۔

۱۵- احکام کے حکم و مصالح کا علم تشویش و ہمت عمل میں معین ہوتا ہے۔ پس جتنا علم ہو جائے اُسے غنیمت جاننا چاہیے۔

۱۶- علمِ اسرار و حکم شفقت اور رحمتِ حق کو بے نقاب کر دیتا ہے جس سے شکر گزاری کا جذبہ تیز تر ہو جاتا ہے، اور اطاعت کی مشقت خوشگوار ہو جاتی ہے۔

۱۷- ایمان قوی ہوتا ہے، اور عین الیقین و حق الیقین کے درجہ کو پہنچتا ہے اور بندہ اسکی برکتوں سے مالا مال ہوتا ہے۔

۱۸- اور یہ نور و بصیرت (فہم و اسرار) کا انکشاف فی الطاعت منجانب اللہ جسے منظور ہوتا ہے عطا ہوتا ہے۔

۱۹- سمع و طاعت کا عادی ہونے سے پہلے طبیعت کو حکم و مصالح فی الاحکام کی چاٹ لگا دینا بالکل ویسا ہی ہے جیسے کسی بچہ کو امتثال امر کے لیے پیپرمنٹ کا خوگر بنا دینا کہ بغیر اسکے اتا ہی نہیں۔

۲۰- طبیعت کا میلان جب احکام کی مصلحت کی طرف ہو جاتا ہے تو اب آہستہ آہستہ سمع و طاعت کا ملکہ کمزور پڑ جاتا ہے حتیٰ کہ بلا علم مصالح طبیعت عمل پر آمادہ نہیں ہوتی۔ ابتداءً کسل ہوتا اور بالآخر طاعت سے محرومی ہوتی ہے۔

۲۱- مصالح طلب طبیعت میں وساوس نفسانی و شیطانی کے در پانے کی گنجائش نکل آتی ہے، اور رفتہ رفتہ اکثر وہ رفتہ رفتہ یہ نفس شیطان شیر ناصح کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔ ایسی حالت میں بسا اوقات ایمان تک کے لالے پڑ جاتے ہیں۔

۲۲- جب مدارِ عمل مصالح و منافع پر ٹھہر جاتا ہے تو اگر کسی اور طرح وہ مصالح و منافع حاصل ہو سکتے ہیں جو کسی عمل شرعی سے ہوں، پھر تو عمل شرعی کے ترک میں تنگی و تکلف نہیں ہوتا۔

نماز کے فوائد مثلاً ذکر اللہ، مساوات، احوال مسلمین وغیرہ کسی انجمن یا حلقۂ ذکر وغیرہ سے حاصل کر لیے جائیں تو ترکِ صلوٰۃ گوارا ہو سکتا ہے۔ یا مثلاً قربانی کی مصلحت اعانت مساکین نظر ہے اور حج کی مصلحت کسی آل ورلڈ اجتماع کا نفرنس سے حاصل کر لینے سے قربانی و حج کی ضرورت نہیں سمجھے گا۔

خاتمۂ کلام حاصل کلام یہ ہے کہ سمع و طاعت یعنی سننے اور عمل کرنے کی راہ بڑی ہی سلامتی کی راہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا نقصان و ہلاکت کا خطرہ نہیں ہے۔ بخلاف اس کے کہ علم مصالح پر عمل کی بنا رکھی جائے۔

علم مصالح کے منافع سے انکار نہیں جیسا مذکور ہوا لیکن اس کو عمل کی بنا قرار دینا منع، اطاعت کے خلاف بھی ہے اور سخت خطرناک ہے۔ بہترین راہ عمل یہ ہے کہ تسلیم ذلادت کو اصل مشرب قرار دیا جائے۔ اور جن احکام کے حکم و مصالح معلوم ہو جائیں اور علم سے جس قدر فوائد مرتب ہو جائیں اُن سے مستفید ہو۔ باقی کے در پے نہ ہو۔ یہی طریقہ ہے مصالح و احکام کی لغزشوں سے بچے رہنے کا۔ والسلام

بہیمانہ حرکت

ایک معاصر نے حکومت کو مشورہ دیا ہے کہ اُن بدمعاشوں اور آوارہ گردوں کو بید کی سزائیں دی جائیں جو شریف عورتوں کی عصمت کے در پے رہتے ہیں۔ ہم اس سے متفق ضرور ہیں لیکن اس تذکرہ کے ساتھ کہ بید کی سزا اُن منچلی اور شہوانی جذبات کا اظہار کرنیوالیوں کو بھی دی جائے جو سراپا ازنگار نفس سرکش کو سرکشی اور معصیت کی ترغیب دیتی رہتی ہیں۔ اگر یہ شریف زادیاں شریف عورت بنکر زندگی بسر کریں تو پھر اُنکے دامن کو داغدار کرنے کی کون جرأت کر سکتا ہے! بےحیائی، بےپردگی کی نمائش لڑکیاں اپنی طرف سے نہ ہوں تو اُنھیں بازاروں، سڑکوں، جلسوں اور کالجوں میں کیوں کوئی چھیڑے۔ ایمان کی بات تو یہ ہے کہ جرم معصیت، سرکشی اور بیہودگی کی ترغیب کا پورا پورا سامان لڑکیوں کی طرف سے فراہم کیا جاتا ہے اور منچلے، بدقماش، ناعاقبت اندیش نوجوانوں کو فسق و فجور کے مظاہرہ کا موقع بہم پہنچایا جاتا ہے۔ اگر آج سر بازار کی عشوہ طرازیاں بند ہو جائیں تو کل اس قسم کے متعفن واقعات کا سلسلہ ختم ہو جائے۔ لیکن ہم جانتے ہیں کہ ایسا ہونا اُس وقت تک ممکن نہیں، جب تک کہ مافوق علوم کی علمداری قائم ہے۔ دین و مذہب سے بیگانگی اور مغرب زدگی و فرنگ پرستی نے انسان کو حیوان سے بھی بدتر بنا دیا ہے اب اس سے جس قسم کی بھی بہیمانہ حرکت سرزد ہو وہ عین متوقع ہے (انجم ضیا)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

.... گجرات (پنجاب)۔ پکتھال صاحب کے ترجمہ کے صرف پارۂ اول کی غلطیاں شمار کرکے انھیں کی فرمائش پر اُنکی خدمت میں ۱۹۳۲ء میں روانہ کر دی گئی تھیں۔ ان مرحوم نے دو ایک غلطیوں کا تو کچھ دبی زبان سے اعتراف کیا، باقی کو بڑی ناگواری کے ساتھ رد کر دیا تھا۔ اُس فہرست کی نقل اگر کاغذات میں کہیں دستیاب ہو گئی، تو شاید کہ آپ کی فرمائش کسی درجہ میں پوری ہو سکے۔ لیکن پکتھال کا ترجمہ ان غلطیوں کے باوجود بھی، بحیثیت ترجمہ، انگریزی کے دوسرے ترجموں سے کہیں بہتر ہے۔

تصحیح عنوان مضمون صدق نمبر ۲۵

مولانا مناظر احسن صاحب کے مضمون کا عنوان بجائے معاشی نظریہ سیاسی نظریہ چھپ گیا ہے۔ ناظرین کرام تصحیح فرمالیں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

وہ تاریخی تقدم و تاخر کے لحاظ سے کہیں مرتب ملتے ہیں؟ ان میں آپ کیا ترتیب قائم کرتے ہیں؟"

قرآن مجید کو تو ایک کتاب ہدی و ہدایت کی طرح صرف نتیجوں اور بصیرتوں سے بحث تھی، اس لیے ظاہر ہے کہ اس نے تاریخی کتاب سے قطع نظر ہی رکھی ہے۔ توریت موجودہ چونکہ اسکے برعکس زیادہ تر ایک تاریخ و تذکرہ کی کتاب ہے، اس لیے قدرۃً اس میں ان پہلوؤں کا لحاظ زیادہ ہے، اور توریت کی کتاب خروج، کتاب احبار، اور کتاب گنتی، اور کتاب استثناء میں جو کچھ ہے اس پر بڑی حد تک اعتماد کیا جا سکتا ہے (خصوصاً کتاب گنتی کی تفصیلات پر)۔ قدیم اور جدید مسیحی و یہودی فاضلوں نے جو کچھ لکھا ہے وہ زیادہ تر توریت ہی کی روشنی میں لکھا ہے۔ یہاں تک کہ قدیم یہودی مورخ جوزیفس (متوفی ۹۵ء) کی تاریخ آثار یہود تو گویا توریت کی شرح ہی ہے۔ قرآن مجید نے تاریخی ترتیب و تسلسل سے اول تو تعرض ہی نہیں کیا ہے، لیکن اگر کہیں اس میں اور توریت میں تعارض نظر آئے، تو ظاہر ہے کہ توریت کی روایت کو ترک کر دیا جائیگا۔

ایک گندی کتاب

امریکہ کی چھپی ہوئی انگریزی کتاب "سنسنڈ گارڈن" (گلستان معطر) جلد اول، جسے گورنمنٹ آف انڈیا نے حال میں ممنوع الاشاعت قرار دیا ہے، پچھلے ہفتہ ایک دوست کے ذریعہ دیکھنے میں آئی۔ کتاب دو سو صفحہ سے اوپر کی ہے، اور درحقیقت مذہب سے کوئی نشان ہی نہیں رکھتی۔ اسکا موضوع صرف مطالعہ شہوانیات SEX ANTHROPOLOGY ہے! اور وہ بھی بحر روم کے مشرقی ساحلوں یعنی شام وغیرہ علاقہ لیوانت سے متعلق، اور اسکی تصریح اندر کے سرورق اور دیباچہ دونوں میں موجود ہے۔ لیکن بدبخت مصنف اصل موضوع سے بےتعلقی کے باوجود بڑی کثرت سے مسلمان قوموں کی عورتوں اور مردوں کا ذکر کرتا گیا ہے، انکی تہذیب و تمدن و معاشرت سے تمسخر کرتا گیا ہے، یہاں تک کہ جابجا لپیٹ میں قرآن مجید اور صاحب شریعت علیہ السلام کی حیات طیبہ تک لے آیا ہے۔ اور جسارت کا کمال یہ ہے کہ قرآن مجید کے حوالوں میں سے اسی اکیانوے فی صدی تمام تر غلط!—— جسکی جرأت قرآن مجید سے متعلق یہ ہو، اسکی بیباکی حیات و سیرت سے متعلق ظاہر ہی ہے! خوب ہوا بہت خوب ہوا، جو ایسی گندہ درگندہ کتاب کی ضبطی کا حکم دے دیا۔

عورتوں کی تصویریں، نیم برہنہ بلکہ تقریباً برہنہ حالت میں آزادی اور بے تکلفی سے دیئے رہنا گو مسئلہ آفتابی (SUN-BATHING) والی پارٹی کے حق میں پروپیگنڈا جیسا بھی کچھ ہو، بہرحال نہ علم کی خدمت ہے نہ اخلاق کی۔ حیات جنسی سے متعلق واقعات و حقائق زیادہ سے زیادہ بھی بغیر ان تصویروں کے دیئے جا سکتے تھے—— خیر یہاں ان پہلوؤں سے بحث نہیں، یہاں کہنا صرف یہ ہے کہ شیطان کو بھی دین حق پر حملہ آور ہونے کے کتنے گر یاد ہیں! کہاں حیات جنسی اور کہاں قرآن و سیرت پاک پر حملے! دونوں کے درمیان تعلق کبھی کسی کے خیال میں بھی نہ آتا، لیکن یہاں خیال کیا معنی، پوری طرح عمل میں موجود!

کہاں می نماید کجا می زند!

یاجوج کے بےپناہ حملوں کا آج یہی حال ہے: زندگی کے ایسے ایسے گوشوں اور زاویوں سے حملے اسلام پر ہو رہے ہیں کہ بہتوں کا ذہن بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا۔ تاریخ، ادب، طب، شاعری، افسانہ، صحافت، ہر رُخ سے زد آ کر دین ہی پر پڑ رہی ہے۔ دفاع کرنے والے سپاہی بھی جب تک ہر ہر محاذ پر مقابلہ نہ شروع کرینگے، نتائج کا پتا معلوم!

اُردو کی آسانیاں

ہماری زبان کے نامہ نگار دہلی سے:

پندرہ روزہ انجمن ترقی اردو کی طرف سے ایک ہندو دل فکر کی انگریزی میں نکلتا ہے، اس میں ایک ہندو مراسلہ نگار وینکٹ راؤ صاحب کا بیان:

"اتفاق سے مجھے اسکے بعد سیواگرام میں بچوں کو "اردو" پڑھانے کا موقع ملا۔ میں تو صرف چند دنوں کے لیے سیواگرام گیا تھا۔ جو تعویذ سے دن میرے پاس بچے اسی میں سے کچھ کر دکھانے کی خواہش ہوئی۔ صرف پانچ دن! آٹھ گھنٹوں کی پڑھائی میں بچوں کو اردو کی دوسری کتاب پڑھنے کے لائق بنا دیا۔ ایک بھی لڑکا ایسا نہ تھا جو پہلے ایک حرف بھی اردو کا جانتا ہو، سب کے سب غیر ہندی کے تھے۔ آٹھ دس گھنٹے میں اتنی اردو پڑھا لینا، اس سے مجھے خود حیرت ہوئی۔ ان چھوٹے بچوں نے اس تجربہ کو کامیاب بنایا! انکا میں تازیست ممنون رہونگا۔ غرض میں نے اپنے تجربے کو جاری رکھا۔ اب تک قریب (۱۰۰) پر میرا تجربہ کامیاب ہو گیا ہے۔ جامعہ ملیہ کے چالیس روزہ کورس میں اور بمبئی اڈلٹ ایجوکیشن کمیٹی کے چار ماہی کورس میں جتنا کام ہوتا ہے اس سے کہیں زیادہ میرے کورس میں (۱۰) دن میں پورا ہو جاتا ہے۔ ایشور نے اردو کی یہ خدمت مجھ سے لی۔ اسکا شکر ادا نہیں کر سکتا۔ ہندو مسلم ایکتا کے لیے (جو مجھے وراثت میں ملی ہے) اور بعد اردو ہندی کی ایکتا کے لیے میرے دل میں جو لگن رہی ہے اسی کا یہ ثمرہ ہے۔ مجھے بار بار ایسا اتنا پڑتا ہے۔"

(ہماری زبان۔ یکم اگست ۴۵ء)

اردو املا کی دشواریوں کا ڈھول حریفوں نے اس ہوشیاری اور اس زور و شور سے پیٹا، کہ خود اپنوں کو اسکا یقین آ گیا۔ اور انہیں میں سے بعض نادان، ڈری اور سہمی ہوئی ذہنیت کے ساتھ اردو املا میں عجیب عجیب ترمیمیں پیش کرنے لگے! امید ہے کہ وینکٹ راؤ صاحب کا یہ عملی اور تجربی جواب بہتوں کے لیے کافی ہو جائیگا۔

"دلچسپ مطالعہ"

"جیسا کہ خیال تھا، جنگ کے ختم ہوتے ہی اب میاں نکاح و طلاق کے مسائل کا ہنگامہ شروع ہو رہا ہے!—

ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ کسی خاتون نے اس بنا پر طلاق حاصل کی کہ انکے شوہر اولاد کا ہونا پسند نہ کرتے تھے۔ ایک درخواست طلاق اس بنا پر گزری کہ شوہر بیوی کو شہر سے باہر ایک صحرائی قصبہ میں

سورۂ بقر - رکوع ۲۳

سلسلہ صدق نمبر ۲۵

(از عبد الماجد)

۱۹۰ - اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ

جائز کیا گیا تمہارے لیے روزوں کی رات میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم اُن کے لیے لباس ہو۔ اللہ کو خبر ہوگئی کہ تم اپنے کو خیانت میں مبتلا کر رہے تھے پھر اُس نے تم پر رحمت سے توجہ فرمائی اور تم سے درگزر کردی۔ سو اب تم اُن سے خلا ملا کرو۔

یہ اجازت شروع ہی سے نہ تھی۔ ابتدا روزہ کی حالت میں رات میں بھی دن ہی کی طرح بیویوں سے علٰحدگی کا حکم تھا۔

شریعت اسلامی رسول اللہ صلعم کی حیات رسالت میں بتدریج نازل ہوئی۔ کہیں تو ایسا ہوا کہ احکام شروع میں نرم تھے، رفتہ رفتہ سخت کیے گئے۔ مثلاً شراب نوشی کہ پہلے صرف ناپسند کی گئی اور پھر ہوتے ہوتے اُسکی حرمت کا حکم آگیا۔ اور کہیں اسکے برعکس ہوا ہے، یعنی ابتداءً قانون سخت تھا، رفتہ رفتہ اُس میں سہولتیں اور رعایتیں زیادہ ہوتی گئیں۔ چنانچہ یہیں روزہ کا معاملہ ہے، کہ پہلے صحبت راتوں میں بھی حرام تھی، بعد کو جائز کردی گئی۔

رفث کے لفظی معنی شہوت انگیز کلام کے ہیں۔ لیکن جب صیغہ متعدی میں اسے لایا جاتا ہے، تو اس سے مراد صحبت یا مباشرت ہوتی ہے۔ چنانچہ یہاں الرفث الی نسائکم ہے۔

عدّاه بالٰی لانه فی معنی الافضاء (لسان) جعل کنایة من الجماع وعدّی بالٰی لتضمنه معنی الافضاء (راغب) کنّی به عن الجماع (کشاف) والمراد به ههنا المباشرة (بحر المحیط)

یہیں سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ بیوی کی طرف میل و رغبت ذرا بھی کمال روحانیت و تزکیۂ نفس کے منافی نہیں، جیسا کہ بہت سے مشرکانہ اور جاہلی مذہبوں نے سمجھ لیا ہے۔ اور ایام صیام کی طاعت و عبادت، اور بیوی سے خلوت و صحبت کے درمیان منافات ذرا بھی نہیں، جیسا کہ مذہب کے جوگیانہ اور راہبانہ تخیل نے دلوں پر بٹھا دیا ہے۔ شریعت اسلامی نے جس چیز پر سخت پہرہ بٹھا رکھا ہے، وہ شہوت حرام اور اُس کے مبادی و متعلقات ہیں، نہ کہ نفس شہوت ——— بھوک پیاس نیند کی طرح جنسی بھوک بھی اگر اپنے حدود کے اندر رہے تو ایک طبعی اور بے ضرر خواہش ہے۔

تعمداً اور بلا ضرورت شرعی روزۂ رمضان توڑ دینے کی سزا شریعت میں دو مہینے یعنی ساٹھ دن کے مسلسل روزے اور شوہر و بیوی اگر اپنے مشترک عمل سے روزہ توڑیں تو دونوں کی یہی سزا ہے۔ لیکن بیوی اگر رضامند نہ ہو اور شوہر اسے زبردستی ہمبستری پر مجبور کر دے، تو بیوی بے گناہ ہے، اُسکے لیے صرف ایک روزہ کی قضا کافی ہے۔ کفارہ کی بنیاد قصد و تعمد پر ہے۔

قرب و اتصال کے لحاظ سے، یا ایک دوسرے کے پردہ دار اور عیب پوش ہونے کے لحاظ سے، گویا اردو محاورہ میں دونوں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ وہ اُنکے حق میں اوڑھنا بچھونا ہیں اور یہ اُنکے حق میں۔

یہ لباس کی تشبیہ کس اعتبار سے ہے؟ مختلف زبانوں سے اسکے مختلف جوابات ملتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ ایک دوسرے کے محتاج ہونے کی بنا پر۔ کسی نے کہا کہ باہم کی ملابست اور ملامست کی بنا پر۔ وقس علی ہذا۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ انسان کے حق میں لباس کا پہلا مقصد اُسکی پردہ پوشی ہے۔ لباس جسم کے عیوب کو چھپاتا ہے، اُسکے حسن و خوبی کو ابھارتا ہے۔ تشبیہ سے خاص اشارہ اسی پہلو کی جانب معلوم ہوتا ہے۔ گویا ہر اسلامی خاندان میں میاں بیوی کو ایک دوسرے کا پردہ پوش ہونا چاہیے، اور ایک دوسرے کی زینت کو بڑھانے والا۔ جو انتہائی گہرا رشتہ اور تعلق میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہے اُس کی بنا پر ظاہر ہے کہ جتنا موقع ایک کو دوسرے کے جسمانی، اخلاقی اور مالی عیبوں اور کمزوریوں پر مطلع ہونے کا ملتا ہے، اتنا نہ کسی دوست کو مل سکتا ہے نہ کسی دوسرے عزیز کو۔ اور نہ ایک کا کوئی راز دوسرے سے باقی رہ سکتا ہے۔ اس صورت حال میں عورت کے اخلاق کا کمال یہی ہے کہ شوہر کی ہر کمزوری کو چھپا لے، اس پر صبر کرے، اُسے بہتر سے بہتر صورت میں ظاہر کرے، اور

ناخوش او خوش بود بر جان من

کا ثبوت قدم قدم پر پیش کرے۔ علیٰ ہذا مرد کے بھی کمال اخلاق کی یہی معراج ہے! ——— دونوں کی اخلاقی تکمیل کا یہ موثر ترین نسخہ اسلام نے باتوں باتوں میں بغیر کسی شدید اور پُرتعب مجاہدہ میں ڈالے ہوئے، روزمرہ کے لطیف و سہل مجاہدات کے ذریعہ بتا دیا!

یہ اُس مذہب کی تعلیم ہے، جو فرنگی "محققین" کی نظر میں پست اس لیے ہے کہ اُس میں عورت کی تحقیر کی گئی ہے!

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہوگیا!

لوح جھوٹ اس سے بڑھ کر سخت، کوئی اتہام اس سے بڑھ کر صریح ہوگا؟

منوسمرتی والے ہند و مذہب کا ذکر نہیں، وحدتیت و جدیدیت والے یہودی و نصرانی مذہبوں سے سوال ہے کہ اُنکے سارے دفتر کتب و صحف میں کوئی تعلیم زن و شوہر کے باہمی تعلق، محبت و اعتماد کے باب میں اس درجہ کی ہے؟

غسل و منو و النهار و الیٰ اخاف الکفر علیٰ من لم یر المسح علی الخفین۔ تو گویا مسح خفین کے انکار سے کفر کا اندیشہ ہے۔ اور تاریخ خطیب بغدادی میں ہے کہ امام ابو حنیفہ سے کسی نے انکا مسلک پوچھا تو انھوں نے فرمایا: افضل الشیخین واحب الختنین واری المسح علی الخفین۔ گویا سنی ہونے کے لیے مسح خفین کو ضروری معیار سمجھا۔ جواب کا خلاصہ تو یہی نکلا کہ میں نہ شیعی ہوں نہ خارجی ہوں بلکہ سنی ہوں۔ تو گویا امام کے نزدیک مسح علی الخفین کی احادیث متواتر ہیں اور مفید علم قطعی ہیں۔ حالانکہ غسل رجلین قرآن کریم کا قطعی حکم ہے اور احادیث غسل رجلین بھی متواتر ہیں۔ دو قطعی دلیلوں سے فرضیت غسل رجلین ثابت ہو چکی تھی، پھر بھی جمہور امت کے نزدیک مسح علی الخفین کا جواز یقینی ہے اور اس قطعی سے کتاب اللہ اور احادیث متواترہ غسل پر زیادتی صحیح ہوگئی۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ احادیث مسح علی الخفین تبصریح امام احمد حنبلؒ کل مرفوع چالیس حدیثیں ہیں اور صحابہ میں سے بعض اکابر کا خلاف بھی منقول ہے۔ پھر یہ بھی مشکل ہے کہ چالیس حدیثیں سب کی سب صحیح یا حسن ہوں لیکن اتنی مقدار تواتر قطعی کے لیے کافی ہوگی۔ احادیث غسل رجلین کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے حالانکہ بمشکل اکیس حدیثیں ہیں۔ احادیث معراج جسمانی کو متواتر اصطلاحی کہا گیا ہے۔ حالانکہ کل رواۃ بیس تک پہونچتے ہیں۔ احادیث "حوض کوثر" کو متواتر اصطلاحی کہا گیا۔ حالانکہ کل احادیث پچاس تک پہونچتی ہیں۔ احادیث "رفع الیدین عند التحریمہ" کو متواتر اصطلاحی کہا گیا حالانکہ کل حدیثیں بمشکل پچاس تک پہونچیں گی۔ حدیث "من بنیٰ مسجداً للّٰہ" الخ متواتر ہے باوجودیکہ صحابہ روایت کرنے والے بیس سے متجاوز نہیں۔ ایسی ہی حدیث شفاعت، حدیث عذاب قبر، حدیث سوال منکر نکیر، حدیث "المرء مع من احب" حدیث "کل میسر لما خلق لہ" حدیث "بدأ الاسلام غریباً الخ" وغیرہ وغیرہ ان سب حدیثوں کو اصطلاحی تواتر سے متواتر کہا گیا ہے۔ ابن تیمیہ نے تو کئی رسائل میں احادیث شفاعت، حوض کوثر، عذاب قبر کو سنت متواترہ سے تعبیر کیا ہے باوجودیکہ انکے رواۃ وطرق احادیث نزول مسیح کو نہیں پہونچتے۔ اب نہیں معلوم جیپوری صاحب کے یہاں وہ کون سی شرط ہے جو حدیث متواتر اصطلاحی کے لیے چاہیے۔ محدثین نے جن متواتر حدیثوں کو جمع کیا ہے وہ سب اصطلاحی متواترات ہیں نہ لغوی۔ نہ معلوم جیپوری صاحب کو تواتر کے لفظ سے کیوں چڑ ہے کہ جہاں "تواترت الاخبار" کا لفظ دیکھ لیا، فرمانے لگے یہ تواتر لغوی ہے، مراد کثرت ہے۔ نہ معلوم اس منطق کا سبق آپ کو کس نے دیا ہے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ بعض مواقع پر لغوی تواتر مراد ہوتا ہے لیکن خارجی قرائن اور بحث سے یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ یہ اصطلاحی ہے یا لغوی۔ جن کا یہ فن ہے اور شب و روز اسکی مزاولت کرتے ہیں اور حدیث انکی صنعت بلکہ نفس ناطقہ بنگئی ہے وہ ہی اپنی بصیرت سے اسکا فیصلہ کر لیتے ہیں۔ ہر عمرو زید کا یہ منصب نہیں۔ اب سوچیے کہ صحابہ میں سے احادیث نزول کے اتنے بیان کرنے والے ہیں اور صحابہ سے نقل کرنے والے یقیناً اس سے بھی زائد ہیں اور کم سے کم اتنے تو ضرور ہیں اور باتفاق امت رواۃ بڑھتے ہی گئے کم نہیں ہوئے۔ اسی وجہ سے متواترات کے مشہور احادیث کی تعداد بڑھ گئی کہ قرن ثانی میں نقل کرنے والے بڑھ جاتے ہیں اور قرن ثالث میں تو احاد بھی مشہور و متواتر کی کثرت طرق اور کثرت رواۃ کو پہونچ گئے ہیں جو جیپوری صاحب کو خود بھی تسلیم ہے۔ اب ایسی صورت میں اگر کوئی بھی تصریح نہ کرتا کہ یہ حدیث متواتر ہے تب بھی کوئی مضائقہ نہ تھا۔ لیکن باوجود اسکے جب حافظ ابن کثیر ان کو اخبار متواترہ سے تعبیر کرتے ہیں، حافظ جلال الدین سیوطی انکو متواتر کہتے ہیں، قدماء محدثین میں سے "ابو الحسن السجزی الآبری" اس کو متواتر مانتے ہیں، اور خارجی بحث و تحقیق سے بھی یہ بات ثبوت کو پہونچ جائے تو خدارا انصاف کیجیے کہ ایسی صورت میں کسی کو یہ کیا حق حاصل ہے کہ بے دلیل محض اپنی خواہش پوری کرنے کے لیے یہ کہے کہ تواتر سے لغوی مراد ہے۔ ابو الحسن آبری قدماء محدثین میں سے ہیں، ابن خزیمہ صاحب الصحیح سے روایت کرتے ہیں، ۳۶۳ھ میں وفات پا چکے ہیں۔ انکا قول حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (۶ — ۳۵۸) (مطبوعہ میریہ) میں نقل کیا ہے: "وقال ابو الحسن الخسعی الآبوی: یہ ناسخین کی تصحیف ہے صحیح السجزی الآبری ہے۔ سجستانی کی نسبت غیر قیاسی سجزی آیا کرتی ہے کما فی القاموس السجستی نہیں آتی جیسا جیپوری صاحب فرماتے ہیں) فی مناقب الشافعیؒ و تواترت الاخبار بان المہدی من ہذہ الامۃ وان عیسیٰ یصلی خلفہ الخ" اصلی غرض اس عبارت سے چاہے ابن ماجہ والی حدیث کا رد ہی ہو جسمیں: "ولا مہدی الا عیسیٰ" آیا ہے لیکن اس سے تین باتیں نکل آئیں (الف) احادیث مہدی متواتر ہیں (ب) احادیث نزول مسیح متواتر ہیں (ج) مہدی کا عیسیٰ علیہ السلام کے لیے امام ہونا متواتر ہے۔ سمجھیے کہ ایک کے اب تین دعوے ہوگئے۔ جیپوری صاحب کا یہ فرمانا کہ لازم آتا ہے غرض تو یہ نہ تھی بالکل بے معنی بات ہے کیونکہ لازم بھی جب لزوم صریح ہے اور قائل کا غیر مراد نہیں بلکہ یہ مراد بالاولیٰ ہے اور اسکا التزام ہے تو کیا یہ لازم ہونا انکے خلاف مقصود ہے کیا "دلالت النص" اور "دلالت بالاولیٰ" یا "ظاہر النص" کی بحث اصول فقہ میں مخفی رہ گئی ہے۔ حقیقت میں خروج مہدی، نزول مسیح، خروج دجال تینوں قضائیں متقارب اور ہیں اور شرعی حیثیت میں تقریباً ان تینوں میں تلازم ہے اس لیے اکثر احادیث میں تینوں کا ذکر ساتھ ساتھ آتا ہے۔ "فرحم اللہ من انصف" اب صرف ایک دو محدثوں کا ضعیف قول کہ متواتر عزیز الوجود ہے کیسے قابل قبول ہو سکتا ہے کیا مثبت کا قول راجح ہے یا نافی کا؟ اکثریت کس طرف اور اقلیت کس طرف ہے؟ خارجی ثبوت کس کی شہادت دیتا ہے اثبات متواترات کی یا نفی کی؟ اور کثرت کی یا قلت کی؟ کیا کسی نے انکے قول کو قبول بھی کیا ہے یا نہیں۔ احادیث کا ذخیرہ متواترات سے بھرا پڑا ہے۔ اگر کسی کو نظر نہ آئے تو اسکا کیا علاج۔ (باقی آئندہ)

نمبر ۲۸ | یوم شنبہ ۔ ۹ ۔ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۸ ۔ اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

روزہ خوروں سے

اگر آپ روزہ رکھ سکتے ہیں اور نہیں رکھ رہے ہیں، تو آپ نے کبھی سوچا ہے، کہ کس چیز نے آپ کو اس کھلی ہوئی نافرمانی پر دلیر کر رکھا ہے؟ کیا آپ کے خیال میں روزہ کی فرضیت ثابت نہیں؟ کیا آپ اپنے نزدیک احکام کی پابندی و عدم پابندی میں آزاد و خودمختار ہیں؟ کیا رمضان کی آمد آپ کے لیے کوئی معنی ہی نہیں رکھتی؟ آپ چلتے ہیں، پھرتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں دنیا کے اور سارے کاروبار کرتے ہیں، لیکن بس ایک روزہ کے بارے میں آپ ضعیف و ناتوان ہیں، یہ عذر کچھ بھی آپ کے ضمیر کو مطمئن رکھتا ہے؟ یہ عذر کچھ بھی حشر کی عدالت میں کام آئیگا؟ یا خدانخواستہ حشر کی عدالت، اور اسکی حاضری ہی میں آپ کو شک و شبہہ ہے؟ —— قبل اسکے کہ حساب وکتاب ہو، کیوں نہ اپنے ہی سے سوال و جواب کر لیجیے، اس حال میں کہ ابھی زندگی کی مہلت باقی ہے؟

جس کی نعمتوں سے، ان گنت اور بے شمار نعمتوں سے آپ دن رات فائدہ اُٹھا رہے ہیں، چوبیسوں گھنٹوں کے ایک ایک منٹ، ایک ایک سکنڈ سے لطف و راحت پا رہے ہیں، سانس لے رہے ہیں، ہنس بول رہے ہیں، دیکھ سن رہے ہیں، کھا پی رہے ہیں، رہنے سہنے کو مکان، پہننے اوڑھنے کو کپڑا پا رہے ہیں، ہوا کی ٹھنڈک، سورج کی گرمی سے مستفید ہو رہے ہیں، مٹی، آگ، پانی سے اپنی ہر طرح کی لذت لے رہے ہیں، اور جس نے آخرت میں ان نعمتوں سے ہزاروں گُنی بڑھ کر نوازشوں، آسائشوں، آسائشوں، اور سرفرازیوں کا وعدہ فرمایا ہے، اُسی حاکم مطلق اور اس حکیم برحق کے مقابلہ میں، بجے کو باغی نہ سہی، چور اور مجرم بھی بنائے رہنا، آخر کس آئین دانش کے ماتحت اور کس دور اندیشی کے مطابق ہے؟ —— کیا آپ سمجھ رہے ہیں کہ روزہ اسقدر سخت چیز ہے کہ آپ اسے برداشت ہی نہ کر سکیں گے اور نوبت ہلاکت یا تقریباً ہلاکت کی آکر رہیگی؟

اگر یہی وسوسہ دل میں بیٹھ گیا ہے، تو اسکا عملی، موثر، کامیاب جواب یہ ہے کہ دو ایک روزے تجربہ کے طور پر تو رکھ کر دیکھیے، عجب کیا اب نتیجہ کا حصہ کلفت کے حصہ سے بڑھکر محسوس کریں! روزہ اتنا سخت اور شدید تو کسی موسم میں بھی نہیں ہوتا ۔ مئی جون کی شدید، خشک "پیاس آور" گرمی میں ناقابل برداشت حد تک سخت نہیں ہوتا اور پھر اس نیم گرم نیم سرد برساتی موسم میں، جو بعض وقت گرم کیا ہی ہو جائے، خشک بہرحال کسی وقت نہیں ہوتا، روزے بحیثیت مجموعی خوشگوار ہی کیے جائینگے ۔ افطار کے وقت کے لطف و تفریح کے اندازہ سے بھی روزہ خور اسی طرح محروم، جس طرح نسیم سحر کی لذتوں سے دن چڑھے تک سونے والا محروم رہتا ہے! —— مسلمان کے لیے بلا قوی عذر شرعی روزہ خوری، مادی، روحانی ہر حیثیت سے ایک شدید بدنصیبی ہے ۔

کام کی رفتار

اُردو تفسیر کی نظرثانی کا کام بحمد اللہ جاری ہے ۔ اور جس وقت تک یہ سطریں شائع ہونگی ان شاء اللہ پارۂ چہارم کا کام ختم ہو چکے گا، اسکے بعد ایک مہینہ بعد پارۂ پنجم شروع ہوگا ۔ یہ درمیانی وقفہ دوسرے ضروری کاموں کے لیے ضروری ہو گیا

انگریزی تفسیر کا پارۂ دوم ابھی تک بدستور معلق ہے۔ پریس کے اوراق آتے ہوئے دست ہو گئی۔ انگریزی تفسیر کا ٹائپ شدہ مسودہ تاج کمپنی کے پاس سنہ ۴۶ء میں پہونچ گیا تھا۔ مئی سنہ ۵۲ء میں بڑا انتظار کرکے پارۂ اول شائع ہوا، اس وعدہ کے ساتھ کہ ہر مہینے ایک پارہ نکلا کریگا۔ یہ اگست سنہ ۵۲ء ہے۔ ایک ایک پارہ والی بات کی ایسی پارہ بھی جب سے اب تک نہ نکلا! سنہ ۴۶ء سے سنہ ۵۲ء تک چھ سال ہوتے ہیں۔ اس چار سال کی مدت میں کل ایک پارہ! فی الحال حساب ہے کہ اس شرح سے تیس پاروں والے قرآن کے لیے مدت ۱۲۰ سال کی درکار ہو گی! —— زندہ باد تاج کمپنی!

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

ادارۂ مدنیہ رقم پچھلے ہفتہ حسب ذیل قبول کی گئی:-

۱۱- اگست ایک مخلص (مقیم پشاور) صدر کی ۲۰ ویں قسط

نرس یا میل نرس

"بدقسمتی سے ہندوستان میں کوئی ایسا ادارہ نہیں ہے، جہاں مسلمان نرسوں کی مناسب تعلیم کا عمدہ انتظام کیا جاتا ہو۔ انگلستان میں ہر ۳۰۰ اشخاص کے لیے ایک نرس موجود ہے، لیکن ہندوستان میں ۵ لاکھ مسلم آبادی کے لیے صرف ایک نرس ہے۔ نرسوں کی موجودگی ہر عمدہ اسپتال میں لازمی ہے مگر بیشتر اسپتال ایسے ہیں جہاں ایک بھی مسلم نرس نہیں ہے"

یہ سب کچھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر نے مسلم میڈیکل کالج کی ایک تازہ اپیل کے سلسلہ میں کہا ہے، اور اس مبتدا کی خبر قدرۃً نکالی ہے، کہ اس مسلم اسپتال کے لیے مسلم نرسوں کا انتظام ہونا چاہیے اور اسکے لیے چندہ ہو۔ وقس علیٰ ہذا —— اور اس پر ایک غیر مسلم پرچہ نے طنز کے ساتھ سوال کیا ہے، کہ مسلمان بغیر پردہ توڑے آخر کیسے نرسوں کی ٹریننگ کا انتظام کریں گے؟

سوال کچھ ایسا بے محل اور غیر معقول نہیں ہے۔ اصل یہ ہے کہ فرنگی تہذیب (یا اسلامی نقطۂ نظر سے "جاہلی تہذیب") ایک مستقل "سسٹم" ہے، ایک مرتب و مکمل نظام ہے۔ اسکے کچھ مبادی و مقدمات ہیں اور پھر انھیں کے متعلق "نتائج و ثمرات"۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ تخم ریزی تو اسی کی کی جائے، اور جب اس میں زہریلے پھل پھول آنے لگیں، تو صرف انکے خلاف پرزور فتوے دیدیے جائیں! سچا اگر منظور ہے تو ضرب جڑ پر لگانی پڑیگی، نہ کہ شاخوں، ٹہنیوں اور پتیوں پر۔ جہاد اصول کے خلاف کرنا چاہیے، نہ کہ صرف فروع و ثمرات کے ——

تو اب سوال یہ ہے کہ مردوں کی تیمارداری اور خدمتگزاری کے لیے آخر عورتیں ہی کیوں ضروری ہیں؟ تیماردار کے مؤنث ہی ہونے پر کون سی فنی، علمی، عقلی، تجربی دلیل قائم ہے؟ معتبر INDOOR کے مریض آخر چھوٹے چھوٹے اسپتالوں میں بھی تو رہتے ہیں، پھر وہاں انکا سارا کام کمپونڈر وغیرہ مرد ہی تیماردار کرتے ہیں یا نہیں؟ کیا انکا کام نرسوں سے کچھ گھٹیا پایا گیا ہے؟

طب یونانی بھی یونان میں مدت دراز سے کوئی جانتا بھی نہیں، اب سب عربی میں اور صدیوں سے مسلمانوں ہی کے ہاتھ میں چلا آرہا ہے۔ ابتداءً بقراط و جالینوس ہی کا فن تھا۔ لیکن مسلمانوں نے جب اسے لیا، تو اپنا لیا۔ غیروں کی محض نقالی اور اندھا دھند تقلید نہیں کی۔ یہی معاملہ جدید میڈیکل سائنس کا ہے۔ مسلمان اگر اسے لینا چاہتے ہیں، تو اسے اپنا کرلیں۔ شریعت نے صرف زندوں ہی کے نہیں، مردوں، جسموں کے بھی حقوق احترام قائم کیے ہیں۔ لاشوں کی چیر پھاڑ اس میں بلا قید و شرط ہرگز جائز نہیں۔ "مسلم میڈیکل کالج" کو اگر اپنے نام کا لحاظ ہے، تو یہ سب احتیاطیں کرنی پڑینگی۔ اور اس سلسلہ میں ایک اہم چیز یہ ہے کہ "نرس" کے جاہلی تخیل کو "میل نرس" (MALE NURSE) کے اسلامی تخیل سے بدلنا پڑیگا۔

کام کی باتیں

تذکرۃ الرشید کے نام سے ایک ضخیم کتاب عالم ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے حالات و تعلیمات میں مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم کے قلم سے ہے۔ حال میں اسکے دیکھنے کا دوبارہ اتفاق ہوا۔ اسکے حصۂ اول میں دو باتیں بڑے کام کی نظر پڑیں۔ ایک مولانا تھانویؒ کے قلم سے، اور دوسری خود مولانا گنگوہیؒ کی زبان سے۔ دونوں باتیں قابل نقل و اشاعت ہیں:-

(۱) مولانا تھانویؒ اسوقت کانپور میں مدرس ہیں۔ محفل میلاد میں شرکت اپنے شیوخ و اکابر کی طرح ناجائز سمجھتے ہیں۔ لیکن اصلاحی نقطۂ نظر سے کبھی کبھی عملاً شرکت کر بھی لیتے تھے، کہ اس ذریعہ سے موقع دوسروں کی اصلاح کا مل جائیگا۔ فرماتے ہیں:-

"یہ تو ممکن ہے اور کرتا بھی ہوں کہ فی صدی ۹۰ موقع پرہیز کر دیا اور ۱۰ جگہ شرکت کرلی اور شرکت بھی اس نظر سے کہ ان کو ہدایت ہوگی۔ اور یہ اس خیال پر ہے کہ اگر خود ایک بار کر دیکے تو انکا سبب دوسرے مسلمانوں کے فرائض و واجبات کی حفاظت ہو، تو اللہ تعالیٰ سے امید تسامح ہے" (صفحہ ۱۱۱)

(۲) دوسری تعلیم خود حضرت گنگوہیؒ کی ہے۔ دور شیخ کے اتباع میں وہ غلو، جسکا صحیح نام مرشد پرستی ہے، لیکن اسکا عام ہے۔ حضرت فرماتے ہیں:-

جتنے اہل علم ذی فہم قدیم سے بیعت ہوتے چلے آتے تھے اور ہوتے رہے ہیں، تو اس خیال سے بیعت ہوئے اور بیعت ہوتے ہیں کہ جو کچھ ارشادوں سے کتب دینیہ میں انھوں نے پڑھا اور علم حاصل کیا کسی شیخ عارف سے اس علم کو علم الیقین بنالیں، تاکہ عمل کرنا نفس کو اس علم پر سہل ہو جائے۔ اس واسطے کوئی بیعت نہیں ہوا اور ہوتا کہ جو کچھ ہم نے پڑھا ہے، اسکے صحت و سقم کسی شیخ غیر عالم سے پڑتال لیں اور احکام محققہ قرآن و حدیث کو اسکے قول سے مطابق کرلیں۔ یہ خیال سراسر باطل ہے۔ پس اگر کسی کا شیخ کوئی امر خلاف امر و خلاف شرع کے فرمائیگا تو اسکا تسلیم کرنا جائز نہ ہوگا۔

نزول مسیح علیہ السلام کا عقیدہ

اصول اسلام کی روشنی میں

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مجلس علمی ڈابھیل)

نمبر (۵)

بہر حال حدیثی ابحاث میں محض عقل سے یا محض عقلی احتمالات سے کام نہیں چلتا۔ نہ اس قسم کے وساوس سے عدم تسلیم کا عذر ہو سکتا ہے۔ محدثین میں سے جس محدث نے یہ فرمایا تھا کہ متواتر حدیث قلیل الوجود ہے وہ یہ بھی تو فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم کی اخبار احاد بھی مفید للعلم الیقینی ہیں تو انکے یہاں تو "ضروریات دین" کے لیے صحیحین کے اخبار آحاد بھی کافی ہیں۔ آپ بتلائیے کہ آپ کے نزدیک قرآن کریم کے سوا ضروریات دین کے لیے کیا ثبوت رہ جاتا ہے۔ کیا اسکے یہ معنی نہیں کہ قرآن کے بغیر کوئی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ قطعیت کے لیے سوا قرآن کے متواتر حدیث ہونی چاہیے اور وہ ہے نہیں!؟ اللہ اللہ کیسے کام بنا ہو گیا۔ یہی تو فرقۂ اہل قرآن والے کہتے چلے آئے ہیں اور تقریباً کل سارے حدیث کا انکار ہی نکلتا ہے۔ بہر حال بقیہ ضروریات دین کے لیے یا تو صحیحین کے اخبار آحاد کو مفید للعلم مان کر انکو ماننا ہوگا یا احادیث متواترہ کو تسلیم کر کے ان ضروریات دین پر ایمان لانا ہوگا۔ تیسرا قول کہ نہ تو احادیث صحیحین مفید قطعیت ہیں اور نہ کوئی حدیث متواتر موجود ہے جو مفید قطعیت ہو، اجماع مرکب باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ فہم و انصاف عطا فرمائے۔ یہی تو وہ پرانا فتنہ ہے جو جہمیہ کی میراث رہ گئی ہے۔ گویا آجکل اس فتنہ کی تجدید ہو رہی ہے۔ کیونکہ "عقائد قطعیہ" کے لیے ان دلائل کی ضرورت ہوگی جنکا مفید للعلم قطعی ہونا مسلم ہو۔ اور وہ صرف قرآن کریم کے وہ نصوص ہوں گے جو قطعی الدلالۃ ہوں یا حدیث متواتر قطعی الدلالۃ ہو اور وہ بھی نہیں۔ یہی تو حضرات قرمطی اور انکے اتباع قرامطہ کا مسلک ہے۔ اب بتلائیے کہ بات کہاں سے کہاں تک پہونچ جائیگی؟ بس خلاصہ یہ ہوا کہ احادیث نزول مسیح صحیحین کی حدیثیں ہیں۔ محققین محدثین اور اکثر اشاعرہ کے مذہب کے موافق تو افادۂ علم و یقین کے لیے یہ بھی کافی ہیں۔ اور اگر مدار تواتر اس پر ہو کہ قرن اول میں ان احادیث کا ثبوت موجود ہے۔ اگر خواہ مخواہ اسی کی ضد ہے کہ تواتر اصطلاحی کی مشہور تعریف کی بنا پر متواتر احادیث چاہییں تو لیجیے گذشتہ تحقیق و تفصیل سے یہ بات بھی بحمد اللہ ثبوت کو پہونچ گئی ہے کہ احادیث نزول مسیح اصطلاحی تواتر سے متواتر ہیں۔ اور متواتر بھی قطعی الدلالۃ۔ جب احادیث متواترہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہونے کے بعد عقیدۂ نزول مسیح کی فرضیت و قطعیت میں کیا شبہ رہ جاتا ہے۔ اور جحود و انکار کا جو نتیجہ ہے وہ بھی ظاہر ہے۔ کیا بعض وادعان کے ان مختلف بیانات اور حقائق کے بعد بھی اس عقیدہ کے ضروریات دین میں ہونے میں کوئی شبہ باقی رہتا ہے؟ واللہ یقول الحق وهو يهدی السبيل۔

نزول مسیح علیہ السلام اور اجماع امت

گذشتہ میں یہ بات واضح ہو گئی ہے کہ مستقبل میں جن امور کے متعلق امت کا اجماع ہوتا ہے اسکی حیثیت کیا ہے؟ کیونکہ امت کو تو غیب کا علم نہیں، وہ تو علام الغیوب ہی کا خاصہ ہے۔ اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ مخبر صادق سے جو کچھ منقول ہے اس پر امت کا اتفاق ہے۔ اگرچہ وہ نقل بذریعہ آحاد ہو جب بھی اجماع کے بعد قطعی و یقینی ہو جاتی ہے۔ اب غور کیجیے کہ کتب حدیث میں جو امہات و اصول ہیں مثلاً بخاری، مسلم، سنن نسائی، سنن ابی داؤد، ترمذی، ابن ماجہ سے لیکر مستدرک حاکم و سنن کبریٰ بیہقی تک بیسیوں کتابوں میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے مستقل ابواب موجود ہیں۔ سب ہی نزول کی احادیث روایت کرتے ہیں۔ اور نفس نزول میں اسنادی اعتبار سے کوئی علت تا حال نہیں بیان کرتے۔ پھر ان ہی کتب حدیث و کتب تفسیر میں صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے، پھر تابعین سے اور تابعین بھی مختلف بلاد کے، بعض مدینہ، مکہ، بصرہ، کوفہ، شام وغیرہ کے۔ سب سے نزول مسیح کے بارے میں منقول موجود ہیں۔ پھر کسی صحابی، کسی تابعی سے نہیں، بلکہ کسی امام دین، کسی محدث، کسی مصنف سے بھی اسکا خلاف کسی کتاب میں، کسی دور میں، کہیں بھی کوئی حرف نقل نہیں ہوا۔ کیا یہ اسکی دلیل نہیں کہ یہ بات اور یہ عقیدہ بالکل اجماعی و اتفاقی ہے۔ پھر کتب عقائد میں جو مستند ترین اور اعلیٰ ترین کتب عقیدہ ہیں ان سب میں اس کا ذکر عقیدہ کی صورت میں موجود ہے۔ اس سے بڑھ کر کیا دلیل ہوگی؟

اسوقت ہم ذیل میں چند اہم ترین اسناد پیش کرتے ہیں:-

(۱) **عقیدۂ طحاویہ** "جو امام ابو حنیفہؒ، ابو یوسفؒ، محمدؒ وغیرہ ائمۂ حنفیہ کے عقائد میں موثوق ترین چیز ہے۔ اسکی عبارت ملاحظہ ہو:

ونؤمن باشراط الساعة من خروج الدجال ونزول عيسى بن مريم عليه السلام من السماء	خروج دجال اور آسمان سے نزول عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ علامات قیامت پر ہمارا ایمان ہے۔

(۲) **فقہ اکبر** - امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی مشہور ترین متداول کتاب ہے۔ ابو مطیع بلخی کی روایت سے منقول ہے۔ امام ابو منصور ماتریدی ...... جو ماتریدیہ کے امام الطائفہ ہیں وہ اس کتاب کے پہلے شارح ہیں۔ اس فقہ اکبر کی عبارت یہ ہے:-

ونزول عيسى عليه السلام من السماء وسائر علامات القيامة على ما وردت به	آسمان سے عیسیٰ علیہ السلام کا نازل ہونا اور اسکے علاوہ علامات قیامت جو صحیح احادیث میں مذکور ہیں،

ان عبارتوں میں جس طرح تصریح کی گئی ہے اس سے بڑھ کر عقیدہ ہونے کی کیا تصریح ہوگی۔ کیا اس قسم کی تصریحات کے بعد کسی منصف کے لیے کوئی شبہ باقی رہتا ہے یا کیا اس عقیدہ کے اتفاقی ہونے کے لیے مزید کسی دلیل کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ یہ عقائد تو وہ ہیں جو بذریعہ توارث امت محمدیہ میں پہنچ چکے ہیں۔

اب اجماع کی بھی دو تصریحی شہادتیں پیش کی جاتی ہیں تاکہ بیان سابق کی تصدیق و تائید ہو اور کسی طالب حق کے لیے کوئی خلجان باقی نہ رہے۔

امام ابو اسحاق کلاآبادی بخاری جو قرن رابع کے اکابر حفاظ محدثین میں سے ہیں اور اپنا اسناد سے روایت حدیث کرتے ہیں، اپنی کتاب "معانی الاخبار" میں فرماتے ہیں:-

وقد اجمع اہل الاثر وکثیر من اہل النظر علی ان عیسی علیہ السلام ینزل من السماء فیقتل الدجال ویکسر الصلیب (ماخذ تحیۃ الاسلام ص۲۵)	کل محدثین اور بہت سے متکلمین کا اس پر اجماع ہے کہ عیسی علیہ السلام آسمان سے نازل ہونگے۔ دجال کو قتل کریں گے اور صلیب کو توڑیں گے۔

خیال رہے کہ محدثین کا دور متکلمین سے پہلے شروع ہوتا ہے اور اس مسئلہ پر محدثین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ بعد میں اگر متکلمین کے عہد میں خلاف پیدا بھی ہوگیا ہو تو اجماع سابق کو مضر نہیں، نہ یہ خلاف انعقاد ہونے کے بعد قابل اعتبار ہے جسکی تحقیق کتب کلام اور کتب اصول فقہ میں موجود ہے۔ نیز بظاہر یہ خلاف جو بعض متکلمین کی طرف منسوب ہے صحیح نہیں جو کہ آئندہ سفارینی کی عبارت سے واضح ہے۔

بہرحال یہ تو ہوئی نقل "اجماع" کے بارے میں قدماء محدثین کی تصریح۔ اب متاخرین اہل حدیث میں سے امام شمس الدین محمد بن احمد حنبلی سفارینی نابلسی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

واما الاجماع فقد اجمعت الامۃ علی نزولہ ولم یخالف فیہ احد من اہل الشریعۃ وانما انکر ذلک الفلاسفۃ والملاحدۃ مما لا یعتد بخلافہ وقد انعقد اجماع الامۃ علی انہ ینزل ویحکم بہذہ الشریعۃ المحمدیۃ الخ (شرح عقیدہ سفارینیہ ج ۲ ص ۹۰)	رہا نزول عیسی علیہ السلام میں اجماع تو کل امت محمدیہ کا اہل شرع میں انکے نزول پر اجماع ہے کہ وہ نازل ہونگے اور شرع محمدی پر عمل کرینگے۔ بجز فلاسفہ اور ملاحدہ کے کسی نے خلاف نہیں کیا۔ اور انکا خلاف قابل اعتبار نہیں۔

سفارینی مذکور بارہویں صدی کے اکابر محدثین میں ہیں۔ "حنبلی المذہب" نابلس کے ایک گاؤں سفارین کے باشندے ہیں۔ نام محمد بن احمد [illegible] محدث [illegible] کثیر التصانیف ہیں۔ بیسیوں کتابیں انکے مصنفہ موجود ہیں۔ (باقی)

علم عربی اور امرائے زمانہ

نمبر (۸)

(از مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر ضلع بستی)

غیر قوموں کے صدقات و خیرات

اخباری دنیا میں غیر قوموں کے صدقات و خیرات کا حال

آپ نے ملاحظہ کیا ہوگا۔ ڈاکٹر جگدیش چندر بوس نے اپنی قوم کے لیے چار لاکھ روپیہ ۱۹۳۶ء میں اکیلے دے ڈالا۔ اسی طرح مرحوم سر گنگارام نے اپنی قوم کے لیے متعدد اسکول اور بیوہ خانے کھول دیے۔ یہ بھی اسی دنیا کا واقعہ ہے لارڈ نفیلڈ نے قوم و ملک کے لیے بیس کروڑ روپیہ دے ڈالا۔ پونا میں انگریزی تہذیب کے مطابق زنانہ یونیورسٹی قائم ہے۔ اسکے سی سالہ سلور جوبلی کے موقعہ پر پندرہ لاکھ کی رقم اکیلی مسز دمعل داس ہنگ نے دے ڈالی۔ دو کالج دو ہائی اسکول بیسیوں درسگاہیں اسکی شاخیں ہیں (دیکھو الاہدیق ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۲ء) حضرات! اتنی بڑی رقم ایک عورت دیتی ہے ہم اپنی پست ہمتی اور زبوں حالت کا اندازہ لگائیں ہم عاشق رسول ہیں اور ہم اصحاب الحدیث و القرآن ہیں۔ ہمیں مبارک ہو لیکن عام ذہنی پستی اور بد ہمتی کی بنا پر خسرو کا یہ اچھا شعر گویا ہمارے ہی لیے تھا ؎

خسروا در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش
کاں برائے مردہ سوزد زندہ جان خویش را

غرض یہ ہے کہ جس طرح اور قومیں اور دوسری جماعتیں اپنے ذاتی فوائد پر قوم و مذہب کے فوائد کو ترجیح دیتی ہیں قوم من حیث القوم کی ترقی کی خواہاں رہتی ہیں اسی طرح ہمیں بھی چاہیے کہ بڑی بڑی رقمیں لگاکر دین و ملت کی ضروریات کے لیے مضبوط اور مستحکم بنیاد پر کوئی تعمیری کام کر ڈالیں۔ یہ رقم انشاء اللہ ہرگز ضائع نہ جائیگی ایک ایک کے سو سو بلکہ اس سے زیادہ واپس ہونے کی امید رکھنی چاہیے۔ قرآن کریم میں یہ بشارت موجود ہے۔ مثل الذین ینفقون اموالہم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ واللہ یضاعف لمن یشاء (پارہ ۳ رکوع ۴)

تہذیب الاسماء میں امام نووی نے صحابہ کرام کے تذکرہ میں انکے ٹھوس تعمیری کاموں کے ایسے حالات جمع کیے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ گویا ریاست بھوپال و حیدرآباد جیسی ریاستوں کے مالک ہیں۔ سیدنا عبد الرحمن بن عوفؓ کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ پہلے چندہ میں چار ہزار روپیہ دیا، دوسری دفعہ چالیس ہزار، تیسری مرتبہ چالیس ہزار دینار، چوتھی دفعہ پانچ سو گھوڑے، پانچویں دفعہ پانچ سو اونٹ۔ اسکے بعد ایک باغ چار لاکھ کی قیمت پر فروخت کرکے اسلامی بیت المال کے حوالہ کیا۔ سیدنا طلحہ بن عبید اللہ

کے تذکرہ میں لکھا ہے کہ آپ کے لنگر خانہ میں ایک ہزار اشرفی کا روزانہ خرچ رہتا تھا۔ ساڑھے تین لاکھ اشرفیاں سالانہ خرچ فرماتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کے یہ مشہور واقعات گھر کا نصف سامان اور قوم کے لئے یا سارا اثاثہ حاضر کر دینا تو مشہور عالم ہے۔

دینی تصنیفات کا قحط و کمی

آخر میں شہر حاضر کی علمی بے مائگی اور سرد بازاری کا بھی گلہ کرنا ہے جو بازار تصنیف و تالیف کا ہمیں نظر آ رہا ہے ہم اگلوں کے لگے ہوئے دستر خوان پر بیٹھے ہوئے انہیں کے باغ کے میوے کھا رہے ہیں ہم خود کوئی ایک پودا نہیں لگاتے کہ جس سے ہمارے بعد کی نسلیں مستفید ہو سکیں۔ کیا جماعتی طور پر کوئی ادارہ قائم ہے جہاں اہل قلم کی کتابیں اور چھوٹے بڑے رسالے شائع ہوتے ہوں۔ نوجوان مستند پڑھے لکھے ایک دو جماعت میں بفضلہ تعالیٰ کچھ اگر مل جائیں گے۔ غرض موجودہ کمی اور قحط کا نقشہ مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ گویا ہمیں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں ؎

ہنر ہے نہ تم میں فضیلت ہے باقی — نہ علم و ادب ہے نہ حکمت ہے باقی
نہ منطق ہے باقی نہ ہیئت ہے باقی — اگر ہے تو کچھ قابلیت ہے باقی
اندھیرا نہ چھا جائے اس گھر میں کیونکر
پھر اک بار دو اس جھلملاتے دیا کو

الغرض میدان تصنیف و تالیف خالی ہے۔ اس بیسویں صدی کے اہل علم کی طرح اگر اگلے اصحاب الحدیث بھی ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے تو آج دنیا میں جو کچھ قحط رہتا اس کا قیاس آسانی سے کیا جا سکتا ہے۔ امام ابن جریر طبریؒ قرآن کی تفسیر لکھنے بیٹھتے ہیں تو اسّی جلدوں میں قلم برداشتہ لکھ جاتے ہیں۔ شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تصنیفات کی فہرست خود اپنے ہی ایک رسالہ شذرات الذہب میں پانچ سو شمار کرائی ہے۔ علامہ ابن تیمیہؒ کے پرمغز تصانیف کا شمار پانچ سو سے بھی اوپر ہے۔ ہمارے اسلاف میں تو علامہ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ بھی گزرے ہیں ان کی تصنیف کا حال سنئے کہ رات دن تصانیف کے لکھنے کے لیے جو قلم بناتے تھے اور اس قلم کا جو تراشہ حاصل ہوتا تھا اسے محفوظ رکھتے تھے۔ اپنے انتقال کے وقت وصیت فرمائی کہ میرے غسل کا پانی اسی تراشے سے گرم کیا جائے۔ جو علم دین کی تصنیف کے سلسلہ میں میرے قلم کے تراشے ہیں۔ چنانچہ اسی تراشہ سے پانی گرم ہوا اور پھر تراشہ بچ رہا۔ (دیکھو مقدمہ تحفۃ الاحوذی صفحہ ۱۲۰) امام طبری کے متعلق تذکرۃ الحفاظ میں علامہ ذہبی کی روایت ہے کہ آپ کی تصنیفات کا اندازہ بعد وفات کے لگایا گیا تو ضخیم مجلدات کا چالیس ورق یومیہ کا اوسط نکلا۔ (تذکرۃ الحفاظ جلد دوم صفحہ ۲۶۹)

صرف علم حدیث کے سلسلہ میں اصحاب الحدیث نے کتنی کتابیں کتنے جوامع کتنی کتنی جلدوں میں تصنیف فرمائیں اور کتنے سنن کتنی کتنی جلدوں میں اور کتنے مسانید ضخیم مجلدات میں اور کتنے مستخرجات اور کتنے کتنے معاجم معجم صغیر و معجم کبیر وغیرہ اور کتنے کتنے امالی۔ امالی ابن حجر، امالی ابن عساکر وغیرہ۔ اور کتنے کتنے اجزاء رسائل خاصہ جیسا جزء رفع الیدین جزء قرأت وغیرہ اور کتنے صحاح صحیح البخاری و مسلم وغیرہ، صحاح ستہ کے اور کتنے صحاح ان کے علاوہ صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان وغیرہ کتنے کتنے کتب اسماء الرجال کے، تہذیب التہذیب، تقریب التہذیب، میزان الاعتدال وغیرہ اور کتنے اصول حدیث کی کتابیں علامہ ابن الصلاح و علامہ عراقی وغیرہ اور کتنی کتابیں غریب الحدیث پر لغات کی۔ مجمع البحار وغیرہ اور پھر کتنی کتابیں شروح کی صحیح البخاری و صحیح مسلم وغیرہ کی کس کس کی شرحیں، اور پھر کتنی کتابیں احکام الحدیث کی بلوغ المرام عمدۃ الاحکام وغیرہ۔ اور پھر کتنی کتابیں تخریج احادیث کی "درایہ" "نصب الرایہ" وغیرہ، پھر کتنی کتابیں احادیث موضوعہ کے بیان میں۔ موضوعات کبریٰ علامہ ابن جوزیؒ کی تذکرۃ الموضوعات علامہ طاہر پٹنی کی۔ پھر کتنی کتابیں احادیث کے ناسخ و منسوخ ہونے کے متعلق پھر کتنی کتابیں احادیث کی تطبیق و توفیق کے متعلق مؤتلف مختلف وغیرہ۔ الغرض اپنے اپنے زمانہ میں ان اصحاب الحدیث نے میدان تصنیف و تالیف میں طرح طرح کے میٹھے درخت لگائے تھے جنکا پھل آج ہم کھا رہے ہیں اور ہمارے بعد والے بھی جن سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے۔ تو غرض یہ ہے کہ ہمارے جن اسلاف کا علمی تعامل یہ حال رہا آج ہم انہی اسلاف کے نام لیوا اور انہیں کے مسلک و روش کے مدعی ہو کر اس طرح خاموش ہیں۔ ہماری تاریخ پڑھنے والے ہماری نسبت کیا فیصلہ کرنا چاہیے۔ ڈاکٹر اقبالؒ نے کیا خوب فرمایا ؎

باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو — پھر پسر لائق میراث پدر کیونکر ہو
ہماری ہی نظر ہے خود نمائی — تمکو اسلاف سے کیا نسبت روحانی

دینی تصنیفات کے قحط و کمی پر مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل صحیح لکھا۔ فرماتے ہیں ؎

کہاں ہیں وہ دینی کتابوں کے دفتر — کہاں ہیں وہ علم الٰہی کے منظر
چلی ایسی اس بزم میں باد صرصر — بجھیں مشعلیں دین حق کی برابر

ادارہ غیر ادیان

دینی تصنیفات کے ساتھ ساتھ ملک میں ایک ادارہ غیر ادیان کا بھی قائم کرنا ضروری ہے۔ جس میں سنسکرت، وید کی زبان اور عبرانی انجیل کی زبان پڑھائی جائے۔ اور یورپ کے مذہبی لٹریچر و مؤلفات سے معلومات حاصل کرنے کی ضرورت کے پیش نظر انگریزی کا بھی انتظام ہو جسکی تفصیل میں نے اخبار اہلحدیث ۱۰ جون ۴۳ء میں کر دی ہے۔ الغرض ہماری گزارش دردمند اور باخبر امراء سے یہ ہے کہ امت مسلمہ کے علمی و تاریخی خاطر مستعد ہو جائیے اور علم دین کے ترقی و عروج کے اسباب بنکر امانت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے سچے عشق کا ثبوت دیجئے۔ مولانا حالیؒ کے لفظوں پر میری اپیل ختم ہے ؎

بس اب علم دیں کے وہ پیاسا زمانہ — کہ سنائیں لکھا ہی نہیں جسنے انساں
[illegible] کو راہ ترقی ہو آساں — امیروں میں [illegible] تعلیم تاباں

کرو قدر اُنکی ہنر جن میں پاؤ ترقی کی اور اُنکو رغبت دلاؤ
دل اور تو جتلے اُنکے مل کر بڑھاؤ ستوں اس کمند رکھو کے ایسے بناؤ
کو تم قوم کی جیسے عزت بڑھالے بٹھائیں اُنھیں سر پہ اپنے پرائے
کروگے اگر ایسے لوگوں کی عزت تو پاؤگے اپنے میں تم اُنکی جماعت
دو جس قدر تم سے وہ آج لیگی تو مِن اسکا کل تم کو وہ چند دیگی

حسنِ میان ملت بمبئی سے عرض حال

حضرات کرام! ان ہی جذبات و خیالات کے احوال میں علم دین کے قیام و بقاء کی کوشش کے ثبوت میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کی پختہ و بلند عمارت بغیر کسی قومی چندہ کے دس ہزار روپیہ کی لاگت سے مع مسجد و مکانات مدرسہ تیار کرائی گئی تاکہ مدرسہ کو کچھ نہ کچھ استقلال حاصل رہے۔ چنانچہ الحمدللہ آج عرصہ تیس سال سے ملک کی صحیح دینی خدمات نیپال راج جیسے سنگلاخ علاقہ میں انجام دے رہا ہے۔ اس مدرسہ کے پاس کچھ زمینوں کے اوقات ہیں۔ جنکا غلہ سال بسال وصول ہوتا رہتا ہے اور کچھ اس میں کرایہ کے مکانات ہیں۔ اس مدرسہ کا ایک تعارف نامہ دو ورقی شایع ہو چکا ہے۔ اصحاب خیر اگر تعارف کی ضرورت سمجھیں تو وہ تعارف نامہ طلب فرما کر ملاحظہ کریں۔ اس میں مخدومی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کی تصدیق و مولانا ثناءاللہ صاحب امرتسری کی تائید بھی موجود ہے۔ مختصر یہ ہے کہ اس مدرسہ میں بادنیٰ تغیر درس نظامیہ کی تعلیم کے لیے دو عربی مدرسین اور ایک درجہ حافظہ کے مدرس اور دو ماتحت مدرسین ہیں۔ تیس طالبعلموں کے خورد و نوش اور ماہانہ کی تنخواہ کا مدرسہ کفیل ہے۔ جسکا بیشتر حصہ اہل علاقہ کے عشری غلہ کی صورت میں ادا ہو جاتا ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار روپیہ سالانہ نقد و جنس کا میں اور میرے بڑے چچا صاحبان ملاکر مدرسہ کو دیتے ہیں۔ بہرحال مدرسہ کا اندرونی نظام معقول اطمینان بخش طور پر انجام پاتا جا رہا ہے۔ جسکی تصدیق اتفاقی مشاہدے سے ہو سکتی ہے۔ صرف ایک ضروری امداد کے لیے گذشتہ دو تین سالوں سے البتہ اپیل کی جا رہی ہے جو مدرسہ کی ملحقہ زمین پر بورڈنگ بنوانے کی ضرورت ہے۔ بعض صاحب درد اہل کرم کی امداد میں دو سو پچاس کی بذریعہ مولانا عبدالماجد صاحب اور بعض رقوم دیگر بزرگوں کے توسط سے پہونچی تھیں، ان سے کچھ تعمیر ہو گئی اور کچھ کے لیے روساء قوم و اصحاب خیر کے عطایا کا انتظار رہے۔ بقیہ تعمیر کے لیے کم از کم چار ہزار روپیہ کی ضرورت ہے۔ معاونین کرام کی رقوم کی فہرست آخر میں بذریعہ صدق شایع کر دی جائیگی انشاءاللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ان بزرگوں کو توفیق عطا فرمائیں کہ علم عربی کو پروان چڑھائیں۔ عربی کے دینی اداروں کی بیش از بیش مدتیں انجام دیکر جنت میں گھر بنوائیں۔ ان حقایق اور صحیح حالات کو زیر نظر رکھکر ملت کی دردمندی کا عملی ثبوت دیں جنکو میں نے زیر نظر مضمون کے اوائل میں از راہ بصیرت و عبرت کے لیے آپ کے سامنے

رکھدیا ہے۔ اب مولانا حالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک بیش قیمت اپیل پر یہ معروضہ ختم ہے ؎

جنھیں ملک میں اپنی رکھنی ہو عزت جنھیں سلطنت کی ہو مطلوب نصرت
جنھیں عافیت ہو گوارا نہ ذلت جنھیں دین کی ہو نہ منظور ذلت

جنھیں نسل و اولاد ہو اپنی پیاری
اُنھیں فرض ہے قوم کی غمگساری

(بقیہ صفحہ ۴)

الاسواق - وکل الطعام - ہمارے نبی ہو جانے پر جس طرح انکے کھانے پینے اور بازار جانے میں فرق نہیں آتا اسی طرح ان کی زبان میں بھی فرق نہیں آتا۔ اس کے ماتحت یہ آیت ہے کہ ہر نبی پر الہام اسکی قومی زبان میں ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نبی جس قوم میں بھیجا جاتا ہے اس قوم کو خطاب کیے وہ اسی کی زبان میں کریگا تاکہ انکو سمجھانے میں سہولت ہو خواہ وہ اس قوم میں مبعوث ہو یا نہ۔ اگر آنحضرتؐ کو غیر عرب لوگوں سے واسطہ پڑتا تو آپ اسی زبان میں بولتے۔ ان اللہ الملہم جمیع اللغات بکل لسان ... لکن قوم بلغتہم دون لم تثبت الحکم بالترجمۃ لانہ لم یتفق ان فالب ... لو خاطبہ لکلمہ بہ۔ (تفسیر صاوی جلد ۲ صفحہ ...) شیخ اسماعیل بروکی کا قول ہے والمولی ابو السعود حیث قال الا ملتبسا بلسان قومہ متکلما بلغۃ من ارسل الیہم من الامم المتفقۃ سواء بعث فیہم ام لا (روح البیان ...) اس آیت کی تشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے ہو سکتی ہے جو جناب نے ایک حمیری مریض کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ لیس من امبر امصیام فی امسفر - وہ من البر الصیام کو نہ سمجھ سکتے تھے اس لیے انکی زبان کو جو حمیر سے آنحضرتؐ اسوقت خطاب فرما رہے تھے استعمال فرمایا۔ اسی آیت کی تفسیر میں امام کلبی تو یہ بھی فرما گئے ہیں کہ قومہ کی ضمیر کا مرجع محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہر نبی کو جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان (عربی) سے بھیجا جاتا ہے۔ ائمہ تفسیر و حدیث کی ایک معتد بہ جماعت کا نظریہ یہی ہے کہ الہام عربی میں ہوا۔ رہا یہ عقلی شبہہ کہ غیر عربی نبی عربی الہام کو کس طرح سمجھ سکتا ہے اسکے جواب کی ضرورت ہی نہیں رہتی جبکہ نبی کی طاقت کا اتنا زیادہ اندازہ لگایا جاتا ہے جب نبی کے ہاتھوں کئی امور خلاف عادت صادر ہوتے ہیں تو یہ کیا مستبعد ہے کہ وہ الہامی زبان کو سمجھ جائے۔ آخر علمائے کرام یہی تو کہہ گئے ہیں کہ قبر میں ملائکہ کا سوال من ربک ما دینک عربی میں ہوگا اور بندہ بھی جواب عربی میں دیگا۔ اور پھر جنت میں لسان اہل الجنۃ عربی ہی ثابت ہے یہاں جو مسلم ہے وہ وہاں بھی ہے بلکہ جب اوّدم - ماتھ سے نبی کو خاص لفظ کے تلفظ کا ارشاد ہوا تو نبی نے قوم کو اس عربی لفظ کے تلفظ کا حکم فرمایا قولوا حطۃ کی تفسیر پر مفسرین اور اہل لغت کا تقریباً اتفاق ہے کہ یہ لفظ عربی ہے صرف ایک چیز کی شہرت پر اسے حقیقت قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس طرح الہامی زبان عربی ہے اسی طرح یہ مسئلہ بھی صاف ہے کہ قرآن غریب نواز کا سارا عربی ہے اس میں ایک لفظ بھی غیر عربی نہیں۔

صدق - باہر کے کسی مضمون کے صدق میں چھپ جانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ادارہ بھی اُن نتایج سے متفق ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

سہ روزہ

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے

محمد عبدالرؤف عباسی "مہتمم صدق"

رشید آباد، پلیس، گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے

ششماہی عہ/

بیرون ہند سے سالانہ ۱۵ شلنگ

قیمت فی پرچہ /۲

(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۲۹ | یوم سہ شنبہ ۱۲- رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱- اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

جولائی کا مہینہ انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے کھلنے اور ہے داخلوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے ایک اسکول میں خاندانوں کے دو لڑکوں کا داخلہ کرانا تھا معلوم ہوا کہ تاریخ، جغرافیہ، انگریزی زبان حساب وغیرہ کی طرح ایک لازمی مضمون راگ راگنی یا موسیقی بھی ہے! اور اس سے مستثنیٰ ہونا صرف اس صورت میں ممکن ہے، جب لڑکے کے والدین سرپرست استثناء کی درخواست دے دیں! ——— معلوم یہ ہوا تھوڑے ہی ہوا۔ یہ کیسے کہ بھولی ہوئی بات پھر تازہ ہوگئی۔ علم تو تین چار سال قبل ہی ہو چکا تھا۔ بلکہ ۱۹۴۱ء کے پرچوں میں چھوٹے بڑے متعدد مضمون اسی پر انھیں صفحات میں نکل چکے ہیں۔ اور جمعیۃ العلماء کے توجہ دلانے پر صراحت صوبہ کے ڈائرکٹر سرشتۂ تعلیمات سے بھی کی تھی۔ جوابات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ تعلیم لازمی نہیں، جسکا جی چاہے، والدین کی طرف سے درخواست ہو، اپنے کو مستثنیٰ کرا سکتا ہے! ——— گویا یہ جواب کافی تھا! کتنے سرپرست اس زحمت و طوالت کو گوارا کریں گے؟ کتنے طلبہ خود ایسے دلکش مضمون سے اپنے کو مستثنیٰ کرانا چاہیں گے؟ اور گویا یہ ذرا سی بات کہ اسکولوں کی دنیا میں کوئی جزو مسلمان طلبہ کی تعلیم کا شامل نہیں ہونے پایا!

غرض یہ کہ یہ بدعت کئی سال سے صوبہ کے اسکولوں اور کالجیٹ اسکولوں میں جاری ہے۔ گانا بجانا کسی زمانہ میں محض تفریح رہا ہوگا اب جزو تعلیم ہے۔ کسی زمانہ میں منافیٔ شرافت سمجھا گیا ہوگا۔ اب لازمہ شرافت ہے۔ اب گویّے ہونے میں ذلت نہیں، عزت ہے، شرمانے کی بات نہیں فخر کرنے کا موقع ہے ——— مسلمان لڑکے اپنے اپنے ساتھیوں کو گاتے بجاتے دیکھ کر بلکہ غیرمتاثر رہ سکتے ہیں؟ کتنے بچ سکتے ہیں، کتنے سب تک بچتے ہیں؟ کتنے اپنے کو ان دلچسپیوں سے دور رکھ سکتے ہیں؟ ——— مسلمان اپنی آنکھوں سے اس تہذیبی (کلچرل) انقلاب کو دیکھ رہے ہیں اور ٹس سے مس نہیں ہوتے، گویا ملی حمیت و غیرت کو حرکت میں لانے کے لیے یہ اتنا بڑا دھکا بھی ناکافی ہے، اور انتظار اس سے زیادہ زبردست کسی ٹھوکر کا ہے! گویے کی تحقیر اسلامی شریعت نے آکر دنیا کے دلوں میں بٹھائی تھی، ہندی اور فرنگی تہذیب نے اتحاد سے پھر اسی مردہ کو زندہ کر اٹھا دیا! اور جو حقیر سمجھا جا چکا تھا، اسے معزز بنا کر شریفوں کی محفل میں پھر سے لا بٹھایا!

صوبہ کے تعلیمی بورڈ میں مسلمان پانچ ہیں (کل ممبروں کی تعداد شاید ۲۷ ہے)۔ ایک مسلمان ممبر کا بیان ہے کہ "ہم کر ہی کیا سکتے تھے۔ ہماری دال نہ گلی، اور ہم نے مخالف ووٹ دے کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ ۲۷ ممبروں میں ہم کل پانچ ہی تو تھے" ——— خیر، اگر تو مسلمان اس سے زیادہ کر سکتے تھے، اسی مسئلہ پر رکنیت سے مستعفی ہو جانا تھا۔ لیکن وہ تو جو ہونا تھا، ہو چکا۔ اصل سوال مسلمان قوم، اسکے لیڈروں اور اخبارات کا ہے۔ یہ سب حال سننے اور جان لینے کے بعد بھی سکوت قائم رہیگا؟ اور مسلم لیگ بھی خاموش رہیگی، اور جمعیۃ العلماء بھی کوئی مزید قدم نہ اٹھائیگی؟ اسلامی تہذیب و تمدن پر یہ کھلا ہوا حملہ نہیں تو اور کیا ہے؟ مسلمان بچوں کی نظر میں ایک معصیت کا یہ ہلکا کر دکھانا، بلکہ اسے خوشنما صورت میں پیش کر کے اس پر انھیں اور دلیر کر دینا

نہیں تو اور کیا ہے؟ — صوبۂ متحدہ کو صحیح یا غلط، بہرحال اپنی "اسلامی تہذیب" پر ناز تھا۔ یہ حال جب وہاں کا ہوا تو بیچارے سی پی، مدراس، بنگال اور بمبئی کے علاقوں کی کوئی کیا کہے!

بزمِ فرنگ

ایک ولایتی جہاز کے مسافر کا خط [illegible] کے [illegible] بابت:

"سمندری سفر قریب ۲۱ دن کے رہا اور تفریحوں اور تکلیفوں دونوں کے تجربے ہوئے۔ شروع میں تو بحرِ عرب نے اپنا بڑا زور دکھایا۔ جہاز کے ہچکولوں سے مسافروں کو چکر آنے لگے، ادھر کھانا کھایا ادھر متلی ہو گئی۔ جسے دیکھیے کوئی منہ لپیٹے پڑا ہے، کوئی سر دبائے بیٹھا ہے۔ چہروں کے رنگ پیلے پڑ گئے۔ جہاز پر لیڈیاں بھی تھیں۔ سمندر نے انکی نزاکت کا ذرا بھی کچھ پرواہ کی اور سب سے زیادہ۔ خیر یہ حالت ۳ دن کی تھی۔ اب نہ "میک اپ" کا خیال تھا، نہ لباس سنوارنے کا ہوش تھا، نہ "لپ اسٹک" یاد تھی، نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی۔ جب جان پر آ بنتی ہے تو فیشن اور خود آرائی ایسے میں رخصت ہو جاتی ہے۔ قریب ۶ دن کے یہی رنگ رہا۔ غضبناک سمندر معلوم ہوتا تھا کہ جہاز کو تو آپ نگل کے چھوڑیگا، ایک طرف پانی کی اونچی اونچی ڈراؤنی موجیں، دوسری طرف تند ہوا کے سخت تھپیڑے، بس، خدا ہی خدائی نظر آ رہی تھی۔ خیر خدا خدا کرکے خوش و خرم ہو کر ہم عدن پہونچ گئے۔ اسکے بعد موسم بدلا۔ جان میں جان آئی اور حواس درست ہوئے۔ اب پھر وہی بناؤ سنگار کا شوق اچھلا اور اپنی انتہا کو پہونچا۔ شیلان نے اپنے جوہر دکھانے شروع کیے۔ گھوڑ دوڑ، تاش، تمبولہ، بے بی شو، اور کتنے ہی اور کھیل تماشے ہونے لگے۔ حسن و عشق کی داستانیں شروع ہو گئیں۔ دن چھپتے ہی عجب عجب منظر پیش نظر ہو جاتے۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کے کسی شہر کا ٹکڑا ٹوٹ کر سمندر میں آ گرا ہے۔ تفصیل لکھنے بیٹھوں، تو یہ عریضہ بالکل "نئے ادب" یا "ترقی پسند ادب" کی عریانیوں کا نمونہ بن جائے۔"

لیکن ولایتی جہازوں کے یہ مشاہدے اور تجربے کچھ نئی اور انوکھی چیز نہیں۔ اسکے قبل بھی کتنے سیاح یہی دیکھ سن چکے ہیں، یہی لکھ پڑھ چکے ہیں۔ اور اس داستان کو شاید سب سے زیادہ دلچسپ انداز میں، اور اسے "نیا ادب" کا نمونہ بنائے بغیر تو اردو کے مشہور و مشاق اہل قلم جناب قاضی عبدالغفار صاحب مرادآبادی ایڈیٹر "پیام"، اپنے دورِ تجدد سے قبل اپنے سفرنامہ "نقشِ فرنگ" میں سپردِ قلم فرما چکے ہیں۔ — جہاز تو خیر رندی و سرمستی کے مظاہروں کے لیے خاص طور پر بدنام ہیں، باقی وہ ریل ہو یا ہوائی جہاز، موٹر ہو یا لاری، "صاحب" کے عشرت خانے، "صاحب" کا ساتھ آخر کہاں چھوڑتے ہیں!

تو جدھر جائیگا فتنہ کوئی برپا ہوگا!

یہ مصرعہ انکی تہذیب و تمدن کے حق میں لفظاً بلفظاً حسبِ حال!

جُوا جُوئے کی غرض سے

الہ آباد - ۱۰ جولائی

آج ہائیکورٹ میں مسٹر جسٹس سنہا کی عدالت سے بارہ ہندو ملزمین کو جنھیں قماربازی کے الزام میں مجسٹریٹ اور سشن جج کی عدالتوں سے سزا ملی تھی، اپیل میں بری کر دیا گیا۔ جسٹس موصوف کا استدلال یہ ہے کہ یہ جوا دیوٹھن اکادشی کی رات میں کھیلا گیا تھا، جبکہ دیوالی کی رات کی طرح ہندو شگون کے لیے جوا کھیلا کرتے ہیں اور یہ سمجھ کر کہ قانون نے اسکی اجازت دے رکھی ہے اس لیے ملزموں کا عین جوا کھیلتے ہوئے ۱۲۰۰ روپیہ کی رقم کے ساتھ ایک مجسٹریٹ کے ہاتھوں گرفتار ہو جانا اور ہندوؤں کے ساتھ غیر ہندوؤں (مسلمانوں) کا بھی شریک ہونا اثباتِ جرم کے لیے کافی نہیں۔ قانونی دفعہ کا منشا یہ ہے کہ جوا نفع حاصل کرنے کے لیے کھیلا جائے، نہ کہ وہ جوا جو ایک تہوار کے دن محض جوئے ہی کی غرض سے کھیلا جاتا ہے۔ سزا دلانے کے لیے ضروری تھا کہ استغاثہ جوئے کی تجارتی نوعیت بھی ثابت کرتا۔ مجسٹریٹ اور سشن جج دونوں کا یہ کہنا کہ ملزموں میں ہندوؤں کے ساتھ غیر ہندو بھی تو تھے، کوئی وزن نہیں رکھتا۔ جب جوا ہونے لگتا ہے، تو ہر مذہب و ملت کے لوگ اکٹھے ہو ہی جاتے ہیں۔ ان حالات میں کل ملزم جبکہ انکی نسبت کسی خلافِ قانون عمل کی نسبت ہی نہیں، جرم سے بری کیے جاتے ہیں۔ (لیڈر، الہ آباد، ۱۱ جولائی ۴۵ء)

انگریزی قانون کی یہ تشریح ایک ہندو جج عدالت العالیہ کے قلم سے ملک کے جواریوں کو مبارک ہو، کہ ہر جوا، جرم کا حکم نہیں رکھتا، اور جرم وہی جوا ہے، جو نفع کے لالچ سے کھیلا جائے! — "ادب ادب کی غرض سے" "آرٹ آرٹ کی غرض سے" یہ ترکیبیں عرصہ سے رائج تھیں، آج اسی وزن و قافیہ میں یہ فقرہ ڈھلا ہوا بھی خوب سننے میں آیا کہ "جوا، جوئے کی غرض سے"! —— ہندی تہذیب اور افرنگی تہذیب کی ان باریکیوں، ان نزاکتوں کو ہم خشک، گنوارے مسلمان کا دماغ بھلا کہاں سمجھ سکتا ہے!

جو گنہ کیجیے ثواب ہے آج!

نفس کے سپاہی

مفتوح جرمنوں سے بھائی چارہ کے حکمِ ممانعت کی تشریح ایک بڑے برطانوی فوجی افسر کی زبان سے:

"اسکی ممانعت نہیں کہ سپاہی اپنی رات کسی جرمن عورت کے ساتھ بسر کرے۔ ممانعت اسکی ہے کہ وہ صبح اسکے ساتھ ناشتہ کی میز پر دکھائی جائے۔" (لیڈر، ۱۲ جولائی ۴۵ء)

کنیڈین سپاہیوں کا دستہ جو برطانوی ساحلی شہروں پر کئی دن تک [illegible]

میل ہوسی عن الغزل (اکیٹ) میل المنی من الغزل (بیضادی)

منع حمل اور قطع نسل کی جس جدید تحریک کا اسوقت زور ہے اور جو ضبط تولید وغیرہ مختلف خوشنا ناموں سے پیش ہو رہی ہے' قرآن مجید نے اپنے بلیغ انداز میں اس سب کی تردید کردی۔ اور بتا دیا کہ مباشرت کا جو نتیجہ قدرتی طور پر نکلتا ہے' اسی کی توقع رکھنا چاہیے اور اسی کا انتظار کرنا چاہیے۔ عام قاعدہ اور اصل عمومی یہی ہے۔ باقی اجتماع زن و شو کے قدرتی نتیجوں کو بلا وجہ خاص و ضرورت شدید، مصنوعی [illegible] تدبیروں سے روکنا اور دوا وغیرہ کے آلات کو کام میں لانا نتیجوں کو دور کرنا نہیں جسمانی آلام اور اخلاقی امراض کو بڑھانا اور فرد و قوم دونوں کو نئے فتنوں کی دعوت دینا ہے۔

انتہائی سرگرم کوششوں کے باوجود اول تو ابھی تک کوئی پوری طرح "محفوظ" آلہ دریافت ہی نہیں ہو سکا ہے۔

"اب تک کوئی مانع حمل ایسا نہیں دریافت ہو سکا ہے جو ہر طرح قابل اطمینان ہو۔ یعنی نفعی ہوتے بے ضرر ہو اور سادہ ہو" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۳۔ صفحہ ۲۵۵ طبع چہاردہم)

اور پھر اگر کوئی ایسے غذا اور سلکی تدبیر دریافت ہو بھی گئی' تو منع حمل کے جسمانی ضرروں کے تدارک کی کیا صورت ہوگی؟

"یہ باور کرنا دشوار ہے کہ یہ عمل (امتناع) بار بار کیا جائے' اور اسکے مضر اثرات مرد و عورت کے اعلیٰ صفات پر مرتب نہ ہوں (ایضاً صفحہ ۲۵۵)

یہ اگر ان بھی لیا جائے کہ جلد جلد استقرار حمل اور وضع حمل سے عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے' تو بھی خود طب جدید کا فتویٰ یہ ہے کہ عورت کو زمانۂ حمل میں صنفی اعمال سے جو مہلت مل جاتی ہے' نیز وضع حمل کے بعد رضاعت وغیرہ کی مشغولی تو جو' یہ سب عورت کی صحت کے لیے ضروری ہے۔ اور پھر یہ بھی تو ہے کہ اولاد کی پیدائش ہمیشہ والدین کے ارادہ کے تابع نہیں رہتی۔ چنانچہ ایسے والدین کی مثالیں بارہا مشاہدہ میں آ چکی ہیں کہ پہلے تو انھوں نے امتناع کی صناعی تدبیریں اختیار کرکے اپنے اعضاء تولید کی صلاحیتوں کو ضائع کر دیا' اور پھر آگے چل کر جب اولاد کی خواہش یا ضرورت محسوس کی تو اپنی سابق کی حرکتوں پر پچھتائے ہیں۔

یہ سب تصریحات انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ہی سے ماخوذ ہیں' باقی متعدد دوسرے ڈاکٹروں اور انھیں میں زیادہ تر ڈاکٹر بھی ہیں' اور سائنس کے ماہرین نے اس جدید فیشن کی لعنت اور بیہودگی پر اس سے بھی زیادہ کھلے لفظوں میں کہا ہے' اور اسکی طبی مضرتیں کھول کر دکھائی ہیں خصوصاً عورت کے حق میں' بلکہ یورپ کے متعدد ممالک تو اس خرابی کے نتائج سے تنگ آکر اور طویل تجربوں کے بعد بالآخر اس پر مجبور ہوئے کہ ماؤں کے لیے انعام قرار دیں' اور ہر نئی زچگی پر ایک نیا انعام دیں! ——— جرمنی' اٹلی' وغیرہ سے تو یہ خبریں کئی سال سے آنا شروع ہو گئی تھیں' اور اب

روس' فرانس وغیرہ سے بھی دوران جنگ میں آنے لگی ہیں! اور بائبل خرابات اسکی بھی نکلی اور اسی کی تقلید رہا' جس نے کہا تھا نر جوڑو لو شادیاں زیادہ بچے پیدا کرنے والی بیویوں سے!

ایک اسلامی معاشی نظریہ

امراء کے مال میں غرباء کے حقوق کی آخری حد حافظ ابن حزم کے نقطۂ نظر سے

نمبر (۴) بسلسلہ صدق ۷۴

(افادہ:۔ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

آخر قرآنی آیات

وآت ذالقربیٰ حقہ' — اور رشتہ داروں کو انکا حق ادا کرو

یا

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ — والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا اور رشتہ والوں کے ساتھ،

وغیرہا سے جب والدین اور رشتہ داروں کی امداد کے وجوب کا قانون فقہ میں جب پیدا کیا گیا ہے۔ تو ان ہی آیات میں قرآن کی یہ مشہور آیت بھی تو ہے یعنی سورۃ النساء میں:

وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ — والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور رشتہ داروں کے ساتھ۔

کے بعد آگے ارشاد ربانی ہے

والیتامیٰ والمساکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم۔ — اور یتیموں کے ساتھ مسکینوں کے ساتھ اور جار[1] جو رشتہ والے ہوں۔ اور جار جنب اور صاحب الجنب کے ساتھ اور مسافر کے ساتھ اور انکے ساتھ جنکے مالک تمھارے داہنے ہاتھ ہوئے ہیں یعنی غلاموں لونڈیوں کے ساتھ،

پس وہی حسن سلوک جسے والدین اور رشتہ داروں کے متعلق واجب سمجھا جاتا ہے' اسی کے دائرہ میں جب اتنی وسعت پیدا کی گئی ہے کہ جس ملک اور قوم میں جو بھی رہتا ہو' اس پر اس ملک اور قوم کے .... حقوق کو قرآن نے اسی طرح قائم کر دیا جس طرح والدین اور اقرباء کے حقوق مسلمانوں کے مال میں قائم کیے گئے ہیں۔ کیونکر کو مندرجہ بالا آیت کے الفاظ کی تفسیر میں علماء سے مختلف روایتیں کتابوں میں منقول ہیں' لیکن ہم قرآن

---

[1] یہاں پر ترجمہ میں قرآن کے کینہ الفاظ اس لیے رکھ دیے گئے ہیں کہ ترجمہ کر دینے کے بعد اردو کے الفاظ میں وہ وسعت اور گہرائی نہیں رہتی جو عربی الفاظ میں پائی جاتی ہے۔ میری غرض اسوقت صرف لفظ جار سے ہے عموماً پڑوسی اسی کو کہتے ہیں جسکا گھر کسی کے گھر سے ملا ہو لیکن

انھیں پڑھتے ہیں، منافقین یہود کی ان جانی شرارتوں کا تذکرہ فرمانے کے بعد، کن الفاظ میں دھمکی دی گئی ہے

ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا

پھر نہ جوار میں رہیں گے تمہارے مگر کم (مدت تک یا انکی کوئی تھوڑی سی مقدار)

جس سے مجاورت اور جوار کے الفاظ کی حقیقت یہ متعین ہوئی ہے کہ کسی شہر یا کسی ملک کے باشندے باہم ایک دوسرے کے ہم جوار ہیں، کیونکہ ان منافقین کو اسی کی تو دھمکی دی گئی تھی کہ اپنی حرکتوں سے اگر باز نہ آؤ گے تو پیغمبر کی مجاورت سے تم کو محروم کر کے جلاوطن کر دیا جائیگا اب ظاہر ہے کہ یہود کے یہ منافقین مدینہ، اطراف مدینہ کے سوا خیبر وغیرہ کے علاقوں میں پھیلے ہوئے تھے۔ اور بالآخر انکو اپنے کیے کی سزا اسی شکل میں بھگتنی پڑی، کہ عرب کی سرزمین سے جلاوطن کر دیے گئے۔

بہر حال یہ ایک طویل لمبی بحث ہے، خلاصہ یہی ہے کہ جوار کے جس حق کا اسلام میں ذکر کیا گیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی تشریح کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

الجیران ثلاثۃ فجار لہ ثلاثۃ حقوق حق الجوار وحق القرابۃ وحق الاسلام وجار لہ حق الجوار المشرک (صحاح)

ہم جوار لوگ تین طرح کے ہوتے ہیں ایک قسم کا جوار اور پڑوسی تو وہ ہے جو تین تین حق رکھتا ہے یعنی جوار کا حق، رشتہ داری کا حق اور اسلام کا حق۔

اور دوسری قسم وہ ہے جسے دو حقوق حاصل ہیں پڑوس کا حق اور اسلام کا حق، اور تیسری قسم وہ ہے جسے ایک حق حاصل ہے۔ یعنی مشرک پڑوسی۔

جس کا مطلب یہ ہوا کہ مسلمان جس محلہ، جس شہر یا جس ملک میں رہتے ہوں، وہاں کے عام باشندے خواہ ان سے رشتہ ہو یا نہ ہو، بلکہ وہ مسلمان ہوں یا مسلمان نہ ہوں، لیکن صرف وطنی تعلق مسلمانوں پر انکے حق کو قائم کر دیتا ہے۔ اب یہ اور بات ہے کہ محلہ کے پڑوسیوں کے حقوق کو شہر والوں سے اور شہر والوں کے حقوق ملک کے عام باشندوں کے حقوق پر مرجح ہونگے۔ اسی طرح جنھیں حق قرابت و حق اسلام بھی جوار کے حق کے ساتھ حاصل ہونگے ان کو ایک دو حق رکھنے والوں پر ترجیح ہوگی، اور دو حق والے کو ایک حق والے کے مقابلہ میں برتری عطا کی جائیگی۔ بہر حال یہ مسائل تو بجائے خود بہت تفصیل طلب ہیں، یہاں انکے ذکر کرنے سے صرف اتنی غرض ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مالی مطالبات کا ایک سلسلہ اسلام میں باقی رہتا ہے۔ اسکا ثبوت جیسا کہ حافظ ابن حزم نے لکھا ہے اپنے الفاظ میں مجھے پیش کرنا تھا۔ انہوں نے ضحاک بن مزاحم کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے یعنی زکوٰۃ ادا کر دینے کے بعد مسلمانوں کے مال میں پھر کسی کا کوئی حق باقی نہیں رہتا، خود بھی یہ لکھا ہے

غیری فی المال حقوق سوی الزکوٰۃ منھا النفقات علی الابوین وعلی الزوجۃ وعلی الرقیق وعلی الحیوان والدیون والارش فظھر تناقضھم۔

دوسرا مخالف یعنی تو اسکا قائل ہے کہ زکوٰۃ کے سوا بھی مال میں حقوق ہیں جس میں والدین پر خرچ کرنے کا حق، بیوی کے نفقہ کا خرچ، غلام کے مصارف کی بہم رسانی، حیوان (مویشی وغیرہ) پر خرچ، قرض اور تاوان (جو کسی کے عضو وغیرہ کو نقصان پہنچانے سے ادا کرنے پڑتے ہیں) یہ سارے حقوق مال ہی پر عائد ہوتے ہیں جو یقیناً زکوٰۃ کے سوا ہیں۔ اس سے ان لوگوں کا تناقض بھی واضح ہو جاتا ہے۔

اور میں تو کہتا ہوں کہ نادار والدین کے مصارف کی بہم رسانی جب اولاد کے سرمایہ سے قرآن کی مذکورۂ بالا آیات سے ضروری ٹھہرائی گئی ہے اور ان ہی آیتوں کی بنیاد پر فقہاء کا یہ فتویٰ ہے کہ

ان جمیع ما وجب للمرءۃ للاب والام علی الولد من طعام وشراب وکسوۃ ومسکن (صحاح) بحر الرائق - ج ۴

بیوی کے نفقہ کے سلسلہ میں شوہر پر جو کچھ واجب ہوتا ہے وہی کچھ بیٹے پر اپنے (نادار) باپ ماں کے نفقہ کے سلسلہ میں واجب ہے، یعنی کھانے پینے، کپڑے مکان کا نظم انکے لیے کیا جائے۔

قرآن نے والدین کے ساتھ "جار ذی القربیٰ" "جار جنب"[1] "صاحب بالجنب" کو بھی جب داخل کیا جاتا ہے، تو ان لوگوں کے متعلق بھی کیوں نہ سمجھا جائے کہ ملک کے سرمایہ داروں سے انکی ضرورتوں کے لیے اتنی رقم وصول ہو جائیگی جس سے ان قرآنی ارباب استحقاق کے اکل و شرب لباس یا مکان کی ضرورتوں کی تکمیل ہو سکتی ہو۔ جیسا کہ دین کے علاوہ عام طور پر فقہاء یہ بھی لکھتے ہیں کہ

کل من وجبت علیہ نفقۃ غیرہ یجب علیہ لہ المأکل والمشرب والملبس والمسکن والمرضع ان کان من ضیا لان وجوبھا للکفایۃ والکفایۃ متعلق [illegible] الاشیاء

ہر وہ شخص جس پر کسی کا نفقہ واجب ہو جائے تو اسکا مطلب یہی ہے کہ اس پر واجب ہے اسکا کھانا اسکا پینا اسکا لباس اسکا مکان، اور دودھ پلوانے کی ضرورت اگر شیرخوار ہونے کی وجہ سے ہو تو اسکا بھی نظم کرنا واجب ہوگا، کیونکہ ان چیزوں کے وجوب کے معنی یہی ہیں کہ اسکے لیے کافی ہو جائے اور ان چیزوں کے بغیر ضرورتوں کی چیز کیسے کافی ہوگی۔

[1] بات یہ ہے کہ آدمی جن لوگوں کے ساتھ کسی ملک میں زندگی گزارتا ہے ان چند ہی طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ یا رشتہ دار ہوتے ہیں یا ایسے جن سے رشتہ نہیں ہوتا۔ پھر جن سے رشتہ نہیں ہوتا ان میں بعض ایسے ہوتے ہیں جن سے آدمی کی دوستی ہو جاتی ہے میں انھی لوگوں کو "صاحب بالجنب" سمجھتا ہوں، اور بعضوں سے نہ رشتہ ہوتا ہے اور نہ دوستی، لیکن مقام سکونت میں اشتراک ان سے ہی، یہی جار جنب کے مصداق ہو سکتے ہیں، جنکے معنی یہی ہوئے کہ جس سرزمین میں آدمی رہتا ہو، وہاں کے تمام باشندوں کا اس پر حق ہے کسی کا ایک کسی کا دو اور ان تیسروں سے قرآن کا اشارہ بھی حقوق کے مساوی وجوہ کی طرف ہے۔

(شیخ شوکت حسین نے نظر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر مشرق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

عقلی استبعاد ہے؟ "فتمثل لہا بشراً سویا" اور "لقد جاءت رسلنا ابراہیم بالبشریٰ" وغیرہ آیات قرآنیہ میں بشکل انسانی فرشتہ کا متمثل ہونا بالکل منصوص ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی روحانیت انکی قوت قدسیہ کی وجہ سے بھی غالب ہوتی ہے اس لیے انکے اجساد مبارکہ پر وہ حالی کیفیات آسانی طاری ہو سکتے ہیں۔ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج جسمانی اور جسد عنصری کا عروج نص قرآن کیسے بیت المقدس تک ثابت نہیں؟ اور آگے آسمانوں پر صعود و عروج احادیث متواترہ سے ثابت نہیں؟ کیا اس پر یقین اہل حق کا عقیدہ نہیں؟ تو جیسے یہاں صعود و نزول آنا فانا ناقابل انکار نہیں اسی طرح عیسےٰ علیہ السلام کے رفع جسمانی پھر نزول آسمانی میں کیا چیز مانع ہے۔ تمام انبیاء کرام سے عیسےٰ علیہ السلام کی روحانیت زیادہ قوی تھی روح اللہ انکا لقب ہی پڑ گیا تھا۔ پھر حق تعالیٰ جل شانہ کے ارادہ کی تھا عیسوی مذہب نے ان کو آسمان پر اٹھا لیا ہو تو اس میں کونسی حیرت کی بات ہے۔ آجکل مسمریزم اور اسپریچولزم کے عملیات کا اگر کسی کو ذرہ بھر بھی علم ہو تو ان خوارق الٰہیہ میں ذرا بھی شبہ نہیں کر سکتا۔ خیر یہ چیز تو ہمارے موضوع بحث سے خارج ہے۔ کہنا صرف اتنا ہے کہ جب اللہ و رسول کوئی بات ارشاد فرمائیں ہمیں بجز تسلیم کے کوئی مخلص نہیں۔ قرآن تعالیٰ کا فرمان "وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ و رسولہ امراً ان یکون لہم الخیرۃ" (اللہ و رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مرد مومن یا عورت مومنہ کو نہ ماننے کا اختیار باقی نہیں رہتا) عقیدہ کی تنقیح کے دو جز ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا جسمانی رفع۔ اور پھر قیامت کے قریب آسمان سے نزول۔ یہی دو چیزیں ضروریات دین میں داخل ہیں۔ جب نزول مانا جائیگا تو رفع جسمانی خود بخود ماننا پڑیگا۔ اس لیے اس مضمون میں اس جز کو نہیں لیا گیا۔ باقی یہ تفصیلات کہ رفع سے پہلے موت طاری ہوئی تھی یا نہیں، تھوڑی دیر کے لیے یا زیادہ دیر کے لیے رفع بحالت منام ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان جزوی تفصیلات میں کچھ کچھ سلف سے خلاف منقول ہے۔ لیکن اہل حق اور جمہور اہل سنت کا اس میں متفق فیصلہ یہی ہے کہ جسد عنصری کے ساتھ بحالت حیات رفع آسمانی واقع ہوا۔ اسوقت صرف مسئلہ نزول کو اصولی حیثیت سے واضح کرنا تھا۔ اتنا عرض کر دیا گیا۔ اس پر کفایت کی جاتی ہے۔ توقع ہے کہ طالب حق کے لیے اتنا لکھنا کافی ہوگا۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

خلاصۂ مراسلات

(۱) مدرسہ عربیہ بدریہ - نگرام ضلع لکھنؤ

یہ مدرسہ درسگاہ عربی ہونے کے ساتھ ساتھ تربیت گاہ بھی ہے اور ہمہ تن برابر دین کی خدمت میں مصروف ہے۔ دو سال سے مالی پریشانیوں کا شکار ہے۔ غیر مستطیع طلبہ بھی اس میں تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ جو اہل خیر ماہ رمضان میں اس درسگاہ کی امداد کرنا چاہیں، مہتمم مدرسہ مولوی سید عبد الغفار صاحب قادری مجددی، مدرسہ عربیہ بدریہ نگرام ضلع لکھنؤ کے نام ارسال فرمائیں۔

(۲) جامعہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ

اس درسگاہ کی خصوصیات یہ ہیں (۱) علوم دینیہ کی کامل تعلیم ہوتی دورۂ حدیث شریف کی تعلیم بھی مکمل ہوتی ہے۔ (۲) سوبہ کے علوم مشرقیہ کے امتحانات سرکاری مثلاً مولوی، منشی، عالم، فاضل وغیرہ کی تیاری کرائی جاتی ہے۔ (۳) ائمہ مساجد کی ٹریننگ کا کلاس قائم ہے۔ (۴) درجہ حفاظ کو یہ قائم ہے (۵) چمڑے کا کام سکھایا جاتا ہے تاکہ طلبہ بوٹ سازی وچپل سازی وغیرہ کے ذریعہ حلال طور پر کسب معاش کر سکیں۔ (۶) اس غرض سے پارچہ بافی بھی سکھلائی جاتی ہے۔ (۷) ادارہ کے تحت جمعیۃ الاسلام قائم ہے جو حضرت مولانا محمد الیاس کے طرز پر ۵۰ اضلاع اودھ میں تبلیغی کام کر رہی ہے۔ (۸) یہ ادارہ جا بجا اسلامی مکاتب قائم کرا رہا ہے (۹) طلبہ کی تربیت دینی و اخلاقی اور ورزش جسمانی کا خاص انتظام ہے۔ (۱۰) اسلامی جلسوں میں مدرسہ کی طرف سے مقررین بھیجے جاتے ہیں

ادارہ بہت سے پیمانہ پر تبلیغی کام کرنا چاہتا ہے اور درسگاہ کے مسائل بھی زیر غور ہیں۔ لیکن مالی دقتیں بہت بڑھی ہوئی ہیں۔
اہل خیر سے درخواست ہے کہ وہ مولوی محمد احسان الحق صاحب مہتمم مدرسہ مسعودیہ نور العلوم بہرائچ کے نام اپنی رقوم امداد ارسال فرمائیں۔

داستان ترکستان

ایک عبرت انگیز روداد

(از مولانا ابو الاعلیٰ مودودی صاحب)

بعض مقامات کی رپورٹوں سے یہ معلوم کر کے بہت افسوس ہوا کہ جب ہمارے کارکنوں نے نیچے مزدور طبقے کے اندر اشتراکی کارکنوں کے پھیلائے ہوئے زہر کو نکالنے کی کوشش کی، تو اس طبقہ کے مسلمانوں نے انھیں یہ جواب دیا کہ علما تو ان اشتراکی کارکنوں کی موافقت کر رہے ہیں اور انھوں نے ہمیں یقین دلایا ہے کہ اشتراکیت سے ہمارے مذہب پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ پھر آپ ہمیں کیوں ڈراتے ہیں کہ اشتراکیت ہمیں اسی دوسری طرف لے جائیگی یا یہ کہ اشتراکیت اسلام کے خلاف ہے۔ درحقیقت ہمارے بعض علماء کرام ہندوستان میں یہ اسی قسم کی غلطی کر رہے ہیں جیسی اس سے پہلے روسی ترکستان کے علماء کر چکے ہیں، اور اسکا افسوسناک انجام دیکھ چکے ہیں۔ روسی ترکستان کا اشتراکی انقلاب کوئی بہت پرانی چیز نہیں ہے اسی

بیس پچیس سال کی مدت میں ہوا ہے اور اس اسکا یہ نتیجہ دنیا دیکھ چکی ہے کہ جو سرزمین ہزار بارہ سو سال سے اسلام کا مضبوط قلعہ بنی ہوئی تھی، جہاں سے بڑے بڑے ائمہ حدیث اکابر فقہ اور مشہور سلاسل صوفیہ (چشتیہ، نقشبندیہ اور سہروردیہ) کے پیشوا پیدا ہوئے وہاں آج اسلام برائے نام بھی باقی نہیں ہے مسجدیں اور خانقاہیں کلبوں اور رقص خانوں اور تعلیم و تربیت کے مرکز میں تبدیل ہو چکی ہیں اور سابق مسلمانوں کی نسل سے پکے ملحد اشتراکی پیدا ہو رہے ہیں جنکے نزدیک محمد بن عبداللہ محض سرمایہ داروں کے ایک ایجنٹ تھے اور انھوں نے اپنے وقت کے معاشی نظام کو اخلاقی بنیاد فراہم کرنے کے لیے وحی و رسالت کا ایک ڈھونگ رچایا تھا۔

عظیم الشان کامیابی اشتراکیت کو اس سرزمین میں حاصل ہوئی جو آج سے پچیس سال پہلے تک پرانے طرز کی مذہبیت ہندوستان سے بہت زیادہ گہرا تعلق رکھتی تھی۔ اور اسلام سے لوگوں کی عقیدت اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کوئی شخص یہ تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ پچیس سال کے اندر اس سرزمین میں کوئی اسلام کا نام لینے والا بھی نہ پایا جائیگا۔ مگر آپ کو معلوم ہے کہ اشتراکی مبلغین کو یہ کامیابی کیسے ہوئی؟ اسکا ذریعہ صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ اشتراکیت کے مبلغ مقدم صورتیں لیے ہوئے نہایت عاجزی سے عالم بنکر علماء کرام کے پاس پہونچے اور سب سے پہلے انکا اعتماد حاصل کیا۔ ترکستان میں اس زمانہ کے قدیم ذہن مگر صحیح العقیدہ مسلمانوں کا گروہ بہت موجود تھے انھوں نے علماء کرام کو آگاہ کرنے کی کوشش کی کہ یہ اشتراکیت کی تحریک دراصل اسلام کی نفی ہے۔ لیکن علماء اور ان کے متبعین گنبد میں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ لوگ جدید زمانے کی تحریکات سے ناواقف تھے

کوئی علم نہ تھا۔ پھر مزید برآں وہ ان روشن خیال مسلمانوں سے اس بنا پر بھی سخت ناراض تھے کہ یہ لوگ شرح جامی اور مطول جیسی کتابوں کو نصاب سے خارج کر کے نیا تعلیمی نصاب بنانا چاہتے تھے۔ اس لیے انھوں نے شرح جامی کو منسوخ کرنے والے مسلمانوں کی بات ماننے کے بجائے اپنی ساری اخلاقی امداد ان ملاحدہ کے لیے وقف کر دی جو قرآن کو منسوخ کرنے اٹھے تھے۔ پھر جب علماء کے واسطے سے اشتراکیت کو ترکستان کے عوام میں اعتماد و اعتبار حاصل ہو گیا تو دیکھتے دیکھتے انھوں نے تمام باشندوں کو مٹھی میں لے کر ملک کے سیاسی نظام کا کامل تسلط حاصل کر لیا اور اسکے بعد سب سے پہلے جس گروہ کی خبر لی وہ یہی علماء و مشائخ تھے جنکے اعتماد سے فائدہ اٹھا کر انھوں نے اقتدار حاصل کیا تھا۔ اشتراکی انقلاب کی تکمیل کے بعد ترکستان کے طول و عرض میں جس طرح علماء اور صوفیہ کا قتل عام کیا گیا اور مذہبی طبقوں کو جیسے جیسے شدید مظالم کے ساتھ ختم کیا گیا اسکی داستان اتنی دردناک ہے کہ چنگیز و ہلاکو کی تاریخ بھی اسکے سامنے گرد ہو جاتی ہے۔ یہ سب کچھ اسی بیس تیس سال کے دوران پیش آیا ہے اور اس سرزمین میں ہوا ہے جو سرحد ہندوستان سے پانچ سات سو میل سے زیادہ دور نہیں ہے۔ لیکن ہمارے مذہبی پیشواؤں کو اسکی کچھ خبر بھی نہیں اور وہ آج ہندوستان میں پھر وہی حرکت دہرانے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ انکے بڑے بڑے اجتماعات میں اشتراکی لیڈروں اور اشتراکیت زدہ لوگوں کو استقبالیہ خطبے پڑھنے کا موقع دیا جاتا ہے۔ انکے سردار آزادی اشتراکی کارکنوں کے ساتھ عوام میں کام کرنے جاتے ہیں اور اچھے اچھے مشہور علماء کی زبان سے یہ فقرے سننے میں آتے ہیں کہ اسلام اور اشتراکیت میں اسکے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ ایک میں خدا کا تصور ہے اور دوسرے میں نہیں ہے لہٰذا اشتراکی نظام بالکل اسلامی

لاہور سے ایک مراسلہ

[ذیل کا مراسلہ جس صورت میں موصول ہوا ہے، بلا کسی ادنیٰ تصرف کے بجنسہ درج کیا جاتا ہے]

لاہور ۔ ۲۵ ۔ ۸ ۔ ۱۳

میاں ماجد صاحب ۔ السلام علیکم

میں نے صدق میں آپ کا وہ نوٹ پڑھا جو آپ نے مولانا آزاد کے متعلق لکھا ہے "دین و سیاست میں نہ سہی، بہرحال اردو ادب کی تاریخ میں ایک ممتاز مقام رکھتے ہیں"

بہت خوب! دین کی اجارہ داری تو تم ایسے الو کے پٹھوں نے سنبھال رکھی ہے، جو قرآن کی ایک آیت کو دوسری سے منسوخ کر کے رکھ دیتے ہیں اور قرآن حکیم کی تفسیر میں عجیب و غریب لغویات شامل کر کے انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کو مذہب سے برگشتہ کر رہے ہیں

آزاد بیچارہ تو مذہب کی الف، ب بھی نہیں جانتا!

آخری بھولو کی ہی نکلے ۔ چند ہی روز ہوئے، ایک صاحب نے بتایا کہ اس دریا بادی مفسر قرآن نے ہزاروں روپے لوگوں سے

خدا سے ڈر! اپنے پیٹ میں آگ مت ڈالو!

بہتر ہو اگر تم خدا کے سامنے اس حال میں جاؤ کہ تمھارا دامن توبہ کے آنسوؤں سے دھلا ہو ۔ مسلمانوں کو دھوکا دینا چھوڑ دو۔ جن لوگوں سے تم نے چندہ لے کر کھا لیا ہے انکی ایک ایک پائی واپس کر دو۔ کیونکہ ترجمہ تو آج تک نہیں چھاپ رہی ہے اور پیسے تم کھا گئے ہو۔

اگر تم نے یہ رقمیں لوگوں کو واپس نہ کیں تو میں اخبارات میں مفصل اعلان کر کے تم کو ذلیل کر دونگا۔ خود میرے ایک عزیز تمھارے دھوکے کا شکار ہو کر ایک معقول رقم تمھاری تجوری میں ڈال بیٹھے ہیں۔

ایم ہارون الرشید

جو حضورؐ کی زندگی اور مسلمانوں کے عقائد و معاشرت پر ہیں انکے جوابات بھی سنر موصوفہ نے اپنے رنگ میں رنگ دیے ہیں۔

غیر مسلموں اور انگریزیت میں مستغرق تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے رسالہ کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا۔ (ع - ق)

(۶) **پرانی اور نئی تعلیم و دیگر مضامین خاص** - از محمد شمس الدین صاحب صدیقی مصنف وظیفہ یاب - ضخامت ۹۶ صفحات قیمت و ملنے کا پتہ درج نہیں۔

اس مجموعہ میں محمد شمس الدین صاحب صدیقی مصنف وظیفہ یاب (ریاست حیدرآباد دکن) کے ۲۰ مضامین جو مختلف اخبارات میں شایع ہو چکے ہیں شامل ہیں۔ چند عنوانات ملاحظہ ہوں: پرانی اور نئی تعلیم۔ انگریزی تعلیم کا مقصد۔ پردہ کے فوائد و نتائج آزادی۔ ہندوستانی عورت کے متعلق ایک مغربی مصنفہ کی رائے۔ اچھی تعلیم و تربیت کا نتیجہ۔ وغیرہ

ان مضامین میں خاص چیز یہ ہے کہ فرنگیت کے رسوم جاہلیت کے خلاف مضمون نگار نے اپنی دالی پوری سعی کی ہے، اور بے پردگی کے نتایج بد بتائے ہیں، اس دعوے کی بنیاد رہے تردید کی ہے کہ انگریزی دوانی ہی کارکردگی اور بڑے عہدوں کی ذمہ داریوں پر احسن و جوہ پوری اتر سکنے کے لیے ضروری ہے۔ گناہوں میں مبتلا ہونے پر وقوع عذاب و عقاب خداوندی سے ڈرایا ہے اور قدم قدم پر آخرت کی یاد غافل مسلمانوں کو دلائی ہے۔ چونکہ یہ مضامین زیادہ تر دکن کے اخبارات میں شایع ہوئے ہیں اور اصل مخاطب وہیں کی پبلک ہے۔ اس لیے مثالیں بھی زیادہ تر مقامی ہی دی گئی ہیں (ع - ق)

مراسلہ

عالیجناب مکرم و محترم مدیر صدق جناب مولانا عبد الماجد صاحب ادام اللہ ظلکم - السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ - مزاج مبارک

بہت دن سے "صدق" دیکھا آیا ہوں، اسکی یگانگت بھی کچھ عجب ہے۔

"قدامت پرستی پر ضرب" دیکھ کر بڑا تردد ہوا۔ کیونکہ میں نے قدیم نصاب درس نظامی میں بہت کچھ ترمیم و اصلاح کر کے (اگرچہ یہ کوئی آخری اصلاح نہیں) "جادۂ سلف" سے "انحراف" کا "اصلاحی جرم" کیا ہے۔ حد یہ ہے کہ کتب احادیث کے درس تعلیم کی ترتیب تک کو بدل دیا ہے ترمذی شریف جلد ثانی کی تعلیم پہلے اور جلد اول کی بعد میں، مسلم شریف پہلے اور ابو داؤد اسکے بعد - ناقد نظر رکھنے والے حضرات تو شاید مباحث و مضامین کے لحاظ سے اسی ترتیب کو احسن کہیں مگر جو بزرگ پرانی ترتیب کو قدرتی اور منزل من اللہ سمجھتے ہونگے معلوم اصلاح کے اس "جرم" کو کب معاف کرینگے - ایک جگہ سات برس تک مقامات حریری کا درس دیا مگر اسکو اپنے یہاں نصاب میں جگہ دینے کی گنجائش نظر نہ آئی - سلم، حمد اللہ، قاضی مبارک، تصریح، شرح چغمینی، صدرا، اشارات کو نسی کتاب اس میں ہے جسے پڑھا اور دو دو چار چار مرتبہ تکرار نہ کیا ہو۔

ممتحن کا خوف الگ دامن گیر رہتا کہ کہیں حاشیہ اور منہیہ سے نرسائی کر بیٹھیں یہ کتابیں جنکا درد اور وظیفہ رہتا تھا - خدا معلوم انکی افادیت کیوں سمجھ میں نہیں آتی - انھیں بھی داخل نصاب کرنے سے اپنے کو قاصر پا رہا - ابو الحسن علی صاحب نئے طرز پر کتاب لکھ کر دو چار موتی چگے ہیں - دیکھیے مجھے کیا حوادث پیش آتے ہیں علما و فضلا کے پاس اور جہت سے ادارہ میں بھیجا جا چکا ہے آراء و خیالات کا انتظار ہے - آپکے پاس بھی نصاب گیا ہے اصلاح کی ابتدائی کوشش سمجھ کر اپنی رائے بذریعہ صدق جلد تحریر فرمائیے - بعد رمضان مدارس عربیہ میں تعلیم شروع ہو جاتی ہے - ابھی وقت ہے شاید کہیں کچھ اصلاح و ترمیم ہو جائے۔

چونکہ دار العلوم کا نصاب جدید ہے اس لیے درس تدریس کی ضروریات بہت بڑھ گئی ہیں اور بہت ساری نئی کتابیں خریدنی پڑینگی۔ ابو الحسن صاحب کی جو بہت افزائی ہوئی ہے معلوم ہو گئی، دار العلوم کو تجربہ کرنا باقی ہے - خدا جانے قدامت کا بت کب ٹوٹے گا - پتہ ذیل سے نصاب جدید مفت طلب کیجیے اور ہو سکے تو ارسال زر دیں۔

عبد الجلیل رحمانی ناظم دار العلوم الیدہ پور۔
ڈاکخانہ برڈپور - ضلع بستی - یو - پی

کھانے والے کبھی نہیں مرے ہیں۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت مالداروں کے بچے ہوئے پس اندوز سرمایہ سے لینے کی اسلام اس حد تک اجازت دیتا ہے کہ ضرورت کی تکمیل کے بعد جو کچھ بھی جس کسی کے پاس باقی بچ جائے سب کو لے لیا جا سکتا ہے۔ زائد از ضرورت سواری اور زاد راہ والی حدیث کا تعلق بھی جنگی سفر سے ہے۔ اور فقراء مہاجرین میں امیروں کے زائد از ضروریات مال کو خرچ کر دینے کا خیال حضرت عمرؓ نے بطور تمنا کے جو ظاہر فرمایا تھا اسکا منشا بھی یہی ہے کہ مہاجرین بیچارے اپنے موروثی جائدادوں کو چھوڑ چھوڑ کر مدینہ عموماً اس شکل میں پہنچے تھے کہ انکے پاس اپنا ذاتی سرمایہ کچھ بھی باقی نہ رہا تھا۔ انکے خاص حالات کا لحاظ کرکے حضرت عمرؓ نے اس آرزو کا اظہار فرمایا تھا۔ حافظ ابن حزم نے اس سلسلہ میں مشہور فوجی واقعہ کو بھی یاد دلایا ہے یعنی

صح عن ابی عبیدة بن الجراح وثلث مائة من الصحابة رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان زادہم فنی فامرہم ابو عبیدة فجمعوا ازوادہم فی مزودین وجعل یقوتہم علی السواء (ص ۱۵۸)

ابو عبیدة بن الجراح اور تین سو دوسرے صحابیوں سے بروایت صحیح یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ زاد راہ فوج کی ختم ہو گئی تب حضرت ابو عبیدہ نے حکم دیا کہ لوگ اپنے اپنے توشوں کو دو توشہ دانوں میں اکٹھا کریں۔ اور اسکے بعد لوگوں میں برابر برابر وہ بانٹتے رہے۔

ظاہر ہے کہ یہ بھی وہی جنگ کی حالت ہے، ایسے مواقع پر اگر معاشی سطح سب کی برابر کر دی جائے تو جو وثائق اسلامی اسوقت تک پیش کیے گئے ہیں اُن سے یقیناً اسکی تائید ہوتی ہے۔

لیکن یہ یا اسی قسم کی بعض دوسری روایتوں کو پیش کرکے یہ نتیجہ پیدا کرنا یقیناً صحیح نہیں ہے کہ بنی نوع انسانی کے مختلف افراد مختلف قدرتی صلاحیتوں اور مناسبتوں کو لیکر جو پیدا ہوتے ہیں اسلام اس مشاہدہ کا انکار کرکے انسانوں کو بھی پرندوں اور چرندوں پر قیاس کرکے یہ قرار دیتا ہے کہ جیسے ایک بکری کو گھاس چارے کی تقریباً وہی مقدار دی جاتی ہے جو دوسری بکری کھاتی ہے، اسی طرح ساری انسانی آبادی بھی ایک ایسے یتیم خانہ کی شکل میں بدل دی جائے جس میں ہر یتیم کھاتا، لباس، دیا، اور دوسرے یتیم کا شریک نظر آتا ہے۔ گویا افراد انسانی میں ذہنی و کسبی کمالات جو پائے جاتے ہیں انکی کوئی قیمت نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال کی آمدنی کی تقسیم میں مساوات کے قانون کو پسند فرمایا تھا۔ لیکن اسکا یہ مطلب ہرگز نہ تھا کہ افراد کے انفرادی کمالات و فضائل کی قیمتوں کا وہ اپنے اس طرز عمل سے انکار کرنا چاہتے تھے۔ اور یہ بات آپ کے

[illegible]

فرمایا۔ جنکا حاصل یہی تھا کہ تمہارے فضائل و کمالات کا شکریہ نہیں ہوں لیکن ان کی قیمت کا انتظار دوسری آنے والی زندگی میں کرنا چاہیے، اور یہ تو دنیا کی مختصر زندگی کا معاملہ ہے، اس میں ان کمالات کی قیمتوں کو کیوں اہمیت دی جائے؟

بلاشبہ حضرت والا کا یہ خیال تھا کہ کوئی مذہبی حکم نہ تھا بلکہ یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں راہ بدل دی، اور ارباب کمال و فضائل کی قیمتوں کا کھلے دل سے عملاً آپ نے اعتراف فرمایا۔

بہرحال آخرة کی زندگی کے مقابلہ میں دنیا کی یہ گذشتنی و گذاشتنی زندگی جسکی نگاہوں میں حقیر ہو چکی ہو، اور اسی حقارت کی بنا پر جنہوں نے اس لئے مساوات و برابری کے مسلک کو اختیار کیا، انکے طرز عمل کو سامنے رکھکر آخرت کے منکرین جو آج ناجائز نفع حاصل کرنا چاہتے ہیں، بجز زبردستی کے اسے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ سب کچھ یہی اور شکم سے قبر تک والی زندگی ہے اس لیے زندگی کے لذائذ سے ہر ایک کے لیے متمتع ہونے کے مواقع ان غلط تدبیروں سے پیدا کرنا۔ کہاں حیات انسانی کا یہ تنگ پست و ذلیل نظریہ، اور کہاں یہ خیال کہ سب کچھ چونکہ وہی زندگی ہے جو آیندہ زندگی میں ہر ایک کو ملنے والی ہے۔ اس لیے ان چند لمحات والی زندگی کو کوئی اہمیت نہ دینی چاہیے۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ دونوں میں کوئی مناسبت بھی ہے۔ قرآنی آیت

انظر کیف فضلنا بعضہم علی بعض وللاٰخرة اکبر درجات واکبر تفضیلا (بنی اسرائیل)

دیکھو تو بعضوں کو بعضوں پر ہم نے کیسی برتری بخشی ہے، اور قطعاً آخرت میں مدارج اور باہم ایک کی برتری دوسرے پر زیادہ بڑے پیمانہ پر نمایاں ہوگی۔

کو جو براہ راست جو خدائی قانون یقین کرتا ہو کیا کسی حیثیت سے بھی وہ ان سے راضی ہو سکتا ہے جو پرندوں اور چرندوں پر قیاس کرکے مدارج و مراتب کے تفاوت کے اس سارے قصے کو ختم کرنے پہ تلے ہوئے ہوں جو پیدائشی اور کسبی کمالات و فضائل کے لازمی نتائج کی حیثیت سے بنی نوع انسانی میں پائے جاتے ہیں۔

پس صاف اور سیدھی بات بلفظ ابن حزم کے مسلک کے رو سے یہی ہے کہ زکوٰة کے سوا بھی اغنیاء اور سرمایہ داروں کے مال میں غرباء کا حق ہے اور اس حق کا دامن اس حد تک وسیع ہے کہ اپنی اور اپنے اہل و عیال کی ضرورتوں میں صرف ہو جانے کے بعد جو کچھ بھی جس کسی کے پاس بچ رہا ہو، وہ غرباء کی ضرورتوں کے لیے لیا جا سکتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے صحابہ کے اس خیال کا کہ زائد از ضرورت مال میں ہم سے کسی کا کوئی حق نہیں ہے۔

لیکن بلا ضرورت محض اس خیال کو پورا کرنے کے لیے کہ سب چونکہ امیر نہیں بن سکتے اس لیے نسل انسانی کے ہر فرد کو غریب بنا دیا جائے، قطعاً یہ اسلامی مسلک نہیں ہو سکتا۔

[illegible]

اغنیاء اور سرمایہ داروں سے غرباء کے اس حق کو حاصل کرنا حکومت کے فرائض میں ہے۔ انکے اپنے الفاظ یہ تھے

یجبر السلطان علیٰ ذٰلک	اور مجبور کریگا سلطان (حکومت) لوگوں کو اس پر

اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ کہتے ہوئے تو کوئی چیز انکی طرف سے نہیں پیش کی گئی ہے کہ اس سے انکے دعوے کی تائید ہوتی ہے لیکن جو مواد اس ذیل میں انھوں نے جمع کر دیا ہے، اس کی روشنی میں یہ بات بھی طے ہو جاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت مسلمانوں میں پیغمبر ہونے کے ساتھ ساتھ حاکم وقت اور بادشاہ کی بھی تھی، لیکن جنگ کے موقع پر آپ کا یہ فرمانا کہ [illegible] سواری اور زاد راہ رکھنے والے ان لوگوں کو اپنی زائد چیزیں دیدیں جنکے پاس وہ نہیں ہیں، یا حضرت عمرؓ کا قول قحط کے متعلق جو گزرا یعنی [illegible] مالوں کے ساتھ قحط کے زمانہ میں یہ رکھا گیا کہ جتنے آدمی [illegible] گھر میں ہیں اسی قدر آدمی ان میں اور اضافہ کر دئے گئے" یہ فرمانے کے بعد حضرت عمرؓ اس حدیث کا بھی ذکر کرتے کہ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم طعام الواحد یکفی للاثنین	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کے لیے کافی ہو جاتا ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ نے اس حدیث کا مطلب یہ قرار دیا تھا کہ حکومت اگر کبھی ضرورت محسوس کرے تو طعام الواحد یکفی للاثنین (ایک آدمی کا کھانا دو کے لیے کافی ہو سکتا ہے) کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لیکر غرباء کی امداد کر سکتی ہے۔

اسی طرح حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مسلمانوں کے امیر عسکر ہونے کی حیثیت سے یہ حکم دینا کہ ہر سپاہی اپنے زاد راہ کو ایک جگہ جمع کر دے اور جمع کرنے کے بعد امارت کے اسی اقتدار سے کام لیتے ہوئے فوجیوں میں اس جمع شدہ سرمایہ کو علی السویہ تقسیم کرنا: ان تمام باتوں سے یقیناً یہ ثابت ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت اسلامی بادشاہوں کا یہ فرض ہے کہ غرباء کی معاشی ضرورتوں کی تکمیل امراء کے بچے ہوئے پس ماندہ سرمایہ سے کریں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ مشہور حدیث

تؤخذ من اغنیائہم وتقسم علیٰ فقرائہم	لیا جائے ان کے امیروں سے اور بانٹ دیا جائے اُن کے غریبوں میں۔

کے اجمال کی یہ تشریحی صورتیں ہیں۔

حافظ ابن حزم نے اس بحث کو ختم کرتے ہوئے اپنے مخالفین کو فقہ کا وہ مشہور جزئیہ بھی یاد دلایا ہے، یعنی پیاس سے اگر کوئی مر رہا ہو تو جہاں کہیں سے پانی مل سکتا ہو اُسے حاصل کرنا چاہیے۔ پانی والوں سے اگر اس سلسلہ میں لڑائی کی ضرورت ہو، تو لڑنا بھی چاہیے۔

حافظ نے اس جزئیہ کو نقل کرنے کے بعد پوچھا ہے

فای فرق بین ما اباحوا لہ من القتال علیٰ ما یدفع بہ عن نفسہ الموت من العطش وبین ما منعوہ منہ من القتال عن نفسہ فیما یدفع بہ عنہا الموت من الجوع والعری (ص ۱۵۹)	پیاس کی وجہ سے موت کا اگر اندیشہ ہو اس وقت لڑ کر پانی لینے کو جو جائز ٹھہرایا گیا ہے، اور بھوک یا عریانی کی وجہ سے اگر موت کا اندیشہ ہو تو لڑائی اور قتال کو جن لوگوں کو منع کیا ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ دونوں میں فرق کیا ہے!

(باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریداروں کی میعاد خریداری ماہ ستمبر میں تمام ہوئی ہے۔ براہ عنایت چندہ جلد روانہ کر دیا جائے۔ ورنہ ۱۱ اگست ۱۹۴۵ء سے وی پی روانہ ہونگے۔ وی پی میں ۵ ؍ فی وی پی زائد خرچ ہوتا ہے۔

خریدار نمبر ۲۰۱، نمبر ۲۳۰، نمبر ۲۲۵، نمبر ۲۲۹،
نمبر ۳۶۸، نمبر ۴۶۶، نمبر ۴۶۵، نمبر ۶۳۲،
نمبر ۶۵۴، نمبر ۶۶۳، نمبر ۶۷۴، نمبر ۷۱۷،
نمبر ۹۳۵، نمبر ۹۳۹، نمبر ۹۴۰، نمبر ۹۴۱،
نمبر ۹۳۶، نمبر ۹۴۷، نمبر ۹۷۴، نمبر ۹۸۰،
نمبر ۱۰۲۴، نمبر ۱۰۸۶، نمبر ۱۰۹۰، نمبر ۱۰۹۲،
نمبر ۱۱۰۴، نمبر ۱۱۴۲، نمبر ۱۱۹۲، نمبر ۱۱۸۶،
نمبر ۱۱۹۰، نمبر ۱۲۰۶، نمبر ۱۲۲۴، نمبر ۱۳۰۲،
نمبر ۱۳۰۶، نمبر ۱۳۰۹، نمبر ۱۳۱۰، نمبر ۱۳۱۲،
نمبر ۱۳۱۳، نمبر ۱۳۱۷، نمبر ۱۳۱۸، نمبر ۱۳۱۹،
نمبر ۱۳۲۱، نمبر ۱۳۲۲، نمبر ۱۳۲۴، نمبر ۱۳۲۵،
نمبر ۱۳۲۸، نمبر ۱۳۲۹، نمبر ۱۳۳۰، نمبر ۱۳۳۷،
نمبر ۱۳۳۹، نمبر ۱۳۴۰، نمبر ۱۳۴۲، نمبر ۱۳۴۳،
نمبر ۱۳۴۸، نمبر ۱۳۴۹، نمبر ۱۳۵۰، نمبر ۱۳۵۱،
نمبر ۱۳۵۲، نمبر ۱۳۵۵، نمبر ۱۳۵۶، نمبر ۱۳۵۷،
نمبر ۱۳۵۸، نمبر ۱۳۵۹، نمبر ۱۳۶۰، نمبر ۱۳۶۱،
نمبر ۱۳۶۲، نمبر ۱۳۶۳، نمبر ۱۳۶۵، نمبر ۱۳۶۹،
نمبر ۱۳۷۰، نمبر ۱۵۰۱

خادم - مہتمم صدق - لکھنؤ

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجئے :-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۱۳ | یوم سہ شنبہ - ۱۹- رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸- اگست ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

من کہ علی بن عثمان الجلابی ام رضی اللہ عنہ از پس آنکہ مرا حق تعالیٰ یازدہ سال از آفت تزویج نگاہ داشتہ بود ہم تقدیر کرد تا بفتنہ اندر افتادم و ظاہر و باطنم اسیر صفتے شد کہ با من کردہ آنکہ رویت بودہ بود و یکسال مستغرق آں بودم چنانکہ نزدیک بود کہ دین بر من تباہ شود تا حق تعالیٰ بکمال لطف و تمام فضل خود عصمت را باستقبال دل بیچارہ من فرستاد و برحمت خلاصی ارزانی داشت۔

میں کہ علی بن عثمان جلابی ہوں۔ مجھے خدا تعالیٰ نے گیارہ سال تک نکاح کی مصیبت سے محفوظ رکھا۔ اسکے بعد تقدیر الٰہی یہ ہوئی کہ میں آزمائش میں پڑ گیا اور دل و جان سے ایک حسن نادیدہ پر گرویدہ ہو گیا۔ چنانچہ ایک سال میں اس کیفیت میں غرق رہا اور قریب تھا کہ میرا دین تباہ ہو کر رہے کہ حق تعالیٰ نے عین وقت پر اپنے لطف و فضل سے میری دستگیری کی اور اپنی رحمت سے مجھے اس سے خلاصی عطا کی۔ (کشف المحجوب، ص ۲۸۵ لاہور)

یہ حال کون اور کہاں بیان کر رہا ہے؟ بیان کرنے والے ہندوستان کے بہت قدیم اور مشہور و معروف بزرگ و مقتدائے طریقت، پانچویں صدی ہجری کے شیخ الشیوخ شیخ علی الہجویری الغزنوی (عرف عام میں داتا گنج بخش لاہوری) ہیں۔ تصوف کی اپنی مستند و مشہور عالم کتاب کشف المحجوب میں جابجا اپنا آپ جیتی بھی اپنے نام کی تصریح کے ساتھ لکھتے گئے ہیں، اور انھیں مقامات میں سے ایک مقام کا اقتباس یہ درج ہوا۔

کیا صوفیا و عالی مقام و بزرگان کرام بھی کسی انسانی حسن نادیدہ کی محبت میں مبتلا ہو سکتے ہیں؟ انکا ظاہر و باطن بھی کسی انسان کے خیال میں غرق ہو سکتا، اور سال سال بھر تک مستغرق رہ سکتا ہے؟ اولیاء اللہ بھی دین کو تباہ کر دینے والی معصیت کے قریب پہونچ سکتے ہیں؟ ——— یا یہ ہے کہ خدانخواستہ یہ شیخ طریقت اپنے متعلق صریح غلط بیانی سے کام لے رہے ہیں؟

وہ خوش عقیدہ گروہ ایسے کلمات کو سن رہا ہے؟ جسکے نزدیک بزرگی، مقبولیت اور ولایت کے معنی ہی یہ ہیں کہ انسان بشریت کی حد سے گزر جائے، اور اگر ملائکہ کی طرح نہیں تو انبیاء کرام کے درجہ میں تو ضرور معصوم ہو جائے؟ اور گناہ کیا معنی، گناہ کا خیال بھی اسکے پاس نہ پھٹکنے پائے۔ اور خیال معصیت کیا معنی کوئی عمل مرتبۂ فضائل سے فروتر اس سے سرزد نہ ہونے پائے!

انسان بہرحال انسان ہے، اور بشر بہرحال بشر۔ ابوالبشر کی صفت بہا اس سے لغزشیں (کم و بیش کا سوال الگ ہے) صادر ہوتے رہنا اسکے کمال اور بزرگی کے ذرہ بھر بھی منافی نہیں۔ (ربنا ظلمنا انفسنا کی مناجات آدم کی حرز ساری نسل آدم کے لیے ہے ——— نفعل و نستغفر (ہم کیتے بھی رہتے ہیں اور استغفار بھی کرتے رہتے ہیں) قول تاج شریعت امام مالکؒ کا ہے۔

اشخاص اور مسائل

بی سے ایک گریجویٹ کا مکتوب:-

"حال میں مکاتیب مہدی نظر سے گزری۔ خطوط بنام سید سلیمان ندوی

نئی کتابیں

(۱) **قرآن مجید کی دوسری کتاب** - از مولوی عبدالسلام صاحب قدوائی ندوی - ضخامت ۲۰۷ صفحے - مجلد - قیمت عہ - پتہ: ادارۂ تعلیمات اسلام - متصل امین الدولہ پارک - لکھنؤ

سلسلہ کی پہلی کتاب اور اس سے پہلے تیل کی تمہیدی کتاب جیسے ان مفید قرآنی ریڈروں کی پر اثر کرنا چاہیے، یعنی عربی کے دس سبق ان دونوں پر ریویو ان صفحات پر ہو چکے ہیں۔

کتاب یہ فرض کرکے لکھی گئی ہے کہ پڑھنے والا سلسلہ کی پہلی دونوں کتابیں پڑھ چکا ہے، پارۂ اول کی منزل سے گزر چکا ہے، اور اب پارۂ دوم پڑھنے بیٹھا ہے۔ کتاب کے سولہ سبق ہیں۔ ہر سبق میں پارہ سیقول کا ایک ایک رکوع آگیا ہے۔ رکوع کا ترجمہ نہیں، متن رکوع - اور اسکے بعد بعض مشکل الفاظ کے معنی دے کر، مشکل ترکیبوں کو سمجھا کر، اور رکوع کا ترجمہ متعلم پر چھوڑ دیا گیا ہے۔ قواعد نحوی کی بابت مصنف کی کوشش ہے کہ مشق سے اور مثالوں کی کثرت سے از خود ذہن نشین ہوتے جائیں۔ --- سارے قرآن مجید کو یوں پڑھا دینا اور سمجھا دینا آسان نہیں۔ جوں جوں کام آگے بڑھتا جاتا ہے، قدرۃً متعلم کے لیے مشکلات بھی بڑھتی جاتی ہیں، اور اختلاف دماغی میں بیش سے بیشتر ہوتا جاتا ہے۔ نئی زبان، اور پھر عربی جیسی باقاعدہ زبان کے اس پار کو سیکھنا ابتدائی کے بس کی بات نہیں۔ اور مصنف جیسے فاضل منتہی کے لیے یہ ممکن بھی نہیں، کہ وہ اپنے کو متعلم کی نفسیاتی سطح پر اتار لائیں۔

عربی زبان، خصوصاً قرآن مجید کو اب تک جتنا زیادہ دشوار کہا جاتا رہا ہے، اندیشہ ہے کہ اس افراط کا ردعمل اب تفریط کی صورت میں ہونے لگا ہے، اور اسے ایک ہلکا اور سہل سا کام سمجھا جانے لگا ہے، کہ طالب علم اگر اپنے دوسرے مشاغل زندگی کے ساتھ دن میں گھنٹہ بھر بھی اسکے لیے نکال لے تو چند مہینوں کی مدت بالکل کافی ہو جائیگی --- یہ حسن ظن تو اسر مبالغہ آمیز اور شاعرانہ ہے گو اس منزل کی طرف کوشش کا ہر قدم اجر اور حوصلہ افزائی ہی کا مستحق ہے۔

تشریح کے نام سے جو کچھ درج ہے، وہ انگریزی فوائد کے لیے ایک اچھی خاصی دلچسپ دکار آمد تفسیر ہے۔ گویا یہ ہے کہ کسی تفسیر پر بھی متفق علیہ کا اطلاق دشوار ہی ہے۔

قرآن مجید کے علاوہ ہر سبق میں دوسری کتابوں کی عبارتیں بھی ترجمہ کے لیے درج ہیں۔ خیر بخاری و مسلم کی حدیثوں تک تو غنیمت تھا۔ (بشرطیکہ انکی عبارتیں آیات متعلقہ کی تفسیر و تشریح تک محدود رہتیں) لیکن قرآن مجید سکھانے والی کتاب میں مستطرف یا سیرۃ عمر بن عبدالعزیز وغیرہ ادب و تاریخ کی کتابوں سے اقتباسات دینا تو بڑی ستم ظریفی ہے۔ اسی طرح جو اردو عبارتیں عربی ترجمہ کے لیے درج ہیں، اُن میں ناشپاتی، حنا، کشمش، پستہ، دہی، نارنگی، امرود، باز، شکرہ، چیتا، ہرن، بارہ سنگھا، خرگوش، بادام، وغیرہ کے الفاظ لانا، یا قواعد کے ذیل میں اس طرح کے معلومات درج کرنا کہ پہلے عربی میں ایک لاکھ کے عدد کے لیے مِأَۃ الف لاتے تھے، اور اب آجکل ملیون (دس لاکھ) اور اسکی جمع ملایین سے کام لیتے ہیں" (ص۱۶۱) قرآن مجید کی تعلیم کے سلسلہ میں غیر مفید ہی نہیں، صریح مضر ہیں۔ اور پھر اردو کی عام مشق ایسی لمبی عبارتیں عربی ترجمہ کیلئے اس قرآن آموز کتاب میں بالکل ہی بے محل ہیں۔ یہ قرآن فہمی میں ذرہ بھر بھی معین نہیں۔ قرآن مجید پورے کا پورا بخوبی سمجھا جا سکتا ہے، بغیر اسکے کہ اردو سے عربی ترجمہ کی ذرا بھی مشق ہو۔ ضرورت کے مطابق عربی لکھنے اور بولنے کی صلاحیت (ص...) پیدا کرنے کا خیال اپنی جگہ پر بہت اچھا سہی، لیکن اسکے لیے قرآن مجید کی نہیں، بلکہ "عربی زبان" کی پہلی اور دوسری ریڈروں کا سلسلہ شروع کرنا تھا۔

(۲) **تاریخ جرم و سزا** - جلد دوم - از جناب امداد صابری صاحب ۳۰۱ صفحے - مجلد مع گرد پوش - قیمت ؎ پتہ: - رائل ایجوکیشنل بکڈپو - اردو بازار - دہلی -

کتاب کی صرف جلد دوم تبصرہ کے لیے موصول ہوئی ہے۔ اغلب ہے کہ جلد اول کے ساتھ کوئی دیباچہ یا مقدمہ بھی ہو، اور اسی میں کتاب کے مقاصد، ترتیب بیان وغیرہ کا ذکر ہو۔ موجودہ جلد گرد پوش کی تصریح کے مطابق "اسلامی دور" پر ہے۔ یہ تصریح صحیح نہیں، حقیقۃً کتاب بعض قدیم قوموں اور عہد رسالت اور عہد خلافت راشدہ کے قوانین و تعزیرات سے متعلق ہے۔

کتاب دلچسپ و پُر معلومات ہے۔ تمثالی عنوانات بکثرت ہیں اور بعض بالکل اخباری انداز کے ہیں، لیکن تحقیق کا معیار ہر جگہ کسانہیں۔ اور بعض غلطیاں تو ایسی ہیں کہ ان پر حیرت ہی ہو کر رہ جاتی ہے (۱)۔ مثلاً توریت کا حوالہ دیتے وقت بجائے توریت کے بار بار "زبور" کا نام لینا۔

"زبور سے ثابت ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شراب عام طور سے ہر شخص پیتا تھا" (ص...) "زبور کے نزدیک حضرت نوح بھی شراب پینے والوں میں سے تھے" (ص۲۳) "اس قتل کا تذکرہ زبور میں بھی ہے" (ص۲۱) زبور میں سدوم کی لوا طت کا حسب ذیل واقعہ درج ہے" (ص۲۹) "زبور جیسا مقدس صحیفہ ہے، اُس میں اس عبارت کا اضافہ کیا گیا ہے" (ص۳۲) زبور سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں زانیہ عورت کی سزا زندہ جلانا تھی" (ص۳۴) "زبور میں ہے" (ص۴۲) "چنانچہ زبور میں اسکے متعلق یہ واقعہ درج ہے" (ص۵۶) "شراب پینے کی زبور میں ممانعت کی ہے" (ص۶۶) "چنانچہ زبور میں اسکی تفصیل یہ ہے" (ص۶۹)

حالانکہ ان میں سے ایک مقام پر بھی اقتباس زبور کا نہیں، بلکہ ہر جگہ توریت ہی کا ہے۔ اگر اسے کتابت کی غلطی فرض کر لیا جائے،

مُردوں کے انتفاع کا قرآنی قانون

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی)

قرآن ہی سے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ لمن فی الارض یعنی زمین کے باشندوں کے لیے آسمانوں میں رہنے والے ملائکہ استغفار کرتے ہیں اور جو بیان والے ہیں انکے لیے تو مغفرت اور بخشش کی درخواست بارگاہ الٰہی میں ملائکہ مقربین کا وہ طبقہ پیش کرتا رہتا ہے جو عرش الٰہی کو اپنے دوش پر اٹھائے ہوئے ہے وہ بھی اور گردوپیش کے اسی طبقہ کے وہ فرشتے بھی جو عرش رحمن کے چاروں طرف پائے جاتے ہیں۔ آخر سورۂ شوریٰ کی آیت

والملائکۃ یسبحون بحمد ربہم ویستغفرون لمن فی الارض	اور ملائکہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں اپنے رب کی حمد کی اور مغفرت چاہتے ہیں انکی جو زمین میں ہیں

قرآن کی تلاوت کرنے والوں میں کس کی نظر سے نہیں گزرتی ہے۔

اسی طرح سورۂ "مومن" میں جو یہ ارشاد ہے کہ

الذین یحملون العرش ومن حولہ یسبحون بحمد ربہم ویومنون بہ ویستغفرون للذین آمنوا	جو اٹھائے ہوئے ہیں عرش کو اور عرش کے اردگرد جو فرشتے ہیں وہ برابر تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اپنے رب کی اور ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور مغفرت چاہتے ہیں ان لوگوں کی جو ایمان والے ہیں۔

کیا ان آیتوں کا صحیح مطلب یہ نہیں ہے کہ دوسروں کے عمل اور فعل سے فائدہ پہونچنے کا قانون قرآنی قانون ہے۔ اور ملائکہ ہی کیا، قرآن ہی میں یہ بھی تو ہے کہ اپنے آپ پر ظلم کرنے والے اگر رسول کے پاس آئیں اور آکر خدا سے خود بھی مغفرت کے طالب ہوں اور رسول (علیہ السلام) بھی انکے لیے مغفرت کے خواہاں ہوں

لوجدوا اللہ توابا رحیما (النساء)	تو پائیں گے وہ اللہ کو بہت بڑا توبہ قبول کرنے والا اور بہت زیادہ مہربان۔

بلکہ سچ تو یہ ہے کہ قرآنی دعاؤں میں جب ایک دعا یہ بھی ہے یعنی

یقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان	کہتے ہیں کہ اے مالک ہمارے بخش دیجیے آپ ہم کو اور ہمارے بھائیوں کو بھی جنھوں نے ایمان لانے میں سبقت کی۔

تو کیا اسکا یہ کھلا ہوا تقاضہ نہیں ہے کہ ایک مومن کا عمل دوسرے مومن کے لیے بھی مفید ہو سکتا ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ جہاں یہ قرآنی قانون ہے اسی کے ساتھ تو قرآن میں ہم یہ بھی پڑھتے ہیں کہ پیغمبر کو خطاب کرکے یہ فرمایا گیا ہے کہ

سواء علیہم استغفرت لہم ام لم تستغفر لہم لن یغفر اللہ لہم (منافقون)	انکے لیے برابر ہے خواہ تم انکی مغفرت چاہو یا نہ چاہو اللہ تعالیٰ ہرگز انکی مغفرت نہیں فرمائے گا۔

بلکہ سورۂ توبہ میں تو ان ہی لوگوں کا ذکر کرکے جنکے لیے مذکورہ بالا آیت میں پیغمبر کے اس عمل کے متعلق قطعاً غیر مفید ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہاں تک صراحت کر دی گئی ہے کہ

استغفر لہم او لا تستغفر لہم ان تستغفر لہم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لہم	مغفرت تم چاہو یا نہ چاہو اور اگر تم ستر دفعہ انکی مغفرت چاہو گے تب بھی ہرگز ہرگز اللہ تعالیٰ انکو نہ بخشے گا۔

کون نہیں جانتا کہ پیغمبر کے عمل استغفار کے عدم افادہ کا تعلق ان ہی لوگوں سے ہے جو ایمان سے محروم تھے۔ خود ہی سورۂ توبہ کی مذکورۂ بالا آیت کے بعد عدم افادہ کی وجہ قرآن کا ان صاف الفاظ بیان کر دی ہے یعنی

ذلک بانہم کفروا باللہ ورسولہ	یہ اس لیے ہے کہ انھوں نے کفر کیا اللہ کا اور اسکے رسول کا

اور اس سے بھی زیادہ واضح اور صاف الفاظ میں اسی سورہ میں ایک عام قانون کی حیثیت سے اعلان کر دیا گیا ہے کہ

ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی القربیٰ من بعد ما تبین لہم انہم اصحاب الجحیم۔	نبی ہی کے لیے یہ درست ہے اور نہ ایمان والوں کے لیے کہ وہ مغفرت چاہیں شرک کرنے والوں کی خواہ وہ قریب کے رشتہ داری کیوں نہ ہوں (یعنی) اس بات کے بعد جب یہ کھل چکا ہے مشرکین جہنم والوں میں ہیں۔

جس سے معلوم ہوا کہ آدمی میں اپنے اعزہ اور اقربا کے گناہ بخشوانے اور ثواب پہونچانے کی جو عام خواہش ہوتی ہے شرک کی حالت میں اس خواہش کی تکمیل سے لوگوں کو قرآن نے مایوس کر دیا ہے۔

حضرت ابراہیم جیسے اولوالعزم پیغمبر کے اپنے مشرک باپ کے لیے استغفار کا جو عمل کیا تھا تو قرآن کو اسکی توجیہ میں یہ کہنا پڑا کہ صرف وعدہ کا وہ ایفا تھا۔ جسکا مطلب یہی معلوم ہوتا ہے کہ آزر کو حضرت ابراہیم کے اس فعل سے نفع نہ ہو سکیگا۔

خیر اس قصہ کی تفصیلات کو تو اپنی جگہ پر پڑھنا چاہیے یہ اس موقع پر یہ کہنا ہے کہ غیر کے عمل سے استفادہ جب اس پر مبنی ہو کہ جسے فائدہ پہونچانے کا ارادہ کیا جائے وہ پہلے خود بھی ایمان اور توحید کی دولت سے سرفراز ہو ورنہ کفر و شرک کی حالت میں غیر کا عمل خواہ وہ پیغمبر ہی کا عمل کیوں نہ ہو مفید نہیں ہو سکتا۔ تو اسکا حاصل اسکے سوا اور کیا ہوا کہ درحقیقت ہر شخص کو جو کچھ بھی فائدہ پہونچتا ہے تاآں اپنی ایمانی جد و جہد اور توحیدی اعتقاد ہی کی بنیاد پر پہونچتا ہے۔ ایسی صورت میں قرآن کی مشہور آیت

لیس للانسان الا ما سعیٰ وان سعیہ سوف یریٰ (النجم)	نہیں ہے آدمی کے لیے لیکن وہی جو اس نے سعی کی ہو اور اسے اپنی سعی ہی قریب ہے کہ دکھائی جائیگی۔

سے جو اس مغالطہ میں مبتلا ہو گئے ہیں کہ قرآن کی رو سے غیر کے عمل سے کسی کو کسی قسم کا کسی حیثیت سے کوئی فائدہ نہیں پہونچتا

کرتا ہوں۔ لیکن اسلام کے کسی ایک قانون کی تشریح کے لیے یہ کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے کہ اسی کے دوسرے قانون کا دینی مصالح کی بنیاد پر انکار کر دیا جائے۔ آپ مسلمانوں میں عملی بیداری ضرور پیدا کیجیے، ان میں ہر ایک کو غوث و قطب ابدال اور اوتاد بنا کر دم لیجیے بہت اچھی بات ہے، لیکن یہ بات کہ مومن جو ایمان و توحید کی دولت لے کر دنیا سے روانہ ہوا ہے، اگر عمل کی دنیا سے وہ اب خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا تو اسلام نے اس بیچارے کے لیے فائدہ پہونچانے کا یہ دروازہ جو کھول رکھا ہے، یعنی جو لوگ ابھی عمل کی دنیا میں موجود ہیں، وہ چاہیں تو اپنے اعمال کے منافع سے تم کا موقعہ اُسے بھی دے سکتے ہیں۔

آپ بلا وجہ اس دروازہ کو اس غریب پر کیوں بند کرتے ہیں اور تماشہ تو یہ ہے کہ قرآن ہی کی آیتوں سے آپ اپنے اس غلط طرز عمل کی تائید میں ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

بہرحال جب قرآن ہی سے یہ ثابت ہے کہ غیر کے عمل سے ایمان والوں کو نفع پہونچ سکتا ہے تو اس میں کیا حرج ہے کہ اگر کوئی بیٹا جو ابھی اسی عمل کی دنیا میں موجود ہے، وہ اپنے اُس باپ کے لیے مغفرت کی دعا کرے جس کا تعلق عملی دنیا سے منقطع ہو چکا ہے، یا یہ کہ وہ کچھ پیسے یا کھانا پکا کر خیرات کرکے اُس ثواب کو جو خیرات کے اس عمل سے اُسے حاصل ہوا وہ اپنے مرحوم باپ کو پہنچا دے، یا قرآن مجید کی تلاوت کا ثواب حق تعالیٰ سے عرض کرکے اُس کی طرف منتقل کرتا رہے۔ مانا کہ ان تفصیلات کا ذکر قرآن میں نہیں ہے لیکن اسکے خلاف بھی تو کوئی بات قرآن میں پائی نہیں جاتی، بلکہ اصولاً معلوم ہو چکا کہ غیر کے عمل کے فائدہ کو قرآنی قانون کی حیثیت عطا کی گئی ہے۔ اب اسی اصول کے تحت حدیثوں میں جب تفصیلات کی صراحت موجود ہے تو آپ آخر ان حدیثوں کا کیوں انکار کرتے ہیں۔ آخر جب یہ صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ جو شخص قرآن مجید کے لفظ الٓم کا تلفظ کرتا ہے تو اُسے ہر ہر حرف کے مقابلہ میں دس نیکیاں ملتی ہیں۔ یعنی الف میں دس حسنہ، لام میں دس حسنہ، میم میں دس حسنہ۔ خیال کرنے کی بات ہے کہ حسنات کا اتنا بڑا ذخیرہ اتنی سہولت سے کیا اور کسی ذریعہ سے بھی حاصل ہو سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف نے ان لوگوں کے لیے جن سے اگر کچھ نہیں ہو سکتا تو انکو یہی مشورہ دیا گیا ہے کہ قرآن کی آیتیں ہی پڑھ کر انکے پڑھنے سے جو حسنات اور نیکیاں تمہیں حاصل ہوتی ہیں اُنھیں مرنے والوں تک پہونچا دیا کرو یا اگر توفیق ہو تو خیرات اور فقراء و مساکین کو کھانا کھلا کے اسکا ثواب بخش دیا کریں۔ ظاہر ہے کہ مسئلہ کی اصل صرف اتنی ہے اور جیسا کہ معلوم ہو چکا، یہ ادلہ شرعیہ سے ثابت ہے۔ (الفرقان بریلی)

بقیہ صفحہ ۲

کو زیادہ ہو جائیں۔ اور اس طرح ہماری ساری مشکلات از خود

حل ہو جائیں۔ (ڈیپوٹیشن اینڈ اینڈرپس آف امریکہ)

یہ کیا! اب تک تو "صاحب" کی زبان سے یہی سنا تھا کہ قیامت کا تخیل نرا وہم ہی وہم ہے محض مذہب والوں کا ایک ڈھکوسلا ہے، اور یہ ڈھنگر ہارے بوڑھوں اور بچوں سے کبھی بھی کہنا شروع کر دیا تھا، اور اب خود "صاحب" ہی قیامت کے امکانات پر گفتگو کرنے لگے، اور اُن احتمالات کو پیش کرنے لگے کہ زمین شق ہو جائے، نظام کائنات یک بیک درہم برہم ہو جائے، اور نسل انسانی ناپید ہو جائے! ——— اکبر کی زبان میں،

صاحب سے سُنی ہے اب قیامت کی خبر!

(بقیہ صفحہ ۴)

تو بھی اتنی بار اسی غلطی کی تکرار حیرت انگیز ہی ہے

(۲) اسی طرح متعدد مقامات پر مصنف نے ایک مخصوص اور جزئی واقعہ سے قاعدہ اور کلیہ استنباط کرنے میں بڑی جلدبازی سے کام لیا ہے۔ اسکی مثالیں دو ایک نہیں، خاصی کثرت سے ہیں۔ اور اس سے بھی بڑھ کر بعض جگہ جرأت یہ کی ہے کہ قرآن مجید کی آیتوں کو ایسے وسیع مفہوم میں آزادی کے ساتھ لے لیا ہے، جسکے متحمل نہ الفاظ قرآنی ہیں نہ اکابر تفسیر ہی سے سند ملتی ہے۔ مثلاً ص۱۲۹ پر ایک عنوان ہے "تلبیس سکّہ واشاعت کی ممانعت"

حیرت ہوئی کہ قرآن میں تلبیس سکہ" اور تلبیس اشاعت کا ذکر کہاں ہے، دیکھا تو نیچے یہ آیت درج تھی ولا تلبسوا الحق بالباطل وتکتموا الحق۔ (بقرہ رکوع ۵) اس آیت خصوصاً جس سیاق میں ہے اُسے سکہ اور اشاعت سے تو کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔

(۳) بعض عنوانات کے تحت میں جو آیتیں بغرض استشہاد پیش کی ہیں اُنھیں اس مضمون سے کوئی تعلق ہی نہیں، مثلاً ص۱۶۰ پر عنوان ہے "خودکشی کی ممانعت" اور اسکے تحت میں یہ آیتیں درج ہیں ولا تقتلوا انفسکم (سورۂ نساء ع ۵)، ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ (بقرہ ۲۴) ومن یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم یستغفر اللہ یجد اللہ غفورا رحیما (نساء ۱۶) اس میں بجز پہلی آیت کے اور آیتوں کو ممانعت خودکشی سے کوئی سروکار ہی نہیں۔

(۴) بعض جگہ مسائل کے بیان کرنے میں قرآن پر اضافہ تک کی نوبت آگئی ہے، مثلاً ص۱۹۵ پہلے تو یہ مضمون درج کیا ہے کہ اگر چور چوری کے بعد توبہ کر لے اور اپنی اصلاح کر لے کہ آئندہ یہ فعل نہ کرے گا، تو اس کے ہاتھ پیر کاٹنے کی ضرورت نہیں، اور اسکے بعد سورۂ مائدہ کی آیت السارق والسارقۃ نقل کرکے اسکا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے:۔

اگر چوری کے بعد چور توبہ کر لے اور وعدہ کرے کہ وہ آئندہ چوری نہ کریگا تو خواہ مخواہ اسکا ہاتھ کاٹنا ضروری نہیں بلکہ اللہ اسکو معاف کرتا ہے۔	فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ غفور رحیم

زیر خط حصہ تمام تر بیان زائد ہے۔ شروع میں بڑی مفصل فہرست مضامین کی طرح ماخذوں کی فہرست بھی طویل دی ہے، اور ۶۰ کتابوں کے نام گنائے ہیں۔ ان میں سے اکثر تو مستند اور معروف ہیں، لیکن بعض غیر معروف ہیں، انکے پورے نام مع انکے مصنفوں کے دینے چاہیے تھے، اور بعض بہت کم درجہ کی ہیں جو ہرگز کسی علمی اور ٹھوس مقالہ کی فہرست میں شامل نہ ہونا چاہئیں، بعض کتابیں بجائے خود اور علمائے فن میں مستند ہیں۔ مثلاً

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

صدق

نمبر ۳۲ | شنبہ - ۲۳ رمضان المبارک ۱۳۶۴ھ مطابق یکم ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

نئی برطانوی پارلیمنٹ کے تقریباً افتتاح اسی ماہ اگست کے وسط سے ہوا۔ اُسی پارلیمنٹ کا جو اتنے شور و ہنگامہ کے بعد، چرچل کی ٹوری پارٹی کو کچلتی ہوئی، لیبر پارٹی کا جھنڈا لہراتی ہوئی منتخب ہوئی ہے۔ نئے اور کامیاب وزیر اعظم اٹیلی کی افتتاحی تقریر آپ نے پڑھی؟ بڑے اشتیاق سے نظریں اس پر پڑی ہونگی، کہ چرچل کی خوب خبر لی گئی ہوگی۔ نگاہوں نے ڈھونڈھا ہوگا کہ اس میں کیا کچھ سب و شتم چرچل کے حق میں ملیگا! —— لیکن ملا کیا؟ ملا یہ کہ

"ہماری فتح عظیم کا سہرا سب سے بڑھکر میرے پیش رو مسٹر چرچل کے سر ہے۔ تاریخ میں انکا مقام محفوظ ہو چکا ہے۔ فتح بڑی حد تک اُنھیں کی تدبیر، ہمت اور کوشش کا نتیجہ ہے"

کیا چرچل صاحب کے معتقد و مداح بھی اس سے زیادہ کچھ کہتے ہیں؟

اور پھر چرچل نے حزب المخالف (اپوزیشن پارٹی) کے لیڈر کی حیثیت سے کیا کہا اور کیا کیا؟ کیا یہ کہ ملک نے میرے ساتھ بڑی غداری کی؟ یا یہ کہ قوم بڑی احسان فراموش اور قدر ناشناس نکلی؟ یا یہ کہ مخالفوں نے "بے ایمانی" سے ووٹ حاصل کر لیے؟ اسکے برعکس پوری تقریر وقار و سنجیدگی کا نمونہ ہے۔ نہ مخالفین پر چوٹیں ہیں، نہ کسی پر ذاتی کیا معنی صفاتی حملے بھی۔ بس وہی ملک و قوم کی رائے عامہ کے آگے جو سر جھکا دینے کی عادت انگریز قوم کی رگ رگ میں بس چکی ہے، اسی کا عملی مظاہرہ! نہ ٹاپ ٹاپ، نہ جھانک جھانک، نہ طعن نہ تشنیع۔ جب تک الکشن نہیں، مقابلہ کا وقت رہا، جی کھول کر مقابلہ کر لیا۔ اور جب قوم کا ایک فیصلہ ہو گیا، اپنے موافق یا اپنے مخالف، تو بس اُسی پر راضی و مطمئن، اپنے کام سے لگ گئے۔ نہ گلہ نہ شکوہ، نہ آوازے نہ پھبتیاں —— دونوں پارٹیوں میں صرف طریق کار کا اختلاف، منزل ایک ہی، اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق، ہر فریق آزاد!

کوئی نسبت اس سے آپ کے ہاں کے "آزاد" اور "پُرجوش" لیڈروں اور نامی گرامی ایڈیٹروں کو ہے؟ جب تک بڑی سے بڑی دل آزار اور دل شکن باتیں دوسرے کے لیے نہ کہہ ڈالیں، جی بھر کر اُس کی پگڑی ملک میں اُچھال کر نہ رکھدی، ہر طنز اور ہر طعن سے دل کے حوصلے نہ نکال لیے، تو بات ہی کیا ہوئی؟ محفل میں گرمی اور تحریر میں زور ہی کہاں پیدا ہوا؟

اللہ کے بندو! ڈسپلن، نظم، ضبط، سمع و طاعت کے ان نمایاں، مبین، مظاہروں کے بعد بھی اس پر کچھ حیرت ہے کہ اپنی بیسیوں اخلاقی لغزشوں کے باوجود، بیسیوں اجتماعی مفسدوں کے باوجود، فسق و فجور کی گہرائیوں میں ڈوبے ہونے کے باوجود، یہی قوم آج بھی دنیا پر حکومت کر رہی ہے، میکاڈو کو پچھاڑ دیتی ہے، مسولینی کو ذبح کر ڈالتی ہے، ہٹلر کو موت کے گھاٹ اُتار دیتی ہے!

انگریزی تفسیر قرآن

جناب مظفر علی صاحب (تبلیغی گوڑہ، حیدرآباد دکن) سے لکھتے ہیں:-

ہمیت ذرا کم کی - خدا کرے یہ دونوں اشرف کے بالکل ابتدائی دور کی ہوں -

زبان حتی الامکان صحیح رکھنے کی کوشش کی ہے۔ کہیں کہیں بعض ترکیبیں اور بعض محاورے نظر ثانی کے محتاج رہ گئے ہیں مثلاً

مجھ پہ ستم کیے نہ یوں وہ جبر و اقتدار سے
اتنی بھی اب ہمت نہیں بار الم اٹھا سکوں

جبر و اقتدار کا ترکیب سمجھ میں نہ آئی۔ یا شعر

میں ہوں گدائے بے نوا، مجھ کو وہ جام ہو عطا
عقل سے بہرہ پا سکوں ہوش میں پھر نہ آ سکوں

"ہوش میں آنا" تو ٹھیک ہے، لیکن عقل سے پانا "محل نظر ہے۔

بہر حال اشرف صاحب ہر طرح ہونہار ہیں اور ابھی دنیا علم و فن کے ... ۔ بے ربطی کی خامیاں سب کے کلام میں ہوتی ہیں اور رفتہ رفتہ مشق و ذوق سے گھٹتی جاتی ہیں - اقبال کے رنگ میں وہ قوم و ملت کی بہترین خدمات انجام دے سکتے ہیں - اللہ کرے "ان کا فردا" ان کے امروز سے بہتر اور روشن تر و مبارک تر ہو -

تصحیح نئی کتابیں صدق نمبر ۳

(افسوس ہے کہ صدق [illegible] میں نئی کتابیں کے تحت میں کتاب [illegible] داستان شہید کربلا پر ریویو سہو کاتب سے رہ گیا اور داستان شہید کربلا کا نام و پتہ لکھنے کے بعد اس کے بجائے دوسری کتاب جو نمبرہ پر تھی یعنی اسلام تھیوسوفی کی روشنی میں کا ریویو شائع ہوگیا ہے۔ لہذا اس پرچہ میں ہر دو کتب پر ریویو از سر نو شائع کیا جا رہا ہے۔ (نائب مدیر))

(۲) **داستان شہید کربلا** - مرتبہ محمد عبد الرحمن صاحب سعید صدیقی - ضخامت ۲۵۶ صفحات - قیمت ۱۲/ ملنے کا پتہ: نفیس اکاڈمی - حیدر آباد دکن

اس مجموعہ میں حادثہ کربلا کے بارے میں سات مضامین جمع کیے گئے ہیں۔ چار مضامین مولانا ابو الکلام کے "دور الہلال و البلاغ" کے ہیں، ایک مضمون مولانا مناظر احسن صاحب کے قلم سے ہے، اور وہ بھی غالباً ۱۹۲۳ء میں پہلی بار اخبار سچ میں شائع ہو چکا ہے - دو مقالے ذکر حسین از ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب اور شہادت کبریٰ از نواب بہادر یار جنگ مرحوم نسبتہً نئے ہیں، یعنی شہادت حسین کی سیزدہ سالہ یادگار کے سلسلہ میں پڑھے جا چکے ہیں -

مضامین سب کے سب اچھے اور قابل مطالعہ ہیں - واقعی شہادت کربلا سے اس دور کے مسلمان بھی بہت کچھ سبق حاصل کر سکتے ہیں اور اس کی تکرار (بشرطیکہ وہ مراسم مروجہ سے خالی رہے) یقیناً نافع ہے۔ اس مجموعہ میں اتنی کمی رہ گئی کہ اتنے پرانے مضامین پر ان کے لکھنے والوں سے نظر ثانی کرائی گئی ہوتی تو یقیناً مجموعہ کی افادیت بڑھ گئی ہوتی -

... مجموعہ میں حضرت حسین کے ساتھ بجائے رضی اللہ عنہ کے "علیہ السلام" کا ہر جگہ لزوم، طریق اہل سنت سے تجاوز ہے۔
(ع - ق)

(۳) **اسلام تھیوسوفی کی روشنی میں** - مترجمہ جناب ضیاء الدین برنی بی اے - ضخامت ۲۸ صفحات قیمت ۲/ ملنے کا پتہ: غالباً مکتبہ سلطانیہ، بھنڈی بازار، بمبئی نمبر ۳

مسز اینی بسنٹ آنجہانی (تحریک تھیوسوفی کی پر جوش کارکن) کے ایک پرانے لیکچر کا، جو انہوں نے ۱۹۱۲ء میں تھیوسوفیکل سوسائٹی کے سالانہ اجلاس میں دیا تھا، سلیس و بامحاورہ اردو ترجمہ ہے - ایک ہمدرد غیر مسلم جس حد تک اسلام کی حمایت کر سکتا ہے، وہ اس لیکچر میں موجود ہے - مغربی اہل قلم، پادریوں کے اعتراضات جو حضور کی زندگی اور مسلمانوں کے عقائد و معاشرت پر ہیں، ان کے جوابات بھی مسز موصوفہ نے اپنے رنگ میں دیے ہیں - غیر مسلموں اور انگریزی میں مستغرق تعلیم یافتہ مسلمانوں کے لیے رسالہ کا مطالعہ یقیناً مفید ہوگا - (ع - ق)

(بقیہ صفحہ ۴)

احترام مسجد یا آداب اعتکاف کے منافی نہ پیدا ہو جائے۔

رسول اللہ صلعم کی عادت مبارک تھی کہ ماہ مبارک کے آخری عشرہ میں پورے دس دن کے لیے مسجد میں اعتکاف فرماتے اور علائق دنیوی سے جو انقطاع یوں بھی کامل رہتا، اس عرصہ کے لیے کامل تر ہو جاتا - اعتکاف مسنون بھی ہے، ہمارے فقہاء نے سنت کفایہ قرار دیا ہے۔ یعنی بستی بھر میں اگر کوئی بھی کر لے تو ساری بستی کی طرف سے وہ سنت ادا ہو جائیگی - بالکلیہ نفس اعتکاف، ہر مدت کے لیے، ہر زمانہ میں بہر حال استحباب و فضیلت کی چیز ہے۔

روحانی قوت و توانائی کا ذخیرہ اپنے اندر بھرنے کے لیے اور سال بھر کے لیے ایمانی اور اسلامی پروگرام بنانے کے لیے اپنے کو ایمانی و روحانی اعتبار سے تازہ دم کرنے کے لیے اس سے بہتر اور موثر تر نسخہ اور ہو کیا سکتا ہے کہ عین اس زمانہ میں جبکہ بیس دن کے مسلسل طاعت و عبادت اور شب و روز کے ذکر الٰہی و فکر ایمانی سے روح پر صیقل ہو چکی ہو، ملکوتیت بیدار ہو چکی ہو۔ انسان اپنے کو چند روز کے لیے کامل یکسوئی اور انقطاع کے عالم میں لے آئے اور اخلاص و للٰہیت کی مشقوں کو دعاؤں، عبادتوں سے، ذکر و فکر سے انتہائی کمال پر پہنچا دے!

لیکن ہر کس و ناکس کا ظرف اس مرتبہ کا متحمل نہیں ہو سکتا، عجیب عجیب غیر متوقع صورتیں معصیت کی پیش آ جاتی ہیں، جیسا کہ ان سطور کے راقم نامہ سیاہ کو اپنی ذات سے متعلق تلخ و قابل عبرت تجربات ہو چکے ہیں، مثلاً یہی کہ کھانے لانے والا آدمی گھر سے کھانا بہت دیر میں لایا اور معتکف بیچارہ خفت اس پر برس پڑا - (دیکھیے حشر)

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

ابھی ابھی صدق نے یہ لکھا کہ پہلے جب سرزمین ہند کے مسلمان تنہا فرماں روا تھے تو یقیناً ملک اس وقت بھی آباد اور رعایا شاد تھی، ملک کیا اسی قدر آباد جتنی اب ہے، اور رعایا تو شاید اس سے بھی زیادہ شاد تھی جتنی اب ہے، لیکن مسلمانوں کی یہ حکومت چلتے آغوش میں صدیوں نہیں، ایک نصف درجن صدیوں کو لپیٹے ہوئے ہے۔ کیا یہ باور کرنے کی بات تھی کہ حکومت کا یہ سارا زمانہ گزار دیا گیا جس میں نہ ملک ہی کسی دستور کا پابند تھا اور نہ حکومت ہی نے ملک پر کسی قسم کے آئین کو نافذ کیا تھا؟ کیا واقعی مسلمانوں کی حکومت کا عہد بے آئینی کا عہد تھا؟ ایسی بے آئینی کا عہد جو صرف ان لاٹھیوں کے سایہ میں ختم ہوا جن سے ہنکانے والے اپنی بھینسوں کو جس طرح چاہتے تھے ہنکاتے چلے جاتے تھے؟

شاید کچھ یہ دیکھ کر کہ قانون وضع کرنے والی مختلف گوناگوں ناموں والی مجلسوں، گرم گرم تیز و تند پارلیمانی مباحثوں اور بحثوں، نیچے سے اوپر تک تہ بہ تہ قانون نافذ کرنے والے مختلف عہدہ داروں، اختیارات رکھنے والے اداروں کے ذریعہ سے امن و امان کے جس نتیجہ کو آج بمشکل حاصل کیا جا رہا ہے جب ان میں سے کسی ایک چیز کا بھی مسلمانوں کے دور حکومت میں نشان نہیں ملتا تو کیسے باور کر لیا جائے کہ ان گذشتہ حکومتوں کا بھی کوئی آئین تھا، حالات تو یہ ہے کہ محاصل کی تحصیل و وصول اور اسی قسم کی چند دوسری چیزوں کا ایک دفتر آئین اکبری (مولفہ ملا ابو الفضل) میں جو پایا جاتا ہے، اگر اس سے قطع نظر کر لیا جائے تو قانون کے نام سے ورق دو ورق کے کسی رسالہ کا بھی مسلمانوں کے زمانہ میں سراغ نہیں ملتا۔ پھر کیا امن و امان کا یہ پھل جسکا اسلامی عہد میں شہرہ کیا گیا تھا بغیر درخت کے قائم تھا؟ اس زمانہ کا مورخ ان سوالوں کو اٹھاتا ہے، اٹھاتا ہے اور گزر جاتا ہے۔ شاید کچھ کہنا چاہتا ہے لیکن نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ جن دماغوں سے سوچنے کا عادی آج لوگوں کو بنا دیا گیا ہے ان سے سب کچھ سوچا جا سکتا ہے، لیکن جو چیز نہیں سوچی جا سکتی یا لوگ نہیں سوچنا چاہتے وہ بھی ایک اور صرف ایک ہی بات ہے، یعنی مذہب نے بھی دنیا کی کوئی خدمت انجام دی ہے، دین کا بھی آدم کی اولاد پر کچھ احسان ہے؟ دنیا اسکے سوچنے سے معذور بنائی جا چکی ہے۔ کمال کا انتساب مذہب کی طرف ناقابل برداشت حقیقت بن چکی ہے۔ بلکہ آج ہر چیز کی نمائش کے لیے مذہب کی طرف کسی شے کا انتساب کافی ہے۔ عہد علم کا اتنا عظیم الشان ضخیم ذخیرہ کی شکل پیدا کہ تاریخ ہو ...

چند لمبے لمبے کرتوں اور لمبی لمبی داڑھیوں والے ملاؤں کی طرف اسے منسوب کر دیا جائے؟ ایک احساس پیدا کر دیا گیا ہے جو اس نسبت کے جواز سے منسوب کرنے والوں کو روکتا ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہندوستان کے عہد اسلامی کی تاریخ کا یہ باب گونگے کا خواب بنا ہوا ہے، جو دیکھ رہے ہیں وہ بول نہیں سکتے اور جو بول سکتے ہیں انھوں نے دیکھا نہیں یا دیکھنے سے انھیں روکا گیا ہے۔ چند سطر غیر واضح الفاظ میں کچھ لکھ بھی دیا جاتا ہے تو پڑھنے سے پہلے جو کچھ معلوم تھا، ان الفاظ کے پڑھنے کے بعد بھی اس پر کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ لیکن واقعہ یہی ہے واقعیت پر تو تماشہ یہ ہے کہ کسی کے جاننے نہ جاننے کا تابع نہیں ہوتا۔ آنکھوں کے بند کر لینے سے بند راگر یہ سمجھتا ہے کہ سامنے پھن کھول کر لہرانے والے سانپ پر موت طاری ہو جاتی ہے، تو یہ سانپ کی نہیں، بند رکے احساس کی موت ہے۔

بس یہی بات کھرے کھرے الفاظ میں یہ ہے اور یہی ہے کہ فقہ کے نام سے مذہبی علم جو مسلمانوں میں پایا جاتا ہے، اب مذہبی ہونے یا کسی وجہ سے آپ چاہیں جتنا بھڑکیں بھڑکنے کا آپ کو اختیار ہے، لیکن واقعہ یہی تھا اور یہی رہیگا کہ ہندوستان کے باہر بھی جہاں کہیں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوئیں تو صدی دو صدی تک ہی نہیں ایک ہزار اور ہزار سے بھی زیادہ مدت تک ان حکومتوں کا قانون فقہ کا یہی مذہبی علم تھا، ایسا قانون جو اتنی طویل و دراز مدت تک زمین کے اتنے بڑے رقبہ پر حکومت کے قانون ہونے کی حیثیت سے زندہ رہا ہے کہ مشکل ہی سے قانون کے نوزائیدہ عصری مجموعوں میں کوئی مجموعہ ایسی اتنی طویل اور عریض تاریخ رکھتا ہو۔

حکومتوں، مصالح اور ارباب اقتدار کے ذاتی اغراض کے دباؤ سے آزاد قطعاً آزاد ہو کر صداقت کی ان ہی بے لاگ اور عمیق اور گہری بنیادوں پر جو پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ملی تھیں ان ہی سے علماء اسلام کا ایک طبقہ، بڑا طبقہ، قانون پر قانون بناتا چلا جاتا تھا اور انکے نافذ کرنے میں مشغول و منہمک تھا۔ یہی فقہاء امت کا گروہ تھا۔

پھر ڈھونڈنے والوں کو قانون کے نام سے دست دو ورق کا رسالہ بھی اس زمانہ کے متعلق اگر نہ ملتا ہو تو نہ ملے لیکن فقہاء کے وضع کیے ہوئے بلکہ صحیح الفاظ میں استنباط و اجتہاد سے نکالے ہوئے مسائل اساسی کتابوں اور روزمرہ پیش آنے والے حوادث و واقعات کے پیش آنے کی صورتوں میں وقائع، فتاوے، الحوادث، النوازل وغیرہ وغیرہ ناموں سے فقہی اور ذیلی قوانین کا جو دفتر تیار ہو گیا ہے، بلا مبالغہ اس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ لاکھوں لاکھ اوراق میں بکھرا پڑا وہ

اب تک محفوظ ہے اور قضاء وقدر البتہ اس وقت تک محفوظ رکھنے کی کوشش سرگرمی سے جاری رہیگی جب تک پھر کہ بالآخر اسی پر عمل درآمد کیلیے دنیا آمادہ نہ ہو جائیگی اور اسکو آمادہ ہوتے ہی پڑیگا کہ واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون[1]۔

اسلامی قانون کی تدوین کے اس کام میں خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ باوجود نو مسلم ہونے کے ہمارے (کشور ہند) کا بھی کافی حصہ ہے۔ غیر معروف چند لے بڑے متون یا رسالوں یا شروح و حواشی کے سوا تغلقوں کے عہد میں تاتارخانیہ جیسا مستند فتاوے ہندوستان ہی نے دنیا کی اسلامی حکومتوں کے سپرد کیا تھا۔ اسی طرح گجرات میں فتاوے حمادیہ کی ترتیب بھی ہندوستان ہی کی محنت کی رہین منت ہے۔ فتاوے ابراہیم شاہی کے نام سے جونپور کی حکومت شرقیہ نے بھی اسی کام کو اپنے وقت میں انجام دلایا تھا، اور بالآخر اسلامی قانون کی تدوین کا آخری کام فتاوے ہندیہ یا فتاوے عالمگیری کے نام سے اسی ملک کیلیے ازل سے مقرر تھا۔

سلطان عالمگیر اورنگ زیب انار اللہ برہانہ کے حکم سے مستند علماء اور وقت کے سربرآوردہ فقہاء کی ایک جماعت نے بظاہر ملا نظام برہان پوری کی نگرانی میں اس کام کو انجام دیا ہے۔ لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ براہ راست خود بادشاہ خدا آگاہ، سعادت پناہ، عملی دلچسپیوں کے ساتھ اس اہم آئینی کام کے بذات خود نگراں تھے۔ دن میں جتنا کام مکمل ہو جاتا تھا، شب کی خلوت میں ملا نظام سے براہ راست لفظاً لفظاً سب کو سنتے تھے، بیچ بیچ میں اپنی تنقیدی رایوں کو بھی ظاہر کرتے جاتے تھے۔ خیر یہ تو ایک طویل قصہ ہے[2]، میرا ارادہ ہے، خدا پورا کرے کہ ہندوستان میں اسلامی قانون یعنی فقہ پر علماً و عملاً مختلف شکلوں سے جو کام ہوا ہے، اسکی داستان ایک مستقل کتاب ہی کی صورت میں مرتب کردوں۔ اسوقت سرِدست اس کتاب ہی کی یادداشتوں سے اخذ کرکے بعض [illegible] کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ ہماری اسلامی حکومتوں پر اس شرعی قانون یعنی فقہ کا کسی زمانہ میں کتنا

---

[1] خدا اپنی روشنی کو پوری کرکے رہے گا، خواہ کافر [illegible] کریں، اسلے اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں ۱۲

[2] ہندوستان میں اسلامی قانون کے جو [illegible] فتاوے کی کتابیں مختلف زمانوں میں مرتب و مدون ہوئی ہیں ان کے تفصیلی حالات ایک حد تک آپ کو میری کتاب "تعلیم و تربیت" میں مل سکتے ہیں۔ جس میں ہندوستان کے اسلامی عہد کی تعلیم و تربیت کے نظام پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ یہ کتاب وہیں کے نشری ادارہ ندوۃ المصنفین سے ملیگی۔

کا اثر تھا۔

اب کہنے والوں کو کیا کہیے۔ میں ششدر و حیران ہو کر اب دن رہ گیا تھا، جب ایک کسی نے "تاریخ ہند" کے ایک مسلمان استاد و معلم نے بڑے پوچھتے ہوئے کہا تھا کہ کیا فقہ کی کتابوں کے دینی حصے مسائل پر حکومت کا کسی زمانہ میں عملدرآمد بھی تھا؟" کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا"۔

گھر کا آدمی جب یہ کہہ رہا ہے کہ یہ جب یہ کہلوایا جا رہا ہے تو باہر والوں کو خدا ہی جانتا ہے کہ کیا کچھ یاد کرایا گیا ہوگا۔ اسی فکر میں ڈوب گیا۔ کیسی عجیب بات! اسلامی عہد میں نازک ترین وقت اس حیثیت سے اگر کبھی آیا بھی تھا تو اکبری عہد کا وہ نازک وقت تھا جب بادشاہ کے مزاج کے مزاج میں کچھ انحراف پیدا ہو گیا تھا۔ لیکن تاریخ کی ان نازک اور کٹھن گھڑیوں میں بھی کیا ہوا تھا۔ نواب شاہنواز خان اورنگ آبادی مآثر الامراء میں رقمطراز ہیں:-

قاضی بتقطیع معاملات اہل اسلام شیمن گشت و برہمنے را بجہت فصل قضایائے ہنود نیز راہ یافت (مآثر ج ۳ مطبوعہ کلکتہ)	مسلمانوں کے مقدمات کے فیصلے کیلیے قاضی کا اور ہندوؤں کے جھگڑوں کو چکانے کے لیے کسی ذات برہمن کا تقرر کرنا قرار پایا۔

اور یہ تو خیر زیغ اور انحراف کے وقت کا نقشہ ہے۔ ورنہ یہی جلال الدین محمد" اکبر بادشاہ" جب تک "جلال الدین محمد" ہی رہے تھے جہاں پناہ اکبر بادشاہ نہیں ہوسکے تھے، تو آثر ہی میں اس زمانہ کا حال یہ لکھا ہے

دراں وقت اکبر بادشاہ بترغیب شیخ (عبد النبی) در اجرائے احکام شرعی و امر معروف و نہی منکر فراواں جہد می نمود	اس زمانہ میں اکبر بادشاہ شیخ عبدالنبی (صدر الصدور) کے اشارہ سے شرعی احکام کے جاری کرانے میں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں انتہائی کوششوں سے کام لیتے تھے۔

انتہا یہ تھی کہ بقول انہی کے

خود اذان می گفت و امامت میکرد حتی بقصد ثواب بجاروب مسجد می زد[1]۔ ص ۲/۵۶۰	خود بادشاہ اذان دیتا تھا اور امامت بھی کرتا تھا۔ یہاں تک کہ ثواب لوٹنے کی غرض سے جھاڑو بھی مسجد میں خود دیتا تھا۔ (باقی آئندہ)

---

[1] بادشاہ کی طبیعت کی اس انتہا پسندی کو دیکھ کر چاہیے تھا کہ لوگوں کو لوگوں کا کھٹکا اسی وقت سے ہوتا۔ جب دینداری میں وہ یہاں تک پہنچا ہے تو اس کیفیت کے زوال کے بعد اعتدال کے نقطہ پر شاہی مزاج باقی نہ رہیگا۔ اور یہی ہوا۔ اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ اکبر شاہ سے جو کچھ بھی سرزد ہوا یہ انکی [illegible] کا نتیجہ تھا۔ انتہا پسندی ہی انکی فطرت تھی جدھر بھی دل ڈھل جاتا آخری حد تک اسی کے پیچھے

نمبر ۳۳ | یوم سہ شنبہ - ۲۶ - رمضان المبارک ۱۳۴۴ھ مطابق ۵ - ستمبر ۱۹۲۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

(از عبد الماجد)

مدت دراز کے بعد ابھی ایک دن لکھنؤ میں "ملا انوار" کے باغ کو جانا ہوا۔ "باغ" نام کے ساتھ ہی خیال درختوں اور پھول پتیوں کا آجاتا ہے، اور ذہن کے سامنے نقشہ سبزہ و چمن کا پھرنے لگتا ہے۔ یہاں باغ کے نام سے گھاس کی پتی تک نہیں۔ ایک بڑا وسیع، لق و دق احاطہ، اندر ایک پورا محلہ آباد، اور گرد لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات، درمیان میں لمبا چوڑا قبرستان، ہر طرف قبروں، قبوں، اور مزارات کی آبادی۔ ایک گوشہ میں مسجد اور خانقاہ! ——— آبادی کے اندر ویرانہ، یا یوں کہیے کہ ویرانہ کے اندر آبادی ——— فرنگی محل کے ایک قدیم بزرگ ملا محمد انوار آرام فرمارہے ہیں، انھیں کی جانب یہ محلہ منسوب ہے۔ ممکن ہے شروع شروع میں باغ ہی ہو، کبھی شاید نام قبرستان رہا ہو، اب تو مدت سے صرف فرنگی محل والوں کا قبرستان ہے، اور انکا بنگلے لیے وہ اجازت دیں

مدت کے بعد جانا ہوا۔ اور دل عجب اثر لیکر آیا۔ کیسی کیسی یادیں تازہ ہو گئیں، اور کتنے بچھڑے ہوؤں کی شبابی صورتیں نظر کے سامنے پھر گئیں! ——— سامنے سفید شفاف، سنگ مرمر کی آرامگاہ، فرنگی محل کے علم و شہرت کی آخری یادگار مولانا عبد الباری کی ہے۔ جس نفاست کے ساتھ زندگی گزری، شاید وہی وہاں بھی ساتھ دے رہی ہے۔ اور پہلو میں سبز گنبد کے نیچے ان کے والد [illegible] عبد المجید وغیرہ۔ اور یہ کھلے ہوئے میدان میں اور فلاں

کے مجاور مولوی سلامت اللہ اور مفتی و شیخ الحدیث عنایت اللہ بھی ہیں، اور مولوی محمد یونس (مترجم "روح الا[illegible]") بھی جو افرنگ مولوی عزت اللہ، انکے والد ماجد، اور اس نامہ سیاہ کے استاد مولوی عظمت اللہ، انکے ایک کونے میں نیم پختہ و نیم خام تربت فرنگی محل ہی کے نہیں بلکہ [illegible] ناز محقق مولانا عبد الحی کی۔ کیا نورانیت اور کیسی کشش [illegible] ایک قبر پر ہے! اس جگہ سے تو پیچھے ہٹنے کو جی نہ چاہے ——— اور عدد اسکے کتنے بڑے اور چھوٹے بوڑھے اور جوان، بچے اور بچیاں — اور تو اور خاص ایک [illegible] زبان میں وہ اپنے وقت کی نامور امیرزادیاں۔ ایک والی صاحب جہانگیرآباد، آہ، انکی وہ داد و دہش اور دریا منشیاں! اور دوسری رانی قمر زمانی بیگم، آہ، وہ انکے دور شباب و شہرت کی داستانیں! پہلا عقد ایک راجہ سے اور دوسرا ایک رئیس سے۔ اور دوسری طلاق کے بعد تیسرا عقد اپنے ہی علاقہ کے ایک کارندہ سے! اور مقدمہ بازی کے سلسلہ میں لکھنؤ ہی کے ایک اخبار میں مدتوں "دور قمر" کے عنوان سے نوٹس! ——— کیا کہیے، قبر انکے بھرے اعمال کے کن کن گوشوں کی نشان دہی کر رہی ہے، اللہ ستار و غفار، آمرزگار رب کو اپنی رحمت و مغفرت کے پردے میں ڈھانپ لے!

دو قدم اور مغرب کی طرف بڑھیے - تو لیجیے، وہ سامنے اونچے چبوترے پر ڈھیر نعرہ تقدس کے نام مولانا محمد نعیم کا ہے۔ اور انکے بازو پر انکے والد اور بھائی۔ اور نیچے دونوں بھتیجے - فرنگی محل "شمس العلماء" - ابو النصر مولوی عبد المجید اور ابو [illegible] مولوی [illegible] ایک معقولی دوسرے منقولی - اور عدد علوم اور کتنے ———

کو ئی فہرست اور شمار تھوڑے ہی مقصود ہے!

زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا!

ہر طرف عبرت کا کارخانہ - حسرتوں کا خزانہ -

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!

حسرت دہلوی کے دیوان میں "شہر اودھ کا باغ" کے ردیف وتانیہ میں جو غزل ہے، اسکی تلمیح اسی عبرت گاہ کی جانب ہے - اپنے بھی دو چار عزیز قریب اسی خاک میں آسودہ ہیں ———— اسمبلی اور کونسل والوں، چیف کورٹ اور گورنمنٹ ہاؤس والوں سب کی آخری منزل یہی ہے - کیوں نہ جیتے جی کبھی کبھی ان ویرانوں اور کھنڈروں کو جھانک لیا کیجیے اور قبل اسکے کہ یہاں لائے جایئے، کیوں نہ خود ہی کبھی بصحت عقل بسلامت - اس جہان کے خاموش پیام سُن جایا کیجیے!

نئی روشنی پرانے حقائق پر

ٹائمس آف انڈیا (۲۱ اگست ۴۵ء) میں ایک مضمون جاپانیوں پر "دیوتاؤں کے فرزند" کے عنوان سے ہے - اس میں جاپانیوں کے اس عقیدہ کا ذکر ہے کہ ہم لوگ عام انسانی مخلوق کی طرح نہیں، بلکہ دیوتاؤں کی اولاد ہیں، اور اس لیے خود بھی نیم دیوتا اور تقدس مآب ہیں ———— یہ عقیدہ صاف آواز بازگشت ہے یہود کے اس دعوے کی کہ نحن ابناء اللہ واحباؤہ (ہم خدا کی اولاد اور اسکے چہیتے ہیں)

مضمون نگار نے مقالہ میں شاہی محل کی بھی تصویر درج ہے جسکے آگے فوجی سپاہی پر اجلاسے نیم رکوع کی حالت میں محل کی طرف رُخ کیے، اسکی پوجا کر رہے ہیں - یہ ترجمان ہے اُنکے اس عقیدہ کا کہ میکاڈو (شاہ جاپان) اوتار ہوتے ہیں معبود اعظم سورج دیوتا کے! ———— بالکل یہی عقیدہ جو اہل مصر کا فرعون سے متعلق تھا -

تاریخ پر، جغرافیہ پر، واقعات حاضرہ پر نظر رہے تو قرآن مجید کے بیانات کی نظیریں اور تائیدی مثالیں قدم قدم پر ملتی جائیں گی مفسر جدید کے لیے یہ علوم ناگزیر ہیں -

پردہ اور پردۂ عصمت

ایک ہندوستانی "ماں" صاحبہ کا مراسلہ پائنیر (لکھنؤ) میں :-

"بڑی شرم اور بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہندوستانی شرفاء نے چاہے وہ طلبہ ہوں یا کوئی اور، اب تک اپنی عورتوں کی عزت کرنا نہیں سیکھا ہے - ہندوستان خود مختاری کے دروازہ پر پہونچ چکا ہے، اور ملک کی عورتیں پردہ سے باہر آکر مردوں کے شریک عمل ہونے کو ہر شعبۂ زندگی میں تیار رہیں، لیکن خود ہمارے نوجوان ہی راہ کی روک بنے ہوئے ہیں - سڑکوں اور شاہراہوں پر عورت کی توہین اور چھیڑ چھاڑ اس درجہ ہونے لگی ہے کہ مجبوراً پولیس کو جسکا کام بدمعاشوں اور گنڈوں کی گرفت کرنا ہے، آج اسکول اور کالجی لڑکیوں کی حفظ ناموس کے لیے مستعد ہونا پڑتا ہے"

لیکن محترم خاتون، یہ ارشاد ہو کہ قصور اب بھی تمامتر مردوں اور لڑکوں ہی کا رہا؟ آخر سیکڑوں ہزاروں عورتیں اور لڑکیاں ڈولی میں، پالکی میں اور بند گاڑیوں میں اور پردہ دار تانگوں میں اور پیدل برقعوں میں بھی تو اسی شہر کی سڑکوں پر، انھیں مردوں اور لڑکوں کے سامنے سے گزرتی رہتی ہیں، پھر آخر اُس وقت ان آوارہ مردوں کی بدمعاشی اور "گنڈہ پن" کہاں چلا جاتا ہے؟ کیا اُن پر بھی دست درازی کی وارداتیں، اتنی نہ سہی، اسکی آدھی ادھ تہائی بھی گزرتی رہتی ہیں؟ کیا اُنھیں بھی پیرماہ چھیڑنے کی ہمت کرتے ہیں؟ کیوں چھیڑیں؟ ———— کسی نے بھی اپنی بہن اور بیٹی اور ماں کو سرراہ چھیڑا ہے؟ لیکن جب آپ خود ہی پردہ اور برقع اور حجاب اور لباس ساتر ودیعت نگاہوں اور شرم و جھجک کو اپنے ہاتھوں آگ لگا چکی ہیں، اور اپنے کو نیم برہنہ انگریزوں ملکہ نیم سوادلی کی اداؤں سے آراستہ کر چکی ہیں، تو یہ کیوں توقع کیے ہوئے ہیں کہ راستہ میں آپ کو بھائی اور بیٹے اور باپ ملتے رہیں گے؟ ———— دنیا میں جھاڑ جھنکاڑ تو آپ نے خود لگائی ہے اور پھر شور یہ ہے کہ کپڑے بھیگے جا رہے ہیں!

افضل البشر

ایک صاحب خوردسوں سے لکھتے ہیں :-

"اول ما خلق اللہ نوری - یا جابر اول ما خلق اللہ نور نبیک من نورہ - لولاک لما خلقت الافلاک - پہلی روایت کی نسبت سیرۃ النبی جلد سوم میں صاف مرقوم ہے کہ اسکے موضوع ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے - دوسری روایت کی صحت کی بابت تذبذب تحریر ہے اور استدلال تذبذب میں اول ما خلق اللہ القلم - حوالہ صحیح بخاری رقم ہے - تیسری روایت کےلیے ہدیۂ مجددیہ (ترجمہ تحفۂ اثنا عشریہ) کید نمبر ۶۰، ص ۱۲ میں بہت واضح لکھا ہے کہ محدثین کے نزدیک اس کی کچھ اصل نہیں -

عوام میں مشہور و معروف ہے کہ آنحضرت صلعم کو اگر خلاق عالم نہ پیدا فرماتا تو زمین و آسمان وغیرہ کچھ نہ پیدا فرماتا — میلاد کی کتابوں میں بھی یہی پایا جاتا ہے - لیکن جن روایتوں سے استدلال کیا جاتا ہے، اُنکا حال اوپر عیاں ہے - اب جناب والا سے یہ عرض ہے کہ کہیں قرآن مجید میں اسکا اشارہ ہے، یا کوئی حدیث صحیح اسپر دال ہے؟ یا صرف واعظوں کی رنگین بیانی ہے اور بس -

مجھے اس امر سے سخت نفرت ہے کہ بزرگان دین کی نسبت ایسی بات کہی جائے جو فی الواقع اُن میں نہ ہو - نہ کہ سرور عالم صلعم کی بابت - بس عرض ہے کہ میری تشفی فرمائیں"

دو سوال الگ الگ ہیں، اور ایک دوسرے کے لیے لازم و ملزوم نہیں - ایک سوال یہ ہے کہ روایات بالا کس درجہ کی ہیں؟ دوسرا یہ کہ رسول اللہ صلعم کو مقصود کائنات سمجھنا کہاں تک صحیح ہے؟

پہلے کا جواب یہ ہے کہ یہ دونوں روایتیں بے ثبوت ہیں، بلکہ تیسری تو یقیناً موضوع۔ اس کے متعلق جو تحقیق سائل نے نقل کی ہے وہی صحیح ہے۔

لیکن اس سے دوسرے سوال کی نفی لازم نہیں آتی۔ ذیل کے دو مقدمے الگ الگ سمجھ لیے جائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان خلاصۂ کائنات و اشرف خلائق ہے۔ آیاتِ قرآنی (انی جاعل فی الارض خلیفہ، ولقد کرمنا بنی آدم وغیرہا) نیز احادیث نبوی (ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للآخرۃ وغیرہ) اس پر ناطق ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلعم، افضل البشر اور اشرف خلائق ہیں —— ان دونوں مسلم حقیقتوں کے واسطے سے اگر کوئی اس نتیجہ تک پہنچ جائے کہ آنحضرت صلعم کی ذات خلاصۂ کائنات اور مقصود اعظم آفرینش ہے، تو اس نے شاعری نہیں کی۔

(۲) یہ سوال کہ آپ کی پیدائش نہ ہوتی، جب بھی اس آسمان و زمین کی آفرینش ہوتی یا نہ ہوتی، تو ظاہر ہے کہ مشیت کے امکانات پر کون بندہ اپنی زبان کی جسارت کرسکتا ہے۔ البتہ یہ بھی یقینی ہے کہ اس درجہ مرتب و مکمل نظام میں جیسا کہ اس کائنات کی مشینری کا ہے، ایک ادنیٰ سے پرزے کا رد و بدل بھی عظیم الشان، بلکہ زمین و آسمان کا فرق پیدا کرسکتا تھا، چہ جائیکہ ایسی ہستی کا عدم جو مخلوقات میں عظیم ترین مرتبہ رکھتی ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"ایک خادم دین و ملت" (کلکتہ) یقیناً انگریزی اور دوسری مغربی زبانوں میں اسلامی لٹریچر پھیلانے کی شدید ضرورت ہے لیکن مدیر صدق جتنا وقت نکال سکتا تھا، وہ تو انگریزی قرآن مجید کے کام میں اب بھی لگا ہوا ہے۔

ریاضی و انگریزی داں مدرس کی ضرورت

مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد شاہجہاں پور میں شوال ۱۳۶۶ھ سے ایک ایسے مدرس کی ضرورت ہے جو ریاضی اور جغرافیہ و تاریخ کی اچھی طرح تعلیم دے سکتے ہوں، ایک ایسے انگریزی داں مدرس کی بھی ضرورت ہے جو کم از کم انٹرنس پاس ہوں اور طلبہ کو اچھی طرح انگریزی کی تعلیم دے سکیں۔

درخواستیں ناظم مدرسہ کے نام آنا چاہیے
تنخواہ بذریعہ خط و کتابت طے ہو جائیگی۔

المشتہر

ناظم مدرسہ سعیدیہ جامع مسجد شاہجہاں پور

نئی کتابیں

(۱) **میخانۂ ریاض** — از تسنیم مینائی۔ ۲۸۰ صفحہ، قیمت [illegible]
پتہ: دار الاشاعت اردو، عابد روڈ، حیدرآباد دکن۔

ریاض خیرآبادی اس دور کے ایک نغز گو شاعر ہوئے ہیں۔ شاعری کے علاوہ نثر و انشا پرداز بھی — یہ انکے حالات و کلام پر ایک دلچسپ تبصرہ، انکے استاد زادہ یعنی امیر مینائی کے پوتے تسنیم مینائی کے قلم سے ہے۔ اصل کتاب ۱۲۵ صفحہ پر ختم ہو گئی ہے، باقی حصہ انتخاب کلام کے لیے وقف ہے، کسی تبصرہ و تشریح کے بغیر۔

تسنیم اچھے لکھنے والے ہیں۔ انکے بعض مضامین انکی ادبیت و حسن انشاء کے شاہد عادل ہیں۔ ریاض کی نثر و نظم پر لکھنے کا انہیں حق حاصل تھا۔ لیکن یہ کتاب اس معیار کی نہیں، جسکی ان سے توقع تھی —— اچھے مصنف ہونے کے لیے محض ذہانت اور زبان دانی کافی نہیں۔ خاصی محنت اور وقت صرف کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

اس کتاب کا حال یہ ہے کہ فہرست مضامین دینے تک کی زحمت گوارا نہیں کی گئی ہے، اور مصنف نے اپنا تعارف اپنے قلم سے کرانے کے بجائے (صفحہ ۱۹ کی عبارت اس مقصود کے لیے کافی نہیں) یہ خدمت ناشر غریب کے سر ڈال دی ہے۔ جا بجا دوسروں کی تحریروں کے بڑے لمبے لمبے اقتباسات درج ہیں۔ اور بعض دفعہ مصنف کی رائے کو دوسروں کی رایوں سے ممتاز کرنا دشوار ہو گیا ہے۔ پھر اس سارے حصہ میں اکثر اشعار کو بلا ضرورت جلی قلم سے لکھنے کی روش نے ایک طرف تو کتاب کو ناشائستہ ضخامت دیدی ہے اور دوسری طرف مطالعۂ کتاب کی روانی میں سہولت نہیں، دشواری پیدا کر دی ہے —— نتیجہ یہ ہے کہ مصنف کے حسن بیان کے باوجود کتاب اتنی دلچسپ نہیں رہی، جتنی موضوع اور مصنف کی شخصیت دونوں کے لحاظ سے ہونی چاہیے تھی۔ ص ۹۲ کے وسط میں لفظ "متلاشی" مصنف کے سنبھلے ہوئے قلم کے شایان شان نہیں۔ خدا کرے آئندہ ایڈیشن میں ہونہار مصنف کو زیادہ توجہ اور فرصت وقت کا موقع مل جائے۔

(۲) **مرزا غالب کی شاعری** — از مرزا محمد عسکری صاحب بی اے۔ ۵۴ صفحہ۔ قیمت [illegible] پتہ:- صدیق بکڈپو، امین آباد لکھنؤ۔

مرزا صاحب کا ایک فاضلانہ مقالہ ہے، جو ۱۹۲۷ء میں ایک علمی اکادمی لکھنؤ میں پڑھا گیا تھا۔ ۲۰ سال کے بعد اب کتابی صورت میں شائع ہوا ہے۔ بظاہر صرف ایک مقالہ ہے لیکن اسکے اندر غالب اور متعلقات غالب پر بہت کچھ آ گیا ہے۔ غالب کا [illegible]

کی شاعری کا نشو و نما، غالب کا فن، غالب کا مذہب، یہ سب مباحث رسالہ میں سامنے رہے ملیں گے، خصوصاً غالب کے مذہب پر گفتگو بسیط و تفصیل سے ہے۔ مقالہ شیدائیان غالب کے کام کی چیز ہے، دوسرا جزء، گو مختصر، حصہ وہ ہے، جس میں اشعار غالب کی شرح و ترجمانی کی گئی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ نامنل لکھنوی ابھی اس میدان کے مرد نہیں۔

صفحہ ۲۰ پر "فی الذین اشاعر میں ذمن سے قبل" الی" زائد چھپ گیا ہے۔

(۳) **تذکار راجح** ۔ از مولانا ابو القاسم محمد عتیق بحر العلومی فرنگی محلی۔ ۹۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ، ابو الکمال محمد حبیب العلیم آستانہ حمیدیہ، ٹکسال۔ لکھنؤ۔

اسکا نام کتاب الادعیہ ہوتا تو بہتر تھا۔ اس میں چھوٹی بڑی ہر قسم کی دعائیں ملیں گی، زیادہ تر حدیث سے ماخوذ، لیکن کچھ اسکے علاوہ بزرگوں سے بھی منقول۔ سفر حج اور واپسی، احرام و حرم داخل حرم، کعبہ و طواف، سعی و عرفات، طواف وداع وغیرہ کی دعائیں تو ہونا ہی تھیں، انکے ساتھ ہی اور بھی دعائیں ہر موقع کی درج کر دی گئی ہیں، مثلاً سونے کے وقت کی دعا، رویت ہلال کی دعا، صبح و شام کی دعا، دفع خوف و دفع دہشت کی دعا وغیرہا۔ اتنی دعاؤں کا جامع یقیناً اسکا مستحق ہے کہ وہ اسکے حق میں دعائے خیر کی جائے۔

(۴) **حضرت ابراہیم علیہ السلام** (بچوں کی قصص الانبیاء) از تسنیم صاحب، ۳۶ صفحے۔ قیمت ۴ر، پتہ، مکتبہ اسلام، نمبر ۳۔ گوئین روڈ۔ لکھنؤ۔

عربی کی قصص النبیین للاطفال، حصہ اول کا ذکر انہی صفحات میں عرصہ ہوا آ چکا ہے، یہ اسکا شستہ و شگفتہ ترجمہ ہے۔ گویا خود ایک مستقل تصنیف، بچوں، بچیوں، جوانوں، بوڑھوں سب کے پڑھنے کے قابل، دلچسپ بھی اور سبق آموز بھی۔ پیش لفظ مدیر صدق کے قلم سے ہے، جو صدق میں شائع بھی ہو چکا ہے۔

(۵) NATIONAL STATE & NATIONAL MINORITIES (قومی حکومتیں اور اقلیتیں) از پروفیسر محمد عبد الستار خیری، استاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ۔ ۲۰ صفحات

(۶) THE COMMUNAL PROBLEM OF INDIA (ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ) از ڈاکٹر قاضی سعید الدین استاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ضخامت ۱۶ صفحے

(۷) SOME ASPECTS OF PAKISTAN (پاکستان کے بعض پہلو) از جناب محمد جمیل الدین صاحب استاد مسلم یونیورسٹی علیگڈھ ۴۰ صفحات

(قیمت فی رسالہ ۸ر، ناشر، شیخ محمد اشرف کشمیری محلہ لاہور)

مسلم لیگ کے خلاف جس شد و مد کے ساتھ انگریزی پریس میں پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے اسکے پیش نظر لیگی نقطۂ نظر کی وضاحت کرنے والی انگریزی کتابوں کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت تھی۔ خدا کا شکر ہے کہ لیگ والوں کو احساس ہوا۔ مجلس مصنفین کا قیام ایک مبارک عملی قدم ہے۔ زیر نظر رسالے اسی مجلس کے زیر اہتمام شائع ہوئے ہیں، انگریزی کے آکسفورڈ یونیورسٹی کے پمفلٹوں کی طرح .... یہ رسالے اپنے محدود صفحات کے باوجود اچھے خاصے بصیرت افروز اور دلچسپ ہیں۔

(۵) پہلے رسالہ میں پروفیسر خیری نے اقلیتوں کے لیے تحفظات کے سوال پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ وہ پہلی مثالوں سے واضح کیا ہے کہ تحفظات، اقلیتوں کے لیے کچھ زیادہ مفید ثابت نہیں ہوئے۔ خیری صاحب نے مسئلۂ قومیت کی حقیقت کو بھی خوب بے نقاب کیا ہے۔ مغربی سیاسی مفکروں کے اقوال سے ثابت کیا ہے کہ مسلمان ایک مستقل جداگانہ قومیت رکھتے ہیں اور اس لیے انکا مطالبہ پاکستان بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے بالکل واجبی ہے۔

(۶) ڈاکٹر سعید الدین مشہور جغرافیہ داں ہیں۔ تقسیم ہند کے بارے میں انکی رائے لائق توجہ ہے۔ ہندوستان کا فرقہ وارانہ مسئلہ انکے بے لاگ سیاسی مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ اعداد و شمار اور دلائل کی رو سے رسالہ میں ثابت کیا گیا ہے کہ ہندوستان کی بسنے والی قوموں کو آزاد و خود مختار حکومتیں قائم کرنے کا حق ملنا چاہیے۔ رسالہ کے پیش کردہ دلائل ارباب سیاست کی سنجیدہ توجہ کے مستحق ہیں۔

(۷) پاکستان کے بعض پہلو۔ جمیل الدین صاحب کے قلم سے ہے۔ پاکستان کے متعلق گو بہت کچھ لکھا جا چکا ہے، پھر بھی ایک مختصر و جامع پمفلٹ کی ضرورت باقی تھی، یہ رسالہ اس ضرورت کو بڑی حد تک پورا کرتا ہے۔

تینوں رسالے صاف ستھری زبان میں لکھے گئے ہیں۔ انداز بیان سلجھا ہوا ہے۔ تینوں رسالے وقت کے اسلامی لٹریچر میں خوشگوار اضافے ہیں۔ مجلس مصنفین کے ارکین مستحق مبارکباد ہیں۔ (ح۔ ا۔ ق)

ملحد شاعر کا جواب

(عقیل جعفری خیرآبادی کی زیر طبع کتاب، جوش و ہوش کا مقدمہ۔

از مولانا سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ)

جوش ملیح آبادی کے ملحدانہ کلام کے جواب میں عقیل خیرآبادی (زادکم اللہ غیرۃ فی الدین) نے کچھ نظمیں لکھی ہیں، جو اس مجموعہ میں جمع ہیں، اس سے اس مسلمان شاعر کی قوت شعری کے ساتھ ساتھ اسکی قوت ایمانی بھی ظاہر ہوتی ہے۔

شعر کو تاثیر کی جو قوت ملی ہے اسکا انکار کون کر سکتا ہے، اسی

بنا پر کفر نے ہمیشہ اس آلہ سے کام نکالنے کی کوشش کی ہے، مگر حق نے بھی اسکے جواب میں اسی کارگر آلہ کو استعمال کیا ہے اور اس سے باطل کا استیصال کیا ہے — خود اسلام کے دورِ نبوت میں کافر شاعروں کے جواب میں مسلمان شاعروں نے اس سے کام لیا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ فیض ترجمان سے داد اور روح القدس کی تائید کی بشارت پائی ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حسان بن ثابت اور دوسرے شاعر صحابۂ کرام نے اپنے تحریروں اور زورِ کلام سے جہاد بالسیف کے ساتھ ساتھ کفر کی بیخ کنی کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔

جاہلیت کے اس عہد اور کفر و الحاد کے اس دور میں باطل نے پھر شاعری ہی کی تاثیر سے عوام کے دلوں کو مسحور کرنا چاہا ہے۔ ضرورت ہے کہ حق کے حامی اب پھر شمشیرِ قلم کو علم کریں اور تیغِ زبان کے جوہر دکھائیں

اس حیثیت سے جناب عقیل خیرآبادی مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انھوں نے ملحد جوش کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر باطل کے منہ پر وہ طمانچہ مارا ہے جس سے بھری محفل میں اُنکی رسوائی ہوئی ہے

جوش صاحب گو اپنی نظموں میں کبھی تو وطن پرست اور نیشنلسٹ کہیں اشتراکیت پسند اور سوشلسٹ، کہیں دہریت اور سرمایہ داری کے دشمن اور مزدوروں اور کسانوں کے حامی معلوم ہوتے ہیں لیکن دوسرا ہی صفحہ اُلٹیے تو معلوم ہوگا کہ وہ خواہش کے بندہ، فواحش کے طلبگار، دولت کے پرستار، سرمایہ کے پجاری، امیروں اور راجاؤں کے مصاحب، اور پنشن خوار، عیش شباب، اور شراب ناب کی تلاش میں تھیٹروں اور سنیماؤں کے زلہ ربا نظر آتے ہیں۔ اس دورنگی سے ظاہر ہے کہ ان کا فکر کا کفر بھی نا تمام ہے۔

نے کافر مطلق رست نے مسلمان تمام

افسوس اُن مسلمانوں پر ہے جو ایسے ملحد کو اپنی محفلوں میں بلاتے اور اپنے ہاتھوں سے جام پلاتے ہیں اور اسکا کلام سنتے اور سناتے ہیں اور مشاعروں میں اسکے ملحدانہ کلام کی داد دے کر اس کا حوصلہ بڑھاتے ہیں۔

عقیل صاحب ماشاء اللہ شعر و سخن کی گود میں پلے ہیں۔ ایمان کے نور سے منور ہیں۔ دین کی غیرت رکھتے ہیں۔ امید ہے کہ مسلمان نوجوان اُنکے اس کلام کو پڑھ کر جوش کا زہر پھیلنے نہ دیکھیں گے یہ تریاق پیش کریں گے۔

نولکشور پریس اور قرآن کریم کی توہین

(از مولانا شاہ محمد عبد الحامد صاحب قادری بدایونی)

نولکشور پریس لکھنؤ جو سابقہ زمانہ میں قرآن کریم کی کتابت و طباعت میں غیر معمولی حزم و احتیاط کرتا تھا جسکی وجہ سے مسلمانوں نے اُسکی مطبوعات وغیرہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ لیکن اس طرف تھوڑے عرصہ سے دیکھا جا رہا ہے کہ یہ پریس قرآن کریم کی بے حرمتی اور اہانت کی طرف قدم اُٹھا رہا ہے۔

سب سے پہلی بات تو اسکے مطبوعہ قرآن پاک میں یہ ہے کہ وہ اغلاط سے لبریز ہوتے ہیں۔

قرآن پاک کے سیپارے جو علیحدہ علیحدہ شایع کیے جاتے ہیں اُن پر بجائے لفظ ہدیہ طبع کرنے کے قیمت کا لفظ طبع کیا جاتا ہے۔ چنانچہ سیپارہ الم مطبوعہ ۱۰ مئی ۴۵ء اور سیپارہ ۱۵- اگست ۴۵ء پر لفظ قیمت ہی طبع کیا گیا ہے۔ اس درمیان میں ہمارے یہاں سے ۷- جولائی ۱۹۴۵ء اور ۱۱ اگست ۴۵ء کو منیجر صاحب نولکشور پریس کو مخصوص طور پر توجہ دلائی گئی، مگر انھوں نے اسوقت تک کوئی جواب نہ دیا۔ جسکے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ انکی نظروں میں اصلاح کا مطالبہ کوئی وقعت نہیں رکھتا اور وہ مسلمانوں کے جذبات سے کھیلنا چاہتے ہیں۔ ہم آخری بار اخبارات کے ذریعہ منیجر صاحب کو مطلع کرتے ہیں کہ وہ جلد اصلاح کریں۔ ورنہ مسلمان مجبور ہو کر قانونی چارہ جوئی کرینگے۔

صدق - واقعات کا تو کوئی علم ادارۂ صدق کو نہیں، لیکن مراسلۂ بالا ایک ذمہ دار و معروف شخصیت کے قلم سے ہے۔ نولکشور پریس کی موجودہ بے اعتنائی اس لیے اور بھی حیرت انگیز ہے کہ اس پریس اور بکڈپو کے بانی منشی نولکشور صاحب اسکے برعکس اپنے اسلامی جذبات کے لیے ممتاز تھے۔

چائے اور شراب

(ایک انگریزی طبی مضمون کا ترجمہ)

گرم سیالات سے عام طور پر قبض اور خشکی پیدا ہوتی ہے مثلاً چائے کے استعمال سے اور اسکی کثرت سے تو آنتوں پر بہت ہی بُرا اثر مرتب ہوتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر الیف ہرسٹ اپنی کتاب "قبض اور آنتوں کی خرابیاں" کے ص۲۹ پر لکھتا ہے "خشکی کرنے والی چیزیں خواہ وہ کھائی جائیں یا مقعد کے ذریعہ آنتوں میں پہونچائی جائیں، آنتوں کے غشاء مخاطی کو برابر نقصان پہونچائی جائیں گی۔ چائے کے نقصان اثرات خاص طور پر غریبوں کے حصہ میں زیادہ آتے ہیں، یہ لوگ کثرت سے گاڑھی چائے پیتے ہیں، جس میں چائے کی پتی دیر تک جوش کھاتی رہتی ہے۔ اس قسم کی چائے میں ٹینن کا اتنا عنصر موجود ہو، جو کی شراب اور دیسی ٹھرے کو چھوڑ کر پینے کی چیزوں میں سب سے زیادہ مضرت رساں ثابت ہوئی ہے۔

لطف یہ ہے کہ باوجود علم و سائنس کی اس قدر ترقی و اشاعت کے ہمارے ملک کے امیر و غریب سب ہی ان نقصان رساں چیزوں کو استعمال کر رہے ہیں۔ بلکہ عادی ہیں۔ چائے اور شراب (ملاحظہ ہو

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

(۲)

(از حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

جس شخص کے دل پر دین کا یہ اثر ہو۔ اگر اس کے ساتھ یہ لطیفہ پیش آیا ہو جیسا کہ ماثر الامراء ہی میں لکھا ہے[۱] تو اس پر تعجب نہ کرنا چاہیے۔ لطیفہ یہ ہے ان ہی کے الفاظ میں درج کرتا ہوں،

روزے بہ تقریب سالگرہ پوشش بادشاہی رنگ زعفران پاشیدہ بود، شیخ (عبد النبی) بر غضب [illegible] سر دیوان [illegible] عصا [illegible] بہ دامن رسید عرش آشیانی رنجیدہ شدہ ص۲۵	ایک دن سالگرہ کی تقریب کے موقعہ پر بادشاہی لباس پر زعفران کا رنگ چھڑکا گیا تھا۔ شیخ عبد النبی اس رنگ کو دیکھ کر غصہ میں جو آئے تو سر دربار اپنا عصا پھینک کر بادشاہ کی طرف اس طرح

چلایا کہ شیخ کی عصا عرش آشیانی (اکبر) کے دامن تک پہونچ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

لطیفہ اسی پر ختم نہیں ہو گیا ہے۔ اکبر بادشاہ کی نوعمری کا زمانہ تھا۔ شیخ کی بھری مجلس میں یہ حرکت قدرتاً کچھ ناگوار گزری لیکن یہ جو ناگوار گزرنے کے جو وزن اسلامی قانون شریعت کے منتسبین کو مغل خاندان میں حاصل تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکبر نے یہ شکایت اندر زنانے میں جاکر اور وہ بھی اپنی ماں مریم زمانی سے بلکتے ہوئے کہا

بایستے کہ در خلوت شیخ تنبیہ می کرد	چاہیے یہ تھا کہ شیخ تنہائی میں منع کرتے

لیکن مریم زمانی نے اپنے اکلوتے لخت جگر کو جو تخت ہندوستان کا تنہا وارث تھا، جن الفاظ میں جواب دیا تھا، تاریخ نے اسکو نوٹ کر لیا۔ نواب شاہنواز خاں راوی ہیں کہ مریم زمانی (حمیدہ بانو، ہمایوں بادشاہ کی ملکہ) نے اکبر کو سمجھانا شروع کیا

پدرم! گران خاطر نشوی باعث نجات آخرت است۔ تا قیامت خواہند گفت کہ ملائے مفلوک با پادشاہ چنیں حرکت کرد و سعادتمند متحمل شد ص۲۶ ج۲	بیٹے تم (میرے بچے) اس سے (ملا کی حرکت سے) گراں خاطر نہیں ہونا چاہیے کیونکہ یہ آخرت میں تمہاری نجات کا ذریعہ ہے اور قیامت تک لوگ تذکرہ کریں گے کہ ایک مفلوک الحال

ملا نے وقت کے بادشاہ کے ساتھ ایسی حرکت کی لیکن اس سعادت مند بادشاہ نے برداشت کر لیا۔

شریعت کا یہ احترام ہمایوں کی ملکہ اور ظہیر الدین بابر کی بہو کے دل میں جو تھا "اندر کا یہ اثر" کیا باہر کے احوال کا نتیجہ نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ مغل امپائر کے بانی ہوس خود شہنشاہ بابر انار اللہ برہانہ کے متعلق اگر یہ روایت صحیح ہے جیسا کہ "طبقات اکبری" کے مصنف اور دوسرے مورخین نے نقل کیا ہے

کتاب در کلام و فقہ حنفی بزبان ترکی بہ نظم درآوردہ کہ مبین نام کردہ انداز طبقات ص۲۷ ج۲	بابر بادشاہ نے کلام اور فقہ حنفی کے مسائل کو ترکی زبان میں نظم کیا تھا، اس کتاب کا نام مبین رکھا گیا تھا۔

تو "اسلامی قانون" فقہ کی اہمیت کے متعلق مغلوں کے زمانہ میں جو باتیں بھی بیان کی جاتی ہیں ان میں شک کرنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ آج بھی حکومتوں میں اپنے اپنے آئین و قانون کا بہت کچھ احترام کیا جاتا ہے۔ حکومتوں کے برگزیدہ اساطین اور سربرآوردہ ارکان کا قلم قانون کی کتابیں لکھ رہا ہے۔ لیکن خود بادشاہ وقت نے بلا واسطہ براہ راست قانون کی کوئی کتاب تصنیف کی ہو، مشکل ہی سے اسکی نظیر مل سکتی ہے۔ لیکن آپ دیکھ رہے ہیں کہ مغل حکومت کا بانی اول اگر فقہ کا ایک منظوم متن تیار کر رہا ہے تو اسی مغل حکومت کے آفتاب اقبال کو سمت الراس پر پہنچا کر چمکانے والا بابر ہی کا پوتا اورنگ زیب فقہی نظائر اور فتاوی کی تدوین میں جیسا کہ گزر چکا براہ راست خود حصہ لیتا ہے۔ ممکن ہے کہ آج دلوں کو اس واقعہ کی اہمیت نہ محسوس ہو لیکن جن دنوں میں ہندوستان کے آسمان کے نیچے ایسے واقعات گزر رہے تھے' ایک قاضی شیخ الاسلام نامی حج کے سفر سے سورت واپس آتے ہیں۔ دلی کے قاضی ہیں۔ عالمگیر ان دنوں دکن میں تھے۔ شاہی فرمان صادر ہوا کہ قاضی صاحب براہ راست اورنگ آباد پہونچکر بادشاہ کو زیارت کا موقع دیں۔ قاضی شیخ الاسلام اورنگ آباد آتے ہیں، شاہی دربار میں جو آؤ بھگت انکی ہوتی ہے اسکا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے۔ ماثر الامراء میں لکھا ہے کہ جب قاضی صاحب رخصت ہونے لگے تو براہ راست خاندکاں (عالمگیر بادشاہ) اٹھتے ہیں اور

---

[۱] عبد النبی عہد اکبری کی مشہور شخصیتوں میں ہیں۔ انکا حال مفصل دربار اکبری میں پڑھیے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ سے نسبی تعلق رکھنے والے مشہور بزرگ و صوفی شیخ عبد القدوس گنگوہی قدس سرہٗ جنکا شمار ہندوستان کے اساطین صوفیہ میں ہے' بابر اور ہمایوں سے حضرت شیخ کی مراسلت ہوتی تھی' شیخ عبد النبی ان ہی شاہ عبد القدوس گنگوہی کے پوتے تھے۔ عرب جاکر حدیث کی سند حاصل کی تھی۔ اکبر شروع میں انکا بڑا گرویدہ تھا۔ انکے گھر جاکر حدیث پڑھتا تھا اپنے ہاتھ سے شیخ کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا لیکن اکبری دربار پر جب دوسرے طبقہ کے اہل علم کا تسلط چھا گیا تو شیخ کی عزت دن بدن گھٹتی چلی گئی۔ مکہ معظمہ جلا وطن کر دیے گئے تھے لیکن پھر ہندوستان واپس ہوئے اور بڑی خواری و رسوائی ہندوستان ہی میں وفات پائی۔ ابتداء میں صدر الصدور کے عہدہ پر سرفراز تھے ۱۲

کردہ قطرہ دست مبارک بر جامہ اش می مالید" (مشاہیر ۱۳۰، مآثر الامراء) | دربار قاضی صاحب کے کپڑوں میں بہ نفس نفیس بادشاہ عطر لگایا کرتے تھے۔

واقعہ اُس زمانہ کے لحاظ سے اتنا ہی اہم تھا کہ تاریخوں میں اسکا تذکرہ کیا گیا، اور ان واقعات کا تعلق تو خود علماء فقہ اور قضاۃ کی ذات سے ہے، انکے عدالتی فیصلوں کو احترام و عزاز کا جو مقام عالی مغل حکومتوں میں حاصل تھا۔ اگر اسکے واقعات و سوانح جمع کیے جائیں تو بلا مبالغہ ایک اچھی خاصی کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ تاریخوں میں بنگال کے ایک غیر مسلم کے مقدمہ کا قصہ جو نقل کیا جاتا ہے میرے نزدیک تو اندازہ کرنے کے لیے وہی کافی و وافی ہے۔ پورے قصے کو تو تاریخوں میں پڑھیے، صرف اس جز کو یہاں درج کرتا ہوں۔ یعنی جب

قاضی محمد اشرف باجتماع فضلاء بحکم شرع بقتل بندرابن حکم کرد | قاضی محمد اشرف (جو عالمگیر کی طرف سے صوبہ بنگالہ کے قاضی القضاۃ مقرر ہو کر بھیجے گئے تھے، (مقدمہ چلنے) دوسرے ارباب علم و فضل کے مشورہ سے بندرابن نامی ملزم کے متعلق قتل کا فیصلہ صادر کیا۔

تو لکھا ہے کہ بنگال کے اُس وقت جو صوبہ دار تھے، یعنے موتمن الملک علاء الدولہ (جعفر خان ناصر جنگ)[1] نے چاہا کہ بندرابن کو اس سزا سے کسی طرح بچا لیا جائے۔ ریاض السلاطین میں ہے کہ جعفر خان نے

برائے رہائی او از قاضی پرسید کہ ہیچ نوع ایں را از جان نجاتی می تواند شد" ص۲۶۶ ریاض | اس ملزم کے متعلق قاضی سے دریافت کیا کہ کیا کوئی ایسا ذریعہ نکل سکتا ہے کہ اس ملزم کی جان بچ جائے۔

اور گورنری یعنی حضرت اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے شاہزادہ عظیم الشان جعفر خاں جنکی نیابت میں بنگال کی صوبہ داری کا کام کرتے تھے، لکھا ہے کہ

شاہزادہ عظیم الشان ہم سفارش بندرابن نوشت | شاہزادہ عظیم الشان نے بھی بندرابن کی سفارش میں لکھا۔

اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بلا تخصیص مذہب و ملت عام رعایا کے ساتھ اسلامی حکام بالخصوص شاہی خانوادوں کو جو انتہائی ہمدردی و محبت تھی اسکا یہ واقعہ کتنا کھلا ہوا بیّن ثبوت ہے۔ جان رہے ہیں کہ قانون ایک شخص کو مستوجب سزا قرار دے چکا ہے اور صوبہ دار جیسا کہ انکے حالات سے معلوم ہوتا ہے، ایک دیندار پکے عقیدہ کا مسلمان ہے، یہی حال شہزادہ کا بھی تھا، لیکن اسلام ہی نے دوسری ذمہ داری جو اپنے حکمرانوں پر، رعایا کی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کے سلسلہ میں جو سختی کے ساتھ عائد کر رکھی ہے، یہ اُسکا اقتضا تھا کہ ادنیٰ معمولی رعیت کے لیے سفارشوں پر سفارشوں کا ایک سلسلہ پہنچایا جا رہا ہے، خود صوبہ دار مضطرب ہے، شاہزادہ بے تاب ہے، چاہتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو اس غریب کی جان بچ جائے۔

---

[1] "جعفر از بنگال و صادق از دکن" رسوائے زمانہ میر جعفر نہیں ہے بلکہ مرشد آباد شہر کے بسانے والے عہد عالمگیری کے مشہور امیر مرشد قلی خاں ہیں، جنھیں عالمگیری دربار سے موتمن الملک علاء الدولہ جعفر خاں بہادر ناصر جنگ کا خطاب ملا تھا، عام طور پر جعفر خاں کے نام سے مشہور رہے۔ عالمگیری عہد سے محمد شاہ بادشاہ کے زمانے تک بنگال کے نظم و نسق کو چلاتے رہے۔ جب تک یہ صوبہ دار رہے بنگال میں نہ مرہٹے فساد برپا کر سکے اور نہ اُس زمانہ کے دوسرے فتنوں کا اثر بنگال تک پہونچ سکا۔ لکھا ہے کہ شائستہ خاں کے بعد عالمگیری امراء میں ان ہی کا پایہ تسلیم کیا جاتا تھا۔ بنگال کی تاریخ ریاض السلاطین میں ہے "جعفر خان در رواج اسلام و آئین بیداری اشراف پروری و مظلوم نوازی و ظالم گدازی ثانی امیر الامراء شائستہ خان بود" ص۲۶۶ — اسی کتاب میں ہے کہ انکی پنجوقتہ نماز کبھی قضا نہ ہوتی تھی، تین ماہ تک مسلسل روزے رکھتے تھے۔ ختم قرآن کا یہی نہیں کہ سلسلہ منقطع نہیں ہوتا تھا بلکہ لکھا ہے کہ "از بامداد تا نصف النہار در کتابت مصحف (قرآن) مواظبت داشت" تمام مقامات مقدسہ (مکہ معظمہ و مدینہ منورہ وغیرہ) بطور ہدیہ اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے قرآن کو بھیجا کرتے تھے۔ یہ روایت کہاں تک درست ہے کہ دو ہزار یا نسو قاری انکے دربار میں اس لیے ملازم تھے کہ روزانہ ختم قرآن بھی کیا کریں اور انکے لکھے ہوئے قرآنوں کا مقابلہ اور تصحیح بھی۔ تنخواہ کے واسطے

[2] دوسرا نہ یا درچی خانہ خاص سے ان محافظ و علماء و صلحاء کے لیے دو وقتہ کھانا بھیجا جاتا تھا۔ ربیع الاول کی پہلی تاریخ سے بارھویں تک ہر روز ضیافت و دعوت اکابر و مشائخ و علماء و فقراء و صلحاء می نمود و از اطراف طلب داشت، بعزاز و اکرام تمام در مجلس می نشانید و تا فارغ شدن از طعام خود بہ ادب ایستادہ بخدمت می پرداخت"۔ میلاد مبارک کی مسرت میں "از ماہی نگر تا لعل باغ بر لب دریا روشنی بہ صنعتے تمام ترتیب می داد"۔ لکھا ہے کہ "از پرتو چراغان مساجد و منابر و اشجار و آیات قرآنی و اشعار از یں روے آب مردم می خواندند"۔ ریاض السلاطین میں ہے کہ ایک لاکھ مزدوروں سے چراغاں کرنے میں کام لیا جاتا تھا۔ چراغوں کے جلنے کا دستور یہ تھا کہ "بیک شلک توپ کہ برائے روشنی چراغان مقرر بود می شد، یکبارگی چراغان سبز ے می گردید کہ گویا چادرے از نور برکشید یا زمین کوکب سدہ"۔ بجلی کے قمقموں کا وہ زمانہ نہ تھا، لیکن کیفیت وہی پیدا کی جاتی تھی۔ ایک لاکھ مزدور جن چراغوں کے جلانے پر مقرر تھے، اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان چراغوں کی تعداد کیا ہوگی۔ سب سے عجیب و غریب بات جعفر خاں کے متعلق یہ لکھی ہے کہ "دروازہ خانہ کسی بہ وزیر رسیدہ است" یعنی ان داماں کے امیر زمانے میں یہ طریقہ جاری کیا تھا کہ "ذخائر

نمبر ۳۴ | یوم سہ شنبہ - ۴ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۱ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"مسٹر جناح کی پتلون ڈھیلی ہوگئی"۔
"سرکاری پٹھو جناح نے فاقہ پرستی کی حد کردی"
یہ "نیشنلسٹ" مسلم پریس نے گہر باری کی۔
"راشٹرپتی آزاد جی مہاراج نے بھوجن کیا"
"ہندوؤں کا غلام اور غدار لسٹ ابوالکلام اپنے وقت کا میر جعفر ہے"
یہ "قومی دلی" "مسلم لیگی اخبارات" نے گلفشانیاں کیں!
ایک کا دعوے ہے کہ ہم ہندوستان کو "آزاد" کرا کے رہیں گے۔ دوسرے کا نعرہ ہے کہ ہم پاکستان لے کر دم لینگے! —— دونوں کے سلاح خانہ میں گویا سب سے زیادہ موثر ہتھیار حربہ بدزبانی اور آتش بیانی کا۔
دونوں طرف ہے آگ برابر لگی ہوئی!
مصرعہ میں لوگوں نے محبت کی آگ مراد لی ہے شاعر نے بھی یہی سمجھ کر کہا تھا۔ لیکن عداوت اور نفرت کی آگ محبت کی آگ سے سوزش میں کم نہیں، کہیں بڑھ کر ہے!

گویا قرآن مجید میں لاتنابزوا بالالقاب | ایک دوسرے کے نام نہ دھرو
کا حکم موجود ہی نہیں! گویا احادیث نبوی میں اکرام و احترام مسلم کی تاکید اہانت و تحقیر مسلم پر سخت سخت وعیدیں وارد نہیں ہو چکی ہیں! گویا شریعت نے ہر کلمہ گو کو دوسرے کلمہ گو کا بھائی نہیں قرار دیا ہے

اور یہ اصول طے نہیں کر دیا ہے کہ اجتہادی اختلافات کا اثر اس بھائی چارے پر بالکل نہیں پڑتا! —— گویا دوسرے فریق کے لیڈر کو گالی دینے سے اگلے سے، اس کی تحقیر و تضحیک سے اپنے مسلک کی خوبیاں از خود روشن و ثابت ہو جائینگی! اور گویا زیادہ سے زیادہ دل آزاریوں اور دل شکنیوں سے، دوسرے لفظوں میں زیادہ سے زیادہ رکیک لہجہ میں اپنے مسلک و عقیدہ کی تبلیغ خوب ہو جاتی ہے اور لوگ اسکی طرف زیادہ سے زیادہ کھنچ کر آنے لگتے ہیں —— کیا خوب یہ عقل اور کیا خوب یہ نقل ہے! پروپیگنڈا ہی کرنا ہے، تو کم از کم اس کے طریقے اہل فرنگ سے سیکھ لیے ہوتے! بغیر سامنے سے حملہ کیے ہوئے، بغیر مخاطب کے جذبات کو ذرا سے بھی صدمہ پہونچائے ہوئے، کس طرح خاموشی کے ساتھ اُسکے دل میں اندر ہی اندر جگہ پیدا کر لی جاتی ہے!

بھائیو اور دوستو، آخر شخصیتوں کو بار بار زیر بحث لانے سے حاصل کیا ہے؟ کام کی چیز، اور بحث و غور کے قابل، ہر پارٹی کا **مسلک**، ہر جماعت کا پروگرام ہے، یا فلاں فلاں شخصیتیں؟ زہر کا جام اگر کوئی متقی پیش کر رہا ہے، تو کیا اس سے زہریت میں کچھ کمی آ جائیگی؟ دوا کا گلاس اگر کسی فاجر کے ہاتھ سے مل رہا ہے تو کیا اس سے دوا کی تاثیر شفا بخشی باقی رہیگی؟ معصوم ظاہر ہے کہ نہ کوئی ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ خوردبین لگا کر دیکھیے گا تو ہر ایک کے عیوب، اسکے واقعی عیوب سے اور سیکڑوں گنے زیادہ ہی نظر آئینگے خطاکار و غیر معصوم کارکنوں کی زندگی سے مقاصد کار پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ نظر میں صرف انکو رکھیے، اور ہر کلمہ گو کی طرف سے قلب بن صفائی

کرکے صرف یہ سوچیے: ایک مسلمان کی حیثیت سے اُسکے لیے بہترین راہ کون سی ہے! —— مختصر یہ کہ رہنما سے راہ کو نہیں، بلکہ راہ سے رہنما کو جانچیے!

آہ یہ اسپتال!

مکرمی [illegible] صاحب ٹیلہ [illegible] صدق [illegible] اگست ۱۹۴۵ء کے شذرہ "نرس یا چیل نرس" کے حوالہ سے ذیل سے تحریر کرتے ہیں۔

"جب سر ضیاء الدین صاحب کی اس نرسنگ سکیم کا اعلان ہوا تو ڈان (دہلی) میں ایک خط اس مضمون کا نکلا کہ پردہ کا انتظام کیا رہیگا؟ اس پر کسی صاحب کا جوابی خط یہ نکلا کہ پردہ دنیا [illegible] باتیں ہیں، اور ایسے سچے خیال پس پشت ڈال کر قومی کاموں کو ترقی دینی چاہیے۔ خود ضیاء الدین صاحب نے بھی پھر اپنی بات کو دوبارہ دہرایا۔ اور اپنی سکیم میں کسی تبدیلی کا امکان نہ بتایا۔ اب [illegible] میں جواب الجواب ظاہر ہو۔ مگر اسکے ساتھ ہی اخبار ڈان کا یہ نوٹ تھا کہ اس سلسلہ میں مزید خط وکتابت بند۔ پھر بھی اس چکر میں تھا کہ آخر ہسپتالوں میں نرس کا عورت ہونا کیا فرض ہے؟ ممکن ہے کہ مغربی ممالک میں یہ فرض ہی ہو گئے مگر ہندوستان جیسے کثیر آباد ملک میں یکسر طرح لاد کیا جا سکتا ہے۔

میرا اس سلسلہ میں ایک ذاتی خیال ہے۔ وہ یہ کہ یہ بات ضیاء الدین صاحب اخبارات کے ذریعہ نہیں مانیں گے۔ (کیونکہ روشن خیال لوگ کچھ نہ کچھ موافق نکل ہی آئیں گے) آپ خود اُن سے بھی خط وکتابت کرکے اسکی برائیوں اور اسکے نعم البدل سے آگاہ کرکے [illegible] نرس پر آمادہ فرمادیں یا اگر آپ اس طرح نہ کرسکیں یا آپ کے نزدیک اس قسم کی خط وکتابت کا خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلتا دیکھیں تو پھر آپ اُن لوگوں کو بطور خاص متوجہ فرمائیں کہ جو یونیورسٹی، کونسل یا کورٹ سے متعلق ہوں اور وہ لوگ اس شیطانی اسکیم کو ختم کرائیں —— ورنہ اسکے زہریلے اثرات سے کون اندھا انکار کر سکتا ہے۔ الامان، الحفیظ۔ شیطان اپنے داؤں سے باز نہیں آرہا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ مومن کتنا ہوشیار رہتا ہے! یہ کچھ عرض کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اہمیت کے اعتبار سے یہ کسی سے بھی کم نہیں ہے۔ ایکٹرس بننے کی خواہش رکھنے والیوں کے لیے نرس بننا آسان بھی اور باعزت بھی! شیطان نے کس خوبی سے ایسی آسان اور دلفریب، نہ صرف دلفریب بلکہ مسلم فریب راہ نکال ڈالی!!"

تشخیص صحیح ہے، علاج اسقدر آسان نہیں۔ کورٹ کے ممبروں کی اکثریت کے ذمہ دار افسروں کو اتنا احساس ہوتا تو یہ نوبت ہی کیوں آنے لگی تھی۔ جن حضرات کی خوش عقیدگی فرنگی تہذیب سے بڑھی ہوئی ہے، وہ تو اس سارے تخیل ہی کو مضحکہ خیز قرار دیں گے۔ اور واقعہ میں یہ تحریک ہے بھی ایک جارحانہ انقلاب انگیز [illegible]

کے اکابر اور قوم کے اکابر دونوں کے دل میں یہ بات ڈالنی آسان نہیں، کہ تیمارداری کے لیے لازمی طور پر عورت ہونے کا نظریہ ہی غلط ہے۔ یورپ میں نرسنگ کا یہ طریقہ باضابطہ طور پر کچھ اوپر سو برس یعنی [illegible] سے جاری ہے اور براہ راست مسیحیت اور کلیسا کا ایک تحفہ ہے۔ آہ یہ کالج اور یہ اسپتال! کتنوں کے دل سینما اور تھیٹر اور آرٹ کی نذر ہو چکے! اور کتنوں کے دلوں پر چھاپہ [illegible] دوسرے سنجیدہ ناموں اور بڑی خوشنما نقابوں کے ساتھ کالج اور یہ اسپتال موجود ہیں۔

برہمن کی پختہ زناری

مدراس کے [illegible] مسٹر رنگا چاری کا شمار ملک کے مشاہیر میں تھا۔ مرکزی اسمبلی کے بہت پرانے ممبر اور اب نائب صدر تھے۔ سرکاری کمیٹیوں اور کمیشنوں میں پیش پیش [illegible] وفات ابھی ہوئی ہے۔ ایک [illegible] کارسپانڈنٹ [illegible] تعزیتی مضمون میں لکھتے ہیں:-

"سر ڈینس برے کی صدارت میں جو کمیٹی صوبہ سرحد کے سیاسی حقوق کی تحقیق سے متعلق بنی تھی، میں، مسٹر رنگا چاری اُسکے ایک رکن رکین تھے۔ جب ہندوستان کی سرحد ختم ہوگئی اور ہم آزاد قبیلوں کے علاقہ میں تھے، تو صوبہ گورنمنٹ کی طرف سے ہمارا دوپہر کا کھانا آیا۔ مسٹر [illegible] اور ہم دو ہی آدمی تھے۔ ایک [illegible] ہندو سرحدی پٹھانوں کا لباس پہنے ہوا، سبزی ترکاری، روٹی وغیرہ لایا۔ رنگا چاری بگڑ کر بولے کہ مسلمان کے ہاتھ سے میں ترکاری اور روٹی کیسے کھا سکتا ہوں۔ اُس شخص سے نام پوچھا، وہ اُس نے اپنا ہندوانہ نام بتایا۔ رنگا چاری کو اب بھی اُسکے ہندو ہونے کا یقین نہ آیا۔ اور مجھے سوالات پر سوالات کرنا پڑے۔ آخر کو اُس شخص نے اپنے کرتہ کے نیچے سے اپنا جنیو نکال کر دکھایا۔ یہ بالکل کافی ہو جانا چاہیے تھا۔ لیکن رنگا چاری اب بھی مطمئن نہ ہوئے۔ مجبور ہو کر میں نے اُس شخص سے کہا کہ اچھا یہ بتاؤ، تمہیں سندھیا (ہندوانی نماز) بھی آتی ہے؟ اس پر اُس نے گایتری (پوجا والی دعا) فرفر پڑھ کر سنا دی۔ رنگا چاری، افغانستان کی سرحد پر ایک برہمن کو پاکر اور اُسکی زبان سے گایتری سن کر باغ باغ ہوگئے، اور اب کھانے پر جھپٹ پڑے"۔ (ہندو، مدراس، ۲۶ اگست ۱۹۴۵ء)

اقبال نے جو کہا تھا،

برہمن کی پختہ زناری کا نظارہ بھی کر!

رہا اسکے شعر کا دوسرا مصرعہ، تو وہ بے محل تو شاید کبھی اور کسی وقت بھی نہیں ہوتا ہے -

اور اپنے مسلموں کی مسلم آزاری بھی دیکھ!

تجدد کی بے مغزی

"دونوں جنگوں کے درمیانی زمانہ میں ترکی [illegible] کا جو نعرہ تھا، [illegible] اور دوسرے [illegible] انقرہ میں لگا رہا۔

اتاترک مصطفیٰ کمال جب تک زندہ رہے، ترکوں کی قومی زندگی کے ایک ایک گوشہ پر چھائے رہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ دوسرے ملک کے ماہروں کے مقابلہ میں تعمیری قوت کے لحاظ سے بہت پیچھے تھے۔ وہ اصلاً بس ایک سپاہی ہی تھے۔ وہ فوج اور اُسکی ضرورتوں سے خوب واقف تھے، لیکن ملکی زندگی اور دور اندیشی کی بنا پر اُسکی تعمیر تو اُنکے تخیل تشکیل ترکیہ میں دوسرے ہی درجہ پر تھی...... اُنکے پیشروں کے پیش نظر اُنکی رضاجوئی زیادہ تھی، ملت کا نفع کم۔ ان لوگوں کا خیال تھا کہ ترکی ٹوپی اور نقاب اُٹھا دینے سے مشرق خود بخود مغرب بن جائیگا اور مغرب سے جو بھی ترقیاں وابستہ سمجھی جاتی ہیں، وہ خود بخود لازم آجائینگی، وہ قوم کی نفسیات کو بگاڑ رہے اور یہ نہ سمجھے کہ قوم کی موجودہ نفسیات صدیوں کی تربیت کا نتیجہ ہے۔"

یہ کون گستاخ اور بے ادب ہے، جو "لازوال سردار" کی دنیوی، مادی، ملکی سرداری پر کلام اور قیل و قال کر رہا ہے؟ اور کہہ رہا ہے کہ وہ فوجی سالار جیسے بھی ہوں، بہرحال انتظام سلطنت کے لحاظ سے تو کچھ یوں ہی سے تھے! ——— یہ کہنے والے ہیں کلکتہ کے انگریزی روزنامہ مارننگ نیوز کے ایڈیٹر (اور مولانا محمد علیؒ کے کامریڈ کے سابق منیجر) جناب عبدالرحمٰن صدیقی ایم، اے، جن سے بڑھ کر ترکی کے اندرونی معاملات سے واقفیت کا دعوے شاید مدعیان تجدد کو بھی نہ ہو!

"رسوائے عالم" گروہِ مولانا مودودی

[illegible] حامی

نظامی صاحب جبل پور سے لکھتے ہیں:—

"ایک انگریزی مقامی ہفتہ وار "پیپلز وار" کا تراشہ بھیج رہا ہوں۔ اس میں مولانا مودودی کے گروہ کو جن الفاظ میں یاد کیا گیا ہے وہ نہایت ہی قابل اعتراض ہے۔ مذکورہ جریدہ کمیونسٹ پارٹی کا آرگن ہے۔ اسکا اہتمام تمامتر مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ ڈاکٹر اشرف اور سید سجاد ظہیر اسکے کرتا دھرتا ہیں۔ علماء کرام کو ایسے الفاظ سے یاد کرنا انتہائی گستاخانہ ہے۔ مہربانی فرما کر ضرور اظہار خیالات کیجیے"۔

تراشہ ایک انگریزی کتاب پر ریویو علی سردار جعفری صاحب کے قلم سے ہے۔ کتاب مسٹر بشیر احمد ڈار کے قلم سے اقبال کے فلسفہ پر لکھی ہے۔ (اے اسٹڈی ان اقبالس فلاسفی) ریویونگار نے لکھا ہے کہ "مصنف ابوالاعلیٰ مودودی کے "رسوائے عالم (NOTORIOUS) گروہ سے تعلق رکھتا ہے، جو اقبال کی تعلیمات کو اپنے رجعت پسندانہ اغراض کے لیے استعمال کر رہا ہے۔ یہ اخوانی لیڈر اپنے کو اسلام خالص کا داعی بتلاتے ہیں، اور کانگریس اور لیگ دونوں کے مخالف ہیں اور اقبال کو اپنا رہنما اور کمیونزم کا حریف بتاتے ہیں"

لیکن اس طرز تحریر میں حیرت کی کون سی بات ہے؟ جو یہ قلم [illegible] صاحب کو اور دوسروں کو جسقدر بھی ہو، لیکن کمیونزم کی زیادہ سے زیادہ"

سورۂ بقرہ رکوع ۲۳

سلسلہ صدق —

تلک حدود اللہ فلا تقربوہا کذٰلک یبین اللہ آیاتہ للناس لعلہم یتقون

یہ اللہ کے ضابطے ہیں سو ان (ضابطوں) کے قریب بھی نہ جاؤ۔[۲۵۲] اللہ اسی طرح اپنے احکام لوگوں کے لیے کھول کر بیان کرتا ہے[۲۵۳] تاکہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔[۲۵۴]

---

۲۵۲ بہت ہی برمحل یہ یاد دلا دیا گیا ہے کہ یہ سب ضابطے اور قاعدے حدود و آداب جو یہاں کے مقرر کیے ہوئے ہیں، یہ احکام و ہدایات حکیم مطلق و حاکم برحق ہی کی طرف سے ہیں۔ انھیں ناقص انسانوں کے قانون کا عدد پر قیاس کر کے انھیں معمولی باتیں نہ سمجھنا۔

تلک سے اشارہ اُن سب جزئیات احکام کی جانب ہے جو آیت میں مذکور ہو چکے (روح)

اے ہذہ الاوامر والنواہی (قرطبی)، اے الاحکام الستۃ المذکورۃ

۲۵۳ یعنی جس طرح اس نے یہاں روزہ، اُسکے حدود، اوقات، مفسدات اور اُسکے متعلقات کے احکام تفصیل سے بیان کر دیے ہیں، اسی طرح وہ اپنے سارے ہی احکام و شرائع انسان کے سود و بہبود کے لیے تفصیل سے بیان فرماتا رہتا ہے۔

المراد انہ کما بین ما امرکم بہ ونہاکم عنہ فی ہذا الموضع کذلک یبین سائر ادلتہ علی دینہ وشرعہ (کبیر)

آیاتہ آیات سے مراد احکام یا دلائل شرعی ہیں

اے امرہ ونہیہ (ابن عباس) اے آیاتہ الدالۃ علی تقیۃ شرعہ (بحر) اے العلامات الہادیۃ الی الحق (قرطبی)

۲۵۴ (ان احکام الٰہی پر مطلع ہو کر)

احکام الٰہی کی علی التعمیل ہی پرہیزگار رہیں۔

لعلّ سے متعلق اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے جب اسکا استعمال ہوتا ہے، تو معنی میں شک تردد نہیں بلکہ یقین کا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے۔ یعنی احکام کی تعمیل تمھیں یقیناً پرہیزگار بنا دیگی، عمل کر کے تجربہ کر لو۔

۲۵۵ (اے اہل ایمان!)

لا تاکلوا۔ اکل یہاں لفظی معنی میں نہیں۔ یعنی صرف کھانا مراد نہیں، بلکہ کسی طرح بھی اپنے تصرف میں لے آنا ہے۔

صحیح اسلام کے ایک داعی اور دین کے ایک مبلغ کے لیے اسکے سوا توقع ہی کس قسم کے اظہار خیال کی تھی؟ —— دہریوں اور ملحدوں کا حریف اور مجاہد بنتا ہے، اور ناگزیر ہے کہ بعض سخت سے سخت ناگوار تر دلآزار الفاظ کے لیے تیار رہنا چاہیے!

یہ صوبہ کے محکمۂ تعلیم کا تعلیمی رسالہ ہے اور عرصہ سے نکل رہا ہے۔ زیر نظر رسالہ کی جلد کا نمبر ۱۸ پڑا ہے۔

رسالہ اُردو اور فن تعلیم کی خدمت تو خیر کر ہی رہا ہے کہ یہ تو اسکے خاص موضوع ہی ہیں، لیکن خاص طور سے قابل داد چیز اسکی اسلامیت ہے۔ ابتدا چند قرآنی آیات کے اُردو ترجمہ سے کی ہے دوسرے مضامین میں بھی جا بجا اسلامیت کی جھلک ہے۔ خصوصاً شہریت کی تعلیم کے مضمون میں جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ شہریت کی تعلیم کے سلسلہ میں مسلمان طلبہ کو اسلامی تہذیب کی تعلیم دینا ناگزیر ہے۔ اقبال کے فارسی اشعار جنکا تعلق آزادی نسواں کی مذمت سے ہے مع ترجمہ کے درج کیے گئے ہیں اور آخر میں چند اُردو کہاوتوں کی تشریح اور مشہور الفاظ کی جنکا تلفظ عام طور سے غلط کیا جاتا ہے تصحیح کی گئی ہے۔ یہ دونوں سلسلے جو غالباً رسالہ میں مسلسل شایع ہوتے رہتے ہیں بہت کارآمد ہیں خصوصاً ایسے علاقہ میں جہاں اُردو کا چلن یوں بھی کم ہے۔ (ع۔ ق)

رسید کتب

(۱) **جوابات "حاضر و ناظر"** از مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی ضخامت ۲۸ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر، ڈاکخانہ تراوت گنج۔ ضلع بستی۔

حضور رسول مقبول صلعم کے "حاضر و ناظر" ماننے کا عقیدہ جو اہل بدعت نے اختیار کر رکھا ہے اور جس قسم کے سطحی دلائل انکی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں، انکی تردید میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے اور ان دلائل کا ضعف اور لغویت آیات قرآنی و احادیث نبویہ سے واضح کیے گئے ہیں۔ (ع۔ ق)

(۲) **سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اُردو (ہند) دہلی ۴۳-۱۹۴۲ء** از سکریٹری انجمن۔ ضخامت ۱۱۶ صفحات۔ قیمت ۴ر ملنے کا پتہ، انجمن ترقی اُردو دریا گنج۔ دہلی۔

۱۹۴۲ء میں انجمن ترقی اُردو نے جو جد و جہد ترقی اُردو کے سلسلہ میں کی، اسکے سکریٹری و دیگر کارکنوں نے جن جن مقامات کے دورے کیے، جہاں جہاں جلسے اور کانفرنسیں ہوئیں اور جن جن کتابوں کی اشاعت انجمن کی طرف سے ہوئی یا آیندہ ہونیوالی ہے انکی تفصیل اس رپورٹ میں درج ہے۔ ہر اُردو دوست کے مطالعہ میں یہ رپورٹ آنی چاہیے تاکہ اُردو کی ترقی کا اندازہ ہو سکے (ع۔ ق)

سدا سہاگن

(بنام ایڈیٹر صاحب پیام دکن)

پیام ۱۰- اگست کے صفحہ پر جاپانی مذہب سے متعلق کسی انگریزی مضمون کا ترجمہ درج ہے۔ دفعہ ۵ میں جہاں وہاں کی "سدا کنواریوں" کا ذکر ہے آپ کے مترجم نے بریکٹ کے اندر یہ فقرہ اپنی طرف سے بڑھا دیا ہے "جیسے ہندوستان کی خانقاہوں میں سدا سہاگن"۔

یہ فقرہ اگر یوں ہوتا "جیسے ہندوستان کے مندروں میں دیوداسیاں" تو آگے کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن خانقاہ تو اسلامی اصطلاح ہے۔ اس لیے آپ کے مترجم صاحب کی اطلاع و واقفیت کے لیے عرض ہے کہ "سدا سہاگ" یا "سدا سہاگن" تو شریعت سے آزاد "رسول شاہی" فقیروں کی اصطلاح میں اُن مردوں کو (نہ کہ عورتوں کو) کہتے ہیں جو اپنی مردانہ شکل قائم رکھ کر صرف زیور اور بعض صورتوں میں زنانہ لباس کے ذریعے بھی اپنے میں نسائیت پیدا کر لیتے ہیں اور خود باشندہ اپنے کو خدا کی بیویاں ظاہر کرا چاہتے ہیں۔ داڑھی مونچھیں باقاعدہ اسی طرح قائم بعض اوقات خوب بڑی اور سفید داڑھی۔ البتہ نلکے یا تھوڑا بہت پیروں میں پازیب اور کبھی کبھی (لازماً ہرگز نہیں) بندا۔

یہ تخیل اور یہ عمل دونوں بھی اگرچہ قطعاً غیر اسلامی ہیں۔ تاہم یہ نام کے سدا سہاگ ہوتے ہر حال مرد اور پورے مرد ہی ہیں عورتیں ہرگز نہیں۔

مناسب سمجھیے تو یہ تصحیح فوراً شایع کر دیجیے — عبدالماجد

(پیام)

مدرسہ علوم شرعیہ مدینہ طیبہ

یہ مدرسہ خاص مدینہ طیبہ میں جوار حرم شریف نبوی میں واقع ہے۔ اسکے قیام پر ۲۴ سال گزر چکے ہیں اور اس مدت میں بہت سے حفاظ یہاں تیار ہو چکے ہیں اور بہت سے طلبہ فارغ التحصیل ہو کر اپنے کاموں میں مشغول ہیں۔ اس مدرسہ کو حضرت مولانا سید احمد مرحوم فیض آبادی نے قائم کیا تھا۔

چونکہ طلبہ کی تعداد روز افزوں ہے اس لیے مدرسہ کی موجودہ عمارت ناکافی ہو رہی ہے۔ روپیہ کی سخت ضرورت ہے تاکہ زمین خرید کر مدرسہ کی توسیع عمل میں آئے۔ زمین کی خرید و تعمیر عمارت میں ۵۰ ہزار روپیہ صرفہ کا اندازہ ہے۔ اسوقت الحمدللہ مدرسہ میں ۳۰۰ طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ان میں مدنیوں کی خصوصی تعداد ۵۳ ہے۔ طلبہ سے کسی قسم کی فیس نہیں لیجاتی بلکہ محتاج و مسکین طلبہ کے بہت سے تعلیمی و دیگر مصارف مدرسہ کی طرف سے پورے کیے جاتے ہیں۔ اور وظائف بھی دیے جاتے ہیں۔ مدرسہ میں علاوہ علوم دینی کی تعلیم کے لیے علوم معیشت جغرافیہ، حساب وغیرہ اور بعض صنائع مثلاً نجاری، سنگتراشی وغیرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

اس مدرسہ کی امداد ہندوستان میں حسب ذیل پتوں کے ذریعے بھی ہو سکتی ہے۔ (۱) مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور (۲) حکیم ڈاکٹر عبدالعلی صاحب گوئن روڈ لکھنؤ (۳) کوٹھی کالا جی علی جان صاحب محلہ چاندنی چوک دہلی۔ (۴) عبداللہ عطائی عبدالقادر بمبئی وغیرہ۔

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

نمبر (۳)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں سردست ایک مختصر مضمون کی حیثیت سے لکھ رہا ہوں۔ اگر مغل حکومت کے دوسرے واقعات کا سلسلہ شروع ہو جائیگا تو مختصر مضمون مقالہ بلکہ رسالہ ہی ہو جائیگا اس لیے مغلوں سے ہٹ کر اب ہندوستان کی چند دوسری حکومتوں کی مثالیں پیش کرتا ہوں۔

یہی بنگال جہاں مغلوں سے پہلے خود مقامی بادشاہوں کی حکومت تھی، ان ہی بادشاہوں میں خواجہ حافظ شیرازی کا مشہور ممدوح بنگالی بادشاہ سلطان غیاث الدین جس کی طرف منسوب غزل میں حافظ کے دیوان کا یہ شعر؎

شکر شکن شوند ہمہ طوطیان ہند   زیں قند پارسی کہ بہ بنگالہ می رود

زبان زد عوام و خواص بھی ہے۔ اسی سلطان غیاث الدین کے کے متعلق جو آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں بنگال کا مطلق العنان فرماں روا تھا۔ تاریخوں میں یہ واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ میں ترجمہ کے ساتھ بعینہ فارسی کی عبارت درج کرتا ہوں۔ واقعہ یہ ہے

روزے در حالت تیراندازی تیر سلطان غیاث الدین بہ پسر بیوہ زنے رسید۔ بیوہ زن پیش قاضی سراج الدین داد خواہ شد۔ قاضی متحیر شد اگر رعایت پادشاہ کنم در درگاہ خدا ماخوذ شوم و اگر نہ کنم طلبیدن او کار دشوار است۔ آخر بعد تامل بسیار پیادہ را بطلب پادشاہ فرستاد و خود درہ زیر مسند گذاشتہ در محکمہ نشست۔ پیادۂ قاضی چوں بدربار رسید و رسیدن پیش سلطان محال دانست اذان آغاز کرد۔ سلطان اذان بے وقت شنید و احضار موذن فرمان داد۔ چوں صاحبان درگاہ او را احضار کردند سلطان موجب اذان بے وقت استفسار کرد گفت مرا قاضی سراج الدین تعین کردہ اند کہ پادشاہ را در محکمۂ شریعت برم۔ چوں رسیدن بحضور متعسر بود بایں حیلہ خود را رسانیدم۔ حالا برخیزد و بمحکمہ حاضر شود پسر بیوہ زنے را از زخم تیر زدہ مستغیثہ است۔ پادشاہ فی الفور برخاست و تیغچۂ شمشیرے زیر بغل پنہاں گرفتہ رواں شد۔ چوں پیش قاضی رسید قاضی اصلا با پادشاہ ملتفت نشدہ فرمود کہ استرضائے ایں ضعیفہ بکن۔ سلطان بطوریکہ مناسب دانست او را راضی ساخت۔ گفت ایہا القاضی اینک ضعیفہ راضی شد۔ پس قاضی رو بضعیفہ کردہ پرسید کہ بداد خود رسیدی و راضی شدی، گفت بلے راضی شدم (آنگاہ) بشگفتگی تمام برخاست و تعظیم سلطان نمود و بر مسند نشاند۔ سلطان شمشیر از بغل برآورد و گفت اے قاضی من بحکم شرع در محکمۂ تو حاضر شدہ ام اگر یک موے از اوامر شرع خلاف از تو مشاہدہ می کردم بہمیں شمشیر گردنت می زدم شکر خدا کہ خیر شد۔

(منقول از مآثر السلاطین)

ایک دن تیراندازی کی حالت میں سلطان غیاث الدین کا تیر ایک بیوہ کے لڑکے کو جا لگا۔ بیوہ عورت قاضی سراج الدین کے اجلاس میں دادخواہ ہوئی۔ قاضی حیران ہوئے کہ کیا کیا جائے، اگر بادشاہ کی رعایت کرتا ہوں تو خدا کے پاس ماخوذ ہوتا ہوں اور اگر اعانت نہیں کرتا ہوں تو بادشاہ کا اجلاس میں بلانا بڑا مشکل کام ہے۔ آخر بہت غور و فکر کے بعد پیادہ کو حکم دیا کہ بادشاہ کو بلا لائے، اور اپنی مسند کے نیچے درہ رکھ کر اجلاس میں بیٹھے۔ قاضی کا پیادہ جب دربار شاہی میں پہونچا تو اس نے دیکھا کہ بادشاہ تک پہونچنا ناممکن ہے۔ اس نے اذان شروع کر دی۔ بے وقت اذان سنکر بادشاہ نے حکم دیا کہ موذن کو حاضر کیا جائے۔ درباریوں نے موذن کو لا کر پیش کیا۔ بادشاہ نے بے وقت اذان دینے کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ مجھے قاضی سراج الدین نے اس کام کے لیے مقرر کیا ہے یعنی بادشاہ کو محکمۂ شریعت میں لیجاؤں چونکہ آپ تک پہونچنا دشوار تھا اس لیے یہ حیلہ میں نے اختیار کیا ہے اور آپ تک پہونچ گیا ہوں۔ پس اے بادشاہ! اٹھ اور محکمہ میں حاضر ہو۔ ایک بیوہ عورت کے لڑکے کو تم نے تیر سے زخمی کیا ہے بیوہ نے استغاثہ دائر کیا ہے بادشاہ سننے کے ساتھ کھڑا ہو گیا اور ایک تیغچہ (چھوٹی تلوار) کو بغل میں رکھکر روانہ ہوا۔ جب قاضی کے سامنے پہونچا تو قاضی نے بادشاہ کی طرف قطعاً کوئی توجہ نہیں کی اور حکم دیا کہ اس بوڑھی عورت کو راضی کرنے کی کوشش کرو۔ بادشاہ نے جس طرح ممکن ہوا بڑھیا کو راضی کر لیا۔ اور قاضی سے کہا کہ اے قاضی بڑھیا راضی ہو چکی ہے قاضی نے بڑھیا کو خطاب کر کے پوچھا کہ کیا تو واقعی راضی ہو چکی ہے جواب میں بڑھیا نے کہا کہ ہاں میں راضی ہو چکی ہوں۔ قاضی تب انتہائی مسرت کے ساتھ اٹھے اور بادشاہ کی تعظیم بجا لا کر اپنی مسند پر بٹھایا۔ بادشاہ نے بغل سے تلوار نکالی کہ اے قاضی شریعت کے حکم کے بموجب میں تمہارے محکمہ میں حاضر ہو گیا اگر بال برابر بھی یہ دیکھتا کہ تم نے شریعت کے حکم سے تجاوز کیا ہے تو تمہاری گردن اسی تلوار سے اڑا دیتا۔ خدا کا شکر ہے کہ خیر گزری۔

یہاں تک تو واقعہ کی جو صورت تھی اسے آپ دیکھ ہی رہے ہیں۔ شریعت کے حاکم اور حاکم ہی نہیں شرعی محکمہ کے ایک پیراسی کی ہمت و جرأت، اور اسکے ساتھ بادشاہ وقت کے دماغ میں جو بے پایاں لحاظ و پاس تھا اسکی کتنی واضح شہادت آپ کے

قضر میں ہی پہونچکر قاضی صاحب کی طلبی ہوئی، اس وقت حضرت آصفجاہ نے قاضی کو مخاطب کرکے جو بات کہی وہ شرعی قوانین کے اس اقتدار و اثر کی بہترین تاریخ ہے جو اسلامی حکومتوں میں انھیں حاصل تھا فرمایا "میرا قصور معاف کردو، میں نے سہو سے کہا تھا، جو کچھ شرعی احکام ہیں ان تمام امور کے تم مختار رہو"۔

دربارہ ما اگر رسانید با شما عدل و انصاف شما او دولت راضی و خوش شویم و شما را طلب فرمودہ پیش خود بنشانیم و شما سخنہا کنیم۔ (تاریخ دکن ضلک)

اور لوگوں کو انکے حق تک پہونچانے کی کوشش کیجیو، تاکہ تمہارے عدل وانصاف کا حال سن کر میں خوش اور راضی ہونگا اور تمہیں اپنے پاس بٹھاؤنگا، اور تم سے باتیں کرونگا۔

خاندان آصفجاہی کے ایک دوسرے رکن نظام خامس نواب افضل الدولہ بہادر مرحوم کا ایک واقعہ قابل ذکر ہے جسے مولوی نصراللہ خاں خورجوی نے اپنی مشہور کتاب تاریخ دکن میں نقل کیا ہے جو خود انھیں کے ساتھ پیش آیا تھا۔ خلاصہ یہ ہے کہ سالار جنگ اول کی وزارت کا زمانہ تھا۔ عدالتوں کی تنظیم جدید ہو چکی تھی۔ بجائے قضاۃ و محتسبین کے ناظمان عدالت کے تقرر کا قصہ شروع ہو چکا تھا اور ان ہی جدید ناظموں میں مولوی نصراللہ خاں بھی ہیں۔ فوجداری بلدہ کی نظامت پر کوئی قادر غنی نامی بزرگ کی وفات پر انکا تقرر ہوا تھا۔ دستور اس زمانے کا یہ تھا کہ پیش وقت کی خدمت میں جا کرنے تقرر یافتہ ناظم نذریں پیش کیا کرتے تھے۔ نصراللہ خاں کو مقرر کرنے کے بعد سرسالار جنگ نے حکم دیا کہ پیشگاہ خسروی میں حاضر ہو کر مجرا بجالائیں۔ حسب الحکم مولوی صاحب حاضر ہوئے۔ اب خود لکھتے ہیں کہ جب افضل الدولہ بہادر کے سامنے پیش ہوا تو نام، نوکری وغیرہ دریافت کرنے کے بعد ان ہی کو مخاطب کرکے فرمانے لگے

جوانید کہ شما بر مسند پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نشستہ اید باید کہ موافق حکم خدا و رسول بہ امانت مقدمہ بار انفصال کنید

تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مسند پر تم بیٹھے ہو چاہیے کہ اللہ ورسول کے حکم کے مطابق فیصلے صادر کرو دیانت وامانت کے ساتھ

مولوی نصراللہ خاں نے لکھا ہے کہ یہ فرمانے کے بعد مجھے جانے کی اجازت ہوئی۔ چند قدم آگے چلا تھا کہ پھر دوبارہ بلوایا گیا، کہنے لگے کہ "ہماں سخناں نصیحت را اعادہ فرمودند" پھر اسی نصیحت کو دوبارہ فرمایا۔

ظاہر ہے کہ تنظیم جدید نے حکومت آصفیہ کے آئین نظام کے آسمان وزمین کو بالکل بدل دیا تھا، لیکن نواب افضل الدولہ بہادر اب تک بھی اسی پر قائم تھا کہ نام تو کچھ بھی ہو لیکن کام شریعت کے مطابق ہی جاری حکومت میں انجام پا رہا ہے۔ فوجداری کے ناظم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین وہ اسی بنیاد پر فرما رہے تھے اور حکم دے رہے تھے کہ اللہ اور اس کے رسول کے مطابق فیصلہ کرنا۔ اس سے تو معلوم ہوا کہ آخر آخر وقت تک ہمارے بادشاہوں پر قانونی حیثیت سے صرف فقہ اور فقہی مسائل ہی کا زور تھا بلکہ سچ تو یہ ہے کہ فقہ کے سوا بھی قانون کی کوئی دوسری صورت ہو سکتی ہے اُن بیچاروں کے لیے یہ ایک ناقابل تصور بات تھی۔ (باقی آئندہ)

ایک خارج شدہ تصنیف

(از عبدالماجد)

الہ آباد یونیورسٹی کے ایک ایم اے (اردو) سے ابھی ملاقات ہوئی، ایم اے کیے ہوئے انھیں تین ہی چار مہینے ہوئے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ "آپ کی کتاب فلسفۂ اجتماع تو ہمارے کورس میں تھی۔ اسے خوب پڑھ چکا ہوں" اناللہ۔ یہ کتاب میری بہت ابتدائی تصانیف میں ہے اور اب اسے چھپے ہوئے ۳۰ سال ہو چکے ہیں۔ انجمن ترقی اردو نے اسے چھاپا تھا۔ دوسری تصنیفی خامیوں سے قطع نظر، کتاب الحاد و ضلالت کے مضامین سے لبریز ہے۔ کوئی ۲۵ سال ہوئے اسے اپنی تصانیف سے خارج اور اسکی اشاعت ممنوع قرار دے چکا ہوں۔ اس علم سے کہ اسکی اشاعت اب بھی جاری ہے، بلکہ یہ یونیورسٹی کے اونچے کورس میں داخل ہے، جتنا صدمہ مجھے ہو سکتا تھا وہ بالکل ظاہر ہے! آٹھ دس سال ہوئے اسی قسم کی اطلاع پٹنہ یونیورسٹی سے ملی تھی، اور اُسی وقت وائس چانسلر کی خدمت میں اس کے متعلق مناسب عرض حال کی گئی تھی، اُسکے بعد اسی نوعیت کا یہ دوسرا صدمہ ہے۔

الہ آباد یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو، نیز کتاب کے ناشر کو ابھی خطوط لکھ رہا ہوں۔

اِس اعلانِ عام سے دو مقصد ہیں:۔

(۱) کتاب مذکور سے تبری وبے تعلقی کی تاکید مزید۔

(۲) اہل علم حضرات سے کتاب کے خارج کرانے کی استدعا۔

جو گمراہیاں متعدی قسم کی ہوتی ہیں، اُن سے پیچھا چھوٹنا بھی کسقدر دشوار ہوتا ہے! اور ان کا وبال کتنے دنوں تک اور کتنے طریقوں سے چمٹا رہتا ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

فریدار صاحب ۱۰۹۰: آپ کا سوال ایک فقہ داں مولوی صاحب کے پاس جواب کے لیے ابھی بھیج دیا گیا ہے۔ جواب آنے پر شائع کردیا جائیگا۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق جدید لکھنؤ سے

نمبر ۳۶ | یوم سہ شنبہ - ۱۱ شوال ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۸ - ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ایٹم بم (ذراتی بم، جوہری بم، ترجمہ جس لفظ سے چاہیے کیجیے) کی حقیقت و ماہیت آپ سن چکے، سمجھ چکے؟ اور اُس کی قیامت خیز اور لرزہ انگیز ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں سے تو ہر حال واقف ہو چکے ہونگے۔ جزئیات و تفصیلات میں گئے بغیر خلاصہ سائنس کے اس جدید ترین "معجزہ" کا یہ ہے کہ مادہ کے ہر ایٹم یعنی جوہر فرد، یا سالمہ، یا جزو لا یتجزی کے اندر بے پناہ قوت یا توانائی (انرجی) کا ذخیرہ محفوظ ہوتا ہے، اور وہ اُس ذرہ کے پھٹنے سے بے تحاشہ نکل پڑتا اور اُبل پڑتا ہے ——— ذرہ جو مادیات میں اس قدر حقیر اور ضخامت میں اتنا صغیر ہوتا ہے کہ آنکھ سے نظر ہی نہیں آسکتا، جب وہ پھٹتا ہے، تو قلعوں کو ہلا دیتا ہے، پہاڑوں کے درو دیوار کو جنبش میں لے آتا ہے، بیسیوں نہیں، پچاسوں بلکہ سیکڑوں میل کے رقبہ میں تزلزل پیدا کر دیتا ہے! سائنس نے قدرت کے حقیر سے حقیر اور صغیر سے صغیر فرد کے انشقاق کی بے پناہ قوت کا مشاہدہ کرا دیا۔

کیا عالم ہوگا اُس وقت جبکہ ایک ذرہ نہیں، دس بیس سو پچاس ہزار دس ہزار ذرے نہیں بلکہ ذرات کا مجموعہ، چاہئے اُسے فضا سے محض کہیے یا کوئی ٹھوس مادی جرم، بہر حال آسمان پھٹنے کا؟ اور سلسلہ شروع ہو کر رہیگا؟ اُس وقت کی بے اندازہ ہلاکتوں کا کوئی انسانی دماغ اندازہ بھی کر سکتا ہے؟ اُس وقت کے حساب و شمار ہی سے نہیں، وہم و گمان سے بھی باہر تباہیاں اور بربادیاں کسی بشری فہم و عقل کے احاطہ گرفت میں کبھی آسکتی ہیں؟ "قیامت" کا اطلاق اگر اس ہنگامہ رستخیز پر اس طوفان موت و ہلاکت پر بھی نہ ہوگا تو اور کس پر ہوگا؟ ذرہ کے پھٹنے کا جب یہ عالم ہے تو آسمان کے پھٹنے سے تو جو کچھ بھی حشر برپا ہوکر رہیگا! ——— اب جاکر کچھ روشنی پورے مسئلہ پر پڑی کہ قرآن مجید نے قیامت کی ہولناکیوں اور ہلاکت آفرینیوں کے سلسلہ میں آسمان کے لیے "پھٹنے" ہی کا لفظ کیوں بار بار استعمال کیا ہے! اذا السماء انشقت، اذا السماء انفطرت، وغیرہا۔ یہاں تک کہ انسان کی شدید مشرکانہ گستاخیوں پر بھی یہی لفظ لایا ہے تکاد السموات یتفطرن۔ اب کچھ کچھ روشنی "انشقاق" و "انفطار" کے معنی پر پڑی! ——— سائنس کے "معجزہ" نے طوعاً و کرہاً، قرآن کے معجزہ پر ایمان تازہ کر دیا!

کام کی رفتار

تاج کمپنی کے ہاں سے پارۂ دوم کے پروف کا ایک صفحہ ۸ - ستمبر کو پھر موصول ہوا۔ اسکے قبل اسی پارہ کے کچھ پروف مارچ میں آئے تھے! ابھی بھی وہی وعدہ خط میں تھا، کہ پارہ بس اب [illegible] پر ہے، جو چھ مہینے قبل بھی تھا، بلکہ اس سے قبل بھی! ——— یعنی ۱۹۴۳ء کے بعد پارۂ دوم اکتوبر ۱۹۴۵ء میں ڈھائی سال کے بعد، اگر نکلا بھی، تو اس ایک پارہ سے ظاہر ہے کہ خریداروں کی اشتیاق شوق کیونکر پوری ہو سکیگی۔ کم از کم دو تین پارے ساتھ تو نکلنے تھے۔

ادارہ کی رقمیں اس درمیان میں حسب ذیل وصول کی گئیں:-

کیم ستمبر۔ ایک مخلص خاتون (از بھوپال) صـــ (علاوہ سابق قسطوں کے)
۱۰ ستمبر۔ ایک مخلص مقیم پشاور صـــ (۲۴ ویں قسط)

سینما مسیحؑ کے مولد میں

"بیت اللحم (فلسطین) کی تاریخ میں پہلی بار ہے کہ یہاں سینما کھل رہا ہے۔ اس سینما کے کھولنے والے مسیحی عرب ہیں" (ٹائمس آف انڈیا۔ ۸۔ ستمبر ۵۲ء)

بیت اللحم مسیحیوں کے لیے شاید مقدس ترین مقام ہے۔ انکے نزدیک خدا کی پیدائش انکے خیال کے مطابق یہیں ہوئی تھی (اور یہی مقام تاریخ کی روایت ہے کہ حضرت داؤد کا بھی مولد ہے) چھوٹا سا شہر ہے، ایک معمولی سا قصبہ ۸ ہزار کی آبادی کا، یروشلم سے ۶ میل جنوب میں واقع ہے۔ کاش آج مسیح علیہ السلام خود آکر دیکھتے کہ انکے نام لیوا [illegible] جاہلیت کے ہر مظہر کے علمبردار خاص انکے مولد کے ادب و احترام کا حق کس طرح ادا کر رہے ہیں! ــــ مسیحی تہذیب کی برکتوں سے مولدِ مسیحؑ بھی کب تک محروم رہ سکتا تھا!

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!

"صاحب" کی زندگی

انگریز ہوائی افسر [illegible] اپنے کا مراسلہ امریکی تجربات کے بعد:—

"نیویارک میں میرا قیام سات ہفتہ رہا۔ نیویارک والوں نے خاطر کی۔ مجھے یہاں سب سے بڑھ کر جو مرحلہ نیند کا نظر آیا۔ شہر کی اصلی زندہ دلی آدھی رات کے بعد شروع ہوتی ہے۔ مجھے تو اکثر اسی حالت میں صبح ہوگئی۔۔۔۔

تین بجے ناچ گھروں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ شمپین (شراب کی اعلیٰ قسم) وہاں پانی کی طرح بہہ رہی تھی۔ انگریز بیرے نے مجھے چپکے سے کہا کہ ایک بوتل جیب میں ڈالے چلے جائیے۔ انگلستان میں ایسی شراب ناب کہاں ملیگی"۔ (نیوز کرانیکل انگلش ایڈیشن [illegible] بابت اپریل ۵۲ء)

یہ ہے دنیا کی سب سے زیادہ مہذب دستور کا اقبال [illegible] سربلند قوموں کی زندگی کا نقشہ! ــــ ظاہر کتنا دلکش! باطن کتنا گھناؤنا!

ترکی کا نیا اقدام

"انقرہ۔ کیم ستمبر۔ ملٹری اکاڈمیاں (فوجی درسگاہیں) میں داخلہ کے جو نئے قاعدے شایع ہوئے ہیں وہ گورنمنٹ کی نئی پالیسی کے مظہر ہیں غیر مسلم ترکیوں کے بارہ میں۔ اب تک غیر مسلموں کے لیے فوج میں افسری کے دروازے بند تھے۔ اب نئے قاعدہ کی رو سے ہر ترکی باشندہ خواہ وہ کسی مذہب و ملت کا ہو ضروری شرائط پائے جانے کے بعد اکاڈمی مذکور میں داخل ہو سکتا ہے۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ رواداری کے میدان میں ترکی حکومت نے ایک اور صحیح اقدام کیا ہے"۔ (رویٹر)

اس "صحیح اقدام" کے معنی یہ ہیں کہ مسلم و کافر کے درمیان جو ایک خفیف فرق رہ گیا تھا اب تک حکومت کے شعبوں میں باقی رہ گیا تھا، اب ترکی نے اُسے بھی ختم کر دیا۔

کر دیا صاف کہ [illegible] میدانِ صداقت!

ــــ کیا ہوا جو اسلام سے اس برائے نام تعلق کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ "روشن خیال" حلقوں سے "صاحب" کی دانشگاہ سے داد تو "رواداری" کی جانب صحیح اقدام کی مل گئی!

سگرٹ نوش لڑکیاں

ایک "ہندوستانی" [illegible] کا مراسلہ لیڈر (الہ آباد) میں:—

"میں ابھی آگرہ سے لکھنؤ جا رہا تھا۔ راستہ میں میں نے ہندوستانی لڑکیوں کی ایک پوری جماعت کو دیکھا جو سگرٹ پی رہی تھیں ساتھ میں جو [illegible] ہندوستانی تھیں [illegible] تو وہ مسکرا کر بولیں کہ "ہمارے لئے تو [illegible] چمنیاں بنا رہی ہیں"۔ میں تو [illegible] جواب دونوں سے دنگ رہ گیا۔ سگرٹ نوشی مردوں ہی کے لیے ایک عذاب ہے، عورتوں کے لیے تو وہ سو گنا بڑھ کر ہے! خود پسندی مذاق اور اس ملک [illegible] لڑکیوں کی سگرٹ نوشی ایک [illegible] مغرب کی نقالی کہاں تک لے جائیں گے"۔

بیچارے "ہندوستانی" ابھی تک سگرٹ نوش لڑکی کو جرم عظیم سمجھے جا رہے ہیں۔ کیا اسے خبر نہیں ہے کہ "آزاد" اور "روشن خیال" عورت اس وقت "ترقی" کی کتنی منزلیں سگرٹ نوشی سے آگے طے کر چکی ہے؟ اسکولوں اور کالجوں میں پڑھانا اور نوجوان لڑکوں کے ساتھ [illegible] اور پھر یہ توقع رکھنا کہ عورت کا معیار اخلاق و کردار نقاب پوش پردہ نشیں عورت کے معیار کے مطابق رہیگا، حسن ظن کی عجیب و غریب قسم ہے!

مشاہدات مصر

ایک عزیز فوجی عہدہ دار ملازمت کے سلسلہ میں مصر گئے ہوئے ہیں، انکے مکتوب کا اقتباس:—

"مولانا عمران خاں صاحب ندوی کا تعارف نامہ کام آیا۔ وہ صاحب جامع ازہر کی مسجد کے صحن میں مل گئے۔ تعارف نامہ دیکھ کر اپنے کمرہ میں لے گئے۔ کمرہ کا خیال آتے ہی میز کرسی، قالین اور دیوار پر تصویروں کا خیال آنا لازمی تھا۔ لیکن یہ کمرہ آکسفرڈ یا کیمبرج یا اور کسی ولایتی ادارہ کا کمرہ نہ تھا۔ یہاں کا نقشہ ہی کچھ اور تھا۔ ازہر کی عمارتیں دالانوں کو گھیرے ہوئے اور نظروں کو خیرہ کرنے والی نہیں۔ ان میں اس بیسویں صدی میں نو سو سال پہلے کی [illegible] ہے۔ قدامت کی شان ٹپکتی ہے۔ ازہر کے مدرسے جیسے ایک جگہ نہیں دور دور ہیں۔ طلبہ بھی اسلامی دنیا کے ہر گوشے سے آتے ہیں۔ ہوسٹل بھی ہر ملک کے الگ الگ ہیں۔ جاوا سماٹرا سے لیکر سسلی تک ہر ملک کے طلبہ وہاں ہیں۔ ان کی زندگی دیکھ کر حیرت و مسرت ہوتی ہے۔ کمرے میں کتابیں اتنی بھری ہیں کہ تنگی کا گمان ہوتا ہے۔ [illegible] پڑھنے ہی نہیں، کھانا پکانا اور کپڑے دھونا بھی انکی تعلیم کا جزو ہے۔ یہ میں نے اپنی آنکھوں سے

آہستہ سے پڑھنے لگے۔ وہ پوری آیت لوگ سمجھ نہ سکے، بس معلوم ہے کہ بار بار اسکی تکرار میں ان اللہ، ان اللہ کا لفظ نکل رہا تھا۔
اسکے بعد خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر ٹھیر کر کلمۂ طیبہ زور زور سے پڑھنے لگے اور پھر استغفار کے اسکی بھی رٹ لگا دی۔ جب آواز نے کام نہ دیا تو سب یہی ورد کرتے تھے۔ ایک عزیزہ جو انکے پاس بیٹھی ہوئی پانی پلا رہی تھیں، انکا بیان ہے کہ لبوں کی جنبش میں کلمہ طیبہ ہی کا ورد تھا۔ بہرحال کیا عرض کروں۔ میرا بھائی استغفار اور ذکر کے ساتھ دنیا سے رخصت ہوگیا۔
مخدوما! کیا عرض کروں۔ میرے کوئی حقیقی بھائی نہ تھا، اور نہ مرحوم کے کوئی حقیقی بھائی تھا۔ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو حقیقی بھائی سمجھا۔ اگرام کے قرب و جوار میں انھوں نے جو تبلیغی کام کیا ہے اور خاندان کے تبلیغی اور اصلاحی طریقہ کو جس طرح سنبھالا تھا، کوئی دوسرا اسکا اندازہ نہیں کر سکتا ہے۔ گزشتہ جنوری اور فروری میں ہم دونوں نے سلطان پور کے دیہاتوں کا [illegible] دورہ کیا۔ ہم دونوں نے بڑے خیالات قائم کر رکھے تھے کہ اس طرح کام کرینگے، مگر افسوس! نہیں معلوم کتنے آدمیوں نے مرحوم کے وعظ کو سن کر شرک، تعزیہ، اور سود سے توبہ کی۔
ہم دونوں اکثر تنہائی میں عذاب قبر اور سکرات موت کے متعلق گفتگو کرتے۔ مرحوم بڑے زور سے کہتے کہ ہمارے خاندان میں ہمیشہ شرک کا رد کیا گیا ہے، اس لیے بحمداللہ سب کا خاتمہ بخیر ہوا ہے اور مجھکو بھی یقین کامل ہے کہ انشاءاللہ دنیا سے باایمان جاؤں گا۔ اللہ نے اپنے بندے کا ظن پورا کردیا۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اسکا یہ احتمال بھی رہا ہے، ان وجوہ سے اسکا انکار اگرچہ تاویلات بھی ہو تو زیغ و ضلال اور دائرہ حق سے خروج ہے، لیکن صرف اسکی وجہ سے قطعی تکفیر محققین اور محتاطین کا مسلک نہیں، کیونکہ اسکو "ضروریات دین" کا درجہ حاصل نہیں ہے۔
واضح رہے کہ یہ کلام صرف مسئلہ "نزول مسیح" میں ہے۔ مرزا غلام احمد قادیانی کے ماننے والوں کی تکفیر دوسری وجوہ سے ناگزیر ہے۔

یہ مباحث جنکی کافی چھان بین ہو چکی ہے، چونکہ ان پر زیادہ لکھنا اور زیادہ وقت خرچ کرنا اب میرے لیے ممکن نہیں رہا ہے، اس لیے کہ ضروری سمجھتے ہوئے صرف یہ سطریں لکھ دی ہیں۔ نام اس لیے ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھتا کہ یہ لوگ خواہ مخواہ تنگ نہ کریں کہ اسکا جواب دو، اسکا جواب دو۔ والسلام

"صدق" کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۲ ستمبر کو انشاءاللہ لکھنؤ سے بمبئی کیلیے روانہ ہونگا، جہاں ۲۸ ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہنچوں گا، جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب اول تعلقدار ضلع اطراف بلدہ صرف خاص مبارک کے ہاں رہیگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک ایک خریدار سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔
محمد عبدالرؤف عباسی۔ مہتمم "صدق" لکھنؤ

مقالۂ علمیہ کے اشاعت کی درخواست

معزز ناظرین! "صدق" کے صفحات پر آٹھ قسطوں میں علم عربی کی حمایت میں میرا جو مقالہ "علم عربی اور امراء زمانہ" کے عنوان سے چھپتا رہا، اور آخر میں مدرسہ کے تعمیری پروگرام کی جو اپیل ہوئی، اسکے متعلق درخواست ہے کہ امراء کرام میں اہل فکر و صاحب نظر حضرات مقالہ کی اشاعت کے لیے بشکل رسالہ ۵۰۰ نسخوں کی طباعت کا خرچ [illegible] دو سو دیں۔ اور اسی طرح تعمیری کام کے لیے مبلغ چار ہزار کے اخراجات کی جانب دلبستگی سے متوجہ ہوں۔ اسکا صلہ حق تعالیٰ سے لیں۔
بیرون ہند سے ایک اعانت بذریعہ مولانا ندوی دریابادی آچکی ہے، اندرون ہند کے اہل نظر صاحب جو دوستانہ صبر آزما حد تک خاموش رہ چکے ہیں۔ یہ موجب سرور ہے کہ اللہ و علماء کی رضا کیلیے میری ہر دو دینی درخواست پر "پبلک" و "امیر" کی رقوم کے ساتھ توجہ فرمائیں۔ جزاکم اللہ تعالیٰ۔

پتہ:- عبدالرؤف خان رحمانی۔ نائب ناظم مدرسہ
جھنڈا نگر ڈاکخانہ اودت گنج۔ ضلع بستی
یا بذریعہ مدیر "صدق"

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

(اِنَّمَا یَتَقَبَّلُ اللّٰہُ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ) وَالَّذِیْ جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

مدیر: عبدالماجد
دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت اسی پتہ سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۔ ۔
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ار

یوم شنبہ ۔ ۵ اشوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۲ ۔ ستمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ہندوستان کے قدیم اور مشہور و مستند پیشوا ے طریقت، شیخ علی ہجویری (دستوی ...) صاحب کشف المحجوب گزرے ہیں۔ خواجۂ اجمیری تک کے مقتدا۔ سماع کبھی کبھی کسی مصلحت سے سن لیتے تھے۔

یک مرتبہ شہر رد میں تھے، ... من بود بودم۔ یکے از ائمۂ اہلحدیث آنکہ معروف ترین ایشاں بود مرا گفت کہ من اندر اباحت سماع کتابے کردہ ام۔ گفتم زرگ مصیبتے کہ اندر دین پدیدار آمد کہ خواجہ امام لہوے را کہ اصل ہمہ فسقہاست حلال کرد۔ مرا گفت پس اگر حلال ندارے تو چرا همی کنی، گفتم حکم ایں بر وجوہ ست بر یک چیز قطع نتواں کرد۔ اگر تاثیر اندر دل حلال بود سماع حلال بود، و اگر حرام بود حرام و اگر مباح بود مباح۔ چیزے را کہ حکم ظاہرش فسق ست و اندر باطنش احوالش بوجوہ است اطلاق

شہر کے نامور ترین اہلحدیث عالم سے ملاقات ہوئی، انھوں نے کہا کہ میں نے جواز سماع پر ایک کتاب تیار کردی ہے۔ شیخ بولے یہ تو بڑا غضب کیا۔ اگ جب دیکھیں گے کہ امام ہی نے ایسے لہو کو حلال کردیا جو سارے فسق کی جڑ ہے تو دین میں بڑا رخنہ پڑ جائیگا۔ عالم صاحب نے کہا کہ آپ کے نزدیک اگر جائز نہیں تو پھر آپ خود کیوں سنتے ہیں؟ شیخ نے جواب دیا کہ سماع کے باب میں احکام مختلف ہیں۔ کوئی ایک ہی حکم قطعی نہیں۔ اگر دل پر اسکا اثر حلال صورت میں ہورہا ہو تو اسکا سننا حلال ہوگا۔ اگر مباح صورت میں ہورہا ہو تو سننا بھی مباح ہوگا، اور اگر حرام صورت میں ہوگا تو سننا بھی حرام ہوگا۔ جو عمل کہ اپنی ظاہر

آں یک چیز کمال باشد ۔ (کشف المحجوب ص۲۱۶)

صورت کے لحاظ سے فسق ہے لیکن اپنی حقیقت کے اعتبار سے اختلاف رکھتا ہے۔ اس پر کوئی ایک ہی حکم ہر جگہ نہیں چلتا۔

روایت کسی اور راوی کی نہیں، شیخ کی خود بیان کی ہوئی ہے۔ اقبال کا شعر ہے،

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

بہت سے اہل مدرسہ کی سمجھ میں نہیں آتا۔ عجب نہیں کہ شیخ کی اس حکایت سے مصرعہ کے اجمال کی کچھ تفصیل ہوگئی ہو ——— جن چیزوں کی حرمت پر نص صراحت کے ساتھ موجود ہو، وہاں تو چون وچرا کی گنجایش نہیں، لیکن جو چیزیں استنباطی ہیں، اُنکے احکام برابر حالات کے تابع ہیں۔ انکی وسعتوں اور گنجایشوں کو تنگی سے بدل دینا دین کی اصل روح پر ظلم کرتا ہے ——— کم از کم محققین طریقت وشریعت کا اسوۂ حسنہ ہم عامیوں اور عاصیوں کے لیے یہی ہے ۔

"صاحب" کے داؤپیچ

ملک سیام، ہرا تبدہ میں ایک جانتا تھا کہ امریکہ و برطانیہ کے دشمن جاپان کے ساتھ ہے، اور دشمن کے دوست کی حیثیت سے خود بھی اتحادیوں کا دشمن ہے۔ لیکن اب تازہ ترین خبر ملاحظہ ہو:۔

"واشنگٹن ۔ ۸ ۔ ستمبر۔ آج امریکہ کے جنگی چالوں کے محکمہ نے اس راز کا انکشاف کیا ہے کہ سیام کی گورنمنٹ گو بظاہر اتحادیوں سے اعلان جنگ کرچکی تھی، لیکن حقیقۃً وہ اتحادیوں ہی کی شریک و دمساز تھی۔ ملک سیام کے ریجنٹ، وزیر اعظم، اور پولیس کے ناظم اعلیٰ

ذکر: عروس البلاد بمبئی کا ہو رہا ہے! سیٹھوں اور ساہوکاروں، کروڑپتی تاجروں کے شہر کا! فلک بوس "کوٹھیوں" قصر و ایوان والے شہر کا! ——— اسی شہر میں ۱۲ لاکھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جنکے پاس بیوی بچوں کے، رہنے سہنے، کھانے پکانے، سونے اور بیٹھنے، کھانے اور نہانے کے لیے کل ایک کمرہ یا بڑی کوٹھری ہے! — اور لاکھوں کی تعداد تو ایسوں کی ہوگی، کہ اُن غریبوں کو سر چھپانے کی اتنی جگہ بھی نصیب نہیں۔ ساری رات آسمان کی چھت کے نیچے، سڑک کی پٹریوں پر گزار کر صبح کر دیتے ہیں، کڑکڑاتے جاڑے میں بھی، اور موسلادھار بارش میں بھی!

سرکاری کلال خانہ

خبر پرانی ہوگئی ہے، لیکن چٹکی اور مزہ اب بھی دیتی ہے:-

"پنجاب میں شراب نوشی، افیون، چرس نوشی اب سنہ ۳۹ء کے دیکھتے کم ضرور ہوگئی تھی، لیکن گورنمنٹ کی آمدنی ان دنوں سے اب کئی گنا ہوگئی ہے

سنہ ۲۴ء میں آبکاری کی آمدنی ایک کروڑ ہوئی تھی۔
سنہ ۴۵-۴۴ کے تخمینوں میں یہ آمدنی کچھ اوپر ۳ کروڑ رکھی گئی ہے۔

جنگ کے زمانہ میں شراب کی کشید صوبۂ پنجاب میں دوگنی ہوگئی ہے لیکن اسکی کل آدھی مقدار عام آبادی کے استعمال کے لیے ہے۔ اور باقی آدھی فوجیوں کی ضرورت کے لیے مخصوص کر دی گئی ہے (اسٹیٹسمین کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے، اسٹیٹسمین، ۹ فروری سنہ ۴۵ء)

اعداد کو پڑھ کر یاد [illegible] دیکھئے کہ پنجاب کی سرکار تمام تر "صاحب" کی سرکار نہیں، بلکہ بہت کچھ ہمارے ہی بھائی بندوں کے ہاتھ میں ہے!

سعدی از دست خویشتن فریاد!

یزید پر ایک سوال

"ہمیں کوئی ابوجہل یا ابولہب یا عبداللہ ابن اُبی، یا یزید یا فرعون یا ہامان یا چنگیز کہہ تو دیکھے، ہم لٹھ لیکر اسپر جھپٹ پڑیں گے، لیکن اگر ہمارے خیالات اور ہمارے کرتوتوں کا کیمیاوی تجزیہ کیا جائے تو ان میں ابوجہل اور عبداللہ بن ابی اور یزید اور دوسرے مشہور زمانہ لوگوں کے فکر و عمل کے سارے اجزاء ملیں گے، تھوڑے سے نہیں بہت بڑی مقدار میں۔" (ایک پُر جوش مسلم معاصر)

یہ اگر شیعہ نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے، جب تو آگے کوئی سوال ہی نہیں۔ لیکن اگر اہل سنت کے عقائد کو ملحوظ رکھ کر ہے، تو اعتراض کی نیت سے نہیں، اپنے علم پر اضافہ کی غرض سے سوال ہے، کہ یزید کو ابولہب اور فرعون اور ہامان کی سطح پر رکھنا کس قرآنی شہادت، یا ابوجہل اور عبداللہ بن اُبی کی صف میں لانا کس حدیثی شہادت، یا چنگیز کے برابر کھڑا کرنا کس تاریخی شہادت کی بنا پر ہے؟

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۵)

(از عبدالماجد)

تتمۂ نمبر ۴۴ مطبوعۂ صدق ۲۶ [illegible] کا نصف آخر، جس میں سوال مع جواب نمبر مذکور میں نکل چکا ہے۔ اُسی سوال کا دوسرا جواب ذیل میں سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ کے قلم سے:-

یہ صورت حال مسلمانوں کی بدنظمی یا غفلت سے پیدا ہوتی ہے، اس لیے اصلاح صورت حال کی چاہیے نہ کہ شریعت کے مسائل کی۔ یہ بڑی کوتاہی ہے۔

پھر ایسے جلسوں میں شرکت ہی کی کیا ضرورت ہے جن میں فرائض نماز کی اہمیت اتنی کم ہو کہ نماز چھوٹے تو چھوٹے، مگر جلسہ نہ چھوٹے۔ ہر مسلمان کو ایسے جلسہ میں جاتے وقت وضو اور نماز کا خیال پہلے ہی کر لینا چاہیے۔ تیار ہو کر جائے۔ اگر اتفاق سے کوئی ایسے جلسہ میں شرکت کرے، جہاں سے پانی ایک میل پر ہو، تو تیمم جائز ہے۔

س۔ حضرت والا نے اپنے ہدایت نامہ میں ارشاد فرمایا تھا کہ دوران نماز میں اللہ تعالیٰ یا کعبہ شریف کا تصور رکھنا چاہیے، مگر حقیر کی حالت یہ ہے کہ زیادہ تر حضرت والا ہی کا تصور نماز میں آجاتا ہے اور کبھی حضرت رسول دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال بھی سامنے ہو جاتا ہے۔

ج۔ خیال آجانا اور چیز ہے اور خیال لانا یا تصور قائم کرنا اور چیز۔ پہلا عمل بے اختیاری کا ہے، اس میں چاہے مجھ جیسے ننگ انسانیت انسان کا خیال آجائے، یا بھیڑ بکری، گھوڑے، گدھے کسی جانور کا، سب برابر ہے۔ لیکن ارادہ کرکے خیال کسی جاندار مخلوق کے لانے میں نفع سے زیادہ پہلو نقصان کے ہیں۔ بلکہ اپنے مرشد یا کسی اور بزرگ کے تصور میں یہ خطرہ اور زائد ہے۔ ارادی تصور حتی الامکان کعبۃ اللہ ہی کا رہنا چاہیے۔

س۔ حقیر کے دو دوست مولانا ... صاحب سے اصلاح لیتے ہیں۔ دونوں بہت نیک طینت اور پاکباز ہیں، ان سے حقیر تقریباً روزانہ ملتا رہتا ہے۔ جب کبھی یہ دونوں آپس میں گفتگو کرتے ہیں، تو حقیر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکلنے لگتے ہیں۔ اور خیال یہ ہوتا ہے کہ یہ اتنے اچھے ہیں اور حقیر سراپا گنہگار۔

ج۔ بہت مبارک خیال ہے، جتنے زیادہ قائم رہ سکے بہتر ہے۔ اپنے عجز و ناداری، عبدیت کے مشاہدہ سے بڑھ کر اور کونسی نعمت ہو سکتی ہے۔

س۔ بعض دفعہ نماز کے بعد جب حقیر یہ دعا کرتا ہے کہ یا اللہ اپنے اس عاصی گنہگار، سرکش بندہ کو بخش دے تو بے اختیار رونا آجاتا ہے۔ خیال یک لخت اپنے تمام گناہوں اور کوتاہیوں کا آجاتا ہے، اور ایک عجیب اضطرابی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

ج - یہ اضطراب اور گریہ دونوں مبارک ہیں۔ اس ناکارہ سیاہ کار کو بھی دعائے خیر میں شریک کر لیا جائے تو بڑی عنایت ہو۔

س - گریہ وقتی وقتی ہنگامی ہوتا ہے۔ گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد پھر وہی پہلے والی دوری اور کجی طبیعت میں آ جاتی ہے۔

ج - حضور والا کی نعمت و کمالات کو بھی مشکل سے میسر آئی ہے حضرات صحابہ تک مجلس نبوی میں حاضر ہو کر اپنی یہی روداد بیان کرتے تھے۔

س - حضرت والا یہ بالکل سمجھ نہیں پاتا کہ حقیر کو اپنی حالت کا شعور بھی ہے۔ روتا بھی ہے مگر برائیوں کو ترک نہیں کرتا۔

ج - انبیاء کی طرح بشر کو گناہوں، خطاؤں سے بالکل معصوم رکھنا شاید حکمت تکوینی کا مقصود ہی نہیں، علم سبحانہ تعالیٰ۔ بشر کے لیے بس اتنی قدر کافی ہے کہ ہر تازہ لغزش پر تازہ توبہ اور ہر نئی خطا کی نئی تلافی و تدارک بہ قدر امکان کرتا رہے۔ ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین، جس طرح ہمارے سب پرانے بزرگوں کا وظیفہ تھا۔ ہر دم ہمارے بھی ورد زبان رہنا چاہیے — مقصود اصلی تعلق مع اللہ ہے۔ وہ ان ہی حسرتوں اور ندامتوں سے ضعیف نہیں ہوتا۔ شاید قوی تر ہی ہوتا جاتا ہے۔

گناہوں سے اصل مانع حفظ کمال ہے اور بنی آدم میں سے کس کو نصیب ہے؟ (انبیاء کی شخصیت یہاں زیر بحث نہیں)۔

قرآنی اصطلاح میں اسی بے ہوشی کا نام جہالت ہے۔ اور اسی سے فوری افاقہ پر توبہ کا حکم ہے۔ انما التوبة على الله للذين يعملون السوء بجهالة ثم يتوبون من قريب — فان تابوا واصلحوا۔ اور اسی مضمون کی دوسری آیتوں سے قرآن مجید بھرا پڑا ہے۔ البتہ ہر شخص کا مقام الگ الگ ہوتا ہے اور اسی نسبت کے لحاظ سے اس کی لغزشیں اور بھٹکیں ہوتی ہیں۔

س - حضور والا طبیعت چاہتی ہے کہ قرآن پڑھتے رہیے یا نوافل ادا کیجیے۔ مگر دفعۃً کسی کام کا خیال آ جاتا ہے۔ جو بہت اہم معلوم ہوتا ہے۔ حقیر اس خیال کے آتے ہی قرآن اور نوافل سب کچھ چھوڑ دیتا ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اس کام کو ختم کر دے۔ لیکن قرآن و نماز کے چھوٹتے ہی کام کی اہمیت تقریباً کچھ نہیں رہتی۔ حضرت والا اس بیماری کا علاج فرمائیں۔

ج - یہ عادت مطلق صورت میں تو بیماری نہیں، ہاں بعض صورتوں میں اس پر مرض کا اطلاق ہو سکتا ہے۔

عبادت کا حصر تلاوت و نوافل پر نہیں۔ کوشش ایسی ہونی چاہیے کہ ہر عمل عبادت بن جائے۔ سونا، جاگنا، کھانا، پینا، چلنا پھرنا، دوستوں عزیزوں سے بات چیت کرنا، بزرگوں، عزیزوں اور دوسروں کی خدمت کرنا، پڑھنا لکھنا، جائز کسب معاش کی مصروفیت، ضروری تفریح، یہ ساری چیزیں تھوڑی سی کوشش و توجہ کے بعد خالص عبادت بن سکتی ہیں۔ اور ایک عبادت سے دوسری عبادت کی طرف حسب ضرورت و موقع منتقل ہو جانے میں کچھ مضائقہ نہیں۔ ایک ہی عبادت کے تسلسل کی بدولت سے طبیعت کا اکتا جانا امر طبعی ہے، کوئی معصیت نہیں۔

بہتر ہوگا کہ تلاوت شروع کرنے سے قبل ایسی تمام ضروری اور مشغولیت پیدا کرنے والے کاموں سے فراغت کر لی جائے اسکے بعد درمیان میں اگر وہ بار بار یاد آنے لگیں تو اسکی طرف التفات نہ کی جائے، بلکہ نفس کی تادیب و تنبیہ کے لیے دستور اسی عبادت میں مصروف رہا جائے، خواہ دل ذرا بھی نہ لگے۔

س - حقیر جب بازار میں ہوتا ہے اور سڑکوں پر چلتا ہے تو بدنظری سے پرہیز کرتا ہے۔

ج - الحمد للہ۔ اسی عادت کو پوری طرح راسخ کر لیا جائے۔

س - لیکن کلاس میں جب لڑکیاں سامنے ہوتی ہیں تو پہلو بچا نہیں پاتا۔ طبیعت چاہتی ہے کہ کسی کے چہرے کو، سینے کو، یا سارے کو دیکھ لیجیے۔ بھی حقیر اس خواہش کو دباتا ہے مگر بسا اوقات اس پر قابو نہیں پا سکتا۔ حضرت والا ہی کوئی تدبیر بتلائیں۔

ج - بے شک کلاس میں انتہائی نگرانی کی احتیاط سے دشوار تر ہے۔ لیکن یہ بدنظری ہے بڑی ہی بے لطفی کی بات۔ نامحرم پر نظر کرنے سے وصل تو جاتی نہیں، پھر محض اشتیاق بڑھا لینے سے آخر نتیجہ اور حاصل کیا؟ یہ تو اور اپنے کو تکلیف میں مبتلا کرنا ہوا۔ روزہ دار کے لیے سمجھ کا راستہ کون سا ہے۔ آیا یہ کہ دن میں کھانے پینے کی مرغوب دار چیزوں سے دور ہی رہے یا برابر انہیں سامنے لا لا کر اپنی طبیعت کو للچاتا رہے؟ یہ تو اپنے کو مزید صبر و امتحان کے تعب میں ڈالنا ہوا۔

اس لیے عاصی کا جتنا صحیح دعوی استحضار رہتا جائیگا، طبیعت از خود ادھر سے ہٹتی جائیگی۔ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بدنظری کے عقلی نقصانات اور شرعی قبائح پر اگر گفتگو بھی وقتاً فوقتاً کی جاتی رہے تو اس سے بھی ہمت کی استواری میں ان شاء اللہ بہت مدد مل جائیگی اور نفس کو اپنے کیے کے خلاف کہتے ہوئے خود شرم آئیگی۔

کلاس میں ایک آدھ اپنے ہم خیال ضرور ہوں گے۔ بہتر ہوگا کہ ان سے معاہدہ ہو جائے کہ آپس میں جس کسی سے لغزش ہو جائے، دوسرا اسے اسی وقت متنبہ کر دے۔

یہ سب ابتلاءات ان شاء اللہ کافی ہو جائیں گے۔ نگرانی اہتمام خود ان امور میں بہت موثر ہے۔ عادت کے رسوخ کے بعد دقت ذرہ بھر بھی نہ رہیگی۔ لیکن ان سب سے مقدم و اہم خوف آخرت کا استحضار ہے۔ تجربہ ہے کہ یہ سخت پردہ کا کام دیتا ہے۔

س - نماز تراویح میں خیالات بڑے پریشان رہتے ہیں اور یہی فکر رہتی ہے کہ اب بارہ رکعتیں باقی ہیں، اب آٹھ اور اب چار۔ بہر حال ایک بیزاری کا اظہار ہوتا ہے اور ملال سے جدائی ہی نہیں دیتا۔

ج - نفس بشری کا ہر قید و بند سے گھبرانا ایک امر طبعی ہے اگرچہ اسکے منافع و مصالح عقلاً کتنے ہی پیش نظر ہوں۔ اور اسے بیزاری نہیں کہیے بیزاری کے لیے عقلاً قبیح سمجھنا بھی ضروری ہے — ورنہ اگر کڑوی دوا ہے تو مریض منہ ضرور بنائے گا گو اسکے مفید ہونے پر یقین کامل رکھتا ہو۔

جدید فتنۂ تاتار

[صدق ۱۹۵۱ء میں مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کے قلم سے ترکستان میں اسلام کی ہولناک بربادی کا نقشہ، ترجمان القرآن سے لیکر شایع ہو چکا ہے۔ اب اس سلسلہ میں مولانا نے مدیر صدق کے استفسار کے جواب میں اپنے مکتوب میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بھی بجنسہ نذر ناظرین ہے — تاتاریوں کی مشہور قدیم چنگیزیت سے یہ جدید فتنہ کیا کچھ کم ہے؟]

ترکستان میں اسلام اور مسلمانوں پر جو کچھ گزری، اسکے حالات کا عشر عشیر بھی کتابوں میں نہیں آیا ہے۔ روسی انقلاب کا دوسرا رُخ دیکھنے اور دکھانے والے اہل مغرب ہی ہو سکتے تھے اور انھیں کیا پڑی تھی کہ اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کا دردناک تصہ دنیا کو سناتے۔ اس لیے جو کچھ کتابوں میں ہم نے پڑھا تھا اس سے اصل حالات کا کچھ بھی اندازہ نہ ہو سکا تھا۔ مجھے تو اس داستانِ درد کا علم اُن ترکستانی مہاجرین سے ہوا جو بالشویکوں کے مظالم سے بھاگ کر ہندوستان میں پناہ گزین ہوئے ہیں۔ اس ملک میں انکی تعداد دس ہزار کے قریب ہے۔ ان میں اچھے اچھے صاحب علم، فہمیدہ اور سنجیدہ لوگ ہیں۔ ترکستان کے بڑے بڑے ذی عزت اور شریف خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ کبھی خود اپنے ملک میں وہی حیثیت رکھتے تھے اور وہی پوزیشن رکھتے تھے جو اس ملک میں ہماری آپ کی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جو ۱۹۱۸ء میں نکلے ہیں۔ بعض وہ ہیں جنھوں نے بالشویکوں کی قائم کردہ درسگاہوں میں تعلیم پائی ہے۔ بعض وہ ہیں جو خود اس نظام حکومت کو چلا رہے تھے جو زار کے خاتمہ پر ترکستان میں قائم ہوا تھا اور جسے بالشویکوں نے بزور ختم کیا۔ ان لوگوں کی زبانی جو حالات معلوم ہوئے وہ اتنے دردناک ہیں کہ انکے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آج کل انہی میں سے ایک صاحب میرے ساتھ رہتے ہیں اور میری کتابوں کا ترکی زبان میں ترجمہ کرتے ہیں۔ انکے والد ترکستان کے اکابر علماء میں سے تھے اور بالشویکوں نے انکو سخت عذاب دے دے کر قتل کیا۔ میں نے بارہا ان سے اصرار کیا کہ وہ اس انقلاب کی داستان لکھیں۔ چنانچہ میرے اصرار پر انھوں نے لکھنی شروع بھی کی۔ لیکن چند روز کے بعد انھوں نے مجبوراً یہ کام چھوڑ دیا۔ کیونکہ جب وہ لکھتے تھے تو رنج و غم کے جذبات کا اُن پر اتنا غلبہ ہو جاتا تھا کہ کئی کئی روز تک بھوک اور نیند غائب ہو جاتی تھی اور راتوں کو جنگل میں جا جا کر پھرتے اور رونے لگتے تھے۔ — انہی سے معلوم ہوا کہ یورپ اور ایشیا کا کوئی ملک ایسا نہیں ہے جہاں ترکستان سے نکلے ہوئے مسلمان مہاجرین موجود نہ ہوں۔ ہر جگہ ان لوگوں کی باقاعدہ انجمنیں ہیں اور رسالے نکلتے ہیں۔ مگر سب یا تو ترکی میں ہیں یا فارسی میں۔ اس لیے ان بیچاروں کی فریادوں کا کوئی اثر نہ ہوا بلکہ ہندوستان میں تو یہ ستم ہوا کہ جب حضرات علماء کرام اور مسلمان لیڈروں سے مل کر انھوں نے اپنی داستانِ مصیبت سنائی تو بڑی بڑی جگہوں سے انکو یہ جواب ملا کہ تم لوگ انگریز کے ایجنٹ معلوم ہوتے ہو جنھیں کمیونزم کے خلاف تبلیغ کرنے کے لیے اُس نے بُلایا ہے۔ اس سے بھی زیادہ سنگدلی کا برتاؤ انکے قدیم ترین ہمسایہ ملک افغانستان نے کیا۔ اور ایسا ہی رویہ ایران کا رہا۔ اس سے اندازہ ہوا کہ اگر کل خدا نخواستہ ہندوستان میں ہم پر کوئی آفت آئے تو ہم کو اور ہمارے دین کو اس طرح مٹایا جا سکتا ہے کہ دنیائے اسلام کے ان سے جو ''اُمّت'' ہونے کی شہرت ہے، اُسکے کان پر جوں تک نہ رینگیگی، اور ایک ہلکی سی صدائے احتجاج بھی کہیں سے نہ اُٹھیگی۔

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اسے پیتا ہی چلا جائے۔

خیاارت کے ادا ہو جانے کے لیے صرف اُس پر عمل پیرا ہونا بغیر کسی اعتراضِ عقلی کے کافی ہے۔ رہا یہ درجہ کہ نماز نفل میں لذت آنے لگے، کہ رکعتوں کی تعداد کا بھی احساس باقی نہ رہے، یہ ہم عامیوں اور عاصیوں کے نصیب میں کہاں؟

س۔ اپنے گزشتہ خط میں حقیر نے حضرت والا سے یہ عرض کیا تھا کہ کچھ ہدایت فرمائیں، تاکہ گناہوں کے ڈھیر میں حقیر کچھ تو کمی کرے۔

ج۔ یہ طلب اور یہ جذبہ فی نفسہ مبارک ہے۔ لیکن متعین سوالات کے جواب میں جو کچھ گزارش کردی جاتی ہے، وہی کافی ہے۔ باقی ایک خط میں سب کچھ کہاں تک لکھا جا سکتا ہے، گو جی اسکے لکھنے پر تیار رہے؟

عام ہدایت تو بڑے اور چھوٹے عالم اور عامی، زاہد اور فاسق، ہر کلمہ گو کے لیے ایک ہی ہے۔ فلا تموتن الا وانتم مسلمون۔ ایمان پر استقامت اور غیرتِ ایمانی کی ہر لحظہ طلب اور افزائش! جزئیات بیشمار ہیں۔ اصل الاصول یہی ایک ہے۔

صدق کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۳۔ ستمبر کو انشاء اللہ لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہونگا جہاں ۲۸۔ ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰۔ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہنچونگا جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب ولی لنکا، فراشخانہ محلہ، حضرت خاص مبارک کے یہاں خاص طور پر ہوگا۔ اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے۔ اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری امداد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں۔ "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک دو خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی۔

محمد عبدالرؤف عباسی منتظم "صدق" لکھنؤ

شریعت اسلامی کا اثر

ہندوستان کی اسلامی حکومتوں پر

(نمبر ۵)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(سلسلہ صدق ۳۲۵)

کا ماخذ، جہاں تک میں سمجھا ہوں نواب مرحوم نے غیظ و غضب کا اظہار کیا ہے، اسکی تفصیل وہی ہے جسے طباطبائی کے حوالے آپ سن چکے ہیں۔ یعنی وہی قضا و احتساب کے ظالمانہ دستور کی طرف اشارہ ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کہاں سے ان بے شرم و بے غیرت ننگ اسلام سیاہ سینہ نام نہاد قاضیوں اور محتسبوں نے مسلمانوں کے غریب عوام طبقہ پر عائد کر رکھا تھا۔ میں تو ان ہی وجوہ سے یہ سمجھتا ہوں کہ احتساب و قضا کے ان نام نہاد عہدوں پر اگر قدرت کی طرف سے قضا طاری کی گئی تو حق تعالیٰ کا ہندی مسلمانوں پر یہ فضل عظیم ہوا۔ یقیناً اسکے بعد بیگانوں نے مسلمانوں کے ساتھ وہ سلوک نہیں کیا جو دور مغلوبیت و اختلاط میں ان نام کے یگانوں نے انتہائی قساوت قلبی بیدردی و خدا ترسی کے ساتھ روا رکھا تھا۔ بلا شبہ ایک بڑا عذاب تھا جو ان ظالموں کے ختم ہونے سے غریب مسلمانوں کے سر سے ٹل گیا۔ اگرچہ عدل و انصاف کا جو نظام اسکے بعد قائم ہو اسکے کی حد تک تو اُسکے متعلق بہت کچھ کہا جاتا ہے اور قانون سازی کی حد تک جن بڑے لفافوں میں یہ کام انجام پا رہا ہے اسکا کون انکار کرسکتا ہے، لیکن وہ آخری نقطہ جہاں قانون عمل کی شکل اختیار کرکے ملک کے عام باشندوں پر عائد ہوتا ہے یعنی عدالت کی عام کچہریاں اور محکمے، عجیب بات یہ ہے کہ آج سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے بلکہ شاید اس سے بھی پہلے یعنی جس زمانہ میں ہندوستان پر حکومت کمپنی بہادر کرتی تھی اُسی زمانہ کے مورخ صاحب سیر المتاخرین نے اپنی کتاب کے آخر میں کمپنی کے اس جدید حکومت کے طور طریق پر جو ایک دلچسپ تنقیدی مضمون لکھا ہے اُس وقت کے لحاظ سے تو وہ ایک تنقیدی مضمون تھا لیکن ہمارے لیے اسکی حیثیت ایک تاریخی یادداشت کی ہے۔ اسی سلسلہ میں کمپنی بہادر کی طرف سے انگریزی عدالتیں جو اس ملک میں قائم ہوئی تھیں اُن کے متعلق وہ لکھتے ہیں :-

الحال عدالت وجہ عمدہ برائے جلب منافع گردیدہ مردم آرزوئے خدمت مذکور می نمایند بلکہ پیشکشہا دادہ وسیلہ ہا برانگیختہ می شناسند

اب تو عدالت کا محکمہ نفع اندوزی کا ایک بہترین ذریعہ بن گیا ہے۔ لوگ اس خدمت کی آرزو رکھتے ہیں اور پیشکش پیش کرتے ہیں اور دلالے مال

حاکم را اگر کسے رعایت منظور باشد ایں کار را بوے عنایت می کنند چندے روز قبل ازیں در اپیدا شدہ و اتباع جملۂ عدالت ہزہا افراد تحصیل آں چہ دو صاحب خدمت و عملہ منلوک دو چند دو ایام بکام خود رسیدہ ونزہت خطیرے اندوختند و کسیکہ نرسد کہ در عدالت وجہ تفصیلات نما چیست۔ (۲۹ سیر)

کرتے ہیں، اور ایسی تاش کرتے ہیں تاکہ عدالت کے محکمہ میں گھس جائیں حکام بھی جسکے ساتھ چاہتے ہیں عدالت کی نوکری انکے حوالہ کرتے ہیں۔ پہلے عدالت کے ملازموں کی تنخواہ معاوی تقسیم ہے اور اہل کاری چند ہی دنوں میں دیکھا جاتا ہے کہ عدالت کے ملازمین عملہ فرمودی بڑی رقموں کے مالک ہو جاتے ہیں کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ عدالت کے محکموں میں روپیہ کمانے کی کیا صورت ہے۔

کمپنی کی حکومت ختم ہو گئی، عدالتوں کا رخ دوسرے کچھ نام بھی بدل گئے تھے، اور مختلف ذیلیوں کے عدالت قائم کر دیئے گئے، یہ سب ہو چکا، لیکن نتیجے کے لحاظ سے جو حال آج سے صدی ڈیڑھ صدی پہلے کمپنی بہادر کی قائم کردہ عدالتوں کا تھا دیکھنے والے اندازہ کرسکتے ہیں کیا اس میں سرمو فرق ہوا ہے؟ اسی صاحب کو اسلامی حکومتوں کے عہد حیات دشادابی کا دور اسکے بعد یاد آ گیا ہے۔ جلے بھنے دل سے انہوں نے جو لکھا ہے جی چاہتا ہے کہ کچھ اسے بھی نقل کر دیا جائے۔ وہ یہ لکھتے ہیں :-

پیش تر مردم بادین و دیانت جرأت بہ قبول ایں کار کمترے نمودند کہ چوں حق الناس است مبادا پیش خدا مشغول الذمہ گردند امرا و سلاطین بتجسس تمام متدینان را بہم رسانیدہ کسانیکہ خدا ترس و صالح و حق شناس می دانستند بہ سماجت و ابرام می گماشتند و زیادہ از جمیع امور دریں باب مو کد می گذاشتند کہ اتلاف حقے ایس آید و برکسے از کسے ظلمے و دو جور کا سے متدین و ہوشیار را کار گزاری سپردہ و انسداد طرق رشوت دار تشا منکر و اشتند وکسے را مرتشی یافتن بہ تر از خنش بود۔ بعضیس ایں تقیدات و تربیت مردم نیک خصلت ہم رسیدہ ونستی بدون از سلطنت عظیمہ [illegible]

پہلے زمانہ میں لوگ جو دین و دیانت والے تھے اس کام کو (قضا و احتساب) عدالت کو کم قبول کرتے تھے۔ کیونکہ سمجھتے تھے کہ حقوق الناس کا اس سے تعلق ہے۔ خدا کے آگے ذمہ دار ہو جائینگے۔ اُس زمانہ میں امرا و سلاطین بھی ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر متدین لوگوں کو اور ایسے آدمیوں کو جو خدا ترس، صالح اور حق شناس ہوں بڑی آرزو اور منت وسماجت سے ان عہدوں پر بحال کرتے تھے، حکومت کے تمام شعبوں میں سب سے زیادہ اہمیت اسی شعبہ کو دی جاتی تھی۔ یہ نہیں چاہتے تھے کہ کسی کا حق مارا جائے یا کسی پر کوئی ظلم کرے ہر کام متدین ہوشیار کارگزار لوگوں کے سپرد ہوتا تھا، اور رشوت دہی یا رشوت خوری کو کسی طرح جائز نہ سمجھتے تھے۔ جو رشوت خوار کے نام سے مشہور ہو جاتا گویا ایسے مرتکبات [illegible]

روزہ رکھنا بھی کتنا دکر تھا۔

اسی طرح کچھ لوگ ایسے بھی ملے جو روزہ رکھ کر بیمار ہو گئے تھے، اُنکے حالات کی چھان بین سے پتہ چلا کہ انکی بیماری کا سبب روزہ ہرگز نہ تھا بلکہ افطار و سحر میں ہر قسم کی بے اعتدالیاں و بے احتیاطیاں تھیں۔ ورنہ عام تجربہ میں تو روزہ بحالی صحت ہی کا باعث نہیں ہوا، بلکہ آیندہ کے لیے بھی بہت سے امراض سے بچانے میں معاون ثابت ہوا۔ یہ تجربہ صرف اسی سال کا نہیں، کئی برسوں کا اور ایک دو اشخاص کے بارے میں نہیں بلکہ بہتوں کے بارے میں ہے۔ برخلاف اسکے جتنے لوگ بھی ایسے ملے جو رمضان بھر بیمار رہ گئے تھے، وہ سب کے سب کھانے پینے کی بے اعتدالی کا شکار تھے۔ لیکن ان میں سے بھی جو تراویح وغیرہ کے پابند تھے، اُنکو ان بے اعتدالیوں کے باوجود بھی نقصان بہت کم پہونچا۔ رمضان کے علاوہ کسی اور زمانہ میں غذائی بے احتیاطیوں سے جتنا نقصان پہونچتا ہے اسکے مقابلہ میں رمضان میں نقصان کا مقدار بالعموم کم ہی رہتی ہے۔ ان سب چیزوں کو سوا رمضان کی برکت کے اور کس چیز سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔

یہ کہنا تو مبالغہ ہے کہ روزہ سے کسل و تعب بالکل نہیں ہوتا، خصوصاً جبکہ اسکے ساتھ ہر شب کو بیس رکعت تراویح میں قرآن مجید سنا یا سُنا جائے۔ لیکن یہ کسل و تعب شدید قسم کا ہرگز نہیں ہوتا، بلکہ چند روز اسکا خوگر ہونے کے بعد، علاوہ روحانی فوائد کے (جو ہم جیسے عامیوں اور خامیوں کو اپنی ہی کوتاہیوں کے باعث بہت کم حاصل ہوتے ہیں) خود مادی و جسمانی اعتبار سے بھی ایک حظ آنے لگتا ہے۔ ضبط کے بعد بھوک خوب لگتی ہے۔ پیاس روکنے کے بعد پانی پینے میں حقیقی لطف آتا ہے اور تراویح کی محنت کے بعد بستر پر لیٹتے وقت ایک ایسا سکون محسوس ہوتا ہے جو کسی اور زمانہ میں بمشکل ملتا ہے اور نیند بھی نہایت خوشگوار اور گہری آتی ہے۔

اور پھر ختم رمضان کے بعد ان معمولات کے ترک ہونے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی اہم چیز جو روز مرہ کے معمول کا جزو بن چکی تھی، اور طبیعت کو اس میں لطف آنے لگا تھا، چھوٹ گئی۔

تصحیح صدق نمبر ۳۵

صفحہ کا۔ عنوان اور نفس مضمون میں دونوں جگہ بجائے "مولانا نیوری" کے "مولانا بنوری" پڑھا جائے۔

طبع شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کر کے
دفتر اخبار "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

قرآن مجید اور قسمیں

حیدرآباد دکن سے ایک محترم سائل —

"حضرت والا۔ اللہ تعالیٰ تو سب سے بڑے ہیں۔ پھر قرآن مجید میں والشمس واللیل والارض جیسی قسمیں کیوں آئی ہیں؟ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ سے بہت حقیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت اور برتری کی وجہ سے اپنی ہی قسمیں کیوں کھائیں؟ بہر حال حقیر کی ناقص فہم پر یہ مصلحت ظاہر نہ ہوئی۔ حضرت والا مناسب سمجھیں تو یہ نکتہ ارشاد فرمائیں۔"

آپ نے صدق کو شاید بالکل ہی حال میں پڑھنا شروع کیا ہے، ورنہ اس موضوع پر تو ایک مفصل مضمون، کئی کالم کا، اسی سال جلد ۱۰ نمبر ۲ (۵۔ فروری ۵۹ء) میں قرآنی قسمیں کے عنوان سے ایک ہمارے مراسلہ نگار کے جواب میں نکل چکا ہے۔

ہر زبان کا ایک خاص اسلوب بیان ہوتا ہے۔ دوسروں کو وہ کیسا ہی اجنبی معلوم ہو، مگر اس زبان میں وہی عین حسن سمجھا جاتا ہے، اور فصاحت و بلاغت کا جزو لاینفک۔ عربی، انگریزی، فارسی، اردو، جرمن، یہ کوئی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ ایک کے بہترین ادب و انشاء کا لفظی ترجمہ دوسری زبان میں اسی لیے جا کر مہمل نظر آنے لگتا ہے —— تاکید اور زور بیان کے موقع پر قسم کھانا عربی فصاحت و بلاغت کی جان ہے۔ قرآن مجید نے جس طرح عربی ادب و انشاء کی اور ساری خصوصیات کو ملحوظ رکھا، اس خاص پہلو کی بھی رعایت رکھی۔ اور یہی وجہ ہے کہ جو سورتیں (یعنی مکی دور میں) ادیبانہ و خطیبانہ زور بیان کا بلند ترین نمونہ ہیں، انھیں میں قسمیں بھی آئی ہیں۔ بہ خلاف اسکے جن سورتوں میں محض قانونی مسائل، حکایات و قصص، یا احکام عبادات و معاملات کا بیان ہے، ان میں قسمیں یعنی تاکید یا زور کلام کا یہ عنصر بھی نہیں۔

قسم ہمیشہ عظمت ہی کا پہلو لیے ہوئے نہیں ہوتی۔ مقصود اس سے استشہاد ہوتا ہے، وہ بڑی چھوٹی جس چیز سے بھی حاصل ہو۔ اللہ تعالیٰ تو جس چیز کو بھی موقع شہادت پر پیش کریگا، وہ بہرحال اس کی ذات سے کمتر و فروتر ہی ہوگی۔ وہاں عظمت و اہمیت صرف مخاطب کے اعتبار سے مقصود ہوگی نہ کہ متکلم کے —— پھر اللہ تعالیٰ نے جن مخلوقات کے نام ایسے موقع پر لیے ہیں، وہاں حقیقۃً اپنی ہی صناعی، قدرت، و حکمت پر استشہاد کیا ہے۔

۷½ لاکھ بن بیاہیاں!

امریکہ کے مشہور پرچہ نیویارک ٹائمس میگزین میں امریکی خاتون مس لوسی گرین بام کے قلم سے ایک اہم مضمون شائع ہوا ہے، اور اس سے بمبئی کرانیکل (ہفتہ وار ایڈیشن۔ ۱۶ ستمبر) میں نقل ہوا ہے۔ اسکے دیے ہوئے کچھ اعداد؛ —

۱۹۴۰ء میں مردوں کی تعداد امریکہ میں بالغ عورتوں سے ۵ لاکھ کم تھی۔
جولائی ۱۹۴۵ء " " ۷½ لاکھ کم ہو جائیگی۔
½ لاکھ سے اوپر مرد تو لڑائی ہی میں کشتہ ہو چکے ہیں۔
ہزاروں فوجیوں نے باہر شادیاں کر لی ہیں۔
سیکڑوں اب دوسرے وطن بسا بیٹھے ہیں۔

واقعات و اعداد تو یہ تھے۔ اب اگر یہ ۷½ لاکھ بن بیاہیاں شادی پر آمادہ ہوں، تو آخر کہاں کھپیں گی، تاوقتیکہ مشرق و فرنگ اسی ابراہیمؑ اور یعقوبؑ اور داؤدؑ اور سلیمانؑ اور موسیٰ کلیمؑ اور خاتم الانبیاءؐ کے قانون ازدواج سے مدد نہ لیں؟ —— وہی "صاحب" کی نظر میں قابل صد نفرت و بیزاری قانون!

اسی راوی کی یہ روایت بھی سُن لیجیے، کہ امریکہ میں اسوقت طلاق حاصل کیے ہوئے جوڑوں کی تعداد ایک کروڑ ہے! —— جن طلاق کی یہ کثرت "صاحب" کے صرف ایک وطن میں ہے!

جادو ٹونا اپنے سر پر آتا ہے۔ عوام کی اس مثل کو مادیات تک کیوں محدود رکھیے، معنویات میں اسکا ظہور کچھ کم ہوتا ہے؟

بندوں کی خدائی

معزز ماہنامہ برہان (دہلی) کے ستمبر نمبر سے:—

سرراس مسعود مرحوم نے جاپان کے سفر سے واپس آنے کے بعد کہا تھا کہ ایک مرتبہ وہ جاپان کے وزیر اعظم سے گفتگو کر رہے تھے۔ اسی اثناء میں خدا کا ذکر آگیا، تو جاپانی وزیر اعظم نے نہایت مغرورانہ انداز میں کہا، کیسا خدا؟ ہم کبھی اس خدا کو اپنے ملک میں نہ آنے دیں گے۔ لیکن آج یہ کیا ہے کہ خود خدا نہیں، اُسکے حقیر ترین بندے جاپانی خداوندی کی شہنشاہی پر قبضہ کیے بیٹھے ہیں، اور یہ معبود باطل اور اُسکے تمام پجاری بالکل دم بخود ہیں، یہاں تک کہ آزادی سے سانس بھی نہیں لے سکتے! ..... [جاپانیوں نے] اس نے اگر تمام نقصانات کے بعد اگر صرف ایک چیز کا یقین حاصل کر لیا تو ہمارے نزدیک انھوں نے سب کچھ کھونے پر بھی بہت کچھ پا لیا ہے، اور وہ یقین اس بات کا ہے کہ خدا کبھی کوئی انسان نہیں ہو سکتا۔"

جی ہاں، بندوں کی خدائی کا یہی حشر دیر سویر دنیا کے ہر حصہ میں ہمیشہ ہی ہوتا آیا ہے —— سر مسعود مرحوم کی اس روایت کے بعد دل ایک تازہ قوت ایمانی کے ساتھ گواہی دیتا ہے، کہ بےشک فرعون مصر نے ضرور "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگایا ہوگا!

"قصور ڈھونڈھ کے پیدا کیے جفا کے لیے!"

"یہ تحریر اس سُنی ذہنیت کی سو فی صدی آئینہ بردار ہے، جو شیعوں کو اس ملک میں زندہ رہنے کا حق اگر دیتی ہے تو صرف اپنا احسان عظیم سمجھ کر...... [مولانا] کے میٹھے بولوں میں وہ خالص سُنی ذہنیت کارفرما ہے، جسکو مٹانے کے لیے ہم نے اپیل کی تھی"۔ [لکھنؤ کے مشہور شیعہ روزنامہ کے طویل اداریہ سے]

یہ کس سُنی ذہنیت کے مٹانے کے لیے اعلان جہاد ہو رہا ہے؟ وہی جسکا اظہار ابھی صدق [illegible] میں "شکوہ اور جواب شکوہ" کے عنوان سے ہوا تھا! جس میں نیاز مندی کے آداب کے ساتھ عرض یہ کیا گیا تھا،

شیعوں نے تو پبلک زندگی میں سرسید کے وقت سے اب تک برابر ہر موقع پر شیعوں کو ساتھ رکھا ہے، اور تفریق تو انھوں نے نہیں کی، بلکہ ان سے کی گئی ہے! —— کیا اعلانِ اتحاد کا نام "احسانِ عظیم" ہے؟

نوٹ کی سرخی ملاحظہ ہو، "شکوہ و جوابِ شکوہ"۔ گویا ہم نے ایک عبدِ ذلیل کی حیثیت سے اپنی گزارشوں کے ساتھ بارگاہِ اہلبیت میں التجائیں پیش کی تھیں، جنکے جواب میں یہ لن ترانیاں سنائی جا رہی ہیں! واہ! آج اگر کسی کو رستم کہہ دیا جائے، تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ وہ ہندوستان کا نہیں ایران کا باشندہ ہے، اور مسلمان نہیں مجوسی ہے، اور سہراب کا باپ اور زال کا بیٹا ہے! —— کیا سنیت کی خاص تنگ نظری ہی ضروری ہے کہ ایسا علم معانی و بیان ایجاد کیا جائے؟ —— یہ ظلم صدق پر ہو یا نہ ہو، لیکن ادارہ مذکور نے خود اپنے مذاقِ سخن فہمی پر تو یقیناً کیا ہے!

"گویا یہ (شیعہ) حضرات اپنی نااہلیتوں کی وجہ سے آگے نہیں بڑھے اور مسلمانوں کے لیڈر نہیں ہوسکے، بلکہ سنیوں کے رحم و کرم کے نتیجہ میں... ہمیں معلوم ہے کہ مسٹر جناح نے لیگ کی لیڈری میں جب بھی ابھی کنارہ کشی کا رجحان ظاہر کیا تو تمام سنی اکابر کانپ گئے، اور انھوں نے خوشامدیں کر کے جناح کو منایا..... کیا اس احسان کا بدلہ یہی ہے کہ آپ الٹا احسان جتائیں کہ ہم نے تمہیں بڑھا دیا۔ کیا احسان ناشناسی کی اس سے بدتر مثال کوئی ممکن ہے"؟ (ایضاً)

رجز خوانی کا جوش و خروش اپنی جگہ پر بالکل مسلّم، لیکن بندہ پرور! عرض یہ ہے کہ صدق کے مقابلہ میں آستینیں چڑھانے کا یہ کون سا موقع تھا؟ روایت کی تحقیق سے یہاں غرض نہیں کہ لیگ کے جلسوں میں کانپ کانپ اٹھنے والے صرف "سنی اکابر" ہی تھے، یا شیعہ اسماعیلی بھی، اور جانشینی کے بارے میں اگر سنی صفوں میں خلا سا آ گئی تھی، تو کیا شیعہ صفوں میں فراوانی۔ — یہاں گزارش صرف اتنی ہے کہ صدق کی کس عبارت سے، کس لفظ سے یہ معنی "احسانِ عظیم" اور "احسان ناشناسی" کے اختراع کیے گئے؟ معنی آفرینی مانا کہ ایک صنعت ہے، مگر اس کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ لکھنؤ میں اردو کے ادیب شیعوں میں ایک دو نہیں متعدد موجود ہیں، چلیے انھیں پر چھوڑ دیجیے! —— "مدحِ صحابہ" کے بعد خدانخواستہ اس ذکرِ اتحاد کو بھی اپنی دوسری چڑھ بنا لینے کی تیاریاں ہو رہی ہیں؟ یہ ہے تو صاف صاف اسی کا اعلان فرما دیجیے،

فرمائیے تو ہاتھ اٹھائیں دعا سے ہم!

آخر میں ڈرتے ڈرتے، جان کی امان طلب کر کے سوال یہ ہے کہ "مدحِ صحابہ" جس سے اتنی بیزاری کا اظہار ہو رہا ہے، وہ جو شیعہ حکومتوں میں کبھی ممنوع رہی، اور نہ آج کسی شیعہ رئیس کے ہاں ممنوع ہے، اسکی نوعیت آخر آپ حضرات کے ذہن میں کیا ہے؟

سورۂ بقرہ رکوع ۲۴

(سلسلۂ صدق ۳۶)

(از عبد الماجد)

وأتوا البيوت من أبوابها واتقوا الله لعلكم تفلحون	اور گھروں میں انکے دروازوں ہی سے آؤ[۵۵۲] اور اللہ سے تقوے اختیار کیے رہو، تاکہ فلاح پاجاؤ[۵۵۳]

۵۵۲ (جب آنا ہو) اور گویا رسومِ شرک و جاہلیت کو پامال کرتے ہوئے۔ آیت سے فقہاء امت کو ایک بڑی اصل ہاتھ آگئی ہے، جس سے صدہا جزئیاتِ اعمال کا حکم معلوم ہو سکتا ہے۔

وہ اصل یا قاعدہ یہ ہے کہ جو شئے شریعت میں صرف مباح ہو، یعنی کتاب و سنت میں اسکی کوئی نظیر یا مثال طاعت و عبادت کے حکم میں نہ ملے، اسے اپنے دل سے طاعت و عبادت ٹھہرا لینا، یا اسی طرح اسے بلا دلیلِ شرعی معصیت و محلِ ملامت یقین کر لینا، یہ دونوں اعتقاد گناہ ہیں، اور ہر بدعت اسی حکم میں داخل ہے۔

هذا دليل على مسئلة من الفقه وهي ان الفعل ليس بعبادة لا يكون الا في المندوب ثابت ... دون المباح ودون المنهي عنه وهذا اصل حسن (ابن العربي) في هذه الآية بيان ان ما لم يشرعه الله قربة ولا ندب اليه لا يصير قربة بان يتقرب به متقرب (قرطبي) قال ابن خويز منداد اذا اشكل ما هو بر وقربة بما ليس هو بر وقربة ان ينظر في ذلك العمل فان كان له نظير في الفرائض والسنن فيجوز ان يكون وان لم يكن فليس ببر ولا قربة (قرطبی)

قرطبی نے ابن عباس کی سند سے حدیث نبوی بھی نقل کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلعم تقریر فرما رہے تھے کہ اتنے میں ایک شخص کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑا ہوا ہے۔ دریافت فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ ابو اسرائیل انصاری ہیں، اور انہوں نے نذر مانی ہے کہ روزہ رکھ کر بیٹھیں گے نہیں، کھڑے ہی رہیں گے، اور سایہ میں نہ کھڑے ہوں گے، اور کسی سے بات چیت نہ کریں گے، خاموش رہیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ انھیں وہاں سے ہٹا لاؤ۔

مروه فليتكلم وليستظل وليقعد وليتم صومه	وہ بات چیت بھی کریں، اور سایہ میں بھی رہیں، اور بیٹھ بھی جائیں اور اس حال میں روزہ تمام کریں۔

اسلام نام صرف امتثالِ امرِ حق کا اور ایمان کی حقیقت فقط تعمیلِ احکام ہے، خود رائی اس راہ میں سرتاسر کج رائی ہے۔

۵۵۳ (دنیا اور آخرت دونوں میں)

تقوے (خوفِ خدا) اور فلاح (انتہائی کامیابی) کے قریب ترین تعلق کو آیت ایک بار پھر واضح کرتی ہے اور اس حقیقت کو ذہن میں تازہ کرتی ہے کہ فلاحِ دارین کا اصل الاصول تقوے ہے۔ خشیتِ الٰہی اور محبت اس کے درمیان نسبت تضاد و تنافی نہیں، بلکہ تباین کی

راہ میں جو شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لیے ہو؛ دینِ حق کی حمایت و نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لیے ہو، خود اپنی بڑائی کے لیے نہیں، خدا کے لیے ہو۔ نفس کے لیے، قبیلہ کے لیے، "حلقۂ اثر" کی توسیع کے لیے، "آزادیِ تجارت" کے لیے، "آزادیِ سمندر" کے لیے، "آبادیوں کے تحفظ" کے لیے، "نئی منڈیاں" پیدا کرنے کے لیے، غرض نفس اور بڑائی کسی قسم کی بھی عصبیت جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے نہ ہو۔ صاف صاف فی سبیل اللہ ہو۔
اور فی سبیل اللہ کے معنی ہیں لاعزاز دین اللہ کے۔

الجہاد لاعلاء کلمۃ اللہ واعزاز الدین (مدارک) اے جاہدوا لاعلاء کلمتہ واعزاز دینہ (بیضاوی) یعنی دیناً واعزازاً للکلمۃ (قرطبی) اے فی طاعتہ وطلب رضوانہ (کبیر)

قتال کا طریقہ دوسری امتوں سے کچھ امت محمدی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ بائبل میں اسکا ذکر ایک دو جگہ نہیں، بیسیوں جگہ موجود ہے۔ اور محاربات پوچھیے تو تاریخ کے دفتر رنگین ہیں۔
رہیں مسیحی قومیں، اور انکی خوں ریزیاں اور خوں آشامیاں، تو انکی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہ ملیگی! عیاں راچہ بیاں؟ اور عملاً جو تفاوت فرق اسلامی فاتحین کی رحمدلی اور مسیحی فاتحین کی سنگدلی کے درمیان رہا ہے، اسکا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ مثال کے لیے ملاحظہ ہو
ص ۲۴۳ ، نیز
ص ۲۱۴ ، ص ۲۱۸

امام رازی نے فرمایا کہ آیت ماقبل میں ابھی ابھی تقویٰ کی تاکید آ چکی ہے، اب اسی مناسبت سے ذکر تقویٰ کی شدید ترین اور نفس کے لیے دشوار ترین قسم یعنی قتال و جہاد کا شروع ہوا ہے۔
لما امر بالتقوی امر فی ہذہ الآیۃ باشد اقسام التقوی واشقہا علی النفس (کبیر)

ولا تعتدوا ۔ اعتداء کے لغوی معنی حق سے تجاوز کر جانے کے ہیں، مجاوزۃ الحق۔ اور اس تجاوز کی متعدد صورتیں ممکن ہیں۔
حد سے مراد حد شریعت بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ انتقام کے جوش یا فتحمندی کے زور میں بے تحاشہ غنیم کو مصافی و غیر مصافی سب کو قتل کرنا شروع کر دیا جائے، انکے کھیتوں، باغوں، چراگاہوں میں آگ لگا دی جائے، انکے بے زبان جانور تلوار کے گھاٹ اتار دیے جانے لگیں، وعلی ہذا۔ قرآن نے دنیا کو سبق یہ دیا کہ قوت کا استعمال صرف اسی حد تک جائز ہے جس حد تک ناگزیر ہو۔
حد سے مراد حد معاہدہ بھی ہو سکتی ہے۔ مثلاً یہ کہ باوجود پیمان شکن قوموں کے بار بار کبھی خود بھی معاہدوں کی پرواہ نہ کی جائے۔ اور عہد شکنی کی ابتدا اپنی طرف سے کر کے حملہ بول دیا جائے۔ اسی طرح اور بھی پہلو تجاوز حدود کے نکل سکتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے، اور ہر قسم کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔

اے لاتعتدوا بابتداء القتال او بقتال المعاہد او المفاجاۃ بہ من غیر دعوۃ او المثلۃ او قتل من نہیتم عن قتلہ (بیضاوی) اے لاتعتدوا بوجہ من الوجوہ (روح)

اور اعتداء اور تجاوز کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ قتال علاوہ فی سبیل اللہ کے کسی اور غرض کے لیے شروع کر دیا جائے۔ چنانچہ بعض دقیق النظر مفسرین نے یہ پہلو بھی لیا ہے۔
اے لا تقاتلوا علی غیر الدین (ابن العربی) المعنی لاتعتدوا فی القتال لغیر وجہ اللہ کالحمیۃ وکسب الذکر (قرطبی)

غلبہ و اقتدار کے وقت انتقام کے حدود کے اندر رہنا اخلاق کے رتبۂ اعلیٰ کا مقام ہے۔ اسکے لیے جمہور کی عقل، متانت اور قوت ضبط و ارادہ آسودگی جواب دے دیتی ہے۔ اور کل کے مظلوم، بے ساختہ اور شاید بے شعوری کے عالم میں، آج کے ظالم بن جاتے ہیں۔ قرآن مجید کا اس موقع پر اپنے پیروؤں کو ضبط و احتیاط کی تلقین کرنا قرار واقعی حکمت و اخلاق نا متناہی کے بلند سے بلند مقام پر پہونچا دیتا ہے۔
اور پھر جب یہ یاد کر لیا جائے، کہ آیت کا موقع نزول ذیقعدہ سنہ ۷ ہجری ہے، جب معاہدۂ حدیبیہ کے دوسرے سال مسلمان عمرہ کی نیت سے مکہ روانہ ہو رہے تھے، اور اندیشہ تھا کہ مشرکین معاہدہ کو توڑ جنگ شروع کر دینگے، اور اسکے جواب میں قدرۃً مسلمان بھی اشتعال سے لبریز ہو جائیں گے۔ تو آیت کے اس تاکیدی اور اہتمامی حکم کی قدر و منزلت کس درجہ اور بڑھ جاتی ہے!
پھر فتحمندی کی گھڑیوں میں ایسی ہدایت پر عمل دنیا کی کسی قوم نے آج تک کیا ہے، بجز رسول کے صحابیوں اور خلافت اسلامیہ کے سپاہیوں کے؟ سوال عقیدت کا نہیں، محض تاریخ کا ہے!

جوش و عقیل

[عقیل خیرآبادی کی زیر طبع کتاب جوش و ہوش پر "تعارف"
مدیر صدق کے قلم سے]

ابھی کچھ دن پہلے کی بات ہے کہ مذہب کا اصل مخالف فلسفہ یا معقولات تھا، لیکن زمانہ کے تغیر کے ساتھ زمانہ کے اکھاڑے میں حریفوں کی جوڑیں بھی بدلتی رہتی ہیں۔ آج دین کے اختلافات میں دین پر حملہ آوری میں فلسفہ سے کہیں آگے بعض خاص قسم کی سیاسیات اور بعض خاص قسم کے ادبیات ہیں۔ قرآن مجید اپنے معنوی فضائل وکمالات سے قطع نظر خود ادب و انشاء کے لحاظ سے بھی بس اپنی نظیر آپ ہے اور دنیا کے ادبیات عالیہ میں سب سے بالاتر۔ چاہیے یہ تھا کہ ہر ادب صالح اسکا خادم ہوتا، شارح ہوتا، حلقہ بگوش ہوتا۔ ہوا یہ کہ شعر و ادب کے ہر غیر صالح، پست و ذلیل عنصر نے اس سے بغاوت ہی میں اپنی عافیت سمجھی اور جنھیں

ایک گمراہ کن فتوے

(از مولانا شاہ محمد عبد الماجد صاحب قادری بدایونی)

(ذیل کا مراسلہ مراسلہ نگار کی شخصیت کے احترام میں شائع کیا جا رہا ہے ورنہ ان بحثوں کے لیے صفحات صدق موزوں نہیں، اور شائع کرنے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری ہے۔ صدق)

اس میں شک نہیں کہ جناب مولوی ابو الکلام آزاد بہترین خطیب تھے، زبان و قلم میں زور الفاظ میں روانی اور ادبی رنگین مضامین سے ہندوستان میں انھیں مقام مرتفع پر پہنچا دیا تھا لیکن فنی مذہبی حیثیت سے ابتدا سے آخر تک اہل علم کے نزدیک وہ قابل ترجیح نہ ہو سکی ۔۔۔ جس طرح زمانہ اسبق میں انھوں نے بہت سے مسائل میں لغزشیں کیں اسی طرح ۲۰ ستمبر ۱۹۵۵ء کو ریڈیو پر نشر کی ہوئی خبر پر عید منانے کا فتوے دے ڈالا اور حضرات علماء احناف کی طرف ایک ایسے فتوے کو منسوب کر دیا جس کا ثبوت وہ نہیں دے سکتے۔ اخبار خلافت مورخہ ۳ شوال مطابق ۲۰ ستمبر ۱۹۵۵ء میں جناب آزاد کا جو بیان شائع ہوا اسکا ایک حصہ حسب ذیل ہے

"حنفی فقہاء میں اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اگر کسی جگہ سے نئے چاند کی اطلاع مل سکتی ہو تو اس پر اعتماد کیا جائے اور جہاں تک اطلاع پہونچے وہاں عید منائی جائے"[1] اول تو یہ بات محتاج تشریح ہے کہ نئے چاند کی اطلاع ملنے اور اس پر اعتماد کرنے کا طریقہ فقہاء کرام نے کیا تحریر فرمایا ہے اور رویت ہلال کی کونسی روایات و شہادتیں تسلیم کیے جانے کے قابل ہیں۔ کیا ریڈیو کا نشریہ شرعاً شہادت کے دائرہ میں آتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ فقہائے کرام نے تو تار و خطوط کی اطلاعات کو بھی رویت ہلال کے لیے ناقابل تسلیم قرار دیا ہے۔ اسلامی قانون شہادت میں جو تیود ہیں وہ اپنی جگہ عدیم المثال اور ناقابل تغیر ہیں۔ کیا آج مغربی دنیا اور اسکی عدالتوں میں تار و ٹیلیفون کے بیانات کو تسلیم کیا جاتا ہے۔

[1] ہمکو معلوم نہیں کہ مولانا کے اصل الفاظ کیا تھے۔ ۔۔۔ تو انگریزی خبر کا ترجمہ ہے۔ اور انگریزی خبر میں مولانا کے بیان کا خلاصہ ۔۔۔ کے فہم کے مطابق تھی (صدق)

حقیقت یہ ہے کہ بیرونی مقامات سے تار برقی کی اسپیچ ذریعہ جس قدر خبریں آتی ہیں اور جس قدر نشریات دنیا میں نشر کیے جاتے ہیں سب کے سب صحیح تسلیم نہیں کیے جاتے ہیں۔ مثال ہم شبانہ روز دیکھتے ہیں کہ خبروں میں پیہم کا تضاد ہوتا ہے۔ اور خبر کی تعریف ہی ہمارے یہاں یہ ہے کہ الخبر یحتمل الصدق والکذب۔ یعنی خبر میں صدق و کذب کا احتمال ہے۔ بس ریڈیو کے نشریات پر ہرگز فتوے جواز کا نہیں دیا جا سکتا۔

اب ہم ذیل میں چند احادیث مبارکہ اور فقہاء کرام کی عبارات فقہیات کے تراجم درج کرتے ہیں تاکہ اخبارات و جرائد اپنے صفحات پر ان مضمون کو درج کر سکیں اور عوام مسلمان جناب آزاد صاحب کے بیان سے غلط فہمی میں نہ پڑ جائیں:۔

۱۔ صحیح بخاری شریف اور مسلم شریف میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم روزہ نہ رکھو جبتک تم چاند نہ دیکھو اور افطار نہ کرو جبتک چاند نہ دیکھ لو اور اگر ابر ہو تو مقدار پوری کرلو۔

۲۔ صحیحین میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے حضورؐ نے فرمایا چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو اور اگر ابر ہو تو گنتی پوری کرو۔ درمختار اور ردالمحتار میں ہے اگر کچھ لوگ آکر یہ کہیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا بلکہ شہادت بھی دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا۔ بلکہ اگر یہ شہادت دیں کہ فلاں فلاں نے چاند دیکھا۔ بلکہ اگر یہ شہادت دیں کہ فلاں جگہ کے قاضی نے روزہ یا افطار کے لیے لوگوں سے کہا۔ یہ سب طریقے ناکافی ہیں۔ نیز اسی۔ ردالمحتار میں ہے، ایک جگہ چاند ہوا تو صرف وہیں کے لیے نہیں بلکہ تمام جہان کے لیے ہے مگر دوسری جگہ کے لیے اسکا حکم اسوقت ہے کہ انکے نزدیک اس دن میں چاند ہونا شرعی ثبوت سے ثابت ہو جائے۔ یعنی دیکھنے کی گواہی یا قاضی کے حکم کی شہادت گزرے یا متعدد جماعتیں وہاں سے آکر خبر دیں کہ فلاں جگہ چاند ہوا ہے اور وہاں کے لوگوں نے روزہ رکھا یا عید کی ہے۔ کتب فقہ میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ الخط یشبہ الخط والخاتم یشبہ الخاتم۔ لہذا جبتک کہ شہادت شرعیہ سے ثبوت رویت نہ ہو جائے خط غیر معتبر ہے اگرچہ مکتوب الیہ کاتب کے دستخط و تحریر کو پہچانتا ہو اور اس پر اسکی مہر بھی ہو۔ بس ان فتاوی کی روشنی میں تار اور ریڈیو

ایک عجیب تحفۂ عید

(از عبد الماجد)

عید میں اسے بھی آئی کوئی مہربان، میرے مذاق طبیعت سے ناآشنا، عید کارڈ بھیج دیا کرتے ہیں۔ اگلی عید کے موقع پر میرے ذاتی پتہ (دریاباد) پر نہیں، لکھنؤ کے دفتری پتہ پر جو بمبئی سے، میرے غلط نام لیکن صحیح دفتری پتہ سے ایک رجسٹرڈ پیکٹ موصول ہوا، اور دفتر میں کھول لیا گیا۔ اور مجھے ۲۰ شوال کو ملا ۔۔۔ کیا عرض ہو کہ پیکٹ کس کی طرف سے تھا اور پیکٹ کے اندر کیا کیا نکلا! ایک نفیس کارڈ، جسکے عین صدر میں ایک نامحرم خاتون کا سینہ تک فوٹو، شہید دل کی پوری اداؤں اور نسائیت کے پورے مظاہرہ کے ساتھ! ــــ

یہی فوٹو گویا متن اور کارڈ کی شاعرانہ عبارت گویا حاشیہ! ایک نفیس ریشمی رومال معطر بسا ہوا، سبز ریشم سے بھیجنے والی صاحبہ کا نام کڑھا ہوا، اور رومال کے ایک طرف انھیں صاحبہ کا دوسرا فوٹو، کان اور پیشانی کے زیوروں کے مظاہرہ کے ساتھ چسپاں!

بھیجنے والی خاتون کوئی گمنام ہستی یا کوئی ایکٹرس یا فلم ایکٹرس نہیں، ایک معلوم و معروف شاعر، مضمون نگار، خاتون۔ قومی محفلوں کی زیب و زینت!

اس سرفرازی کے لیے مدیر صدق جیسے خشک مزاج و بدمذاق ناقدرے کا انتخاب فرمانا ستم ظریفی میں اپنی مثال آپ ہے۔ "نسائی آرٹ" اور "تجدد و روشن خیالی" کے کمالات کی داد دینے والے اور قدر کرنے والے تو ابھی نگار (لکھنؤ) اور پیام (دکن) کی سلامتی کے صدقہ میں تک چنچل ہر دور بہت سے موجود ہیں!

سیرِ کائنات

(۱)

(از شیخ بشیر احمد صاحب بی اے لدھیانوی)

ذیل میں ایک تقریر کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے، جو لاہور کے ایک مقامی مدرسہ کے طلباء کے سامنے کی گئی تھی :-

عزیزو! انسان کا قد عام طور پر پانچ چھ فٹ ہوتا ہے۔ اسکے مقابلہ وہ کمرہ کافی بڑا ہے جس میں بیٹھ کر تم تعلیم پاتے ہو۔ اور یہ صحن جس میں ہم آج جمع ہوئے ہیں، اور بھی بڑا ہے۔ اگر سارے مدرسہ کی عمارت کا ناپ کرو تو وہ تمھارے قد سے کتنی بڑی ہے!

لاہور کا شہر اس مدرسہ کی عمارت سے ہزاروں گنا ہے اور پنجاب کے صوبہ میں لاہور جیسے بیسیوں شہر سما سکتے ہیں۔ اور ہندوستان کا برِّ عظیم بیسیوں پنجابوں کے مجموعے برابر ہے۔ اس سے آگے نظر دوڑاؤ تو معلوم ہوگا کہ ایشیا کا بر اعظم کتنا بڑا ہے، اور پھر دیکھو کہ اس کرۂ زمین پر کتنے ایشیا آ سکتے ہیں۔

یہ کرۂ زمین جس پر ہم تم بستے ہیں کوئی ننھی سی گیند یا گولی نہیں ہے۔ اس جگہ سے جہاں تم بیٹھے ہو ایک سوراخ کیا جائے جو زمین کے مرکز میں سے گزر کر اسکے دوسرے سرے تک پہونچ جائے تو وہ کم و بیش آٹھ ہزار میل ہوگا۔ اور اگر تم میں سے کوئی لڑکا اس پشت والے دروازہ سے روانہ ہو کر سارے کرۂ زمین کا چکر کاٹ کر مدرسہ کے بڑے دروازہ سے پھر اپنی جگہ آ جائے تو سمجھ لینا چاہیے کہ اس نے کم و بیش ۲۵ ہزار میل کا سفر طے کر لیا ہے۔

آؤ اب ذرا زمین سے باہر کی دنیا کی سیر کریں۔ کسی چاندنی رات میں کرۂ قمر کی طرف نگاہ دوڑاؤ۔ اس کی روشنی کیسی سہانی معلوم ہوتی ہے جی چاہتا ہے کہ پر ہوں تو اڑ کر چاند تک جا پہونچیں! لیکن یقین جانو کہ اگر تمھیں عقاب کے بازو اور باز کے پر بھی مل جائیں تو چاند تک پرواز نہیں کر سکتے۔ جانتے ہو یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ اسکا فاصلہ خدا جھوٹ نہ بلوائے کوئی ڈھائی لاکھ میل ہے۔ اسکے باوجود یہ ہمارا قریب ترین ہمسایہ ہے۔ یا یوں کہنا چاہیے کہ ہماری اور زمین کا بچہ ہے جو روٹھ کر آسمان میں جا بسا ہے۔

چاند کے بعد ہمارا سب سے بڑا محسن جو خدا تعالیٰ کے حکم سے ہمیں روشنی اور حرارت بہم پہونچاتا ہے، سورج ہے۔ یہ ہم سے کتنی دور ہے؟ اسکا اندازہ اس سے لگاؤ کہ اگر تم میں سے بڑے بچوں کی شادیاں ہو جائیں اور وہ اپنی بیویوں سمیت سورج کی سیر کو روانہ ہوں، اور جس گاڑی میں وہ سوار ہوں وہ اتنی تیز رفتار ہو کہ ایک منٹ میں ایک میل طے کرے، اور انکے پاس کھانے پینے کا کافی سامان ہو بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز ہوں اور گاڑی کا انجن بھی ایسا ہو کہ اس میں ایندھن وغیرہ ڈالنے کی ضرورت نہ پڑے تو وہ دونوں دوست اور انکی بیویاں اور انکے بچے — کیونکہ راستے میں انکے بچے ضرور پیدا ہونگے — [illegible] بال بچوں کے بال بچے اور انکے بال بچے اور خدا جانے انکی کتنی پیڑھیاں گزر کر ایک سو اسی سال میں سورج کے قریب پہونچیں گے! لیکن چونکہ سورج میں کوئی وادی کشمیر یا سوئٹزرلینڈ تو ہے نہیں جہاں یہ چند دن آرام کر لیں، اس لیے انھیں فی الفور واپس آنا پڑیگا۔ اور واپسی سفر بھی ایک سو اسی سال لگ جائیں گے۔ گویا انکا ایک ٹرپ (TRIP) تین سو ساٹھ سال میں جا کر ختم ہوگا۔ اس عرصہ میں انکی اولاد اور اولاد کی اولاد اور اولاد کی اولاد کی اولاد کتنی ہوگی اسکا حساب تم خود لگا لو۔ اتنا قیاس کیا جا سکتا ہے کہ جب وہ واپس آئیں گے تو ایک پورا پاکستان لے کر آئیں گے جو ہندوستان کے اوپر کے کرۂ ہوا میں بسانا پڑیگا۔

خیر یہ تو سورج کے سفر کا حال تھا۔ آؤ اب دیکھیں کہ سورج کا قد کتنا بڑا ہے۔

تم جانتے ہو کہ زمین بہت بڑا کرہ ہے۔ اسکی جسامت نکالی جائے تو اکیس کھرب ۴۴ ارب ۲۶ کروڑ ۵۶ لاکھ مکعب میل سے کم نہ ہوگی۔ اس جسامت کے مقابلہ میں انسان کی جسامت کا یہ حال ہے کہ اگر روئے زمین کے تمام انسان جمع کر لیے جائیں اور انھیں اتنے بڑے صندوق میں گاجر مولی کی طرح تہیں لگا کر بھر دیا جائے جو ایک میل لمبا، ایک میل چوڑا اور اتنا ہی اونچا ہو تو سب کے سب اس میں سما جائیں گے اور اگر اس صندوق کو بحر اوقیانوس میں گرا دیا جائے تو اسکی سطح ذرا بھی اونچی نہ ہوگی۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوگی کہ حضرت انسان کے نام کی کوئی فسادی مخلوق بھی اس کرۂ زمین پر بستی تھی۔

اتنی بڑی جسامت کی زمین کے مقابلہ میں سورج کتنا بڑا ہے؟ اسکا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اگر سورج کے خطِ استوا پر ہماری زمین کے برابر زمینیں رکھی جائیں تو اس سرے سے دوسرے تک ایک سو ۹ زمینیں رکھی جائیں گی۔ اور اگر زمین کے برابر قد کے لڈو توڑ کر سورج جتنا لڈو بنانا ہو تو کم سے کم تیرہ لاکھ ۳۳ ہزار زمینیں توڑنی پڑیں گی!

سورج کے گرد ہماری زمین کے علاوہ آٹھ اور سیارے گردش کرتے ہیں۔ یعنی عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری، زحل، یورینس، نیپچون اور پلوٹو۔ ان میں سے مشتری سب سے بڑا سیارہ ہے۔ اسکا قطر ساڑھے ۸۶ ہزار میل ہے۔ حالانکہ ہماری زمین کا قطر صرف آٹھ ہزار میل ہے۔ باقی سیارے نسبتاً چھوٹے ہیں۔ تاہم سب کا حجم مل کر بھی آفتاب کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ ہاں کچھ ایسے ویسے کئی ہزار سیارے جمع کیے جائیں تو سورج بنے گا۔

غور کرو۔ اس آفتاب کے مقابلہ میں انسان کی کیا حقیقت ہے۔ اسکے باوجود جب یہ اکڑتا ہے تو اپنے سامنے کسی کی حقیقت نہیں سمجھتا۔ اور حکومت کے نشہ میں یا فرعون کی طرح خدائی تک

سکا دعویٰ کر بیٹھتا ہے - سچ ہے، انہ کان ظلوماً جہولا - انسان بڑا ہی ظالم اور جاہل ہے - سورج کے قد کے ساتھ اسکی حرارت کا بھی کچھ حال سن لو آج کل سی کا مہینہ ہے - دھوپ میں کھڑے ہونا دشوار ہے - لیکن سورج کی کُل حرارت کے مقابلہ میں وہ کُل حرارت جو کرۂ زمین کو ملی ہے کتنی اربواں حصہ ہے - اس سے تم قیاس کر سکتے ہو کہ سورج کی ساری گرمی کتنی تیز ہوگی - ایک سائنس داں نے اندازہ لگایا ہے کہ اگر برف کا ایک ستون اتنا بڑا بنایا جا سکے جو زمین سے سورج تک پہونچ جائے یعنی ۹ کروڑ ۳۰ لاکھ میل لمبا ہو اور ڈھائی میل چوڑا ہو، تو اگر سورج کی ساری حرارت یک لخت اس پر ڈال دی جائے تو وہ سارا ستون ایک سکنڈ میں پانی بن جائیگا - اور آٹھ سکنڈ میں بھاپ بن کر اڑ جائیگا -

تم جانتے ہو کہ پانی ۲۱۲ درجہ فارن ہائٹ پر کھولنے لگتا ہے اور لوہا پانچ ہزار درجہ فارن ہائٹ پر پگھل جاتا ہے - لیکن ہماری زمین کے سخت دھات کے پگھلانے کیلئے چھ ہزار سے زیادہ درجوں کی حرارت درکار نہیں - مگر سورج کی حرارت کا یہ حال ہے کہ اسکی سطح پر جو اسکے اندرونی حصوں کے مقابلہ میں برف کے مانند سرد ہے ۱۰ ہزار درجہ فارن ہائٹ کی حرارت ہے یہ وہ حرارت ہے کہ اس پر کوئی معلومہ چیز ٹھہر نہیں سکتی -

آؤ اب ہوائی جہاز میں سوار ہو کر نظامِ شمسی کی سیر کریں - فرض کرو کہ اس ہوائی جہاز کی رفتار پانسو میل فی گھنٹہ ہے - اس جہاز میں سوار سورج کی طرف روانہ ہوں تو ہم ۲۲ سال میں اپنی منزل مقصود پر پہونچیں گے - ہمارے نظامِ شمسی کا بعید ترین سیارہ پلوٹو ہے، جو جنوری ۱۹۳۰ء میں دریافت ہوا - اسکا فاصلہ سورج سے پونے چار ارب میل ہے - ہمارا ہوائی جہاز اس سیارے تک آٹھ ہزار چار سو برس میں پہونچیگا - (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۵)

بننے سے عار ہوا انھیں پناہ شیطان ہی کے دامن میں ملی یعنی ظلمات و عدوان کے یہ علمبردار آج مختلف اسماء و القاب کے خوش رنگ نقاب اپنے چہروں پر ڈالے ہوئے طرح طرح کے روپ بھرے ہوئے ملک بھر میں چھوٹے ہوئے ہیں اور فسق کی فضا میں خوب خوب اپنا زور پرواز دکھا رہے ہیں —— اور آہ کہ ان میں کتنے ہی خود مسلمان گھرانوں کے چشم و چراغ ہیں! جنھیں اسلام کا سپاہی ہونا تھا، اُلٹے وہ خود غدار ہو کر دشمن سے جا ملے ہیں -

اس ٹولی کے ایک ممتاز سردار اسوقت جوش ملیح آبادی ہیں - ایک معزز شریف خاندان کے رکن اچھے خاصے ذہین و ہوشیار - ابھی [illegible] تک شعرگوئی کی خوشبوئیں پھیلا رہے تھے، آج جو رنگیں تو ارتداد و الحاد کی کن کن [illegible] تلاش [illegible] فضا سے جھیلے ہیں -

یہ ان پر غصہ اور خفگی کا اظہار نہیں، دل کی کراہ اور اخلاص [illegible] ہمدردی کی پکار ہے! کاش وہ دن جلد سے جلد آنے کو ہو!

سکتے کے عالم سے نکل کر پھر اہلِ صحو کی بزم میں آئیں اور اپنی کھوئی ہوئی بصیرت کی بازیافت کا اعلان کریں -

جوش کی دوا عقل و ہوش ہے - قدرت نے اپنے شفاخانہ

جوش کی بے ہوشیوں کی اصلاح کے لیے ایک اسم بامسمّیٰ عقیل کو پیدا کر دیا ہے ہر فرعونے را موسیٰ -

عقیل، ریاض کا لختِ جگر اور وطن خیرآباد - یوں کہیے کہ پیدائش ادب و انشاء کے آغوش میں ہوئی اور پرورش شعر و سخن کے گہوارے میں - طبیعت کی ذہانت اس پر مستزاد - جوش ہی کے حربوں کو جوش پر اُلٹ کے رکھ دیا! وہی ردیف و قافیہ، وہی زمین و آسمان - سخن گوئی کے میدان میں اُترے، الحاد کے پہلوان کو سخن گوئی ہی کے داؤں پیچ سے دم کے دم میں چت کر دیا -

تاریخ کے راوی کا بیان ہے کہ ڈھائی تین ہزار سال قبل وقت کے ایک بڑے نامور سورما اور پلیتن جالوت کو حق پرستوں کی ساری شیعیوں کے ایک نوعمر و نوآموز لشکری داؤد نامی نے آناً فاناً خاک میں ملا دیا تھا -

انصاف شرط ہے - سخن فہمی کا فیصلہ بالکل کافی ہے - جوش اور عقیل کے ایک ایک شعر کو سامنے رکھ کر دیکھیے - طنز و استہزاء جو ملحد کا سب سے بڑا حربہ تھا، کیسا اُلٹ اُلٹ کر خود اُسی کے منہ پر جا جا پڑا ہے —— الحاد میں جان کہاں؟ صرف لفظوں کی صنعت گری تھی —— صنعت گری ہی اُسکے حق میں وبال ہو گئی!

"صدق" کے حیدرآبادی خریداروں سے

میں ۲۳ - ستمبر کو انشاءاللہ لکھنؤ سے بمبئی کے لیے روانہ ہونگا کہ جہاں ۲۰ - ستمبر تک قیام کے بعد ۳۰ ستمبر یا یکم اکتوبر کو حیدرآباد پہونچوں گا کہ جہاں میرا قیام غالباً ایک ہفتہ تک مولوی محمد ولی حسن صاحب اول تعلقدار اطراف بلدہ سرت خاص مبارک کے مکان خاص بلدہ میں رہیگا - اس سفر کی ایک غایت "صدق" کی توسیع اشاعت بھی ہے - اگر "صدق" کے کوئی خریدار حیدرآباد اس سلسلہ میں میری مدد کرنا چاہیں تو وہ براہ کرم اس دوران میں پتہ بالا پر مجھے مطلع کریں - "صدق" کی توسیع اشاعت میں ایک دو خریداروں سے امداد بھی میری انتہائی حوصلہ افزائی کا باعث ہوگی

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق" - لکھنؤ

اپنے مراسلہ نگاروں سے

"ایک نیاز مند ندوی صاحب" اچھا کیا کہ آپ نے اپنا نام اور مقام مخفی رکھا - ایسے خطوط میں صداقت کا نمونہ یہی ہے - مع ندوی کے ساتھ "تاریخی ندوی" کا سلسلہ تو اب بھی شاید قائم ہی ہے! بچارہ اگر رات کے ختم پر جہاں آپ کا قلم بالکل بےقابو ہو گیا ہے، اللہ اس سے رجوع کرنے کی توفیق آپ کو زندگی [illegible]

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد
پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بابت خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ : آٹھ روپیہ
" ششماہی "
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲
(ٹیلیفون نمبر ۱۲۹)

صدق

نمبر ۴۰ | یوم سہ شنبہ - ۲۵ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۳ اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"آپ کے آدمی نے کھانا کھا لیا؟" "میں خود تو وہاں جا نہ سکا، آدمی بھیج دیا تھا"۔ "آدمی اب کم تنخواہ پر ملتا نہیں"۔ ایسے تمام فقروں میں آپ لفظ "آدمی" کس معنی میں بول رہے ہیں؟ "انسان" کے معنی میں یقیناً نہیں۔ پھر کس معنی میں؟ ملازم کے، نوکر کے مفہوم میں۔ اور یہ آپ کیا بول رہے ہیں، آپ کی زبان کا محاورہ ہی یہی ہے۔ جس تہذیب نے آپ کی زبان پیدا کی ہے، اُس نے آپ کو یاد دلا دیا ہے کہ اپنے تنخواہ دار ملازم کو بے جان، بے حس مخلوق نہ سمجھ لینا۔ جانور، چوپایہ گھوڑا، بیل نہ سمجھ لینا، وہ بھی تم ہی جیسا آدمی ہے۔ آدمیت کے سارے حقوق رکھتا ہے —— زبان میں یہ لفظ رکھکر ملازم کے حقوق کی دائمی یاددہانی، ہمہ وقتی نگہبانی کے لیے ایک زبردست پہرہ دار آپ کے دل و دماغ پر بٹھا دیا! —— اور خود "ملازم" کے لفظ کو آپ کیوں بھولے جا رہے ہیں۔ اسکے معنی بھی تو یہ ہیں کہ جس طرح آپ اُسکے لیے ضروری ہیں، وہ بھی آپ کے لیے "لازمی" ہے۔ اور آپ اُس کی مدد سے، کارگزاری سے، کسی وقت کسی حال میں مستغنی نہیں ہیں —— غرض یہ ہے کہ ایک نظام تہذیب، ایک آئین معاشرت ایسا ہے جس میں ادائے حقوق کی یوں قدم قدم پر تاکید ہے!

زبان اسی بول چال میں ایک لفظ "رعایا" یا "رعیت" بھی تو ہے، جسکے معنی ہیں کہ آپ کے حقوق کی نگہداشت کی جائے، نگہبانی رکھی جائے۔ نہ یہ کہ اُسے حقیر و ذلیل سمجھا جائے، اُسے گالیوں کا، لات اور گھونسے اور جوتے کا نشانہ بنایا جائے!

اسی دنیا میں، اور آپ کی نظروں کے سامنے ایک تہذیب، تمدن اور بھی ہے۔ یہاں رعایا کے لیے لفظ ہے (SUBJECT) "سبجکٹ" کا، اور "سب جاکٹ" کے معنی جس انگریزی ڈکشنری میں چاہے دیکھ لیجیے۔ جس لاطینی مادہ سے یہ ماخوذ ہے، اسکے معنی ہیں نیچے ڈالنے کے، قدموں کے نیچے ڈالنے کے، گویا رعایا وہ ہوئی جو پامال کرنے کے قابل ہے، پیروں سے روندنے اور کچلنے کے لائق ہے! —— اور آدمی یا ملازم کے لیے لفظ SERVANT "سرونٹ" جسکے معنی ہیں غلام، یا غلامانہ خدمت کرنے والے کے! ذرا آشنا لیکہ ہمارے ہاں خود اس بدنصیب زرخرید کے لیے بھی لفظ کتنے پیار کا ہے، یعنی "غلام"۔ جسکے معنی "لڑکے" کے ہیں!

مسئلہ اور علاوہ آمد کا سوال بعد کا ہے۔ یہاں دونوں تہذیبوں کے چند ابتدائی اور بنیادی تصورات کا ذکر کر دیا گیا۔ ایک تہذیب، اسلامی نہیں، لیکن اسلام سے متاثر، یعنی مشرقی یا نیم اسلامی ہے دوسری تمامتر مغربی یا فرنگی —— دونوں کے راستے آپ کے سامنے کُھلے ہوئے ہیں۔

اسلام سے باغی مسلمان

"حال ہی میں پنجاب کے اندر پنجاب کی ایک عدالت میں پنجاب کے ایک مشہور مسلمان لیڈر کے فرزند نے اپنی بہنوں کو باپ کے ورثہ سے محروم کرنے کے لیے جو بیان دیا ہے، وہ یہ ہے کہ میں رواج کے مقابلہ میں شریعت کو نہیں مانتا"۔

فقہاء کا مشہور فیصلہ ہے کہ ایک مسلمان شراب پینے سے کافر نہیں ہو جاتا بشرطیکہ وہ شراب کی حرمت کا قائل ہو، اور اپنے آپ کو گنہگار اور خاطی تصور کرے۔ لیکن اگر شراب پینے والا اس بات پر مصر ہو کہ شراب نوشی حلال ہے تو وہ اسکا تصور کیے ہی دائرۂ اسلام سے خارج اور کافر ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس نے حلت و حرمت کے قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیا، اور خدائی قانون کو جھٹلانے اور اسلام سے بغاوت کرنے کی کوشش کی۔ لیکن آپ اس شخص کے متعلق کیا کہیں گے، جو ورثہ کی خاطر دوسرے حقداروں کو انکے حق سے محروم کرنے کے لیے پوری شریعت الٰہیہ کا انکار کرتا ہے۔ اور انکار بھی خلوت میں نہیں، عدالت کے سامنے کھڑے ہوکر!..

شریعت سے انکار کرنے کی وبا پنجاب میں عام ہے۔ زمیندار اور جاگیردار، رؤسا اور امراء، صرف چند خرمہرۂ زر کی خاطر اللہ کی دالی شریعت سے برملا انکار کرتے ہیں کوئی شرم محسوس نہیں کرتے۔ اور شاید انہیں گمان ہوتا ہے کہ وہ عدالت میں انکار کرنے سے دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئے۔ اور اسی وقت سے انکی زندگی کا فرانہ ہوگئی۔ جب سے انھوں نے ایمان سے دست برداری کی، اور عدالت کو گواہ ٹھہرایا کہ وہ شریعت الٰہی سے بہ ثانی ہوش و حواس بغاوت کا اعلان کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ اسلام کی کسی دفعہ کی رو سے ایسے لوگوں پر لفظ مسلم کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دوسرے مسلمانوں نے ایسے باغیوں کو قرار واقعی سزا دینے کے لیے کیا قدم اٹھایا ہے؟ افسوس اس کا جواب نفی میں ہے۔ ایسے باغی دندناتے پھرتے ہیں، اور کوئی ان سے بازپرس نہیں کرتا۔ وہی خاندانی تعلقات ہیں، وہی آپس کی رشتہ داری، وہی میلاپ سا میل جول ہے، وہی قرابتداری اور وہی احترام، جو ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا کرنا چاہیے؟ (منزل حرم - زبان سمبر)

معاصر موصوف نے جو کچھ لکھا، تمام تر حقیقت کی ترجمانی ہے لیکن یہ بلا تنہا پنجاب کے ساتھ مخصوص نہیں، اودھ یا یوپی میں یہ بلا بری طرح پھیلی ہوئی ہے۔ جرم کے شدید بلکہ اشد ہونے میں ذرا کلام نہیں۔ عدالت میں اس طرح کا بیان دینا، صاف لفظوں میں یہ کہہ دینا ہے کہ میں احکم و آمر شریعت کو نہیں، اپنے خاندانی رسم و رواج کو سمجھتا ہوں، اور یہ کھلی ہوئی بغاوت ہے۔ علانیہ ارتداد کی طرف اقدام ہے۔ اور بڑی مصیبت یہ ہے کہ عام معاشرۂ اسلامی اپنے سکوت بےمحل سے عملاً ایسے مجرموں کی تائید اور حوصلہ افزائی کرتا رہتا ہے۔ اگر ذرا سا بھی معاشرتی مقاطعہ ان سرکشوں کا شروع کر دیا جائے، ان سے میل جول، شادی بیاہ، صاحب سلامت ترک کر دی جائے، انکے بہشتی، انکے نائی، انکے خاکروب انکے دھوبی بند کر دیے جائیں تو یہ ڈھیٹ، جرائم پیشہ اپنی ساری ڈھٹائی بھول جائیں ——— تحمل و رواداری کی بھی ایک حد ہونی چاہیے، اور پھر رواداری تو صرف عامیوں اور خطاکاروں کے ساتھ کی جا سکتی ہے غداروں، باغیوں، اور ارتداد کا علم بلند کرنے والوں کے ساتھ نہیں!

شیخ الازہر مرحوم کا ایک اقدام

شیخ محمد مصطفیٰ المراغی مرحوم شیخ الازہر جنکی وفات ابھی حال میں ہوئی ہے انکے حالات انکے ایک شاگرد جناب محمد حسن الاعظمی الازہری کے قلم سے روزنامہ انقلاب (لاہور) میں نکلے ہیں:

"شیخ مراغی عقائد و افکار میں نہایت وسیع النظر واقع ہوئے تھے۔ اور مسلمانوں کے اتحاد کے بہت بڑے داعی تھے۔ چنانچہ جب علامہ محمد حسین آل کاشف الغطاء نجفی (شیعہ مجتہد اعظم) قاہرہ تشریف لائے اور ایک موقع پر امامت کے لیے کھڑے کیے گئے تو شیخ مراغی کو بنفس نفیس صف میں پایا گیا۔ اور ہمارے لیے یہ واقعہ نہایت مسرت انگیز اور اطمینان بخش تھا کہ عربی دنیا کا سب سے بڑا عالم اور مصر کا شیخ الاسلام شیعہ مجتہد کے پیچھے نماز پڑھتا ہے۔ اسی رواداری اور وسعت خیال کا نتیجہ تھا کہ ایک دوسرے موقع پر علامہ کاشف الغطاء نے شیخ مراغی کے پیچھے نماز پڑھی"

یہ اقدام ایسا تو نہیں کہ بلا تامل اسکی تائید و تحسین کر دی جائے، لیکن قابل غور ضرور ہے۔ ابھی کئی سال ہوئے لکھنؤ میں راجہ صاحب محمود آباد کی دعوت پر عراق کے ایک مشہور و ممتاز شیعی فاضل مرزا عبدالکریم زنجانی آئے تھے۔ انکا قول تھا کہ میں برابر اہل سنت کے پیچھے نماز پڑھ لیتا ہوں۔ اور بعد کو اخبارات میں شائع ہوا تھا کہ خود انکے پیچھے قدس میں اہل سنت نے نماز پڑھی۔ اتحاد اسلامی کے علمبرداروں کو برابر یہ سوچتے رہنا چاہیے کہ اپنے عقائد پر مضبوطی سے قائم رہ کر بھی دوسرے فرقوں سے زیادہ سے زیادہ اتحاد و اشتراک کن طریقوں سے کیا جا سکتا ہے

مدح صحابہ شیعہ زبان سے

معاصر انقلاب (بمبئی) مجلس احرار کے نقیب و ترجمان کے حوالہ سے 'سید مظہر علی صاحب اظہر بی اے، ایل ایل بی، ایڈوکیٹ پنجاب اور سکرٹری و سابق سکرٹری مجلس احرار کی بابت ناقل ہے:-

"انھوں نے مجلس احرار کے نصب العین حکومت الٰہیہ کے متعلق بتایا کہ ہماری جماعت میں سب لوگ صحابہ کا احترام کرنے والے ہیں۔ جو شیعہ بھی احرار میں شریک ہیں یا ہونگے وہ صحابہ کرام کی مدح پر اعتراض نہیں کر سکتے۔ اور یوپی خصوصاً لکھنؤ کے واقعات نے مجلس احرار کے اس مسلک کو ثابت کر دیا ہے۔ مولانا مظہر علی خود شیعہ ہیں، جب انھوں نے پوری تفصیل کے ساتھ اور بالکل بےلاگ الفاظ میں، مدح صحابہ کے حق کی حمایت میں دلائل پیش کیے تو ہزاروں مسلمان خوشی سے نعرے بلند کرتے تھے" (۲۳-ستمبر ۱۹۴۵ء)

"صحابہ کرام کا احترام" "مدح صحابہ کا حق" "مدح صحابہ کی حمایت میں دلائل" یہ سب ایک شیعی لیڈر کی زبان سے!) لکھنؤ کی شیعی دنیا اگر اجازت دے تو قرآن مجید ہی کے الفاظ سنایا جا سکتا ہے اقرأ کتابک، کفیٰ بنفسک الیوم علیک حسیبا

کچھ تو ہے جسکی پردہ داری ہے!

"مولوی ظفر الملک صاحب

ایک مرنجاں مرنج ادیب اور ایک خالص ادبی رسالہ الناظر کے اچھے خاصے ایڈیٹر تھے۔ مگر ان پر آگے بڑھتے ہوئے زمانہ کا رد عمل ایسی رجعت پسندی کی شکل میں ظاہر ہوا کہ اب انھوں نے شیعہ مذہب اور شیعہ فرقہ کو اپنی ادبی زندگی کا مشن بنا لیا ہے"۔ (لکھنؤ کے سعید روز نامہ کے اداریہ سے)

اس بحث سے قطع نظر کہ شیعہ عقائد سے اختلاف اور ان سے اہل سنت کے تحفظ سے "شیعہ فرقہ کی مخالفت" کیونکر لازم آ جاتی ہے، اصل گزارش یہ ہے کہ آخر کوئی تو بات ہے، جو اسی معاصر کے بہ قول مرنجاں مرنج ادیب اور خالص ادبی رسالوں کے ایڈیٹروں کو دفعۃً "شیعہ دشمنی" کی طرف لے آئی ہے! —— دوسروں پر دعاوی کرنے سے قبل کبھی اپنے ہی بیان کا جائزہ کبھی لے لیا جائے!

ایک عربی مدرسہ

مولوی محمد خیر الدین صاحب وکیل زواعظ سرکار دکن حیدرآباد سے تحریر فرماتے ہیں:-

"مدرسہ عربیہ خیریہ علاقہ حیدرآباد کی اپیل برائے تعمیر دار الاقامہ مرسل خدمت ہے۔ اس مدرسہ کی خدمت میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرا اکثر وقت گزرتا ہے، اور خود مولانا ابو الحسن سید علی صاحب نے اسکی امداد کے لیے ایک بیان جاری فرمایا ہے۔ جب کبھی جناب والا بلدہ تشریف لائیں تو انشاء اللہ ضرور تشریف آوری کی زحمت دی جائیگی۔ بلدہ سے صرف عمر کرایہ کے فاصلہ پر ہے۔ نواب ناصر یار جنگ اور دیگر تمام علم دوست حضرات وہاں جا چکے ہیں۔ براہ کرم اس اپیل کو صدق میں درج فرمائیے تاکہ جس کسی مسلمان کو بیرون ملک اسکی امداد کی توفیق ہو وہ اس مدرسہ کی امداد میں حصہ لے سکے۔ مدرسہ نظامیہ کے بعد اس ملک میں عربی کا واحد مدرسہ ہے"۔

مکتوب نگار بڑے پرانے صدق نواز ہیں۔ انکے مکتوب کی مختصر عبارت مطبوعہ طویل اپیل سے زیادہ قوت و وزن رکھتی ہے۔

غیر سودی بینک کا قیام

لکھنؤ۔ ۲۰ ستمبر۔ مہاراجہ صاحب محمود آباد نے اپنی ریاست میں ایک ایسا کوآپریٹو بینک کھولا ہے جو ہندوؤں اور مسلمانوں کو یکساں غیر سودی قرض دیگا۔ قرض دینے کا اصول یہ ہوگا کہ قرض لینے والا ایک عہد نامہ لکھیگا کہ وہ آئندہ کبھی سود پر کہیں سے روپیہ قرض نہیں لیگا۔ اس بینک کے اخراجات نکالنے کیلیے قرضداروں سے بہت نام رقم بطور فیس کے لے لی جائیگی۔ لیکن اس قسم کی فیسوں کی رقم مجموعی طور سے کبھی بینک کے کل اخراجات سے زیادہ نہیں ہوگی۔ موجودہ بینکوں کے معمول کے خلاف اس بینک کی خصوصیت یہ ہوگی کہ بینک میں روپیہ لگانے والے محض نفع ہی میں شریک نہیں ہونگے بلکہ نقصان میں بھی شرکت ہونگے۔ اس تمام اسکیم کا مدعا یہ ہے کہ سود خواری کو ذلیل کیا جائے اور جو لوگ واقعی مستحق ہیں انکی مدد کی جائے۔ (ورنیٹ پریس۔ لکھنؤ)

نئی کتابیں

(۱) **چاند بی بی سلطان** - از وزیر حسن صاحب - ۲۷۰ صفحات - مجلد بسرورق مصور - قیمت قسم اول للعہ قسم دوم ۱۲ آنہ۔ پتہ: دکن اردو اکاڈمی - ادارۂ فکریہ، حیدرآباد دکن۔

چاند بی بی سلطان، دکن کی ایک نامور تاریخی خاتون گزری ہیں۔ یہ کتاب کہنے کو انکے حالات و سوانح میں ہے، اور اس لیے اسکا شمار سیرت یا سوانح عمری میں ہونا چاہیے، لیکن درحقیقت اس میں اخلاق و موعظت، تاریخ و سیرت پر غالب ہے، اور ادب و انشا، تاریخ و اخلاق دونوں پر غالب۔ مصنف کو جو کچھ کہنا تھا، سب اس مگب بیتی میں کہہ گئے۔ جس طرح سنا تھا، ہم بھی افسانہ کو بہو بیٹیوں کے حق میں آئینہ بنا کر سنا گئے۔ معمار و دستکار کے ذہن میں اس "روضہ تاج" کا جو نقشہ تھا (پرانی اصطلاح میں "سبب تالیف") بہتر ہوگا کہ اسے اسی کی زبان سے سنتے چلیے:-

"چاند بی بی سلطان کی زندگی ایسی ہو سکتی ہے جو ملک کی بہو بیٹیوں کے لیے مثال بنے۔ خصوصاً اس لحاظ سے بھی کہ اپنے معاشرہ کی ... آج کل اجاگر ہو کر سامنے آ رہی ہے، وہ یہ ہے کہ اپنے ہاں کی ہر اچھی چیز بری اور دوسروں کے ہاں کی بری چیز بھی اچھی دکھائی دینے لگی ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہمارے گھر ... یہ البیلی فضا دور ہو، اور ہم محسوس کریں کہ ہم کل کیا تھے، آج کیا ہو گئے۔ پھر گھر ہی درحقیقت اساس تمدن ہوتا ہے۔ اس لیے بھی گھر کی رانی ہی کو پوری طرح ہاتھ بٹانا ہے، جو آج کی بیٹی، کل کی بہو، پرسوں کی ماں ہے۔ یہ خیال کرکے میں نے کتاب لکھنی شروع کی"۔

کتاب "عرض" کے بعد کتاب تین بابوں میں تقسیم ہے۔ "نوید" "نسبت" اور "بیاہ"۔ اس میں حالات چاند بی بی کی شادی تک آتے ہیں۔ باقی حالات کتاب کے دوسرے حصوں کے لیے اٹھا رکھے گئے ہیں۔

کتاب اسلامیت کی تو نہیں، البتہ مشرقی تمدن یعنی ہند و مسلم ملی جلی تہذیب کی ترجمان ہے۔ مشرقی اخلاق، مشرقی معاشرت، معاشرتی روایات —— فرنگیت کے بے پناہ سیلاب کے وقت اسلامیت نہ سہی، مشرقیت کی بھی اتنی حمایت بہت غنیمت اور لائق صد شکر و تحسین ہے۔ ادبی اعتبار سے کتاب معیاری مرتبہ کی ہے۔ دہلی کی سی نستعلیق، شستہ، ٹکسالی زبان لکھنے والے اب بہت کم باقی رہ گئے ہیں۔ معنوی اعتبار سے کتاب آج سے دو صدی قبل کے اس مشرقی تمدن کا پورا آئینہ ہے، جو کیا دکن اور کیا دہلی ہر جگہ کے شاہی خاندانوں اور امیروں وزیروں کے گھرانوں میں پھیلا ہوا تھا۔

(۲) **اقبال ایز اے تھنکر** IQBAL AS A THINKER مجموعہ مضامین۔ مرتب کا نام درج نہیں۔ صفحات ۳۰۰ صفحے۔ قیمت ... پتہ:- شیخ محمد اشرف۔ انگریزی کتب فروش۔

کشمیری بازار، لاہور

اقبالؒ کی شہرت، علاوہ اپنے دور کے شاعر اعظم ہونے کے ایک بڑے فلسفی کی بھی ہے، اور یہ کتاب انکی زندگی کے اسی پہلو پر ہے۔

کتاب آٹھ مختلف مقالات کا مجموعہ آٹھ مختلف مقالہ نگاروں کے قلم سے ہے۔ یہ مقالے کہاں پڑھے گئے تھے، یا کہاں چھپے تھے، اسکا کچھ ذکر دیباچہ میں نہیں۔ مقالہ نگاروں میں سے اکثر ایسے ہیں جو ایک معروف و ممتاز شخصیت رکھتے ہیں۔ مثلاً نوبل پرائز پانے والے جامعہ عثمانیہ کے ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، خواجہ غلام السیدین، پروفیسر محمد شریف (مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم وغیرہ اور مقالوں کے عنوانات اس قسم کے ہیں:

اقبال کا تصور زمان و مکان

فکر اقبال میں ترقی پسندی کے عناصر

اقبال کا تصور باری

رومی، نیٹشے اور اقبال

ہر لکھنے والے نے اقبال کو اپنی مخصوص عینک سے دیکھا ہے، اور اکثر خوب بال کی کھال نکالی ہے۔ شعر مرا بہ مدرسہ کہ برد کی تصدیق صرف شعر ہی میں نہیں نثر میں بھی بار بار نظر آ چکی ہے اور ان اوراق میں ہو رہی ہے۔ اقبال خود اپنے متن کی بعض تفسیروں سے یقیناً گھبرا اٹھتے تاہم پیام اقبال کی ترجمانی غیر مسلموں، خصوصاً اہل فرنگ کے سامنے کرنے کے لحاظ سے کتاب مفید ہے۔ اور بہتر ہوگا کہ اسکے نسخے زیادہ سے زیادہ تعداد میں یورپ اور یورپ زدہ ملکوں میں پہونچائے جائیں —— اسلام کی ناقص ترجمانی بھی تمامتر غلط یا مسخ شدہ ترجمانی سے بہرحال بہتر ہے۔

افسوس ہے کہ ناشر کو اقبال کے ایسے شارح و ترجمان جو فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ بحمداللہ پختہ مسلمان بھی ہیں، مثلاً ڈاکٹر ظفر الحسن (مسلم یونیورسٹی) ڈاکٹر میر ولی الدین (جامعہ عثمانیہ) فضل الرحمٰن انصاری (مسلم یونیورسٹی) ظفر احمد صدیقی (پرنسپل اسلامیہ کالج اٹاوہ) زیادہ تعداد میں نہ مل سکے۔

تحفۃ المسلمین - مصنفہ شاہ محمد اسحٰق دہلوی۔ مترجم مولوی محمد نظام شاہی جوری۔ طبع جدید ۷۶ صفحے ۲۶×۲۰ تقطیع۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: شروانی پرنٹنگ پریس، علیگڈھ

خاندان ولی اللہی کی آخری یادگار دہلی میں مولانا شاہ محمد اسحٰق تھے۔ وقت کے ایک مشہور و مستند عالم۔ آخر میں مکہ معظمہ ہجرت کر گئے۔ انکی کتاب مسائل اربعین اپنے زمانہ میں خوب چلی اور گھر گھر پہونچی۔ شادی و غمی سے متعلق مروجہ بدعتوں کا رد ۴۰ سوالوں کے جواب میں ہے۔ تحفۃ المسلمین انکی فارسی کتاب کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ترجمہ بھی آج سے ۱۰۸ سال قبل ۱۲۶۰ھ میں ہو چکا تھا۔ اب حاجی محمد مقتدی خاں صاحب شروانی نے اچھا کیا کہ ایک مزید دیباچہ اور فہرست مضامین کے اضافہ کے ساتھ از سرنو شائع کر دیا۔ ولیمہ، نیوتہ، فتنہ، آتشبازی، زیارت قبور وغیرہ کے ضروری مسائل اس میں مسلک دیوبندی کے مطابق آ گئے ہیں۔

ترجمہ اگرچہ بہت پرانا ہو چکا لیکن زبان اب بھی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی۔ کتاب کا بیشتر حصہ مفید اور اشاعت عام کے قابل ہے۔

(۴) **مجموعہ مقالات علمیہ** - حیدرآباد اکاڈیمی، نمبر ۵ ضخامت ۱۴۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ:- مجلس ادارت حیدرآباد اکاڈیمی، حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد اکاڈیمی ایک مدت سے مفید علمی اور ٹھوس کام کر رہی ہے اور مقالات علمی کے مجموعے شایع کرتی رہتی ہے۔ یہ اس سلسلہ کی پانچویں کڑی ہے۔ اس میں پانچ مختلف مقالہ نگاروں کے قلم سے حسب ذیل ہیں:

۱۔ حقائق حیات انسانی — از مولوی عبدالرحمٰن خاں صاحب سابق صدر کلیہ عثمانیہ

۲۔ اردو جنگ کی معاشی توجیہ — از مولوی عبدالقادر صاحب

۳۔ فارسی شاعری کا آغاز اور اس کی تاریخ — از حکیم ڈاکٹر کلیم اللہ صاحب قادری

۴۔ اقبال کا نظریۂ عقل و عشق — از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

۵۔ تعلیمی تنظیم ما بعد جنگ — از مولوی محمد یوسف الدین صاحب

پانچوں مقالے غور و فکر سے لکھے گئے ہیں اور سنجیدہ حلقوں میں پڑھے جانے کے قابل ہیں۔ البتہ فارسی شاعری والے مضمون میں مضمون نگار نے فرد وسی کی داد جس حد تک دی ہے، وہ خود شاعرانہ ہو گئی ہے۔ چوتھا مضمون، اقبال کے نظریۂ عقل و عشق پر، محقق کے نقطۂ نظر سے خاص طور پر قابل داد و توجہ ہے۔

(۵) **ہندوستانی معاشیات کے مبادی** - مع خصوصی تفصیلات مملکت آصفیہ۔ از شرف الدین صاحب بی اے۔ ضخامت ۲۵۰ صفحے

پتہ: دفتر انجمن طیلسانین عثمانیہ۔ باغ عامہ، حیدرآباد دکن۔

انجمن طیلسانین عثمانیہ اسکے قبل بھی چھوٹی بڑی ۱۲-۱۴ کتابیں علمی، فنی، ادبی عنوانات پر شایع کر چکی ہے۔ اور یہ اسکا تازہ ترین افادہ ہے۔ کتاب مخصوص فن پر ہے، اور اس پر تبصرہ کوئی اہل فن ہی کر سکتا ہے۔ سرسری نظر میں ایک عامی کو بھی کتاب دلچسپ مفید اور پر معلومات نظر آئی۔ پیش لفظ ایک استاد فن کے قلم سے ہے اور یہ بجائے خود مضامین کتاب کے استناد کی کافی ضمانت ہے۔

(۶) **پردہ کشمیری اینڈ اسلام** (انگریزی) از سید قبول احمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر۔ سیتا پور (اودھ) ۸ صفحے مصنف ہی کے پاس سے ملیگا۔

سید قبول احمد خیرآبادی اپنی انگریزی تعلیم اور ہائی اسکول کی ہیڈ ماسٹری کے باوجود مولانا تھانویؒ کے راسخ مریدوں میں ہیں، غالباً خلیفہ مجاز بھی۔ انکے قلم سے یہ مختصر رسالہ "پردہ، رواجی و شرعی" کی تحقیق میں ہے۔ مختصر ہونے پر بھی خوب ہے۔ مقالہ نگار لکیر کے فقیر نہیں۔ صحیح معنی میں روشن خیال ہیں۔ رواجی پردہ کو انھوں نے شرعی حدود سے بالکل الگ کر دکھایا ہے۔ رسالہ زیادہ سے زیادہ

استدراک

(بہ سلسلۂ صدق نمبر ۳۲ - ص ۲ ، کا ۱)

(از مولانا محمد یوسف صاحب بنوری - مجلس علمی - ڈابھیل)

ابھی یاد آیا کہ ماہ رمضان کے کسی پرچہ میں حدیث "لولاک لما خلقت الافلاک" پر کسی سائل نے "اتفاقی موضوع ہونے" کا حکم لگایا تھا۔ اسنادی حیثیت سے قطع نظر کرکے آپ نے جو توجیہ فرمائی تھی، وہ پسند آئی تھی۔ اسوقت خیال آیا کہ حدیث مذکور کے متعلق کچھ عرض کیا جائے۔ لیکن یاد نہیں رہا۔ آج یاد آنے پر اجمالاً اتنا عرض کیے دیتا ہوں تاکہ بالکل یکطرفہ فیصلہ نہ ہو اور کسی قدر اسنادی اعتبار سے بھی حقیقت سامنے آجائے۔

۱- "لولاک لما خلقت الافلاک" کے لفظ سے تو حدیث نہیں ہے، البتہ اسکے ہم معنی الفاظ سے کتب حدیث میں موجود ہے۔

الف: مستدرک حاکم (۲-۶۱۵) میں ابن عباسؓ کی روایت ہے: قال: اوحی اللہ الی عیسی علیہ السلام یا عیسی آمن بمحمد وأمر من ادرکہ من امتک ان یؤمنوا بہ فلولا محمد ما خلقت آدم ولولا محمد ما خلقت الجنة ولا النار"..... حاکم ابو عبد اللہ روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں: ہذا حدیث صحیح الاسناد ولم یخرجاہ۔ حافظ ذہبی اگرچہ فرماتے ہیں "اظنه موضوعاً علی سعید" لیکن کوئی وجہ اپنے گمان کی تائید میں بیان نہیں فرما سکے۔ حافظ تقی الدین سبکی اپنی کتاب شفاء السقام میں اور شیخ سراج الدین البلقینی اپنے فتاویٰ میں حافظ ابو عبد اللہ حاکم کی تائید میں اسکی تصحیح فرماتے ہیں: "ومثله لایقال رأیاً فحکمه الرفع"۔

ب- نیز مستدرک حاکم (۲-۶۱۵) میں اور مجمع الزوائد (۸-ص ۲۵۳) میں بحوالہ طبرانی حضرت عمر فاروقؓ کا ایک طویل اثر ہے جس میں حضرت آدم علیہ السلام کو یوں خطاب ہوا ہے: "ولولا محمد ما خلقتک" حاکم نے اسکی بھی تصحیح فرمائی ہے۔ اس میں عبد الرحمن بن زید بن اسلم راوی ضعیف ہے، موضوع ہونے کا حکم پھر بھی مشکل ہے۔ عبد الرحمن بن زید ترمذی ابن ماجہ کے رجال سے ہے۔

ج: حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ایک اثر زرقانی شرح مواہب میں ہے: ان اللہ قال لنبیہ: من اجلک اسطح البطحاء وامرج الموج وارفع السماء واجزل الثواب والعقاب

۲- ان وجوہ کی بنا پر حدیث مذکور پر یہ حکم لگانا کہ موضوع ہے اور اتفاقی موضوع ہے کیونکر صحیح ہے۔ بیہقی ابو الشیخ اصبہانی وغیرہ نے بھی پہلے حدیث کی روایت کی ہے۔ غرض حدیثی اور اسنادی اعتبار سے مطلقاً موضوعی کا حکم نہایت مشکل ہے، خصوصاً اتفاقی موضوعی کا حکم۔ بہرحال یہ دونوں دعوے تحقیق و واقعیت کے خلاف ہیں۔ مزید بحث و تحقیق کے بعد ابھی بہت کچھ لکھا جاسکتا ہے۔ اسوقت صرف اجمالاً ہی عرض کرنا مقصود تھا۔

۳- عقلی حیثیت سے تو حدیث مذکور کی تصحیح و تائید میں بہت کچھ لکھنے کی گنجائش ہے۔ جسکی اسوقت حاجت نہیں۔ محدثین کی کتابوں میں کتنی حدیثیں ملتی ہیں جو اسنادی اعتبار سے یا کسی خاص لفظ کے اعتبار سے یا مرفوع ہونے کے اعتبار سے ضعیف و ساقط ہوتی ہیں لیکن معنوی حیثیت سے اور دوسری وجوہات سے وہ صحیح ہوتی ہیں۔ جسکی تحقیق و تفصیل کا یہ موقعہ نہیں

والسلام

درسگاہیں اور دوسرے ادارے

(از عبد الماجد)

عربی، دینی درسگاہوں نیز دوسرے ملی اداروں کے لیے جو امدادی اپیلیں وقتاً فوقتاً صدق میں نکلتی رہتی ہیں ان سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نہیں نکالنا کہ مجھے خود بھی ان سے پورا اتفاق ہے، یا یہ کہ میں اپنی ذمہ داری پر انکی سفارش کر رہا ہوں تاوقتیکہ میری طرف سے ایسی تصریح نہ موجود ہو۔ بیشتر صورتوں میں تو مجھے کوئی ذاتی واقفیت ان سے قطعاً نہیں ہوتی۔ اس لیے جو صاحب کرم جس حد تک جسکی مدد کرنا چاہیں وہ اپنی ذمہ داری اور محض اپنی ذاتی واقفیت و تحقیق کے بھروسہ پر کریں۔

(بقیہ صفحہ ۴)

انگریزی خوانوں کے ہاتھوں میں چلانے کے قابل ہے

(۷) **مطبوعات ادارۂ تربیت جنسی** - از نمبر (۱) تا نمبر (۹) پتہ:- مہتمم ادارۂ تربیت جنسی، پورا ابشیر بوغ - حیدر آباد دکن

حیدر آباد دکن میں حال میں ایک مفید ادارہ صحیح تربیت جنسی کی غرض سے سوشل ہائیجین ایسوسی ایشن کے نام سے قائم ہوا ہے۔ ادارہ مذہب و اخلاق کے حلقہ میں قدم نہیں رکھتا، صرف طبی اور سائنسی حدود تک محدود ہے۔ یہ حلقہ بھی اچھا خاصہ وسیع اور کام کرنے والوں کے لیے کافی ہے۔ یہ ۹ کتابچے اب تک موصول ہوئے ہیں: ہمارا نصب العین۔ حیات۔ رشتۂ جنس کا مقام، تربیت جنسی اور والدین کی ذمہ داریاں، آپ اپنے بیٹوں کی کس طرح رہبری کرسکتے ہیں، آپ اپنی بیٹیوں کی کس طرح رہنمائی کرسکتی ہیں، امراض خبیثہ کے مسائل، جنسی تعلقات کے اخلاقیات، فحش کاری، ازدواج - پورا سلسلہ بہ حیثیت مجموعی بہت مفید ہے۔

ایڈیٹر شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے
دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

ٹنڈال کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مُدلّل جواب

از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب ندوی سندیلوی، اُستاد دارالعلوم ندوہ

(۱)

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔ مسیحی دنیا اسلام کے ساتھ جو بغض و عناد ہے اسکا ظہور وقتاً فوقتاً اُنکی تحریر و تقریر و شمشیر تینوں ذرایع سے ہوتا رہتا ہے۔ جسکا نمونہ ڈاکٹر ٹسڈال کی کتاب ماخذ القرآن ہے۔ جسکا اُردو ترجمہ حال میں رسالہ نگار نے شایع کیا ہے۔ زیر تحریر سطور اسی کتاب کا جواب ہیں۔

میں نے ڈاکٹر صاحب کی کتاب اس امید کے ساتھ دیکھی کہ اس میں کوئی جدت و ندرت ہوگی، مگر باوجود تلاش و جستجو اس میں کوئی جدت و ندرت نظر نہیں آئی، بلکہ وہی پُرانے فرسودہ اعتراضات صورت بدل کر دوہرائے گئے ہیں جنکا شافی جواب دیا جا چکا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا مبلغ علم

ڈاکٹر صاحب نے اسلام کی بیکنی کے لیے قلم اُٹھایا، مگر عام عیسائی مبلّغین کی طرح اُنکی معلومات کا یہ عالم ہے کہ قصص الانبیاء اور عرائس المجالس کی ایسی ناقابل اعتماد کتابوں پر آپ نے اپنے استدلال کی بنیاد رکھی ہے۔ پھر اسی بنیاد پر عجیب و غریب اور دلچسپ دلائل و شواہد پیش فرمائے ہیں۔ ان دلائل سے تو ہم آیندہ صفحات میں بحث کریں گے، یہاں موصوف کے چند تحقیقات علمیہ نمونہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جن سے انکا مبلغ علم ظاہر ہوتا ہے۔

ایک جگہ باب دوم میں فرماتے ہیں کہ اللات لفظ اللہ کی تانیث ہے۔ اس تحقیق عجیب کے لیے موصوف کو کسی لغت کا حوالہ دینا ضروری تھا، لیکن جس طرح اس کتاب میں آپ نے تاریخ کے متعلق قیاس سے کام لیا ہے، اسی طرح لغت میں بھی اپنے قیاس کو ثبوت کے لیے کافی سمجھا۔ مزید لطف یہ کہ آپ نے محض دعوے کافی سمجھا، دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی۔ اگر موصوف یہی غور فرماتے کہ مؤنث میں مذکر کے حروف اصلی مفقود نہیں ہو جاتے ہیں تو بھی اس قسم کے دعوے کی جرأت نہ ہوتی، اس لیے کہ ہاے ہوز لفظ "اللہ" میں اسکا حرف اصلی ہے۔ لفظ "حنیف" کی تحقیق میں بھی موصوف نے ایسی ہی عربی دانی کا ثبوت دیا ہے۔ موصوف کے نزدیک عبرانی زبان میں حنیف کے معنی ملحد و زندیق کے ہیں لیکن عربی میں اسکے کیا معنی ہیں، ممدوح کے نزدیک یہ چیز قابل اعتنا نہیں ہے۔ حالانکہ اہل عرب کی زبان عربی تھی، نہ کہ عبرانی۔ اگر ڈاکٹر صاحب "لسان العرب" ملاحظہ فرماتے تو اس شبہہ کی جسارت نہ فرماتے، اس لیے کہ اس میں صاف طور پر تحریر ہے کہ حنیف "حنف" سے مشتق ہے، جسکے معنی میلان کے ہیں یعنی ایک چیز کو چھوڑ کر دوسری چیز کی طرف مائل ہونا۔ یہ لفظ اچھے معنی میں بھی استعمال ہو سکتا ہے اور بُرے معنی میں بھی۔ "حنیف" کا میلان جس طرف ہوتا ہے اُس پر "لام" داخل کرتے ہیں۔ اور اسی کے حسن و قبح کے لحاظ سے اسکے معنی میں حسن و قبح پیدا ہوتا ہے مثلاً حنیف اللہ کا مطلب یہ ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف مائل ہونے والا۔ جب یہ لفظ مطلق بولا جاتا ہے تو عموماً اچھے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔

"تابوت" کے متعلق جو تحقیق نفیس آپ نے فرمائی ہے وہ بھی آپ اپنی نظیر ہے۔ اسی طرح "خلق قرآن" کی بحث کے متعلق بھی آپ کے ارشادات آپ کی قوت تحقیق کے آئینہ دار ہیں۔ نمونہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب کی علمی تحقیق کے دو ایک نمونے پیش کر دیے گئے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کے معلومات نہ صرف اسلام کے متعلق بلکہ عربی زبان کے متعلق بھی کسقدر محدود و ناقابل اعتماد ہیں۔ پوری کتاب پر نظر کرنے سے اس قسم کے نمونے بکثرت ملیں گے۔

کُلّی جواب

انفرادی طور پر ہر ایک باب پر تنقید کرنے سے پہلے ہم ایک کلی جواب تحریر کرتے ہیں، جو ڈاکٹر صاحب کی پوری کتاب کا مختصر اور جامع جواب ہے۔ اور جس سے اُنکے پورے استدلال و دعاوی کی عمارت منہدم ہو جاتی ہے۔

خلاصۂ اعتراضات

ڈاکٹر صاحب کے کل دعاوی اور دلائل کا ماحصل ہم ذیل میں درج کرتے ہیں۔ دعاوی کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اسلام نے کسی جدید چیز کی تعلیم نہیں دی بلکہ عرب ... جاہلیت، یہودیت، نصرانیت، صابئیت اور دیگر مذاہب و ... کا مجموعہ کر دیا ہے۔ ... دلائل کا خلاصہ یہ ہے کہ

(۱) اسلام کا سرچشمہ قرآن مجید ہے اور اسکی تعلیمات و افکار اور دوسرے مذاہب و اقوام کی تعلیمات و اخبار میں مشابہت و مطابقت پائی جاتی ہے۔ اور موخرالذکر اقدم ہیں۔ اس لیے قرآن مجید کے مضامین انھیں سے ماخوذ ہیں۔

ڈارونی ذہنیت

اس سارے استدلال کی تہ میں جو ذہنیت کارفرما ہے وہ ڈارون نے اہل مغرب میں پیدا کر دی ہے کہ جہاں دو چیزوں میں مشابہت دیکھی اور ایک کو مقدم پایا بس فوراً یہ حکم لگا دیا کہ موخر مقدم سے ماخوذ ہے۔ یہ اصول اسقدر مہمل اور لغو ہے کہ اسکی غلطی ثابت کرنے کے لیے کسی دلیل و برہان کی حاجت نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ دو چیزوں میں مشابہت و مطابقت کی یہی وجہ نہیں ہوتی کہ ایک دوسرے سے ماخوذ ہے بلکہ یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ دونوں کا اصل منبع اور سرچشمہ ایک ہی ہے۔

کل الہامی مذاہب کا سرچشمہ ایک ہے

دنیا میں جتنے بھی الہامی مذاہب

موجود ہیں یا فنا ہو چکے ہیں انکا اصل منبع ایک ہی ہے۔ یعنی ذات پاک حق سبحانہ تعالیٰ بلکہ دراصل وہ ایک ہی مذہب کے مختلف درجات ہیں۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو متعدد مواقع پر بیان فرمایا ہے۔ نمونہ کے طور پر ہم چند آیات نقل کرتے ہیں

(۱) شرع لکم من الدین ما وصّٰی بہ نوحاً - وما وصینا بہ ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ

(۲) قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الیٰ ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ وما اوتی النبیون من ربہم لانفرق بین احد منہم ونحن لہ مسلمون (بقرہ - پ۱)

(۳) ما کان ابراہیم یہودیاً ولا نصرانیاً ولکن کان حنیفاً مسلماً وما کان من المشرکین۔

(۴) ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ما تعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰہک والٰہ آبائک ابراہیم واسمٰعیل واسحٰق الٰہاً واحداً ونحن لہ مسلمون۔

ان آیات سے ثابت ہوا کہ ان انبیاء سابقین کا مذہب تھا جسکی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور اسی مذہب کا نام اسلام ہے۔ اسکے مختلف درجات رہے۔ اور آخری درجہ جو اسکی تکمیل کا درجہ ہے اسکی تبلیغ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔

اس سے صاف عیاں ہے کہ ان تمام مذاہب کی خوبیاں اسلام محمدی میں پائی جاتی ہیں۔ البتہ ان مذاہب کے متبعین نے جو خرابیاں ان ادیان میں داخل کر لی ہیں اور جو غیر دینی چیزیں ان ادیان کا جزو بنگئی ہیں انکو اسلام نے ان سے خارج کر دیا ہے۔ اور اسلام ان سے بالکل پاک و مبرّا ہے۔ دوسرے الفاظ میں حقیقی موسویت اور حقیقی عیسویت اور حقیقی ابراہیمیت، غرض ہر نبی کی حقیقی تعلیم اب اسلام اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے اب اسلام کے ہوتے ہوئے ان ادیان میں سے کسی کی کوئی حاجت و ضرورت باقی نہیں رہی۔ اس لیے کہ اکمل کے ہوتے ہوئے انقص کی طرف رجحان بالکل خلاف عقل ہے۔ خصوصاً اس لیے کہ ان مذاہب کے متبعین نے اپنے مذاہب اور انکے منابع یعنی کتابوں کو مسخ و تحریف کرکے بالکل ناقابل اعتماد بنا دیا ہے

ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے بیانات دیگر الہامی مذاہب و ادیان سے کسی درجہ میں مشابہت رکھیں تو یہ اسلام کے الہامی و ربانی مذہب ہونے کی دلیل ہے نہ کہ غیر الہامی ہونے کی۔

اسلام محمدی کے خصائص امتیازی

لیکن اس سے ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکالنا چاہیے کہ اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف مذاہب سابقہ کا مجموعہ ہے۔ اور اس میں کوئی جدت اور انفرادیت نہیں ہے۔ یہ نتیجہ نکالنا بالکل غلط اور گمراہ کن ہوگا۔ اس لیے کہ اسلام نے دین کی بنیادوں کو جس طرح مستحکم کیا اور اسکے اصول و فروع کو جس طرح درجۂ کمال کو پہونچایا۔ جس طرح ان کو کامل و مکمل اور جدید و مناسب شکلیں عطا کیں، جس طرح قیامت تک کے لیے مناسب، مفید اور ناقابل تغیر بنایا، جس طرح ان میں عجیب و غریب حکیمانہ نکتہ آفرینی، باریک بینی، جامعیت اور نشوونما کی ترتیب پیدا کی۔ یہ سب چیزیں صرف اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حصہ ہیں۔ انکی نظیر ادیان سابقہ میں کہیں نہیں مل سکتی اور جس طرح دین عیسوی، دین موسوی سے تفصیل کے درجہ میں ممتاز اور جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اور جس طرح اجمال کے درجہ میں عیسویت اور موسویت میں وحدت ہے اسی طرح دین محمدی اور کل ادیان حقہ سابقہ میں اجمال کے درجہ میں وحدت و یکرنگی ہے۔ اور یہ دلیل اسکی حقانیت و ربانیت کی ہے نہ کہ اسکے غیر الہامی ہونے کی۔

وحدت و اختلاف کا راز

ادیان حقہ کا سرچشمہ ایک ہی ہے، اس لیے انکی تعلیمات میں اصولی و بنیادی اختلاف ناممکن ہے۔ ہر مذہب نے توحید کی تعلیم دی ہے اور یہ ناممکن ہے کہ کسی مذہب حق میں شرک کی تعلیم مل جائے۔ ہر مذہب نے عدل کو مستحسن اور ظلم کو قبیح کہا ہے۔ ہر دین نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اچھا اور اس کی نافرمانی کو برا قرار دیا ہے بلکہ یہ چیزیں چونکہ فطری ہیں یعنی فطرت انسانی انکو پسند کرتی ہے اور اجمالی طور پر انکی تعلیم دیتی ہے اس لیے ان بنیادی اصول کو تو ادیان باطلہ بھی صحیح کہتے ہیں۔ مثلاً ایک بت پرست بھی توحید کو پسندیدہ کہیگا اور شرک سے اپنی براءت ظاہر کریگا حالانکہ بلاشبہ وہ مشرک ہے اور توحید کی حقیقت کو وہ سمجھا بھی نہیں ہے۔ لیکن یہ اجمالی اصول عملی زندگی میں بنیادی اور اخروی کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ ضرورت ہے تفصیل کی۔ اس تفصیل میں آکر ادیان میں باہم اختلاف ہوتا ہے اور اسی کے لحاظ سے ایک دین دوسرے دین سے امتیاز حاصل کرتا ہے۔

اللہ جل شانہ نے مجموعی طور پر ذہن انسانی کی تربیت انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ سے کی۔ اور انکے ارتقاء ذہنی کے مدارج کے لحاظ سے مختلف زمانوں میں مختلف ممالک میں مختلف درجات کی تفصیل انکے سامنے پیش فرماتے رہے۔ یہاں تک کہ جب ذہن انسانی اس درجہ پر پہونچ گیا کہ اس میں ان جدید، اعلیٰ، مکمل تفصیلات کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے ذریعہ سے پیش کی گئی ہیں تو اسی کامل و مکمل دین کو اسکے لیے بھیجا گیا جو قیامت تک کے لیے کافی اور دائمی ہے اور جو بنیادی و اساسی اصول کے لحاظ سے بالکل وہی ہے جسکی تعلیم کل انبیاء و مرسلین نے دی ہے اور تفصیلات کے لحاظ سے بالکل جدید اور انوکھا ہے۔

بنیادی اصول کی وحدت کی وجہ سے اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مستقل دین ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی مضحکہ خیز ہے

جیسے کوئی شخص اربعہ متناسبہ اور کسور اعشاریہ کے قاعدوں کے متعلق یہ کہے کہ ان میں کوئی جدت نہیں ہے اور اسکے موجدین نے کوئی کارنامہ نہیں انجام دیا، اس لیے کہ انکی بنیاد توجمع تفریق کے قاعدوں پر قائم ہے جو بالکل بدیہی ہیں اور جنکو ہر انسان جانتا ہے یا کوئی شخص حکیم اقلیدس کے تفضل و کمال کی نفی اس بنا پر کرے کہ اس نے اقلیدس کی شکلوں میں جدت ہی کیا دکھائی ہے، اس لیے کہ اسکے اصول تو بالکل بدیہی اور عام طور پر معلوم ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اسی اصول کی بنا پر دنیا کی کوئی ایجاد و اختراع ایجاد و اختراع رہتی ہی نہیں ہے، اس لیے کہ اسکی بنیاد آخر کار انھیں بدیہی اصول پر قائم ہوتی ہے۔

اگر تعصب کو ترک کرکے دیکھا جائے تو اسلام کی یہ جدت روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ توحید کی تعلیم اسلام بھی دیتا ہے اور موجودہ مسیحیت بھی اسکی دعویدار ہے مگر مسیحیت تثلیث پرستی کو توحید کے منافی نہیں سمجھتی اور اسلام اسکو توحید کے منافی سمجھتا ہے۔ ایک بت پرست باوجود بت پرستی کے توحید کا دعویدار رہتا ہے۔ حالانکہ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ بت پرستی اور توحید میں سراسر تناقض اور بعد المشرقین ہے۔ انھیں سے ظاہر ہے کہ اگرچہ اصولی اور بنیادی حیثیت سے اسلام محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) دیگر انبیا کی تعلیمات کے بالکل مطابق ہے۔ مگر ادیان کے ان متبعین نے موجودہ زمانہ میں انکی تعلیمات کو اسقدر مسخ کردیا ہے کہ اب اسلام اور ان ادیان میں بنیادی وحدت و یکرنگی بھی مفقود ہوگئی ہے اس لیے کہ اب انکے پاس اپنے انبیا و کتب کی حقیقی تعلیمات بھی مفقود ہیں۔ اور یہ بہت بڑی دلیل ان ادیان کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کی ہے اس لیے کہ جن اصولی چیزوں کو خود مستحسن قرار دیتے ہیں غیرمسلم ان سے خود انکا دامن خالی ہے۔ مثلاً وہ توحید کو مستحسن سمجھتے ہیں مگر توحید کی دولت سے محروم ہیں، وہ عدل کو بہتر سمجھتے ہیں مگر انکے یہاں عدل مفقود ہے، وہ عبادت کو اچھا کہتے ہیں مگر روح عبادت سے محروم ہیں۔ حقیقی توحید، حقیقی اصول اخلاق، حقیقی عبادت اور دوسری کل خوبیاں اور محاسن اب اسلام اور صرف اسلام میں پائی جاتی ہیں اور کل ادیان عالم خواہ وہ عیسویت ہو یا یہودیت یا ہندیت یا اور کوئی مذہب ان خوبیوں سے یکسر خالی اور ان دولتوں سے قطعاً محروم ہیں۔ اس لیے اسلام ہی حق ہے اور بقیہ کل ادیان و مذاہب موجودہ صورت میں قطعاً باطل اور غیرالہامی ہیں۔ اگر ہمارے اس دعوے میں کسی کو شک ہو تو بسم اللہ اسی معیار پر مقابلہ کرلے۔ یعنی جو محاسن مسلمہ فریقین ہوں عقل و حکمت کی روشنی میں انکو تلاش کرلیا جائے کہ وہ کہاں موجود اور کہاں مفقود ہیں۔ ہمارا یہ چیلنج ہر غیرمسلم کو ہے لیکن اسکا خصوصی رخ جناب ڈاکٹر سنڈل صاحب کی طرف ہے۔ دیکھیں ڈاکٹر صاحب اس چیلنج کو قبول فرماتے ہیں یا نہیں۔ (باقی آئندہ)

ایک جواں مرگ مسلم

ثناء الدین ابوالحسن مرحوم

[مرحوم کو اخبار صدق سے بہت دلچسپی تھی۔ صدق وہ برابر پڑھتے تھے۔ اور شاید اسی وجہ سے مذہبیت کا رنگ اچھا خاصا ان میں پیدا ہوگیا تھا۔ جسکا اندازہ ان وصیتوں سے ہوتا ہے جو مرحوم نے تحریری چھوڑی ہیں۔ ایک مختصر خاکہ مرحوم کے حالات زندگی کے متعلق آپ کی خدمت میں روانہ کررہا ہوں۔ اور امید کرتا ہوں کہ "صدق" کو دلچسپی سے پڑھنے والے اور اسکے رنگ میں اپنے آپ کو رنگنے والے کے حالات اس اخبار میں جگہ پائیں گے۔ فقط نیازمند محمد سلیم قریشی آنریری جنرل سکریٹری مسلم کلب لکھنؤ]

مرحوم کی ولادت ۲۰۔ دسمبر ۱۹۲۳ء بمقام قصبہ "سہالی" ضلع بارہ بنکی میں ہوئی۔ ۴ سال تک ایک آنہ فنڈ اسلامیہ اسکول میں ابتدائی تعلیم پانے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہوئے۔ ۵ سال تک عربی، فارسی اور انگریزی تعلیم کے بعد ۱۹۴۰ء میں بغرض حصول طب "تکمیل الطب کالج" میں داخل ہوئے۔ چوتھے سال میں تعلیم پا رہے تھے کہ مرض "دق وسل" میں مبتلا ہوگئے۔ باوجود مختلف طریقۂ علاج کے جانبر نہ ہوسکے۔ انتقال سے ایک ہفتہ قبل پنجشنبہ کو دعا کی "یا اللہ کل بلا لیجیے بہت اشتیاق ہے" مگر مشیت کو بجائے اس جمعہ کے دوسرے جمعہ کو انتقال کیا۔ تیسری شعبان ۱۳۶۴ھ کو ۱۰ بجکر ۵ منٹ پر اللہ اللہ کہتے ہوئے سورہ یٰسین کے ختم پر ۲۱ ½ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوئے۔ بعد نماز جمعہ عیش باغ میں تدفین عمل میں آئی۔

مرحوم کو مسلم کلب سے خاص دلچسپی تھی۔ شعبۂ دینیات کے سکریٹری تھے۔ کلب کے جلسوں میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ حال کے پروونشل الکشن میں لیگ کے امیدواروں کی کامیابی کے لیے بڑے جوش و خروش سے کام کیا کہ یادگار چھوڑ گئے۔

شدت مرض میں ہمیشہ صبر سے کام لیا۔ اکثر یا اللہ یا رحمن یا رحیم پڑھتے سورۂ یٰسین ایک قاری صاحب سے سنتے اور روتے ——— مندرجۂ ذیل تحریری وصیتیں چھوڑیں:—

"اللھم ارحم ابی وامی وعلی اخوانی واخواتی آمین یاکریم لاموجود الا اللہ لا شئ الا اللہ لا الہ الا اللہ"

(۱) اگر وطن پہونچنا ممکن ہو تو غسل وکفن دینے کے بعد مولانا محمد اسلم صاحب قبلہ سے نماز پڑھا کر لیجایا جائے۔ اگر وطن لیجانا ناممکن ہو تو پھر یہیں کسی بزرگ سے نماز پڑھا کر دفن کیا جائے۔

(۲) سیوم اور چالیسویں کی تقریب ہرگز نہ منائی جائے۔ (۳) بجائے اسکے مغفرت کے لیے دعا کی جائے (۴) قبر خواہ کچی ہو، ایک کتبہ لگادیا جائے تو سبحان اللہ۔ کلمہ گو ہوں۔ مسلمان کے گھر میں پیدا ہوا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ بخیر کرے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ثناء الدین ابوالحسن

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
رشتہ آباد بلیس گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ ؍ ...
بیرون ہند سے ... ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍

نمبر ۴۱	یوم شنبہ - ۲۹ - شوال المکرم ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ - اکتوبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

اہلِ لکھنؤ سے

شیخ وقت حضرت مولانا عین القضاۃؒ یاد ہیں؟ یا دیکھے تھے؟ کل ۲۰ ہی سال کی تو بات ہے اور کوئی بھولنا چاہے بھی، تو انکی زندہ یادگار، مدرسہ عالیہ فرقانیہ - خدمت قرآن، تجوید کے لحاظ سے شہر میں کیا معنی صوبہ میں، اور صوبہ کیا معنی، ہندوستان بھر میں اپنی قسم میں فرد کیونکر بھولنے دیگا؟ کس پایہ کے عالم، فاضل و متقی تھے، اور کس مرتبہ کے عارف مرشد! مولانا عبد الشکور صاحب کے استاد، اور مولانا ظفر الملک کے شیخ - نسبت فاروقی خاص طور پر غالب تھی - اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کے لحاظ سے ہونا بھی چاہیے تھی - لکھنؤ میں ۲۴ سال آدھر مظلوموں کو جو "چار یاری" نعرے بلند کرنا پڑے تھے، وہ حضرت ہی کے سایۂ عاطفت میں ——— مرقد مبارک پر فاتحہ خوانی کے لیے جو حاضری دیجیے، تو نظر لوحِ مزار کے کتبہ پر پڑے - قطعہ تاریخ کندہ ہے - لیکن تاریخ کس کے قلم سے؟ لکھنؤ کے مشہور شاعر مرزا محمد ہادی عزیزؔ کے قلم سے! کیا ارشاد ہوا؟ مرزا عزیز؟ صاحب گلکدہ - وصحیفۂ ولا؟ ——— جی ہاں وہی - مگر وہ تو کھلے ہوے شیعہ تھے! جی ہاں وہی شیعہ شاعر! ——— اور اکیلی تاریخ ہی نہیں کہی - مولانا کی وفات حسن وسنہ بھی خوب تھے، اور ایک مرثیہ بھی پُر درد و موثر اسی وقت کہا تھا! ——— لکھنؤ کے تمدن کے لیے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس وقت تک سے پہلے سب ہی کچھ ہوتا تھا - باہم استادی شاگردی بھی، دوستی اور رشتہ داری بھی!

رجب ۱۳۴۳ھ کی ۱۹ اور جنوری ۱۹۲۵ء کی ۹ ... ہے - جمعہ ... مولانا رخ بالا خانہ پر حسب دستور تشریف فرما ہیں - دو چار اہل حاجت اور مسترشدین بھی بیٹھے ہیں - دو نووارد، صاحب علم عجمی لباس میں، داخل ہوتے ہیں - معمولی گفتگو کے بعد ایک صاحب ترنم کے ساتھ عربی لے میں عربی اشعار سنانا شروع کرتے ہیں مضمون عبرت، فنا اور توحید کا ہے - اور کلام منسوب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جانب ہے، (ملاحظہ ہو دیوان، مناقب آل ابی طالب جلد ... مطبوعہ بمبئی) مولانا پر ایک کیفیت شروع ہو جاتی ہے - کلام کے اس ٹکڑے پر،

قد فتینا دار آ تبقی	ہم نے باقی رہنے والے گھر کو تو ضائع کر دیا!
استوطنا دارا تفنی	اور مٹنے والے گھر کو اپنا گھر بنا لیا

مولاناؒ کے جسم میں رعشہ کی سی کیفیت طاری ہو جاتی ہے

کل موت کل موتا	ہر ایک کو مرنا ہے، ہر ایک کو مرنا ہے

کی تکرار پر سجدہ میں جاتے ہیں، اور اسکے مثابعد

کل دفنا کل دفنا	ہر ایک کو دفن ہونا ہے، ہر ایک کو دفن ہونا ہے

کی آواز پر طائر روح نشیمن قدس کی طرف پرواز کر جاتا ہے!

یہ دونوں نووارد اجنبی، آپ سمجھے، کون تھے؟ دونوں مذہباً شیعہ - ایک آقا سید اسد اللہ رشتی نجفی، دوسرے سید غلام حسین ڈھاکوی -

اختلافات ہزار سہی، افسوسناک سہی، کلمہ کی وحدت ہر کثرت پر بھاری، قبلہ کا اشتراک ہر اختلاف پر غالب -

---

دو تصویریں!

" لندن - ۲۵ ستمبر - ڈیلی ... خصوصی ... - ... دے رہا ہے...

کام کرنا چاہیئے ... ہے۔

بڑے گاؤں (ضلع بارہ بنکی) کے ایسے بڑے رئیس تھے شیخ حسن الرحمٰن قدوائی (گھر کا نام محسن میاں) بڑے متقی محتاط۔ عالم و طبیب بھی تھے۔ مولاناؒ کے شاگرد بھی زمانۂ قیام کانپور ہی رہ چکے تھے۔ اور ایک زمانہ میں لکھنؤ کے شیخ وقت مولانا محمد نعیم فرنگی محلیؒ سے بیعت بھی ہو چکے تھے۔ بڑی تمنا رکھتے تھے کہ اب تجدید بیعت مولاناؒ کے ہاتھ پر کریں۔ گھر سے نکلنا دوبھر، اتنا بڑا سفر کرتے جھجکتے رہتے تھے۔ میں نے ہمت دلائی کہ میرے زمانۂ قیام میں آجائیے، اور بچے ہی پاس آ رہے۔ آئے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ شام کو بعد مغرب دیکھا کہ مولاناؒ اپنے ہاتھ پر انہیں خوشی خوشی بیعت کر رہے ہیں۔ نہ کوئی جرح نہ سوال و جواب ——— مولاناؒ نے اب بیعت لینا بہت کم کر دی تھی۔ جب کسی کو مرید کرتے بھی تو بڑی جانچ پڑتال اور بہت سی شرطوں کے پورا کرانے کے بعد۔ لیکن یہاں کوئی بھی صورت پیش نہ آئی۔ آتے ہی بلا رکاوٹ مرید ہو گئے۔ اس لیے کہ صلاحیت پوری طرح موجود تھی۔ شیخ نے اول نظر میں بھانپ لیا۔ اور کسی مزید جرح کی ضرورت ہی نہ تھی۔ دوسروں کے مذاق فاسد کی بنا پر ضرورت ردو قدح کی ہوتی ہے ——— مولاناؒ قواعد و ضوابط کے محکوم نہ تھے۔ قاعدے اور ضابطے سب ضرورۃً اور سہولت کے لیے بنا لیے تھے۔ یہ نہ تھا کہ اپنے اور دوسروں کے ہاتھ پاؤں باندھ دینے کے لیے خواہ مخواہ کچھ ضابطے عائد کر لیے ہوں۔ یہ واقعہ خاص اسی غرض سے درج کیا جاتا ہے۔ مولاناؒ کو ایک گروہ ضابطہ پرستی میں بدنام کر چکا ہے۔ بدنامی تمامتر بیجا۔ ایسے لوگوں نے قریب سے مولاناؒ کو دیکھا ہی نہیں۔

یاد ہوگا کہ جولائی ۲۸ء میں میری بیعت ضابطہ سے مولاناؒ ہی کے حسب مشورہ و ایما، مولانا حسین احمد صاحب مدظلہ کے ہاتھ پر ہوئی تھی۔ تفصیل سب اوپر گزر چکی ہے۔ تھانہ بھون کے قیام کو ایک ہفتہ ہی ہوا تھا کہ مولانا کا مکتوب ذیل دیوبند سے موصول ہوا ہے:—

محترم المقام زید مجدکم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

والا نامہ محررہ ۱۶ اکتوبر باعث سرافرازی ہوا تھا۔ اب تو جناب خانقاہ میں پہنچ گئے ہونگے۔ خداوند کریم وہاں کی حاضری باعث برکات غیر متناہیہ کرے۔ آمین۔

چو با حبیب نشینی و بادہ پیمائی بیاد آر محبان بادہ پیما را

مجھکو قوی امید ہے کہ آنجناب وہاں پر اپنے اوقات کو مشاغل حقیقیہ میں صرف فرمائیں گے، جنکے متعلق ہدایت کرنے کی ضرورت نہیں۔

البتہ ایک ضروری عرض محض اخلاص کی بنا پر کرتا ہوں۔ اور امیدوار ہوں کہ کسی غیر محل پر محمول نہ فرمائیں۔ میں نے حسب ارشاد حضرت مولانا دامت برکاتہم اور آپ حضرات کے اصرار پر اُسوقت بیعت کر لیا تھا اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ میں اپنی بد احوالی، روسیاہی، ناکامی پر نہایت درجہ گریہ کناں ہوں اور سخت شرمندہ۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مولانا دامت برکاتہم کے دربار میں پہنچا دیا ہے، اور مولانا کو آپ سے اور آپ کو مولانا سے خداوند کے فضل و کرم سے اُنس اور تعلق پیدا ہو گیا ہے، وللہ الحمد۔ اللھم زد فزد۔ اب مناسب اور ضروری ہے کہ آپ مولانا سے بیعت بھی کر لیں۔ مجھے قوی امید ہے کہ مولانا دامت برکاتہم اب آپ کو نہ ٹالیں گے۔ میں نے خود ان دنوں جب حاضر ہوا تھا یہی عرض کیا تھا کہ آپ جب تشریف لائیں اور درخواست کریں تو جناب اُنکو ضرور بیعت کر لیں۔ قواعد طریقت کے اصول پر بیعت کر لینا ہی زیادہ تر مفید اور کارآمد ہے۔ اور اسی کی بنا پر فیض کی زیادہ تر امید ہے۔

مجھ روسیاہ کو بھی کبھی کبھی دعوات صالحہ سے یاد فرما لیا کریں۔ نیز مولانا دامت برکاتہم سے بھی دعا کی التجا کر دیا کریں۔ . .

ننگ اسلاف حسین احمد غفرلہ، دیوبند، ۲ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۸ھ

مکتوب آپ نے (کاتب کی اجازت کے بغیر) پڑھ لیا، تو ذرا مکتوب الیہ کی زبان سے کاتب سے متعلق بھی سنتے چلیے، اور اس کے لیے ذرا صبر و تحمل سے کام لیجیے کہ اس ارشاد کی تعمیل ہوئی یا نہیں، اور حکیم الامت نے اس سے کیا اثر لیا۔

مولانائے دیوبندی کے سیاسی خیالات جو کچھ بھی ہوں اور اجتہادی غلطیاں تو صحابہ کرام تک سے ہوئیں اور بار بار ہوئی ہیں کیونکہ مذہب اہل سنت کا دارومدار ہی ایک بڑی حد تک غیر نبی کے غیر معصوم ہونے پر ہے۔ لیکن اس میں ذرا شبہہ نہیں کہ جہاں تک تواضع، ضبط نفس، ایثار، رواداری، اور جذبۂ خدمت خلق کا تعلق ہے، مولانا حسین احمد مدظلہ کی ذات اپنی جگہ بے نظیر ہے۔ ہاں خود اُنکے استاد شیخ الہندؒ کی نظیر ہو تو ہو، یا پھر خود اُنکے بڑے بھائی مولانا سید احمد فیض آبادی مہاجر مدنیؒ تھے ——— قوم تو آج افراط و تفریط کے مرض میں مبتلا ہے۔ کسی سے خوش ہوئے تو اُسے پوجنے لگے، خفا ہوئے تو گالیاں دینے لگے۔ گویا اُنکا لیڈر فرشتہ ہو، اور اگر فرشتہ نہیں ہے تو پھر شیطان کے ادھر کوئی درجہ نہیں! توازن و اعتدال کا گویا قحط پڑ گیا ہے۔ اور اشخاص و رجال کو اُنکے صحیح مقام پر رکھنا ہم لوگ بھول ہی گئے ہیں۔ شیعیت و خارجیت دونوں اسی بے اعتدالی کی پیداوار ہیں اور اہل سنت کا مذہب جو بین بین اور سارے پہلوؤں کے درمیان ایک حکیمانہ توازن کے ساتھ قائم ہوا تھا، افسوس ہے کہ وہ خود اب اسی بدبختی کا شکار ہوا جا رہا ہے!

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ سے شائع کیا)

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(از مولانا حکیم محمد اسحاق سندیلوی اُستاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

نمبر (۲)

باب اول

باب اول میں ڈاکٹر صاحب نے تمہید کے طور پر اُن اصول کا تذکرہ فرمایا ہے جنکی بنا پر انھوں نے بحث فرمائی ہے اُن اصول کے قائم کرنے میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ موصوف نے یہ بات صحیح کہی ہے کہ قرآن مجید کو اسلام میں اولیت کا درجہ حاصل ہے اور حدیث کو ثانویت کا۔ لیکن اس اولیت و ثانویت کا پورا مفہوم ڈاکٹر صاحب نہیں سمجھ سکے۔ اسی لیے موصوف نے اپنے نزدیک بہت صحیح اصول یہ پیش نظر رکھا ہے کہ مسلمانوں کے عقائد اور مذہبی رسوم سے بحث کرتے ہوئے ہمارا دستور العمل یہ رہے گا کہ ہم کسی ایسی تعلیم یا رسم سے بحث نہ کریں گے جسکی بابت ظاہراً یا منشأً قرآن کا کوئی حکم موجود نہ ہو یا جسکا ذکر مستند احادیث میں نہ پایا جاتا ہو۔ اس میں ڈاکٹر صاحب نے کئی غلطیاں کی ہیں۔

اول عقائد کا ماخذ قرآن مجید ہے یا احادیث متواترہ ہر مستند حدیث عقیدہ کا ماخذ نہیں ہو سکتی۔ محض عمل کا ماخذ ہو سکتی ہے۔

دوم۔ اسلام کی کوئی تعلیم رسمی حیثیت نہیں رکھتی ہے اس لیے یہ لفظ بالکل بے معنی اور مغالطہ پیدا کرنے والا ہے۔

سوم۔ قرآن مجید کے متعلق منشأ کا لفظ مبہم ہے۔ موصوف کے نزدیک اسکے کیا معنی ہیں۔ جب تک اس معنوی استنباط کا مفہوم متعین نہ ہو اسکا درجہ متعین نہیں ہو سکتا ہے۔

چہارم۔ لفظ مستند احادیث بالکل مبہم ہے۔ جب تک اسکا مفہوم متعین نہ ہو اُس وقت تک ماخذ ہونیکا درجہ متعین نہیں ہو سکتا

اسی طرح ڈاکٹر صاحب نے مفسرین اور فقہا کے اقوال کو بھی اہم کہا ہے مگر بڑی ابہام کے ساتھ۔ انکو واضح کرنا چاہیے تھا کہ انکی اہمیت کس درجہ کی ہے۔ اور آپ ان سے کس درجہ میں استناد کرنا چاہتے ہیں۔ اصول میں یا فروع میں عقائد میں یا اعمال میں وعلیٰ ہذا۔

دراصل اس ابہام و اجمال سے ڈاکٹر صاحب کا مقصود اسلام سے اپنی ناواقفیت کو چھپانا ہے لیکن ؎

نہ ہم سمجھے نہ آپ آئے کہیں سے پسینہ پونچھیے اپنی جبیں سے

خود ڈاکٹر صاحب کی ناواقفیت و لاعلمی قدم قدم پر پکار رہی ہے کہ وہ اپنی کوشش میں بالکل ناکام رہے ہیں۔ اس باب میں اگرچہ ڈاکٹر صاحب نے بحث کا آغاز نہیں کیا ہے بلکہ محض تمہید کے طور پر اپنے اصول بحث پیش کیے ہیں اس لیے درحقیقت اس باب کا جواب دینا ضروری نہیں ہے بلکہ اتنا کافی ہے کہ اگر اصول بحث غلط قائم کیے گئے ہوں تو انکی غلطی واضح کر دی جائے چنانچہ اس غلطی کی ہم نے وضاحت کر دی ہے۔

لیکن تاہم ڈاکٹر صاحب کو کم از کم اس باب میں غلط بیانیوں اور طعن و تشنیع سے پرہیز کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ یہ باب بحث کے لیے نہیں ہے بلکہ اصول بحث متعین کرنے کے لیے ہے مگر ڈاکٹر صاحب نے بقضائے فطرت اس باب میں بھی بالکل بے محل طعن و تشنیع اور جھوٹے دعاوی کا ایک مجموعہ پیش کر دیا ہے اس لیے ہم بھی ان غلط بیانیوں کے متعلق سلسلہ وار مختصراً کچھ عرض کرتے ہیں۔

(۱) احادیث کے متعلق ارشاد ہے کہ "یورپین نقطۂ نظر سے انکی صحت بہت مشتبہ ہے" اسکی دلیل کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ ڈاکٹر صاحب یورپ کیا چیز ہے اور اُسکا نقطۂ نظر کیا ہے۔ یورپ کے (بقول خود) "مہذب حیوانات" کے اقوال ہمارے نزدیک پرِ کاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے۔ خصوصاً جب ہم احادیث کی صحت کے لیے شہادتوں کا ایسا ذخیرہ رکھتے ہیں جسپر آپ، آپ کے ہم مذہب، سارے یورپ اور سارے عالم کو رشک ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ آپ کی توراۃ و انجیل کی صحت کس نقطۂ نظر سے ثابت ہے؟

(۲) قرآنی سورتوں کی ترتیب کو بھی آپ نے بے اصول فرمایا ہے، جواب میں عرض ہے کہ ؎

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

اسی دعوے بے دلیل کو عربی کا معمولی طالب علم خاک میں ملا سکتا ہے بشرطیکہ آپ اس سے استفادہ گوارا کریں۔

(۳) فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعض مقامات اس قدر مبہم ہیں کہ بغیر حدیث کے انکا سمجھنا دشوار ہے۔ گزارش ہے کہ حضرت آپ کا ادعائے بلا حجت سر آنکھوں پر بشرطیکہ آپ قرآن مجید میں ایک مقام بھی اس طرح کا دکھا دیں۔ یہ مثال میں تو آپ نے ستم ہی ڈھایا ہے۔ ق سے مراد کوہ قاف کس مستند حدیث میں آیا ہے؟ براہ کرم اسکی عبارت نقل فرمائیے یا کم از کم مفصل حوالہ ہی دیجیے۔ آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ حروف مقطعات کے متعلق جمہور اہل اسلام کا مسلک یہ ہے کہ انکے معانی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں۔ انکا بیان نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں۔

آیت اسرا میں کیا ابہام ہے جسکو حدیث نے رفع کر دیا اور جسکی وجہ سے اسکا مطلب سمجھنا بقول آپ کے مشکل تھا؟ واقعہ صرف یہ ہے کہ ایک واقعہ کے کچھ اجزا کو قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے اور بقیہ اجزاء کو حدیث میں مگر جتنا واقعہ قرآن مجید

جو بیان ہوا ہے وہ اپنی جگہ پر بالکل واضح ہے۔ اسکے سمجھنے کے لیے کسی روایت کو ماننے کی حاجت نہیں ہے

(۴) قرآن مجید کی بعض آیتوں اور سورتوں کے متعلق آپ نے ضائع ہونے کا دعوے کیا ہے، لیکن دلیل و ثبوت حسب عادت کچھ بھی نہیں محض یہ ارشاد ہوتا ہے "کہا جاتا ہے"۔ حضرت! کون کہتا ہے، اور کس سے سنا ہے؟ آپ نے کہاں دیکھا؟ ذرا واضح تو فرمائیے ہمارا تو دعوے ہے کہ قرآن کا ایک شوشہ بھی ضائع نہیں ہوا۔ اور ہم اسکے دلائل رکھتے ہیں۔ اگر تم کو اپنے دعوے پر اصرار ہے تو "ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین"

(۵) تاریخ قرآن بیان کرتے ہوئے موصوف نے ایسی ایسی غلطیاں کی ہیں جو ایک معمولی طالب علم بھی نہیں کر سکتا ہے۔ ان میں سے بعض تو موصوف کی ناواقفیت اور کم علمی کو ظاہر کرتی ہیں اور بعض تعصب اور تنگ نظری کو۔ تفصیل فضول معلوم ہوتی ہے اس لیے نمونہ کے طور پر چند باتیں پیش کی جاتی ہیں۔ بمصداق قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔ بقیہ کو بھی اسی پر قیاس کر لینا چاہیے۔

(الف) ایک جگہ جمع قرآن کو کمی بیشی سے تعبیر فرمایا ہے حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے اسی کتاب میں اور اسکے دوسرے ہم مذہبوں نے اس امر کو تسلیم کر لیا ہے کہ قرآن مجید میں کمی بیشی نہیں ہوئی۔ پھر ان الفاظ کا استعمال محض دلآزاری، فریب دہی اور انتہائی تعصب و تنگ نظری نہیں ہے تو اور کیا ہے۔

(ب) خلق قرآن کی بحث سے موصوف یہ سمجھے ہیں کہ قرآن مجید کے منزل من اللہ ہونے کی بحث تھی۔ حالانکہ ان دونوں بحثوں میں بہت فرق ہے جسکو ایک معمولی طالب علم بھی سمجھ سکتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو شاید یہ معلوم نہیں کہ اسلام میں جو شخص قرآن مجید کے الفاظ و معانی دونوں کو منزل من اللہ نہ سمجھے وہ باتفاق اہل اسلام کافر اور خارج از اسلام ہے۔

(ج) ایک جگہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اختلاف قرأت کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تغیر اور تبدل ضرور ہوا۔ لیکن حدیث کے الفاظ کیا ہیں اور ان سے نتیجہ کس طرح نکلتا ہے اسکے متعلق ڈاکٹر صاحب خاموش ہیں۔ بغیر ثبوت کے یہ الزام لگا دینا محض دلآزاری نہیں تو اور کیا ہے۔ اسی طرح اسی باب میں ایک جگہ اور ڈاکٹر صاحب نے اختلاف قرأت کو غلطیوں کے لفظ سے تعبیر فرمایا ہے۔ جو محض تعصب اور بہتان عظیم ہے۔

(د) ایک جگہ منہ بھر یہ دعوے فرمایا ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوائے رسالت کے خلاف ہیں۔ لیکن حسب دستور ثبوت و دلیل سے گریز فرمایا ہے اس لیے کہ ڈاکٹر صاحب خوب جانتے ہیں کہ وہ اور انکے اولین و آخرین مل کر بھی اسکا ثبوت قیامت تک نہیں پیش کر سکتے۔ بلکہ ڈاکٹر صاحب کے اپنے قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید منزل من اللہ ہے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کو اپنے قول پر اعتماد ہے تو بسم اللہ وہ اپنے قول کے ثبوت میں کوئی قرآنی آیت پیش کریں۔

نمونہ کے طور پر چند چیزیں پیش کر دی گئیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اس باب میں دانستہ اور نادانستہ کس قدر غلطیاں کی ہیں اور کیسے پُرفریب اور خلاف اصول طریقوں کو اختیار کر کے "ناواقفوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ علاوہ بریں آپ کے مبلغ علم پر بھی مزید روشنی پڑتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے بقیہ خرافات کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔

باب دوم

اس باب میں ڈاکٹر صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض عقائد و رسوم عرب جاہلیت سے حاصل کیے تھے۔ اس کی پہلی دلیل ڈاکٹر صاحب نے یہ پیش کی ہے کہ لفظ اللہ اسلام سے پہلے بھی عرب میں رائج تھا۔ اور وہ لوگ اللہ کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے۔ اس لیے توحید کا عقیدہ ان میں پایا جاتا تھا۔ اسی کی فضول تفصیل میں ڈاکٹر صاحب نے بہت سا کاغذ صرف فرمایا ہے۔ حالانکہ اسکی کوئی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ اسکا انکار کس کو ہے کہ "اللہ" کا لفظ اہل عرب میں بعثت محمد علیہ الصلوٰۃ والتحیۃ سے پہلے بھی رائج تھا۔ بلکہ ہم تو اس سے ترقی کر کے کہتے ہیں کہ "اللہ" کا لفظ عربی زبان میں اس وقت سے پایا جاتا ہے جب سے عربی زبان کا وجود ہوا ہے۔ ہم کو اس چیز کے تسلیم کرنے میں بھی پس و پیش نہیں ہے کہ اہل عرب اسلام سے پہلے "اللہ تعالیٰ" کو سب سے بڑا معبود سمجھتے تھے۔ لیکن کیا اس سے انکا موحد ہونا ثابت ہو گیا؟ کیا توحید اسی چیز کا نام ہے؟ ڈاکٹر صاحب انکے موحد ہونے کے مدعی ہیں، لیکن آگے چل کر اپنے دعوے کی خود ہی تردید بھی فرما دیتے ہیں۔ ص۳۱ پر ارشاد فرماتے ہیں "اور مختلف قبائل جو اپنے ادنیٰ درجہ کے بتوں کی پرستش کیا کرتے تھے کہ یہ بت اللہ کی درگاہ میں شفیع ہونگے" آگے فرماتے ہیں "اگر ہم اُس زمانہ کی شاعری سے اندازہ کریں تو معلوم ہوگا کہ اُس زمانہ کے عرب چنداں پابند مذہب یا دیندار نہ تھے۔ اور زیادہ تر انھیں کم درجہ معبودوں کی پوجا پاٹ کیا کرتے تھے"۔

ڈاکٹر صاحب کی مسیحی توحید اس بت پرستی کے منافی ہو یا نہ ہو لیکن اسلامی توحید تو اس بت پرستی کے ساتھ کبھی جمع نہیں ہو سکتی اسلیے کہ اہل عرب کی اس بت پرستی کا اقرار اور اسکے بعد انکو موحد کہنا اجتماع نقیضین ہے جسکی توقع صرف مسیحی سیلفیوں ہی سے کی جا سکتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنی دلیل کی کمزوری سے واقف ہیں، اس لیے انھوں نے ایک دوسرا پہلو بدلا اور فرمایا "گو یہ عقیدہ (توحید کا عقیدہ) عربوں کے لیے کوئی نیا عقیدہ نہ تھا اور وہ کم از کم فطری طور پر ضرور اس عقیدہ کے قائل تھے"

ہماری گزارش یہ ہے کہ اہل عرب نہیں بلکہ دنیا کا ہر انسان فطری طور پر توحید کا عقیدہ اپنے دل میں رکھتا ہے اور ہمیشہ سے رکھتا ہے

بیان ناک کہ ڈاکٹر صاحب بھی فطرۃً موحد ہیں گر بایں ہمہ اسکے شرک میں مبتلا ہیں۔ اس لیے کہ فطرت تفصیلی رہنمائی سے قاصر ہے اور اور اکثر یہی غلط ہوتا ہے یا ماحول کے اثر سے اپنی فطرت کو مسخ کر لیتا ہے۔ اس لیے محض وجدان اور ایک توحید مبہم ہدایت کے لیے کافی نہیں ہے۔ بلکہ اسکے لیے اس تفصیلی توحید کی ضرورت ہے جسکی تعلیم اسلام نے دی ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو اسلامی توحید کی مطلقاً خبر نہیں ہے ورنہ انکو اس دعوے کی جسارت نہ ہوتی۔ اسلامی توحید کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ذات وصفات میں ہر طرح سے یکتا و یگانہ سمجھنا اور ہر غیر اللہ سے اسکی ذات وصفات کی نفی کر دینا۔ اللہ تعالیٰ کی کسی ایک صفت میں بھی کسی کو اسکے شامل سمجھنا اسلام کے نزدیک شرک ہے۔ اب اہل انصاف خود فیصلہ کریں کہ خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کے مطابق اہل عرب مشرک تھے یا نہیں اور اسلامی توحید کا عقیدہ انکے لیے نیا تھا یا نہیں؟

ڈاکٹر صاحب کے استدلال کی حقیقت تو معلوم ہو چکی۔ اب اس سلسلہ کے ضمن میں "الغرانیق العلیٰ" والی بے اصل روایت کا تذکرہ خالی از دلچسپی نہ ہوگا جسکو ڈاکٹر صاحب زور بیان میں ذکر فرما گئے ہیں۔ حالانکہ شاید ڈاکٹر صاحب کو اس روایت کے بے اصل اور غلط ہونے کا خود بھی علم ہے اس لیے آپ نے کسی مستند کتاب کا حوالہ دینے سے گریز فرمایا ہے۔ لیکن بحث کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ اس روایت کو نقل کرنے سے خود ڈاکٹر صاحب کے بیان کی تردید ہوتی ہے۔ اگر اس مہمل قصہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی تعلیم دی تھی اس میں اہل عرب کے عقیدۂ شفاعت اصنام کی کوئی گنجایش نہ تھی اس لیے وہ اہل عرب کے لیے نئی چیز تھی۔

ڈاکٹر صاحب کی دوسری دلیل یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ نے عرب جاہلیت کے بہت سے رسوم کو باقی رکھا۔ مثلاً حج، نکاح، ختنہ وغیرہ وغیرہ کے بہت سے رسوم و رواجات بدستور باقی رکھے گئے۔

ڈاکٹر صاحب کی اس دلیل سے انکا دعوےٰ ثابت ہوتا ہے یا نہیں، اسکو ارباب انصاف خود سمجھ سکتے ہیں۔ محض بعض چیزوں میں اشتراک سے یہ استدلال کرنا کہ اسلامی مسائل انہیں مراسم سے ماخوذ ہیں ایک ایسا دعوےٰ ہے جسکو کوئی سنجیدہ شخص تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً جب یہ اشتراک تشابہ بھی محض صوری اور ظاہری ہو اور دونوں کی روح و حقیقت میں بُعد المشرقین ہو۔ بیشک حج کے طریقہ میں بعض ایسی چیزیں ہیں جن پر عرب جاہلی بھی عامل تھے اور اسلام نے بھی انکو باقی رکھا۔ مگر نیت و مقصد نیز روح و حقیقت کے لحاظ سے دونوں میں کوئی نسبت موقع ہی نہیں ہے۔ مثلاً طواف خانۂ کعبہ اسلام سے پہلے بھی ہوتا تھا لیکن اسکا مقصد نفس کعبہ اور اس میں رکھے ہوئے بتوں کی تعظیم کرنا ہوتا تھا۔ اسلام نے بھی طواف کی تعلیم دی مگر اسکا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اسکے ساتھ اظہار تعظیم اسوۂ حسنہ کو قرار دیا نہ کہ کعبہ کی دیواروں کی تعظیم کو۔ اسی طرح حجر اسود کو بوسہ دینے کا مقصد ہرگز خود اسکی تعظیم و پرستش نہیں ہے بلکہ اسکا مقصد محض ایک نبی سابقہ کا زمانہ کی یاد تازہ کرنا اور انکے آثار کی عظمت کا اظہار ہے[عـــہ]۔ علیٰ ہذا القیاس جسقدر امور میں عرب جاہلیت اور اسلامی تعلیمات میں تشابہ اور تماثل ملتا ہے[عـــہ]۔ ان میں یہ چیز بھی مشترک ہے کہ عرب جاہلیت میں انکی روح دوسری تھی اور اسلام نے ان میں دوسری روح پیدا کر دی ہے۔ عام طور پر اس قسم کے سارے مراسم عرب جاہلیت میں محض رسمی حیثیت رکھتے تھے نہ کہ دینی۔ اور اسلام نے ان میں دین کی متحرک روح داخل کر کے انکو بالکل تبدیل کر دیا۔ ان امور کو معلوم کرنے کے بعد بھی دونوں کو ایک کہنا سراسر تعصب اور تنگ نظری ہے۔　　(باقی آیندہ)

عـــہ ڈاکٹر صاحب نے حجر اسود کی سیاہی کے متعلق جو روایت تحریر فرمائی ہے موصوف کو اسکے متعلق کسی مستند کتاب کا حوالہ دینا چاہیے ورنہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔
عـــہ ان امور کی تعداد اس قدر قلیل ہے کہ ہم اسکو کل اسلامی تعلیمات کا ہزارواں حصہ بھی نہیں کہہ سکتے۔

ایک غلط بیانی کی تردید

(از مولوی محمد عبد اللہ صاحب سیالکوٹی)

لاہور ۱۲ ستمبر۔ لاہور اور امرتسر کے جلسوں میں مولوی ظفر علی خان نے قائد اعظم محمد علی جناح کے خلاف یہ الزام لگایا ہے کہ انھوں نے سول میرج ایکٹ کے ماتحت ایک پارسی لڑکی سر ڈنشا پیٹٹ کی لڑکی رتن بائی سے شادی کی تھی اور عدالت میں حلف اٹھایا تھا کہ وہ کسی مذہب سے تعلق نہیں رکھتے"۔ حقیقت یہ ہے کہ سر ڈنشا پیٹٹ کی لڑکی رتن بائی جسکے ساتھ مسٹر جناح کا نکاح ہوا تھا پہلے ہی قبول اسلام کا شرف حاصل کر چکی تھی اور اس نے رحمۃ للعالمین کی صاحبزادی خاتون جنت سیدہ پاک حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی نسبت سے اپنے لیے اسلام فاطمہ کا نام پسند کیا تھا۔ ایک اور ... کے مطابق نکاح خوانی کی رسم رجسٹرار کی عدالت میں نہیں بلکہ بمبئی کی جامع مسجد میں شرفاء اکابر کے مجمع میں شریعت اسلامی کے مطابق عمل میں آئی تھی۔ اور ناکح مسجد مذکور کے خطیب تھے۔ جو اصحاب اس تقریب میں شامل تھے ان میں سے بہت سے اب تک بقید حیات ہیں"۔

ان حالات میں کسی ایسے حلف کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا جیسا کہ مولوی صاحب اپنے "مواعظ حسنہ" میں بار بار فرماتے ہیں۔　　(انقلاب)

لیگی اور غیر لیگی

ہر پارٹی، ہر مسلک کے مسلمانوں سے دردمندانہ عرض

الکشن کی تاریخیں آگئیں اور قریب ہے کہ وہ طوفان خیز ہنگامے شروع ہو جائیں، جن سے کسی کلمہ گو کی بھی عزت محفوظ نہ رہ جائے۔ بلکہ عجب نہیں کہ مال سے گزر کر نوبت جانوں تک کی آ جائے!

ووٹ اپنی عقل، بصیرت و ضمیر کے مطابق جسے چاہیے، دیجیے، لیکن
اپنی شرافت اور متانت بہرحال قائم رکھیے۔

نہ گالی دیجیے، نہ گالی کھائیے۔
ہر کلمہ گو کی عزت کو اپنی عزت سمجھیے۔
آخرت کی بازپُرس کو یاد رکھیے۔
اشخاص و رجال کو ہرگز زیر بحث نہ لائیے
بحث و گفتگو صرف مسلک اور پالیسی پر کیجیے۔

آپ کا خادم، عبدالماجد مدیر صدق - لکھنؤ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب :- حکیم عبدالقوی بی اے

اشاعت کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
رشید آباد پیلس ۔ ۴۴ امین آباد ۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی چار
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ
(ٹیلیفون نمبر ۱۴۹۱)

صدق

نمبر ۴۲ | سہ شنبہ ۔ ۲ ۔ ذیقعدہ الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۹ ۔ اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

آپ سے ملاقات کیجیے، آپ شہر ہی کے نہیں، صوبہ کے نامور ایڈوکیٹ ہیں ۔ خان بہادر ہیں ۔ کونسلوں اور کمیٹیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کرنے کے لیے مسلمانوں کی طرف سے منتخب ہوتے رہتے ہیں ۔ بڑے ہمدرد قوم مشہور ہیں ۔ ہر قومی تحریک میں پیش پیش رہتے ہیں ۔ چندہ بھی دیتے اور دلواتے رہتے ہیں ۔ کسی انجمن کے صدر ہیں، کسی مجلس کے نائب صدر ۔ اودھ کے ایک مشہور تعلقہ کے مقدمہ کی پیروی میں آج کل مصروف ہیں ۔ بہن نے تعلقدار صاحب پر اپنے حصۂ شرعی کا دعوےٰ دائر کردیا ہے ۔ خان بہادر صاحب تعلقہ دار صاحب کی طرف سے وکیل ہیں ۔ آپ نے جواب دعوے یہ تیار کر رکھا ہے کہ اول تو تعلقہ میں حصۂ شرعی کے کیا معنی؟ یہاں تو تعلقداری ایکٹ پر عمل ہوگا، جس میں تقسیم کی کوئی دفعہ ہی نہیں، نہ بھائی کے لیے نہ بہن کے لیے ۔ مسلم علاقہ فرزند اکبر ہی کو ملیگا ۔ اور پھر یہ بہن کا حصہ کیسا؟ خاندان کے مورث اعلیٰ تو مدت ہوئی اولاد دختری کو جائداد کے ہر جزو سے محروم کر چکے ہیں ۔ یہ پشتوں کے بعد اونکا دعوےٰ کیسا؟

یہ وکیل صاحب اپنی ساری قانونی قابلیت اور انشاء کی بخشی ہوئی قوت صرف کرکے کھلی عدالت میں ثابت کر دینگے کہ اللہ کا قانون ہم جانتے نہیں، محمد عربی کا لایا ہوا قانون ہم مانتے نہیں، وہ رب کا قانون ہوگا ۔ ہم تو تعلقہ داری ایکٹ کو مانتے ہیں اور گاؤں کے چوپاری کے رواج کو جانتے ہیں! قرآن جو کچھ بھی کہتا ہے، کہا کرے، اس میں حقوق کی تصریحیں ہیں، تاکیدیں ہیں، وعیدیں ہیں، ہوا کریں ۔ ہم رواج خاندانی سے اپنے ہرگز کسی دوسرے قانون کو نہیں پہچانتے! —— مسلمان وکیل صاحب مسلمانوں کے نمائندہ، مسلمانوں کے لیڈر، مسلمانوں کے ہمدرد و غمخوار وکیل صاحب یہ سب کچھ مسلمان ہی گواہوں کی مدد سے ثابت کرکے رکھ دینگے ۔ اپنے اس کارنامے کے معاوضہ میں ہزاروں کی فیس وصول فرمائیں گے! اور پھر بھی مسلمان کے مسلمان باقی رہینگے! عجب نہیں کہ اسی آمدنی سے حج بھی کر آئیں —— برادری والے کنبہ والے، محلہ والے، بستی والے، سب کے سب مسلمان آپ سے اسی طرح بدستور ملتے جلتے رہیں گے، نہ کوئی صاحب سلام ترک کریگا، نہ کوئی کھانے پینے، شادی اور دعوت میں ان سے احتیاط و پرہیز کریگا، اور انکی ہر دلعزیزی و مقبولیت میں کسی فرق کا شائبہ بھی نہ آنے پائے گا!

صحیح اعتراض

آندھرا دیش (تلنگانہ) کے ایک فاضل مہندر بی سیتا رامیا شاستری کے قلم سے :-

" آندھرا دیش کی آبادی تقریباً ۳ کروڑ ہے جس میں ۲۰ لاکھ سے زائد مسلمان ہیں ۔ یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ اگرچہ مسلمانوں نے تلنگانہ پر ۵۰۰ سال تک حکومت کی لیکن تلنگی زبان میں انکے مذہب سے متعلق کوئی کتاب نہیں لکھی گئی ۔ اسکے برعکس عیسائیوں کی

الذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب - حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد ہاؤس، گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی صر
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۴۴ | یوم سہ شنبہ - ۹ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

مسیحیوں کی تعداد آج اکیلے شہر کلکتہ میں ہزاروں کی ہے، اور سارے ہندوستان میں تو انکی آبادی کا ذکر ہی نہیں - ڈیڑھ سو سال قبل تو سرزمین کلکتہ پر شاید چند عیسائی بھی نہ تھے - پھر آخر اتنی مدت میں اتنے ایک کہاں سے نکل پڑے، یا برس پڑے؟ —— نہ آسمان سے برسے ہیں، نہ کسی غار سے اُبل پڑے ہیں، نہ زمین کے نیچے سے اُگے ہیں - بنانے سے بنے ہیں - انسانی کوشش اور تدبیر، مشنریوں کی سعی وتبلیغ کے کامیاب عملی نمونے اور نتیجے ہیں. ——

آج تک ان کے سیکڑوں گرجے ہیں، سیکڑوں اسکول اور کالج ہیں، شفاخانے ہیں، محتاج خانے ہیں، کئی کئی اخبار اور رسالے ہیں - [illegible] میں انھیں کوئی جانتا بھی نہ تھا - لندن مشنری سوسائٹی کے نام سے ایک مسیحی انجمن اُسی سال کے ستمبر میں قائم ہوئی - بعد کو اور بھی مشن ہندوستان میں قائم ہوئے، تقریباً سب کی نقش اول یہی ہے - ہر پچاس سال کے بعد اپنی جوبلی مناتی رہتی ہے - ابھی ستمبر میں اپنی تیسری جوبلی کلکتہ میں دھوم دھام سے منائی، کلکتہ ہی اسکا اصلی مرکز ومستقر رہا ہے.

——

"اُس جزیرہ میں بیشک اگر کچھ ہیں تو سانپ اور کنکھجورے ہیں"
ایک مسیحی سیاح نے آکر ایک مسیحی مشنری کو آکر رپورٹ دی.
"تو پھر انھیں ہونے دو - یہ بتاؤ کہ وہاں کچھ انسان بھی ہیں؟"
"ہاں ہیں تو کچھ ضرور، لیکن سب ایسے کالے وحشی ہیں کہ جنکے درمیان قدم رکھنے کا تو خیال بھی نہ کیجیے"
"بس معلوم ہو گیا، اتنی اطلاع کافی ہے - انسان جہاں کہیں بھی آباد ہیں مشنری کا وہاں پہونچنا ضروری ہے"

یہ خلاصہ ہے اُس گفتگو کا جو مسیحی سیاح اور مسیحی مشنری کے درمیان ۱۸۷۵ء میں جزیرۂ نیوگنی کے جنوبی ساحل پر ہوئی - سوسائٹی مذکور اسکے ۸۰ سال قبل ہی قائم ہو چکی تھی، اور اس نے ابھی اپنی تیسری جوبلی منائی ہے —— مسلمان آج ان روایتوں کو قصہ کہانی کی طرح سن رہے ہیں - صحابہ کرام کے زمانہ میں فتوحات اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور تیز رفتاری کا راز بجز انکے اس بے پناہ جوش تبلیغ کے اور کیا تھا؟ —— جو چیز خاص الخاص اپنی تھی دیکھتے دیکھتے وہ کیسی پرائی، اور اپنے سے بیگانہ ہو گئی!

——

بیجا مطالبہ "لکھنؤ سنی الکشن بورڈ نے مولوی حاجی ظفرالملک صاحب کے زیر صدارت جلسہ کرکے فیصلہ کیا ہے کہ آئندہ مرکزی اور صوبہ دار قانون ساز مجلسوں کے انتخاب میں کسی شیعہ کو نہ جانے دیا جائیگا، بلکہ ہر شیعہ امیدوار کی مخالفت کی جائیگی، اور اسی طرح اُس سنی امیدوار کی بھی، جو مدح صحابہ کے حق کے لیے شیعوں سے مقابلہ کرنے پر آمادہ نہ ہو" (خبر)

خبر اگر صحیح ہے تو مسرت انگیز نہیں، افسوسناک ہے - مدح صحابہ کا مسئلہ یقیناً ایک اہم مسئلہ ہے، لیکن اسی نوعیت اور درجہ کے اہم مسائل اور بھی بہت سے ہیں - اگر انھیں مسائل کو بنیاد بنا کر توحید و رسالت کے کسی دوسرے مسئلہ کو بنائے تفریق بنا لیا گیا، تو ایک بے پناہ اور غیر منقطع سلسلہ امت محمدی کے اندر شروع ہو جائیگا

اور یہ خانہ جنگی کسی فریق کو بھی ایک لمحہ چین سے نہ بیٹھنے دیگی ——

کیا جناب حاجی صاحب اُس دن کو معدوم سمجھ رہے ہیں، جب یہ توپ خود ان پر اور کُل پارٹی پر اُلٹ پڑیگا، اور آج جو "بدعت" "رفض" کے خلاف مشتعل کیے جا رہے ہیں، کل وہی "وہابیت" کے خلاف بھی اسی آسانی کے ساتھ بھڑکا دیے جائینگے، اور "امکانِ کذبِ باری" اور "خلقِ قرآن" اور "رسول کا علم غیب" اور "عرس و زیارت مزارات" اور "قیام میلاد" اور "عدم تقلید" وغیرہ اسلام کے کتنے دبے دبائے فتنے از سرِ نو کُل پڑینگے؟
—— فرقہ وارانہ سوال کی رعایت تو یوں بھی سخت ناروا ہے، اور موجودہ ماحول میں "الکشنی نعرہ" بنا کر تو اہل سنت کے ساتھ دوستی و ہمدردی تو ہی نہیں، دشمنی اور بدخواہی ہے۔

تحریکِ خلافت کے وقت ۱۹۱۹ء و ۱۹۲۰ء میں سب نے غور و تامل کے بعد یہ طے ہوا تھا، کہ کفر کے مقابلہ کے وقت لفظ "موحدین" یعنی اقرارِ توحید و رسالت کو تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بطور قدرِ مشترک کے رکھنا چاہیے۔ اور اس سے زیادہ کسی چیز کی مطالبہ وقت کی فضا میں ہرگز موزوں و مناسب نہیں۔ یہ فیصلہ جس طرح ۱۹۲۰ء میں صحیح تھا، آج بھی صحیح ہے۔ اور اسی فیصلہ کا نتیجہ تھا کہ تحریکِ خلافت جیسے مخصوص اہل سنت کے مسئلہ میں شیعہ برابر شریک رہے۔ بہار کے سید خورشید حسنین، پنجاب اور بمبئی کے آغا محمد صفدر، اور یوپی کے سید حسین وغیرہ کارکنوں کی صف اول میں تھے۔

ایک صحیح طرزِ عمل لکھنؤ سٹی مسلم لیگ کے ایک کارکن لکھتے ہیں:—

"آپ اگرچہ مسلم لیگ کے ممبر نہیں، لیکن میں جانتا ہوں کہ آپ کی ہمدردی اسکے ساتھ شامل ہے۔ اور ایک اسی پر کیا موقوف ہے، آپ کی ہمدردیاں ہر اسلامی نام کی انجمن و مجلس کے ساتھ رہتی ہیں۔ آپ کی اطلاع کے لیے لکھتا ہوں کہ ۸ اکتوبر کی شام کو لکھنؤ میں ہمارے مخالف کیمپ والوں نے اپنا ایک جلسہ امین الدولہ پارک میں کیا۔ بڑے بڑے مولوی صاحبان رونقِ بزم تھے۔ اور اُنکے علاوہ دوسرے لیڈر اور وہ کُل لوگ جو کسی وجہ سے بھی مسلم لیگ سے خفا ہیں۔ مجمع میں اکثریت ہماری ہی تھی۔ لیکن ہم نے اس فریق کو پوری طرح بولنے اور تقریریں کرنے کا موقع دیا۔ کہیں اُنکی تقریروں کے درمیان مزاحم نہیں ہوئے۔ لیکن ادھر اُنکی تقریروں کا ختم ہونا تھا، اُدھر ہم لوگوں نے "مسلم لیگ زندہ باد، پاکستان زندہ باد" کے نعرے لگانے شروع کر دیے، مجمع چونکہ زیادہ تر ہمارا ہی تھا، ہماری آواز غالب رہی، اور مخالفین کو پورا اندازہ ہو گیا کہ مسلمانوں کی رائے عامہ کس کے ساتھ ہے۔"

یہ اطلاع واقعی بہت غنیمت ہے۔ اگر ہر فریق اپنے جذبات پر قابو رکھکر سنجیدگی کے ساتھ اسی طریقہ پر اپنا مافی الضمیر ظاہر کر دیا کرے تو آپس میں مزید تفریق، تلخی و بدمزگی کی نوبت ہی کیوں آئے — اور فضیحتوں، رسوائیوں، فوجداریوں اور بلووں کا موقع ہی کیوں آنے لگے ۔۔۔ جذبات کیسے ہی شدید ہوں، بہرحال انھیں عقل و ہوش و عاقبت اندیشی کے ماتحت رکھ کر، نظم و امن کے ساتھ بھی کام کیا جا سکتا ہے۔

ایک غلط اقدام "میں نے بڑی تشویش کے ساتھ اس خبر کو پڑھا کہ سُنی بورڈ نے اپنے ہاں یہ تجویز پاس کی ہے کہ مرکزی اور صوبہ وار قانون ساز مجلسوں میں ہر شیعہ امیدوار کی مخالفت کی جائے خواہ اُسکا کسی پارٹی سے بھی تعلق ہو۔ اس تحریک کی مذمت جتنے بھی زوردار الفاظ میں کی جائے، کم ہے۔

تاکہ سنی پبلک کے حق میں ناانصافی نہ ہو، میں چاہتا ہوں کہ سنی بورڈ اپنا آئین اور اپنے ممبروں کے نام شائع کر دے، اور اُن لوگوں کے بھی نام جنھوں نے ایسی تجویز کو پاس کیا۔ اس وقت اس سے بڑھ کر نقصان رساں کارروائی مسلم مفاد کے حق میں نہیں ہو سکتی کہ لکھنؤ کے سنیوں اور شیعوں کے درمیان چند شعائر کے بارے میں جو اختلافات تھے، اُن سے یہ سیاسی فائدہ اُٹھایا جائے۔

مجھے یقین ہے کہ کوئی بھی صحیح الخیال شخص ایسے شرارت انگیز قسم کی انتخابی مہم کی ہرگز تائید نہ کریگا۔" (پائنیر، ۱۱ اکتوبر ۴۵ء)

یہ سب کسی غیر ذمہ دار قسم کے "نیم رافضی" سُنی نے نہیں، بلکہ ایک پُرجوش مخلص سُنی، **اینٹی تبرا لیگ کے صدر**، انجم[illegible] کے نامور ایڈوکیٹ چودھری نعمت اللہ صاحب (سابق جج الہ آباد ہائیکورٹ) نے اپنے تازہ بیان میں فرمایا۔ اور بالکل صحیح فرمایا۔ امید ہے کہ اس کی تائید وہ تمام اہل سنت کرینگے جو ہوش کو جوش پر اور آجل کو عاجل پر مقدم رکھتے ہیں۔

ایک معاصر کی "سلور جوبلی" روزنامہ رہبرِ دکن میں یہ پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی کہ معاصر موصوف اسی سال اپنی ۲۵ سالہ جوبلی منانے والا ہے۔

"قارئینِ رہبر کو یہ معلوم کر کے مسرت ہوگی کہ کام میں زیادہ باقاعدگی پیدا کرنے کے لیے اب لندن کے مرکزِ صحافت، فلیٹ اسٹریٹ میں رہبر کا ایک مستقل دفتر قائم کر دیا گیا ہے۔ اسکے علاوہ دنیا کے ۵۰ شہروں میں جن میں تمام براعظموں کے بڑے بڑے مقامات شامل ہیں، رہبر کی نمائندگی کے ابتدائی انتظامات طے پا گئے ہیں۔ گزشتہ سال رہبر نے ہندوستان کے دارالحکومت دہلی میں بھی اپنا خصوصی نامہ نگار مقرر کیا۔ خبروں کی فراہمی کے اس سلسلہ کو مزید وسعت دینے کی تجاویز پیش نظر ہیں۔"

یہ اطلاع جتنی مسرت انگیز ناظرینِ رہبر کے لیے ہوگی، ان شاء اللہ اسی قدر خوش آیند عامۂ صدق میں بھی ثابت ہوگی۔ کمتر لوگوں کو شاید اسکا علم ہو، کہ تمام اردو روزناموں میں، رہبر ہی ایسا ہے جو بلاناغہ

قال مجاہد وابن جریج: تقاتل احد فی المسجد الحرام الا بعد ان یقاتل وبہ قال طاؤس وھو الذی یقتضیہ نص الآیۃ (قرطبی) والیہ ذہب ابو حنیفۃ و اصحابہ (قرطبی) فیہ قولان احدھما انہ محکم قال مجاہد وابو حنیفۃ (ابن العربی)

۹ ؎ حفاظت خود (مقابلی) حدود حرم کے اندر بھی قتال کو جائز کردیگی۔

کذٰلک یعنی یہی سزائیں جو اوپر گزر چکیں، وطن سے اخراج اور حدود حرم کے اندر قتل۔

جزاء الکافرین یعنی ایسے معاند، پیمان شکن، بے ادب کافروں کی سزا۔

کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جائیں، ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ اور اس مقام میں جو ابتداء بالقتال سے ممانعت فرمائی ہے تو وہ صرف بوجہ معاہدہ کے ہے۔ تو معاہدین سے ابتداءً ناجائز ہے البتہ اگر معاہدہ کا باقی رکھنا مصلحت نہ ہو تو صاف اطلاع کردی جائے کہ ہم وہ معاہدہ باقی نہیں رکھتے۔ پھر قتال جائز ہے۔ اسی طرح اگر وہ لوگ معاہدہ توڑ دیں تب بھی قتال جائز ہے۔ (تھانوی)

۱۰ ؎ (محض جنگ سے نہیں جسے انہیں نے شروع کیا تھا، بلکہ مقابلۂ کفر و شرک سے جو محرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے)

اے عن الکفر والشرک وتابوا (ابن عباس) اے فان تابوا (ابن جریر۔ عن مجاہد) عن قتالکم وکفرہم باللہ (ابن جریر) عن الشرک و القتال (مدارک) یعنی انتہوا بالایمان (ابن العربی) عن الکفر بالتوبۃ منہ کما روی عن مجاہد وغیرہ او عنہ وعن القتال (روح)

فان انتہوا میں ضمیر غائب کفار محاربین کی طرف ہے۔

صرف تعقب بیت سے مراد ہے، جنگ شروع کرلینے کے بعد۔

جن مفسرین عامہ نے انتہوا سے صرف جنگ سے باز آجانا مراد لیا ہے، انھوں نے سخت غلطی کی ہے

۱۱ ؎ (اس لیے آئی تو یہ قبول کرلی جائیگی، انھیں دائرہ اسلام میں داخل سمجھا جائیگا، اور انکے اسلام کو لاحاصل ایسے قدر نہیں سمجھا جائیگا)

آیت کے اس جزو نے ان انتہوا کے اس مفہوم کو خود قرآن ہی سے واضح کردیا کہ مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے، نہ کہ محض جنگ و قتال سے۔ صفاتِ مغفرت و رحمت کا ترتب کفر ہی سے تائب ہونے پر ہو سکتا ہے نہ کہ محض ترک جنگ پر۔

جو کفر سے تائب ہوگیا اُسکے پچھلے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے، اور آیندہ بھی اُسکے ساتھ معاملہ رحمت کا ہوگا، جیسا کہ خود قرآن ہی میں دوسری جگہ ہے قل للذین کفروا ان ینتہوا یغفر لہم ما قد سلف۔

غفور لمن تاب رحیم لمن اتی علی التوبۃ (ابن عباس) فان اللہ یغفر لہم جمیع ما تقدم ویرحم کلا منہم بالعفو عما اجترم (ابن العربی) ولذٰلک علق علیہ الغفران والرحمۃ وہما لا یکونان مع الکفر (بحر)

فقہاء و مفسرین نے آیت سے قاتل کی قبول توبہ کا مسئلہ بھی مستنبط کیا ہے۔ انکا کہنا ہے کہ جب کفر کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، تو قتل عمدًا کفر سے خفیف تر ہے، اُس سے توبہ کیوں نہ قبول ہوگی۔

وفیہ دلالۃ علی قبول توبۃ قاتل العمد اذ کان الکفر اعظم اثما من القتل وقد اخبر تعالی انہ یقبل التوبۃ من الکفر (بحر) ہذا یدل علی ان قاتل العمد لہ توبۃ اذ کان الکفر اعظم اثما من القتل وقد اخبر اللہ انہ یقبل التوبۃ منہ ویغفر لہ (جصاص)

سُنّی الکشن بورڈ

لکھنؤ کے بعض سنی لیڈروں کے اس اقدام کو تمام دنیا تعجب کے ساتھ دیکھیگی کہ انھوں نے مرکزی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخاب میں مدح صحابہ کی بنیاد پر مسلم لیگ کا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔ معاملہ کے ہر پہلو پر غور کرنے کے بعد اور نہایت ٹھنڈے دل سے غور کرنے کے بعد ہم اس معقولیت کے قائل نہیں ہو سکتے۔

یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں میں اختلافات موجود ہیں۔ بعض شیعہ تبرے کو اپنا جزو ایمان خیال کرتے ہیں اور بعض سنی مدح صحابہ کے بغیر تکمیل ایمان کے قائل نہیں۔ لیکن یہ چیزیں ترقی پسند، سمجھدار اور مصالحت پسند شیعوں اور سنیوں کیلیے کوئی حقیقت نہیں رکھتیں صرف ایک انتہا پسند اور متعصب طبقہ انکا قائل ہوتا۔ ایسی حالت میں مدح صحابہ یا تبرہ کی بنیاد پر اگر الکشن لڑنے کی وبا پھیل گئی تو پھر مدح صحابہ اور تبرہ کے علاوہ قیام میلاد۔ رفع یدین، آمین بالجہر، بالعفرہ، یا غوث اعظم وغیرہ، مسجد و قبور کی بنیاد پر الکشن لڑے جانے کو کون روک سکیگا۔ کیا موجودہ دنیا میں اس قسم کے جھگڑے کھڑے کرنا خود کو دنیا کی نظروں سے گرانے اور اپنی بدترین فرقہ پرستی کا تماشہ دکھانے کے سوا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے؟ ۔۔۔۔

اگرچہ شیعوں اور سنیوں میں اختلافات ہیں، لیکن اسکے باوجود ہندوؤں کی ہوس اقتدار اور لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بننے میں دونوں برابر ہیں۔ ہندو صرف مسلمان کو جانتا ہے اور اسکو اکثریت بنا دینا چاہتا ہے، وہ شیعہ سنی کے فرق کو نہیں دیکھتا۔ اگر دیکھتا بھی ہے تو اسی نقطۂ نظر سے کہ مسلمانوں کی باہمی پھوٹ سے فائدہ اٹھا کر اپنا کام نکال لے۔ ایسی حالت میں شیعوں اور سنیوں کا فرض ہے کہ وہ برادران وطن کے مقابلہ میں اپنے قومی مفاد کے تحفظ کے لیے متحدہ محاذ پیش کریں۔ اور یہ محاذ صرف مسلم لیگ کی صورت میں قائم ہو سکتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ یہ محاذ موجود ہے۔ شیعہ سنی، مسلمانوں کے عام مفاد کے لیے شانہ بشانہ چل رہے ہیں اور لازم ہے بہت اچھا ہے کہ انکا انتہا پسند طبقہ بھی قوم اور ملک کے مفاد کی خاطر اور اپنی عزت و عظمت کے تحفظ و بقا کے لیے مسلم لیگ میں آجائے۔ ہم صرف اُن سے درخواست اور التجا اور خدا سے دعا کرسکتے ہیں کہ وہ مقلب القلوب انکے دلوں کو پھیر دیگا اور یہ اور دوسرے بھی انکی رہنما ہوکر انکو دین لے آئیگی جہاں

اسلام اور سود

مصنفہ ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے پی ایچ ڈی کا مقدمہ

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ)

نمبر (۲)

غالباً یہی وجہ ہوئی کہ اسلامی قانون کے شارحین یعنی فقہاء نے بھی فقہ کے معاشی ابواب کے ذیل میں "حرمت سود" پر عقلی بحث و تنقید کو ضروری خیال نہ کیا ہے۔ یہی دنیا جس چیز کو ... اس سے نا واقف تھی کہ اسلام نے کیوں اسی سود کا ... قرار دیا کہ خواہ مخواہ اس کے لیے استدلال و بحث کی الجھنوں میں الجھ کر اُسے سمجھنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ... تو یہ ہے کہ فقہ کی ان ... میں ربوا کی نام مروج صورت کا تذکرہ صحیح معنوں میں کیا گیا ہے بلکہ قرآن و حدیث کی تصریحات کو اسکے لیے کافی سمجھا گیا تھا۔ بحث کی بھی ہے تو اپنے دور و زمانے کی جزئیات کے متعلق کی ہے جن میں کسی نہ کسی حیثیت سے تھوڑا بہت سود یا ربوا کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ کہتے ہیں کہ خلیفہ ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشہور فرمان "دعوا الربوا والریبۃ" (یعنی سود کی جو حقیقی شکل ہے اسکو بھی چھوڑ دو اور ریبہ یعنی جس میں سود ہونے کا کچھ بھی ریب و شبہ ہو چاہیے کہ اس سے بھی ترک کر دیا جائے) اس فرمان کی تعمیل میں اسلامی فقہاء نے تلاش کر کر کے ربوا کی معمولی معمولی اشتباہی شکلوں کا استنباط کر کے ان پر حرمت اور عدم جواز کا حکم لگایا۔ انتہائی احتیاط کی ان نظائر کی یہ ہے کہ بعض فقہی ائمہ کی طرف یہ منسوب کیا گیا ہے کہ اپنے مقروض کی دیوار کے سایہ کے نیچے دھوپ سے پناہ لینے تک کو وہ ایک طرح سے قرضی سود کی شکل قرار دیتے تھے۔

لیکن زمانہ بدلا۔ مسلمانوں کے سیاسی غلبہ نے بتدریج مغلوبیت کا رنگ ہر اس جگہ اختیار کیا جہاں وہ غالب تھے۔ معیار بدل گیا۔ اسلام کی طرف کسی شے کا انتساب بھی اسکی خوبی کی دلیل تھی، یہ بات جاتی رہی۔ ادھر یہ قصہ پیش آیا، ادھر یورپ جسے مسلمانوں کی مغلوبیت کے بعد دنیا کا سیاسی اقتدار بخشا گیا تھا وہ کلیسائی آویزشوں کے سلسلہ میں بالآخر اس نتیجہ پر پہنچا کہ کلیسا کے ساتھ ساتھ قریب قریب اس نے مذہب کے اقتدار کا بھی انکار کر دیا۔ "سود" حالانکہ اسی مذہب میں بھی کچھ اچھا فعل نہ تھا جسکا کلیسائی عہد میں یورپ پابند تھا۔ لیکن کلیسا اور مذہب کے اقتدار کے ختم کر دینے کے بعد صرف اس لیے کہ "سود خواری" مذہبی نقطۂ نظر سے ناپسندیدہ فعل ہے قابل توجہ باقی نہ رہا۔ سوال اٹھایا گیا کہ مذہب سے قطع نظر کر کے خالص عقلی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیے کہ "سود" اور "ربوا" کی کیا حیثیت ہے۔ اسی عرصہ میں یونانی "حکمت عملیہ" کی مشہور پرانی شاخ "تدبیر منزل" کا ایک خاص شعبہ "مال و ارتقول" نے یورپ میں "علم معاشیات" کی ایک شکل اختیار کرنی شروع کی۔ "سود" بھی ظاہر ہے کہ اسی علم کا مسئلہ ہو سکتا تھا۔ عقلی معاشیین نے اس پر بحث شروع کی۔ زیادہ مدت نہیں گزری کہ مباحث اور دلائل کا ایک کافی ذخیرہ فن معاشیات کی کتابوں میں جمع ہوگیا۔ اور تمہیں دراز مدت کے بعد "جاہلی" عرب کی اسی مردود دلیل نے جسکا قرآن نے "انما البیع مثل الربوا" کے الفاظ میں ذکر کیا تھا، پھر کروٹ لی۔ اس جاہلی دلیل کو یورپ کے ارباب فکر و نظر نے نئے سرے سے ابھار دیا اور اپنی نکتوں کو متاثر کر کے "سود خواری" کے کاروبار کو قانونی جواز کی سند عطا کی گئی۔ یورپ نے زندگی کے دوسرے شعبوں میں جس طرح حیرت انگیز انقلابی اقدامات کیے "سود" کے کاروبار کے قرضہ کو بھی نت نئی شکلوں میں منظم کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس دور سے پہلے سود خواری کے مواقع انہیں افراد اشخاص تک محدود تھے جو براہ راست اس کاروبار کو کرتے تھے لیکن "سود خواری" کی جدید مغربی تنظیموں نے ہر اس شخص کے لیے سود خواری کے مواقع فراہم کر دیے جو اپنی آمدنی سے کچھ بھی بچت کر دس پانچ روپیہ ماہوار بھی پس انداز کر سکتا ہو، موقع دیا گیا کہ براہ راست اگر وہ قرض نہیں دے سکتا ہو جب بھی اسکی پس انداز آمدنی کا سود بغیر کسی خرخشہ کے اسکے گھر پہنچا دیا جائیگا، اور اسکے سوا بھی دوسرے طریقوں لین دین کی دوسری راہوں میں بھی "سود" کو کچھ اس طرح باز ... اور پیوست کر دیا گیا کہ اس زمانہ میں کسی قسم کا کاروبار کرنا یا مالی لین دین کی کسی شاخ سے بھی تعلق پیدا کرنا سود لینے یا دینے کے بغیر قریب قریب ناممکن ہوگیا جسکی تفصیل کا یہاں موقع نہیں ہے اور تفصیل کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس زمانہ میں جو بھی جی رہا ہے اپنی کھلی آنکھوں سے اس قصہ کو دیکھ رہا ہے۔ بعض مذہبی پیشگوئیوں میں اسکا ذکر پہلے بھی کیا گیا تھا کہ ایک وقت دنیا پر ایسا آکر رہیگا۔ بہرحال اسلامی ممالک میں جب مغربی تمدن کا اقتدار سیاسی اقتدار کی راہ سے قائم ہوا تو قدرتاً ہر اس ملک میں جہاں مسلمان رہتے ہیں اس حال کو دیکھ کر جیسا کہ چاہیے تھا سوالات اٹھنے شروع ہوئے خصوصاً ہندوستان اور مصر کہ سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مغربی تمدن کا دباؤ اسلامی ممالک کے سلسلہ میں انہیں دونوں ملکوں پر پڑا۔ ان دونوں اسلامی ملکوں میں مسئلہ ربوا اور سود پر بحثیں شروع ہوگئیں۔ مقالے شائع ہونے لگے، کتابیں لکھی گئیں، فتوے مرتب کیے گئے، اور اسکا سلسلہ اسوقت تک جاری ہے۔ جو مواد اب تک اس سلسلہ میں لکھا جا چکا ہے اگر ان سب کو جمع کیا جائے تو اچھی خاصی ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے۔ لیکن اسکے ساتھ ہمیں یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ "حرمت سود" یا "جواز سود" پر اسلامی ممالک میں اب تک جو کچھ بھی لکھا گیا ہے زیادہ تر کیا بلکہ بالکلیہ یہ سارے مباحث مذہب اور مذہبی روایات کی تنقید و تنقیح سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ گویا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عقلی اور فنی حیثیت سے تو "حرمت سود" کا مسئلہ قابل بحث باقی نہیں رہا ہے۔ دوسرے

(باقی پر صفحہ ...)

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(۵)

(از مولانا محمد اسحٰق صاحب سندیلوی استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

قصص القرآن

(۱) اخبار و قصص میں اختلافات اس وقت ہوتا ہے جبکہ بیان کرنے والے متعدد ہوں اور انکے قوت حافظہ میں اختلاف ہو یا ذرائع علم مختلف ہوں یا اپنے اغراض و مقاصد کے لحاظ سے وہ صدق و صداقت کو کام میں نہ لائیں یا اور اسی قسم کے دوسرے اسباب ہوں۔ بلکہ اس قسم کے اسباب کی بنا پر ایک ہی شخص کے مختلف بیانات میں اختلاف واقع ہوسکتا ہے۔

قرآن مجید میں جو واقعات و قصص مذکور ہیں وہ بعثت محمدیہ علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ سے بہت پہلے کے ہیں اور انکا تذکرہ کتب سابقہ میں بھی موجود ہے اور چونکہ ان قصص کو بیان کرنے والے خود حق تعالیٰ جل شانہ ہیں اس لیے قرآنی بیان اور کتب سابقہ میں وحدت ہونا لازمی ہے البتہ اجمال و تفصیل اور مواقع و مقاصد ذکر میں اختلاف ہونا ممکن بلکہ واقع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ توراۃ میں ایک واقعہ کے کل جزئیات کا تذکرہ ہو اور قرآن مجید میں اُسکے بہت سے اجزاء کو چھوڑ کر حسب موقع صرف بقدر ضرورت اجزاء کا تذکرہ کیا گیا ہو۔ اس لازمی تماثل کی بنا پر ایک کو دوسرے سے ماخوذ کہنا ایک لایعنی بات ہے۔

اس قسم کے واقعات ہم تک پہونچنے کا ایک اور ذریعہ بھی ہے یعنی زبانی یا تحریری مشہور روایات۔ چونکہ ان روایتوں کے رواۃ میں مختلف اعتبارات سے اختلاف ہے اس لیے انکے بیانات میں بھی اختلافات ہوتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اسی قسم کی روایتیں بعض اُن کتابوں میں بھی پائی گئی ہوں جو منزل من اللہ تعالیٰ تو نہیں ہیں مگر کسی مذہب کے متبعین اُنکو یہی درجہ دیتے ہیں۔ اس لیے اُن میں اختلافات ہونا بھی بعید از قیاس نہیں ہے۔

(۲) قرآن مجید میں کوئی قصہ محض قصہ ہونے کی حیثیت سے مذکور نہیں ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی کتاب محض قصے و حکایات بیان کرنے کے لیے نازل نہیں ہوئی ہے بلکہ قرآن مجید جب کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اسکے بیان کرنے سے اسکا مقصود قاری کو کسی نتیجہ تک پہونچانا ہوتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں قرآن مجید میں اخبار مقصود نہیں ہیں بلکہ ہر خبر سے کوئی انشاء مقصود ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے قصص کو محض بقدر ضرورت بیان کیا ہے اور اسکے اجزاء میں ترتیب کو بھی ملحوظ نہیں رکھا ہے۔ بلکہ ایک ہی قصہ کے مختلف اجزاء مختلف مقامات میں بیان کیے ہیں۔ مگر ان میں یہ بے نظیر خصوصیت رکھی ہے کہ قصہ میں ہر جگہ ایک ایسی خاص روح پیدا کر دی ہے کہ اگر قصہ کے اجزاء میں کمی بیشی کریں تو اسکی روح میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس روح پر نظر کرنے سے قرآن مجید کے اخبار کی ایک امتیازی شان نمایاں ہوتی ہے جسکا تذکرہ ہم حسب موقع آیندہ صفحات میں کرینگے۔

(۳) چند سطور قبل ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ قرآن مجید میں قصوں کا حصہ محض بقدر ضرورت ہے۔ اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ کسی قصہ کے کل اجزاء کا تذکرہ کردے۔ لیکن عموماً طبائع کو قصوں سے دلچسپی ہوتی ہے اس لیے بہت سے مفسرین نے ان قصوں کے بقیہ اجزاء کو بھی ذکر کردیا ہے اور چونکہ ان میں سے کثرت مفسرین ایسے تھے جو اسرائیلیات پر بھی عبور رکھتے تھے اس لیے انھوں نے بعض اوقات قصہ کے بقیہ اجزاء اسرائیلی روایات سے معلوم کرکے درج کردیے۔

بعض احادیث میں بھی ان قصوں کے نتیجے بیان فرمائے گئے ہیں اور مفسرین نے مختلف مواقع میں انکو بیان کیا ہے۔ حاصل یہ کہ قرآنی قصوں کے متعلق تین طرح کا ذخیرہ ہمارے سامنے موجود ہے۔ خود قرآن مجید کا بیان، احادیث نبویہ، اسرائیلیات۔ علاوہ بریں بعض وہ روایات بھی ہیں جو اہل عرب وغیرہ میں مشہور تھیں مگر انکی کوئی سند نہ تھی، نہ کوئی سلسلہ رواۃ تھا۔ بعض مفسرین نے اُن روایات کو بھی ذکر کردیا ہے۔

لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ ان واقعات کے متعلق مفسرین نے جو کچھ بیان کیا ہے اس میں صحیح اور غلط قوی اور ضعیف کی اس طرح آمیزش ہے کہ ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناممکن یا مشکل ہے ایسا سمجھنا سخت غلطی ہے۔ الحمدللہ کہ ہماری کتب دینی کے ذخیرے میں ایسے اصول و ضوابط اور بیانات و توضیحات موجود ہیں جن سے بڑے سے بڑے مفسر کی غلطی بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اور حق و باطل، قوی و ضعیف ایک دوسرے سے قطعی اور یقینی طور پر ممتاز ہو جاتے ہیں۔

مندرجۂ بالا تقسیم کے بعد ہم ہر قسم کے درجہ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں جو کچھ آیا ہے وہ بالکل قطعی اور یقینی ہے اس میں شک و شبہ کی ذرہ برابر بھی گنجایش نہیں ہے۔ احادیث میں جو کچھ آیا ہے وہ درجۂ ظن میں صحیح ہے بشرطیکہ وہ روایت محدثین کے نزدیک قابل تسلیم ہو اور انکے اصول روایت و درایت پر پوری اترتی ہو۔ البتہ زید و عمرو کے قائم کیے ہوئے اصول روایت و درایت کا اعتبار نہیں ہے۔ محض انکی بنا پر کسی روایت کا رد کرنا جہل عظیم ہے۔

اسرائیلیات اور مشہور عام بازاری روایات کا کوئی بھی وزن نہیں ہے۔ ان پر اعتقاد کرنا یا انکی بنا پر کسی معمولی سے معمولی فرعی مسئلہ کا استخراج کرنا بھی جائز نہیں، چہ جائیکہ کسی عقیدہ کا۔ غرض یہ کہ یہ بالکل ناقابل اعتبار چیزیں ہیں۔

(باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

یا نیلہ ہر روز کسی آیت قرآنی اور کسی حدیث نبوی کا سلیس ترجمہ اپنے صفحات میں درج کرتا رہتا ہے، برخلاف اپنے روزانہ معاصرین سے زیادہ مسائل وقت کو اسلامی نقطۂ نظر سے دیکھنے کا عادی ہے!

—— بس ایک صدق کا روزنامہ اور اس میں روزانہ قال اللہ و قال الرسول کے کالم، آنکھیں ناقابل برداشت و نیاز مندیت!

سیاسیات اور نکاح نامے

"مسلمانوں کے ایک اجتماع عظیم کے سامنے مظہر علی اظہر جنرل سکرٹری مجلس احرار نے ایک طویل تقریر میں یہ سوال اٹھایا کہ آیا مسٹر جناح مسلمان بھی سمجھے جا سکتے ہیں؟ آپ نے مسٹر جناح کی مطبوعہ سوانح عمری سے یہ بیان پڑھ کر سنایا کہ انہوں نے ایک پارسی عورت کے ساتھ سول میرج کی تھی۔ یعنی اس قسم کی شادی جو لا مذہبی کے اعلان کے بعد رجسٹرار کے سامنے ہوتی ہے" (خبر)

خبر پر معاصر ہمدم (حیدر آباد) کا دلچسپ تبصرہ:—

"معلوم ہوتا ہے کہ اب ہر لیڈر کو اپنے نکاح نامے سند لانی پڑے گی تب ہی تو معلوم ہوگا کہ وہ مسلمان ہے یا کافر!

—— آخر کدھر جا رہی ہے یہ ہماری سیاست! ...... نکاح کے بعد اور بھی بہت سے اعمال ہیں، جنکے متعلق صداقت ناموں کی ضرورت ہوگی! کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ لیڈروں کے لیے ایک دارالافتاء قائم کر دیا جائے جو چند سوالات کا جواب دینے کے بعد ہر نا اہل کو لیڈری کرنے کا اجازت نامہ دیا کرے!—— آخر کسی نے کبھی سوچا بھی کہ یہ بات کہاں سے کہاں پہنچے گی!!"

نکاح اور اسکے متعلقات پر تبصرہ دراصل زبان کا حق بھی قاضی صاحب کے اخبار سے زیادہ کس کو پہنچ سکتا ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

محقق الدین صاحب (مالدہ)

حدیث لولاک لما خلقت الافلاک کے موضوع ہونے کی تردید میں آپ نے انگریزی کے لکھے ہوئے بائبل کے حوالے (پیدائش ۲۹: ۲۰، دانیال ۵: ۲۴، حبقوق ۳: ۳) موصول ہوئے۔ لیکن حدیث کی صحت و عدم صحت پر گفتگو صرف فن حدیث و رجال کی رو سے ہو سکتی ہے، نہ کہ بائبل کی کسی عبارت سے۔

خلاصۂ مراسلات

آفتاب الدین احمد صاحب ایڈیٹر اسلامک ریویو (لندن)، عزیز منزل، لاہور سے ایک انگریزی تحریر میں لکھتے ہیں، کہ گاندھی جینتی کے موقع پر امام مسجد ووکنگ کی زبان سے گاندھی سے متعلق مدح سرائی کی جو اطلاع رپورٹر نے دی ہے، اول تو وہ روایت ہی ابھی تحقیق طلب ہے۔ اور اگر ثابت ہو بھی جائے تو ہم لوگ (یعنی ووکنگ مشن کے کارکن) ان خیالات سے اپنی بالکل بے تعلقی کا اعلان کرتے ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

الفاظ میں کوئی کہنا چاہے تو کہہ سکتا ہے کہ عقلی دلائل میں جاہلیت عرب کے استدلال کی حیثیت گویا مسلّم ہو چکی تھی لے دے کر بات صرف اتنی رہ گئی تھی کہ مذہب جو اس میدان میں چت ہو چکا ہے اس کی طرف سے کوئی معقول "معذرت نامہ" دنیا میں پیش ہو سکتا ہے یا نہیں! یا ایسی کوئی صورت کیا نکالی جا سکتی ہے کہ "سود" کے مسئلہ میں عقل و علم سے مصالحت ہو جائے۔ اب تک اس سلسلہ میں جو کیا جا چکا تھا اس کا خلاصہ یہی ہے۔

میں یہ نہیں کہتا کہ معاشیات کی خالص عقلی و فنی کتابوں میں بحث کرنے والوں نے صرف سود کے جواز ہی پر زور دیا ہے یقیناً بحث کرنے والے اس دائرہ میں مختلف باتیں کہہ رہے تھے۔ بلکہ کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی ممالک میں مغربی تمدن کے استیلاء کے بعد خود ان ممالک میں مسلمان علماء یا دوسروں نے جو کچھ لکھا تھا اس کا خلاصہ وہی تھا جو میں نے بیان کیا۔

لیکن ۱۳۶۳ھ کا سن یہ پہلا سن ہے اور جامعہ عثمانیہ اسلامی ممالک کا پہلا "سود" پر ایک مستقل مقالہ محض فنی اور عقلی نقطۂ نظر سے پیش کیا جا رہا ہے اور یہ وہی مقالہ ہے جس کا تعارف ان الفاظ سے فقیر کرا رہا ہے' یہ ہمارے محترم دوست ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے' پی ایچ ڈی' استاد معاشیات جامعہ عثمانیہ کے قلم کا کارنامہ ہے۔'

لیکن میں بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ ششدر و حیران ہو کر رہ گیا جب ڈاکٹر صاحب کے بیان سے یہ معلوم ہوا کہ "جواز سود" کے مسئلہ کا غیر مشتبہ ہونا تو خیر دور کی بات ہے۔ ماہرین معاشیات اب تک صحیح طور پر اس کے پتہ چلانے میں کامیاب نہیں ہوئے ہیں کہ "سود" کے "جواز" کی معقول وجہ بھی ہے یا نہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے ارباب فن کی ان فکری قلابازیوں کا تماشا دکھایا ہے جن میں مسلسل یہ الٹ پلٹ رہے ہیں اور یہ ابتدائی سوال کہ "سود کی آمدنی لینے کا سود خوار کو اگر حقدار قرار دیا جائے تو کیوں دیا جائے؟" اس ابتدائی سوال کے جواب میں ان کی سراسیمگیاں کسی آخری نتیجہ تک نہیں پہنچی ہیں۔ کیسی عجیب بات ہے سود حرام کیوں ہو؟ سمجھا یہ گیا تھا کہ اس سوال کا جواب مشکل ہے لیکن ورنہ سود کا جواز تو گویا ایک بدیہی مسئلہ ہے لیکن ڈاکٹر انور اقبال قریشی صاحب کے اس مقالہ سے معلوم ہوا کہ

سود جائز کیوں ہو؟

اس کا کوئی عقلی اور فنی جواب تلاش کرنے والوں کو اب تک نہیں مل سکا ہے کوئی ایسی مشخص و متعین چیز لوگوں کی گرفت میں نہیں آ رہی ہے جسے "سود" کا واقعی معاوضہ قرار دیا جا سکتا ہو۔ بحث کرنے والوں نے انتہائی [illegible] سعیوں سے کام لے کر ڈھونڈنے کی کوششوں کو ختم کر دینے کے بعد جس زمانہ میں آکر جو چیز معاوضہ کے اس سوال کے جواب کے طور پر پیش کی ہے، اس کی رد و قدح کے بعد فن کے ماہرین نے اس کو مسترد کر دیا ہے۔ تدریجی طور پر ٹٹول کی اس مہم نے جو منازل و مراحل اب تک طے کیے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے عام فہم سمجھے والے الفاظ میں ان کا تماشا پیش کیا ہے اور معاوضہ ہی نہیں اس سے بھی زیادہ دشوار جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے تعیین معاوضہ کا سوال ہے یعنی شرح سود کی کمی و بیشی تعیین میں کس معاوضہ کی کمی و بیشی کا خیال کیا جائے۔ یہ مسئلہ تو گویا جذر اصم کی صورت رکھتا ہے۔

اسی سلسلہ میں ڈاکٹر صاحب نے ان [illegible] خیالیوں کی طرف بیچ بیچ میں اشارہ فرمایا ہے جن کا اظہار بعض اسلامی علماء کی جانب سے اس مسئلہ میں پہلے بھی کچھ کیا گیا ہے اور آج بھی ہنس کی چال چلنے کے شوق میں بعضوں کی طرف سے اس تماشہ کا اعادہ کیا جا رہا ہے۔ اس منطقی مغالطہ کی بھی بحیثیت ایک ماہر فن کے انہوں نے قلعی کھول دی ہے جو سود کے جواز کی کوشش لفظ [illegible] کے نقاب کو اوڑھ کر کرنے والے کر رہے ہیں۔ یعنی "بینک" کے اضافہ سے چاہتے ہیں کہ وہ سود کو سود ہونے کے دائرہ سے خارج کریں۔ انہوں نے عقلی مباحث کے ساتھ درمیان میں اسلامی مستندات کے ان وثائق کو بھی موقع موقع سے اپنے اس مقالے میں درج کیا ہے جو اس مسئلہ کے متعلق قرآن و حدیث وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔

"سودی کاروبار" کی قطعی ممانعت کے بعد بھی دنیا کے تمام معاشی معاملات بہ احسن وجوہ بہترین نتائج کے ساتھ جاری رہ سکتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اس کے امکانات بھی دکھلائے ہیں، اور بتایا ہے کہ اسلام کا "معاشی نظام" اس کے لیے قطعی طور پر ہر لحاظ سے کافی و وافی ہے۔ بہرحال مضامین کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ تو اصل مقالہ کے پڑھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔ میں آخر میں اسلام کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا شکریہ پیش کرتا ہوں۔

ایک مسلمہ پر اتہام

لاہور، ۲۱ اپریل ۱۹۱۸ء [illegible] کے اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ کے چوتھے صفحہ کے چوتھے کالم میں "قبول اسلام" کے عنوان سے مندرجہ ذیل خبر شائع ہوئی تھی جو بغیر کسی تبصرہ کے پیش ہے۔ مقتدر اور نامی ہیرو سر ڈنشا پٹیٹ کی اکلوتی بیٹی مس رتی بائی نے کل اسلام قبول کر لیا تھا۔ آج اسلامی شریعت کے مطابق ان کی شادی مسٹر جناح کے ساتھ ہو رہی ہے۔ (انقلاب)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق لکھنؤ سے شائع کیا)

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچا مانا، وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی
بیرون ہند
قیمت فی پرچہ
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴۵ یوم شنبہ ۱۲- ذیقعدہ سنہ ۱۹۴۵ء مطابق ۲۰- اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء جلد ۱۱

سچی باتیں

بات بہت پرانی نہیں، ابھی کچھ ہی دن کی ہے۔ ایک صاحب الہ آباد جاکر ایک بڑے معزز، اپنے مرتبہ میں کہیں بڑے میزبان کے ہاں آکر ٹھہرتے ہیں۔ ساتھ میں ایک ملازم بھی ہے۔ معزز میزبان کی دعوت شب میں کہیں باہر ہے۔ مہمان کھانے وغیرہ سے فراغت پاکر سونے لیٹ جاتے ہیں۔ میزبان صاحب اردو بجے شب کے بعد واپس آتے ہیں۔ موٹر کی آواز سے مہمان کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ کیا دیکھتے ہیں، کہ میزبان صاحب وہی ڈنر سوٹ پورا پہنے، اپنے ہاتھ میں ایک سینی لیے کوٹھی سے شاگرد پیشہ ملازمین کے مکانات کی طرف جا رہے ہیں! —— صبح سویرے کھوج لگانے پر معلوم ہوا کہ میزبان نے موٹر سے اترتے ہی دریافت کیا کہ مہمانوں کی مدارات میں کوئی کوتاہی تو نہیں رہ گئی، جواب ملا، کہ مہمان صاحب کا نوکر شہر چلا گیا تھا، اس لیے اسکا کھانا نہیں جا سکا۔ میزبان نے یہ سنتے ہی کھانے کی سینی اٹھالی، اور لوگوں کے ہاں ہاں کرنے پر یہ کہتے ہوئے چلے گئے کہ نوکر دن بھر کے تھکے ہیں، یہ وقت انکے سونے کا ہے۔ یہ کام مجھے خود کرنا چاہیے۔ میرے مہمان محض وہ مہمان صاحب ہی نہیں، انکے ملازمین بھی میرے مہمان ہیں!

حکایت تمام ہوا چاہتی ہے۔ صرف اتنا کہنا باقی رہ گیا، اور یہی حکایت کا اصل مغز ہے کہ میزبان کی بیان ہے، کہ یہ رات کو ۱۲ بجے کے بعد اپنے ہاتھ سے دوسرے کا کھانا ایک معمولی خدمتگار کے لیے لے جانے والے، کوئی درویش خرقہ پوش کوئی ذاکر و شاغل کے حلقوں میں بیٹھنے والا اہل طریق نہیں، بلکہ منڈی ہوئی داڑھی رکھنے والے، سوٹ پہنا کرنے والے، نہ روزے کے پابند والے، انگریزی یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریاں، اور سرکار انگریزی سے "سر" کا خطاب رکھنے والے، الہ آباد ہائیکورٹ کے جج ہی نہیں، نامور چیف جسٹس سر شاہ سلیمان، بیرسٹر اور ایل ایل ڈی تھے! —— سچ کہا جس نے کہا کہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست — اصل طریقت مخلوق خدا کی خدمت،
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست — کا نام ہے، ہاتھ میں تسبیح لے لینے سجادہ پر بیٹھ جانے، اور گدڑی پہن لینے کا نام نہیں!

—— اور یہ بھی سچ کہا جس نے کہا، کہ حقیر اور حقارت سے دیکھے جانے کے قابل کوئی ادنیٰ مسلمان بھی نہیں۔

تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد؟

مسلم بزرگوں اور مشائخ درویشوں کا ذکر نہیں، ٹھیٹھ "دنیاداروں" میں بھی کیسے کیسے اہل دل نکل آتے ہیں! —— اللہ کی رحمتوں کو کھینچنے اور حاصل کرنے کے طریقے بے شمار ہیں۔

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں!

کام کی رفتار

پانچواں پارہ اردو کی نظر ثانی بحمد اللہ ختم ہو گئی۔ اب بڑا مرحلہ ان پاروں کے مسودے کی صاف کاپیاں جو پریس میں جانے کے قابل ہو - جو کاتب اعلیٰ پیشہ ور خوشنویس ہیں، انکی اجرتیں بہت زائد ہیں - اور جو معمولی صاف نویس ہیں انکی

اجرتیں اگرچہ ہلکی ہیں، لیکن خود انکا دستیاب ہونا آسان نہیں۔ بہرحال کسی نہ کسی طرح کام انھیں لوگوں سے چلایا جارہا ہے گو قدرۃً اس میں وقت بہت ہی زائد صرف ہورہا ہے۔ چھٹے پارہ کی نظرثانی کا مزید کام ابھی چند ہفتوں کے طویل وقفہ کے بعد ہی شروع ہوسکیگا۔

انگریزی پارۂ دوم کے شایع ہوجانے کا وعدہ تاج کمپنی (لاہور) کی طرف سے اسی مہینے کے اندر ہے۔

اس ماہ میں یہ امداد رقم ذیل قبول کی گئی۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ء ایک مخلص (از پشاور) ۔۔۔ (۵۶ ویں قسط)

"صاحب" کی عدالت

لندن ۱۲۔ اکتوبر۔ موسیو لاول (LAVAL) سابق وزیراعظم فرانس پر غداری کے الزام میں جو مقدمہ چل رہا ہے، اُس کی کارروائی نے فرانس کے پریس کو سخت بیزار کر رکھا ہے۔ عدالتوں کا جو طرزِ عمل صبح ارسنیچر وغیرہ دن رہا، اس پر تمام اخبارات میں خوب لعن طعن ہوئی ہے۔ سنیچر کو تو حاکم عدالت غصہ میں آکر بالکل ہی آپے سے باہر ہوگئے، اور مجرم کو بار بار "سور" کہکر پکارا!... اہل جوری نے چلا کر کہا، کہ "تیری کھوپڑی اس لائق ہے کہ اس میں بارہ گولیاں پیوست کی جائیں" (رائٹر)

یہ منظر بیسویں صدی کی ایک بڑی مہذب قوم فرنچ کی ایک اونچی عدالت کا ہے! کہ حاکم عدالت غصہ سے بیخود ہوئے جاتے ہیں، اور زبان پر بےتکلف گالیوں کے الفاظ چلے آرہے ہیں۔ اور جوری صاحبان ہیں کہ بدزبانی میں شاید جج صاحب سے بھی کچھ آگے بڑھے ہوئے ہیں!

یہ منظر "صاحب" کی عدالت کا تھا۔ آپ کی لائبریریوں میں بھی شاید کچھ پرانی "ملانی" کتابیں نکل آئیں۔ عجب نہیں کہ انھیں کتابوں میں "آداب القضاۃ" کے تحت میں یہ ہدایت بھی نظر آجائے، کہ

حاکم پر لازم ہے کہ مقدمہ سننے وقت وہ غصہ میں نہ ہو۔	مہا ان لایکون غضبان وقت القضاء

عرب کے خلیفۂ راشد فاروق اعظمؓ بھی کچھ ایسا ہی فرما گئے ہیں کہ

قاضی کو تصفیات کے وقت غصہ سے احتیاط لازم	ایاک و الغضب

۔۔۔ وہ کیوں نہ کہتے، جبکہ اُنکے آقا و سردار کا یہ ارشاد موجود تھا، کہ

کوئی حاکم وقت غصہ کی حالت میں دو شخصوں کے درمیان فیصلہ نہ کرے۔	لا یقضین الحکم بین اثنین وھو غضبان۔

سائنس کا معجزہ

لندن ۳۰۔ ستمبر۔ کیمبرج کے پروفیسر اسی، ٹی، ویڈرن کے زیر صدارت، ماہرین سائنس کی کمیٹی ایک ایسے آلہ کی ایجاد میں مصروف ہے، جو اندھوں کو یہ بتا دیگا کہ وہ دیکھ کیا رہے ہیں اور چیونٹیاں انہیں ستا رہی ہیں! کمیٹی کے ایک ممبر ڈاکٹر کلفرڈ پٹرسن نے ایک جانچ میں بتایا ہے کہ برقی قوت کی مدد سے مطبوعہ عبارت کو راگ کی آوازوں میں تبدیل کردینا بھی ممکن ہوجائیگا۔ (گلوب)

خدا کرے یہ ایجادیں جلد سے جلد پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیں، اور کاغذ کی چھپی ہوئی کتابیں اسی عالم آب و گل میں، مادی مصنوعی "آنکھوں" تو بولنے لگیں، تا کہ اُس وقت "روشن خیالی" کی خدمت میں یہ سوال عرض کیا جاسکے، کہ فرمائیے، اب بھی آخرت میں جلد انسانی کا بولنے لگنا، "ناممکن" "محال" "خلاف قانون قدرت" بلکہ محض "مستبعد" بھی باقی رہا؟

ٹرکی کے بعد ایران

ڈان (دہلی) ۲۰۔ اکتوبر پارشد ممتاز صاحب کے قلم سے جدید ایرانی شاعری پر ایک طویل مقالہ ہے:۔

"نئی قومی تحریک نے جو سارے ملک پر چھاگئی، ہراس چیز سے بغاوت شروع کردی، جو قومی خودداری کے منافی سمجھی گئی۔ چنانچہ زبان پر عربی کا جو اثر و تسلط تھا، اُسکے خلاف علم بغاوت پوری طرح بلند کیا گیا، اور باقاعدہ منظم انجمنیں اور مجلسیں قائم کرکے زبان سے عربی الفاظ اور ادب سے عربی تلمیحات چُن چُن کر علٰحدہ کردیے گئے۔ ایک ادبی اکاڈمی فرہنگستان کے نام سے قائم ہوئی۔ اور جہاں عرب کے بہت سے الفاظ کا ذخیرہ خارج کیا گیا، وہاں عربی لفظوں اور محاوروں کے بجائے قدیم قبل اسلام والی زبان پہلوی کے الفاظ مروج کیے گئے۔ اور اب تلمیحات ادبی بجائے قیس و لیلیٰ کے بیژن اور منیژہ کی نظر آنے لگی ہیں۔۔۔

یورپ اور ایشیا کے دوسرے ملکوں کی طرح ایران سے بھی اب مذہب کا خیال منتقل ہوگیا ہے، اور اسکی جگہ نسلی تخیل نے لے لی ہے۔ اور اب فخر کا سرچشمہ زردشت کی ذات قرار پاگیا ہے۔ ہر قسم کی برکت اُسی کے نام سے حاصل کی جاتی ہے، اور اُسی سے استمداد و استعانت کی جاتی ہے۔ چنانچہ عشقی ہمدانی کے آپیرا میں مناجات بھی زردشت ہی کے نام ہے۔ پوردادود، عارف قزوینی اور شاعر اعظم بہار کے کلام میں برابر حوالے اب قبل اسلام والے معبودوں اور دیوتاؤں کے کثرت سے آنے لگے ہیں"۔ (خلاصہ)

ایران جدید سے متعلق یہ خبریں نئی اور انوکھی نہیں۔ ٹرکی کے بعد ایران کے بارے میں بھی اسی نوعیت کی اطلاعیں برابر آرہی ہیں۔ بہرحال ایران جدید کی یہ تصویر اگر صحیح ہے (اور صحیح کیوں نہ ہوگی) تو کس درجہ افسوسناک اور یاس انگیز ہے! — کاش ایران ہمیشہ شیعہ ہی رہتا۔ غالی سا غالی شیعہ ہوجاتا۔ لیکن اس کو بہت الحاد و ارتداد کی لعنتوں سے تو محفوظ رہتا! ہمارے قبلہ کا، ہمارے کلمہ کا، ہماری توحید و رسالت کا تو قائل رہتا! بدعت بڑی سے بڑی اور قبیح سے قبیح ہو، جب بھی شرک و الحاد سے اسکا کیا مقابلہ!

رسالہ "نگار" اور دکن

صدر مجلس علماء دکن کے ایک تار:

اجلاس کی تجویز:۔ "رسالہ نگار کی روز افزوں بیہودہ گوئی اور بدبار کی و بےتکلفی کے باعث ضروری ہے کہ اُسکا داخلہ ممالک محروسہ میں

نئی کتابیں

(۱) حضرت مولانا محمد الیاسؒ اور انکی دینی دعوت۔
از مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ضخامت ۲۸۰ صفحات قیمت [illegible]
پتہ: کتب خانہ الفرقان بریلی
بریلی کے مذہبی ماہنامہ الفرقان کی اشاعت خاص ہے جسے کتابی شکل میں شائع کیا گیا ہے

حضرت مولانا محمد الیاسؒ ابھی تھوڑے ہی دن کی بات ہے کہ ہمارے درمیان موجود تھے آپکی تحریک دیکھتے ہی دیکھتے شروع ہوئی اور آپکے اخلاص نیت کی برکت سے پھلی پھولی۔ بعض بعض علاقوں (میوات وغیرہ میں) تو ایسا انقلاب اس تحریک کی بدولت جاہل و دین سے بے بہرہ مسلمانوں میں ہوا کہ عرب کا وہ نقشہ جو قرون اسلام سے بعید ہو گیا تھا اُس کی ایک ہلکی سی جھلک نگاہوں کے سامنے آگئی۔

اس کتاب میں مولانا ابوالحسن علی ندوی نے (جو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کی زندگی ہی میں انکی اس تحریک کی ترجمانی بذریعہ تحریر و تقریر کر چکے تھے) اس تحریک کی مفصل تشریح اسکے آغاز کی تاریخ طریق کار اور اسکے نتائج محمودہ کو دلنشیں انداز میں بیان فرمایا ہے۔ کتاب آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ آٹھواں باب اس تحریک کی توضیح پر مشتمل ہے۔ بقیہ ابواب میں حضرت مولاناؒ کی سوانح، مجاہدات، اخلاق وغیرہ کا ذکر ہے، مگر یہ ابواب بھی قدم قدم پر انکی تحریک کی تشریح کرتے جاتے ہیں۔ مولانا کی زندگی تو اس تحریک کے لیے وقف ہو ہی گئی تھی، انکا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، سیر و سفر سب اس تحریک کے لیے تھا۔ حتیٰ کہ بستر علالت پر اور انتہائی اشتداد مرض تک انقطاع روح سے قبل بھی اسی کام کی دھن سوار رہی، اس لیے یہ ابواب بھی تمام تر اس تحریک ہی کی ترجمانی کر رہے ہیں۔

کتاب کا مطالعہ سب مسلمانوں کے لیے نافع ہے، لیکن اس عموم میں خصوص علماء امت اور طلبہ مدارس دینیہ (جو آگے چل کر مقتدائے قوم بننے والے ہیں) کو ہے۔ اور خود بانی تحریک کے پیش نظر زیادہ یہی دو گروہ تھے، جیسا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ حضرات جو وقت کی دیگر سیاسی تحریکات میں شامل ہیں جن سے دینی نفع کا تو ذکر ہی کیا، خود دنیا ہی میں امت و ملت کی فلاح کی کوئی سبیل اب تک نہیں نکلی اور نہ آیندہ نکلنے کی امید ہے، اس تحریک میں جو خالص اسلامی، خود عناصر کی آمیزشوں سے پاک اور خیر القرون کے نقش قدم کی حیثیت رکھتی ہے، شامل ہو کر قلیل وقت میں مسلمانوں کی زندگی کا کایا پلٹ کر سکتے ہیں۔

یوں تو مولانا مرحوم کے ملفوظات و ارشادات سب ہی آب زر سے لکھے جانے کے لائق اور ہر مسلمان کے لیے باعث رشد و ہدایت ہیں، لیکن شاید دور حاضر کے لیے یہ ارشاد سب سے زیادہ دقیق اور قابل عمل ہو:۔

"کوئی شخص اور کوئی مسلم ایسا ہرگز نہیں کہ کچھ خوبیوں اور کچھ خرابیوں سے خالی ہو۔ ہر شخص میں یقیناً چند خوبیاں اور کچھ خرابیاں ہوتی ہیں۔ اگر یہ خرابیوں کے ساتھ نظرانداز اور درگذر اور ستر (پردہ پوشی) کا اور خوبیوں کی پسندیدگی اور انکے اکرام کا ہم مسلمانوں میں رواج ہو جائے تو بہت سے فتنے اور بہت سی خرابیاں اپنے آپ دنیا سے اُٹھ جائیں۔ اور ہزاروں خوبیوں کی اپنے آپ بنا پڑ جائے۔ گو دستور اسکے خلاف ہے۔ (صفحہ ۲۱۱)

ایک اور جگہ مولانا نے ایک خط میں ارشاد فرمایا ہے:۔
مسلمان کتنے ہی کم درجہ کا ہو عظمت سے اسکی طرف نگاہ کی مشق کرو۔ (صفحہ ۲۰۹)

اسلامی ہند کے زمانہ ماضی کے ایک اولوالعزم مجاہد صاحب تحریک مولانا سید احمد شہیدؒ کی سوانح مبارک پر مولانا ابوالحسن علی صاحب کے قلم سے ایک مستند و محققانہ تالیف نکل چکی تھی۔ یہ انہیں کا حق تھا کہ حال کے ایک بزرگ و صاحب دعوت کے سوانح پر قلم اٹھائیں۔ (ع۔ ق)

(۲) رسول اللہ صلعم — از مولوی محمد ایوب اصلاحی ضخامت ۲۲۸ صفحات قیمت [illegible] پتہ: موتمر المصنفین، کوچہ چیلاں — بیت السعید — دہلی۔

اس رسالہ میں سیرت نبوی کے ضروری واقعات سادہ اور عام فہم انداز میں مختصراً بیان کیے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے کہ سیرت نبوی کے واقعات مسلمانوں کے سامنے باربار اور مختلف راستوں سے پہونچیں، یہ رسالہ مفید کہا جا سکتا ہے۔ لیکن سیرت نبوی پر چھوٹی اور بڑی ہر قسم کی معتبر و مستند کتب کا اتنا بڑا ذخیرہ اردو میں ماشاءاللہ آ چکا ہے کہ جب تک کوئی خاص اور امتیازی بات نہ پیدا کی جائے کسی جدید رسالہ کی تالیف کی ضرورت نہ تھی۔ تقریباً وہی سب چیزیں اس میں بھی ہیں جو اس ضخامت و معیار کی متعدد کتابوں میں درج ہو چکی ہیں۔ (ع۔ ق)

(۳) مقالات گارساں دتاسی (جلد اول) مترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب زیر نظر پروفیسر عزیز احمد صاحب ضخامت ۴۰۶ صفحات قیمت غیر مجلد [illegible] مجلد [illegible]، ملنے کا پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج — دہلی

مشہور فرنچ مستشرق گارساں دتاسی کا نام ادب اردو سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے ایسا نامانوس نہیں رہا ہے۔ انجمن ترقی اردو اسکے مبسوط خطبات کا ترجمہ عرصہ ہوا شائع کر چکی ہے۔ بعض جگہ تو

وہ اُردو کے اعلیٰ امتحانات کے نصاب میں بھی شامل ہے۔ اس کتاب میں اسکے چار سالانہ لکچروں کا (جو ۱۸۵۸ء تا ۱۸۶۱ء) ترجمہ ہے۔ شروع کے تین لکچروں کا ترجمہ ڈاکٹر یوسف حسین خاں صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ حیدرآباد نے اور آخری لکچر کا ترجمہ عزیز احمد صاحب پروفیسر جامعہ مذکور نے فرمایا ہے۔ ترجمہ شگفتہ و سلیس ہے۔ اور کتاب اُردو ادب کے ہر طالب علم کے لیے قابل مطالعہ ہے۔ اس محقق نے ان لکچروں میں تفحص و دیدہ ریزی سے کام لیا ہے اور اُردو کی جملہ مطبوعات سالانہ (بشمول اخبارات و رسائل) کے ذکر کے ساتھ اس زمانہ کی انجمنوں، ادبی تحریکوں اور بعض سیاسی چیزوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ معمولی اور ادنیٰ درجہ کی کتب و رسائل بھی اس جائزہ سے نہیں بچ سکے۔ ایک غیر ملکی کی یہ محنت ہمارے ہم وطنوں کے لیے قابل رشک ہے۔ کاش اسکے اتباع میں ہمارے محقق اہل قلم خصوصاً ریسرچ کے طلبہ اردو میں اور کم از کم اسی نہج پر یا اس سے ترقی یافتہ شکل میں اپنے ملک کا نہ سہی تو کم از کم اپنے اپنے صوبہ کی ترقی اُردو کا جائزہ سال بسال لیکر اسی شکل میں شائع کرتے رہیں۔ گارساں دتاسی کے زمانہ میں اُردو نے ایسی نمایاں ترقی نہ کی تھی، لیکن اب تو ماشاء اللہ وہ بہت آگے بڑھ چکی ہے، اور معلومات فراہم کرنے کے ذرائع بکثرت نکل آئے ہیں۔ اُردو ہندی کا جھگڑا گارساں دتاسی ہی کے سامنے شروع ہو چکا تھا۔ اس محقق نے ہر جگہ اُردو ہی کی تائید کی ہے۔ اسکا ایک اقتباس ملاحظہ ہو

"مختصر یہ کہ اگر صوبجات کی علحدگی کی وجہ سے جو رکاوٹ ہے وہ دُور ہو جائے اور ملک کے مختلف حصوں میں آزادانہ ذرائع آمد و رفت کا رواج ہو جائے تو اُردو ہی جو اسقدر صاف، سادہ، لطیف زبان ہے جو ہر طرح کی بات کو ادا کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے، جو اب بھی حقیقت میں ہندوستان میں ہندوستان کے بہت سے حصوں میں لنگوا فرینکا کا کام دیتی ہے ..... وہ بلاشک ایک ایسی زبان نظر آتی ہے جو جلد یا بدیر ہندوستان کی سب مقامی بولیوں پر سب کی نہیں تو اکثر کی جگہ لے لیگی، اور پورے آریائی ہند کو ایک مشترک اور مہذب بولی عطا کر دیگی" (صفحہ ۳۰۱-۳۰۲)

امید ہے کہ انجمن ان مقالات کی دوسری جلد کا ترجمہ جلد شائع کریگی۔

(ع - ق)

(۴) دُرجِ لُولوئے فصاحت۔ یعنی کلیات منظوم نواب سر محمد مزمل اللہ خاں مرحوم رئیس ضلع علیگڈھ۔ ضخامت ۱۵۶ صفحات بلا قیمت۔ ملنے کا پتہ: محمد مقتدیٰ خاں صاحب شروانی، شروانی پرنٹنگ پریس۔ علیگڈھ

صوبہ کے نامور مخیر رئیس نواب محمد مزمل اللہ خاں مرحوم کے متعلق کم لوگوں کو علم ہوگا کہ وہ شعر بھی کہتے تھے۔ اور وہ بھی زیادہ تر فارسی میں۔ زیر نظر مجموعہ میں انکے کلام کو مولوی مقتدیٰ خاں صاحب شروانی نے ردیف وار مرتب کرا لیا ہے۔ دیوان کے ۱۵۲ صفحات میں فارسی کلام آیا ہے، بقیہ چار صفحوں میں اُردو، چند عربی اشعار اور ایک انگریزی قطعہ ہے۔

فارسی کلام میں تقریباً سب اصناف سخن پر نواب صاحب مرحوم نے طبع آزمائی فرمائی ہے۔ حمد و نعت والہانہ انداز میں ہے۔ اسکے بعد غزلیات، قصائد، رباعیات، قطعات تاریخ، مراثی ہیں۔ انکے مطالعہ سے نواب صاحب کی موزونی طبع اور ہمہ گیری کا پتہ چلتا ہے۔ اگلے مشرقی رئیسوں کی شان یہی تھی کہ وہ علمی و ادبی مشاغل بھی برابر جاری رکھتے تھے۔

[ناشر نے اطلاع دی ہے کہ یہ کتاب مثل تحفۃ المسلمین کے جس پر ریویو ایک پچھلے نمبر میں نکل چکا ہے، بلا قیمت ملیگی!] (ع - ق)

ذاتیات و سیاسیات

"آجکل بعض معاصرین کے صفحات اس بحث سے رنگے جا رہے ہیں کہ آیا قائد اعظم کا نکاح اسلامی طریقہ سے ہوا تھا یا سول میرج ایکٹ کے ذریعہ سے۔ ایک طرف سے قائد اعظم کی تنقیص کے لیے یہ دعوے پیش کیا جا رہا ہے کہ وہ ایک غیر اسلامی طریقہ کے مرتکب ہوئے لہذا ملت اسلامی کے قائد اور رہنما تسلیم نہیں کیے جا سکتے۔ اور دوسری طرف سے اس الزام کا رد ایک کانگریسی تک کے اندراج کا سہارا لیا جا رہا ہے ..... اسلام کی تاریخ جب صرف ۴۰ سال کی تھی، اس وقت تو جب پیغمبر اسلام کے بعد قائدین ملت کی شخصی زندگی عوام کے لیے ایک مثال اور دلیل ہوا کرتی تھی۔ اسکے بعد گذشتہ ۱۳ سو برس کے عرصہ میں وہ ۴۰ سال پھر کبھی واپس نہ آئے۔ اگر آج کوئی خالص "حکومت الٰہیہ" پھر قائم ہو جائے تو شاید پھر کسی گوشہ سے یہ دعویٰ کیا جا سکے کہ قومی قیادت کی کسوٹی شخصی رجحان کو ہونا چاہیے، لیکن جب تک "حکومت الٰہیہ" قائم نہیں ہوتی جماعتی اغراض یا ذاتی تعصبات کی بنا پر لیڈروں کی شخصی زندگی کو قومی سیاست میں گھسیٹ کر لانا حماقت اور بیہودگی کے سوا کچھ بھی نہیں! یہ کیا انصاف ہے کہ زندگی کی تمام قومی خدمات پر اسکی بعض شخصی لغزشوں کی وجہ سے خاک ڈالی جائے۔ اور صرف جماعتی تعصبات کے تحت اس قسم کے اخباری مباحث سے سیاسی مسائل میں انتشار پیدا کیا جائے؟ ہمارے ملک کی بدقسمتی ہے کہ سیاست پر اوسکے مذہبی تعصبات حاوی ہو گئے ہیں اور اب یہ صرف مسلم و غیر مسلم ہی کا سوال نہیں بلکہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں بھی فریقین کے ذہنیت کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم کسی لیڈر کے خیالات سے متفق نہیں ہیں تو ہمارا پہلا کام یہ ہے کہ اس بات کا پتہ چلائیں کہ اس شخص نے نکاح اسلامی طریقہ کے مطابق کیا تھا یا نہیں! .....

چوروں کی طرح لوگوں کے گھروں کے اندر جھانکنے کا جو شیوہ ہماری صحافت نے اختیار کیا ہے اسکے لیے ہرگز قابل فخر نہیں ہو سکتا .... (پیام)

ٹسڈل کے بے دلیل دعوے

اور اُنکا مدلل جواب

(از مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب استاد دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

(۴)

البتہ اسرائیلی روایات جو کتب مقدسہ مثلاً توراۃ و انجیل وغیرہ میں درج ہیں اُنکا درجہ قریب قریب وہی ہے جو کتب تاریخ میں درج شدہ واقعات کا۔ یعنی چونکہ ان کتب میں تحریف ہو چکی ہے اور ان کا کوئی سلسلۂ سند موجود نہیں ہے نہ اسکے رواۃ کے ذوات و صفات کا کوئی علم ہے۔ اس لیے اُن روایتوں میں جو اسلامی اصول درایت پر پوری اترتی ہیں وہ درجۂ ظن میں بلکہ اس سے بھی کم درجہ میں قابلِ قبول ہیں اور جو ایسی نہیں ہیں وہ قابلِ رد ہیں۔ لیکن اگر مشہور عام روایات اور ان روایات میں تعارض ہو تو کسی ایک کو ترجیح قرائن کی بنا پر حاصل ہوتی ہے ورنہ مشکوک ہوتے ہیں۔ تو دونوں کا درجہ یکساں ہے۔ اس لیے کہ سلسلۂ سند مفقود ہونے کی حیثیت سے دونوں یکساں ہیں

(۴) جہاں قرآنی بیان اور اسرائیلی بیان میں تعارض ہو وہاں قرآنی بیان کو قطعی طور پر ترجیح حاصل ہے۔ یہ ترجیح اسلامی نقطۂ نظر سے بھی ہے اور عقلاً و اصولاً بھی اس لیے کہ قرآن مجید کے متعلق مخالفین کا بھی اقرار ہے کہ وہ تحریف سے محفوظ ہے۔ اور اسرائیلیات محرف ہیں۔ نیز اسکے بیان کردہ قصوں کی تردید اسرائیل کی جانب سے ثابت نہیں۔ حالانکہ اسکا خود دعویٰ ہے۔ ان ہذا القرآن یقص علی بنی اسرائیل اکثر الذی ہم فیہ یختلفون (نمل) اور اس دعوے کی تردید بھی منقول نہیں ہے۔

قصہ قابیل و ہابیل

اس قصہ کے متعلق ڈاکٹر صاحب نے خود اقرار فرمایا ہے کہ "تاریخ" کی روایت میں اور قرآنی بیان میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ اگر مماثلت بھی ہوتی تو اس سے ڈاکٹر صاحب کا مقصد ہرگز نہیں پورا ہو سکتا تھا جیسا کہ ہم اس بحث کی ابتدا میں پہلے اصول میں واضح کر چکے ہیں، تاہم ڈاکٹر صاحب کو اعتراض کرنا ضروری تھا، اس لیے آپ نے "فرر" کی روایت کو اسکا ماخذ قرار دیدیا۔ لیکن اس اخذ کی دلیل کیا ہے؟ اسکا کوئی جواب ڈاکٹر صاحب کے پاس نہیں ہے۔ مزید لطف یہ ہے کہ قرآنی بیان اس روایت سے بھی بالکل مختلف ہے۔ ربی مذکور کی روایت میں ہے کہ کوّے نے حضرت آدم علیہ السلام کو دفن کا فن سکھایا اور قرآن مجید کہتا ہے کہ اس نے قابیل کو سکھایا۔ پھر بھی ثانی کو اول سے ماخوذ کہنا ڈاکٹر صاحب ہی کے ایسے دلیر انسانوں کا کام ہو سکتا ہے۔ موصوف اگر غور فرماتے تو انکو معلوم ہوتا کہ

اس اختلاف کی وجہ سے جو موصوف کو بہت معمولی معلوم ہوتا ہے روح قصہ میں کسقدر عظیم الشان فرق ہو گیا۔ قرآنی بیان کی روح تو یہ ہے کہ قابیل کوے کے اس فعل کو دیکھکر اپنے گناہ کی خاصیت کا ادراک کرتا ہے یعنی اسکو مشاہدہ ہوتا ہے کہ اس گناہ نے اسکے ذہنی قوتوں کو مضمحل کر دیا ہے۔ اور اسکے فہم عمومی کو بھی اس سے چھین لیا ہے۔ اس پیرایہ میں قرآن مجید گناہوں کی اس خاصیت کا بیان بھی کرتا ہے کہ انکا اثر کم و بیش اور مختلف صورتوں میں عقل و فہم پر بھی پڑتا ہے۔ یہاں تک کہ انسانی فہم کو حیوانی فہم سے بھی نیچے گرا دیتا ہے۔ دوسری چیز جو قرآنی قصہ سے سمجھ میں آتی ہے یہ ہے کہ انسانی فہم جب شرعی مناہج کو چھوڑ دیتی ہے اور وحی کے مقرر کیے ہوئے راستوں سے منہ موڑ لیتی ہے تو اسکو محض طبعی مناہج پر چلنا پڑتا ہے۔ اور اس حالت پر پہنچکر اشرف المخلوقات اسقدر ذلیل ہوتا ہے کہ اسکو حیوانات کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنا پڑتا ہے۔

اسرائیلی قصہ میں قرآنی قصہ کی اس روح کا نام و نشان بھی نہیں ملتا ہے۔ بلکہ اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ انسان نے اپنی معاشرتی اعمال و حرکات کو حیوانات سے سیکھا ہے۔ یہ بات نہ صرف غیر اہم ہے بلکہ کلیہ کی حیثیت سے مہمل اور غلط بھی ہے۔ اس خیال کی سرحد اگر غور سے دیکھو تو ڈارون کے لغو و لایعنی نظریۂ ارتقا سے ملی ہوئی نظر آئیگی۔ جو ان سب ادیان کے نزدیک واجب الرد ہے جو اپنے مذہب کو الہامی کہتے ہیں۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ ربی کی غلط روایت یا جو اسرائیلی روایات اس بارے میں مشہور تھیں قرآن مجید نے انکی غلطی کو واضح فرما کر صحیح واقعہ بیان فرمایا ہے۔ مگر ڈاکٹر صاحب کو یہ تردید و تصحیح اخذ و استنباط نظر آتی ہے۔ سچ ہے ع

ہنر بچشم عداوت بزرگتر عیب است

اس آیت کا ربط ماقبل و مابعد کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی سمجھ میں نہیں آتا ہے۔ موصوف کے اس اقرار نافہمی پر ہنسی بھی آتی ہے۔ سوا اسکے کیا کہیں کہ ع

سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست

بہرحال ہمارا مشورہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کسی معمولی عربی کے طالبعلم قرآن مجید کے اس مقام کو پڑھ لیں یا اگر دیکھ سکتے ہوں تو کوئی معمولی سی تفسیر دیکھ لیں تو انکی مشکل حل ہو جائیگی۔

تفسیر نادرہ میں موسیٰ کی عبارت نقل فرما کر ڈاکٹر صاحب بہت مسرور ہوئے کہ گویا قرآن مجید کا یہ مضمون اس میں مل گیا اس لیے یہ اسی سے ماخوذ ہے۔ اس لغو بات کا جواب تو گذشتہ صفحات میں بار بار دیا جا چکا ہے اور بتایا جا چکا ہے کہ کسی مضمون کا اشتراک اخذ کی دلیل نہیں ہے۔

اب اسکے اعادے کی حاجت نہیں ہے مگر یہاں یہ بات عرض کر دینا

مشیت و رضا

(از جناب ابو احمد غلام دستگیر صاحب گلبرگہ۔ دکن)

انسانی مادی ضروریات، دماغی لایعنی افکار اور دلی اضطراب کی پیدائش اس لیے ہوتی ہے کہ شعور و فکر کی قوتیں بیدار ہوں اور انسان حقیقت و معرفت کی جانب قدم بڑھائے۔ تکالیف و مصائب اور افکار کی یورش اس لیے ہوتی رہتی ہے کہ ان سے نجات کی کوشش کرتے ہوئے انسان اچھی طرح جان لے کہ مادی ذرائع کس حد تک اسکی عقدہ کشائی کرتے ہیں۔ مطلق مادی ذرائع کی کثرت ذرہ [illegible] کے لیے مصائب و آلام کے نئے نئے میدانوں کا انکشاف کرتی جا رہی ہے اور یہ سب کچھ اس لیے ہوتا رہا ہے کہ پھر اس دور کا اعادہ ہو کہ بندہ صرف ایک ہی ہستی کی جانب اپنی پوری توانائیوں کے ساتھ رجوع ہو جائیں۔ دماغی غلجان اور دلی اضطراب، دنو۔ پیچیدہ مسائل کہنے کا نام ہے۔ دماغی غلجان اور اضطراب نہیں جب تک سلسل ایک ہی ایک پیش نظر دل کی احتیاج اور اسکی پیاس اسوقت تک نہیں بجھتی جب تک کہ دل کی بے پناہ وسعتوں کو ربانی تجلیات نے نور و معمور نہ کر دیں۔

وہ جو اللہ کی طرف رجوع ہوتا ہے اور اُسی سے استعانت طلب کرتا ہے اُسکو اسکی قدرتوں کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اپنی احتیاج اسکی عطا، اپنی بیکسی و بےبسی اور اُسکی قدرت و طاقت، اپنی موت و فنائیت، اُسکی حیات و بقا، اپنا جہل، نادانی و ظلم، اسکا علم، حکمت اور عدل اُس پر روشن ہوتے ہیں۔ یہی آب و گل سے آگے عالم، حکمت اور عدل اُس پر روشن ہوتے ہیں۔ یہی آب و گل سے آگے عالم بالا کا پاتا ہے۔ اسی سے دماغ کا غلجان، دل کا اضطراب دور ہوتا ہے۔ وہ جو اسکی جانب رجوع نہیں ہوتا اور نہ ہی استعانت طلب نہیں کرتا۔ اسکو صفات و تجلیات کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ وہ صرف نفسانی خواہشات کی ہنگامہ آرائی کو دیکھتا ہے۔ اس لیے اسکو اپنی ہستی چند روزہ فانی نظر آنے لگتی ہے۔ اُسکو بقا اور حیات دوام سے محرومی ہو جاتی ہے۔ ازلی و ابدی نعمتوں اور ہزارہا عالم کی سیر سے محروم رہ جاتا ہے کیا ہی بدنصیبی ہے اور کیا ہی حسرت و الم!

جبر و اختیار، مشیت و رضا، خیر و شر، جزا و سزا، فنا و بقا، اسی قسم کے منطقی سوالات ہیں، جنکے حل کرنے کے لیے ہر دل انسانی کو مضطر رکھا جاتا ہے۔ یہ سوالات الست بربکم قالوا بلیٰ کے منطوق و مدلول سے برسر پیکار ہونے کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان سے دلی بے چینی اور اضطراب پیدا ہوا کرتا ہے۔ خود ہی کی غور و فکر اور عجز و دعا کے بغیر کسی بھی دماغ اور ذریع قلب نے الہامی تجلیات کی جانب صدق دل سے رجوع ہوں تو ان جملہ مسائل کی عقدہ کشائی ہوتی ہے اور یہ اللہ ہی کے ذکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ ہدایت متقین کے لیے ہے، صاف و پاک دل، عجز و انکساری سے رجوع ہونے والوں کے لیے ہے۔

مومن کے دماغ میں مشیت کے متعلق غلجان اُسوقت پیدا ہوتا ہے، جب وہ بدی اور اُسکی اخروی سزا پر غور کرتا ہے۔ سزا کے درد و تکلیف سے ڈرتا ہے۔ بدی سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن اطاعت میں تساہل اُس سے سرزد ہو جاتا ہے۔ تو اسکا دل متاسف اور ملول ہوتا ہے۔ وہ توبہ و استغفار کی جانب رجوع کرتا ہے۔ دل میں خشیت اور اللہ کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ بدی اور نیکی کی تمیز اجاگر ہونے لگتی ہے۔ بندہ خدا کی مزید رحمتوں کا مستحق ہونے لگتا ہے۔ شیطان سے بھلا ان رحمتوں کا جوش میں آنا کہاں دیکھا جا سکتا ہے۔ اُسکو اپنے عدول حکم پر اصرار رہے۔ وہاں گناہ کا اقرار کہاں۔ یہ بندہ اپنی غلطی کا اقرار کر رہا ہے۔ اللہ کی رحمتوں کا طلبگار بن رہا ہے۔ ایسے مومن کو شیطان توبہ و استغفار کی نعمتوں سے محروم کرنا چاہتا ہے۔ مشیت کے غلط مفہوم سے گناہ پر اصرار کرانا چاہتا ہے۔ یہ عدو مبین کا ایک فریب ہے۔ مشیت کے اس غلط مفہوم کو دور کرنا ہے تو اللہ ہی کی طرف رجوع ہونا چاہیے۔ اور اُسی سے اس امر کی استطاعت طلب کرنی چاہیے کہ فہم نصیب ہو۔ اور یہی اللہ کا ذکر ہے اور انشاءاللہ اسی تسلسل ذکر، عبادت و استعانت سے دماغ کا غلجان اور قلب کا اضطراب دور ہوگا۔ مشیت و رضا کے فہم کے لیے انسان کی عاجزی اور اسکی رحمتیں درکار ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

مشیت کے متعلق مومن کے دل میں اُسوقت بھی اضطراب پیدا ہوتا ہے جب عذابِ دوزخ کے تصور میں ظلم کا شائبہ پیدا ہو جائے اسکی حکمت اور صفت عدل و رحم کو بندہ فراموش کر جائے اور اپنی اُس استعداد کی نفی کرے جسکا وہ مکلف کیا گیا ہے۔ اور جب وہ اپنے اختیارات کے حدود اور قانون تکوینی کے تحت پیدا ہونے والے واقعات جو تنظیم کائنات کے اپنے مقصد کی طرف رواں میں پیدا ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملا دے۔ قلبی ایمان کے بجائے عقل تجزیہ کرے۔ ولا یکلف اللہ نفسا الا وسعہا سے آگے مکلف نہیں ہے۔ ہر مومن کے دل کی دھڑکنیں اسکی وسعت نفس کا ہر آن پتہ دیتی رہتی ہیں۔ یہ کسی سے دریافت کرنے کا امر نہیں ہے، اپنا آپ محاسب ہے۔ اسکو اس امر کی تعلیم دی گئی ہے کہ وہ خشوع قلب سے ہر معاملہ کے فہم کے لیے اللہ ہی کی جانب رجوع ہو۔ شیطان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے اللہ ہی کی طرف دوڑے اور اسکی پناہ میں آ لے۔ قل اعوذ برب الفلق من شر ما خلق۔ قل اعوذ برب الناس ملک الناس الٰہ الناس۔ اگر قوت کے استقلال کے لیے پیدا لیے آپکو دکھیگا۔

تو نفس کی طرف رجحان ہوگا، اللہ کی استعانت نہ ہوگی، بدی کی تقلید ہوگی، گناہ سے بچنا دشوار و ناممکن ہوگا۔ اسی دیر اور عبادت کی طرف بلایا جا رہا ہے، "الحمد للہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اہدنا الصراط المستقیم"۔

کائنات جس مقصد کے لیے پیدا کی گئی ہے اس کا رخانۂ عالم ایک خاص ترتیب و نظام اور اٹل اصول و قوانین پر چل رہا ہے۔ ابتدائے وجود کے آثار وسیع تر زمان و مکان کے تخلیقی پردوں پر نمایاں کیے گئے۔ موسیقیٔ ان آثار وجود سے حیات، نشو و نما اور حرکت و ارادہ کی تخلیق کی گئی۔ عالم جمادی، نباتی، حیوانی وجود میں آیا۔ انکی تعمیر و تخریب، ترکیب و تحلیل، حیات و موت، ظلمت و نور کی گردشوں سے کسی خالق حقیقی کے وجود کا اظہار کیا گیا۔ کوئی ہوتا جو اظہار جلال و جمال اور قدرتوں و حکمتوں کو دیکھتا اور پیدا شدہ عالم سے اس کا پتہ چلاتا۔ اسی دوسرے مقصد کی تکمیل کے لیے انسان کو پیدا کیا گیا۔ اس کے رحم و کرم، عدل و انصاف اور صفات کی معرفت کے لیے۔ اس انسان کو عقل و ارادہ کے ساتھ قدرت و اختیار کی بخشش ہوئی۔ اب بندوں کی جانب سے شوق و اشتیاق اور خلوص و محبت کی پیشکش ہے۔

قانون تکوینی کے تحت مخلوقات کے دو دائرے قائم ہوتے ہیں۔ ایک تو وہ مخلوق جس سے خدا کے وجود، قدرت و طاقت، حکمت و کبریائی کی جلوہ نمائی ہوتی ہے۔ یہ جلوہ نمائی اس مخلوق کی تسبیح و تحمید ہے۔ یسبح للہ ما فی السموات والارض اور ولیسجد للہ من فی السموات والارض طوعا وکرہا۔ دوسری مخلوق ہے جسکو اس پہلی مخلوق پر شرف حاصل ہے۔ وہ جلوہ نمائی سے آگے جلوہ آرائی کو دیکھنے کی استعداد و صلاحیت رکھتی ہے۔ اس استعداد کے رکھنے والے موتنا انسان کا اسکی طرف آنا ذوق و شوق سے ہو، یہ اس پیدا کرنے والے کی رضا ہے۔ وہ جلوہ آرا ہو اور دیکھ کر ذوق و شوق سے بڑھنے کی استعداد رکھنے والا اسکی جانب نہ بڑھے، یہ اسکے غضب کا باعث ہے۔ اس کی بے نیازی اسکو پسند نہیں کرتی کہ کسی استعداد رکھنے والے کو جبراً بلایا جائے۔ بس یہی وہ اجازت ہے جس سے عالم انسانی میں تمام معصیتی واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ ولکن یضل من یشاء ویہدی من یشاء ولتسئلن عما کنتم تعملون۔ انسان کو استعداد دی گئی ہے اس لیے وہ یہدی من یشاء ہے اور اسی کی جانب اجازت ہے اس لیے یضل من یشاء۔

وہ جو سوال کرتے ہیں کہ کیا اللہ چاہتا تو ہم بدی سے بچ کر نیکی نہ کرتے، دراصل اللہ کی صفت صمدیت و بے نیازی کا شکوہ کرتے ہیں، اور اپنے اختیار و تمیزی کو ناپسند کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ انسانی دنیا کے جذب و شوق اور اشتیاق و محبت کی ہنگامہ آرائی کی تخلیق کی شکایت کرتے ہیں۔ اس طرح کائنات کے ان بلند مقامات کے حصول سے جو حیات، دوام اور ابدی مسرت کے لیے بنائے گئے ہیں اور جو عمل سے آگے صرف جذب و شوق اور محبت ہی سے پیدا ہیں، محروم رہنا چاہتے ہیں۔

بلندیوں کا راستہ قانون تکوینی کے تحت مصائب و آلام سے گزرتا ہے۔ انسان میں اجتناب و اختیار کی قوتوں کی نشو و نما، جذب و شوق، عزم و ثبات، استقلال، عدل و شجاعت کی پیدائش ان ہی صبر و شکر اور تسلیم کے وسیع میدانوں میں ہوتی ہے۔ "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" اور "ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع ونقص من الاموال والانفس والثمرات" کی آزمائشوں اور "احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا آمنا وہم لا یفتنون" کے امتحانات اسکی ترقی ہی کے لیے جاتے ہیں۔ ترکیب و تحلیل، تعمیر و تخریب، حیات و موت، ظلمت و نور کی پوری گردشیں اسکے آگے انہیں صفات کی پیدائش کے لیے ہوتی رہتی ہیں۔ اور وہ بھی جو اس دار العمل میں عمل سے آگے صرف جذب و شوق میں مصروف و سرشار رہتا ہے، اسکی صورت گوشہ نشینی کی ہو جاتی ہے، بلند تر مراتب کے حصول کے لیے وسیع تر میدانوں میں جہاد کی ضرورت ہے۔ سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضہا کعرض السماء والارض۔

انسانی دور کائنات میں ایک عبوری دور ہے۔ اس میں تمام اختیارات کو اپنی ہی بھلائی کے لیے جبر و اکراہ کے دائرہ سے آگے شعوری طور پر ذوق و شوق کے ساتھ قانون تشریعی کے تحت اسکے لیے تقسیم پیرو کر دیا گیا ہے اور اس عالم بالا میں داخل ہونے کے لیے پوری جد و جہد کرنی ہوتی ہے۔ جو اس جد و جہد سے گھبرا جائے اور اسکی استعانت سے بے پروا ہو جائے اسکے لیے اس عالم بالا میں کوئی مقام نہیں ہے۔ یہ اعلیٰ و بالا مقام ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کا مقام ہے، اور فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی کا مقام ہے اور صرف متقین کے لیے ہے۔ باوجود استطاعت کے رضا کو حاصل نہ کرنے پر حسرت ہی حسرت، افسوس ہی افسوس اور ذلت ہی ذلت ہے۔

رحمت کس کو کہتے ہیں؟ کونسی دنیا مجسم، ٹھوس اور حقیقی ہے، اس حاسہ کے نہ رکھنے والے کو کیا بتلائیں جو دولت کی ٹھاٹ باٹ، بلند بلند مکانات میں عیش و آرام کو، کھانے پینے کی لذتوں کو، نفسانی اقتدار و جاہ کی تکمیل کو مجسم اور ٹھوس سمجھتے ہیں اور دل میں اضطراب ہی اضطراب رکھتے ہیں۔ رحمت کی دنیا دل میں مسرت، اطمینان اور نور کو بھر دیتی ہے جس سے دنیا والوں کے دل خالی ہوتے ہیں۔ کون ٹھوس ہے، کون مجسم ہے، کونسی حقیقت ہے؟ یہ اللہ والے ہی جانتے ہیں۔ وہو معکم اینما کنتم۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ اور الیس اللہ بکاف عبدہ کی مجسم ٹھوس و نور کائنات سے سرفراز ہیں۔ انکی نظروں میں انما الحیوۃ الدنیا لعب ولہو وزینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کے سوا کچھ نہیں ہے۔

غیر لیگی لیڈروں کی زبان

ناظرین کرام کو معلوم ہے کہ جب علیگڈھ اور کشمیر میں بعض لوگوں نے مولانا ابو الکلام آزاد کے خلاف غیر مہذبانہ مظاہرے کیے تو ہم نے ان کے خلاف شدید الفاظ میں اظہار نفرت کیا۔ اس لیے کہ پبلک زندگی میں اگر اس قسم کی حرکات کو جائز یا حق بجانب قرار دیا جائے تو کسی کی بھی عزت محفوظ نہیں رہ سکتی۔ اسکے علاوہ مولانا ابو الکلام اپنی تحریر و تقریر میں اسقدر شائستہ و متانت اندازاختیار کرنے کے عادی ہیں کہ انکے خلاف کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ اور جو شخص اپنے سیاسی مخالفین کے خلاف کبھی ایک دل آزار لفظ بھی استعمال نہیں کرتا۔ اسکی دلآزاری نہایت نا دانسانہ اور کمینہ حرکت ہے۔

لیکن ہمیں افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بعض دوسرے غیر لیگی لیڈر اس قسم کی احتیاط ضروری نہیں سمجھتے۔ ایک بزرگ نے اپنی بعض تقریروں اور رسالوں میں ایک اور ہی مسالک پر نکتہ چینی کرتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ "مسلم لیگ پرمایہ کی قربان گاہ پر جان، مال، عزت اور مذہب کو قربان کر دینا ضروری سمجھتی ہے"۔ اسکا جواب جو کچھ دیا جائیگا وہ یقینا دلآزار ہوگا۔ اور جو شخص اس قسم کے خیالات کے اظہار پر اصرار کریگا، اسکو بعض جوشیلے برا بھلا بھی کہہ گزریں گے۔ خاکساروں کے لیڈر علامہ مشرقی نے تو اس معاملہ میں بازاری غنڈوں کو بھی مات کر دیا۔ آپ نے امرتسر میں مسٹر جناح کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ "قائد اعظم پر خدا کی لعنت۔ وہ جھوٹا اور مکار اور کاذب ہے"۔ اب خود ہی انصاف کیجیے، اگر اسکا جواب بعض غیر ذمہ دار اور جوش میں بھرے ہوئے نوجوان لٹھ سے دیں، تو اس میں قصور کس کا ہے۔ مولوی مظہر علی اظہر نے مسٹر جناح کے خلاف نہایت زہریلی تقریریں کیں اور انہیں کافر تک کہنے میں تامل نہ کیا۔ حالانکہ ہمیں مولوی مظہر علی سے مشرقی صاحب سے زیادہ شائستگی کی توقع تھی۔ <u>مسٹر جناح اور</u> دوسرے ذمہ دار مسلم لیگی لیڈروں نے آج تک <u>اپنی کسی تقریر و تحریر میں کسی کی دلآزاری نہیں کی۔ کسی کو گالی نہیں دی۔ کسی کو کافر</u> نہیں بنایا۔ <u>پھر انکو کیوں گالیاں دی جا رہی ہیں؟</u>

حالات بہت نازک ہیں۔ اس لیے ہم ہر مسلمان جماعت کے لیڈروں اور کارکنوں سے بمنت التجا کرتے ہیں کہ وہ کسی حالت میں بھی (خواہ انھیں اشتعال بھی دلایا جائے) اخلاق اسلامی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ اسی میں ملت اور اسکے افراد کی عزت ہے اور اسی میں ہر شخص اور ہر جماعت کی آبرو کا تحفظ مضمر ہے۔ (انقلاب)

سر شاہ سلیمان مرحوم

فاضل[illegible] سر شاہ مرحوم، علیگڈھ یونیورسٹی کے مستقل وائس چانسلر منتخب ہوئے۔ ایسے قابل، بے لوث، اور ان جیسا کام کرنے والے ہم میں خال خال ہیں۔ علیگڈھ یونیورسٹی کا کام خصوصیت کے ساتھ نہایت پیچیدہ، بے پایاں اور مختلف النوع ہے۔ اس سے خاطر خواہ عہدہ برآ ہونا معمولی بات نہیں۔ سر شاہ ہمیشہ ہر اتوار کو یا جب کبھی فیڈرل کورٹ میں چھٹی ہوتی یا موقع مل جاتا، علیگڈھ چلے آتے، اور آنے کے ساتھ ہی یہاں کے کاموں میں منہمک ہو جاتے۔ آفس ہی میں قیام کرتے۔ ڈائننگ ہال سے خرید کر کھانا منگاتے اور آفس ہی میں سوتے۔ وہ یونیورسٹی کا ایک پیسہ اپنی ذات پر صرف نہ کرتے۔ بلکہ اس بارے میں وہ اس درجہ محتاط تھے کہ بعض پرانے زمانے کے مسلمانوں کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ دن رات طلبا، اساتذہ، بیرونی عمائد واکابر سے سابقہ رہتا۔ سب کی سنتے، اپنی کہتے اور نپٹاتے۔ انھوں نے کسی سے کسی حال میں ملاقات کرنے سے گریز نہ کیا۔ (پروفیسر رشید احمد صدیقی۔ ایم، اے)

(بقیہ صفحہ ۵)

ضروری ہے کہ ڈاکٹر صاحب اس معاملہ میں بھی جو کہتے ہیں۔ "اسی وجہ سے آدم کو تنہا پیدا کیا گیا تھا تاکہ وہ تجھے سکھا سکے" ان الفاظ اور قرآنی الفاظ "من احیا نفسا" کتنا ہی بنی اسرائیل میں جو فرق عظیم ہے، وہ بلاغت و معنیات کا ذوق رکھنے والوں پر مخفی نہیں ہے۔ یہ اسرائیلی روایت تو محض یہ بتاتی ہے کہ یہ حکم ایک اخلاقی تعلیم ہے اور قرآن مجید اسکو ایک اللہ تعالیٰ کا عائد کیا ہوا فریضہ قرار دیتا ہے۔ دونوں باتوں میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے۔ علاوہ برین اس اسرائیلی روایت میں آدم علیہ السلام کی تنہا پیدائش کا تعلق اس تعلیم سے بالکل غیر واضح ہے۔ حضرت آدم کی تنہائی کو بھلا اس تعلیم میں کیا دخل ہو سکتا ہے۔

"کی ادعائی مماثلت سے ڈاکٹر صاحب نے جو استدلال فرمایا ہے، اسکو دیکھ کر یہ مثل یاد آگئی "الغریق یتشبث بکل حشیش" یعنے ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے۔ بات اسقدر مہمل ہے کہ جی نہیں چاہتا کہ جواب دے کر اسکی وقعت کو بڑھایا جائے۔ پس غرض یہ ہے کہ حضرت انبیاء سے ان کا یہ تعلق ثابت ہو جائے"۔

اچھا ڈاکٹر صاحب! حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے "خدا" کا لفظ استعمال فرمایا ہے اور اہل ہند کی قبل مسیح کی کتابوں میں بھی اسی لفظ کا مرادف لفظ استعمال ہوا ہے، تو کیا آپ تسلیم کریں گے کہ حضرت علیہ السلام نے اپنی تعلیمات ہندوؤں سے اخذ کی ہیں؟

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمْ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

صدق

اڈیٹر - عبد الماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب : حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے لیے خط وکتابت اڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور اشتہارات اور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو -
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی چار
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
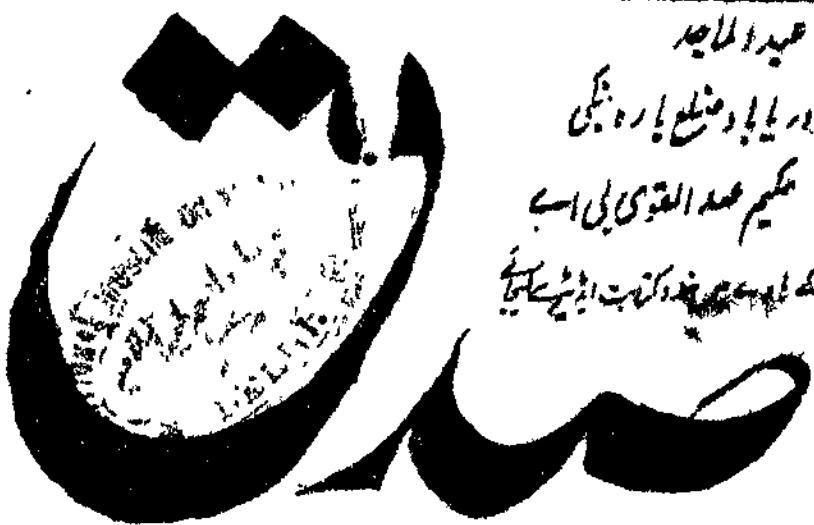
نمبر ۴۶ | سہ شنبہ ۱۶ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۳ - اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

خاموش لمحہ

لندن کا مشہور و معروف گھنٹہ گھر ہے۔ جب رات کو نو کا گھنٹہ بجتا ہے، تو اسوقت ایک منٹ کے لیے وہ گھنٹہ بھی خاموش ہو جاتا ہے، اور سرکاری طور پر ساری انگریزی عملداری پر کامل سکوت کا تسلط ہو جاتا ہے - انگریزی قوم جو سکوت اور سکون کو شاید جمود بلکہ موت کا مرادف سمجھتی ہے، اور مسلسل حرکت میں برکت خیال کرتی ہے، اس ایک منٹ کے لیے خاموش ہو جاتی ہے اور ہر فرد اسوقت اپنے عزیزوں، دوستوں، اور قوم و وطن والوں کا خیال کرنے لگتا ہے - ۱۱ نومبر ۱۹۴۰ء سے یہ دستور چلا آتا ہے اور اسوقت یہ وجود میں اسی غرض سے لایا گیا تھا کہ جنگ کے زمانہ میں وطن والوں کو اپنے دور افتادہ عزیزوں، دوستوں کی یاد تازہ رکھنے کا موقع ملتا رہے ——— قوم میں اجتماعی شعور پیدا کرنے کے لیے، افراد قوم میں اجتماعیت برقرار رکھنے کے لیے یہ نسخہ اکسیر پایا گیا، اور اب وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے اپیل شائع کی ہے، کہ اس دستور کو مستقل کر دیا جائے، کہ یہ جنگ و امن دونوں حالتوں میں اجتماعی یکسوئی کے لیے بے نظیر ہے - انگریز اسوقت دنیا کے کسی حصہ میں بھی ہوں عین اس لمحہ اپنا سارا کاروبار چھوڑ اسی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

اتنا لمبا اور خارج پر غازی قوم کے اس نو ایجاد "خاموش لمحہ" سے لگا ہوا، لیکن وحدت دیکھنے کے اب بھی ہر جا متواتر اور روزی "سکوت لمحہ" آپ کے پاس بھی ہے، آپ کے ذہن کا گوشہ چاہو ابھی، آپ کے سمجھایا ہوا آپ کے رسول کا بتلایا ہوا! ——— وہ پانچ وقت کا لمحہ وہی تو ہے، جس وقت آپ کی مسجدوں کی فصیلوں اور مناروں سے اذان کی آواز بلند ہوتی ہے! کوئی مسلمان اسوقت کہیں اور کسی حال میں ہو، کچھ کر رہا ہو، پڑھ رہا ہو، کھا رہا ہو، پی رہا ہو، چل رہا ہو، اسکول میں ہو، کالج میں ہو، دفتر میں ہو، دکان میں ہو، کچہری میں ہو، جیل میں ہو، ریل میں ہو، کھیت میں ہو، جنگل میں ہو، معاً اس پر ذکر اللہ اور نماز کی طرف توجہ واجب ہو جاتی ہے، اور وہ دنیا دار آناً فاناً دیندار بن جاتا ہے! اور سب کے دل میں مادی علائق سے دور، ایک آن دیکھے خدا کی یاد، اور سمت قبلہ کی طرف رخ کرکے دست بستہ کھڑے ہو جانے کی تحریک تازہ ہو جاتی ہے! ——— یہ نعمت آپ کو ہر روز ایک بار نہیں، پانچ پانچ بار حاصل رہتی ہے - اور وحدت آفرینی کے برقی اثر اور مقناطیسیت میں ہر انسانی اختراع اور ہر مصنوعی ذریعے سے کتنی بڑھی ہوئی! حیف ہے کہ ہم اصل کی قدر نہ کریں، اور اغیار کی نقل اور ناتمام نقلوں کی طرف لپکیں، دوڑیں، اور انھیں کو غنیمت سمجھیں!

اسلام کا معجزہ نانڈ سمنڈ کی نئی کتاب یسوع یا پولس JESUS OR PAUL پر اسٹیٹسمین مورخہ ۱۳ - اکتوبر ۱۹۴۵ء کا تبصرہ :-

"کتاب کا عطر یہ ہے کہ پولس سے یسوع کی طرف : اسی مصنف کا دعویٰ ہے، کہ اناجیل اور خطوط کی عبارات واشارات دونوں سے اسکا قطعی ثبوت مل جاتا ہے کہ یسوع اور پولس کی روح بالکل مختلف

شخصیتیں تھیں، دونوں کی تعلیمات باہم متضاد، اور آج دنیائے مسیحیت کے جتنے کلیسا ہیں وہ پولوس کے تیار کردہ سیحی ہیں۔ یہ واقعہ جو تھا ہر ہے پہلی ہی بات معلوم ہوتی ہے، لیکن مصنف کی تحقیق بالکل یہی ہے اور اسکے لیے دوبارہ [illegible] مستندہ کے حوالہ دیے گئے ہیں۔ اور یہ بیشک عیسائی تقسیر [illegible] بہت سے حق پرست حضرات کے لیے یہ امر باعث تشویش رہا ہے کہ مسیحی دین [illegible] ایک غلط عقیدہ پر روا گیا ہے۔ یہ خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے لیے سند نکلتا ہے نہ یادری ہیں، بلکہ خود [illegible] ہیں......"

اس کتاب کے مطالعہ سے ایک حد تک بے نیاز کر دینے کے لیے یہ تبصرہ کافی ہے۔ مصنف نے اگر یہی کچھ لکھا ہے، اُس نے حق بیانی اور اسلام کی ترجمانی کا حق ادا کر دیا ہے۔ اسلام اور مسیحیت کی یہی تو اصلی جنگ ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی دعوت و پیام کی طرف واپس چلو، اور مسیحیت کو اصرار ہے کہ ہارے لیے پولوس کی تعلیم بہتر حق و باطل کے معرکہ کا مرکزی نقطہ صرف یہی ہے۔ شکر ہے کہ صدیوں کے بعد بھی، ایک آواز تو مسیحستان اور فرنگستان سے دین حق کی تائید میں بلند ہوئی ——— اسے اسلام کا معجزہ نہیں تو اور کیا کہیے!

طوفان زندگی

قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد (اٹک)

تحریر فرماتے ہیں :-

"حضرت اقدس مولانا حسین احمد صاحب مدنی زید مجدہم کے متعلق اخبارات میں پڑھ کر سخت صدمہ ہوا۔ یہ تحقیر قوم کی خود اپنی ہے۔ تحقیر ہی نہیں بلکہ فنائے قوم کا پیامبر ہے۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نکرد   تا دل صاحبدلے ایذا نکرد

حضرت مجدد روحانی پیشوا ہونا اور شیخ اعظم ہونا مسلم ہے۔"

اسی ڈاک سے انجمن اصلاح الکلام (دانڈیر) کا رزولیوشن موصول ہوا ہے۔ جس میں سید پور (بہار) میں "وارث نبیؐ" اور جانشین شیخ الہندؒ کی توہین پر سخت ناگواری اور بیزاری کا اظہار ہے۔

توہین و تحقیر کسی کلمہ گو کی بھی بلا ضرورت شرعی جائز نہیں، بلکہ داخل معصیت ہے، چہ جائیکہ کسی مقتدا و پیشوا کی۔ اور اس لحاظ سے یہ آجکل جو کچھ بھی، اور جس فریق کی طرف سے بھی، جلسوں میں ہو رہا ہے، یا اخباروں میں لکھا جا رہا ہے، سب یکساں قابل مذمت و مستحق ملامت ہے۔ ایک دوسرے کی ہجو شائع کرنا، تحریر یا تقریر سے ایک دوسرے پر تعریض و طنز کرنا، نظم و نثر میں خواہ مخواہ ایک لیڈر کا دوسرے لیڈر سے تقابل و تفاضل اور پھر اُسکے جواب و جواب الجواب کا سلسلۂ نامتناہی، جس سے ہر فریق کے دل میں دوسرے کی طرف سے نفرت اور عداوت پیدا ہو جائے۔ یہ سب چیزیں ناجائز ہی نہیں، بلکہ نامناسب اور خلاف مصلحت بھی ہیں۔ بجز اسکے کہ اس سے دوسرے فریق کو اشتعال ہو، اور امت کے اندر مزید تفریق پیدا ہو جائے، نفع قت کو تو کیا ہوتا، کسی پارٹی کو بھی نہیں ہوتا۔ بلا ضرورت اپنے

[illegible] تعداد میں اضافہ کرنا، تقاضائے عقل و مصلحت [illegible] لیکن دوسری طرف اخباری روداد بھی [illegible] ہوئیں۔ اکثر لوگ ایسے ہیں، جو صداقت [illegible] جذبات پر قربان نہ کر دیتے ہوں۔ لاکھ گڑھتے ہیں لیکن [illegible] غلط نظر سے دیکھنے کا نتیجہ یہ ہے کہ صورت واقعہ بالکل مسخ ہو کر رہ جاتی ہے۔

ایک بات مولانا مدظلہ کے مریدین و مخلصین کے اور عام مسلمانوں کے بھی خاص طور پر سمجھ لینے کی ہے۔ وہ یہ کہ ہر شخص کی ایک ہی حیثیت نہیں، متعدد و متنوع حیثیتیں ہوتی ہیں، اور کسی کی اگر ایک متعین و مخصوص حیثیت کا انکار کیا جاتا ہے تو اس سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ اسکی دوسری حیثیتوں سے بھی انکار ہے، بلکہ اتنا بھی لازم نہیں [illegible] آتا کہ وہ دوسری حیثیتیں سرے سے زیر بحث آسکیں! حسرت موہانی کے سیاسی مسلک سے اختلاف اُنکے شاعرانہ کمالات سے انکار کو ہرگز مستلزم نہیں۔ جناب جناح صاحب کی سیاسی قیادت سے انکار کے لیے ہرگز یہ ضروری نہیں کہ وہ انہیں ایک کامیاب و نامور بیرسٹر بھی نہ سمجھتا ہو۔ مولانا ابوالکلام کی لیڈری سے انکار کا کوئی یہ مطلب ہرگز نہیں سمجھتا کہ مولانا کی انشا پردازی و خطابت بھی زیر بحث آگئی ہے ——— یہ اصل جو عرض کی گئی بالکل صاف و صریح ہے۔ لیکن بحث اور جوش کی گرما گرمی میں ایسی موٹی باتیں بھی ذہن سے نکل جاتی ہیں۔ مولانا کے مخلصین مطمئن رہیں، کہ یہ جتنے بھی مظاہرے مولانا کے خلاف ہو رہے ہیں، یہ اُنکے روحانی پیشوا، اُنکے شیخ و مقتدا، اور نائب رسولؐ کے خلاف ہرگز ہرگز نہیں ہو رہے ہیں۔ کسی نے نہ مولانا کے سادات ہونے پر جرح کی ہے، کسی نے نہ مولانا کے اذکار و اشغال پر گفتگو و بحث کی ہے، اور کوئی نہ مولانا کے مجاہدات کی تکذیب کر رہا ہے۔ مولانا کی ذات ان تمام حیثیات سے اسوقت قطعاً زیر بحث نہیں۔ یہ مظاہرے صرف اُن مولانا حسین احمد کے خلاف ہو رہے ہیں، جو ایک سیاسی لیڈر ہیں۔ اور وقت کی سیاسی بحثوں میں ایک خاص فریق کے ساتھ ہیں۔ اس قسم کا اختلاف، شدید سا شدید، امت میں آج سے نہیں، عہد صحابہ سے چلا آ رہا ہے، یہ اہل سنت کے ناموس امتیاز و فخر کی چیز ہے، کہ انھوں نے اپنے اندر گنجائش دونوں متقابل ہی نہیں، متحارب فریقوں تک کی رکھی ہے ——— امیر معاویہؓ کو انکار سیدنا علیؓ کے نہ زہد و تقویٰ سے تھا، نہ علم و فضل سے، نہ کسی روحانی، اخلاقی کمال سے۔ اختلاف صرف اُنکی سیاسی رایوں اور ملکی اجتہادات سے تھا۔ اور اسی اختلاف سے نوبت حرب و قتال تک کی آ گئی۔ یہ واقعہ بہت ہی سبق آموز اور امت کے لیے ہر موقع پر کام آنے والا ہے۔ [نوٹ پریس میں جا ہی رہا تھا کہ سید پور کے واقعات کی تفصیل اخبارات میں نظر سے گزری۔ معاذ اللہ۔ اتنی تندی کسی شخص کی اور ادنیٰ مسلمان کے حق میں بھی جائز نہیں۔ اور یقین نہیں آتا کہ اچھے بے سریح نظام میں کسی بھی ذمہ دار مسلم لیگی کا ہاتھ ہو۔ لیکن یہ اجمال دا[illegible]

حکیم الامت

نقوش و تاثرات

(۱۷)

از عبد الماجد

مشورہ ہو یا ارشاد، بزرگانہ تنبیہ ہو یا مشفقانہ، سب کچھ سہی بہرحال ناقابلِ عمل تھا، اکتوبر ۱۹۳۵ء میں بھی اسی طرح ناقابلِ عمل ہی رہا۔ جولائی ۱۹۳۵ء میں وہ گرامی نامہ حکیم الامت کی خدمت میں پیش کردیا گیا۔ ارشاد ہوا کہ "اسکا جواب میں لکھ دونگا۔ آپ کو لکھنے میں شاید دقت ہو۔" اس سے بہتر اور کیا چاہیے تھا۔ یہی مقصود ہی تھا——— اصل مکتوب کے پڑھنے کا [illegible] شرف ہوا ہیں:-

مخدومی و مکرمی مولانا عبد الماجد صاحب دامت فیضہم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مولوی عبد الماجد صاحب کے نام جو گرامی نامہ آیا اس نے بڑا تحویل بیعت کا پڑھا۔ گو اس وجہ سے کہ میں اسکا مخاطب نہیں مجھکو جواب عرض کرنے کا استحقاق نہیں، لیکن چونکہ احقر تعلق اسکا مجھ سے بھی ہے نیز اس میں مجھکو مخاطب بنانے کی یاددہانی بھی ہے اس سبب عرض کرنے کی جسارت کرتا ہوں۔

مجملاً تو وہی عذر ہے جو زبانی عرض کیا تھا۔ اور قدرے مفصلاً عرض ہے کہ اس میں مولوی صاحب کا عذر ہے۔ اس لیے امید ہے کہ اس مشورہ سے رجوع فرمائینگے۔ وہ عذر یہ ہے کہ میری خشونت و سوء خلق تو مشہور ہے مگر مولوی صاحب کی یہ رعایت و دلجوئی جو کہ صمیم قلب سے ہے وہ آپ ہی کے انتساب کے سبب ہے۔ کیا آپ کو یہ گوارا ہے کہ وہ اس رعایت سے محروم کردیے جائیں۔ دوسرے گو اُنکو مجھ سے موانست کافی ہے لیکن نفع کا مدار اعظم مناسبت ہے اور اسکو میں اول ملاقات میں طے کرچکا تھا۔ اور اسی بنا پر آپ نے میری سفارش کو قبول فرمایا جسکا میں شکرگزار ہوں۔ اور اگر ان دونوں بناؤں کو آپ ضعیف خیال فرمائیں تو میں بھی انکی تقویت پر زور نہیں دیتا۔ لیکن جب اول بار میں یہ قول خود میری خاطر منظور رکھا سو اب میری خاطر منظور فرمائی جائے، اور جس طرح سے کام چل رہا ہے چلنے دیا جائے کہ آپ اُنکے مخدوم رہیے اور مجھ کو خادم رہنے دیجیے۔ اس جدید تبدل میں میری اور اُنکی دونوں کی پریشانی مضمر ہے جسکا گوارا کرنا اخلاق سامی سے بعید اور بہت بعید ہے۔ اور جب اسکا مجھ پر مدار ہے اور میری طرف سے محض انکار ہے تو مولوی صاحب کو ایسی بات کا حکم فرمانا جو انکی قدرت سے خارج ہے تکلیف مالا یطاق ہے جو ہر پہلو سے ممنوع ہے۔ والسلام

ناکارہ ننگ انام اشرف برائے نام از تھانہ بھون ۲۰ جمادی الاولیٰ [illegible]

[illegible] ۲۶ اکتوبر ۱۹۳۵ء [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] تاریخ [illegible] دونوں حضرات کے تعلقات [illegible] اختلافات کے باوجود آپس میں کتنے شگفتہ اور [illegible] رہے، اور مضمون جواب کی مناسبت تو قابل دید ہے۔ ہر گوشہ کو گھیرے ہوئے اور ہر پہلو کو سمیٹے ہوئے ہے ——— وہ جواب ایک لفافہ میں رکھا ہوا میرے پاس آیا۔ اور اسکے ساتھ ہی ایک رقعہ میرے نام بھی:-

"گرامی سلمہ - السلام علیکم - میں نے یہ ایک مضمون مولانا کے جواب میں لکھ دیا ہے - ہرچند کہ بوجہ اپنے مخاطب نہ ہونے کے مجھکو استحقاق خطاب کرنے کا نہ تھا، مگر چونکہ آپ آزادی سے شاید انکی خدمت میں عرض نہ کرسکتے، میں نے بطور اعانت کے خطاب کیا ہے۔ اب میری استدعا یہ ہے کہ آپ آزادی سے اس پر نظر فرمادیں۔ اگر کسی ترمیم کی حاجت نہ ہو تو اسکو مع اپنے تائیدی مضمون کے روانہ فرمادیں۔ اور اگر ترمیم مصلحت ہو تو اسکو بعینہ فرمادیں اور ترمیم کا لحاظ اپنی تحریر میں فرمالیں، مگر میرے آئندہ عمل کے لیے مجھکو ترمیم کی اطلاع فرمادیں تاکہ آئندہ اس لحاظ سے عرض معروض کیا کروں۔ والسلام۔ اشرف علی"

ترمیم کی ظاہر ہے کہ بھلا کیا گنجائش تھی۔ بڑے شکریہ کے ساتھ بعینہ اس خط کو اپنے عریضہ کے ساتھ روانہ کردیا——— "بزرگی" کا جو عام تخیل دلوں میں بیٹھ گیا ہے کہ "بزرگ" اور اہل اللہ وہ ہے جو بس تسبیح پڑھتے رہنے کے اور کچھ نہ جانتا ہو، نہ اسکا کوئی شغل ہو، نہ وہ کسی معاملہ میں کوئی مشورہ یا رائے صائب دے سکے۔ محض بھولے بھالے قسم کا زاہد خشک ہو، مولانا کی بزرگی اس سے کتنی مختلف تھی! اور انھیں پہلوؤں کی تھوڑی بہت نقش کشی ان "نقوش و تاثرات" کی علت غائی ہے۔

دن گزرتے گئے، اور ہفتوں پہ ہفتے بیتتے گئے۔ سفر حج کو مستثنیٰ کرکے وطن سے باہر اتنے دور رہنے کا یہ اتفاق مدتوں کے بعد ہوا تھا۔ اپنی کیفیت عاشقانہ نہیں۔ یہ نہ تھا کہ وطن یاد نہ آتا ہو۔ وہاں کی ضرورتوں اور کاموں کی طرف خیال نہ جاتا ہو۔ یاد برابر ایک ایک چیز آرہی تھی۔ ہر ہر ضرورت کا احساس تازہ تھا۔ طبعاً نہیں اعتقاداً یہاں کے قیام کو سب پر ترجیح تھی۔ فطرت بشری عجب متضاد عنصروں کا مجموعہ ہے۔ انسان ایک ہی وقت میں مختلف سمتوں سے کشاکش میں رہتا ہے۔ عمر یہاں اسی کشمکش میں تمام ہو جاتی ہے۔ مبارک وہ خوش نصیب ہے، وہ جو کسی درجہ میں عقل کو حاکم اور طبیعت کو مغلوب رکھے۔ اکبر کے حکیمانہ مصرعہ

غافل نے ادھر دیکھا عاقل نے اُدھر دیکھا

یہ "ادھر" اور "اُدھر" سے اشارہ اسی طبیعت اور عقل کی کشمکش کی جانب ہے [illegible] اور پھر تھانہ بھون کی سی پُرسکون فضا اور کہاں نصیب ہوسکتی تھی، راحت قلب اور تسکین خاطر کا ہر سامان موجود

پانچوں وقت مولانا کی اقتدا میں نماز پڑھ — ناعمی!
آہ، وہ جہری نمازوں کی نعت! فن تجوید پر — فن والے
جائیں، لیکن آواز کی دلکشی اور تاثیر کو تو — بجھ سکتا۔
غضب کی دلکشی تھی۔ فجر کی قرأت خاص طور — رجی بہی کہتا
کہ بس سنتے جائیے!

عتاب کے منظر بھی اس مدت میں بارہا دیکھے، مولانا کے ہاں کوئی چیز راز کی یا پوشیدہ نہ تھی۔ یہ منظر اکثر ہی عبد و معبود ای مجلس عام میں پیش آتے۔ مولانا بڑے ہی لطیف الحس و ذکی الحس تھے۔ کسی بے ڈھنگی اور بے قاعدہ بات کی برداشت نہ تھی۔ لوگ آتے، اور ذرا بھی بے قاعدہ باتیں کرتے کہ مورد عتاب ہو جاتے۔ تکلف اور مصنوعی ادب و تعظیم تو گویا حضرت کی چڑھ تھی۔ لوگ عموماً اسی کے عادی۔ خیر جس پر جو گزرنا ہوتی گزر جاتی۔ لیکن اتنا تو ہر حال ہوتا کہ خود اسکو بھی آئندہ کے لیے سبق مل جاتا اور دیکھنے والوں کو بھی ہدایت و بصیرت ہو جاتی۔ مجذوب کے اس مصرعہ میں کہ

مے خانہ کا محروم بھی محروم نہیں ہے

شاعری نہیں، واقعہ بیانی ہے۔ مجلس میں سب سے زیادہ گستاخ اور بے لحاظ بھی نامہ سیاہ تھا۔ بارہا عین عتاب کے وقت مجرم کی طرف سے کچھ عرض معروض کی جرأت کر گزرتا۔ حضرت کا کمال حلم تھا کہ تبسم کے ساتھ، نرم لہجہ میں کچھ جواب ارشاد فرماتے——
برکتوں کے دن، فیض کی راتیں گزرتی گئیں۔ آغاز انجام کو پہونچا۔ مدت قیام ختم ہو گئی، اور نومبر کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ یہ مسافر اس آستانہ سے رخصت ہو گیا، نوازشوں اور عنایتوں سے مالا مال، پھر بھی حسرتوں سے گرانبار۔ ع

بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

بہت کچھ پوچھ ڈالا، بہت کچھ بے پوچھے پاچکے سن لیا۔ لیکن جو پوچھنا اور سننا اور سیکھنا باقی رہ گیا، اسکی میزان اس سے بھی کہیں زائد!

۔ پہونچا، تو اپنے نامور ہمنام اور مخلص کرم فرما مولانا عبدالماجد بدایونی مرحوم کا دعوت نامہ حضرت مولانا کے نام جلسۂ مخالف شاردا ایکٹ میں شرکت کے لیے اپنی ڈاک میں پایا۔ بات اب معمولی معلوم ہوتی ہو، اُس وقت معمولی نہ تھی۔ یہ شاردا ایکٹ کیا؟ اُس کی مخالفت میں جلسہ کیسا اور کہاں؟ اور مولانا کی شرکت کی اس میں کیا اہمیت؟ ہر سوال ایک مستقل جواب چاہتا ہے—— اسی کی ذرا شدہ سوجھ بوجھ کو کوئی حال کی فضا میں کیسے لوٹا لائے!
مرکزی اسمبلی میں ایک ہندو ممبر آنریبل ہر بلاس شاردا نے مسودہ قانون یہ پیش کیا تھا، کہ ہندوؤں میں کم سنی کی شادی سے جو نقصان پہونچ رہا ہے، اسکی قانونی ممانعت ہونی چاہیے، اور لڑکی اور لڑکے کی شادی خاص عمر سے قبل جرم قرار دینی چاہیے۔ ظاہر ہے کہ قانون کا تعلق تمامتر ہندوؤں سے تھا۔ بعض ناعاقبت اندیش مسلمان ممبروں نے خواہ مخواہ اسکا دائرہ مسلمانوں کے لیے بھی وسیع کرا دیا۔ اب مسلمان چونکے، اور صحیح احساس کے ساتھ کہ یہ عمر ازدواج کی قید تو شریعت کی آزادی میں صریح دست اندازی ہے، لگے اسکی مخالفت میں جلسے کرنے اور رزولیوشن پاس کرنے۔ خوش قسمتی سے تحریک کی رہنمائی کی باگ مولانا محمد علی کے ہاتھ میں آگئی، جو مذہب و سیاست کے صحیح امتزاج کا ایک مکمل نمونہ تھے۔ اور مولانا شاہ عبدالماجد بدایونی مرحوم بھی وقت کی دوسری مفید اور قومی تحریکوں کی طرح اس میں بھی پیش پیش تھے۔ ۲۰-۲۱ دسمبر کو کانپور میں، مولانا محمد علی کے زیر صدارت ایک عظیم الشان مرکزی جلسہ اسی مقصد کے لیے قرار پایا، اور مولانا بدایونی کی طرف سے علاوہ عام مطبوعہ دعوتنامے کے ذیل کا ذاتی اور خصوصی دعوتنامہ حضرت مولانا کے نام اس حقیر کے توسط سے موصول ہوا:—

اشد: لاسوام

ذو المجد والکرم عظیم القدر جناب مولانا شاہ اشرف علی صاحب دامت برکاتہم السلام علیکم۔ فقیر عبدالماجد القادری البدایونی عارض حال ہے۔
ضروریات مذہب و حالات اسلامیہ کا تقاضہ ہے کہ میں جناب سے گزارش کروں کہ ۲۱ دسمبر کو کانپور تشریف لاکر قانون خلاف شریعت کے انسداد و ہماری مجلس میں اپنے مذہبی و عالی خیالات سے ہماری امداد فرمائیے۔
میں سنتا ہوں کہ جناب سفر کم جانا پسند فرماتے ہیں اور موسم بھی تلخ ہے۔ اور شاید مسافت بھی زائد، اور جناب کے حالات و اوقات بھی مشغول اور گھرے ہوئے ہیں۔ مگر باوجود اسکے مجھے جو امر داعی و باعث دعوت بنا رہا ہے وہ ایک اور فقط ایک ہے۔ یعنی خدمت تحفظ شریعت، اور اسکے لیے ہر طبقہ کے مسلمانوں کا ایک مرکز ثقل دعوت پر مجتمع ہو جانا۔
یقینا ہے اس امر کی اہمیت کا ممتاز لحاظ فرماکر اور فقیر کی تحریک کو درجۂ اختصاص و قبول دے کر محض دین و مذہب کے لیے باوجود مشاغل کثیرہ یا اعذار واقعیہ تکلیف سفر گوارا فرمائی جائیگی اور نوید تشریف آوری سے اطلاع بخشی جائیگی۔
میرا مسلک دعوت اس مقصد و حید کیلیے ہر مخلص و خادم شریعت اور مخالف قانون زیر نظر (شاردا ایکٹ) کو دعوت قلب کے ساتھ شریک کار و رفیق عمل و مشیر تدابیر بناتا ہے۔ اسکی اہمیت آپ کے ذہن و فکر میں بھی مجھ سے کم نہ ہوگی۔
اور یقین ہے کہ اس بار آپ غیر معمولی ہمت سے کام لیکر اپنے عزم مصمم اور شرکت کے وعدہ سے مطلع فرمائیں گے۔
جلسہ مع دعوت نامہ بھی حاضر کیا جائیگا مگر یہ عریضہ فقیر کے

جہاں تو اسے ابھی ابھی اوپر دیا گیا ہے۔
سمجھ میں نہیں آتا کہ صاحب مضمون نے ڈاکٹر ... سے ناواقفیت کا جو اعلان کیا ہے اُس میں آپ بر... وہ عربی سے ناواقف تھا یا نہیں اس کا فیصلہ اس... کے بعد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن آپکا یہ کہنا اگر ٹھیک ہے فارقلیط کا لفظ انجیل میں موجود ہی نہیں تو وہ یا تو دانستہ جھوٹ بولتا ہے یا خود اپنے مذہب کے متعلق اس کا علم صرف تراجم پر مبنی ہے فارقلیط کا لفظ ایک جگہ نہیں یوحنا کی انجیل میں چار جگہ آیا ہے۔ آپ کے پاس اگر عبرانی نسخہ انجیل کا ہو تو دیکھیے۔ یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۶ و آیت ۲۶ و نیز باب ۱۶ - آیت ۷ اور ایک جو الہام نہیں باب ۱۴ آیت ۱۶ کی اصل عبارت عربی خط میں ہم ذیل میں لکھتے ہیں:

وَ اِنِی اَشْاَلَہ یَاِبی وَ ھوا یِتِّن لکم
اور میں نے مانگا اپنے باپ سے اور وہ دیگا تم کو

اَحَر اَشَر یشکون
ف ر ق ل ی ٹ دوسرا جو بسے گا

اِتکم لنصح
تمہارے ساتھ نصیحت کرنے کو

آپ اگر عبرانی نہ جانتے ہوں تب بھی اس عبارت کو سمجھنے کے لیے آپ کی عربی دانی کافی ہے۔ اس جگہ فرقلیط کا لفظ بغیر حرف تعریف لکھا ہے، دوسرے مقامات پر اسکے اوپر حرف تعریف ھ لگا ہوا ہے یہ لفظ دو عبرانی لفظوں کا مجموعہ ہے۔ عربی نحو کی اصطلاح کے مطابق اسے ہم مرکب ناقص کہہ سکتے ہیں، پہلا لفظ فرہ ہے جس کی اصل عبرانی اشتقاق کی رو سے ف آ ر (فار) اور ف ر آ (فرا) ہو سکتی ہے۔ اگر اسے فرا سے مشتق مانا جائے تو اسکے معنی رسول کے ہیں۔ بائبل میں اسکے مشتقات میں سے ایک سفریتی (میں نے رسول بھیجا) کئی جگہ آیا ہے۔ حضرت اسمٰعیل کا لقب بائبل میں فرا آدم ہے، جس کا ترجمہ عبری لغت کے مطابق نہیں عربی لغت کے مطابق عیسائی حضرات وحشی انسان یا گورخر انسان کرتے ہیں، جو محض بے معنی بات ہے۔ فار کے معنی نور کے ہیں، اسی سے فاران مشتق ہے اور فاران اُس پہاڑ کا نام ہے جس کو عرب جبل النور کہتے تھے۔ قلیط، قلیطا، توفلط، مقلاط عبرانی میں ایسے مقام کو کہتے ہیں جہاں خونریزی کی ممانعت ہو، عیسائی حضرات اپنے خود ساختہ عقائد کی مجبوری سے اس لفظ کی حقیقت سمجھنے کے لیے تیار نہیں، کیونکہ حضرت مسیح کے زمانہ میں مکہ کے سوا کوئی جگہ فارقلیط نہیں تھی اس لیے انھوں نے اس عبرانی لفظ کے یونانی لفظ کو اصل یونانی قرار دیدیا، اور ہر زمانہ میں اس لفظ کے بدلتے ہوئے ترجمے کیے۔ فارقلیط کے معنی رسول مکہ یا نور مکہ ہو سکتے ہیں اور اس کے علاوہ کوئی دوسرے معنی نہیں ہو سکتے، جو لوگ اسے یونانی قرار دیتے ہیں وہ اس یونانی لفظ کی یونانی اصل کا سراغ نہیں دے سکتے، لفظ فارقلیط کے دونوں عبرانی اجزا عبرانی لٹریچر میں ملینگے اور کون کہہ سکتا ہے کہ زیرنظر کلیوتاس کے علاوہ اس قسم کا کوئی دوسرا لفظ یونانی میں مل سکتا ہے، اور یہ بھی کون کہہ سکتا ہے کہ بائبل کے علاوہ ترجمہ بائبل سے قدیم کسی یونانی عبارت میں یہ لفظ مل سکتا ہے۔ آپ برہم ہونگے اگر ہم ڈاکٹر مسڈل کے دعا کو محض بد دیانتی پر مبنی قرار دیں۔ حضرت مسیح نے ادونی معویلم روح معامت" اور فارقلیط کے آنے تک یروشلم کے ساتھ چپکے رہنے کی وصیت فرمائی تھی اس وصیت کے صاف معنی یہ تھے کہ ... آنے کے بعد یروشلم سے چپکے رہنے کی ضرورت نہیں بلکہ فارقلیط کے شہر قلیط (مکہ) سے چپک جانا چاہیے

یہ شیوہ رہا دیان دین مسیح کا ہمیشہ سے رہا ہے کہ خود گروہ کے دین پر جو اعتراض وارد ہوتا ہے اسکا اس طرح تردید کرتے ہیں کہ نہ سمجھنے اور سننے والے کے ذہن میں اصل اعتراض نہ آنے پائے لیکن اسکی بنیاد متزلزل ہو جائے۔ فارقلیط کے لفظ پر جو بحثیں عیسائیوں نے چھیڑی ہیں اسکا آغاز مسلمانوں کی طرف سے نہیں ہوا آپ جانتے ہیں کہ مسلمان علما انبیائے سلف کے اقوال زیادہ تر کعب بن احبار، ربیع بن انس اور دوسرے ماہرین اسرائیلیات کی سند سے پیش کیا کرتے ہیں نہ کہ خود بائبل والوں کے حوالوں سے صرف پچاس ساٹھ برس ہوئے کہ بعض مسلمان علماء نے اصل بائبل اور تالمود وغیرہ پر نظر ثانی شروع کی، پچاس ساٹھ برس سے پہلے علماء میں سے ابن تیمیہ کو چھوڑ کر پوری اسلامی تاریخ میں کسی کو لفظ فارقلیط کا علم نہیں تھا۔ یہ شبہہ کہ فارقلیط سے رسول مکہ مراد ہے، خود عیسائیوں کو ہوا، اور بجائے اسکے کہ ایمانداری سے یہ کہتے کہ ہمارے مفکروں کا یہ شبہہ غلط ہے، انھوں نے خود رسول مکہ پر ایک بہتان گڑھ دیا کہ فارقلیط کو ایک یونانی لفظ سمجھ کر آدرسول کی پیشین گوئی کر دی گئی" معلوم نہیں کہ یہ آخری فقرہ آپ کا ہے یا اصل مصنف ڈاکٹر نسڈل کا۔ اگر مصنف کا ہے تو وہ موجود نہیں اُس سے کیسے کہا جائے، اور اگر آپ کا ہے تو فرمائیے کہ اس لفظ کو رسول کی پیشین گوئی سمجھنے کے لیے اس لفظ کی زبان معلوم کرنے کی کیا ضرورت ہے، لفظ آیا ہی ہے پیشین گوئی کے موقع پر، چاہے یونانی ہو چاہے عبرانی، بہرحال ہے رسول مکہ کی پیشین گوئی — قرآن مجید ہمارے علم و بصیرت کے مطابق چاہے خدا کا کلام ہو یا شککوں کے وہم و گمان کے مطابق محمد عربی کا کلام، بہرحال اس نے مسیح کی پیشین گوئیوں کا صحیح ماحصل پیش کیا ہے۔ اسمہ احمد کہکر قرآن نے اپنے صاحب کو موعود مسیح سے تطبیق دی ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت اس پتہ پر کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی ۴ر
بیرون ہند سے دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۴۷	یوم شنبہ - ۲۰ - ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ	مطابق ۲۷ - اکتوبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

بیسویں صدی مسیحی کے شروع کا زمانہ ہے - فرانس میں ایک بیرسٹر نیا نیا نمودار ہوتا ہے، اور چند ہی روز میں ملک پر چھا جاتا ہے رفتہ رفتہ طبیعت کاروبار کی جانب مائل ہوتی ہے، کامیابی اور دولت یہاں بھی ہاتھوں ہاتھ لیتی ہے - اور وہی نامور بیرسٹر اب اخباری کاروبار کا مالک اور ایک امیر کبیر تاجر ہو جاتا ہے - ۱۹۱۴ء میں، جو یورپ کی جنگ عظیم اول کا سال ہے، یہ اقبالمند شخص سیاسیات میں داخل ہوتا ہے، اور ابھی اسکی پالٹی میں، ابھی اُس پارٹی میں، روز بروز عروج وترقی میں بڑھتا ہی جاتا ہے - لیجیے، اب وہ وزیر سلطنت ہو گیا - ابھی اس مہینہ کا، ابھی اُس مہینہ کا، کہ دیکھتے ہی دیکھتے وزیر اعظم! اور وزیر اعظم بھی ایک بار نہیں، دو بار! ــــــ ملک میں ایک ایک شخص اسکی خوش نصیبی اقبالمندی کا قائل ہے - ماہرین رشک کرکر اٹھتے ہیں ــ اس شخص کا نام؟ مسیو پیری لاوال! ۱۹۳۶ء میں فرانس کی کشتی کا ناخدا!

---

۱۵ - اکتوبر ۱۹۴۵ء - ملک کا مشہور باغی اور غدار، ہر طرف سے بدنام ورسوا، مدت سے مفرور تھا - ملکوں ملکوں منہ چھپائے پھرتا تھا - گرفتاری کے لیے انعام جاری تھے، اشتہار نکل چکے تھے، برطانیہ، امریکہ، روس اور خود فرانس کی پولیس اور خفیہ پولیس، نمونوں کی تصویریں لیے تلاش میں تھی - آخر میں پکڑ آیا - مقدمہ پیش ہوا اور دوران مقدمہ .... میں ملزم کو انتہائی ذلتیں اور رسوائیاں بھی برداشت کرنی پڑیں - حکم سزائے موت کا سنا دیا گیا - آج صبح وہ پولیس افسر اسی حکم کی تعمیل کرنے کے لیے مجرم کی کوٹھری میں داخل ہوے - مجرم نے نظر بچا کر زہر ہلاہل حلق میں اُتار لیا، اور فرش پر لوٹنے لگا - ڈاکٹر بھی دور نہ تھے - فوراً زہر باہر کھینچ لیا گیا - وقت مقرر آ پہنچا - پیرس کی گھڑیوں کی سوئیاں ۱۲ پر تھیں مجرم باہر لاکر ایک ستون سے باندھ دیا گیا - اور سپاہیوں کے دستہ کو حکم ملا کہ اس پر گولیوں کی باڑھ ماریں - قاعدہ کے مطابق مجرم کی آنکھوں پر پٹی بندھی تھی، مجرم نے اس سے انکار کیا، اور کہا کہ نہیں، میں کھلی آنکھوں جان دونگا، اور اپنے قاتلوں کو دیکھتا رہوں گا" آخری تمنا یہ پیش کی کہ "سپاہیوں کو فیر کرنے کا حکم میں خود دوں" درخواست نامنظور ہوئی - اور مجرم کی زبان سے اب یہ نعرے نکل رہے تھے کہ "دوستو! میں تمہیں معاف کرتا ہوں، لیکن گولی میرے قلب پر چلانا - زندہ باد فرانس!" کہ ادھر باڑھ پڑی، اور مجرم اسی لمحہ مردہ تھا! لاش ایک چھوٹے گہرے گڑھے میں ڈلوا دی گئی - اس خطہ زمین میں جو خونیوں اور ملکی غداروں کے لیے مخصوص ہے! ــ یہ ذلیل و رسوا مجرم اور مستحق صد لعنت غدار، وہی خوش بخت و اقبالمند لاوال ہے!

دنیوی جاہ وحشم کی بے ثباتی، عروج دنیا کی فنا پذیری کے نظارہ کے لیے، عبرتوں اور بصیرتوں کے لیے کیا ہمیں کچھ دور جانے اور ماضی بعید کے تاریخی ورق اُلٹنے کی ضرورت ہے؟ سامنے پیش آنے والے روزمرہ کے واقعات، کیا کچھ کم ہیں؟

بمبئی کے مسلمانوں سے

ٹائمس آف انڈیا السٹریٹڈ ویکلی

۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء: پیش نظر ہے۔ صفحہ ۲۵ پر داہنی طرف صفحہ کے اوپری گوشہ میں، ایک جوڑے کی تصویر ہے۔ جوڑا میاں بیوی کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ نوجوان مرد، انگریزی فوج کا ایک انگریز سب لفٹننٹ ہے، اور نوجوان عورت آپ سنیں گے: مسلمان خاندان کی، اور خود بھی مسلمانوں کا سا نام رکھنے والی لڑکی ہے۔ تصویر کے نیچے درج بھی جلی عنوان کے ساتھ ہے، کہ میرا لیفٹننٹ سے بمبئی شادی کی مسلمان لڑکی ہے! اور اس کے نیچے یہ مزید تشریح بھی درج ہے کہ لڑکی بمبئی کے مشہور تاجر اے، ایچ، وسرام VISRAM مرحوم کی پوتی لڑکی ہے!

بے غیرتی اور بے حسی اب اس حد کو پہنچ گئی ہے کہ بمبئی کے ہزاروں لاکھوں معزز اور نجیب اور شریف مسلمان اس حرام کاری کے مظاہرہ کو دیکھیں گے (کافر مرد کے ساتھ شادی شریعت اسلامی میں تمام تر حرام کاری ہی ہے) اور یہ دیکھ کر خاموش نہ جائیں گے!

ہمارے نمائندے

ایک صدق نواز کے ذیل کے مشاہدے

ایک لاہور کے روزنامہ سے ارسال ہوا ہے:

"لاہور ۵ اکتوبر۔ الکشن کمشنر پنجاب نے اعلان کیا ہے کہ سکھ ووٹروں کی ابتدائی فہرستیں مشتہر کر دی گئی ہیں، ترمیمیں اور اعتراضی درخواستیں ۱۱ اکتوبر تک گزر جائیں۔ ہر درخواست دہندہ کو تحریری بیان دینا ہوگا کہ میں سچا سکھ ہوں، نہ حقہ نہ تمباکو نہ سگرٹ نہ شراب پیتا ہوں اور نہ داڑھی کتراتا ہوں نہ منڈواتا ہوں۔ ۲۱ سال سے زائد کا ہر شخص ووٹر ہو سکتا ہے"۔

ہمارے نمائندے بھی کوئی اس قسم کا بیان دینے کو تیار ہیں؟ ہماری سیاسی پارٹیوں میں سے کوئی بھی اس کی ضرورت سمجھتی ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ بننے کے لئے یہی ٹھیک مسلمان تو ہو، اور اس کا علانیہ عہد کرے کہ میں نماز کا پابند ہوں، روزے رکھتا ہوں، شریعت کے احکام تمام تر واجب العمل سمجھتا ہوں، شراب سے، سود سے، جوئے سے، رشوت سے، جھوٹ سے، حرام کاری سے، زنا بازی سے تائب و محترز ہوں! پارٹی کا عمل دین اور احکام دین پر مقدم کر دینا یہ آخر کس قسم کی خدمت اسلام ہے؟

"تو برائے وصل کردن آمدی"

آل انڈیا شیعہ کانفرنس کے روح رواں خان بہادر سید کلب عباس ایڈووکیٹ کی تقریر، اجلاس کانفرنس میں:

"صاحبو! کیا ہمارے دل میں اسلام کا درد نہیں ہے؟ کیا ہم کلمہ گو نہیں ہیں؟ کیا ہم رسول کے ماننے والے نہیں ہیں؟ کیا ہمارا اُن کا قرآن ایک نہیں ہے؟ کیا ہم بھی اسی طرح توحید کے محافظ نہیں ہیں؟ اور موحد ہیں۔ سوال صرف یہ ہے کہ محافظت آپ بھی کیجئے اور ہم بھی کریں، ہمیں بھی دربانی کرنے دیجئے۔ مگر شرط یہی ہے کہ ہمیں ایسا رکھیے کہ ہم شیعہ رہ کر آپ کی محافظت کر سکیں۔" (سرفراز، ۲۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء)

جزاک اللہ۔ لیکن گزارش صرف اتنی ہے کہ اتحاد و اشتراک کے ان مقدمات سے کھلا ہوا نتیجہ بھی جو اتحاد و اشتراک ہی کا نکلنا چاہیے، اسے چھوڑ کر آپ اختلاف و افتراق تک آخر عقل و نقل کی کس منطق سے پہنچے ہیں؟ یہ نفرت سے تو حضرت مولانا بھی نکالنے کے قائل تھے۔ حیرت در حیرت ہے کہ ابتدا تو "وصل" کی تہنیت سنانے والا ہوا، اور خبر یہ لائے کہ "فصل" کی تعزیت کی! ——— "دوستداران علیؓ" کا لقب اس کانفرنس کی کارروائی چھاپتے ہوئے آخر شیعوں کے لیے کیوں مخصوص کر لیا گیا ہے؟ کیا اہل سنت حب علیؓ میں کسی سے کچھ پیچھے ہیں؟ سنیت کی تکمیل کے بے تو حب علیؓ خود ایک لازمی عنصر ہے۔

سید صاحب کی صحت

مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی کا تازہ مکتوب:

"اب اچھا تو ہوں، مگر بیماری کی شدت نے دل و دماغ پر مستقل اثر چھوڑا ہے، قلب جو پہلے باطنی امراض میں مبتلا تھا، وہ اب جسمانی و مادی مرض میں بھی مبتلا ہو گیا ہے۔ کہتے ہیں کہ پھیل گیا ہے واللہ اعلم۔ دعا کا طالب ہوں۔ جو دن ہیں غنیمت ہیں۔ مشغلہ دیر سے اب یکسوئی چاہ رہا ہوں، دارالمصنفین بھی چھوٹ رہا ہے۔ جس دل پر ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا!"

یقین ہے کہ حلقہ صدق کے سارے حضرات فاضل موصوف کی صحت کاملہ و تقویت قلب کے لیے صمیم قلب سے دعا کریں گے۔ اُن کی زندگی اُن کی تنہا زندگی نہیں ہے، پوری جماعت کی زندگی ہے، علوم اسلام کی زندگی ہے، ملت اسلامی کی زندگی ہے۔

"نئی زندگی"

ایک فاضل بزرگ تحریر فرماتے ہیں:

"ترجمان القرآن کے تازہ نمبر میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ بند کرکے نئے دور میں باتوں سے باقی ہو رہے ہیں، اسلئے یہ "نئی زندگی کا آغاز" رکھا گیا ہے۔ آپ ہی نے تو ایک مرتبہ لکھا تھا کہ پٹھان کو شیعہ اور قادیان کے درمیان کتنا فاصلہ ہے؟ اللہ رحم کرے۔"

اس پر ایک تاریخی واقعہ یاد آگیا۔ عرب کے مشہور سخی حاتم طائی کے پوتے طرفہ جو عدی بن حاتم کے بیٹے تھے، خوارج کے نعروں سے متاثر ہو کر اپنے باپ عدی کے خلاف صف میں شریک ہو گئے، اور نہروان میں جو خوارج مارے گئے، اُن میں ایک صاحب یہ بھی تھے۔ باپ حضرت علیؓ کی صف میں اور بیٹا زبان کے ان ساحروں کے ساتھ۔ طبری نے لکھا ہے کہ نہروان میں جب مقتولوں کا جائزہ لوگ لینے لگے تو بوڑھے عدی نے اپنے بیٹے کو تلاش کیا۔ لاشوں میں طرفہ کی لاش بھی تھی، الگ کر کے دفن کرنے لگے، اور کہتے جاتے تھے

الحمد للہ الذی ابتلانی بیومک علیٰ حاجتی الیک شکر ہے کہ تیرے ساتھ اُسی دن میری

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۷)

س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س - بغیر عمل کے کوئی انسان کامیاب نہیں ہو سکتا - اور خادم عملی دنیا سے کوسوں دور پڑا ہوا ہے - اللہ پاک ہی اپنے فضل و کرم سے عملی مسلمان بنا دیں -

ج - آمین - لیکن درجات عمل بھی ہمیشہ حالات تکوینی کے تابع ہوتے ہیں - اور ہر عامل کا معیار دوسرے سے الگ ہوتا ہے -

س - افسوس صد افسوس کہ منزل سلوک میں قدم رکھے ہوئے ڈھائی سال ہوئے مگر افسوس کہ خادم نے اپنے اندر کوئی خاص تبدیلی نہیں پیدا کی - تیلی کے بیل کی طرح جہاں کا وہیں پڑا ہوا اپنی عمر ضائع کر رہا ہے -

ج - لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر سالک اور طالب کا ادراک بھی اس باب میں صحیح اور قوی ہو - بہر حال سوال اسکا نہیں کہ نتائج کا ادراک آپ کو کس حد تک ہو رہا ہے - اصل سوال صرف صحیح کوشش کا اپنے تکوینی احوال کے اندر ہے - طلب صحیح اور انتہائی سعی سے زیادہ بندہ کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں -

س - گزشتہ خط میں حضرت قبلہ گاہی نے تحریر فرمایا تھا کہ زبان کو قابو میں رکھو - لغویات سے حتی الامکان بچو - اور تلاوت قرآن پاک پر زور دیا تھا،

ج - زبان پر قابو رکھنے کی ہدایت نہایت اہم ہے - لغویات سے بچنا تقویٰ کی روح ہے - اور تلاوت قرآن کی برکتوں کا کیا پوچھنا -

س - حسب ارشاد حضرت قبلہ گاہی زبان کو قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہا ہوں، مگر کامیاب نہیں ہوا -

ج - کامیابی کا ذریعہ یہی لگاتار کوشش ہے .

س - اسکے علاوہ تلاوت پاک بھی پابندی کے ساتھ نہیں کر پاتا -

ج - جو امور اس پابندی میں مانع ہوتے ہوں، غور کر کے انہیں دور کرنے کی تدابیر اختیار کی جائیں .

س - بعد عید دو ایک روز علی الصبح نیند سے ہوشیار ہوا تہجد ادا کی اور اپنے معمولات بھی الحمد للہ ادا کیے، پھر دن بھر سارا بدن سست اور نیند کا ناقابل برداشت غلبہ -

ج - سارا جواب تو اس لفظ "ناقابل برداشت" کے اندر خود ہی آ گیا - جب کوئی جسمانی ضرورت اس درجہ غالب آ جائے تو اسکے بعد تو قوت طاعت میں شائبہ بھی معصیت کا آ جاتا ہے۔

س - ہمت و عزم بار بار کر لیتا ہوں، مگر نہ معلوم کیوں ناکام ہوتا ہوں -

ج - جو ناکامی ہمت و عزم کے بعد بھی ہو وہ تو نتیجہ کی ناکامی ہوئی، جو اختیار سے باہر ہے - اجر تو اسی ہمت اور عزم پر موعود ہے، نہ کہ نتائج پر -

س - آج رات بعد عشاء ۸ رکعت نفل پڑھ کر یہ عزم کر لیا کہ انشاء اللہ علی الصبح تہجد اور معمولات ادا کروں گا، مگر نیند کا اتنا غلبہ ہوا اور غسل کی حاجت بھی پیش آئی اور اٹھ نہیں سکا - حتیٰ کہ نماز فجر بھی قضا ہو گئی - اب تک سارا بدن سست ہے -

ج - اس سارے قصہ میں ضرر کیا ہوا؟ کونسی چیز اختیار بندہ کی تھی؟ شکست عزم کا مشاہدہ، اپنے عجز کا مشاہدہ تو بندہ کے حق میں خود ایک بڑی رحمت ہے ---- یہ ہرگز ضروری نہیں کہ بندہ کو ہر رحمت کا ادراک بھی رحمت ہی کی صورت میں ہوتا رہے

س - مدت دراز سے بزرگوں کی صحبت صالحہ سے محروم ہوں - اور نہ معلوم ..... میں کوئی بزرگ صالح ہیں کہ کم سے کم انکے پاس جا کر فیض باطن سے مستفیض ہو جاؤں - یہاں کے لوگوں کی زبانی حضرت ایک نام گرامی معلوم ہوتا ہے، کہ مولوی قاضی ..... صاحب بڑے بزرگ ہیں - جہاں تک خادم کا خیال ہے اندازاً معلوم ہوتا ہے کہ موصوف کے اندر صرف سادہ دلی اور تقویٰ ہے - [illegible] نہیں معلوم ہوتا افسوس کہ موصوف بزرگ سے بھی ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہے -

ج - کسی متقی کی ہمنشینی بھی برکت سے خالی نہیں ہوتی گو محض برکت اصلاح کے لیے ہرگز کافی نہیں -

س - چند روز ہوئے خواب دکھائی دیا کہ میلاد کا دن ہے - اور کلکتہ جیسے بڑے شہر میں ہوں - ایک عالیشان ہال میں جلسہ میلاد منعقد ہو رہا ہے - خادم نے بھی اس جلسہ کے اندر شرکت کی - جب اس عالیشان ہال میں خادم داخل ہوا - اور مجمع کی طرف نظر کی تو سب کے سب میرے ہم وطن مسلمان دکھائی دیے اور صدر جلسہ میرے ہم وطن ایک عالم شریعت مرحوم مولوی صاحب تھے - خادم نے [illegible] اپنی جگہ تلاش کی اور خاموش بیٹھ گیا - صدر صاحب نے خاموش ہونے کو کہا اور خاموش ہو گئے - مگر اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں عورتوں کا بھی بندوبست تھا - کچھ وقفہ کے بعد ایک عجیب سی آواز آنا شروع ہوئی - میں نے اپنے پاس کے لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ آواز کس کی ہے - لوگوں نے کہا کسی عورت کو شیطان آیا ہوا ہے - اور کہا کہ خادم ملا

کے سامنے وہ شیطان ہر وقت رہتا ہے - جیسے ہی آتا جاتا ہے تو اسے ڈرایا کرتا ہے - میں نے کہا کہ میاں مجھ دنیا سے جایا کرتا ہوں کیا؟ تم کو بھی ڈرانے کی کوشش کرتا ہے مگر وہ تم کو ڈرا نہیں سکتا - اس ہیبت ناک آواز کی وجہ سے میری نیند ٹوٹ گئی اور ہوشیار ہو گیا - مگر دل ہیبت سے لرز رہا تھا -

ج - خواب دیکھنے والا اگرچہ بعض بدعتوں میں مبتلا ہے (مثلاً میلاد مروجہ) تاہم شریعت اور اہل شریعت کے ساتھ تعلق بھی مضبوط رکھتا ہے (مسند رحلیہ کا ایک شیخ شریعت عالم ہونا) اس لیے شیطان اسے اپنے قابو میں لانے میں کامیاب نہ ہوسکیگا انشاء اللہ -

س - دوسرے دن کا خواب - حضرت والا کی خدمت اقدس میں استادی مولوی ... صاحب ندوی مدظلہ حاضر ہیں - حضرت قبلہ گاہی استادی کو دوبارہ تلقین کر رہے ہیں اور استادی اپنی کوتاہیوں کا اقرار کر رہے تھے - بس حضرت قبلہ کا خواب میں آنا ایک پہلا موقع تھا - گویا خادم نیم ملاقات سے فیضیاب ہوا نہ معلوم خواب کی حقیقت کیا ہے - اللہ ہی بہتر جانتا ہے -

ج - استاد علوم ظاہری کی مرشد باطنی کے سامنے ادب و احترام کے ساتھ حاضری کو یہ اشارہ کر رہی ہے کہ انشاء اللہ ظاہر پر معنویت و حقیقت کا رنگ چڑھتا جائیگا - اثناء خواب میں ایک ننگ عمامہ کو دیکھ لینا اسکے ساتھ اپنے تعلق قلب و محبت کی دلیل ہے -

شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں

(مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب کا تازہ ترین فتوےٰ)

بحضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب مدظلہٗ

استفتاء

(۱) مسٹر محمد علی جناح صاحب فرقہ شیعہ ہیں آیا وہ مسلمان ہیں یا نہیں
(۲) مسٹر محمد علی جناح مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے حقوق اسلامی میں اچھی طرح حفاظت کر سکتے ہیں بحیثیت مسلمان کے یا مسٹر گاندھی یا صدر کانگریس یا ہندو کانگریسی جنکی مجلس کانگریس ورکنگ کمیٹی میں ہے -
(۳) مسٹر محمد علی جناح یا اور کوئی مسلمان یہ کہے کہ پہلے مسلمان بعد میں ہندوستانی یا صحیح ہے کہ پہلے ہندوستانی بعد میں مسلمان
(۴) مسٹر محمد علی جناح سیاست ہندوستان کے ماہر ہیں کہ نہیں -
فقط
محمد حنیف عفی عنہ

الجواب

(۱) مجھے مجملاً اس قدر معلوم ہے کہ مسٹر محمد علی جناح شیعہ ہیں - اور شیعہ اسلامی فرقوں میں شامل ہیں -
(۲) کوئی غیر مسلم بمقابلہ مسلم کے اسلامی حقوق کا محافظ قرار نہیں دیا جا سکتا -
(۳) یہ صحیح ہے کہ مسلمان پہلے مسلمان ہے بعد میں ہندوستانی -
(۴) ہاں وہ سیاست و قانون کے ماہر ہیں -

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (دعوت)

صدق کی "کانگریس نوازی"

جناب ایڈیٹر صاحب - السلام علیکم - کافی عرصہ سے صدق کا مطالعہ کر رہا ہوں - اور یہی بات میں کئی دفعہ فخر سے اپنے دوستوں کو بھی بتا چکا ہوں - جن میں سے کئی ایک صدق کے خریدار بھی ہیں - آپ کی وہ سچی باتیں واقعی دلچسپ اور عبرتناک ہوتی ہیں - اسکے علاوہ دیگر اسلامی مسائل پر بحث بھی بہت اچھی طرح کی جاتی ہے -

مگر مجھے افسوس ہے کہ آپ کا رجحان کانگریس کی طرف ہے - گو کئی دفعہ آپ مسلم لیگ کے ساتھ کانگریس کو بھی کھری کھری سنا دیتے ہیں لیکن پچھلے چند ایک پرچوں میں اور خاص طور پر آخری پرچہ میں آپ نے کچھ اچھا نہیں کیا -

کیا آپ صدق کے ذریعہ بتا سکتے ہیں کہ مشہور کانگریسی اخبار "زمزم" سے مضمون "نقطۂ اعتدال" ۱۳- اکتوبر ۳۹ئہ "صدق" میں نقل کرنے کی کیا ضرورت تھی[1] - یقیناً اگر آپ چاہیں تو آپ مسلم لیگ کے حامی اخبارات یا رسالوں کی کچھ خبریں بھی نقل کر سکتے ہیں مگر آپ کو تو زمزم وغیرہ کے سوا کوئی اور چیز سوجھتی ہی نہیں[2] -

میں نے اگر کچھ الٹی سیدھی باتیں لکھ کر آپ کو رنج پہنچایا ہو تو مجھے معاف کر دیں - میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں اور ہمیشہ کرتا رہوں گا[3] -

آپ کا عبدالرشید از دیرہ دون

---

[1] گویا یہ بھی ایڈیٹر کے فرائض میں ہے کہ ہر نقل دا نمبر سے متعلق وجوہ نقل بھی بیان کر کر کے ہر ہر پڑھنے والے تشفی و اطمینان کرتا رہے (صدق)
[2] اللہ آپ کے احساس ذمہ داری کو بیدار کرے! (صدق)
[3] کلمۂ حق کی عزت و وقعت کو اشخاص و رجال کی عزت و وقعت پر بالا رکھیے - (صدق)

لکھنؤ کا قضیہ امر حنیہ

جب کانگریسی گورنمنٹ نے یہ فیصلہ کیا کہ میلاد النبی کے جشن کے روز جلوس محمدی کے بجائے جلوس مدح صحابہ نکالا جائے تو ہم نے اس سے سخت اختلاف کیا، کیونکہ جشن میلاد النبی کے موقع پر جشن صحابہ منانا مناسب نہیں، صحو و نعت کے ساتھ اگر خلفائے رسول کا بھی

نصرانی تہمتیں

(از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ جامعہ عثمانیہ۔ دکن)

ادھر ایک کتاب جسکا نام "تاریخ اللغۃ السامیہ" پر نظر پڑی۔ یہ کسی نصرانی عالم کی کتاب ہے، "اسرائیل ولفنسون" نام ہے۔ سلسلۂ بیان میں ایک جگہ رینان کا ایک عجیب قول اس شخص نے نقل کیا ہے، ترجمہ یہ ہے کہ رینان نے پہلے تو یہ دعوے کیا ہے،

"ہر چیز اور زندگی کے ہر شعبہ میں سامی نسلیں کاہل اور فرد نظر آتی ہیں۔"

اور دنیا میں جس چیز کو پیش کرتا ہے، وہی سننے کی بات ہے۔ مصنف کتاب نے لکھا ہے کہ

"رینان اپنے دعوے کے ثبوت میں سامی نسلوں کے عقیدۂ توحید کو پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے، کہ بنی اسرائیل میں تاریخ کے نامعلوم زمانہ سے توحید کا عقیدہ جو پایا جاتا ہے، یہ دلیل ہے اس بات کی ان لوگوں کی خیالی قوت بہت پست اور ادنیٰ درجہ کی تھی، بس ایک بات پکڑلی پکڑلی۔ اس خیال میں حرکت نہیں ہے۔ بخلاف بت پرست قوموں کے انکے خیال میں وسعت اور حرکت معلوم ہوتی ہے۔ زور اور قوت کا پتہ چلتا ہے" ص۲۲

دیکھا آپ نے۔ یہی یورپ جس نے تقریباً ڈیڑھ صدی سے دنیا کو اس شور و شغب سے بھر دیا ہے کہ اپنے عقلی ضعف کے زمانے میں آدمی مشرک اور بت پرست تھا، لیکن جوں جوں عقلی ارتقاء کی طرف اسکا قدم بڑھا، توحید کے عقیدہ کو حسن قبول حاصل ہوا۔ اور ملاحظہ فرمایئے۔ اسی یورپ سے اب یہ آواز آتی ہے کہ توحید عقلی ضعف کا نتیجہ ہے، اور شرک وبت پرستی عقلی ارتقاء کی پیداوار ہے۔ اس لحاظ سے تو یہ بات صحیح ہے کہ توحید انسان کا ابتدائی مذہب ہے، کیونکہ مذہب خدا کی تعلیم کا نتیجہ ہے۔ اور شرک بعد کو پیدا ہوا ہے۔ لیکن توحید دماغی ضعف کی پیداوار ہے یہ رینان صاحب کی اوپج ہے۔ میری غرض صرف اسقدر ہے کہ اپنی منہ زوری سے جو لوگ جب چاہتے ہیں جس قسم کا دعوے کر لیتے ہیں۔ انکی باتوں کے ماننے میں آدمی کو کس درجہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

ایک دوسرا لطیفہ ملاحظہ ہو، فان فلوٹن کوئی جرمنی کے مستشرق ہیں، انکی ایک کتاب جو مسلمانوں کے عقیدۂ مہدی و دجال وغیرہ کی تحقیق میں لکھی گئی ہے۔ اسی کا ترجمہ مصر کے دو نوجوانوں نے عربی میں کیا ہے، دیباچہ میں کتاب کے متعلق مترجموں نے بڑے شاندار الفاظ لکھے تھے۔ لکھا تھا کہ

"مولف نے بحث و تحقیق میں تحلیلی طریقے کو اختیار کرتے ہوئے بڑی دقت نظر سے اس کتاب میں کام لیا ہے، جس سے انکی گہری نظر اور وسعت معلومات کا اندازہ ہوتا ہے"

یہ بھی ان ہی مترجموں میں سے ایک مترجم نے لکھا ہے، کہ ابتداءً اس کتاب کی طرف مجھے میرے "الاستاذ المرحوم السیر توماس ارنولڈ" نے اسوقت توجہ دلائی جب لندن یونیورسٹی میں ہم انکے لکچروں سے استفادہ کر رہے تھے۔ یہ "المرحوم السیر توماس ارنولڈ" کون ہیں؟ علیگڈھ کالج کے پرانے مدرس مولوی شبلی صاحب کے دوست مسٹر آرنلڈ پریچنگ آف اسلام کے مصنف ہیں۔ "المرحوم" کا لفظ تقریباً ہر جگہ مترجم صاحب کے قلم سے بے ساختہ نکلتا چلا گیا ہے میں نے اسکو بجنسہ باقی رکھا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مستشرق اساتذہ سے تعلیم پانے والے مسلمان نوجوانوں کے قلوب میں انکے متعلق کس قسم کے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سے زیادہ غنیمت تو بیچارہ ہمارا ہندوستان ہے۔ ہمارے یہاں کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے قلم سے اس قسم کے غیر مسلم اساتذہ کے متعلق بجائے "المرحوم" کے "آنجہانی" یا اسی کے قریب قریب الفاظ نکلتے ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر و اسلام کے متعلق اتنی بدتمیزی ان میں نہیں پیدا ہوئی ہے جتنی سادہ لوح مصریوں میں افسوس ہے کہ پیدا ہو گئی ہے۔ لوگوں نے اسکا نام رواداری رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ میرے نزدیک تو یہ کھلا ہوا نفاق ہے۔ اسلام سے انکار کرنے کے بعد بلاشبہ ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو چاہے کہے۔ لیکن اس کا بھی اعلان کرنا کہ اسلام کی صداقت پر میرا ایمان بھی ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ ایسی باتیں لکھنی جن سے اس اعلان کی تردید ہوتی ہو، میں تو اسکو ضمیر کی موت کی علامت سمجھتا ہوں۔ خواہ سمجھنے والے اسے جذبۂ رواداری کی زندگی ہی کیوں نہ قرار دیتے ہوں۔ ایک پوری قوم کی قوم کو دھوکے میں رکھنا کیا بلند کردار کا معیار یہی ہے؟

خیر بات کیا کہہ رہا تھا۔ عرض یہ کر رہا تھا کہ پڑھنے کے بعد کتاب میں تحقیقات و الغۃ کا ایک دریا موج مارتا ہوا معلوم ہوا۔ جس میں سب سے زیادہ دلچسپ بات فلوٹن صاحب فرماتے ہیں کہ پہلی صدی ہجری میں عرب مسلمانوں کی ذہنیت یہ ہو گئی تھی "عجمی مسلمان جو موالی کہلاتے تھے، انکو فوج میں شریک ہونے کا اگر موقع بھی ملتا تھا تو صرف پیادہ فوج میں، سواروں میں بھرتی نہیں ہو سکتے تھے"

اسکے بعد ارشاد ہوتا ہے "ان عجمی مسلمانوں کو ادنیٰ درجہ کے ذلیل مکانوں میں رہنے پر مجبور کیا جاتا تھا" اور آخری تحقیق جناب فلوٹن صاحب کی یہ ہے کہ "جو مسجدیں خاص عربوں کے ساتھ مختص تھیں، ان میں یہ عجمی مسلمان داخل بھی نہیں ہو سکتے تھے۔ بلکہ انکی مسجدیں عرب مسلمانوں سے علیحدہ ہوتی تھیں، جن میں صرف وہی نماز پڑھ سکتے تھے" (کتاب السیادۃ العربیہ ص۳۵)

میں کیا عرض کروں، پڑھتا جاتا تھا، اور تحقیق کے نام سے یورپ کے مستشرقوں نے آنکھوں میں خاک جھونکنے کی جو مشق بہم پہونچائی ہے اسے سوچ سوچ کر دل میں کہتا جاتا تھا کہ جو نہیں جانتے ہیں ان بیچاروں کا

مراسلہ

شرعی اور رواجی پردہ

[سید قبول احمد صاحب ایم اے ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر سیتاپور کے انگریزی رسالہ پردہ پر مختصر تبصرہ صدق نمبر ۳۲ میں نکلا ہے۔ رسالہ مذکور پر موصوف کو ایک تنقیدی خط موصول ہوا۔ خط اور اسکا جواب سید صاحب موصوف کے قلم سے دونوں درج ذیل ہیں۔ صدق]

مکتوب

اس رسالہ کا ترجمہ اردو میں ہونا چاہیے تھا، تاکہ اردو داں طبقہ بھی جو پڑھ سکتے ہیں اسکو سمجھ سکتا۔ اور علماء کے سامنے بھی پیش کیا جا سکتا۔ پھر شاید آپ نے غور کیا ہوگا کہ پردہ آج گھرانوں میں بعض جگہ سے پایا جاتا ہے جہاں مرد لوگ مغربی تعلیم کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں اور مذہب کے حلقہ اثر سے سیکولرش ہو چکے ہیں۔ لیکن پردہ ایک نہایت اہم شعار اسلامی کی حیثیت سے برقرار رہنے دیا گیا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ گھر سے باہر آنے میں اور بے راہ روی کی گرفت اگر میاں تو معاف بھی کر سکتے ہیں، مگر بیوی ہرگز معاف کرنے والی نہیں۔ اس کی عافیت اسی میں ہے کہ کوتوال قید رکھا جائے اور چہرہ کو کھلا رہنے دیا جائے۔ اس رسالہ میں ازواج مطہرات کے عنوان سے جو آپ نے تحریر فرمایا ہے اور اس سے جو نتیجہ اخذ فرمایا ہے مجھے اس سے اختلاف ہے۔ رسول کے اسوۂ حسنہ مسلمانوں کے لیے قابل تقلید ہیں۔ دراصل انکا ہر عمل قرآن کی تفسیر ہے۔ اور اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی احکام ممکن العمل ہیں۔ ازواج مطہرات کی زندگی بھی مسلمان عورتوں کے لیے قابل تقلید ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نے "وقرن فی بیوتکن" کے معنی بیان فرمائے ہیں "اور تم اپنے گھروں میں قرار سے رہو" مودودی صاحب نے بھی یہی معنی بیان فرمائے ہیں "اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو" دراصل "قرن" کے معنی بیان کرنے میں رسمی پردہ کا پورا پورا جواز قرآن سے ثابت کرنے کے لیے "قرن" کا یہ ترجمہ بالکل مصلحت کے موافق تھا۔ آپ کا تشفیہ ترجمہ یہ ہے "اور تم گھروں میں وقار سے رہو"۔

جواب مکتوب

اس رسالہ کا ترجمہ اگر ممکن ہو سکا تو اردو میں بھی چھپوا دیا جائیگا۔ چونکہ اسکو تعلیم یافتہ مسلمانوں کے سامنے لانا تھا۔ اور ہندوستان کے ہر حصہ میں بھیجنا تھا اور بعض حصوں میں اکثر مسلمان اردو نہیں سمجھ سکتے۔ لہذا یہ مختصر رسالہ انگریزی میں لکھا گیا۔ رہ گئے علماء، تو انکے سامنے یہ مباحث بارہا لائے گئے ہیں مگر بے سود۔ انگریزی تعلیم کے متعلق انکی رسالے میں ذرا بھی فرق نہ آیا گو امتداد زمانہ سے انکے فتاوے اوراق پارینہ کی طرح ایک طرف اٹھا کر رکھ دیئے گئے۔ مجھے یاد ہے کہ بچپن میں محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا اجلاس جہاں کہیں ہوتا تھا یہ فتاوے دیواروں پر لگائے جاتے تھے اور تقسیم بھی کیے جاتے تھے اور لوگوں کو اس میں شرکت سے بذریعہ ایک زبردست پروپیگنڈے کے باز رکھا جاتا تھا۔ میں ایک مرتبہ بچشم خود یہ نظارہ دیکھ چکا ہوں۔ یہی حال تعلیم نسواں کے متعلق ہو رہا ہے اور موجودہ پردہ کا بھی یہی حشر ہوگا۔ ہم شرعی پردہ کی تبلیغ کرکے مغربیت نوازی کا دروازہ مسلمان عورتوں پر بند کرنا چاہتے ہیں، مگر اکثر علماء اور بہت سے تعلیم یافتہ حضرات لکیر کے فقیر پردہ کر مسلمانوں کی قوت عمل اور قوت فکریہ کو مفقود کرنا چاہتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس موجودہ اقتصادی کشمکش میں یا تو مسلمان پیچھے رہ جاتا ہے یا مذہب کو پس پشت ڈال کر اندھا دھند مغربی تقلید پر کمر باندھ لیتا ہے۔ چوتھی صدی کے بعد اجتہاد کے دروازہ کو بند کرکے انسانی ذہنیت کو معطل کیا جا چکا جسکا نتیجہ ٹرکی کی لامذہبیت میں سامنے آیا۔ اب تعلیم نسواں روکی جا رہی ہے مگر وہ بھی رکتی نظر نہیں آتی۔ عورتوں کو علمی قوت عطا کرکے انکی جائز آزادی اور جائز مطالبات سے نظر پھیر لینا محض اس وجہ سے کہ آپ سوسائٹی کی شیرازہ بندی اسلامی طریقے پر نہیں کرسکے گویا عورتوں کو خود مغربیت کی طرف لے جانا ہے۔ اور یہی ہو رہا ہے۔ محض یہ کہہ دینا کہ "جہاں مرد لوگ مغربی تعلیم کے اعتبار سے کافی ترقی یافتہ ہو چکے ہیں وہاں بھی موجودہ پردہ برقرار رہنے دیا گیا ہے" اس بات کی دلیل نہیں کہ ہمیشہ یہی لیل و نہار رہیں گے۔ جہاں کہیں یہ ہو رہا ہے اور یہ ضرور ہے کہ عام طور پر ایسا ہی ہو رہا ہے کہ اسکو ہم DIEHARDISM (مریض سخت جان کی جانکنی) سے تعبیر کرتے ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں میں عورتوں کی تعلیم کے متعلق جد و جہد شروع ہو گئی ہے۔ پچیس سال پہلے کے یونیورسٹیوں کے نتائج دیکھو جس وقت ایک مسلمان عورت کا نام بھی کامیاب امیدواروں کی فہرست میں نہ ملتا تھا اور مثال کے لیے گذشتہ سال کے نتائج دیکھو۔ بیّن فرق نظر آئیگا۔ پھر ان تعلیم یافتہ عورتوں کے خیالات اور عمل پر غور کرو یہ اسوقت ہو سکتا ہے کہ انگریزی اردو رسالے اور اخبارات تمھارے زیر نظر ہوں اور پھر غور کرو کہ مسائل آئندہ پچیس سال کے بعد کیا ہوگا۔ آپ کو "ورلڈ آرڈر" (موجودہ نظام دنیا) سے علیحدہ رہ کر زندگی گذارنا مشکل ہے لیکن آپ کو مسلمان رہنا بھی ضروری ہے۔ جس قدر آپ کو بننا ضروری ہوگا۔ جبکہ آپ کی زندگی دنیوی حیثیت سے منفرد ہو لیکن اسلامی احکام و مشاغل [illegible] ہوگا۔ ہم مرد تو دنیاوی حیثیت سے ترقی کر رہے ہیں اور اسقدر تنگ ہو رہے ہیں کہ اسلامی نظام کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔ انکو اسلامی احکام کو مضبوط

عجیب ہے کہ صاحب مکتوب نے اپنے جواب میں اس دعوی کو گویا تسلیم کر لیا ہے۔

پکڑنے کے لیے کچھ پیچھے آنا چاہیے - اور عورتیں اس موجودہ پردہ میں دنیاوی کام نہیں کر سکتیں - انکو قدرے آگے بڑھنا چاہیے اور مردوں کو بھی چاہیے کہ انکو آگے بڑھنے کا موقع دیں مگر اسلامی حدود کے اندر رکھکر جتنا قدر مردوں کے لیے ضروری ہے کہ دنیاوی لحاظ سے کسی قوم کے مردوں سے پیچھے نہ رہیں مگر اخلاقی لحاظ سے مسلمان رہیں - اسی قدر عورتوں کے لیے ضروری ہے کہ کسی قوم کی عورتوں سے جائز اور ضروری دنیوی ترقی میں پیچھے نہ رہیں لیکن اخلاقی لحاظ سے مسلمان ہی رہیں - اگر آپ باعزت زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو آپ کو از سر نو اپنی سوسائٹی کی شیرازہ بندی انہیں اصولوں پر کرنی ہوگی - اجتماعی حیثیت سے بھی اور فرداً فرداً بھی - اگر آپ یہ نہیں چاہتے اور شکست خوردہ حیلے حوالے پیش کرنا چاہتے ہیں تو اسکو شکست خوردہ ذہنیت کے نام سے موسوم کیا جائیگا اور یہ رجحان قوم کے لیے زہر ہلاہل ہے - مگر مجھے افسوس ہے کہ ہمارے نوجوان کسی دوسری ٹکیہ پر جینا بہت آرام دہ خیال کرتے ہیں خود کچھ کرنا نہیں چاہتے -

میرے شرعی پردہ کی تبلیغ سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ میں عورتوں اور مردوں کے فرائض یکساں سمجھتا ہوں - میں انکی شاہراہوں کو جدا سمجھتا ہوں - مگر میرا یہ خیال ضرور ہے کہ موجودہ رسمی پردہ انکے لیے جائز فرائض ادا کرنے میں بیطرح حارج ہے - میں نے اپنے رسالہ میں یہ خیال کرکے کہ میں مغربی تعلیم سے آراستہ و پیراستہ حضرات کے سامنے اپنا اظہار خیال کر رہا ہوں - کچھ اشارہ بھی ان فرائض کی جانب کیا ہے - اگر ضرورت سمجھی گئی تو آئندہ کے صفحے ان فرائض کی شرح کرنے میں صرف کیے جا سکتے ہیں - "کوتوال کو قید رکھنا اور چور کو کھلا رکھنا" عجیب ہی تشبیہ ہے - اگر تو رفتار زمانہ کو دیکھتے ہوئے اور عورتوں میں موجودہ تعلیم کی رفتار کو خیال کرتے ہوئے ارباب بصیرت دعوے پر یہ مخفی نہ ہوگا کہ کوتوال عرصہ تک قید نہیں رکھا جا سکتا - تم اسکی پیدا شدہ قوت کو دبا نہیں سکتے - جہاں اسکو تم حد سے لگا سکتے ہو اور یہ انضباط جائز طریقے شرعی پردے سے ہو سکتا ہے ورنہ وہ قوت بے جا طریقے سے ضرور استعمال ہوگی - دب نہیں سکتی - اور اگر تھوڑی دیر کے لیے فرض بھی کر لیا جائے کہ کوتوال صاحب قید ہی پڑے رہینگے تو چور تو چور ہی رہیگا کوتوال صاحب کی نگرانی سے مستغنی ہو کر کسی دوسرے خانہ میں ہاتھ صاف کریگا - اور یہ ہو ہی رہا ہے - مسلمانوں میں "لوفرازم" (بدنظری) بے طرح موجود ہے - اپنی چیز کو محفوظ کرکے دوسروں کی چیز پر ڈال ڈکھاتے ہیں - یہ بات شرعی پردہ سے جا سکتی ہے - انکو یہ بھی یہ خیال ہوگا کہ اگر ہم کسی کی ماں بہن کو تکتے ہیں تو ہماری ماں بہن کے ساتھ بھی یہی معاملہ کیا جا سکتا ہے - شرعی پردہ سے عورت اپنے خاوند کے چال چلن

کی اصلاح کر سکتی ہے اور خاوند اپنی عورت کی - کتنے خاوند ہیں جو گھر سے یہ کہکر جاتے ہیں کہ کسی دوست سے ملنا ہے اور دراصل آوارگی مقصود ہوتی ہے - اگر عورت شرعی طریقے سے آزاد ہے تو وہ یہ کہہ سکتی ہے کہ چلیے ہم تمہارے ساتھ چلتے ہیں - ممکن ہے تم اپنے دوست کے پاس بیٹھو مگر ہم تمہارے دوست کی بیوی کے پاس بیٹھیں گے - یہ میں نے بطور مثال کے ایک بات پیش کی ورنہ سیکڑوں مثالیں دی جا سکتی ہیں - رہا یہ کہ آپ یہ نہیں کر سکتے کہ مجھے اس آزادی سے بیجا فائدہ اٹھائینگی - کیونکہ ہم سوسائٹی کی نئی تشکیل اسلامی طریقے پر کرنا چاہتے ہیں جہاں ایسے مواقع بہت کم ہونگے - مگر ہم آپ پر آشوب سے بے خبر نہیں رہ سکتے کیونکہ آپ نے یہ فرض کر لیا ہے کہ چور چور ہی رہے گا - آپ کے ذہن میں نہ تو چور کی اصلاح کا خیال آتا ہے نہ کوتوال کی رہائی کا - یہی شکست خوردہ ذہنیت ہے جو ہمیں صدیوں کی غلامی سے ترکہ میں ملی ہے - اور اسی ذہنیت بیماری پر اور اسی دل کی ناکامی پر ہم ماتم کناں ہیں - (باقی آئندہ)

نایاب مشورہ

"انیشنلسٹ کمیٹی" کے پریسیڈنٹ سابق جسٹس چودھری نعمت اللہ نے ایک بیان میں تمام مسلمانوں سے اپیل کرتے ہوئے کہا ہے، "میں نے یہ خبر بڑی ہی تشویش کے ساتھ پڑھی ہے کہ سنی بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ وہ تمام مرکزی صوبائی کونسلوں اور اسمبلیوں کے آئندہ انتخابات میں ہر شیعہ امیدوار کے خلاف خواہ وہ کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق رکھتا ہو، مخالفت کریگا - یہ ایک تحریک ہے جسکی جس قدر بھی مذمت کی جائے کم ہے"۔

آگے چل کر موصوف نے فرمایا ہے "اسوقت شیعہ سنی تنازعہ کے ذریعہ سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوشش کرنا اسلام کو نقصان پہونچانے سے کم نہیں ہے - گو کہ میں کسی سیاسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتا لیکن تمام سنیوں سے اپیل کرونگا کہ ایسے تمام شیعہ امیدواروں کی پوری حمایت کریں جو مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہوئے ہیں" ......

چودھری نعمت اللہ پریسیڈنٹ انٹی تبرا کمیٹی کا درج سابہ بیان یہ وقت انتہا ء ایک برمحل اقدام ہے - ہندوستان کے تمام سنی و شیعہ مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس قسم کی ہر جماعتی تفریق سے بلند ہو کر خالص اسلامی نقطۂ نظر سے اس انتخابی جد و جہد میں مسلم لیگ کی حمایت کریں - (انقلاب بمبئی)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر پبلشر نے ... پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

(بقیہ صفحہ ۴)

ذکر کیا جاتا تو کچھ بیجا نہ تھا۔ مگر ہماری بات کو کسی نے نہ مانا اور جلوس محمدی کے بجائے یوم میلاد النبی کو جلوس مدح صحابہ نکالنے کا فیصلہ ہوا۔ جس سے شیعوں کی ذہنیت اس طرح بگڑی کہ انہوں نے تبرہ بازی شروع کر دی۔ حالانکہ وہ بھی اس فرمان خداوندی کو جانتے تھے کہ مشرک جنکو اپنا دیوتا مانتے ہیں مسلمان ان پر بھی تبرہ بازی نہ کریں مدح صحابہ اور تبرہ کا نتیجہ یہ نکلا کہ سنی شیعوں میں ایسا تفرقہ پڑا، جسکی مثال تاریخ اسلام میں نہیں مل سکتی۔ یہی نہیں کہ شیعوں نے سنیوں کا بائیکاٹ کر دیا بلکہ خون خرابہ ہوا۔ یہاں تک کہ گورنمنٹ کو بھی اپنے اصول کے خلاف اس مذہبی معاملہ میں مداخلت کرنا پڑی اور مدح صحابہ پر کڑی پابندی عائد کرکے مذہب اسلام کی توہین کی گئی۔ کیونکہ گورنمنٹ کو مذہب اسلام سے واسطہ نہ تھا۔ مگر خون خرابہ ہوا اسکو روکنے کیلئے گورنمنٹ کو ایکشن لینا پڑا۔

اس سے تو کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ شیعہ بھی خدا کو اپنا بادشاہ مانتے ہیں قانون الہٰی یعنی قرآن مجید کو بھی مانتے ہیں اور خدا کی اطاعت لازم جانتے ہیں۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ شیعہ جماعت قانون الہٰی کو نہیں مانتی مگر ہم اسکو باور نہیں کرتے۔ کیونکہ بڑے بڑے شیعہ علماء نے ہم کو یہ بتلایا کہ کوئی شیعہ قرآن سے انکار نہیں کرسکتا اور ہمارے قوم پرور دکل سکریٹریا جو شیعہ ہیں اپنے پیغام عید میں اس بات کو ظاہر کر چکے ہیں کہ ہر مسلمان کے لیے چاہے وہ کسی فرقہ یا طبقہ کا ہو۔ خدا کی بادشاہت کو ماننا اور اس کے حکم پر چلنا لازمی ہے۔ جس طرح سنی مسلمان پیر پرستی میں لگے ہیں۔

اسی طرح شیعہ بھی اپنے کو حضرت علی یا امام حسین کا بندہ کہیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن خدا کی بادشاہت کو ماننا اور قرآن مجید پر عمل کرنا ہر شیعہ کا فرض ہے۔ سنی علماء کی طرح شیعہ علماء نے بھی رسم و رواج کے شکنجہ میں گرفتار ہو کر شیعوں کی ذہنیت اس طرح بگاڑ دی کہ وہ بھی قانون الہٰی پر غور و خوض نہیں کرتے اور خدا کے حکم پر نہیں چلتے۔ ورنہ کیا یہ ممکن تھا کہ ایسے نازک موقع پر جبکہ ملت اسلامیہ کی زندگی کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ مدح صحابہ کے جھگڑے شیعہ سنیوں میں پھوٹ ڈالی جاتی اور وہ ایک دوسرے کو دشمن ہو جاتے۔ شیعہ بھی اس فرمان خداوندی کو جانتے ہیں کہ ملت اسلامیہ میں پھوٹ نہ ڈالنا چاہیے ورنہ انکی جمعیت پست ہو جائیگی اور ہوا اکھڑ جائیگی۔ اب تو سب مسلمان علماء و مشائخ کی کرامت سے اس طرح فرقہ بندی میں لگے ہیں کہ برادران وطن اپنے آپس کے مذہبی اختلافات کے باوجود ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن کر ہند سوراج کے نصب العین کو پورا کرنے کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا رہے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی اختیار کر رہے ہیں۔

(باقی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی
معاملات کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کیجئے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
"محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
ششماہی [illegible]
بیرون ہندوستان سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ [illegible]
(ٹیلیفون نمبر ۴۶۱)

نمبر ۴۹ | یوم سہ شنبہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

لیگی پریس کی خبریں اور کارٹون:-

"کانگریس نے دو کروڑ کے سرمایہ سے جمعیۃ العلماء اور دوسرے مخالفین لیگ کو خرید لینے کا تہیہ کیا ہے۔"

"ڈاکٹر ذاکر حسین خاں نے پاکستان کی تائید میں بیان شائع کیا ہے"

"جمعیۃ علماء، جمعیۃ غلاماں ہے۔ ابرار بدکار ہیں، [illegible] خبیث ہیں۔"

اس طرز تحریر و انشاء کے بعد مصالحت و مفاہمت کے امکانات باقی رہ جاتے ہیں؟

غیر لیگی پریس کی خبریں اور اطلاعیں:-

"مسٹر جناح کو عنقریب بمبئی کی گورنری ملنے والی ہے۔ یہ معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے۔ بلکہ یہ بھی کہ وہ اسکے لیے کوشش کر رہے ہیں۔"

"جناح مرتد ہو گئے ہیں۔ مدت ہوئی ایک مجوسیہ سے شادی کے وقت وہ ترک اسلام کا اعلان کر چکے ہیں۔ اور مشرقی صاحب گواہ ہیں کہ وہ قرآن کو ایک فرسودہ کتاب ٹھہرا چکے ہیں۔"

"مسلم لیگ کے اکابر سرکار پرست و جاہ پرست امراء ہیں اور عوام جو اس میں شریک ہیں وہ گنڈے اور بدمعاش ہیں"

یہ گل افشانیاں مسلمانوں کی مسلم زعماء کے متعلق ہیں!

ہمدردی اور محبت جس پارٹی کی بھی ہو، بہرحال اس پر دونوں فریق

معتقد ہو گئے ہیں کہ شائستگی، دیانت، شرافت، انصاف و حق گوئی کو سب مل کر شکست دے کر رہیں گے!

برطانوی الیکشن کو ابھی زمانہ کتنا ہوا۔ کل ہی کی تو بات ہے۔ کس زور و شور کا مقابلہ آپس میں ہوا ہے! کیسا زبردست پروپیگنڈا! کیسی کیسی دھواں دھار تقریریں، کیسی کیسی گرماگرم تحریریں! لیکن کسی نے ایک دوسرے کی ذاتیات پر بھی حملے کیے؟ کوئی ایک بھی دوسرے کی شخصی توہین اور رسوائی کا بھی مرتکب ہوا؟ کسی نے ایک دوسرے پر گندگی اچھالی؟ کسی نے کسی کے خلاف شخصی منافرت اور بیزاری پھیلائی؟ اسکے برعکس سارا زور، سارا جوش، ایک فریق کا دوسرے فریق کے پروگرام کی کمزوریاں، اسکے سابق کاموں کی خرابیاں، اسکی روش کی خامیاں، دکھانے اور واضح کرنے پر صرف ہوتا رہا۔ چرچل کی شخصی قدر و منزلت کا اعتراف قدم قدم پر رہا، چرچل کی شخصیت کے احترام میں ایک ذرہ فرق نہ آنے پایا۔ چرچل کو اپنا قومی محسن، اپنی قومی تاریخ میں شاید سب سے بڑا محسن، سب سے بڑا مشکل کشا، سب تسلیم کرتے رہے، لیکن چرچل کی اندرونی ملکی پالیسی کے پرخچے اڑا دیئے۔ چرچل کی پارٹی کے پروگرام کو پرزے پرزے کر ڈالا! —— یہ سیدھا سادہ سبق اگر ہم اپنے ماضی سے نہیں سیکھتے، تو کیا غیروں اور بیگانوں کے حال سے بھی نہیں سیکھ سکتے؟

آزادوں کی تنگ خیالی

"اکبر" اتحاد المسلمین نے

شیعی عقائد و عمل

(آل انڈیا شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے خطبہ صدارت سے)

آپ تمام حضرات بخوبی واقف ہیں کہ ہمارا یعنی ہم شیعوں کا اسوقت سے وجود ہے جب سے حضرت علیؑ سابق الاسلام حضرت محمد مصطفےٰ کے روحانی جانشین ہوئے۔ اور ہمارا مذہب و عقیدہ ہمیشہ رہا ہے جو خدا کی کتاب اور اسکا برگزیدہ نبیؐ لایا تھا۔ نیز ان اصولوں کے ماتحت جو ہمارے اول امام حضرت علی علیہ السلام، امام حسن علیہ السلام، امام حسین علیہ السلام اور انکے جانشینان صحیح نے پیش فرمائے تھے۔ اسلئے ساتھ ساتھ ہمارے قوانین وہی رہے جنکی توضیح و تشریح ہمارے امام حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمائی جسے شریعت جعفریہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ......

جب ۱۹۱۹ء میں عظیم الشان تحریک خلافت کا اس ملک میں اجرا کیا گیا جو بالکل ۱۹۱۲ء کے اغراض و مقاصد سے مشرق وسطیٰ کے مسلم ممالک کی مسلم آبادی کی حفاظت کے لیے جاری کی گئی تھی اور اسکے کیساں نوعیت رکھتی تھی، تو اس جد و جہد میں تمام شیعہ مسلم جماعت تہ دل سے شریک ہوگئی اور اس نے اس سلسلہ میں کسی قربانی سے بخل نہ کیا، نہ اُن زیادتیوں کے سلسلہ میں جو تحریک خلافت کے سلسلہ میں کی جا رہی تھیں انکے ازالہ کرنے میں کوئی کوتاہی کی۔ یہ ایک نمایاں حقیقت ہے اور میں امید کرتا ہوں کہ کسی جماعت یا طبقہ کے لیے جو خواہ شیعوں کا کتنا ہی دشمن ہو یا اب ہو جائے اس سے انکار نا ممکن ہے۔ (سرفراز)

صدق۔

جو آپ کہہ رہے ہیں وہی ہو بھی جائے!

تفرقہ انگیز رزولیوشن

آل انڈیا شیعہ کانفرنس شیعہ بھائیوں کے کسی قابل ذکر گروہ کی نمایندہ ہو یا نہ ہو لیکن اس مجلس میں جو قرارداد منظور ہوئی (اور ایسوسی ایٹڈ پریس کا بیان ہے کہ بہت بڑی تعداد نے اُسکے حق میں ووٹ دیے) وہ شرکا ءکیلیے کسی نقطۂ نگاہ سے بھی باعث عزت نہیں سمجھی جا سکتی۔ اسکا مفاد یہ ہے کہ ہندوستان کی مختلف سیاسی جماعتیں بالخصوص آل انڈیا مسلم لیگ؛ اگر شیعہ حضرات کے تمام جائز آئینی اور مذہبی حقوق کی حفاظت کا یقین دلا دیں تو انکے ساتھ معاملہ کر لیا جائے۔ ایک ترمیم پیش ہوئی تھی کہ مسلم لیگ کے ساتھ گفتگو جاری رکھی جائے۔ لیکن آیندہ انتخابات میں شیعہ حضرات لیگ کے نمایندوں کی امداد کریں۔ مسٹر حسین بھائی لالجی صدر کانفرنس نے ... مخالفت مقدمہ

قرار دے کر مسترد کر دیا۔

سید کلب مصطفےٰ صاحب نے بڑی دردمندی سے اپنے پُرجوش بھائیوں کے روبرو یہ حقیقت واضح کرنے کی کوشش کی کہ کانگریس مسلم لیگ کو چیلنج دے چکی ہے اور اسلام کے مفاد کا تقاضہ یہ ہے کہ تمام اصحاب مسلم لیگ کا ساتھ دیں۔ لیکن اس صدائے درد کو قابل توجہ نہ سمجھا گیا۔

ہمیں ان حضرات کے اس نہایت غلط اور از سر تا پا خلاف مصلحت طرز عمل پر دلی رنج ہے۔ شیعوں کے مخصوص آئینی حقوق کیا ہیں جنکو اب تک کسی جگہ نقصان پہونچنے کا امکان پیدا ہوا؟ کونسا بڑے سے بڑا عہدہ ہے جس پر شیعہ فائز نہ ہوئے؟ مسلمانوں کی کونسی جماعتی تحریک ہے جس میں شیعہ حضرات کو سنیوں نے بالعموم پیش پیش نہ رکھا؟ یہاں تک کہ آج بھی مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت کا قائد اعظم شیعہ ہی ہے، یعنی مسٹر محمد علی جناح۔ کیا سنیوں کی اس رواداری کی کوئی نظیر شیعہ حضرات پیش کر سکتے ہیں؟

انکے مذہبی حقوق کو کب کسی نے آج تک گزند پہنچایا؟ کیا وہ اپنے تمام تعزیتی ایام منانے میں ہمیشہ آزاد نہ رہے اور کسی سنی نے ان سے تعرض کیا؟ کیا انکی نمازوں یا مسجدوں یا امام باڑوں سے کبھی تعرض کیا گیا؟ اختلاف صرف تبرا ایجی ٹیشن پر ہوا۔ لیکن کیا دنیا کی کوئی جماعت، کوئی قوم، کوئی حکومت یا کوئی با اختیار ادارہ اتنا سوء اختیار اور عقل سوختہ ہو سکتا ہے کہ ۱۹۴۵ء میں شیعوں کو اجازت دے کہ وہ برسرعام اُن بزرگ ہستیوں اور اُن مقدس وجودوں کے خلاف اہانت آمیز کلمات استعمال کر کے خوش ہو لیں جنکے لیے اس سرزمین کے کروڑوں افراد اور سطح ارضی کے ایک بہت بڑے حصہ کے دلوں میں انتہائی محبت و عقیدت کے جذبات موجزن ہیں؟ (انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری ماہ نومبر میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ عنایت چندہ بہت جلد ارسال فرمائیے

خریدار ۲۲۶، ۲۵۴، ۲۸۶، ۴۸۲، ۹۸۲
۹۸۴، ۱۳۵۰، ۱۳۵۲، ۱۳۵۵، ۱۳۶۷
۱۴۴۱، ۱۳۹۳، ۴۹۴، ۱۴۹۵، ۱۴۹۹
۱۴۹۶، ۱۴۹۷، ۱۵۰۷، ۱۵۰۸، ۱۵۰۹
۱۵۱۲، ۱۵۱۳، ۱۵۶۷، ۱۶۲۶، ۱۶۳۲

خادم مہتمم صدق لکھنؤ

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

شدہ نے صلاحیتیں اور استطاعتیں تو ہر قسم کی بندہ کو دیدی ہیں۔ اور یہ اگر نہ ہوں تو اختیار رہنے استعمال کے معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ ساتھ ہی صحیح استعمال کے طریقے بھی بتا دیے ہیں۔ بندہ کا اختیار کا غلط استعمال کرنا، یہی بدی اور کفر ہے۔

اس سیدھے سادے مسئلہ کے سمجھنے میں کہ مرزا اختیار یا نیکی اور بدی کی صلاحیتیں بالکل شروع سے ہر [illegible] جو آگے ہیں کر بیان [illegible] ہے کہ یہی صلاحیتیں [illegible] ہوتی تھیں، دہریت اور دخت کا باعث [illegible] قرآن کی [illegible] جو مشیت (بمعنی قانون تکوینی) اور رضا (بمعنی قانون تشریعی) کو ایک سمجھتے رہتے ہیں، ان دونوں کے درمیان خلط مبحث کیا کرتے ہیں [illegible] شفوریت کو [illegible] اس طرح کے عقائد [illegible] رہیں عقائد کی بنیاد تو ظاہر ہے کہ کسی صوفی کا کلام [illegible] کوئی بھی قول نہیں ہو سکتا۔ وہ تو صرف قرآن مجید کی آیات محکمات ہی ہو سکتے ہیں۔

عمر خیام سینما میں

"یہاں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ایرانی شاعر عمر خیام کی زندگی کی رنگین تصویر عنقریب پردہ سیمیں پر پیش ہونے والی ہے۔ فلم کچھ ہندوستان میں اور کچھ ہالی وڈ میں تیار ہو رہی ہے اور اس میں کام کرنے والے ہندوستان اور امریکہ دونوں کے ایکٹر ہیں۔ (لیڈر ۲۲ اکتوبر ۳۵ء - وقائع نگار لندن کے قلم سے)

فرنگستان کو جس درجہ خیام سے گرویدگی ہے، اور جس طرح اہل فرنگ نے خیام کے جام و بادہ کو اپنے رنگ میں رنگ لیا ہے، اسکے لحاظ سے تو اسے تھیٹر اور سینما دونوں پر اس سے بہت قبل آجانا چاہیے تھا۔ حیرت اس پر نہیں کہ وہ اب کیوں آرہا ہے، بلکہ اس پر ہے کہ اب تک کیوں نہیں آیا تھا —— کیا خوب معیار قدر افزائی و قدر شناسی ہے! جس سے ناخوش ہوئے، اُسکی "رجعت پسندی" کا صور پھونک دیا، جس پر مہربان ہوگئے، اُسے سرتاپا رنگ کر، سجا کر، رہے سہے [illegible] اُسکی تصویر چلا دی، پھیلا دی!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

..... (بستی و دانشمندان) (۱) یہ اشارہ ہو جاتا کہ اس نوٹ کے نقطۂ نظر میں اصول غلطی کیا تھی، تو نظر ثانی میں آسانی ہو جاتی۔

(۲) طویل و مبسوط مضمون سے مانع ہمیشہ قلت گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ بہت دفعہ قلت وقت بھی ہوتی ہے۔ محدود وقت میں تمام مسائل پر توجہ عملاً ممکن کیونکر ہے۔

گوشت خوری پر ایک نظر

(از مظفر علی صاحب، کنڈل واڑی، علاقہ نظام دکن)

[مضمون نگار صدق کے ایک قدیم مخلص ہیں۔ مضمون محض انکے اصرار کی تعمیل میں مع جوابات درج کیا جا رہا ہے۔ ورنہ اپنی انتہائی بے مغزی کے باعث اشاعت کے قابل ہرگز نہ تھا۔ صدق]

عہد حاضر میں سائنس کی روشنی نے انسانی اور حیوانی تجربہ سے پایۂ ثبوت کو پہنچا دیا ہے کہ غذا میں گوشت کی ضرورت نہیں ہے۔[1] ماہرین حیاتیات نے انسان کو نباتات کھانے والے جانداروں میں شمار کیا ہے۔[2] سائنس نے یہ ظاہر کیا ہے کہ ہم بغیر گوشت ہی اچھی صحت، توانائی اور درازی عمر حاصل کر سکتے ہیں۔[3] ابتدائے آفرینش میں انسانی غذا سخت پوست کے میوے، رس دار اور نرم جڑیں تھیں۔ انسان جب جنگل چھوڑ کر چٹیل میدانوں میں آبسا، تبدیلی ماحول سے مجبور ہو کر میوے اور سبزیوں سے منہ موڑ کر گوشت پر رال ٹپکی، جس کے طلوع میں گوشت خوری نہیں پائی جاتی تھی۔[4] فطرت نے انسان کو گوشت چیرنے پھاڑنے کے قابل دانت نہیں عطا کیے ہیں۔[5] معدہ کی غذائی انتڑی گوشت خور جانداروں کی چھوٹی ہوا کرتی ہے، تاکہ فضلہ میں سڑاند نہ ہو سکے۔ چونکہ وہ زیادہ عرصہ تک جسم میں نہیں ٹھہرتا۔ انسان کے معدہ کی انتڑی لمبی ہوا کرتی ہے۔[6] اس لیے گوشت کا استعمال خلاف فطرت ہے۔ پہلے پھل ورنہ بھی سخت پوست کے میوے

---

[1] ہمارا مدعا بعد لفظ "ضرورت" میں ہے۔ گوشت خوری کو ہر انسان کے لیے ہر حال میں لازمی یا شرط زندگی تو کسی نے بھی نہیں قرار دیا ہے، نہ سائنس نے نہ مذہب نے، نہ عقل نے نہ نقل نے۔ البتہ مذہب نے اسے اچھا کہا اور سمجھا ہے اور طب جدید و قدیم دونوں اس کا شمار انسان کی مفید ترین غذاؤں میں کرتے ہیں۔ (صدق)

[2] یہ بیان صحیح نہیں۔ چند گنے گنائے "ماہرین" کہے جا سکتے ہیں جنہوں نے یہ خیال ظاہر کیا ہے۔ باقی بہت بڑی اکثریت اہل فن ماہرین کی اس رائے کے بالکل مخالف ہے۔ (صدق)

[3] صرف اتنا جزو صحیح ہے کہ گوشت لازمۂ صحت و حیات نہیں۔ اور یہ کوئی جدید انکشاف نہیں، ہمیشہ سے یہی مسلّم چلا آرہا ہے۔ (صدق)

[4] دعوے غلط در غلط ہے۔ نہ پہلے انسان کے مسکن کے "جنگل" میں ہونے کا کوئی ثبوت ہے، نہ اسکے صرف سبزی خور ہونے کا۔ (صدق)

[5] خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے۔ (صدق)

[6] انسانی آنت صرف ان جانوروں کے مقابلہ میں لمبی ہے جو محض گوشت خور ہیں، لیکن جو محض سبزی خور ہیں انکے مقابلہ میں بہت چھوٹی ہے۔ (صدق)

یہ واضح ظاہر کی ہے کہ گوشت خوری کی ممانعت کی جانی چاہیے[۱۰]۔ چونکہ ہر لقمہ سڑاندھ سے معمور، اقسام کے دکھ درد کے علاوہ زہر تاثیر پیدا کرتا ہے[۱۱]۔ جس سے گٹھیا، جگر، گردہ، دوسرے جسمانی اعضا کو نقصان پہونچتا ہے۔ گوشت ایک غیر ضروری اور کم و بیش نقصان رساں غذا ہے۔ دوسرے اعصابی کمزوری، بڑھاپا، رطوبت معدی، خون کا دباؤ، شریانوں کی بیماریاں، سرطان، خون میں زہر، ان زہروں سے باریک رگوں میں سدے، معدہ و انتڑیوں میں زخم، زکام، گردہ میں پتھریاں، مثانہ کے امراض پیدا ہوتے ہیں۔ گوشت سے جسم میں تیزابیت پیدا ہوتی ہے۔ اور حیاتین معدنیات سے خالی ہے۔ دودھ میں اعلیٰ حیاتین اور متوازن غذا ہے[۱۲]۔ بعض صحرائے عرب کے قبائل صرف اونٹنی کا دودھ پیتے ہیں، عمر طبعی پاتے، چست و چالاک رہتے ہیں[۱۳]۔ سنہ ۱۹۲۶ء میں جب اہل ہسپانیہ نے جزیرہ لسنڈرون کا کھوج لگایا تو وہاں کے باشندوں کی عمریں سو سو سال کی تھیں۔ انکی غذا میوے اور جڑیں تھیں[۱۴]۔ ہومر نے ذکر کیا ہے کہ قدیم موسیشیا کے پہاڑوں میں ایک گروہ آباد تھا، گھوڑی کا دودھ پیتے تھے۔ بڑی عمر پاتی تھیں[۱۵]۔ (باقی آئندہ)

[۱۰] تو کیا ہر ڈاکٹر کا قول ہر غذا کے باب میں حجت قطعی ہے؟ (صدق)

[۱۱] وہ کونسی "دنیا کی سب سے بڑی یونیورسٹی" اور اسکے کون سے ماہر علم جراثیم ہیں؟ (صدق)

[۱۲] تو کیا یہ سرے سے زندہ تھے اور زہر قاتل ہی کھا کھا کر کروڑوں گوشت خور آج تک روے زمین پر بستے رہے، تندرست و توی نظر آتے رہے ہیں؟ (صدق)

[۱۳] کیا اسکی ضرورت ہے کہ دودھ کی منفعتوں پر اطبا سے قدیم و جدید نے جو کچھ لکھا ہے وہ نقل کر دیا جائے؟ (صدق)

[۱۴] اس سے نتیجہ گوشت کے غیر ضروری ہونے کا تو نہیں، بلکہ دودھ اور وہ بھی اونٹنی کے دودھ کے سوا ہر انسانی غذا کے غیر ضروری ہونے کا نکلتا ہے۔ (صدق)

[۱۵] کیا اسکا بھی کھوج اہل ہسپانیہ نے لگا لیا تھا کہ یہ درازی عمر نتیجہ جزیرہ کی آب و ہوا، اور باشندوں کی صحت بخش جسمانی عادتوں کا نہیں، بلکہ عدم گوشت خوری کا ہے؟ (صدق)

[۱۶] اگر مضمون نگار نے ہومر کی کسی کتاب کو پڑھ لیا ہے، تو روایت سے نتیجہ یہ نکلیگا کہ بجز گھوڑی کے دودھ کے، اور ہر قسم کی غذا، بلکہ ہر قسم کا دودھ بھی غیر ضروری ہے۔ (صدق)

اپنے معاصرین کی خدمت میں

ہمارے جو معاصرین "صدق" کے مضامین اپنے ذریں صفحات پر نقل کریں اُن سے یہ ادب التماس ہے کہ وہ حوالہ میں صرف "صدق" لکھنے کے بجائے "صدق۔ لکھنؤ" لکھا کریں۔ یہ کرنا ان کا دشوار نہیں۔
مہتمم "صدق" لکھنؤ

اقبال کا ایک شعر

(از غلام محمد صاحب بی اے۔ حیدر آباد دکن)

اقبال کی فلسفیانہ اور حکیمانہ حیثیت بہتوں پر ظاہر ہے لیکن نسبتاً بہت کم لوگ انکے صوفیانہ یا عارفانہ پہلو سے واقف ہیں۔ فلسفی اقبال نے جب بحر اسلام کا رخ کیا تو نہ صرف یہ کہ ساحل سے چند خوبصورت اور چمکیلے سنگریزے اور صدف اٹھائے بلکہ غواصی بھی کی اور اصلی بیش بہا موتی بھی نکالے۔ یعنی نہ صرف شریعت اسلام کا علمی نقطہ نظر سے مطالعہ کیا بلکہ اسکو اپنے قلب کی گہرائیوں میں بھی محسوس کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں جس حیثیت سے جو چیز بھی ہاتھ لگی اسے منظر عام پر پیش کر دیا۔ اسی لیے اقبال کی متروکہ دولت میں کچھ خوشنما سنگریزے اور صدف (یعنی علوم ظاہری کے حقائق) بھی ہیں اور کچھ اصلی موتی (علم باطن کے حقائق) بھی۔ اقبال کہیں صاحب حال، سالک، کہیں صاحب مقام ہیں، عارف ہیں۔ کبھی انکے قدم اقلیم قلب کی حدود میں ہیں، کبھی انکی نگاہیں فضائے روح کی بلندیوں میں۔ اس لیے انکی ہر بات کو محض فلسفہ کی نظر سے دیکھنا نامناسب ہے۔ قول کو سمجھنے سے پہلے صاحب قول کے مقام اور حال کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ عام تعلیم یافتہ افراد بھی جب اقبال کے بعض صوفیانہ اشعار کی توضیح کرنے لگتے ہیں تو تشبیہ و استعاروں سے انکے لغوی معنی پیدا کرکے کہیں "مقید" کو "مطلق" اور "مطلق" کو "مقید" بنا دیتے ہیں، کہیں "عاجز" کی "ناتوانی" کو "قادر" کی قوتوں سے ٹکرا دیتے ہیں اور کہیں مقام عبدیت کو درجہ ربوبیت سے بڑھا چڑھا دیتے ہیں اور یہ سب کچھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ مقامات کو نہ پہچانتے اور وحدت و ملوکیت کے اوج و قیاس آرائیاں کی جاتی ہیں۔ ذیل میں ایسے ہی صرف ایک شعر کی توضیح کی جاتی ہے جو عام طور پر غلط سمجھا اور سمجھایا جاتا ہے۔ شعر یہ ہے:۔

در دشت جنون من جبریل زبوں صیدے
یزداں بکمند آور اے ہمت مردانہ

لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ میرے جنون کے صحرا میں جبریل کی حیثیت زبوں شکار کی ہے اے صاحب ہمت تو خدا کو اپنی کمند میں لے آ۔

مطلب یہ ہوا کہ مومن کا مقام عشق کی فضا میں جبریل سے بھی آگے ہے، چاہے تو وہ مقام روح القدس سے آگے بڑھ سکتا ہے۔ چنانچہ معراج نے اس عقدہ کو کھول دیا ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراج مصطفےٰ سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں (بال جبریل)

اسی لیے کہتے ہیں کہ تیرا مقام تو اتنا ارفع ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے انتہائی قرب کو بھی حاصل کر سکتا ہے بشرطیکہ تیرے پاس عشق کی اعلیٰ کمند موجود ہو۔ شعر کی وضاحت کیلیے بعض امور پیش نظر ہونے چاہئیں۔۔۔

روشن خیال "ہندو یونیورسٹی"

آجکل تعلیم یافتہ ہندوؤں میں ذاتوں کی مساوات اشودروں کے سدھار اور اچھوتوں کے سدھار کا غلغلہ بلند ہے۔ اور تعلیم یافتہ ہندوؤں کا سب سے بڑا قدیم و جدید مرکز بنارس ہے۔ قدیم اس لیے کہ ویدوں کی تعلیم کا پرانا گہوارہ ہے۔ اور جدید اس لیے کہ یہاں ہندو یونیورسٹی جیسا عظیم الشان دار العلوم قائم ہے، جسکا "شیخ اعظم" یعنی رکٹر [illegible] شری مدن موہن مالوی جی مہاراج ہیں۔

اب اسی بنارس یونیورسٹی کی ایک تازہ "روشن خیالی" کا قصہ سنیے۔ بنارس یونیورسٹی کے معلم عربی و فارسی [illegible] "کرم فرما" مولوی مہیش پرشاد" ہیں۔ آجکل وہ پروفیسر کہلاتے ہیں لیکن جب آج سے بیس پچیس برس پہلے وہ لاہور میں تعلیم پا رہے تھے۔ تو ہم انھیں مولوی مہیش پرشاد ہی کہا کرتے تھے۔ مولوی صاحب کی صاحبزادی کماری کلیان دیوی کو سنسکرت ادب اور خصوصاً ویدوں کے مطالعہ سے بے حد شغف ہے۔ چنانچہ وہ تنہا لڑکی ہے جسنے ۱۹۳۷ء سے لیکر اس وقت تک حکومت یو۔پی کے شعبۂ سنسکرت میں ویدوں کا امتحان پاس کیا اور اسکے بعد ویدوں کی اعلیٰ تعلیم کی غرض سے بنارس یونیورسٹی میں داخل ہونے کیلیے درخواست دی۔

آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا کہ بنارس یونیورسٹی کے ارباب اختیار نے کماری کلیان دیوی کی درخواست نامنظور کردی۔ اور اس کی دو وجہیں بتائیں۔ اول یہ کہ وہ لڑکی برہمن نہیں ہے۔ دوم، وہ لڑکی ہے، لڑکا نہیں ہے۔

ملاحظہ فرمائی آپ نے ہندو دھرم میں علم کی مظلومی؟ آج بیسویں صدی میں بھی اعلیٰ تعلیم یافتہ ہندو غیر برہمن کو وید پڑھانے کے حامی نہیں ہیں۔ اور غیر لڑکی کو تو کسی صورت میں بھی ہندوؤں کی الہامی کتاب کے مطالعہ و اسرار میں داخلہ کی اجازت نہیں دی جاسکتی! (انقلاب)

ترقی پسند ادب

(ترقی پسند مصنفین کی کانفرنس کے خطبۂ صدارت سے)

۱۹۳۶ء میں اس کانفرنس کی بنا پڑی۔ ترقی پسندی کی تحریک کے ساتھ ہی کچھ عرصہ کے بعد اس انجمن کی بنا پڑی تھی، اور اسے اپنے قیام سے لیکر اب تک بہت سی مشکلات اور مخالفات کا سامنا کرنا پڑا ہے کیونکہ مخالفین ادب میں ایسے محرکات کے قائل نہ تھے جو انھیں زندگی سے قریب تر کرنے اور زندگی کے حقائق سے کافی طور پر آشنا کرنے کا مقصد رکھتے تھے۔ ان [illegible] مخالفت [illegible] اور سبب بھی تھا [illegible] ترقی پسند ادب [illegible] تحریک [illegible] کیا تو اس [illegible] استعمال [illegible]

اس طرح معترضین کو مخالفت کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ اس قسم کا ادب جو کہ ملک و قوم کے لیے زہریلا اثر رکھتا ہے۔ یقیناً ترقی پسندوں کی تحریک سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔ ایسے ادیب اور شاعر دراصل ادب کے ذریعہ تجارت کا مقصد رکھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی پھیلانے کے ذمہ دار ہیں اور ان سے ترقی پسند ادیب اپنی بے تعلقی کا اعلان کر چکے ہیں۔

ادب اور زندگی میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا مقصد بہت صاف و صریح ہے۔ اور اسی سلسلہ میں ایک اور غلط فہمی کا بھی دور ہونے کی ضرورت ہے اور وہ یہ کہ ترقی پسندی کے معنی ہرگز یہ نہیں ہے کہ کسی مخصوص سیاسی عقیدہ اور رجحان ہی کو اپنے ادب پر مسلط کر لیا جائے کیونکہ ایسا طریقہ عمل ایک ذہنی غلامی کے مترادف ہوگا اور ادب کی اچھی صلاحیتیں اس طرح فنا ہو جائیں گی۔ (تنظیم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجئے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۴/
بیرون ہند سے سالانہ ۱۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲/
(ٹیلیفون نمبر ۴۹۱)

نمبر ۵۰ | یوم سہ شنبہ۔ ۲۹۔ ذی قعدہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۶ نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"نئے وقت سے یا پُرانے وقت سے؟" سوال ستمبر ۴۲ء سے ہزاروں نہیں، لاکھوں زبانوں پر، ہفتوں نہیں، مہینوں بعد تک آتا رہا، اور اب جا کر خدا خدا کرکے بند ہوا تھا کہ وسط اکتوبر ۴۵ء کے بعد سے پھر چند روز کے لیے جاری ہوگیا۔ لیکن اب کی یہ عجب دل لگی، کہ "نئے" وقت سے مراد وہ وقت جو منسوخ ہو چکا، ماضی بن چکا، اور "پُرانے" وقت سے مراد وہ وقت جو چل رہا ہے، صیغۂ ماضی میں نہیں حال میں ہے! یعنی نام کا "نیا" اب پُرانا ہے، اور نام کا "پرانا" اب نیا ہے! —— یہ وقت آخر ہے کیا بلا، کہ جب حکم ہوا بڑھا دیا، جب حکم ہوا گھٹا دیا اور نئے پرانے کا جھگڑا کیسا؟ اور آہ، یہ وقت گزر جانے کا احساس! یہ عمر گزرتے رہنے کا پُرحسرت احساس! یہ لڑکپن اور جوانی کے ختم ہو جانے اور ضعیفی کے آ جانے کا یاس انگیز احساس! —— کاش یہ گھڑیاں نہ چلتی ہوتیں! کاش یہ گھنٹے گھر نہ بجتے ہوتے! کاش ہم سوئیوں کے آگے پیچھے کر دینے کے فن سے ناواقف ہوتے! بڑا ہی موذی تھا وہ انسان، جس نے سب سے پہلے گھڑی کو ایجاد کیا! وقت کا حساب کتاب گھنٹوں اور منٹوں کا شمار سکھا کر ہم کو خواہ مخواہ ایک عذاب میں پھنسا دیا! کیسے خوش قسمت، کیسے خوش و خرم، کیسے بے غم و بے فکر رہتے ہیں جنگل کے جانور، ہمارے چوپائے۔ نہ گھڑی نہ گھنٹہ، نہ منٹ نہ سکنڈ، مزے سے اپنی زندگی کے دن پورے کرتے چلے جاتے ہیں!

——

غافل انسان کیسے کیسے دھوکوں میں پڑا رہتا ہے! کیسے کیسے مغالطوں اور فریبوں میں اپنے نفس کو ڈالے رکھتا ہے! وقت کا احساس تو فطرت نے خود اس پر مسلط کر دیا ہے۔ یہ گھڑی کے موجد، اور جنتری کے مصنف پر غصہ اور جھنجھلاہٹ سب عبث و لاحاصل۔ دنیا کی ساری گھڑیوں گھنٹوں کو چکنا چور کرکے بھی چین اور عافیت اس کے نصیب میں کہاں ہے؟ آفتاب کے طلوع و غروب کو آخر وہ کیا کرے گا؟ دن نکلنے اور چھپنے کو کیسے روک دیگا؟ چاند تاروں کے بلاناغہ ہر شب کے ظہور کو کس طرح قابو میں لا سکتا ہے؟ موسموں کا چکر اس کے بس میں ہے؟ یہ جاڑے، گرمی، برسات کا دَور و تسلسل کب کسی کے روکے رُک سکتا ہے؟

آہوئے تنگیم او شیر نر!

اور غریب و بے زبان جانور کب اس احساس سے خالی ہیں جو اُن پر رشک کیا جا سکے؟ کیا انھیں وقت کا پورا اور صحیح اندازہ نہیں ہوتا رہتا؟ کیا کوّے اور بیل اور بکری اور بھینس، سب غروب آفتاب سے پہلے ہی اپنے اپنے ٹھکانوں کا رخ نہیں کر دیتے؟ کیا سانپ اور بچھو اور جھینگر سب گرمی شروع ہوتے ہی زندگی کی انگڑائیاں نہیں لینے لگتے؟ کیا مینڈک اور کیچوے برسات کا شعور نہیں رکھتے؟ کیا چیونٹیاں اور مچھر اور بھڑیں جاڑے کی آمد کا صحیح اندازہ نہیں کر لیتیں؟ —— ذمہ دار انسان امانت الٰہی کے حامل انسان کے لیے وقت کا احساس مصیبت نہیں، نعمت ہے۔ خزانۂ موجودات میں انسان کے لیے سب سے بڑھ کر بیش قیمت جوہر یہی ہے، کہ ہر نیکی ہر عمل صالح کا محل یہی وقت ہے۔ خوش نصیب ہے وہ انسان جسے

گوشت خوری پر ایک نظر

(از غضنفر علی صاحب، کنڈل، علاقۂ نظام دکن)

(۲)

راکفلر میڈیکل انسٹی ٹیوٹ امریکہ کے مستند اور چوٹی کے نامور ڈاکٹروں اور سائنس دانوں نے بیشمار تجربات کی بنا پر یہ بات تسلیم کی ہے کہ انسانی بافتیں Tissues فنا نہیں ہو سکتیں، بڑھاپا ایک بیماری ہے جو اسے کمزور کر دیتی ہے۔ انسان غیر فانی ہو سکتا ہے۔ گوشت کھانے سے جسم میں ایک خاص مادہ پیدا ہو کر خلیات بند ہو جاتے ہیں اور موت مسلط ہو جاتی ہے۔[١]

فاہیان جو قدیم زمانہ کا بڑا سیاح ہے۔ ۳۹۹ء میں چین سے ممالک متوسط اور ہندوستان کو آیا اور ... میں یہاں ہو گیا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ یہاں دو ... رہتے ہیں۔ دارالشفائیں بنی ہوئی ہیں۔ غریبوں کو دوا اور غذا دونوں ملتی ہیں۔ شراب پینا ... کا کام نہیں۔ شراب پینی یہاں کے لوگ بڑا گناہ جانتے ہیں۔ لہسن پیاز، سور، مرغ کا پتہ نہیں۔ گوشت سے ایسا پرہیز ہے کہ صرف چنڈال اسکو بیچتے ہیں۔ اور وہ بستی سے دور رہتے ہیں۔ اور جب بستی میں آتے ہیں تو ناقوس بجاتے ہیں تا کہ لوگ پرے ہٹ جائیں، کہیں ان کی پرچھائیں اُن پر نہ پڑ جائے۔[٢]

پروفیسر لامرٹ رکن سائنس اکاڈمی روس نے بیان کیا کہ انسان کی طبعی عمر ڈیڑھ سو سال سے اوپر ہونا چاہیے۔ ہزاروں سال سے عمریں گھٹ گئی ہیں۔ درازی عمر کا راز یہ ہے کہ دماغ اور اعصابی خلیات کو تقویت دی جائے۔ جن ملکوں میں حفظان صحت و صفائی کی اصلاح ہوئی وہاں عمریں بڑھ گئیں۔ انسانی مشین مثل گھڑی کے ہے، کبھی احتیاط اور کفایت سے چلائی جائے تو دو سال اور زیادہ عرصہ تک چل سکتی ہے۔ درازی عمر کے ہمیدوں نے یہ راز ظاہر کیا ہے کہ انسان کی عمر طبعی کم سے کم سو سال ہونا چاہیے۔ اسکے اندر آنکھ بند ہو جانا خلاف فطرت ہے۔[٣]

پھلوں اور سبزیوں میں قدرت نے حیاتین اور معدنی نمکیات کی کافی مقدار رکھدی ہے۔ کارساز عالم نے لذت کے علاوہ ان میں صحت و شفا بخشی بھی رکھدی ہے۔ تیر بہدف اور مقوی بھی ہیں۔ اسکا استعمال نفع بخش ہے۔ صحت و قوت حیات کا خزانہ ہے۔ تندرستی کے لیے اصلی جوہر ہے۔[٤]

حضرت عمرؓ نے فرمایا "بچو تم گوشت کھانے سے، بیشک گوشت کی طلب ہوتی ہے جیسے شراب پینے سے طلب ہوتی ہے" (امام موطا)[٥] حدیث میں آیا ہے دین اسلام آسانی کا نام ہے۔ (بخاری) صحت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ انسان بیماریوں سے بچا رہے بلکہ اس میں رواداری، فیاضی کا جذبہ بھی ہو اور روح میں پاکی اور بلند پروازی بھی ہو۔ جیسا کہ حضرت محمد صلعم بانی اسلام نے اپنے قول و فعل سے ذیل میں پیش فرمائی ہے۔[٦]

امام منذریؒ نے ترغیب و ترہیب میں ابن ماجہ سے نقل کی ہے کہ تمیم داریؓ کہتے ہیں کہ ایک روز ہم آنحضرت صلعم کی خدمت میں بیٹھے تھے کہ ایک اونٹ دوڑتا ہوا آیا اور حضرتؐ کے

---

[١] اول تو یہ تحقیق ہی تمامتر غلط نقل ہوئی ہے کہ "انسانی بافتیں فنا نہیں ہو سکتیں"۔ اور پھر اگر یہ دعوی شمہ برابر صداقت بھی رکھتا ہے، کہ "انسان غیر فانی ہوسکتا ہے گوشت کھانے سے جسم میں ایک خاص مادہ پیدا ہو کر خلیات بند ہو جاتے ہیں اور موت مسلط ہو جاتی ہے۔" تو آخر یہ تمام سبزی خوروں پر کیا حماقت مسلط ہے کہ گوشت چکھتے تک نہیں، اور پھر بھی مرتے ہی چلے جاتے ہیں! —— انسان کسی جوش میں اتنا غلو تو نہ کرے کہ بات بالکل مضحکہ ہو کر رہ جائے! (صدق)

[٢] اس قسم کے طویل اور بالکل غیر متعلق اقتباسات کے نقل کر دینے سے مدعا معلوم حاصل کیا ہے؟ بجز اسکے کہ صدق کی جگہ خواہ مخواہ گھرتی جاتی ہے! یہ نقل اگر صحیح بھی ہو تو آخر اسکو اصل موضوع سے کیا تعلق ہے؟ (صدق)

[٣] ایضاً (صدق)

[٤] گویا میووں اور سبزیوں کی نفع بخشی زیر بحث ہے! (صدق)

[٥] حضرت عمرؓ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ آپ کثرت گوشت خوری سے منع فرما رہے ہیں۔ جیسا کہ ہر شارح نے لکھا ہے۔ "امام موطا" کے نام کے کسی امام کا علم دنیا کو نہیں، دنیا کو علم امام مالکؒ اور ان کی کتاب موطا کا ہے! (صدق)

[٦] الحمد للہ۔ گویا مضمون نگار نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے، کہ جو قول بھی انکے سامنے آ جائیگا اُس سے یہ بلا تکلف گوشت خوری کی مخالفت کا کام لینے لگیں گے! آخر اس حدیث کا یہاں کوئی بھی محل تھا؟ اور پھر دین میں تنگی تو بیشک آپ ہی پیدا کر رہے ہیں کہ جن علاقوں میں صرف گوشت ہی بآسانی مل سکتا ہے وہاں بھی اسے حرام قرار دیے جا رہے ہیں! (صدق)

[٧] لیکن پیغمبرؐ حضرت بانی اسلام صلعم نے کب گوشت کو ترک فرمایا ہے۔ کب اسے حرام یا مکروہ بھی قرار دیا ہے؟ آپؐ نے تو الٹے گوشت خوری کی ترغیب دی ہے۔ ... نیز لحم کو سید الطعام (کھانوں میں سب سے افضل) کسی اور نے نہیں، حضورؐ ہی نے فرمایا ہے؟ اور سنن ابن ماجہ کا باب اللحم ملاحظہ ہو۔ اہل جنت کی غذا آپؐ نے لحم فرمائی ہے۔ اور جب آپؐ کی ضیافت گوشت سے کی گئی یا اسے تحفۃً پیش کیا گیا، تو آپ نے قبول ہی فرمایا ہے۔ وقس علی ہذا (صدق)

[٨] اللہ آپ کو ہدایت دے۔ اس طویل حکایت کو آخر کوئی بھی تعلق گوشت خوری کے جواز و عدم جواز سے ہے؟ (صدق)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
مقام: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۴ ر
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
ٹیلیفون نمبر (۲۹۱)

نمبر ۱۵ | یوم شنبہ - ۴ - ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۰ نومبر ۱۹۴۵ء عیسوی | جلد ۱۱

سچی باتیں

۴- نومبر۔ آج دیوالی ہے۔ ہر سال ہندی مہینہ کاتک کے شروع میں چاند کی ... تاریخ کو پڑتی ہے۔ ہندو آبادی میں گھر گھر چراغ جل رہے ہیں۔ کھیتوں میں کٹائی ہو چکی ہے۔ یہ اُسی کا تہوار اور جاڑے کے آغاز کا اعلان ہے۔ "تہوار" میں کیا ہوتا ہے؟ کسی دیوی دیوتا کی پوجا، اور گھر گھر نفس کی خوشیوں کا سامان۔ لیکن پوجا صرف دیویوں دیوتاؤں ہی کی کیوں؟ — آج برہمن اور پنڈت اپنی اپنی کتابوں اور پستکوں کی پوجا کریں گے، اور چھتری لوگ تلوار ڈھال کی، اور جو ویش کہلاتے ہیں، یعنی ہر قسم کے تاجر اور بیوپاری اور دکاندار ہیں وہ چاندی کی پوجا کریں گے، اور جو کھیتی کسانی کرنے والے ہیں، وہ گؤ ماتا کی! اتنی پوجائیں ہندو مت میں بڑی ذاتوں کے لحاظ سے ہوئیں، اور سب کے لئے لکشمی دیوی کی پوجا ہوگی۔ وہ دھن دولت کی دیوی ہیں۔ روزی کے خزانے انہیں کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ آج رات جس گھر کو روشن دیکھ پائیں، سمجھو اس کے نصیب کھل گئے، وہ عمر بھر کے لیے مالامال ہو گیا۔ یہ تین خدا ایک اکثر میں سے ایک یعنی لچھمی جی کی پوجا ہیں۔ ہر ہندو گھر چراغاں جگمگ جگمگ کر رہا ہے، انہیں کی پیشوائی کے لیے ہے۔ یہ اسی گھر میں قدم رکھتی ہیں، جو خوب روشن ہو۔ اندھیرے سے انہیں نفرت ہے۔

جوا بھی خوب چلیگا، کئی کئی راتوں تک خوب چلا کریگا۔ یہ کوئی گناہ تھوڑے ہی ہے۔ یہ تو شگون یا "برکت" کے لیے ہے۔ اور عین ثواب ہے، ایک عبادت ہے۔ گورنمنٹ کی پولیس بھی آج جواریوں کے حق میں نرم ہو جائیگی۔ دیکھیں گی اور آنکھیں دوسری طرف پھیر لیں گی۔ ہولی میں شراب اور گندی گالیوں کی گرم بازاری بھی تو ایسی ہی ہوتی ہے۔ خزاں کی آمد پر یہ، اور بہار کی آمد پر وہ! دیوالی میں جوا اور ہولی میں شراب اور فحش! — یہ ہیں ہمارے ہمسایوں ہم وطنوں کے وطنی بھائیوں کے تہوار! حاشا کہ کسی مخلوق پر طعن مقصود نہیں۔ ان غریبوں پر غصہ نہ کیجیے، ان پر ترس کھائیے، ان سے ہمدردی کیجیے، انھیں راہ دکھانے کی کوشش کیجیے —— ایک تہوار ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ بعد آپ کے ہاں بھی آنے والا ہے۔ اُس میں کیا ہوگا؟ اُس میں بھی کوئی ناچ رنگ، شراب اور جوا ہوگا؟ یا اسکے برعکس نمازیں پڑھی جائیں گی، غریبوں میں لذیذ و مفید غذا کی تقسیم ہوگی، اللہ کا ذکر بار بار بلند کیا جائیگا، اور نماز کے بعد ذکر الٰہی کا سلسلہ کئی دن تک جاری رہیگا!

اس گئی گزری حالت میں بھی، جبکہ یہ در حقیقت محض ایک مردہ رسم بن کر رہ گئی ہے۔ آپ کا اور غیروں کا کوئی مقابلہ ہے؟ توحید گر کر بھی شرک کی سطح پر لائی جا سکتی ہے؟

کوئی نسبت بھی ان آنکھوں سے ہے پیمانے کو!

خوش اقبالوں کا انجام!

کارلٹن ہاؤس کی جو عالیشان اور دیدہ زیب عمارت مال روڈ کے کنارے واقع ہے، اسکے سامنے عظیم الشان

نیلام کا انتظام تین ہفتوں سے ہو رہا ہے۔ نمبر ۱۰، ۹ کے مکانات سے ۹۵ لاریاں بھرکر سامان نیلام کے لیے آگیا ہے، اور آج ہی کل یہ سامان قیمتوں پر نیلام ہو جانے والا ہے۔ اس سامان میں حسب ذیل چیزیں بھی ہیں:—

ہٹلر کی قد آدم تصویریں	کئی درجن
ریڈیو سیٹ	کئی درجن
چین کی خوشنما پلیٹیں	
کانفرنس کے قابل عظیم الشان میز	ایک
اور اُنکے ساتھ کی کرسیاں	۲۶
مختلف قسم کی اعلیٰ شرابیں	۱۰۰۰ بوتل

کوئی ڈھائی ہزار مختلف قسم کی چیزیں ہیں، اور یہ سامان کم از کم ایک لاکھ پونڈ (ڈیڑھ ۱۳ لاکھ روپیہ) میں تو ضرور لیا جائیگا۔ (اسٹیٹسمین، ۱۴ نومبر ۱۹۴۵ء)

یہ اتنا اعلیٰ اور نفیس سامان، ۹۵ لاریوں میں لدا ہوا، کوڑیوں میں نیلام ہو جانے والا آپ سمجھے کس کا ہے؟ بدنصیب جرمنی کے مشہور و معروف لیکن بدنصیب وزیر خارجہ وان رِبن ٹراپ کا! کل تک اسکے نام کا کیا طوطی بول رہا تھا، اور بڑے بڑے اقبالمند کیسے اُسکی خوش اقبالی پر رشک کر رہے تھے! آغاز جنگ کے چند ہی روز ادھر یہی تو روس کو جرمنی کا حلیف بنا کر میدان میں لے آیا تھا، اور اس پر سارے یورپ کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئی تھیں۔ لندن میں کچھ روز جرمن سفیر کی حیثیت سے رہ چکا تھا، اور یہ اُسی کا لندنی اثاثہ لندن میں یوں لاوارثی کے مال کی طرح جا رہا ہے! —— غریب کو یہ شاہانہ سامان جمع کرتے ہوئے کبھی اسکے اور اپنے اس انجام کا وہم بھی آیا ہوگا؟ —— آغاز کیا تھا، اور انجام کیا ہو رہا ہے!

اور پھر یہ اعلیٰ اور نفیس شراب کی ہزار ہزار بوتلیں! —— جرمن قوم، فرنگی قوموں میں نسبۃً بہت محتاط اور پارسا تھی۔ یہ عالم یورپ کے محتاطوں اور پارساؤں کا ہے!

سنیما کی نذر

واشنگٹن - ۴ - نومبر۔ ختم ماہ نومبر سے پہلے ہی پہلے ہندوستان کے لیے فلم سازی کا سامان ۹ لاکھ ڈالر (۳۰ کروڑ ۱۵ لاکھ) کی مالیت کا امریکہ سے روانہ ہو چکیگا، اور شروع ۱۹۴۶ء تک ۲۲۴ کمپنیاں اس سامان کو لیے ہندوستان کے گوشہ گوشہ، گاؤں گاؤں میں دورہ کرتی ہوئی پہونچ جائیں گی۔ یہ اطلاع حکومت ہند کے محکمۂ اطلاعات کے جائنٹ سکرٹری مسٹر جے۔ ان تھامپسن نے دی ہے۔" (ایسوشی ایٹڈ پریس)

مبارک ہو ملک کے سارے "ترقی" پسندوں اور سینما کے دلدادوں کو، کہ قوم کی فلاح، ملک کی نجات کا وقت اب قریب، بہت قریب آگیا! ۳۰ کروڑ سے اوپر کی لاگت کا سامان امریکہ سے کھنچا ہوا ہندوستان چلا آرہا ہے، اور کوئی گوشہ اب سینما کی برکتوں سے محروم نہ رہنے پائیگا! —— گوشہ گوشہ اُس ملک کا جہاں لاکھوں نہیں کروڑوں، غلہ کے دانے دانے کو ترس رہے ہیں، اور کپڑے کی گرہ گرہ کو محتاج ہیں!

اتاترک کے کارنامے

ایک غیر مسلم انگریزی روزنامہ کا مقالہ جدید ترکی پر:—

"جدید ترکیہ کی تشکیل کو آج پورے ۲۲ سال ہوگئے۔ جمہوریت کا اعلان ۲۹۔ اکتوبر ۱۹۲۳ء کو ہوا تھا۔ پچھلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر جب عثمانی اور آسٹریائی سلطنتیں دم توڑ رہی تھیں، یہ مصطفیٰ کمال ہی کی اعلیٰ قابلیت اور سیاسی دور اندیشی تھی جس نے ترکوں کو ہلاکت سے بچا لیا تھا۔ اس مردِ اعظم نے حسب موقع شناسی سے کام لیکر دنیوی طرز کی حکومت قائم کردی، جس نے خلافت کو منسوخ کردیا، کہ وہی مصطفیٰ کمال کے خیال میں اغیار کو بار بار مداخلت کا موقع دیا کرتی تھی۔ اسی نے مذہبی عدالتیں توڑ دیں، مذہبی درسگاہوں کو محکمۂ تعلیمات کے حوالہ کردیا، اور صوفیہ کی خانقاہوں کو ختم کردیا۔ اسی نے تقویم گریگوری کا جاری کرنا، ضابطۂ دیوانی کا اجراء، جدید طرز کے قانون فوجداری کا نفاذ، یہ نتیجہ اُن اصلاحات کے تھیں، جو اُس نے اس لیے چلائیں، کہ ترکی حکومت کو مذہبی طور طریقہ سے بعید ہو جائے۔ اُس نے عورتوں کو باہر آنے کی آزادی دی، اور قانوناً انگریزی اور تعلیمات کے پیشے اُنکے لیے کھول دیے، اور ۱۹۲۷ء میں بینک کے نوٹوں پر اپنی تصویر چھاپ کر مذہبی حلقوں میں ناگواری پیدا کردی۔" (لیڈر، ۲۰ نومبر ۱۹۴۵ء)

یہ سب کچھ موقع ہجو و ذم پر نہیں، محل داد و مدح پر ایک مداح کے قلم سے تحریر ہوا۔ خلاصہ یہ کہ ان ممدوح مردِ اعظم نے

(۱) ملک کی حکومت سے پہلی بار مذہب کو بے دخل کیا۔
(۲) خلافت رسول کے ادارہ کو ساڑھے تیرہ سو برس میں پہلی بار توڑا۔
(۳) مذہبی عدالتیں برخاست کردیں
(۴) مذہبی درسگاہوں کو غیر مذہبی محکمۂ تعلیمات کے ماتحت کردیا۔
(۵) خانقاہوں کو توڑ دیا۔
(۶) سنہ اسلامی کو ختم کرکے سنہ عیسوی کو رواج دیدیا۔
(۷) شرعی قانون دیوانی کے بجائے فرنگی ضابطۂ دیوانی نافذ کردیا۔
(۸) شرعی قانون فوجداری کے بجائے فرنگی ضابطۂ فوجداری چلا دیا۔
(۹) عورتوں کا شرعی قانون حجاب منسوخ کردیا
(۱۰) عورتوں کے داخلے سرکاری محکموں اور پیشوں میں کرا دیے۔
(۱۱) سودی بینک کے نوٹ ہی نہیں چلائے، بلکہ اُن پر اپنی تصویر بھی چھاپ کر کئی کئی شرعی ضابطوں کی نافرمانی کی۔

کارناموں، عظیم الشان کارناموں کی اس فہرست میں سے غریب مسلمان کسی ایک کارنامہ پر بھی فخر کر سکتا ہے؟

عربی سے بے اعتنائی

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے یونیورسٹی میں عربی لینے والے طلبہ کے اعداد حسب ذیل لکھ کر بھیجے ہیں:—

بی اے (سال اول)	میں	کل	۱	طالب علم
" (سال دوم)	میں	"	۶	"
بی اے (آخر)	میں		۲	
ایم اے	میں		۵	

یعنی چھ سات سو مسلمان طلبہ کے درمیان عربی سیکھنے والے کل ۱۴!!!

یہ صحیح ہے کہ ایک خاصی تعداد مضمون اسلامک کلچر کی طرف منتقل ہوگئی ہے، لیکن یہ ملا لیے جائیں جب بھی تعداد قلیل ہی رہتی ہے ——— بزرگان ملت کو کچھ اندازہ ہے کہ نئی نسل، خود فراموشی کی، اپنی ہر چیز کو بھول جانے کی منزلیں کس تیزی سے طے کر رہی ہے!

معقول روش

"آپ نے ۲ احراری لیڈر مولوی مظہر علی اظہر کی بہتان طرازیوں کا پردہ چاک کرتے ہوئے خلفائے راشدین کے متعلق اپنی گہری عقیدت کا اظہار کیا۔ اور حضرت علیؓ سے اصحاب ثلاثہ کے خوشگوار تعلقات بیان کرتے ہوئے ثابت کیا کہ کوئی شیعہ کس طرح اور کس محبت کی بنا پر اصحاب ثلاثہ سے دل میں بغض رکھ سکتا ہے۔ آپ نے معتبر شیعہ کتب سے ثابت کیا کہ ان بزرگوں کو برا کہنے والا شیعہ نہیں رہ سکتا۔ آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کو تو یہاں تک تعلیم دی گئی ہے کہ وہ کفار کے بتوں کو بھی برا نہ کہیں، کیونکہ اسکے عوض میں تمہارے خدائے برحق کو برا کہینگے چہ جائے کہ کوئی بدبخت اصحاب ثلاثہ جیسے جلیل القدر بانیان اسلام کے خلاف لب کشائی کرے" (منشور، دہلی ۲-نومبر ۴۵ء)

یہ مسلم لیگ (سیالکوٹ) کے جلسہ میں علانیہ مدح صحابہ کرنے والے اور اسلام سے اپنے رشتہ کی وابستگی کا کھلا ہوا ثبوت دینے والے کوئی سُنی بزرگ نہیں، پنجاب کے ایک نامور شیعہ، خان صاحب شیخ کرامت علی ایم ال ال اے ہیں! شیعیت کے بنیادی مسائل تو دوسرے ہی ہیں۔ البتہ عوام میں چلا ہوا سب سے زیادہ اختلافی ... سب سے زیادہ اور سب سے زیادہ اشتعال انگیز مسئلہ یہی ہے۔ اگر لکھنؤ کے شیعہ حضرات بھی اس بارے میں ایسے ہی معقول و معتدل روش پر آجائیں تو ٹوٹے ہوئے دل ابھی جڑ سکتے ہیں!

ایک مضمون کی تصحیح

(از جناب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب، جامعہ عثمانیہ دکن)

محترمی! سلام مسنون۔ آپ کے ایک تازہ پرچہ میں ... کی کتاب ... کرتے ہوئے کوئی ابو الجلال صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ مسلمانوں میں ابن تیمیہ سے قبل خارتگلیسے کوئی واقف ہی نہ تھا۔ لیکن یہ لفظ سیرۃ ابن ہشام میں بھی ہے۔ دیکھیے باب "صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الانجیل" مطبوعہ ... (طبع یورپ) [جزو ثالث کا اختتام] جس کا متعلقہ جملہ یہ ہے "وہو بالرومیۃ البرقلیطس"۔ ابن ہشام کی وفات ۲۱۸ھ کی ہے۔ غالباً یہ تصحیح شائع کر دی جانی مناسب ہوگی۔ ورنہ ... مخلص حمید اللہ

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۴۸)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س – (خلاصۃً) رویت ہلال کے موقع پر تقریباً ہمیشہ بڑا اختلاف ہوا کرتا ہے، اور ملک میں اکثر دو دو عیدیں ہوتی ہیں۔ حال میں مولانا ابو الکلام نے اپنے ایک بیان میں ریڈیو کی خبر کو ہر طرح قابل اعتماد قرار دیا ہے۔ اسکے بعد بھی یہاں اختلافات کا سلسلہ قائم ہے۔ براہ کرم اس مسئلہ پر شرعی اور فقہی نقطۂ نظر سے اپنے خیالات کا اظہار کر دیجیے تاکہ کوئی قطعی فیصلہ ہو جائے اور سارے ہندوستان میں اگر نہیں تو کم از کم اس ریاست میں تو کسی مرکزی ادارہ کے قائم ہو جانے کے بعد ایک ہی دن عید ہوا کرے۔

ج – سب سے پہلے یہ سمجھ لیجیے کہ میں نہ فقیہ ہوں نہ مفتی۔ دونوں سے الگ، عامی مسلمان ہوں۔ اسلیے میرا اظہار خیال کوئی فتویٰ نہ سمجھا جائے۔

دوسری بات یہ ہے کہ مولانا ابو الکلام کے اپنے قلم کا کوئی بیان اس باب میں میری نظر سے نہیں گزرا۔ انگریزی اخبارات میں انکے خیالات کا خلاصہ، وہ بھی ترجمہ ہو کر چھپا تھا۔ جب تک انکی اصل تحریر سامنے موجود نہ ہو۔ کوئی شرعی حکم اس پر نہیں دیا جا سکتا۔

اب اصل مسئلہ پر مختصر گزارشیں ملاحظہ ہوں

(۱) شریعت نے وحدت پر یقیناً زور دیا ہے۔ لیکن وحدت پر بھی مقدم عامۃ الناس کی سہولت کو رکھا ہے۔ یہ بہت اہم اور مقدم ہے۔ لوگ اسی کو بھول جاتے ہیں۔ عامۃ الناس کی سہولت اسی میں ہے کہ جہاں کے لوگ جب چاند دیکھیں، یا آس پاس کے مقامات سے سُن لیں، عید کر لیں۔

دور دراز کے مقامات میں اول تو مطالع ہی میں فرق رہتا ہے۔ کلکتہ اور بمبئی ہی کے درمیان وقت کا فرق تقریباً ایک گھنٹہ کا رہتا ہے۔ چہ جائیکہ لندن یا نیویارک یا ٹوکیو کے وقت کا اعتبار دہلی میں کیا جائے۔

حجاز اور ہندوستان کے وقت میں پورے ۲ گھنٹے کا فرق ہے، اسلیے عالمگیر وحدت بلکہ ہندوستان گیر وحدت کا خیال بھی اس معاملہ میں بالکل غلط ہے۔

(۲) پھر تار، ریڈیو، وغیرہ کی خبریں کتنی مشینوں، کتنی اعلیٰ درجہ کی صناعیوں، کتنے قیمتی اور پیچیدہ آلات کی محتاج ہیں۔ ان احتمالات کا مکلف شریعت نے ہرگز اپنے کسی حکم میں بندوں کو نہیں بنایا ہے۔ بلکہ ... احتمالات میں ... کرنا شریعت کی اصل روح کے منافی ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ تار، ریڈیو وغیرہ میں روزانہ کتنی غلط

... مثلاً حلال جانوروں کی پوری فہرست اسٹ لودی ہے ان سب سے گوشت خوری کی مانعت ہی ثابت ہوتی ہے! (صدق)

تذییل

(گوشت خوری طبی نقطۂ نظر سے)

(از حکیم عبد القوی بی اے فاضل الطب والجراحت سکریٹری مجلس طبیہ یوپی)

انسان کے دانتوں کی ساخت اگر دیکھی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ دو تین حصوں میں تقسیم ہیں۔ قواطع۔ یہ شمار میں آٹھ اور پٹلے چوڑے ہوتے ہیں۔ سامنے کی جانب ناک کے بالکل نیچے ہوتے ہیں۔ جب کوئی غذا منہ میں جاتی ہے تو اسے کاٹنے کا کام انکا ہوتا ہے۔ انیاب (CANINE) یہ کسی قدر مخروطی شکل کے ہوتے ہیں۔ ریشہ دار غذا مثلاً گوشت کو چیرنا پھاڑنا اور ٹکڑے کرنا انکا کام ہے یہ قواطع سے متصل دونوں جانب ہوتے ہیں۔ تعداد میں چار ہوتے ہیں۔ اضراس۔ قواطع اور انیاب کے علاوہ تمام منہ میں جو دانت ہوتے ہیں۔ غذا کو چبانا پیسنا انکا کام ہے۔ انکی تعداد بیس ہے۔

انیاب کی موجودگی خود اسکی دلیل ہے کہ انکی ساخت بھی اسکے گوشت خوار ہونا چاہتی ہے۔ انسان کی آنتیں متوسط درجہ کی ہوتی ہیں حالانکہ سبزی خوار جانوروں کی آنتیں انکے جسم سے بہت طویل ہوتی ہیں مضمون نگار کا یہ فقرہ معنی و مفہوم سے بے نیاز ہے کہ معدہ کی آنتیں لمبی ہوتی ہے۔ ایک بچہ بھی جانتا ہے کہ معدہ اور آنت دو منفصل اور بالکل مختلف اعضاء کے نام ہیں۔ غذا معدہ میں ہضم ہونے کے بعد آنتوں کی طرف مزید ہضم کے لیے جاتی ہے۔ نفس معدہ میں بحث نہیں ہوتا چاہیے کہ مضمون نگار نے فرض کر لیا ہے۔ انسانی آنتوں کا متوسط جسامت کا ہونا تیسری طبعی دلیل انسان کے گوشت خور ہونے کی ہوئی۔ خود معدہ کی ساخت اگر علم تشریح میں کسی کتاب میں دیکھی جائے تو معلوم ہوگا کہ انسانی معدہ کی ساخت، گوشت خور اور سبزی خور حیوانوں کے معدہ کے بین بین ہے سبزی خوروں کا معدہ متعدد پیچ دار تھیلیوں سے بنا ہوتا ہے اور گوشت خوروں کا معدہ سیدھی سادھی تھیلی کی شکل میں ہوتا ہے۔ انسان کے معدہ کی ساخت بتاتی ہے کہ اسکی غذا مخلوط یعنی گوشت و سبزی سے مرکب ہوتی ہے۔ قدرت نے جسم کا کوئی حصہ بھی بیکار و بے مصرف نہیں بنایا ہے، اس لیے گوشت خوار جانوروں سے انسانی معدہ، آنتوں اور دانتوں کی اور جبڑوں کی شابہت سب دلائل دشواہد اسکے ہیں کہ گوشت خوری انسان کیلیے بالکل فطری ہے۔

گوشت خوری کے جو نقصانات مضمون نگار نے ادھر ادھر سے نقل کیے ہیں وہ نفس گوشت خوری کے نہیں بلکہ اس میں بے اعتدالی کے ہیں۔ بے اعتدالی ہر چیز کی بری ہوتی ہے۔ دودھ میں اتنے فائدے ہیں، لیکن اسکے زیادہ استعمال اور بعد میں صاف نہ کرنے سے دانت بہت جلد خراب ہو جاتے ہیں۔ اس سے نفس دودھ کے استعمال کو مضعف دنداں نہیں کہا جا سکتا

یہ کہنا کہ عہد قدیم میں انسان گوشت خوار نہ تھا، تمام تر بے ثبوت ہے، بلکہ شہادتیں تو اس کی موجود ہیں کہ بہت قدیم زمانہ میں انسان جانوروں کا گوشت آگ پر پکائے بغیر کچا ہی کھا جاتا تھا۔ عرصہ ہوا کہ ایک مشہور ہندو محقق و صاحب فن ڈاکٹر راجندر لال مترا کے انگریزی مقالہ کا ترجمہ رسالہ الناظر لکھنؤ میں شایع ہوا تھا اس میں انھوں نے سبزی خوری کے مرکز اور گوشت خوری کے انتہائی نفرت کرنے والے قدیم "ہندو ہندوستان" میں گوشت خوری اور صرف گوشت خوری ہی نہیں، بلکہ بھینسے کے گوشت کھانے کا عام رواج تاریخی حوالوں اور مذہبی نوشتوں سے ثابت کیا تھا۔

بعض ماہرین علم غذا کا یہ دعویٰ کہ ہم بغیر گوشت وگیلی کے بھی صحت قائم رکھ سکتے ہیں، گوشت خوری کے مضر صحت ہونے بارے میں بطور استدلال استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ ظاہر ہے کہ گوشت خوری لازمہ حیات نہیں۔

عرب کے باشندوں کو محض کھجور اور ترکاری پر بسر کرنے والا کہنے کی جسارت حیرت انگیز ہے۔ وہ قوم جسکے شعرا نے اونٹ اور دوسرے جانوروں کے گوشت کی تعریف میں ہزارہا اشعار لکھ ڈالے ہوں اور جہاں ضیافت کے موقع پر اونٹوں کی کثیر تعداد میں قربانی کی جاتی ہو۔ اور جسکے لغت میں گوشت اور مختلف قسم کے جانوروں کے گوشت کے لیے اردو نہیں درجنوں الفاظ موجود ہوں اسکو تارک لحم قرار دینا کتنی بڑی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ اور پھر جو شخص حجاز کے جغرافیہ سے اور اسکے بیشتر حصہ کے بے آب وگیاہ ہونے سے واقف ہے، وہ کس طرح وہاں ترکاریوں کی اتنی پیداوار مان سکتا ہے کہ اس پر وہاں کے باشندے گزر کر سکیں۔

اسی طرح یہ دعویٰ کہ جو جانور گوشت خور ہیں، انکی عمریں سبزی خور جانوروں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہیں، صحیح نہیں۔ گدھ گوشت خوار جانور ہے۔ اسکی عمر یقیناً ہاتھی سے (جسکو مضمون نگار نے درازی عمر کی مثال میں پیش کیا ہے) زیادہ ہوتی ہے۔ اور پھر محض عمر کی زیادتی کو وجہ فضیلت کس قاعدے سے ٹھہرایا جا سکتا ہے۔ دوسرے صفات بھی اسکے ساتھ دیکھنے چاہئیں مثلاً شجاعت، ہمت، قوت، وغیرہ جس درجہ گوشت خوار جانوروں میں ہوتی ہیں، کیا اسکا عشر عشیر بھی سبزی خور جانور پیش کر سکتے ہیں۔

دنیا کے مختلف ممالک کی آب وہوا پر اگر نظر ڈالی جائے تو فوراً نظر آ جائیگا کہ سرد ممالک کے باشندے بغیر گوشت کے بسر کر ہی نہیں سکتے۔

طب یونانی میں جید الغذا اغذیہ کی فہرست میں گوشت و انڈے کو خاص طور پر شامل کیا گیا ہے۔

تعلیم اسلامی زاویۂ نگاہ سے

(از شیخ بشیر احمد صاحب بی اے)

ہمارے موجودہ مدارس میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مذہبی تعلیم کو وہ مقام دیا جائے جس کی وہ مستحق ہے۔ اب کیا حالت ہے؟ اسکا تذکرہ ہمارے مدرسین کے لیے بجا طور پر وجہ شکایت ہوگا تاہم اس سے اعراض کرکے ہم اس امر پر توجہ مرکوز کرتے ہیں کہ ہمیں اس میں تبدیلی کرکے کس حالت میں لانا چاہیے۔

مدارس اسلامیہ میں خدا کے فضل سے تمام مدرسین مسلمان ہوتے ہیں اور طلبہ بھی مسلمان ہوتے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ہے کہ مسلمان مدرسین اپنے آقا یا ان ولی نعمت کے نقطۂ نگاہ میں کمل تبدیلی کا انتظار کریں۔ ہمارے خیال میں وہ اپنے محدود دائرے میں بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں جب تک وہ محض اس وجہ سے خاموش رہتے ہیں کہ انکے آقا یا ان ولی نعمت انکی رہنمائی نہیں کرتے۔ مدرسین کی تمام مشکلات کو سامنے رکھ کر بھی حتمی یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مدرسین اپنے ان فرائض سے قطعی غافل رہتے ہیں جو اُن پر خدا اور رسول کی طرف سے عائد ہوتے ہیں۔ سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ مدرسین صاحبان اپنے فرائض کو پوری طرح محسوس کریں اور انکی بجاآوری کے لیے پوری پوری کوشش کریں۔

اگر مدرسین صاحبان اپنے زاویۂ نگاہ میں تبدیلی کرلیں تو وہ مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھیں

جس رات وہ اپنی تبدیلی کریں اُس سے اگلے روز وہ اپنی جماعت میں جائیں تو اپنے آپ کو تلامذہ کے سامنے مسلمان کی حیثیت سے پیش کریں اور اُن سے مطالبہ کریں کہ وہ مسلمان شاگرد بن کر رہیں۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی کوشش کرنی پڑے گی لیکن آخر کس چیز کے لیے کوشش نہیں کرنی پڑتی؟ اسکے بعد وہ یہ سمجھ لیں کہ ہمیں اپنے تلامذہ کے دلوں میں اسلام اور اسلامیت کی محبت پیدا کرنی ہے اور مسلمان ہونے پر لوں پر فخر پیدا کرنا ہے۔ وہ اپنے مضامین کی تعلیم و تدریس کو اسلامی نقطۂ نگاہ سے پیش کریں اور اسی نقطۂ نگاہ سے اپنے طلبہ کے ذہن نشین کریں۔

[illegible] اسلامیہ میں آجکل جو مضامین پڑھائے جاتے ہیں وہ عموماً [illegible] ذیل ہیں:—

(۱) انگریزی (۲) ریاضی (۳) تاریخ (۴) جغرافیہ (۵) اردو (۶) فارسی (۷) عربی (۸) ڈرائنگ (۹) طبعیات (۱۰) کیمیا (۱۱) وظائف الاعضا (۱۲) ڈرل)

ہر ایک مدرس جو سبق دے وہ یہ سمجھ کر دے کہ میں اس مضمون کے ذریعہ سے معلومات طلبہ بہم پہنچانے کے علاوہ حساب کے قواعد سکھاتے وقت انھیں دیانت کرے۔ مثلاً جب آپ سود کے سوالات حل کرائیں تو انھیں بتلائے کہ یہ چیز شرعاً حرام ہے۔ سود کی شرح وغیرہ کے ان سوالوں کو حل کرانے سے مقصود یہ نہیں کہ تم سود دینا سیکھو بلکہ یہ کہ اگر خدا نخواستہ کوئی غریب شخص اس لعنت میں پھنسا ہو تو اسے کس طرح بنیے کے فریب ظلم سے بچا سکتے ہو۔

الجبرے کی تعلیم دیتے وقت بتلائے کہ یہ علم کس حد تک مسلمانوں کی ایجاد ہے اور اسکی ترقی میں مسلمانوں نے کیا کیا کیا۔ اور مسلمانوں کی تصانیف کا تذکرہ کرے جو اس فن میں موجود ہیں۔

اقلیدس کی تعلیم کے ذیل میں بھی اشکال ہندسیہ کے مسلمان علما کے حل پیش کرے اور دکھلائے کہ انھوں نے اس فن میں کس قدر ترقی کی تھی اور اس نے کس قدر اعلیٰ کام کیے ہیں۔

تاریخ ۔ یہ سراسر اسلامی علم ہے۔ مدرس بتلائے کہ ہندوؤں میں تاریخ نویسی کا کوئی رواج نہ تھا۔ لیکن مسلمانوں نے اسے مرتب روایتی انتہا سے نہایت بلند مقام صداقت تک پہنچا دیا۔ اس سے وہ فلسفیانہ موشگافیاں کیں کہ اہل یورپ اب تک اُن کے خوشہ چیں ہیں۔ تاریخ ہند کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کے ادوار بھی پیش نظر کیے اور ساتھ ساتھ بتاتا جائے کہ جن دنوں ہندوستان میں خلجی خاندان حکمران تھا۔ بغداد، قرطبہ اور دیگر ممالک اسلامیہ کا کیا حال تھا تاکہ مسلمان بچے کا ذہن وسیع ہو جائے اور وہ سمجھے کہ میں ایک طویل شاندار ماضی کا جزو ہوں جسے مستقبل پر پوری طرح اثر انداز ہونا ہے۔

جغرافیہ ۔ اس مضمون کا مدرس جس ملک کا حال پڑھانا شروع کرے پہلے بتائے کہ مسلمان اس ملک میں کب آئے اور کیسے آئے اور اب انکی کیا حالت ہے اور ان ممالک کے چیدہ چیدہ مسلمانوں کے حالات بھی سنائے اور بتائے کہ تاریخ اور جغرافیہ کا گہرا اسلامی تعلق پیدا ہو جائے اور مسلمان بچے یہ سمجھنے لگیں کہ وہ جہاں ہیں وہاں اتفاقاً نہیں آگئے ہیں۔

اردو ۔ اس مضمون کا مدرس اردو الفاظ کی تاریخ بیان کرکے اسلامی اثرات کا کھوج بتا سکتا ہے اور دکھا سکتا ہے کہ اردو محاورے کہاں تک اسلامی عہد کے رہین منت ہیں۔ پھر جن محاوروں پر ہندوانہ اثر ہوا اُنکے اثرات کو زائل کرنا بھی اردو کے مدرس کا کام ہے۔

فارسی و عربی ۔ ان مضامین کی تعلیم کو اسلامی تعلیم کا کس قدر موثر جزو بنایا جا سکتا ہے ظاہر ہے۔ اردو کی طرح ان مضامین کو بھی اسلامی خیالات کے اظہار کا ذریعہ بنانا چنداں مشکل نہیں۔ صرف مدرس کے نقطۂ نگاہ کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

ڈرائنگ ۔ اس مضمون کا مدرس اسے بھی اسلامی رنگ دے سکتا ہے۔ مثلاً خط مستقیم اور خط منحنی کی تعلیم دیتے ہوا دکھا سکے کہ اھدنا الصراط المستقیم کے کیا معنی ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان جو راستہ ہے وہ مستقیم ہے منحنی اور کیوں؟ اقلیدسی شکلیں کس حد تک مسلمانوں کی مساعی کی رہین منت ہیں۔ اور رنگ آمیزی میں مسلمان مصوروں اور

...یکی کی کیا کیا چیزیں دکھائی ہیں ۔ دہلی ۔ آگرہ ۔ مالوہ ۔ اودن ۔ شیروان ۔ عراق عرب اور قرطبہ کے اسلامی فنون کے نمونے دکھا کر مسلمان طلبہ کے دلوں میں بٹھائے اور دکھائے کہ یورپ کا فن تعمیر کس قدر اسلامی فن تعمیر کا مرہون احسان ہے اور یہ کہ جس زمانہ میں مسلمان ترقی پر تھے مغربی کا کیا برا حال تھا ۔

طبیعیات اور کیمیا ۔ ان علوم کا درس اسلامی تحقیقات کو پیش نظر رکھ کر طلبہ کے سامنے پیش کیا جا سکتا ہے ۔ سب سے زیادہ یہ علوم ہیں جنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ اسلام سے دور لے جاتے ہیں ۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ان سے زیادہ اسلام کی تعلیم دینے والے علوم کوئی نہیں ۔ اگر قرآن خدائے حکیم کا کلام ہے تو علوم طبعیہ اسکے کام کا منظر ہیں اور یہ ہو نہیں سکتا کہ حکیم کا فعل حکمت سے خالی ہو ، اور جو حکیم یہ کہے "لم تقولون ما لا تفعلون" وہ اپنے کلام میں کچھ کہے اور اپنے کارخانۂ قدرت میں کچھ کا کچھ کرکے دکھائے ۔ اگر قرآن پاک کی صحت کی ایک دلیل یہ ہے کہ "لوکان فیہ اختلافاً کثیراً" تو یہ ناممکن ہے کہ خدا کے کلام اور اسکے فعل میں کسی قسم کا تفاوت پایا جائے ۔ اسی لئے تو بار بار غور و فکر دی ہے اور دعوت دی گئی ہے کہ اسکی حکمت کی نشانیاں "فی الآفاق و فی انفسکم" موجود ہیں ۔ الغرض ان علوم کا درس اسلامی نقطۂ نگاہ سے بتا سکتا ہے کہ مادہ کا خالق خدا ہے جیسا کہ آجکل کے علماء طبعیات نے تسلیم کرلیا ہے اور یہ کہ مادہ غیر فانی نہیں ، جیسا کہ گزشتہ صدی کے حکماء نے بیان کیا ہے اور یہ کہ مسلمانوں نے تقطیر ، تصعید اور تیزاب سازی وغیرہ میں کمال حاصل کیا تھا ۔

علم و ظائف الاعضاء ۔ اس علم کا درس اسلامی اطباء کی اطبائی تحقیقات بھی درس میں پیش کرے اور ساتھ ہی قرآن مجید میں جن حقائق علمیہ کا تذکرہ ہے اور تخلیق کے جن نازک مراحل کی طرف اشارہ کیا گیا ہے انکی طرف بھی طلبہ کی توجہ دلائے اور دکھائے کہ یہ علم قرآنی آیات کی کہاں تک مؤید ہے ۔ اور جہاں اختلافات نظر آئیں وہاں قرآنی آیات کی صحت کا ثبوت دے اور مغربی تحقیقات کی تغلیط کرے ۔

ڈرل ۔ اگرچہ بظاہر "یہ مضمون" اسلامیات لیکن حقیقت میں اسکا اسلامی زندگی سے نہایت گہرا تعلق ہے ۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ دس سال تک ڈرل کرنے کے بعد بھی طلبہ مسجدوں میں اپنی صفیں سیدھی نہیں کرسکتے اور وہ انھیں مسجدوں سے باہر ٹیم ورک کرسکتے ہیں ۔ مسلمان ... اپنے مسلمان طلباء کی صحت کا ذمہ دار ہے ۔ دیگر اساتذۂ مدرسہ ... سے انکو وہ چیزیں سکھائے جو قومی تحفظ کی کفیل ہوں " (نامرتم)

(بقیہ صفحہ)

... نفس کا کوئی فقرہ کہیں منقول نہیں ۔ لیکن حقیقۃً ان سے بڑھ کر نفسیات ... کا ماہر کون ہوا ہے ؟

... مسلمان مریض کے سامنے اس گندہ خیالی کو "شیطانی وسوسہ" سے تعبیر کرا ... حقیقۃً اسکے صحیح عقیدۂ عصمت ہی کو توی و پختہ تر بنا دیتا اور لاشعوری کی مدد سے اسکے شعوری عقیدہ کو خوب مضبوط کرتا ہے ، اسی طرح زبان سے اسکا آں حضرت کے فضائل و مناقب بیان کرتے رہنا خود آلزی (AUTO-SUGGESTI) ہی کی اعلیٰ شکل ہے ، اور کوئی برائی خود اسکے دل میں کے واپس آنے کے بجز پہ مشغولی ۔

یہاں تو خود ایک زمانہ میں فرائڈ (FREUD) ، ینگ (YOUNG) وغیرہ اور انکے سارے اسکول سے تحقیقات ... اور ہزاروں صفحات کا مطالعہ انھیں لوگوں کی "تحقیقات" کا کیا ... چکا ہے ۔ بحمداللہ تب اسکی چیزوں پر پڑی تو معلوم ہوا کہ اصل حکمت تو ہمارے ہی پاس ہے ۔ یہ لوگ بیچارے محض مسلمات کے پھیر میں پڑے ہوئے صرف چند سطحی حقیقتوں سے واقف ہیں ، اور یہ دینی علاج نفسیاتی علاج سے الگ دیکھیں ، نہیں اسی اعلیٰ قسم کا علاج ہے ہر طرح کے حشو و زوائد سے پاک ۔ مراسلہ نگار انشاء اللہ ہر طرح ہونہار اور صالح الاعتقاد ہیں ، ان شاء اللہ ایک دن خود اس مقام پر پہونچ جائیں گے ۔

حضرت اکبر الہ آبادی نے ایک مرتبہ اقبال کو آج سے کوئی سو سال قبل ایک خط میں لکھا کہ " ماجد صاحب تو ہر وقت بڑا سامان فریج منسٹر کی جیب میں رکھا کرتے ہیں " ۔ اقبال نے برجستہ جواب میں لکھا کہ " عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ جیب پر گمان انکی جیب میں رہا کریگا " خدا کرے کہ مراسلہ نگار ایسے ہونہار مغربی علوم کے عالم پختہ مسلمان کے حق میں یہ پیشگوئی پوری ہو ۔

ایک شیعہ پمفلٹ سے

افسوس ہے کہ آج کچھ ایسی جماعتیں اٹھ کھڑی ہوئی ہیں جو کہنے کو تو مسلمان ہیں لیکن درحقیقت مسلم لیگ کو زک پہونچانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں ۔ یہ جماعتیں مختلف عنوانوں سے مسلم لیگ پر حملہ کرتی ہیں ۔ کوئی کہتا ہے مسلم لیگ اسلام دشمن جماعت ہے ، تو کوئی سنیوں سے کہتی ہے کہ شیعہ رافضی ہیں انھیں جمہور اسلام سے الگ کردو ۔ کوئی شیعوں سے کہتی ہے کہ تم کو رافضی کہا جاتا ہے لہٰذا تم جمہور اسلام سے الگ ہو جاؤ ۔ بہرصورت یہ سب ایک ہی مداری کے مختلف کھیل ہیں جب تماشہ ختم ہو جائیگا سب ایک ہی تھیلے میں بند کرلئے جائیں گے ۔

جائز مطالبات ۔ شیعیان ہند کے کچھ جائز مطالبات ہیں اور انکی منظوری کے حصول کیلئے ہم جد و جہد کر رہے ہیں اور ان مطالبات کا حصول تقاضا کرتے ہیں لیکن اب مقابلہ خود جمہور اسلام خطرہ میں ہے ۔ ہم اپنی قدیم روایات کے مطابق ایسا ہرگز نہ ہونے دیں گے جس سے یہ نتیجہ ہو کہ وہ شاخ ہی نہ رہا جس پہ آشیانہ تھا ۔ اگر مسلم لیگ جو جمہور اسلام کا سب سے مستحکم محاذ ہے ، کانگریس کے مقابلہ میں ناکام ہوگیا تو شیعہ چونکہ اسی جمہور کے ایک رکن ہیں کب باقی رہ جائینگے لہٰذا اسلئے حقوق کے حصول کی جد و جہد کے ساتھ ساتھ جمہور اسلام کو مستحکم کرنا اپنا فرض سمجھتے ہیں ۔ اگر آپ ہندوستان میں بحیثیت مسلمان عزت کے ساتھ زندہ رہنا چاہتے ہیں تو اس نازک وقت میں مسلم لیگ کا ساتھ دے کر

نفسیاتی علاج

(از سید وحید الحسن ہاشمی صاحب ہاشمی ایم اے پی ایچ ڈی، استاد اردو لکھنؤ یونیورسٹی)

آج اتفاق سے ۱۵ ستمبر کا صدق نظر سے گزرا۔ اتفاق سے اس لیے کہ میں ابھی تک اسکا باقاعدہ خریدار نہیں ہو سکا ہوں۔ "مشورے اور گزارشیں" نمبر ۲۹ کے تحت پہلا سوال ایک صاحب کا ہے جس میں اُن صاحب کو حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ذات اقدس کے متعلق طرح طرح کے وسوسے پریشان کر رہے ہیں۔ آپ نے اسکا علاج بھی بتلایا ہے کہ شیطانی وسوسوں کی طرف سے کامل بے التفاتی برتی جائے۔ نیز حضرت صدیقہ کے اُم المومنین ہونے کا تصور دل میں پوری طرح جمایا جائے اور آپ کے فضائل اور مناقب پڑھ پڑھ کر انھیں اپنی زبان سے بھی ادا کیا جائے

محض یہ علاج کامیاب نہ ہوگا۔ کیونکہ اصل مرض کی بنیاد کچھ اور ہے۔ مریض کو حضرت صدیقہ کے تقدس کا پورا یقین ہے (جیسا کہ درج سوال ہے)۔ اس لیے محض اسکی تکرار چنداں سودمند نہیں ہوگی۔ یہ واقعہ بالکل ایسا ہی ہے کہ کسی کو بخار ہو جائے اور معالج محض بخار کا علاج کرے۔ اور یہ نہ دیکھے کہ بخار کس وجہ سے ہے اور کس نوعیت کا ہے۔ یہ محض شیطانی وسوسہ نہیں ہے بلکہ ایک نفسیاتی مرض ہے جس میں مریض کی خود اختیاری پہلے ہی ختم ہو گئی ہے اور اسی لیے وحشت بلکہ اسکے بعد جنون کا حملہ ہو جانا اغلب ہے۔ بالکل ایک ایسا ہی واقعہ [illegible] میں میرے زمانہ میں ہوا تھا۔ ایک ذہین لڑکے کو حضرت علی اور [illegible] کے تعلقات کے متعلق شیطانی وسوسے پریشان کرنے لگے۔ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے سنبھالنے اور راہ راست پر لانے کی کوشش کی لیکن نہ کر سکا[1]۔ آخرکار ریل کی پٹری پر اپنا وحشی دماغ رکھ دیا۔ تاکہ اس کشمکش ذہنی سے نجات پا لے۔ چنانچہ ریل نے اسکو اس وحشت سے نجات دلا دی۔ ایسے واقعے بہت ہوتے رہتے ہیں۔

چونکہ میرا محبوب موضوع ایک زمانہ میں 'جنون' رہا ہے اور اسکے علاج سے بھی دلچسپی رہی ہے۔ اسی لیے میں اس کی تھوڑی بہت نوعیت سمجھتا ہوں۔ دینی علاج کے ساتھ اس مریض کا نفسیاتی تجزیہ بھی کرنا ہوگا۔ اور وہ اس طرح کہ کسی قسم کا جواب دینے سے پہلے خود اُس سے چند سوالات اور پوچھے جائیں اور وہ سوالات اس قسم کے ہونگے۔

۱۔ کیا مریض مجرد کامل ہے؟

۲۔ کیا اُسکو کسی سے سخت محبت ہے؟ اگر ہے تو کیا اپنے محبوب کی عصمت کے بارے میں کچھ افواہیں سُنی ہیں؟

۳۔ کیا اُسکے عزیز قریب بیوی (اگر ہو) ماں، بہن یا کسی دوسرے عزیز یا دوست کی عصمت کے متعلق کچھ افواہیں سنی ہیں؟

۴۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا تصور نسوانی اُسکے ذہن میں [illegible] اس قسم کی کوئی عورت اُس نے دیکھی ہے اور اُس [illegible] اسے یا لوگوں کو کسی قسم کا شبہہ ہے؟

جواب یا علاج جو کچھ اُسکا ہوگا ان سوالات یا [illegible] کے سوالات کے جوابات پر ہوگا۔ دراصل مریض کا مرض محض [illegible] تک نہیں ہے بلکہ اُسکے دل میں اس طرح گھر کر گیا ہے کہ [illegible] ارادی اُس شبہہ کے مقابلہ میں کمزور ہو گئی۔ اور یہ اُس وقت ہوتا ہے کہ جب شبہہ عقلی نہ ہوں بلکہ محض ذہنی۔ اور اب سوا اسے جنون ہو جانے کے اور کوئی صورت اسکی نہ ہوگی۔ اور لطف یہ کہ شبہہ اصلی [illegible] کیونکہ اُسکا دماغ پوری طرح حضرت صدیقہ کے تقدس کا قائل ہے بلکہ دراصل اسکے تحت شعور میں واقعات کچھ اور ہیں جنکا اُسکا اصلی شعور سامنا نہیں کر سکتا۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اصلی اُلجھن یا کشمکش روپ بدل کر دوسری صورت میں اسکو پریشان کرنے کے لیے جلوہ گر ہوتی ہے اور دوسری صورت یا مصنوعی صورت یہ شک و شبہ ہے جو اسکے دل و دماغ میں حضرت عائشہؓ کے متعلق فرضی طور پر جاگزیں ہو گئی ہے۔ اگر اصلی مرض یعنی اصلی کشمکش کی نباضی کی جائے اور اسکا اصلی مرض پکڑ لیا جائے تو پھر علاج بہت آسان ہو جائے گا اور یہ مرض خود بخود دور ہو جائیگا۔

مجھے نہیں معلوم کہ اس سے قبل اس قسم کے کتنے مریضوں نے آپ سے رجوع کیا اور کہاں تک وہ صحتیاب ہوئے۔ لیکن اگر آپ دینی علاج کے ساتھ ساتھ مندرجہ بالا طریقہ (تحلیل نفسیاتی) بھی اختیار فرمائینگے تو مریض کو شفا کلی نصیب ہوگی۔ آپ کا بتلایا ہوا طریقہ مفید ضرور ہے لیکن اُس وقت تک جبکہ آدمی اپنی خود اختیاری کھو نہ چکا ہو لیکن یہاں مرض غیر معمولی (ABNORMAL) ہو گیا ہے۔ اس میں آپ کو اپنے فلسفہ سے بھی کام کرنا ہوگا۔ ایک زمانہ میں میرا ارادہ تھا کہ اس قسم کے نفسیاتی امراض کے علاج کے لیے [illegible] کی طرح ایک باقاعدہ ادارہ کھولا جائے جس میں جدید نفسیاتی اصول اور دینی اصول دونوں سے فائدہ اٹھا کر علاج کیا جایا کرے لیکن میں خود اپنے جسم کا اتنا مریض رہتا ہوں کہ یہ سب ارادے خواب و خیال ہو کر رہ گئے ہیں۔

صدق۔ مشوروں کا شکریہ۔ لیکن مقابلہ علوم اور [illegible] اور مصطلحات علوم اور۔ جتنی باتیں اس مراسلہ میں بیان کی گئی ہیں، بحمد اللہ ان سب کا لحاظ صدق کے اس مشورہ میں رکھ لیا گیا تھا، اصطلاحی اور فنی بحثوں کو لائے ہوئے بغیر اور مریض کو [illegible] میں [illegible] لکھنؤ یونیورسٹی کالج کے پرانے استاد فلسفہ [illegible] کے [illegible] ڈاکٹر گبرٹ کہا کرتے تھے کہ [illegible] کوئی کتاب یا استاد نہیں لکھا۔ لیکن سب سے بڑا ماہر نفسیات نفس بشری کا نباض وہی ہوا ہے جو ہمارے شیخ [illegible]

[1] اصل غلطی اس بیچارے سے یہی ہوئی کہ اپنی ذاتی کوششوں کو اس باب میں کافی سمجھا۔ (صدق)

کہ کتبہ کی زبان کا یونانی ہونا خود کتبہ کی صحت کو مشکوک بنا رہا ہے
اب برطانوی مدرسہ اثریات کے صدر فریڈرک کینین (KENYON)
کی تنقید اسی کتبہ کے مضمون سے متعلق حسب ذیل شائع ہوئی ہے:-
"کتبہ کے مضمون کا ماتمی الفاظ سے شروع ہونا خود اس کی دلیل ہے
کہ کتبہ کا تعلق مسیحیت سے نہیں ہو سکتا۔ مسیح کا تو صعود آسمان کی طرف
ہو چکا تھا۔ اور یہ صعود کا واقعہ عیسائی نقطۂ نظر سے انتہائی مسرت کی چیز تھی
نہ کہ ماتم کی۔" (پائنیر - ۷ - نومبر ۴۵ء)
مسیحیت کا وہ عقیدہ یاد کر لیجیے کہ مسیح کی نعش جمعہ کی شام کو سولی سے
اتار کر دفن کی گئی تھی، اور آپ اتوار کو اپنے جسد ظاہری کے ساتھ آسمان
کی طرف اڑ گئے۔ اور آپ کی نگاہ فوق الحس پر دائمی طرف ہے۔ تو یہ واقعہ
صعود مسیحیت کی جان اور مسیحیوں کے لیے انتہائی فخر و مسرت کا باعث ہے۔

ایک قرآنی لفظ

مولوی قاضی زاہد الحسینی صاحب شمس آباد
سے لکھتے ہیں:-
امام راغبؒ نے اپنی کتاب الذریعہ الی مکارم الشریعہ میں یہ بات
بہت خوب لکھی ہے کہ آیۂ کریمہ "ولقد ارسلنا رسلنا بالبینات وانزلنا معهم
الکتاب والمیزان" میں میزان سے مراد وہ علوم ہیں جن سے کتاب کی عبارت
اور معانی کی وضاحت ہوتی ہو۔
آیت سورۃ الحدید (پ ۲۷) کی ہے۔ الکتاب کی تفسیر میں امام رازی
وغیرہ نے یہ لکھا بھی ہے کہ ایسی کتاب جو دلائل و بینات پر مشتمل ہے۔ اور
بینات سے ترتیب ذکر سے یہی معنی لگتے ہوئے ہیں بھی۔ اس سیاق میں اگر
میزان سے یہی مراد لی جائے کہ ان دلائل قرآنی کو واضح و روشن کرنے والے
علوم، تو کچھ بیجا تو نہیں۔ بات بہت لگتی ہوئی ہے۔ میزان کے لفظی معنی
(ترازو یا آلۂ وزن) سے ہٹ کر عدل و قسط کے معنی تو یہاں اور مفسرین نے
بھی لیے ہیں۔

چند خوشگوار آوازیں

"میں اپنے سنی دوستوں کو اطمینان
دلانا چاہتا ہوں کہ میرے دل میں سب خلفاء کی عزت ہے۔ البتہ علی علیہ
السلام کو افضل جانتا ہوں"
یہ شیعہ و سنی کے کسی متحدہ جلسہ میں نہیں، خالص شیعہ جلسہ یعنی
آل پارٹیز شیعہ کانفرنس لکھنؤ کے اجلاس میں شیعہ پلیٹ فارم سے ایک
نہیں، ایک سے زائد تعلیم یافتہ وکیل صاحبوں (بعض وکلاء) نے فرمایا
(سرفراز۔ لکھنؤ۔ ۷۔ نومبر ۴۵ء)
سیالکوٹ میں مسلم لیگ کے ایک عظیم الشان جلسہ میں پنجاب کے ایک
مقتدر شیعہ ایم۔ ایل۔ اے نے "افضلیت کا سوال ہی ختم کر دیا۔ اور خلفاء
اربعہ کو ہم مرتبہ کہتے ہوئے سب سے اپنی گہری عقیدت کا اعلان کیا" (ایضاً)
ایک شیعہ عالم (بعض علماء روشن دماغ علم) نے اخبار [illegible] (لاہور)
یکم نومبر میں مضمون زیر عنوان "پیام شریعت" میں لکھا ہے کہ
"امام حسینؑ نے یزید ایسے دشمن کو پیغام دلوایا تھا کہ سرحد اسلامی پر
آپ جا کر کفار سے جہاد فرمائیں گے اور حدود مملکت یزید کی حفاظت کریں گے۔"
(ایضاً)
ان خوشگوار آوازوں کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ شیعوں سنیوں میں وہ
اجنبیت، بیگانگی اور ناگواری باقی رہ سکتی ہے، جس کا گھٹانا اور مٹانا ہر
اخوت اسلامی کے معتقد کا اولین فرض ہونا چاہیے۔

سکھ صاحبوں سے

اخبارات میں خبر گشت لگا رہی ہے کہ
لکھنؤ یونیورسٹی کی ایک مشہور سکھ طالبہ اپنی اعلیٰ تعلیم کے ختم کے بعد ایک
نیشنلسٹ مسلمان (ہندوستان ٹائمس کے [illegible] لکھنؤ) کے عقد نکاح
میں اور آغوش اسلام میں آ گئی ہے۔ اس پر سکھ حلقوں میں بڑی ناگواری
اور برہمی پھیلی ہوئی ہے اور سکھوں نے کانپور میں ایک مذہبی جلسہ کر کے
اس پر غور کیا ہے کہ آیندہ ایسے واقعات کا کیسے سد باب کیا جائے۔
سکھ قوم ایک موحد قوم ہے اور اس لیے مسلمانوں سے قریب ترین
رشتہ رکھتی ہے۔ اسکے بانی گرو نانک جی کی تعلیمات توحید و معرفت سے
لبریز ہیں اور بڑی حد تک بالکل مسلمان درویشوں اور عارفوں کے رنگ پر۔
سکھ سردار اگر کسی مسلمان کا مخلصانہ مشورہ سننے اور قبول کرنے میں کچھ
حجاب نہ محسوس کریں، تو ان سے عرض ہے کہ ایک شریف کے ساتھ نکاح
ہو جانا تو بہر صورت ایک شریفانہ فعل ہے۔ اصل ناگواری اس پر
نہیں، بلکہ کالج کی لڑکیوں کی عام طرز زندگی پر ہونا چاہیے۔ کالجی لڑکیوں
کی زندگی سے، وہ ہندو ہوں یا عیسائی ہوں یا سکھ ہوں، یہاں تک کہ مسلمان
بھی، آج کون باخبر بیخبر ہے؟ پھر کسی کو اسکی اصلاح کی فکر پیدا ہوئی ہے؟
بے پردگی ہی نہیں بے حیائی کے انتہائی مظاہرے، جلوہ نمائی کے بیسوائی طور
طریقے، بالکل فرنگنوں کا سا اطوار و رجحان، زینت، شراب کی لت، ہوٹلوں
میں نمائشی شبانہ سیر، سنگ نے نیکہ ناچ، سینما، کلب، کاک ٹیل پارٹی، اڈونس
پارٹی میں روزانہ شرکت، "منع حمل" اور "ضبط تولید" کے پرشوکت ناموں
سے ہر حرام کو حلال بنا لینا، اور اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ناگفتنی چیزیں
آج کس کے لیے راز ہیں؟ بزرگوں، سرپرستوں، والدین میں سے کتنے ہیں جو
ان واقعات کی روک تھام کی طرف توجہ کرتے ہیں؟ ہاں جب کبھی کوئی
واقعہ تبدیل مذہب کا یا باقاعدہ شادی و نکاح کا پیش آ جاتا ہے، تو سب
صاحب لعنت و نفرین کے لیے تیار ہو جاتے ہیں! آخر یہ کہاں کا انصاف
ہے! اور کس عقل و دانش کا فتویٰ ہے؟

ایک قابل قدر پیام

بیانات اور بیانات کی کمی پہلے بھی نہ تھی،
اور اب تو کہنا چاہیے کہ کوئی حد ہی نہیں رہی۔ ہر زبان بولنے کے لیے تیار،
اور ہر نطق ابل پڑنے کے لیے بیقرار۔ کوئی ان میں سے آدھے بیانوں کے
بھی پڑھنے کے لیے وقت کہاں سے لائے۔ لیکن اسی انبوہ و ہجوم میں کبھی
کبھی کوئی قابل قدر بیان بھی نکل آتا ہے۔ اسکی ایک تازہ اور بہترین
مثال ملک کے مشہور، فاضل گرامی مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا وہ پیام
ہے جو جمعیۃ علماء اسلام کانفرنس کے اجلاس کلکتہ میں پڑھ کر سنایا گیا۔

اردو زبان کی قومی حیثیت

(کرشن چندر صاحب کے خطبۂ صدارت سے)

جہاں تک تو مقاصد کا تعلق تھا، اب ایک آخری بات رہ گئی ہے، اور وہ ہے ترقی پسند مقاصد و اغراض کی نشر و اشاعت۔ چونکہ یہ اردو کے سندو جین گی کانفرنس ہے اس لیے میں اپنی زبان کے مسائل پہ گفتگو کرونگا۔ جہاں یہ بات میں صراحت سے کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان نہیں سمجھتا اور مجھے اسکے تاریخی ارتقاء کا مطالعہ بھی یہاں تک اس پر مجبور کرتا ہے کہ میں اسے صرف مسلمانوں کی زبان نہ سمجھوں۔ اس پر کوئی شبہ نہیں کہ اس زبان کے غالب حصہ پر مسلم قوم کی تہذیبی چھاپ ہے اور ہندوؤں نے اس کی ترویج و اشاعت میں بعض مسلمانوں سے کم حصہ لیا ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جسے جھٹلانے سے خود فریبی کے سوا اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لیکن اس امر کے باوجود اس بات کو بھی کوئی جھٹلا نہیں سکتا کہ ہندوؤں نے اور اس ملک کی دوسری قوموں نے بھی اردو کی اشاعت میں، اسے پھیلانے اور بڑھانے میں اور اپنا لینے میں ایک معتد بہ حصہ لیا ہے۔ اور دوسری قومی زبانوں کی ترقی کے باوجود، اور فرقہ وارانہ رجحانات کی افزائش کے باوجود اور اس بدنصیب ملک کی کوتاہ سیاست کے باوجود مسلمانوں نے اور ہندوؤں نے اور سکھوں نے اور دوسری قوموں نے اسکی ترقی کے لیے اپنے بہترین اذہان کا ہو رہا ہے۔ لغت کی دنیا میں یہ وہ ایک پودہ ہے جس کی آبیاری ہم سب نے مل جل کر کی ہے اور اسے ایک ایسے پھول کی طرح، ایک معصوم جسم کی طرح، ایک مقدس گیت کی طرح حرز جاں بنا کر رکھا ہے۔ اس لیے ایک ایسی زبان کو جسے ہندوستان کے مختلف فرقوں نے مل کر تخلیق کیا ہو کسی ایک قوم کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے وقف کر دینا ایک زبردست تہذیبی اور تاریخی غلطی ہوگی۔ جس کی مثال دنیا میں مشکل سے ملیگی۔ اگر امریکہ اور انگلستان دو مختلف قومیں ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے ہزاروں میل دور ہوتے ہوئے بھی ایک زبان رکھ سکتے ہیں اور اسے اپنی تہذیبی روح کا مرکز بنا سکتے ہیں تو ہندوستان اور پاکستان ساتھ ساتھ رہتے ہوئے بھی کیوں اردو زبان کو اپنا نہیں سکتے۔ جسے انہوں نے خود تعمیر کیا ہے پھیلایا ہے آگے بڑھایا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی مختلف قوموں کو حق خود ارادیت دینے کے باوجود ایک ایسی زبان کی ضرورت باقی رہ سکتی ہے جو اس ملک کی تمام قوموں کی زبان بن سکے۔ میرے خیال میں اردو اس ضرورت کو کما حقہٗ طور پر پورا کرتی ہے۔ اور ہمیں تمام پریشانیوں، دقتوں اور مزاحمتوں اور سیاسی مناقشات کے باوجود اس کی ترویج و اشاعت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھنی چاہیے اسکے دائرۂ اقتدار کو ایک ہی قوم تک محدود نہ کرکے یہ کوشش کرنا چاہیے کہ یہ ہندوستان کی تمام قوموں کی باہمی زبان بنجائے۔ اسکے لیے اگر ہمیں صوبائی زبانوں سے الفاظ لینے پڑیں تو لے لینے چاہییں۔ اسکے لیے اگر ہمیں دوسری قوموں کے تہذیبی عناصر کو جگہ دینا پڑے تو دینا چاہیے۔ ہمیں ہر طریق سے ہر ڈھنگ سے، ہر ممکن کوشش سے اسے پورے ہندوستان کی اسکی ساری قوموں کی، انکے کلچر کی اور انکے تہذیبی گہواروں کی زبان بنانا چاہیے۔ میں اس میں اردو کی ترقی دیکھتا ہوں اور اسی میں ہندوستانی کلچر کے ایک اعلیٰ تر امتزاج کی دنیا دیکھتا ہوں، جو آگے چل کر پورے ایشیا کی تہذیبی ترقی میں برابر کی حصہ دار ہو سکتی ہے۔

(پیام)

افسوسناک کارٹون

"ڈان" مسلم لیگ کا سرکاری اخبار ہے۔ نوابزادہ لیاقت علی خاں صاحب کی نگرانی میں شائع ہوتا ہے اور مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان تصور کیا جاتا ہے۔ اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں ایک کارٹون شائع ہوا ہے۔ جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ پنڈت جواہر لال ڈگڈگی بجاتے ہوئے مسلمانوں سے ووٹوں کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ پنڈت نہرو کے ہاتھ میں ایک رسی دکھائی گئی ہے جس میں چار بندر بندھے ہوئے ہیں۔ ایک بندر پر "احرار مکار" دوسرے پر "بدذات کانفرنس" تیسرے پر "علامہ جیمنی" اور چوتھے پر "جمعیۃ الملاں" لکھا ہوا ہے۔

اس طرح احرار، علامہ مشرقی، جمعیۃ العلماء اور آزاد کانفرنس پر کیچڑ اچھالنے کی کوشش نہ معلوم کس اصول اخلاق کے ماتحت درست کہی جا سکتی ہے؟

عام مسلم لیگی اخبارات میں جب ہم گندہ دہنی یا دشنام طرازی دیکھتے ہیں تو ہمیں دکھ ضرور ہوتا ہے۔ مگر چونکہ انکی یہ حرکت انفرادی حیثیت رکھتی ہے، اس لیے ہم انکے لیے مسلم لیگ کو جوابدہ نہیں قرار دے سکتے، مگر "ڈان" کا معاملہ دوسرا ہے۔ ڈان مسلم لیگ کا سرکاری اخبار ہے۔ اسکی حیثیت ذمہ دارانہ ہے۔ اس لیے اگر ڈان میں اس قسم کی حرکتیں ہوں تو ہمیں ان پر دکھ بھی ہوگا اور مسلم سیاست کی گراوٹ پر حیرت بھی۔

ڈان ذمہ دار حیثیت کا اخبار سمجھا جاتا ہے۔ اور اس میں جو کچھ لکھا جاتا ہے اسے مسلم لیگ کی سرکاری پالیسی تصور کیا جاتا ہے۔ تو ہم یہ خیال کریں کہ اس قسم کے گندے کارٹون شائع کرنا بھی مسلم لیگ کی پالیسی کا ایک جزو اور اسی پروپیگنڈے کا ایک حربہ ہے؟ (انجم)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

ونر محمد صاحب، بریلی۔ آپکے بزرگ حکیم شمشاد علی خاں مرحوم کے لیے دعائے مغفرت کر دی گئی۔ حج کی راہ میں کہ معظمہ میں موت مبارک موت ہے، ہر مسلمان کے لیے قابل رشک۔

اسلام اور جنگ آزادی

(از احمد جمال صاحب بی اے ۔ بریلی)

چند باتیں دریافت طلب ہیں، امید ہے کہ آپ میری ان الجھنوں کو اپنی قرآنی بصیرت سے صاف کرینگے ۔

(۱) قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی بنیادی اور اولیں غرض اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی سے چھڑانا ہے ۔ کیونکہ منصب رسالت پر فائز ہوتے ہی انھیں سب سے پہلے اسی فرعون کی مجلس میں بھیجا گیا ۔ وہاں پہونچکر انھوں نے "انا رسول ربک" کے الفاظ سے اپنا تعارف کرایا اور وہ پوزیشن واضح کی اور پھر فوراً آزادی بنی اسرائیل کا مطالبہ کر دیا ۔ ملاحظہ ہو سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ۔ اور یہی مضمون سورۂ اعراف میں ارشاد ہوا ہے ۔ رہا تبلیغ دین و دعوت ایمان سو یہ ایک ضمنی مسئلہ ہے ۔ جنگ آزادی کے دوران میں اسے بھی موسیٰ علیہ السلام نے تھوڑا بہت تعرض ضرور کیا ہے جیسا کہ سورۂ نازعات سے معلوم ہوتا ہے ، مگر ہے بہرحال یہ ایک ثانوی درجہ کی چیز !

(۲) جب اولیں غرض آزادی بنی اسرائیل قرار پائی تو یہ بات خاص طور سے غور کرنے کی ہے کہ اسوقت ہندی مسلمانوں کا ٹھیک وہی حال ہے اور اسی غلامی میں مبتلا ہیں جس میں "انبیاء کی اولاد" فرعون کے زمانہ میں مبتلا تھی ، اور وہاں ہم دیکھتے ہیں کہ سب سے پہلے آزادی کا مطالبہ ہوا ، نہ ایمان کی دعوت ، نہ عمل کی طرف بلاوا ، نہ اور کسی چیز کی طرف توجہ ، نہ تزکیۂ نفس کا انہماک ، پھر کیا ہمارے لیے یہ مذہبی فریضہ نہیں ہے کہ ہم پوری انہماک سے جنگ آزادی میں حصہ لیں ؟ اگر "ایمان و عمل بحالت غلامی" کا مطالبہ خدا کی طرف سے ہوتا تو پھر ضروری تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پہلے توراۃ دیے جاتے ، پھر اپنی قوم کی سیرت کی تعمیر و تشئید کرتے ۔ پھر حالات اجازت دیتے تو اپنی قوم کی آزادی کا مطالبہ کرتے ؟

(۳) مصر میں رہتے ہوئے بنی اسرائیل غلام بنا لیے گئے تھے ، کیا اس سے یہ مستنبط نہیں ہوتا کہ اگر اپنے وطن سے کوئی قوم نکالی نہ گئی ہو بلکہ وہیں غلام بنا لی گئی ہو تو اسے پُرامن احتجاج اور موجودہ طرز کا سیاسی ایجی ٹیشن ہی کرنا اتباع کی صحیح شکل ہے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی "جنگ آزادی" میں "عدم تشدد" کی پالیسی اختیار کی اور آئینی جد و جہد ہی آخر تک کرتے رہے ۔ اگر انھوں نے "تشدد" کا پروگرام بنایا ہوتا "عدم تشدد" کیسا کا مطالبہ نہ کرتے ، جو ان آیات میں بیان ہوئے ہیں ، رب اشرح لی صدری الی آخرہ ۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ، اور انکے اصحاب اپنے وطن عزیز کہ سے نکالے گئے ، پھر مدینہ جا کر دار ہجرت بنا کے استخلاص وطن کے لیے کہ پر حملہ آور ہوئے اور بالآخر اسے آزاد کرالیا ۔ کیا اس سے یہ قاعدہ مستنبط نہیں ہوتا کہ جو قوم اپنے وطن سے بے وطن کی گئی ہو اسکے لیے ضروری ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہوئے "تشدد" کے پروگرام پر عمل کرے ۔ (باقی آیندہ)

جوابات

(مولوی حکیم عبد القوی بی اے ، دفاضل ادب ، نائب مدیر "سچ" کے قلم سے)

جواب سوال ۱ ۔ انبیاء علیہم السلام کی اصل غرض بعثت توحید و رسالت کی منادی ہوتی ہے ، اور دوسری چیزیں ضمنی غرض بعثت رکھتی ہیں ۔ کلام مجید میں تقریباً جملہ انبیاء کرام کے ذکر میں یہی چیز ملحوظ رکھی ہے کہ اصل دعوت توحید و رسالت کے معاً بعد اس قوم کی سب سے اہم خرابی کی اصلاح کی دعوت دی گئی ہے ۔ قوم حضرت شعیبؑ کاروباری خیانت کرتی تھی ، قوم عاد تعمیری اسراف اور کبر کی وجہ سے خدا فراموشی میں مبتلا تھی ، قوم لوط نہایت گندے اخلاق میں مبتلا تھی ۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ کی قوم موحد ہو کر ایک مشرک کی غلامی کی مصیبت سہ رہی تھی ۔ اصلی غرض قرآن مجید کی ہر جگہ توحید و رسالت رہی ہے نہ کہ ضمنی وفروعی ۔ مراسلہ نگار آیۂ کریمہ فاتیاہ فقولا انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل کو اپنے اس دعوے کی تائید میں پیش کیا ہے کہ اس سے تبلیغ دین و دعوت ایمان ضمنی حیثیت حاصل ہوتی ہے اور آزادی کو اصلی حیثیت ۔ آیت میں لفظ رسول و رب کی تقدیم ہی انکے اس دعوے کو باطل کر رہی ہے ۔ فرعون سے پہلا مطالبہ اسکا کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے دعوے "انا ربکم الاعلیٰ" سے باز آئے اور خالق و مالک کی ربوبیت اور اسکے بھیجے ہوئے رسولوں کی رسالت کو مانے ۔ اسکے بعد دوسرا مطالبہ اسکے عمل کی اصلاح کا پیش کیا جاتا ہے کہ عقیدہ کی درستی کے ساتھ اپنے اس قبیح عمل سے باز آ ، کہ تو نے ایک موحد قوم کو غلامی کی زنجیر میں جکڑ رکھا ہے ، اور اس سے آزادی عبادت سلب کر رکھی ہے ۔

جس جس جگہ کلام مجید میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا ذکر ہے ، وہاں ہر جگہ یہی چیز نظر آتی ہے ۔ سورۂ طٰہٰ میں آیہ فارسل معنا بنی اسرائیل کے بعد ہی یہ آیات ہیں ۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ ، انا قد اوحی الینا ان العذاب علی من کذب وتولیٰ ۔ (اور سلامتی اسکے لیے ہے جو ہدایت کی پیروی کرے ، بیشک ہم پر وحی کی گئی ہے کہ اس پر عذاب ہوگا جو (خدا کی آیتوں کو) جھٹلائے اور (اسکے حکم سے) سرتابی کرے ۔ حضرت موسیٰ کی زبان سے یہ سنکر فرعون جو توحید والوہیت کے عقیدہ ہی کا منکر تھا ، پوچھتا ہے ، قال فمن ربکما یا موسیٰ (پس تم دونوں کا کون رب ہے) ۔ حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں ، قال ربنا الذی اعطیٰ کل شئی خلقہ ثم ہدیٰ (ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اسکی بناوٹ عطا فرمائی پھر اسکو ہدایت کر دی) آخر ان آیات میں عذاب کی دھمکی کس چیز پر دی گئی ہے ، ظاہر ہے کہ توحید و رسالت ہی کی تکذیب پر دی گئی ہے ۔ پھر سورۂ شعرا (رکوع ۲) میں جہاں فرعون اور حضرت موسیٰ کا مکالمہ درج ہے

وہاں حضرت موسیٰ نے خدا کے "رب السموات والارض" "رب المشرق والمغرب وما بینہما" "ربکم ورب آبائکم الاولین" ہونے کا جو ذکر فرمایا ہے اس سے توحید و ربوبیت کے سوا اور کیا انکی غرض معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ اسی پر فرعون نے کہا ہے "لئن اتخذت الٰہا غیری لاجعلنک من المسجونین" (اگر تو میرے سوا کسی اور کو معبود بنائے گا تو میں تجھے قید کر دوں گا) اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصل جرم جو حضرت موسیٰ پر عائد کیا جا رہا تھا وہ یہی توحید کی دعوت اور مذہب شرک کی مخالفت تھی۔

سورۂ یونس میں جہاں فرعون کی غرقابی کا ذکر ہے وہاں اس کی زبان سے یہ فقرے نکلے ہیں، "قال آمنت انہ لا الٰہ الا الذی آمنت بہ بنو اسرائیل وانا من المسلمین" (سورۂ یونس ع ۹) (میں ایمان لایا اس پر کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس اللہ کے جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں)۔ اس سے بھی صاف نظر آتا ہے کہ غرقابی کے وقت اس نے حضرت موسیٰ کی اصل دعوت یعنی توحید کا اقرار کرنا چاہا تھا نہ کہ وہ ضمنی چیز یعنی آزادی بنی اسرائیل۔

پھر اگر حضرت موسیٰ کے بارے میں مراسلہ نگار کا نقطۂ نظر تسلیم کر لیا جائے کہ انکی دعوت توحید و رسالت کی نہ تھی، بلکہ آزادی بنی اسرائیل کی، تو ہر نبی کے لیے بھی یہی چیز کہی جا سکتی ہے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت لوط کا اصل مقصد اخلاقی خرابیوں سے قوم کو نجات دینی تھی۔ حضرت شعیب نے اپنی قوم کی مالی خیانت اور تجارتی چالاکیوں کے سدباب کے لیے آئے تھے وغیرہ وغیرہ۔ مراسلہ نگار کی یہ نہایت بڑی جسارت ہے کہ وہ یہ کہہ گئے ہیں کہ "تبلیغ دین و دعوت ایمان تو ایک ضمنی مسئلہ ہے۔ جنگ آزادی کے دوران میں اس سے بھی موسیٰ علیہ السلام نے تھوڑا بہت تعرض ضرور کیا ہے"۔ قرآن مجید کا اگر وہ ذرا بھی مطالعہ فرمائیں تو انھیں نظر آئیگا کہ حضرت موسیٰ کی اصل دعوت وہی تھی جو ہر نبی کی رہی اور قرآن مجید میں ہر جگہ اسی کو اصل اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے

(۲) سوال نمبر ۲ میں جو مقدمہ قائم کیا گیا وہ بھی سرے سے باطل ہے۔ یعنی اصل غرض آزادی بنی اسرائیل تھی جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں۔ اور اگر ہو بھی تو اس آزادی اور ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں سوا لفظ کے اور کوئی چیز مشترک نہیں۔ وہاں سابق برحق وحی الٰہی کی رہنمائی میں ایک موحد و مومن قوم کی آزادی عقائد و آزادی عبادت کے لیے کوشاں تھے نہ کہ آزادیٔ وطن کے لیے، انکے مطالبۂ آزادی کا یہ مطلب نہ تھا کہ فرعون ملک مصر بنی اسرائیل کے حوالہ کر دے، بلکہ حضرت موسیٰ کے ساتھ انکی قوم کو ہجرت کی اجازت دی جائے جیسا کہ ان اصل متن بنی اسرائیل سے واضح ہوتا ہے تاکہ وہ الگ جا کر آزادی سے دین توحید پر قائم رہ سکیں۔ اور اسکے بعد حضرت موسیٰ اور انکی قوم کا عمل بھی اس پر شاہد ہے کہ وہ وہاں سے ہجرت کر گئے اور فرعون انکے تعاقب ہی میں ڈوبا۔

پھر حضرت موسیٰ نے دعوت بھی پیغمبری ملنے پر شروع نہیں کی قرآن مجید ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک مدت تک انھوں نے تزکیۂ نفس کیا۔ اسکے بعد جب مصر آئے ہیں تب آپ نے دعوت و تبلیغ شروع کی۔ اس لیے یہ ثابت ہوا کہ دعوت دینے والے کو بھی پہلے خود انتہائی پاکیزہ نفس بننا پڑتا ہے۔

ہندوستان کی حالت بالکل جدا ہے۔ یہاں تحریک آزادی کی قیادت غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہے۔ جن میں سے بعض کھلے ہوئے ملحد و بے دین ہیں اور انکے تخیل میں آزادی کا جو نقشہ ہے اس میں شریعت اسلامی کے لیے کوئی جگہ نہیں۔

(۳) حضرت موسیٰ نے مصر میں مستقل قیام فرما کر سعی آزادی نہیں فرمائی، بلکہ حکم الٰہی ملنے پر اور باوجود ظاہرا ناسازگار حالات ہونے کے آپ نے ہجرت فرمائی۔ آیت رب اشرح لی صدری سے عدم تشدد کا استنباط تمامتر غلط ہے۔ اسے تشدد و عدم تشدد سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ یہ آیت تو اس وقت کی ہے جبکہ حضرت موسیٰ کو وادی ایمن میں رسالت مل رہی ہے، اس وقت آپ اپنے شرح صدر کی دعا مانگ رہے ہیں کہ آپ تبلیغ دین تمام و کمال کر سکیں۔

آنحضرت صلعم اور انکے رفقاء نے تو مکہ معظمہ سے حکم خداوندی کی تعمیل میں ہجرت کی۔

اس سے "استخلاص وطن" کا جذبہ نہیں ظاہر ہوتا، البتہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اسلام اتنی بڑی دولت ہے، کہ اگر وطن میں رہ کر اس پر عمل درآمد نہ ہو سکتا ہو، تو اس وطن کو بھی خیرباد کہا جا سکتا ہے۔ حضرت رسول مقبول صلعم نے اسی چیز پر عمل فرمایا، اور مدینہ منورہ جا کر ایک خالص اسلامی آبادی اور اسلامی ماحول قائم کیا (جسے حقیقی معنی میں پاکستان کہا جا سکتا ہے) اسکے بعد جب قوت حاصل ہو گئی تو وطن کو شرک کی لعنت سے چھڑانے کے لیے وطن والوں کو دعوت اسلام دینے کے لیے اور وہیں توحید کی اشاعت کے لیے وطن پر حملہ فرمایا اور اللہ نے اس میں کامیابی عطا فرمائی۔ اس سارے واقعہ سے ہندوستان کی غیر مسلمانہ طرز تحریک آزادی اور غیر اسلامی عقیدۂ عدم تشدد کو کوئی نسبت ہی نہیں۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ متین، مدلل اور مغز افزا طرز تحریر اس سے پاک، خواہ ہی شریفانہ نہیں، دوسروں کے لیے شرافت آموز۔ آخری حصہ ہر [illegible] ضمیر مسلمان کے پڑھنے اور غور کرنے کے لائق ہے۔

"امت مسلمہ کا تفرق و تحزب اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ ہر مفید تحریک کے پروان چڑھنے میں یہی خلیج آڑے آجاتی ہے۔ ہر جماعت کے غیر ذمہ دار بلکہ بعض اوقات ناعاقبت اندیش ذمہ دار بھی اس خلیج کو پاٹنے کے بجائے اسے تغافل یا تساہل سے اور وسیع تر کرتے جاتے ہیں جب ایک جانب قائد اعظم کو "کافر اعظم" اور "ملعون" "علماء" وغیرہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں تو لاکھوں اشخاص کے سینوں میں یہ الفاظ تیر و نشتر بنکر لگتے ہیں۔ دوسری طرف اگر مولانا

[illegible]

معاملہ کیا جاتا ہے تو نہ صرف اُنکے معتقدین بلکہ ہزارہا اُن مسلمانوں کے قلوب مجروح ہو جاتے ہیں جو ان حضرات کے سیاسی مسلک سے اختلاف رکھتے ہیں۔ تمام جماعتوں کے ناظم و عمال کا فرض ہے کہ پوری قوت و زور سے ایسی حرکات کا انسداد کریں"

انجمن عربی صوبہ متحدہ (الہ آباد)

یا ذالمجد والکرم دامت معالیکم - السلام علیکم و رحمۃ - پہلا چار برس سے برابر آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس سے یہ درخواست کر رہا تھا کہ وہ اپنے [illegible] کو کم از کم وظیفہ سالانہ کریں۔ الحمد للہ کہ اسکی [illegible] نے کرم فرمایا اور انجمن کی سالانہ امداد [illegible] کر دی ہے۔ چنانچہ سب سے پہلے انجمن کو [illegible] چار روپیہ کے آٹھ روپیہ وصول ہو [illegible] ذلک فضل اللہ

[illegible] رسالہ وظائف پر [illegible] ستر سو روپیہ صرف کیا گیا تھا۔ اور اللہ کے فضل و کرم سے [illegible] تین سو روپیہ تقسیم کیا جا رہا ہے مگر یہ خیال کر کے بڑی [illegible] ہے کہ ہر سال کم از کم دس طلبہ ایسے رہ جاتے ہیں جنکو باوجود انکے افلاس اور لیاقت فائقہ کے انجمن وظیفہ نہیں دے سکتی اور وہ بیچارے مایوس رہ جاتے ہیں۔ بہرحال اللہ ہی مسبب ہے اور اسکا شکر ہے کہ انجمن ہر سال بیش از بیش رقوم وظائف پر خرچ کر رہی ہے و بہ التوفیق و علیہ التکلان - دعا فرمایئے کہ اللہ اہل کرم کو انجمن کے حال پر مہربان کر دے - والسلام ، محمد نعیم الرحمٰن

صدق بک ایجنسی لکھنؤ

(۱) سفر حجاز (مولانا عبد الماجد دریابادی) عہ (۲) الکلام (مولانا شبلی) عہ (۳) ہنگامہ بلقان (شبلی) ۸ (۴) النخبۃ الاصلیۃ فی العلامات الفعلیۃ (عربی) عہ (۵) رسالات [illegible] (۶) عقائد اسلام (مولانا عبد الرحمٰن نگرامی) ۳ [illegible] خزائن الملوک (طب) [illegible] (۸) محاسن یوسفی (مولانا عبد الباری فرنگی محلی) عہ (۹) یادِ ایام (تاریخ گجرات) عہ (۱۰) اصول حدیث ۳ (۱۱) عقد السحر شرح نقد الشعر لابن قدامہ (عربی اردو) سے (۱۲) تاریخ طرز معاشرت ہندو انگلینڈ (مولوی تراب علی) سے (۱۳) مقدمہ شعر و شاعری (مولانا حالی) عہ (۱۴) اکمل الفوائد ۱۰ (۱۵) سرخ افسانے (راز [illegible]) سے (۱۶) پیام تربیت ۱۰ (۱۷) نور العین (فتاوی شیخ [illegible]) [illegible] ایڈیشن (مولانا [illegible])

ملنے کا پتہ : منیجر صدق بک ایجنسی گولہ گنج۔ لکھنؤ

کمسن بچے اور سینما

یہ امر واقعہ ہے کہ آجکل سینما بینی کا شوق ہر طبقہ اور ہر کس و ناکس میں روز افزوں ہو رہا ہے - یہ شوق غریب طبقہ میں بہ نسبت متوسط و بڑے طبقہ کے زیادہ ہے اس لیے کہ بڑوں کو اور مصروفیات بھی ہیں اور دوسرے تفریح و سیل جول کے ذرائع حاصل رہتے ہیں اور غریبوں کو ایسا ماحول سوائے سینما کے پردہ کے اور کہیں نظر نہیں آتا اس لیے وہ اسکی جانب زیادہ مائل ہوتے ہیں - ہر اچھے فلم کو متعدد مرتبہ دیکھنا اور ہر نئے فلم کا سخت انتظار کرتے رہنا انکا عام مشغلہ ہے - اور گاڑھی کمائی کا ایک معتد بہ حصہ جو وہ سینما، پان، بیڑی اور سگرٹ نوشی وغیرہ پر صرف کر دیتے ہیں ضروریات زندگی کے عوض تعیشات میں صرف کرتے ہیں جو نہایت قابل افسوس و اصلاح کا محتاج ہے - مردوں کے علاوہ عورتیں بھی ٹانگوں بلکہ بیل گاڑیوں میں تک [illegible] کے شوق میں سینما کے ساتھ چلی آتی ہیں۔

ہر طبقہ کے لوگ اپنے ساتھ اپنے خورد سال بچوں اور بچیوں کو سینما دیکھنے کے لیے لے آتے ہیں جنکی کمسنی ہی میں سینما بینی کا شوق پڑ جائے تو آئندہ خدا جانے انکا کیا حال ہو - علاوہ ازیں کمسن بچے تنہا یا پارٹیوں میں آ کر "جنت نگاہ" اور "فردوس گوش" سے محظوظ ہوتے ہیں - جسکا اندازہ سینما کے باہر آپس کی گفتگو سے لگایا جا سکتا ہے - حقیقت میں سینما کے ولولہ انگیز مناظر و ماحول کے اثرات سے انکی صحت جسمانی اور اخلاقی حالت گری جا رہی ہے اور اپنے شوق سینما بینی کی تکمیل کے لیے وہ طریقے کام میں لاتے ہیں جنکی اصلاح سماج اور حکومت دونوں کی محتاج توجہ ہے - یہ شاید عوام کو معلوم نہیں لیکن حکومت کے ذمہ دار اشخاص خصوصاً یورپ کے تعلیم یافتہ اشخاص کو ضرور معلوم ہو گا لیکن وہ اس طرف توجہ فرمانے کی زحمت گوارا نہیں فرماتے کہ یورپ کے متمدن ممالک ترقی یافتہ و تعیشات زدہ ممالک میں بھی کم سن و نابالغ بچوں کو تنہا سینما دیکھنے کی قانوناً ممانعت ہے تاوقتیکہ وہ والدین یا اپنے بزرگوں کے ساتھ نہ جائیں - حالانکہ انکا ماحول اور سینما میں زیادہ فرق نہیں اور پردہ سیمیں پر جو مناظر پیش آتے ہیں انکے لیے باعث تخریب اخلاق نہیں ہوتے - کیونکہ انکی زندگی میں ایسی چیزیں عام چیزیں ہوتی ہیں - خواجہ محمد ریاض الدین (رہبر دکن)

اعلان تعطیل

چونکہ اگلی جمعہ کو عید الاضحیٰ ہے، اس لیے شنبہ (۱۱ ذی الحجہ) کا پرچہ دفتر صدق میں تعطیل کی وجہ سے شایع نہ ہو گا - ناظرین کرام نوٹ فرما لیں -

مہتمم صدق

نمبر ۵۳ | یوم چہارشنبہ ۔ ۱۵ ۔ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۱ ۔ نومبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

۱۰ ۔ نومبر ۴۵ء ۔ آج کے کئی "انگریزی" "نیشنلسٹ" روزناموں کے صفحوں پر ایک ہی تصویر نظر آئی ۔ گروپ میں ایک بڑے میز کے سامنے ۰۰ ۔ آدمی بیٹھے ہوئے ہیں ۔ سب ہندوستانی بیرسٹروں اور ایڈوکیٹوں کی وردی میں ۔ ڈاکٹر کاٹجو ۔ بیرسٹر آصف علی ۔ بیرسٹر بھولا بھائی ڈیسائی ۔ سر دلیپ سنگھ (سابق جج پنجاب ہائیکورٹ) اور رائٹ آنریبل سر تیج سپرو کے درمیان پنڈت جواہر لال : جواہر لال بھی اسی بیرسٹری ۔۔۔ میں ہیں ۔ سب کے سب انڈین نیشنل آرمی (ہند آزاد فوج) کے ۔۔۔وں کی طرف سے صفائی پیش کریں گے ، اور انگریزی قانون بغاوت کی ایک ایک بال کی کھال نکال کر رکھدیں گے ۔۔۔۔۔ خیر ، یہ کچھ بھی ۔۔۔ یہ کیا کہ جواہر لال ، سر دلیپ اور سر سپرو کے ساتھ ایک میز پر ، اور ۔۔۔ سے شیر و شکر ! انکا اور انکا سیاسی فلسفہ کہیں سے بھی ایک ہے ؟ ۔۔۔ مناسبت کہیں سے بھی ہے ؟ جواہر لال کی شدید گورنمنٹ بیزاری ۔۔۔ دلیپ کی ہائی کورٹ کی ججی اور سر سپرو کی لا ممبری اور پریوی کونسلری ۔۔۔ ۔۔۔۔۔ اس تضاد کے باوجود ، اور یہ مشترک دلی خدمات ۔۔۔ بالکل ایک ! ۔۔۔۔۔ یوں بھی کب کسی نے سر سپرو کو جواہر لال پر حملہ کرتے دیکھا ہے ؟ کب کسی نے جواہر لال کو سر سپرو کو گالیاں دیتے ۔۔۔ سنا ہے ؟ یہ سارے کمالات تو آپ کے لیگیوں اور غیر لیگیوں ، نیشنلسٹ اور غیر نیشنلسٹ ، احرار ، خاکسار ، علماء و غیر علماء کے لیے اٹھا رکھے ہیں !

۲۰ ۔ نومبر ۴۵ء ۔ سامنے اسٹیٹسمین ہے ۔ اسکے پہلے صفحہ پر وزیر اعظم برطانیہ اٹیلی کی تازہ طویل تقریر ہے ۔ چرچل سابق وزیر اعظم کے پرانے اور مشہور حریف ۔ انکی تقریر میں بھلا چرچل کا ذکر کیوں آنے لگا تھا ، اور خیر ذکر اگر ہوتا بھی ، تو ذکر خیر تو بہرحال نہ ہوتا ۔ لیکن نہیں اسکے برعکس ذکر موجود ہے اور ذکر خیر ! اٹیلی نے اپنے اس سب سے بڑے حریف کو داد دل کھول کر دی ہے ! ۔۔۔ ہمارے پرجوش "مجاہدین" ایک دعمیتہ خبر پر یقین بھی کریں گے ؟

عوام کو چھوڑیئے ، کاش ہمارے علماء ذرا کا یہی انگریزوں اور ہندوؤں کے اس عام معیار کے مطابق ہوتے ! ایک فریق میں بجز ایک مولانا ابوالکلام اور روزنامہ انقلاب (بمبئی) اور چند حاسی کارکنوں کے ، اور دوسرے فریق میں بجز مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی ، مولانا عبدالرؤف دانا پوری اور مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کے اور کتنے صاحب تہذیب ، شائستگی و انسانیت کے اس معیار پر پورے اترینگے ؟ ۔۔۔۔۔ اور ستم ظریفی یہ ہے کہ ہر فریق بڑھ بڑھ کر گالی دیتا جاتا ہے اور ساتھ ہی غل یہ مچاتا جاتا ہے کہ دیکھو ہم کیسے مظلوم ہیں ، اور فریق ثانی ہم پر کیسی کیسی زیادتی کر رہا ہے !

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ !

لگی پریس میں ہے چھپنے کا

مشہور و قدیم دینی درسگاہ مظاہر علوم کے علماء کے حوالہ سے ” جناب محمود رنگونی [illegible] (بمبئی مالا) کا حسب ذیل بیان آب و تاب سے شایع ہوا ہے :-

" ہم لوگ جمعیتہ علماء اسلام کے تاریخی جلسے (۔۔۔) پر دوشنبہ

پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔ ان سے مل کر کچھ دیر کے لیے حضرت اکبرؔ کی یاد تازہ ہو جاتی تھی۔ افسوس ہے کہ محفل برخاست ہونے کے بعد یہ شمع [illegible] رہتی گل ہو گئی ؎

تو سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے بادِ صبا
یادگارِ رونقِ محفل تھی پروانے کی خاک

حضرت اکبرؔ کے کلام کا ایک بڑا ذخیرہ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے۔ خدا کرے اس کی طبع و اشاعت کی توفیق مرحوم کے صاحبزادوں کو ہو جائے۔

مسلمان کی موت

ایک صدق نواز اپنے مکتوب میں اطلاع دیتے ہیں:۔

"والد صاحب مرحوم (چودھری احسان حسین [illegible]) نے [illegible] جماعت کی تیاری کر رہے تھے، کچھ گرمی محسوس ہوئی، چپ ہو بیٹھ گئے، پانی نوش فرما رہے تھے کہ حرکت قلب یک بیک بند ہو گئی، اور جان سپرد کر دی۔"

نماز کی تیاری و اہتمام میں موت گویا عین نماز ہی میں موت ہے۔ اور نماز میں موت کے مرتبہ کا کیا کہنا! ـــــ اللہ جسے چاہے نوازے، اور اُس کی مرحمت صرف متقیوں اور معروف بزرگوں تک ہرگز محدود نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۵)

اشربوا فی قلوبہم العجل کی آیت اس سلسلہ میں بالکل بے محل ہے۔ اس آیت میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، وہ تو فرعون کی غلامی سے نجات کے بہت بعد کا ہے جیسا کہ خود قرآن مجید ہی سے ظاہر ہے۔

(۶) جب آپ کے مقدمات و مسلمات ہی بے بنیاد ٹھہرے، تو آپ نے جو نتیجہ نکالنا چاہا ہے، وہ خود بخود باطل ٹھہر جاتا ہے۔ مسلمان کے لیے پہلی چیز مسلمان بننا اور احکام اسلام کی پابندی ہے۔ اس میں جو چیزیں فوری لازم آجاتی ہیں، اور تمام تر اُس کے اختیار کی ہیں، اُنھیں فوراً ہی اختیار کر لینا۔ مثلاً نماز، روزہ، اجراء میراث، ترکِ شراب خواری، ترکِ ظلم، عصمت و عفت وغیرہا۔ اور جو چیزیں اجتماعی جد و جہد چاہتی ہیں، مثلاً نظام کفر سے خلاصی، اُن کے لیے بھی بہ قدر وسعت و استطاعت کوشاں رہنا۔

(باہتمام شیخ شوکت حسین [illegible] پرنٹنگ پریس [illegible] میں طبع کرا کے دفتر صدق واقع گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا)

مشورے اور گزارشیں

(۴۹)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س۔ حقیر کو اپنے آخری خط مورخہ ۱۱ ستمبر کا جواب ۲۷ ستمبر [illegible] کو وصول ہوا۔ حقیر تو یہ سوچتا تھا کہ [illegible] تاریخ کے کوئی پندرہ دن بعد ایک گزارش نامہ روانہ خدمت کرے تاکہ حضرت والا کے ارشاد کے مطابق دو خطوں میں [illegible] کا فاصلہ رہے لیکن علالت کی وجہ سے یہ خیال پورا نہ ہو سکا اور مدت بہت زیادہ بڑھ گئی۔

ج۔ کچھ مضائقہ نہیں۔ وہ مدت تو ایک عام اوسط کی طرح پر تجویز کی گئی تھی۔ حسب ضرورت اس میں کمی بیشی [illegible]۔

س۔ حقیر فساد خون کی وجہ سے پھوڑے پھنسیوں کی تکلیف میں مبتلا ہے۔ علاج جاری ہے۔ حضرت والا دعا فرمائیں کہ کامل صحت عطا ہو۔

ج۔ علاج کا بہترین جزو احتیاط ہے۔ یہ خاص طور پر یاد رہے۔ اکثر مریض اسی کو بھول جاتے ہیں۔

س۔ حضرت والا اس بیماری نے تو یہ ثابت کر دیا کہ حقیر کے ایمان کی حقیقت کچے تاگے سے زیادہ نہیں۔ چار پانچ دن اٹھنے بیٹھنے میں نہایت درد ہوتا تھا تو کئی نمازیں قضا ہو گئیں۔

ج۔ معذوری کی بنا پر اگر کسی کی نمازیں ساری عمر بھی قضا ہوتی رہیں، جب بھی ضعف ایمان پر استدلال صحیح نہ ہوگا چہ جائیکہ چند نمازوں سے! ہاں معذوری [illegible] صحیح اور واقعی ہونا چاہیے۔

س۔ نمازیں قضا ہونے کی ایک وجہ تو بیماری ہے دوسری وجہ جو بہت زیادہ سمجھ میں آئی وہ یہ کہ حقیر نے ایک مدت مدید تک خط و کتابت حضرت والا سے نہ کی۔ حضرت والا کے فیض سے کئی بیماریاں حقیر سے دور ہوئیں۔ چند دن کے وقفہ نے ان بیماریوں کو پھر لوٹا دیا۔

ج۔ توبہ توبہ۔ سراسر وہم یا کج خیالی ہے۔ فوراً رجوع و توبہ لازمی ہے۔ ایسی اندھی عقیدت کسی واقعی بزرگ کے ساتھ بھی جائز نہیں۔ چہ جائیکہ ایک کھلم کھلا دنیا دار اور عصیاں شعار کے ساتھ!

س۔ ایسی صورت میں حضرت والا اگر حقیر کو بعجلت خط لکھنے کی اجازت دیں تو کرم فرمائی ہوگی۔

ج۔ یہ درخواست و خواہش فی نفسہ تو بیجا نہیں، لیکن اس کی جو بنیاد قائم کی گئی ہے، وہ سراسر لغو اور مہمل اور باطل ہے۔

س۔ حضرت والا کا وہ عنایت نامہ جو صدق نمبر ۳ میں چھپا ہے، جب وصول ہوا اُس وقت حقیر نماز عصر کی تیاری کر رہا تھا۔ پہلے عنایت نامہ پڑھ لیا۔ پھر نماز کے لیے کھڑا ہوا۔ دل بھر آیا، آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ نماز ختم ہوئی، دعا کے لیے ہاتھ اٹھے، گریہ شدت سے طاری ہوا۔ حضرت والا کے لیے بہت زیادہ [illegible]

ج - جزاک اللہ

س - اپنے لیے اور والدین کے لیے بھی اس وقت کچھ مانگا تو بڑی [illegible] سے مانگ لیا۔

ج - الحمد للہ۔

س - کوئی تین مہینے سے حقیر ہر نماز میں حضرت والا کیلئے دعا کر رہا ہے

ج - جزاک اللہ۔

س - حقیر کے اس سوال کے جواب میں کہ "حقیر کو اس کے والدین جب بلا وجہ کوئی سخت بات کہدیتے ہیں تو حد درجہ غصہ آجاتا ہے۔ اور گھر چھوڑ کر چلے جانے کو بھی جی چاہتا ہے" حضرت والا نے ارشاد فرمایا کہ "..... واخفض لهما جناح الذل من الرحمة۔ اسکا تعلق تحفہ رات صوفیہ سے نہیں۔ بلکہ فرائض اسلام سے ہے ....." [illegible] کا ربط سوال سے کیا ہے ظاہر نہ ہوا۔

ج - مقصد یہ تھا کہ والدین کی انتہائی اطاعت و [illegible] نص قرآنی سے واجب اور وہ فرض کی چیز ہے محض فضیلت، مستحب کی چیز نہیں جو صرف [illegible] کی ہو۔

س - کلام میں بدنظمی کی عادت جو حقیر کو ہے اسکے متعلق حضرت والا نے ارشاد فرمایا تھا کہ کسی بھی خیال سے [illegible] اسی [illegible] پر حقیر کو لوگوں کے [illegible] کا [illegible] بہت شاذ نظر آتا ہے۔ اب حقیر خود [illegible] اپنے خطوں کو اس عادت سے [illegible] گا۔

ج - یقیناً یہ عزم بھی قابل قدر ہے۔ لیکن کسی مخلص کی تربیت سہولت مزید کا باعث ہوتی۔

[illegible] خیال تھا [illegible] کی تبلیغ کرتے [illegible] تک پہونچا [illegible] کی طرف راغب کرتا [illegible] اس سے اپنی [illegible] بڑھتی ہے اور اس لحاظ سے یہ اپنی اصلاح و تربیت کا بھی ایک جزو ہے۔ کچھ وقت اس میں ضرور لگیگا لیکن یہ وقت ضایع نہ ہوگا۔

ہمارے ناشرین

جوناگڑھ کے مشہور اہل قلم جناب قاضی احمد میاں صاحب اختر نے اطلاع دی ہے

"میری کتاب (Studies: Oriental & Islamic) شیخ محمد اشرف صاحب لاہوری نے چھاپ کر تیار کر دی ہے۔ سوا دو سو صفحات کی کتاب ہے۔ کاغذ اور طباعت بہت خوب ہیں۔ عنقریب نکل گئی تو آپ کو ایک نسخہ بھیجوں گا۔ مجھے رائلٹی میں صرف پانچ نسخے ملنے والے ہیں۔"

یہ ہے ہمارے ہندوستانی ناشرین کی قدردانی! ایک بلند پایہ عالم و ادیب جو اس کی عمر بھر کی جانکاہی و عرق ریزی سے لکھے ہوئے شاہکاروں کو، جو ناشر صاحب کی نگاہ میں قابل اشاعت اور قابل فروخت بھی قرار پائے ہیں، صلہ صرف "پانچ نسخے" دیا جاتا ہے۔ اور یہ بھی گویا بڑا احسان فرمایا گیا ہوگا۔ ہمیں خود اس قسم کا ذاتی تجربہ ہے۔ لاہور کے ایک معروف پبلشر سے "حیات حافظ رحمت خاں" کا دوسرا ایڈیشن چھاپنے کی گفتگو ہوئی۔ فرمایا "ہمیں اپنی یہ کتاب دو ہزار چھاپنے کی اجازت دیدیجیے۔" عرض کیا گیا "ہمیں حق تصنیف کیا ملیگا؟" جواب دیا "صاحب آپ کا نام ہوگا، کیا یہ کم ہے کہ آپ کی کتاب کی اچھی طرح اشاعت ہوگی۔" ہم نے کہا "کتاب کے سرورق پر جلی قلم سے نام تو آپ کا بھی چھپیگا۔ کچھ دام ہمیں دلوائیے، یا دو ہزار میں سے کم از کم ڈھائی سو نسخے ہی عنایت کیجیے۔" جواب ملا "غور کر کے عرض کیا جائیگا۔ آپ کو اس لائن کا کم تجربہ معلوم ہوتا ہے۔" گفتگو ختم ہوگئی۔ آج دو سال گزر گئے۔ پبلشر صاحب غور فرما رہے ہیں اور ہم اس لائن کا تجربہ حاصل کر رہے ہیں۔

تجربہ یہ ہوا کہ ہر قسم کی گرانی کے باوجود اگر کسی کتاب کی قیمت پبلشر صاحب ایک روپیہ مقرر کرتے ہیں تو اس پر لاگت زیادہ سے زیادہ چار آنے آتی ہے اور بارہ آنے خالص منافع کے ہوتے ہیں۔

اسی زر اندوزی، حرص اور ناانصافی کا نتیجہ ہے کہ [illegible] مواد سے لیکر پروف ریڈنگ تک کے فرائض انجام دینے والے مصنفین تو ہمیشہ مفلوک الحال، اور [illegible] ان کے صرف چھاپ کر بیچنے والے کوٹھیوں اور بنگلوں کے مالک اور موٹروں پر سوار نظر آتے ہیں۔

ہمارے ملک میں جوں جوں تعلیم بڑھ رہی ہے اور سیاسی بیداری پھیل رہی ہے، اخبارات و رسائل اور کتابوں کی مانگ میں بھی تیزی کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے۔ اس خوشگوار صورت حال کا اقتضاء تھا کہ ہمارے ناشرین اخبارات و رسائل اور تاجران کتب بھی ہمدردی، قومی [illegible] سے کام لیتے اور مناسب منافع پر عمدہ سے عمدہ لٹریچر عوام کے ہاتھوں میں پہنچاتے مگر معاملہ برعکس ہے۔ ہمارے بیشتر رسائل اور کتابوں کی غرض صرف جاذب نظر نام اور خوشنما "گرد پوش" تک محدود رہ گئی ہے اور ان ہی کی گراں قیمت وصول کی جاتی ہے۔ مثلاً کچھ عرصہ سے "کتاب خانہ دانش محل لکھنؤ" کی طرف سے مختلف اخبارات و رسائل میں کتاب "واجد علی شاہ" کا نہایت دھوم دھام کا اشتہار نظر سے گزر رہا تھا۔ اور عنوان کتاب بوجہ اس کی خریداری پر طبیعت کو مائل کر رہا تھا۔ چنانچہ کتاب منگائی۔ دو روپیہ قیمت پہنچی۔ اب جو دیکھا تو ایک صاحب مسٹر محمد تقی ایم اے کا نہایت سرسری طور سے لکھا ہوا ایک معمولی سا مقالہ تھا، جو شاید کسی "واجد علی شاہ ڈے" کے لیے انھوں نے اہم اور ضروری ماخذوں سے استفادہ کیے بغیر تیار کیا ہوگا۔

پبلشر صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آخری تاجدار اودھ جان عالم واجد علی شاہ پر کوئی کتاب بازار میں نہیں ہے [illegible]

اسلام اور "جنگ آزادی"

(از احمد صاحب بی اے بریلی)

(۲)

(۴) مندرجۂ بالا تقریر سے کیا یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء علیہم السلام مختلف مقاصد لے کر اس دنیا میں بھیجے گئے ہیں اور طریق کار میں وہ باہم اختلاف رکھتے ہیں، اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے وطن عزیز عراق سے نکالے گئے تو انھوں نے استخلاص وطن کے لیے ہی تشدد کی پالیسی کے ماتحت مصر، شام اور حجاز کا دورہ کیا تاکہ فوجی قوت حاصل کر کے اپنے وطن کو نمرود سے آزاد کرائیں؟ یہ الگ بات ہے کہ انھیں اپنی اس "قومی مہم" میں مہاتما گاندھی سے بھی زیادہ ناکامی ہوئی، ناکامیابی اور کامیابی کا انحصار مختلف اسباب و عوامل پر ہوتا ہے!

(۵) ہم جس طرح یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے وقت کے حکمرانوں کے پاس سیاسی مطالبہ لے کر گئے تھے، اسی طرح قرآن کی روشنی میں، ہم تذکرے کے ساتھ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ آج ہمیں نہ صرف حکمرانوں ہی کے پاس دوسری طرح احتجاج کے لیے جانا چاہیے بلکہ حکمران کی قوم سے بھی اس بارے میں سیاسی گفت و شنید کرنی ضروری ہے جیسا کہ قرآن میں آیا ہے: "واذ نادیٰ ربک موسیٰ ان ائت القوم الظالمین قوم فرعون الا یتقون"۔ "ظالمین" اور "یتقون" کا کیا مطلب ہے؟ آخر انھیں ظالم کس لیے تو کہا گیا کہ انھوں نے انبیاء علیہم السلام کی اولاد کو غلام بنا لیا تھا جو ظاہر ہے کہ ظلم کی آخری حد ہے اور اسی لیے تو "اتقوا" کی زد میں یہ ظالم آ سکے "حد سے نکل جانے" کی سب سے بڑی صورت یہی تو تھی کہ انھوں نے یعقوب کی اولاد کو غلام بنا رکھا تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ ایسی قوم تھی کہ جب ان سے "ایمان باللہ" کے لیے کہا گیا تو وہ اس وقت تک کیسے مان سکتے "جب تک" "خدا" کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں اور یہ بھی کہ ان کا تصور رجحان بھی تھا تو اللہ کے سوا، غیر اللہ کی طرف جاتا تھا، جیسا کہ "واشربوا فی قلوبھم العجل" اور "اجعل لنا الٰھا کما لھم الھۃ" وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت بنیادی سوال "ارض جاتے" مصلحین سے اور نہ ذہنی، ملکی، معاشی اور معاشرتی، علمی اور اخلاقی اصلاح کا سوال ہی غور طلب ہے، اس وقت تو ان فروعی اور ثانوی درجے کے مسائل سے نظر ہٹا کر آزادی کے نصب العین پر جما دینا ہے یہی اس وقت اسلام کا مطالبہ ہے اور اسی طریقہ کار میں مسلمانان عالم کی نجات و فلاح مضمر ہے۔

(۶) اگر یہ بات ہے تو آپ کا اور دوسرے تمام مصلحین کا طریق کار باطل ہے۔ مولانا الیاس کی دعوت غلط ہے۔ مولانا مودودی کی دعوت باطل ہے، اور جملہ خانقاہی نظام ہائے تزکیہ نفوس ہیں؛ دارالعلوموں کا تعلیمی نظام۔ اگر وہ جنگ آزادی میں پورے انہماک سے شریک نہیں ہوتا تو غیر مثمر اور بالکل بیکار ہے۔ ہمارے واعظین اور ان کے مواعظ و عبر کس کام کے؟ یہ سارا دینی کاروبار آخر اس وقت غلامی میں ہم جب جنگ آزادی اپنے مقصد کو پالے تو یہ سب کچھ کیا جا سکتا ہے اور ہر چیز ٹھیک ہو سکتی ہے۔ امید ہے کہ آپ ان الجھنوں کو دور کر کے تشکر آزادی کا موقع دیں گے۔

جوابات

(حکیم عبد القوی دریابادی نائب مدیر صدق کے قلم سے)

(۴) یہ دعوے ہی سرے سے ناقابل تسلیم ہے کہ "انبیاء علیہم السلام مختلف مقاصد لے کر اس دنیا میں بھیجے گئے" ان کا مقصد سب کے لیے ایک ہی یعنی توحید و رسالت کی دعوت۔

خدا معلوم مراسلہ نگار کو یہ معلومات کہاں سے ملیں کہ "حضرت ابراہیم اپنے وطن سے جب نکالے گئے تو استخلاص وطن کے لیے انھوں نے تشدد کی پالیسی کے ماتحت مصر و شام و حجاز کا دورہ کیا تاکہ فوجی قوت حاصل کر کے اپنے وطن کو نمرود سے آزاد کرائیں"۔ یہ واقعہ نہ کلام مجید میں ہے، نہ حدیث میں، نہ اسلامی، مسیحی، یہودی کسی تاریخ میں۔ اسی طرح یہ دعویٰ بھی سراسر غلط اور حیرت انگیز ہے کہ انکو اس قومی مہم میں مہاتما گاندھی سے بھی زیادہ ناکامی ہوئی۔ قطع نظر اسکے کہ ایک کافر کو بزور طور پر انبیاء کی سطح پر لانا ایک مسلمان کا ذوق ادب و احساس مرتبہ شناسی کس طرح گوارا کر سکتا ہے۔ نفس و ... تمثیل ہی سراسر غلط ہے۔ مہاتما گاندھی جس سبب سے مجرموں کی طرح قرار ہوئے، وہ جس قسم کی آزادی ہندوستان کے لیے چاہتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کو اس سے کس نفع کی امید تھی۔ یہ سب چیزیں بحث طلب ہیں۔ بخلاف اسکے حضرت ابراہیم کی دعوت کھلی ہوئی اور صاف ہے، یعنی وہی توحید و رسالت۔ ایک جگہ ... انکے ذکر میں نہ تو استخلاص وطن کا بیان آیا ہے اور نہ انھوں نے کوئی سیاسی تحریک چلائی تھی۔ قرآن مجید میں حضرت خلیل کا ذکر کس کثرت سے آیا ہے۔ مگر کہیں ایک جگہ بھی ذکر "استخلاص وطن" کا ... نہیں، صراحتاً نہ سہی، اشارتاً و تعریضاً سہی۔

(۵) حضرت موسیٰ کوئی سیاسی مطالبہ لے کر نہیں گئے تھے، بلکہ محض عمر ... تبلیغ میں اتمام حجت کے لیے فرعون کے پاس گئے تھے، انھیں جو کچھ کامیابی ہوئی وہ مادی وسائل سے نہیں، غیبی و خدائی امداد سے ہوئی، معجزہ کی شکل میں فرعون اور اسکے لشکر کی غرقابی ہوئی اور موسیٰ اور قوم بنی اسرائیل کو سمندر نے راستہ دیدیا)۔

کلام مجید میں طغیٰ، و عصیٰ اس قسم کے جو الفاظ فرعون کے بارے میں استعمال ہوئے ہیں، ان سے ہرگز یہ مراد یہی ہے کہ خدا کے مقابلہ میں عصیان و طغیان سے کام لیا، اور اسکی سزا اسے کیا تو بڑی کہ مرتے وقت اسکا ایمان قبول نہ ہوا۔

(بقیہ بر صفحہ ۳)

علامہ عصر مولانا شبیر احمد عثمانی کا پیغام

جمیعۃ علماء اسلام کانفرنس کلکتہ کے نام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میں اس کانفرنس میں شریک نہ ہو سکا، اسکا افسوس ہے۔ ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمیعۃ العلماء ہند دہلی بھی اپنے شائع کردہ مقاصد کے لحاظ سے کچھ بری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے اعتبار سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے۔ جو کچھ اعتراضات کیے جاتے ہیں وہ اسکے اخیر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔

اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ جدید جمیعۃ علماء اسلام عملی لحاظ سے تجربہ کی کسوٹی پر کتنی کھری ثابت ہوتی ہے؟

بہر حال اگر وہ اپنے اعلانات کے مطابق قرآن و سنت کی روشنی میں صحیح راستہ پر گامزن رہی تو کوئی وجہ نہیں کہ انصاف پسند اور حق پرست علماء اسکے ارادوں میں بیش از بیش تعاون اور شرکت نہ کریں۔ اسی امید کے ساتھ ہم اسکی اصلاح و ارتقا کی اولوالعزمیوں کا خیر مقدم کرتے ہیں۔

ہندوستان میں جو سیاسی کشمکش اسوقت جاری ہے ایسے نزدیک اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل تنفر اور اشتعال انگیز جھوٹ اور سب سے بڑی اہانت آمیز دیدہ دلیری یہ ہے کہ یہاں کے دس کروڑ فرزندان اسلام کی مستقل قومیت کا صاف انکار کردیا جائے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ صحیح یا غلط طور پر دنیا میں اقوام کی تقسیم وطن، نسل، زبان اور طرز تمدن وغیرہ کے لحاظ سے ہوتی رہی ہے، اور اب بھی موجود ہے۔ لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا کی جو تعمیر جدید ہوئی اس میں تخلیق کے اعلیٰ ترین مقاصد کے پیش نظر اللہ کے پیدا کیے ہوئے تمام انسانوں کی باعتبار قومیت کے ایسی ثنائی تقسیم کردی گئی جسکے احاطہ سے کوئی فرد بشر باہر نہ رہ سکے۔ اب اسلامی نقطۂ نظر سے گویا روئے زمین پر دو ہی قومیں آباد ہیں۔ ایک وہ قوم جس نے فاطر ہستی کی صحیح معرفت حاصل کرکے اس کے کامل اور آخری قانون کو اس کرۂ زمین پر رائج کرنے کا التزام کرلیا ہے، وہ مسلم یا مومن کہلاتی ہے۔ دوسری جس نے ایسے اور یہ التزام نہیں کیا، اسکا نام کافر ہوا۔ ہو الذی خلقکم فمنکم مومن ومنکم کافر۔ یاد رہے کہ ایمان و کفر کی یہ تقسیم حضور سے پہلے بھی تھی، لیکن آپ سے قبل چونکہ ہر نبی کسی مخصوص قوم کی طرف مبعوث ہوتا تھا اس لیے اسکی بعثت سے قومیتوں کے قائم شدہ امتیازات کلیۃً مٹائے نہیں جاتے تھے۔

البتہ رحمۃ للعالمین اور نذیر للعالمین کی بعثت نے جو کسی ملک، خاندان یا زمان و مکان سے مقید نہ تھی۔ ان تمام چھوٹے چھوٹے تشخصات اور محدود امتیازات کی قدر و قیمت گھٹا دی یا ختم کردی جنکو لوگوں نے اپنے جہل و تنگ نظری سے شرافت وکرامت کا اصلی معیار بنا رکھا تھا۔

اسے آپ یوں خیال کیجیے کہ ہمارے ملک میں چھوٹے بڑے دریا گنگا، جمنا، نربدا، اٹک وغیرہ بجائے خود اپنے اپنے تشخصات کے ساتھ موجود ہیں اور ایک دوسرے سے جداگانہ وجود رکھتے ہیں، مگر یہ سب دریا ایک حد پر پہنچ کر اپنی اپنی ہستیوں کو سمندر کی غیر متناہی ہستی میں اس طرح گم کردیتے ہیں کہ وہاں انکا کوئی امتیازی وجود باقی نہیں رہتا۔ ٹھیک اسی طرح دنیا میں وطنی، نسلی، لونی، لغتی، اور تمدنی تقسیم کے اعتبار سے گو سیکڑوں قومیتیں سہولت تعارف کے لیے اپنی اپنی جگہ موجود اور قائم ہوں پھر بھی یہ محدود قومیتیں اسلامی قومیت کے بڑے سمندر میں گر کر ایک ایسی قوم کی تشکیل میں شامل ہوجاتی ہیں جو انکے وہ سارے امتیازات اور تفرقے ختم کردیتی ہے۔

چو سلطان عزت علم برکشید
جہاں سر بہ جیب عدم درکشید

اسی عالمگیر اسلامی قومیت کا بیان صحیح مسلم کی اس حدیث میں ہے۔ عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم لقی رکبا بالروحاء فقال من القوم قالوا المسلمون فقالوا من انت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (صحیح مسلم مصری طبع جدید ص۹۹)

دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ سے پوچھا تھا۔ تم کون قوم ہو۔ جواب میں انہوں نے نہیں کہا کہ ہم حجازی یا سندھی یا یمنی ہیں یا قریش یا ہذیل یا تمیم یا کچھ اور ہیں۔ اس سب سے زیادہ قبائلی تعصب وغرور رکھنے والے ملک میں انکا جواب صرف یہ تھا کہ ہم مسلمان ہیں۔ حالانکہ اسوقت تک انہوں نے حضور کو پہچانا بھی نہ تھا۔ گویا وطنی اور نسلی عصبیت کے سب بت ٹوٹ چکے تھے۔ اور بجز اسلام کے اب کوئی حقیقی قومیت انکے نزدیک باقی نہ رہی تھی۔

ابو عقبہ فارسی کے قصہ میں جو آپ "انا الغلام الفارسی" کے نعرہ پر ناخوش ہوئے اور جب اس نے آپ کی تنبیہ کے موافق "انا الغلام الانصاری" کا نعرہ لگایا تو آپ کو مسرت ہوئی اسکا راز بھی یہی تھا کہ مسلمانوں کی نظر میں قومیت کی تاسیس بجائے ملک و وطن کے دین اور کمالات دین پر ہونی چاہیے۔

اس اساسی نقطۂ نظر سے لامحالہ کل غیر مسلم قومیں دوسری قوم سمجھی جائیں گی۔ اور اب اس چیز کا کوئی امکان ہی باقی نہیں رہتا کہ مسلم اور غیر مسلم دونوں کے امتزاج سے کوئی قومیت متحدہ صحیح معنے میں بن سکے۔

لفظی توسعات سے ہم کو بحث نہیں، اسی لیے وہ معاہدہ جو صحابہ اور یہود مدینہ میں ہوا تھا۔ اس میں مسلمان اور یہود کے متعلق قوم واحد کا لفظ نہیں محض امۃ واحدۃ کا لفظ استعمال ہوا تو صاحب لسان العرب کو اس پر متنبہ کرنا پڑا کہ یہ اطلاق از

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ہم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ
چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۵۲ | یوم چہارشنبہ - ۲۲ - ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۸ - نومبر سنہ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

سنہ ۹۸ء ہے۔ مارچ کے ختم ہونے میں دو تین دن باقی ہیں۔ بوڑھا مریض اپنی زندگی سے بڑا نام آور، مرض الموت کی سختیوں میں مبتلا ہفتہ بھر غافل اور بیہوش پڑا ہے۔ لوگ کہتے ہیں، کہ یہ نام کا مسلمان تھا۔ ایسے ہی اچھے جید علماء، اور ایک دو نہیں بہت سے، اُسکے کفر کے فتوے دے چکے اور اسکے زندقہ پر متفق ہو چکے ہیں، اور اُسکے اقوال میں بھی کچھ ایسے ہی دہشت آمیز ——— بستر مرگ بوڑھا غفلت سے کسی کسی وقت ذرا کی ذرا چونکتا ہے، اور منٹوں کے لیے زبان حرکت میں آجاتی ہے۔ اُسوقت یہ بند ہوتی ہوئی زبان نام نہ کالج کا لیتی ہے نہ قوم کا نہ گورنمنٹ کا، اور نہ ذکر بیوی بچوں کا کرتی ہے۔ بلکہ لفظ ادا کرتی ہے تو بندوں کا نہیں، اللہ کے اس کلام کا ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی یا ایہا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ اور اس اور اس حکم کی تلاوت کے معاً بعد خود ہی اسکی تعمیل میں اللھم صل علی محمد آخر تک پڑھنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ اسی عالم میں آخری بار بند ہو جاتی ہے ——— ایک جوان عمر عالم ومصنف تیمارداری کو حاضر ہیں، وہی چشمدید گواہی اپنے ایک محب صادق کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

———

اس بوڑھے "زندیق" کو آپ نے پہچانا؟ مشہور نیچری اور نیچری گر سرسید احمد خاں تھے! جی ہاں، وہی سید احمد خاں جنکی تکفیر پر بڑے بڑے ثقہ اور مستند علماء متفق ہو چکے تھے! اور روایت کے راوی مولانا شبلی تھے، جو سرسید کے نہ سیاسی معتقد تھے نہ مذہبی معتقد! اُنھوں نے یہ روایت صدر یار جنگ مولانا محمد حبیب الرحمن خاں شروانی سے بیان کی، اور فاضل شروانی نے ابھی [illegible] علیگڈھ کے موقع پر ۱۰ر نومبر سنہ ۴۵ء کو اس نامہ سیاہ سے! ———

"ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں" کی ایک بار اور تصدیق! عالم بیشک بڑے محتاط اور زیادہ سے زیادہ باریک بین سہی پھر بھی اللہ اور بندہ کے علم کا کیا مقابلہ! اور اُسکے قانون رحمت و مغفرت کی ہمہ گیری کے آگے بیچارے مفتیوں اور فقیہوں کے [illegible] اور قاعدوں کی کیا بساط! اعمال کیسے ہی ہوں ایمان حقیر سے حقیر مسلمان کا بھی قابل تحقیر نہیں۔ اور یہ ایک بڑی گہری اور اصلی حقیقت ہے، جس کی تجدید ہماری آپ کی آنکھوں کے [illegible] ایک موہوم [illegible] کرکے۔

اسم اور شیخ اکبرؒ

[illegible] گرامی علامہ شبیر احمد [illegible] اپنے ایک مکتوب [illegible] کیہ، جلد ۲ صفحہ ۹۰ باب ۲۴۰ کے حوالہ سے شیخ اکبرؒ کے یہ فقرہ

وبمعنی ان کل جزء من العالم یجمع کل حقیقۃ فی العالم کما ان کل اسم الٰہی مسمی بجمیع الاسماء الالٰہیہ	عالم کا ہر ایک جز ہر فرد اپنے اندر سارے عالم کے حقائق کو سمیٹے ہوئے ہے جس طرح ہر اسم الٰہی سارے اسماء الٰہی کا مجموعہ ہے۔

اور اسکے بعد کئی سطروں کی توضیحی عبارت کو نقل کرکے فرماتے ہیں:-

"آپ کی رائے سے امداد چاہتا ہوں۔ پہلا جملہ میں نے بار بار پڑھا۔ جب سے جوہر کی بے اندازہ اور بے پایاں طاقت کا انکشاف ہوا ہے، ہر پھر کر خیال اسی طرف جاتا ہے۔ شیخ کے نزدیک بھی یہ بہت ہی عجیب وغریب اور مہتم بالشان مسئلہ تھا، جبھی تو شیخ کو اس اہتمام سے اپنی کتاب کے ناظرین کو متوجہ کرنا پڑا۔ آپ کا خیال معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ شیخ کا یہ جملہ کیا اس

م۔ ان نیوشن سنو کے علاوہ مادی حیثیت سے بھی بڑی راحت ملی گویا اپنے گھر میں تھا۔ اپنے اوقات و مشاغل میں پوری طرح آزاد۔

ا۔ اس جزو میں تو میں بھی بلا کسی تفصیل و تاویل کے موافق ہوں۔ لہذا اس کو خود بھی بارہا بطور تحدیث بالنعمۃ کے کہا کرتا ہوں کہ یہاں کسی پر کوئی گرانی نہیں ڈالی جاتی، نہ خیالی نہ واقعی۔

م۔ کاش حاضرے مولانا ... بھی اسی طرح اپنے خادموں کو آزاد چھوڑ دیتے۔

ا۔ تو لطیفہ مجاہدہ جواب ہے کیسے ہوتا۔

م۔ چند گھنٹوں کی حاضری میں بار بار اٹھنے اور جانے پر مجبور ہونا پڑا۔

ا۔ یہی مجبوری تو وجہ ہے [illegible] کی۔

م۔ ایک خواب تھانہ بھون کے زمانہ قیام ہی میں دیکھا تھا۔ آج عرض کرتا ہوں۔ دیکھا کہ ایک بڑا سا مکان ہے جیسے کسی طبیب کا مطب۔ جناب وہاں کمرے میں ہیں، اور پاس بیٹھک کے اندر حکیم اجمل صاحب تشریف فرما ہیں۔ اتنے میں وہ باہر نکل آئیں، اور تخت پر تشریف فرما ہوئے میری طرف التفات کیے کچھ خانگی معاملات کا ذکر فرمانے لگیں، میں مسرور بھی کہ مجھ پر اتنا اعتماد فرمایا گیا، ساتھ ہی دنگ و متحیر بھی کہ جناب جیسے محتاط شریعت کے ہاں نامحرم سے مخاطبت کی اجازت کیسی؟

ا۔ لطیفہ یہ کہ طبیب محبوب ہوتا ہے۔ میری نسبت محبوبیت اس شکل میں ظاہر ہوئی۔ اور نسبت محبوبیت سے یہ مراد نہیں کہ میں محبوب ہوں بلکہ مراد یہ ہے کہ میرے قلب میں طالبین کی جو محبت ہے۔ غرض، صفت اس شکل میں ظاہر ہوئی اور اس صفت کا آپ کی طرف متوجہ ہونا اشارہ ہے خاص نفع حاصل ہونے کی طرف ان شاء اللہ۔

م۔ وہاں کے دوسرے حضرات میں مولوی شبیر علی صاحب بہت بہتر نظر آئے۔ اللہ انھیں برکات دارین عطا فرمائے۔

ا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی دعا قبول فرماویں۔

م۔ میرے ہمنام مولانا عبدالماجد بدایونی ایک عریضہ خدمت والا میں، خدا معلوم میرے توسط سے کیوں ارسال کر رہے ہیں، ملفوف ہے۔

ا۔ غالباً اس توسط کو موثر سمجھا۔ میں بھی اسی مصلحت سے اسی توسط کو اختیار کرتا ہوں کہ میرا عذر موثر ہو۔

ذکر یہ تو ذہن میں ہے نہ، کہ دسمبر ۲۶ء کا چل رہا ہے۔ صدق نقش اول سچ (ہفتہ وار) اس وقت ماشاء اللہ زور و شور سے نکل رہا تھا۔ دو بزرگ ایسے بھی تھے، جنکی خدمت میں انتہائی تعلق کے باوجود پرچہ نہیں بھیجا جاتا تھا۔ ایک اپنے سب سے بڑے محبوب مولانا محمد علیؒ، دوسرے اپنے سب سے بڑے مقتدا مولانا تھانویؒ۔ دونوں کا رعب و ادب اس درجہ اتنا غالب تھا کہ پرچہ نذر کرنے کی ہمت ہی نہ پڑتی تھی۔ خدا معلوم کس وقت کس مضمون پر کیا اعتراض کر بیٹھیں۔ اس وقت کچھ کہتے دھرتے نہ بن پڑتی، نہ اپنے ضمیر و ایمان کے خلاف چلنے پر عقل آمادہ ہوگی، اور نہ ان حضرات کے ارشادات کی عدم تعمیل کو دل قبول کریگا ——— لیکن اب سچ کے سلسلہ میں ایسی صورت آئی، کہ حکیم الامت سے رجوع کرنا ناگزیر ہوگیا۔

بلکہ یوں کہیے کہ کوئی ڈیڑھ سال سے سچ میں ایک مسلسل عنوان "ظہور مسیح و دجال اور خروج یاجوج و ماجوج" پر یورپ اور اسلام اور دوسرے عنوانات سے نکل رہا تھا۔ لکھنے والے حیدرآباد دکن کے ایک صاحب علم صوفی اور خانقاہ جیلانیہ کے شیخ مولوی محمد شاہ صاحب قادری تھے۔ جنھوں نے کسی مصلحت سے اپنا اخباری نام "عبداللہ شاہ قادری" رکھا تھا۔ احادیث متعلقہ کی ایک نئے انداز پر تفسیر کرکے موصوف دکھا رہے تھے کہ پیشگوئی تمثیل و مجاز کے پردہ میں ملتی ہے چنانچہ حدیث نبوی میں دجال اور یاجوج ماجوج سے مراد اقوام فرنگ ہیں۔ عام علماء کو اس تعبیر سے شدید اختلاف تھا۔ مضمون کے شروع میں اڈیٹوریل نوٹ میں اگرچہ یہ لکھ دیا گیا تھا کہ مدیر کو نہ اسکے مطالب سے لفظ بلفظ اتفاق ہے نہ یہ انداز تحریر ہی زیادہ پسند ہے۔ اس پر جب مضمون کے بیسیوں نمبر نکل چکے تو اپنی ذمہ داری کا احساس زیادہ ہوا۔ اور اگست ۲۵ء سے دسمبر ۲۶ء تک پورے ڈیڑھ سال کے کل پرچے مولانا کی خدمت میں تنقید کے لیے ارسال کیے ——— خط تنہا اس پبلک معاملہ کے لیے کیوں جاتا، دو تین باتیں ذاتی بھی عرض کر دیں۔

(بقیہ صفحہ ۲)

برپا ہو کر رہیگی، اسکا ابھی کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا۔" (ایسوشی ایٹڈ پریس آف امریکہ)

احتیاطیں اور تدبیریں لاکھ کر لیجیے، لیکن ہر حال کسی نہ کسی دن تو اذا البحار سجرت اور اذا البحار فجرت کی تقدیر ہر تدبیر کو شکست کھلانا ہی ہے۔

وعظ سائنس کی زبان سے

ٹریونڈرم میں تقریر کے دوران میں ملک کے مشہور و معروف ماہر سائنس سر سی۔ وی۔ رامن نے کہا کہ ہمارے ملک کی بعض فلمیں بہترین صنعت گری کا نمونہ ہیں، لیکن اخلاقی زہر سے لبریز۔ امریکی فلموں میں ۸۰ فی صدی کا تعلق جرائم، جنسی معاملات، عاشقی اور جنگ سے ہوتا ہے۔ اور جنسی معاملات میں مرد و عورت کا بے نکاحی تعلق شامل ہے۔ ہندوستان کی فلم ساز کمپنیوں کو امریکہ کی نقالی سے بچنا چاہیے۔" (لیڈر، ۱۰ نومبر ۴۵ء)

سر سی۔ وی۔ رامن فن طبیعات کے ماہر ترین سہی، لیکن "آرٹ" کے ذوق سے کچھ کورے سے نظر آتے ہیں۔ امریکہ کی نقالی سے اور شہوانی فلموں سے ہندوستانی صنعت فلم سازی اگر آزاد ہوگئی، تو پھر سینما میں کشش ہی کیا باقی رہی، اور کئی کئی لاکھ روپیہ سالانہ کی آمدنی کا ذریعہ ہی کیا رہ گیا؟

(حسین ... نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

ہماری زبان

ڈاکٹر تاراچند کی صدارتی تقریر - ترقی پسند کانفرنس حیدرآباد دکن میں

ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اور اسکے مسائل بھی بہت پیچیدہ ہیں جنکو حل کرنا ہمارا فرض ہے۔ اور اگر ہم نے اس فرض کو کامیابی کے ساتھ انجام دے دیا تو مجھے یقین ہے کہ دنیا کی تاریخ میں ہم ایک نیا باب کھولینگے۔ زبان کا مسئلہ بھی بہت پیچیدہ مسائل میں شمار ہوتا ہے۔ سامنے اس وقت آیا جب ایک قومیت اور ایک سلطنت کا خیال پیدا ہوا۔ اور کل ہند زبان کی ضرورت محسوس کی گئی۔ پہلے بنگال والوں نے بنگالی کے لیے قومی زبان ہونے کا دعوے کیا۔ اور پھر ہندی والے اور اردو والے الگ الگ ایسے ہی دعوے کر رہے ہیں۔ بعض لوگ اس ایک زبان کی ضرورت ہی کو فضول قرار دیتے ہیں اور اسکی مثال پیش کرتے ہیں کہ ایک سے زائد زبانوں میں کوئی ہرج نہیں ہے، مگر ایک سے زیادہ زبانیں کل ہند زبانیں نہیں ہوسکتیں۔ اس کی مثال پر عمل کرکے ہمیں اپنے یہاں ہر علاقہ کی صوبائی زبان کو ترقی ضرور دینی چاہیے۔ لیکن ایک زبان سوائی بھی ہونی چاہیے۔ جیسے کہ روس میں روسی زبانیں تین ہیں۔ امریکہ میں چودہ زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن انگریزی زبان سب سے زیادہ عام ہے۔ اگر ایک سے زیادہ زبانوں کو اعلیٰ تعلیم کی زبان بنایا گیا تو ایک اور سوال یہ پیدا ہوگا کہ جہاں قریب قریب ایک ہی زبانیں بولی جاتی ہیں مثلاً شمالی ہندوستان کے مشرقی حصہ میں کبھی ہندی اور پنجابی وغیرہ بولی جاتی ہیں وہاں اعلیٰ تعلیم کی زبان کیا ہوگی۔ یو۔پی میں انٹرمیڈیٹ کے طلبہ اردو ہندی میں امتحان کے پرچوں کے جواب لکھ سکتے ہیں۔ مگر یونیورسٹی کی "تعلیم" کے متعلق کئی سال سے بحث جاری ہے۔ پھر یہ مسئلہ بھی ہے کہ تحقیق کے لیے کونسی زبان اختیار کی جائے۔ تحقیق کرنیوالے کو ایسی ہی زبانیں سیکھنا پڑتی ہیں۔ اس پر مزید بار ڈالنا نامناسب ہوگا۔ اسی لیے ضرورت اس بات کی ہے کہ تمام ہند کی زبان مقرر کر دی جائے۔

تاریخ سے پتہ ملتا ہے کہ ہندی اور اردو دونوں ایک ہی بولی کی ترقی شدہ صورتیں ہیں۔ یو پی میں کھڑی بولی کہلاتی ہے جو دہلی اور اسکے آس پاس کے علاقوں میں بارھویں صدی سے آج تک بولی جاتی رہی ہے۔ اسے کبھی ہندی کی شاخ کہتے ہیں۔ اور کبھی ہندی خود پراکرت سے نکلی ہے۔ اسکے چاروں طرف راجستھانی، پنجابی، پوربی ہندی، سندھی، مرہٹی اور گجراتی زبانیں بولی جاتی تھیں۔ مسلمانوں کی آمد کے وقت یہ سب موجود تھیں۔ بارھویں صدی عیسوی سے پندرھویں صدی تک ان میں ترقی ہوئی اور یہ ادبی زبانیں بن گئیں۔

جب مسلمان ہندوستان میں آئے اور دہلی کے آس پاس رہے اس علاقہ پر جسے پراکرت کہتے تھے اور آریائی کھڑی بولی میں

تبدیلیاں ہوگئیں۔ یہ تبدیلیاں محض ظاہری اور صرف اُن لوگوں کی ہوئی تھیں جو شمشیر لے کر آئے تھے بلکہ یہ بہت گہری اور اُن لوگوں کی پیدا کی ہوئی تھیں جو ہندوستان کی ذہنیت میں تبدیلی کرنا چاہتے تھے مثلاً خواجہ معین الدین چشتی اور دوسرے صوفی فقیر۔ انھوں نے ہندستان کی ذہنیت پر گہرا اثر ڈالا۔ اور میں مسلمان ہوتا تو اس پر فخر کرتا۔ اس تبدیلی کا اثر آج میں بھی محسوس کر رہا ہوں۔ مسلمانوں کے آنے کے بعد ایک نئی زبان بننے لگی۔ یہ شروع میں محض بول چال کی زبان تھی۔ چودھویں صدی تک اس میں کوئی ادبی کتابیں نہیں لکھی گئیں۔ پھر جب مسلمان دکن گئے تو وہاں کے لوگوں کو اصول زندگی سکھلانے کے لیے انھیں ایک زبان کی ضرورت محسوس ہوئی۔ پہلے پہل کھڑی بولی میں ادب کہا جانے لگا اور پندرھویں صدی سے اٹھارویں صدی تک دکن میں یہ زبان خوب پھلی پھولی۔ مگر زبان کو پھیلانے والے حکمراں نہیں بلکہ وہ لوگ تھے جو عام لوگوں کی ذہنیت پر اثر ڈالنا چاہتے تھے اس زبان کا بیشتر حصہ گھڑے الفاظ پر مشتمل ہے۔

اس زمانہ میں شمالی ہند میں مذہبی تحریکیں اٹھیں اور کرشن بھگتی کا بول بالا ہوا۔ اسکے ساتھ اس خطہ کی بولی یعنی برج بھاشا نے ادبی صورت اختیار کرلی۔ اس میں سورداس نے سب سے پہلے لکھا۔ دوسری زبان جیسی ہندی کی شاخ کھڑی بولی سے بڑی مشابہت رکھتی ہے یہ پوربی ہندوستان تھا۔ ہندوستان میں کبیرداس کا زمانہ تھا جس کی نسبت ابھی تک تحقیق سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ہندو تھے یا مسلمان۔ انھوں نے اردو ہی زبان میں دوہے لکھے اور اسی زبان میں جائسی نے سب سے پہلے کتاب لکھی۔ جب سترھویں صدی عیسوی میں تلسی داس نے قنوجی کے طرز پر رامائن لکھ کر اردو ہی زبان میں سنسکرت کے نامانوس الفاظ بھر دیے۔ اور اسی طرح جب اٹھارویں صدی میں برج بھاشا پر سنسکرت کا اثر غالب آنے لگا تو زبان کی ترقی رک گئی اور تنزل شروع ہوگیا۔

اٹھارویں صدی کے آخر میں ہندوستان پر انگریزوں کا تسلط قائم ہوگیا انھیں بھی مقامی زبان جاننے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ کلکتہ فورٹ ولیم کالج میں انگریز افسروں کو سنسکرت، فارسی، عربی اور اُردو کی تعلیم دی جانے لگی۔ مگر اس فہرست میں ہندی کا نام کہیں نہیں ہے۔ لیکن جب انگریز حکمراں اور مورخین نے دیکھا کہ مسلمان انکے مخالف ہیں اس لیے ہندوؤں کو اپنی طرف ملانے اور عیسائی بنانے کے لیے اُنھوں نے ہندو اُستادوں سے اُردو زبان میں سے فارسی اور عربی الفاظ نکلوا کر سنسکرت کے الفاظ لکھوا دیے۔ اسکا نام انھوں نے ہندی تجویز کیا تاکہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں۔ یہ تفریق ۱۸۰۰ء سے شروع ہوئی۔ لیکن شروع میں ہندی زبان میں کوئی ترقی نہیں ہوئی۔ ۱۸۵۷ء تک اس ہندی میں بہت کم کتابیں ملتی ہیں اگرچہ اُردو کی بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ۱۸۵۷ء کے غدر کے بعد

(بقیہ [illegible])

تصوف اور اسلام

(از جناب بدر الدین صاحب بی اے، کلکتہ)

پہلے مجھکو ایک گزارش کر لینے دیجیے۔ موجودہ رسم کے لحاظ سے مجھے آپ کو مولانا کے لفظ سے مخاطب کرنا چاہیے تھا، مگر میں اصولاً پیغمبر اسلام کے سوا کسی شخص کو اس خطاب سے نہیں پکارتا۔ اور کم از کم تبع تابعین کے زمانہ تک جیسے اور بڑے بڑے جلیل القدر بزرگ گزرے ہیں، غالباً کوئی عالم اس خطاب سے نہیں پکارا گیا[1]۔ معنی کی رو سے بھی سرور کائنات کی ذات بابرکات ہی اس خطاب کے لیے موزوں ہے۔ میرے خیال میں ایک عالم کے لیے مولوی یا زیادہ سے زیادہ علامہ کا خطاب کافی ہونا چاہیے۔ مجتہدین اور مشائخ طریقت کو امام اور شیخ کہیے۔ یہ تو ایک بڑی بحث ہے۔ بد مذاقی قوم میں یہاں تک پھیل گئی ہے کہ لوگ ملا کو بغیر مولانا کہے پکارے خوش نہیں ہوتے۔ مگر مثل مشہور ہے کہ "اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی" قوم (ظاہر ہے کہ میں خود بھی اس میں شامل ہوں) کے کن کن معائب پر آج رو دیا جائے "پنبہ کجا کجا نہم تن ہمہ داغ داغ شد"

قوم کا آج یہ حال ہے کہ ملک کے ہر اس شہر، قصبہ، یا گاؤں کو جہاں کسی "ولی اللہ" کی قبر ہو، شریف کے خطاب سے ممتاز کرنے کو عبادت تصور کرنے لگی ہے۔ میں بجز مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اور بیت المقدس کے کسی مقام کو شریف کے نام سے نہیں پکارتا۔ خواہ اجمیر ہو یا سرہند۔ حالانکہ مجھ کو ان بزرگوں سے اتنی عقیدت ہے کہ یہ گمان رکھتا ہوں کہ اگر نبوت کا سلسلہ سرور کائنات پر ختم نہ ہو جاتا تو انبیاء غالباً ان ہی بزرگ ہستیوں میں سے پیدا ہوتے۔

برادر عزیز (جس سے کہ آپ نے اللہ اور اس کے رسول کی محبت سے دین کی خدمت کا بیڑا اٹھایا ہے وہ واقعی ایک عزیز بھائی ہے) اس وقت دراصل جس موضوع پر آپ کو خط لکھنا چاہتا ہوں وہ تصوف اسلام سے متعلق ہے۔ اس پر آپ کی ایک تصنیف ہے جو میں نے پڑھی ہے۔ اس کتاب کے آخری حصہ کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا بھی یہی خیال ہے جو ایک قرن سے مسلمانوں میں رائج ہے کہ روحانی تعلیم ایک خاص جماعت (جو شیوخ طریقت کے نام سے مشہور ہے) کے توسل ہی سے (بصورت پیری و مریدی) حاصل کی جا سکتی ہے۔ مجھے اس خیال سے اتفاق نہیں ہے اور اسکی وجوہات یہ ہیں،

قرآن اور حدیث میں اسکا ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ سرور کائنات کے زمانہ اور نہ خلفائے راشدین کے عہدوں میں اس قسم کے سلسلۂ تعلیم کا وجود تھا۔ صدر ملت کے مسلمان ظاہری اور باطنی تعلیم ائمۂ عصر کی مجلسوں میں حاصل کرتے تھے۔ ایک مسلمان کو روحانی علم تو بس اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ وہ اپنے اعمال کو خداوند تعالیٰ کے اوامر و نواہی کے مطابق بنالے اور عبادت و ریاضت کو اپنے اوپر لازم کر لے۔ یہ دوسری بات ہے کہ مشائخ طریقت نے سلوک و ریاضت کے خاص خاص طریقے ایجاد کیے ہیں۔ جیسے جسمانی ورزش کے مختلف طریقے بنوع کشتی، قواعد، ڈنڈ وغیرہ ماہران ورزش نے ایجاد کر رکھے ہیں۔ اگرچہ طرق کے سلسلوں کے موجد بذات خود عالم تھے اور انکی نیت اچھی تھی اور ایک مدت دراز تک انکی تعلیم بہت سے لوگوں کے لیے نہایت مفید ثابت ہوئی ہوگی مگر بعد میں اس سلسلۂ تعلیم سے جو مہلک نتائج پیدا ہوتے گئے ہیں انکو مدنظر رکھتے ہوئے آج علماء کو چاہیے کہ اس پیری مریدی کی بدعت کو قطعاً حرام کر دیں۔ اس بدعت نے توحید کا جو اسلام کی روح ہے خاتمہ کر دیا ہے۔ رسول اللہ کی بات دوسری تھی آپ کا ہر حکم خدا کے حکم ماتحت ہوا کرتا تھا۔ ہر تعلیم دین و دنیا کی فلاح کی بنیاد ہوتی تھی۔ لہذا آپ کے دست مبارک پر بیعت کرنا عین عبادت تھی۔ رسول اللہ کے بعد جو بیعت کی جاتی تھی وہ صرف خلفائے راشدین کے ہاتھ پر سیاسی وفاداری کی کی جاتی تھی۔ بھلا پیروں کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے کیا معنی؟ عارفان تو خود کو سب سے زیادہ گنہگار تصور کرتے ہیں۔ بعض تو ایسے گزرے ہیں کہ انکو یہ وہم ہونے لگتا تھا کہ انکی قوم پر جو مصیبت نازل ہوتی ہے کہیں انکے گناہوں کی نحوست کی وجہ سے نہ ہوتی ہو؟ ایسے بزرگوں کو کبھی یہ نہ سوجھی کہ وہ سب مسلمانوں کو اپنے سامنے یا پشت کی جانب بٹھا کر انکو "توجہ" دیں یعنی اپنے قلب کا انکے قلوب پر اثر ڈالیں! میں بہرکیف عرض کر چکا ہوں کہ بانیان سلسلۂ طریقت نہایت بزرگ ہستیاں تھیں مگر اسکے معنی نہیں کہ ان کا ہر فعل اور طریقہ سند سمجھا جائے۔ خداوند تعالیٰ کی عادت کے برخلاف ہے کہ کسی ایک شخص کو ہر فن میں کامل علم عطا کرے۔ لہذا کسی بڑے سے بڑے عالم کے متعلق بھی یہ عقیدہ رکھنا کہ انکی کل رائیں صائب صحیح اور غلطی سے مبرا ہیں، غلط ہے۔ بدعتوں (اگر بعض کو حسنہ کی توجیہ دی گئی ہے) کی ترویج یوں ہوتی ہے کہ ابتدا میں کسی بزرگ نے کوئی اجتہادی غلطی کی اور اسکے بعد انکے پیرو انکو خطاؤں سے مبرا سمجھ کر آنکھ بند کیے انکے قول و فعل پر عملدرآمد کرتے گئے۔ یہی حال تصوف کا ہوا ہے کہ آج پیری و مریدی کے سلسلہ کو روحانی تعلیم حاصل کرنے کا واحد ذریعہ سمجھا جانے لگا ہے۔ اور بعض مشائخ نے تو قرآن کریم کی ایک آیت کے معنی کو کھینچ تان کر پیری مریدی کو قرآن سے ثابت کرنے تک کی کوشش کی ہے۔

اب ذرا غور فرمائیے کہ اس نام نہاد تصوف اور پیری مریدی کی رسم سے دین و ملت میں کیسی کیسی خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں،

---

[1] لیکن اس وقت تک تو یہ آجکل کے اصطلاحی القاب تھے ہی بہت کم۔ "مولانا" کا لقب اور معنا، آج سے ۵۰ سال قبل تک، "بڑے عالم" کے مرادف تھا۔ جس طرح "مولوی" محض عالم کے لیے۔ مذاق بگاڑ کرنے والے "مولانا" ظفر علی خان صاحب کا کرم ہوں ہیں، جنہوں نے اس زمانہ کے مشہور کثیر الاشاعت روزنامہ زمیندار کے ذریعہ سے پہلے پہل اسکا استعمال ایک خاص طرز اور قسم کے اہل قلم رائٹ آنریبل سید امیر علی کے لیے کیا، اور اسکے بعد سے لاتعداد قومی کارکن کے لیے چل پڑا! اور سودا خادر، کے اشتہار سے بھی اب اسکے استعمال کو محدود کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ (صدق)

(۲) پیر کے لیے عالم ہونا ضروری نہیں سمجھا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے راہ کا حامل سمجھا جاتا ہے جو جماعت صوفیہ کے عقیدہ کی رو سے سینہ بسینہ چلا آتا ہے۔ اسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جاہل پیر مریدوں کو ایسے ایسے عقائد اور اعمال کی تعلیم دیتے ہیں جو شریعت کے خلاف اور اکثر مشرکانہ ہوتے ہیں مریدوں کو یہ بتایا جاتا ہے کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت اور۔ علما کی تعلیم کو یہ کہکر بیکار کر دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ حضرات غیر مقلد اور وہابی ہیں حالانکہ سرور کائنات نے یہ فرمایا ہے کہ عالم کی عابد پر اتنی فضیلت ہے جتنی مجھکو تم میں سے ادنیٰ شخص پر ہے۔ بیچارے جاہل مریدوں کو اتنی سمجھ کہاں کہ اپنے ان مرشدوں سے پوچھیں کہ جن ائمہ کے آپ مقلد ہیں انھوں نے کب کہا ہے کہ شریعت اور طریقت دو مختلف چیزیں ہیں۔

(۳) مرید اپنے پیروں کو مقدس سمجھتے ہیں بلکہ اکثر خدا بن پرستش تصور کرتے ہیں۔ اس گندے عقیدہ کے نتائج پر بحث کرنے کی ضرورت نہیں صوبۂ سندھ کی خرجماعت کی تاریخ شاہد ہے

(۴) چونکہ پیر کو مقرب بارگاہ ایزدی سمجھا جاتا ہے۔ مرید خدا کے ساتھ اپنے تعلقات درست کرنے کی پروا نہیں کرتا ہے کیونکہ اس کا ایمان ہے کہ کوئی مصیبت اس پر نازل ہوگی تو مرشد کی توجہ سے وہ ٹل جائے گی

(۵) سلوک و طریقت کی آڑ میں قرآن اور احادیث کی تعلیمات پس پشت ڈال دی جاتی ہیں بلکہ نعوذ باللہ مشائخ کے ملفوظات و ملفوظات کو کتاب اللہ اور کتاب الرسول سے بڑھ کر اہمیت دی جاتی ہے۔ ان کے کلام کا زیادہ سے زیادہ احترام کیا گیا تو یہ کہدیا گیا کہ

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآں در زبان پہلوی

ذرا اس بدتمیزی کو ملاحظہ فرمائیے! جس قرآن کی عظمت کا خداوند تعالیٰ نے یہ کہکر اظہار فرمایا ہے کہ اگر میں اسے پہاڑ پر اتارتا تو خود اسکے خوف سے پھٹ کر شق ہو جاتا، اُسکو ایک انسان کی لکھی ہوئی کتاب سے نسبت دی جاتی ہے یہ کہا کہ یہ تو قرآن ہے، صرف یہ فرق ہے کہ بجائے عربی کے فارسی میں ہے۔ "بازی بازی با ریش بابا ہم بازی!" اس بدتمیزی کے شعر سے میرے دل کو جو صدمہ پہنچا کرتا تھا وہ خدا[1] بہتر جانتا ہے اُس شخص کا جس نے یہ شعر کہا ہے ؎

ایں حدیث از صوفیائے شوم نیست مثنوی مولوی روم نیست

کہ اسکے اس شعر سے ایک مدت تک جیا تارہا[2] اور میں خدا کا شکر بجالایا کہ امت محمدیہ میں ایسے لوگ اب بھی موجود ہیں جو مولوی روم کی پرستش نہیں کرتے۔

عارفین حق جو علم و عمل کے زیور سے آراستہ ہوتے ہیں انکو بیشک بڑے بڑے روحانی کمالات حاصل ہوتے ہیں مگر اول تو ان کمالات کی دوسروں کو خبر نہیں ہوتی۔ شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے بالکل سچ کہا ہے کہ "آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد"۔ دوسرے یہ کمالات اس قسم کے نہیں ہوتے جیسا کہ عام طور سے مشہور ہے، مثلاً کسی پر ایک نظر ڈالی تو اُسکو شیطان سے ولی یا جلا کر بھسم کر دیا۔ ایسے کمالات تو کسی نبی یا رسول کو بھی عطا نہیں ہوئے تھے۔ صدیقین تک تو سب کے سب اپنی عاقبت کے خوف سے لرزاں و ترساں رہا کرتے تھے۔ بھلا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر مشائخ طریقت میں سے بزرگی اور کمالات اور کرامات کا کون مستحق ہوگا۔ مگر آپکے خوف عقبیٰ کا یہ حال تھا کہ فرماتے تھے کہ اگر قیامت کے روز خداوند تعالیٰ یہ فرمائے کہ میں بجز ایک بندے کے سب کو جنت میں داخل کر دونگا، تو مجھے گمان ہوگا کہ وہ بندہ شاید میں ہوں۔ اسی طرح اپنی حالت رجا کا بھی اظہار فرمایا سبحان اللہ۔ یہ ہے خداوند تعالیٰ کی بے نیازی اور اُسکے جبروت اور ہیبت کا سچا تصور۔

مشائخ طریقت کی جتنی کرامات عام طور سے کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں تقریباً سب کے سب لغو اور بے بنیاد ہیں جو انکے خلفا اور اولاد نے انکی وفات کے بعد مشہور کر دیے تھے۔ بڑے بڑے جلیل القدر ائمہ مثلاً امام مالک رحمۃ اللہ علیہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق آخر اس قسم کی کرامات کیوں نہیں مشہور ہیں، اس لیے کہ انھوں نے پیری مریدی کا سلسلہ قائم نہیں کیا تھا، اور خلفاء اور مریدوں کی کوئی جماعت خاص چھوڑ گئے تھے، انکے خلفا تو بس اُنکے شاگرد ہوا کرتے تھے جو خود بھی سچے معنوں میں ہادیان دین متین ہوتے تھے اور حضور سرور کائنات کے قول کے بموجب انبیاء بنی اسرائیل کا درجہ رکھتے ہونگے۔

برادر عزیز۔ میں نے اس طویل تحریر سے آپ کا بہت سا قیمتی وقت لے لیا، مگر اس امید پر ایسا کیا ہے کہ اگر آپ کو میرے خیالات سے اتفاق ہوگا تو آپ اس ضمن میں قوم کی اصلاح کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔ میں نہ عالم ہوں اور نہ میرے پاس سر دست اتنا وقت ہے کہ باقاعدہ کوئی دینی خدمت کر سکوں۔

خط کو اس دعا کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ خداوند تعالیٰ آپ کے علم و فضل میں روزانہ اضافہ فرمائے اور جو سب سے بڑی بات ہے علم کے ساتھ ہی ساتھ حکمت جسکا ذکر اللہ جل شانہ نے اکثر اپنے کلام میں علم و الحکمۃ کے ارشاد سے فرمایا ہے عطا فرمائے۔ علم تو انسان کسب سے حاصل کر لیتا ہے مگر حکمت رب العالمین کا ایک خاص عطیہ ہے اور

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

صدق۔ مخلص مکتوب نگار کا جذبۂ ایمانی قابل قدر ہے، اور انکا مکتوب اسقدر صحیح۔ لیکن جوش اصلاح میں وہ ذرا دوسرے

---

[1] شعر کو لفظی معنی میں لیکر مومن کے دل کو صدمہ پہنچنا بالکل درست ہے، لیکن شاعر کی بھی یہ مراد یقیناً نہ ہوگی۔ مبالغۂ شعری خود ایک مستقل فتنہ مدت سے ہے اور اسکی سند جواز بہت ایک تہ معتب تصدیق

[2] اگر آپ کے علم میں اس شعر کا موقع و محل اور اس شاعر کا نام ہوتا تو توضیح آپ ... خوش نہ ہوتے۔ (صدق)

سرے پر پہونچے جا رہے ہیں۔ شریعت و طریقت میں حقیقۃً کوئی شائبہ تضاد و دوئی تو تھا ہی نہیں۔ بلکہ دونوں ایک دوسرے کے متمم و مکمل ہیں اور بعض عارفین ربّا نیین آج تک ہوئے ہیں، وہ مشائخ یا فقہ عالم ہوں، یا صوفی ہوں، ہر حال سب کے سب مغزِ شریعت کے حامل ہوئے ہیں۔ خوش عقیدہ معتقدین نے بیشک عموماً بڑے غلو سے کام لیا ہے، اب بھی کام لے رہے ہیں۔ لیکن انکی زیادتیوں سے مشتعل ہوکر اصل نظام طریقت کی تردید و تغلیط بھی دوسری انتہا ہے ——— کپڑے کو دہیں تک دھوئیے کہ داغ دھبے میل کچیل دور ہو جائیں نہ یہ کہ خود کپڑا ہی تشریف لیجائے۔ غذا صاف و داغ اگر بنا لکھیو معقولہ ہے۔ یہ قرآن مجید کی زبان میں تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اصل صوفیہ تو توحید کے پتلے ہوئے ہیں۔ تھال کے ساتھ حال میں بھی عبد کامل بننے والے۔

مراسلہ

مخلصی مخدومی! تسلیم و آداب

صدق ۱۸ اکتوبر ملا ہے۔ مضمون "نفسیاتی علاج" پیش نظر ہے۔ اس پر آپ کا نوٹ پڑھ کر نہ پوچھیے کسقدر مسرت حاصل ہوئی۔ آپ کے اس نیاز مند نے اس سلسلہ میں جو خیالات قائم کر رکھے تھے، آں محترم نے گویا انکی تائید فرمادی۔ تردد سے استحکام کی جانب کئی منزلیں یک لخت طے ہوگئیں۔

فاضل مراسلہ نگار یہ ان الفاظ "وسوسہ، شیطانی وسوسہ، وغیرہ" میں جو حکمت پوشیدہ ہے اور انکی جو اہمیت ہے، معلوم ہوتا ہے پوری طرح واضح نہیں ہے۔ یہ طرز تعبیر تو اگر زیادہ معقول نظر آنے لگتی ہے۔ پھر اس کے سہل الفہم ہونے میں تو کلام ہی نہیں ہونا چاہیے! میرے ذہن میں مجملاً یہ خیال آہستہ آہستہ جڑ پکڑتا جا رہا ہے کہ اس قسم کی بیماریوں کا علاج اس دنیا میں مذہب اور فقط مذہب ہی کے پاس ہے تفصیل میں جانے کا موقع نہیں ورنہ بیان کرکے آپ سے تصحیح چاہتا۔ خیر۔

مراسلہ نگار صاحب جس خود اعتمادی کا ذکر فرما رہے ہیں وہ تو میرے خیال میں "اعتماد علی اللہ" کا لازمی اور ضمنی نتیجہ ہے اور بہ لحاظ افادیت شاید اسکے براہ راست حصول سے کہیں زیادہ بہتر۔ واللہ اعلم۔

مریض کو غیر ضروری الجھاؤ سے بچانے کے علاوہ مصطلحات کا استعمال اسوقت بھی مناسب نہیں ہے جبکہ آپ کسی رائج الوقت نظریے سے ذرہ برابر بھی ہٹ کر کوئی بات کہنا چاہتے ہوں۔ لیکن اگر کوئی اصطلاح آپ کے خیالات اور آپ کے نقطۂ نظر کا پورا ساتھ دے رہی ہو تو پھر اسکا استعمال بعضوں کے لیے یقیناً مفید بھی ہے۔ ایسے موقعوں پر ان سے کلیتہً اجتناب برتنا بھی میرے خیال میں مناسب نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ زیادہ کیا عرض کروں۔ کبھی کبھی انکا استعمال تو بہر حال ہو جاتا ہی بہتر ہے واللہ اعلم۔

اہل خانقاہ کی تسبیح و تحلیل پر استہزا کرنے والے انکے بعض بیٹھکلفات

وجتواودات پر اظہار ناگواری کرنے والے، پتہ نہیں آپ سے اور دفتر کیسے آئی ہوئی اس اصطلاح (خودتابعی) سے متعلق کیا ارشاد دیتے ہیں؟

والسلام — خاکسار شفقت جیلانی۔ از بستی دانشمنداں

صدق — جدید اصطلاحات کے عمومی استعمال پر ضرور کا قلم مسالح پر جاری ہے۔ بطور استثناء خاص خاص موقعوں پر استعمال سے انکار بھی نہیں۔

بقیہ صفحہ ۵

انگریزوں نے مسلمانوں کو قطعی طور سے باغی مان لیا اور انھیں دبانے کی زوردار کوشش شروع کردی۔ چنانچہ بہار اور اڑیسہ کے گورنر کیمبل نے ہندوؤں سے کہا کہ تم اردو کیوں بولتے ہو۔ یہ تو دہلی کی طوائفوں کی زبان ہے۔ انگریز افسروں نے گرامر اور ڈکشنریاں لکھ کر ہندوؤں کو دکھایا کہ اردو کوئی زبان نہیں ہے۔ اور اصل میں مقامی زبانیں سب کچھ ہیں۔

یہ حکمت عملی ۱۸۵۷ء سے ۱۸۷۰ء تک جاری رہی۔ مسلمانوں کی تحریکیں بھی میتی رہیں۔ اس اثنا میں لارڈ میکالے اور دوسرے انگریزوں نے جن میں ہنٹر کا نام خاص طور سے قابل ذکر ہے، یہ کہنا شروع کیا کہ مسلمانوں کی تالیف قلب کی ضرورت ہے۔ اسکے ساتھ ساتھ ہندو کچھ کچھ سر ابھار رہے تھے۔ مسلمانوں میں سرسید احمد خاں کی تحریک شروع ہونے کا زمانہ بھی یہی تھا۔ لیکن انکی تحریک میں ہندو بھی شریک تھے۔ چنانچہ علیگڈھ کالج کے لیے ہندوؤں نے بھی چندہ دیا۔ لیکن جب غازی پور سے یہ آواز بلند کی گئی کہ ہندوؤں کی زبان ہندی ہے اردو نہیں، تو سرسید کی ذہنیت بدلنے لگی۔ انگریز افسروں میں سے کچھ نے سرسید کا ساتھ دیا اور کچھ ہندوؤں کی طرف آگئے۔ اس طرح ۱۸۷۰ء سے ہندی کی ترقی شروع ہوئی۔ اور آج یہ حال ہے کہ تھوڑے دنوں میں اردو بولنے اور سمجھنے والے ہندو ملنا بھی دشوار ہو جائیگا۔ دہلی جیسے شہر میں بیشتر ہندو لڑکے لڑکیاں اردو کے بجائے ہندی پڑھ رہے ہیں۔ میری اپنی ذات کے لوگوں یعنی کاستھوں کا بھی جو اردو سے بہت قربت رکھتے تھے یہی حال ہے۔ اردو اور ہندی دونو آج قومی اور ملکی زبان ہونے کا دعوے کر رہی ہیں اور زبان کے مسئلہ پر فرقہ واری رنگ چڑھ رہا ہے۔ (پیام)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ماہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں تمام ہو رہی ہے براہ عنایت اپنا چندہ سال آئندہ کے لیے قریبی فرصت میں بھیجدیں تاکہ وہ دسمبر کے پہلے ہفتہ میں دفتر کو وصول ہو جائے اور ورد بھیجکر دی پی نہ روانہ کیا جائے ا۔

خریدار نمبر ۹۴ ، ۴۱۹ ، ۵۹۱ ، ۱۱۳۶ ، ۱۲۰۳ ، ۱۲۰۶ ، ۱۲۱۰ ، ۱۲۱۱ ، ۱۲۲۴ ، ۱۵۴۰ ، ۱۵۴۵ ، ۱۵۷۸ ، ۱۶۳۹

مہتمم صدق لکھنؤ

دوسرے ماہرفن کا یہ مقالہ نقل کرکے کہ
"پہلے نفسیاتی کا کام غور و فکر کرنا اور طبیعیاتی کا کام ناپنا ہوتا تھا، اب نفسیاتی ناپنے لگا ہے اور طبیعیاتی غور و فکر کرنے!"
خود لکھتا ہے۔

"یہ مقولہ ہے تو بہت خوب۔ لیکن اکثر کہاوتوں کی طرح گو یہ صحیح یقیناً نہیں، لیکن تا متریج ہی صحیح نہیں۔ طبیعیاتی ناپ تو اب بھی لگا ہوا ہے اور بڑے جوش و خروش اور تندہی کے ساتھ، لیکن اب اسے یہ نہیں معلوم ہوا ہے کہ وہ آخر کس چیز کو ناپ رہا ہے! یا یہ کہ جسے وہ اپنے خیال میں ناپ رہا ہے، کیسے وہ واقعی بھی ناپ رہا ہے! ...
اسکا فلسفیانہ سکون خاطر رخصت ہو گیا ہے، اور اسکی طبیعیات مابعد الطبیعیات کی دھندلی فضا کے درمیان گم سی ہوئی جارہی ہے! خاص کر مسئلۂ اضافیت اور مسئلۂ زمان پر اسکے اثرات کے انکشاف کے بعد سے۔

طبیعیاتیوں کے ظنیات و قیاسات عالم کے مستقبل کی بابت، اس کی بربادی، اس کی فنا اور اسکی احیاء ثانی سے متعلق (مادہ اور زمان کے مسائل کو بھی لازمی طور پر شامل کرتے ہوئے) ایک سیلاب کی طرح ہم پر ابل پڑے ہیں، اور انکا نام "ریاضیاتی شاعری" خوب پڑ گیا ہے۔" (ص ۱۵)

اسی سائنس کا اتنا زور شور تھا؟ اسی کی "تحقیق" اور "قطعیت" سے ہمارے دل و دماغ ڈرے اور سہمے ہوئے تھے؟ اسی کی زبان سے ہست زیست کے دو انہونے پن؟ دوزخ و جنت، جزا و سزا، حور و ملائکہ، وحی و معجزہ، نبوت و رسالت، توحید و الوہیت کا دارومدار تھا! اسی پر "قوت حریف" کو ہوا بنا کر مذہب کے مقابلہ میں لایا جارہا تھا؟

بہی شور سنتے تھے پہلو میں دل کا

اُسکی طغیان و جانداری کی بساط کل اتنی ہی تھی! ...... اسکے احکام اسکے فیصلے احکام و فیصلہ جات نہیں، مسائل نہیں، نظریات بھی نہیں، محض ظنون و قیاسات SPECULATIONS ہیں، جو ذہن میں سیلاب کی طرح امنڈتے ہیں! اور انکے مجموعہ پر "ریاضیاتی شاعری" کا نام چسپاں کرنے والے، ملا نہیں، خود ماہرین سائنس و ریاضیات ہیں!

نشاط زندگی

"ہوائی سواریوں کی زبردست رقابت کے باوجود امریکہ کی تین ریلوے کمپنیوں نے ریل گاڑیوں میں تفریح و تعیش کے حسب ذیل انتظامات کا تہیہ کرلیا ہے:-
(۱) غسل آفتابی (یعنی کامل برہنگی) کی جگہیں،
(۲) رقص خانہ (یا ناچ گھر)
(۳) شراب نوشی کے کمرے۔
(۴) زینت خانے
(۵) ریڈیو گھر

گرمیوں کے شروع میں یہ جدید گاڑیاں ۲۰ لاکھ ڈالر کے خرچ کے بعد چلنے لگیں گی، نیز سروس (یعنی لاری) والے بھی اس خصوص میں کچھ پیچھے رہ جانے والے نہیں، وہ بھی اپنے ہاں شراب خانوں کا، ڈھائی گھروں کا، اور زینت خانوں کا پورا انتظام کررہے ہیں۔ ان تیاریوں کا نتیجہ ہے امریکی پبلک کو سفر میں وہ وہ راحتیں ملنے لگینگی جنکا پہلے کوئی خیال بھی نہیں کرسکتا تھا" (ٹائمز آف انڈیا۔ بمبئی ۱۰ نومبر ۱۹۴۹ء)

گویا امریکہ کی ہر چلتی پھرتی لاری، اور ہر دوڑتی ہوئی ٹرین ایک مکمل متحرک نشاط خانہ ہوگا! اور امریکہ کے ہر بڑے چھوٹے باشندے۔ ہر زن و مرد، ہر لڑکے اور ہر لڑکی کو سفر میں وہ وہ سامان عیش ہر قسم اور ہر مقدار کے حاصل رہیں گے جو غریب مشرقیوں کو خواب میں بھی نصیب نہیں! ——— بیوقوف مشرق! "ترقی" کے صحیح مفہوم ہی سے ناواقف و جاہل مشرق! حرام و حلال، جائز و ناجائز میں الجھا رہنے والا مشرق! اتنی موٹی بات نہیں جانتا کہ زندگی نام ہی ہے دوام نشاط کا، تسلسل عیش کا!

ضعف بصارت اور سنیما

ایک پڑھی لکھی ہندو خاتون کا مراسلہ لیڈر (۹ نومبر ۱۹۴۹ء) میں:-
"اگر موجودہ سنیما سازی میں کچھ اصلاح ہوسکے تو میرے خیال میں چھوٹے لڑکوں کی خرابی بصارت کا مسئلہ کچھ حل ہوسکیگا۔ سنیما کی ارزاں ترین شرح اُن لوگوں کے لیے مؤثر ہے جو پردے کے قریب ترین ہوتے ہیں، اور یہی شرح لڑکوں کے لیے آدھی کردی جاتی ہے! چند خاص طور پر اعلیٰ سنیماؤں کو چھوڑ کر عام طور پر یہی ارزاں نشستیں تو سخت مضر بصارت ہوتی ہیں"۔

سنیما بینی کے جسمانی نقصانات بھی ان نقصانات کی طرح کثرت ہیں، لیکن جنہوں نے بصیرت کے نقصانات کو خوشی خوشی گوارا کرلیا، وہ بصارت کے ان خطرات کو آخر کیوں محسوس کرنے لگے؟ اور جنہوں نے دل کی آنکھیں پھوٹ جانے کی کچھ پروا نہ کی، وہ جسم کی آنکھ کے ضعف کی کیوں پروا کرنے لگے؟

ایک مضمون پر گرفت

جناب بدرالدین صاحب بی۔ اے کلکتہ سے تحریر فرماتے ہیں:-
"گوشت خوری پر ایک نظر کے عنوان سے ایک مضمون کئی ہفتوں سے قسط وار شائع ہو رہا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کس مقصد سے صدق کے کالم اس مضمون سے بھرے جارہے ہیں۔ کسی معزز ہم عصر میں اس معیار کا مضمون میری نظر سے بہت کم گزرا ہے۔ مضمون نگار کے دلائل کے نہ سر ہے نہ پاؤں۔ کہاں کی بات وہ کہاں لے جاتے ہیں۔ مجھے یہاں اس پر تنقید مقصود نہیں، آپ کے حواشی ہی تو خود ہی مضمون نگار کے ابطال کا کافی سامان موجود ہے۔ مجھے یہ گزارش کرنا ہے کہ ایسا مضمون جو مسلمانوں کی شریعت و تمدن کے سراسر خلاف ہے، صدق میں

برملا گفت کہ از روی تعصب گر گوئید پادشاہ شیعہ نمی خواہم و
نعوذ باللہ اگر بیعت بگردند یک درین باب توان کرد"

براؤن نے اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ اس وقت تک یعنی دسویں صدی ہجری تک جو شاہ اسماعیل صفوی کے اقتدار کا زمانہ ہے، دو ثلث آبادی صرف تبریز کی سنی تھی۔ براؤن ص۵۶

جسکا مطلب یہ ہوا کہ ہزار سال کے قریب قریب تک ایران میں شیعوں سے زیادہ سنیوں کی آبادی تھی اور موجودہ صورت حال بالکل آخر زمانہ کی بات ہے۔ جبکی صفویوں نے جبر و ظلم سے کام لیا۔ خود براؤن نے بھی لکھی ہے، اور ایک بہت ہی سچی چشم دید گواہی نقل کی ہے کہ شاہ اسماعیل صفوی نے جو مظالم ڈھائے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ تیمور (ظالم اعظم) کے وقت سے لیکر اب تک ایسا جلاد بادشاہ نہ پیدا ہوا ہوگا" (ص۲۲)

بہر حال مجھے شاہ اسماعیل صفوی کے مظالم سے بحث نہیں۔ میرا یہ کہنا یہ تھا ہوں کہ ایران کے متعلق عام طور پر کہنے والے جو یہ کہتے ہیں کہ فطرتاً اس میں تشیع کی صلاحیت تھی، اور اسکے اسباب یہ تھے اور وہ، واقعات سے یہ بھی کتنی بعید بات ہے۔

اس سلسلہ میں جناب محقق اعظم براؤن صاحب جنکی ہزاہا عظمت تاریخ میں "حجت بالغہ" کی حیثیت ارباب استشراق و استغراب[1] کے نزدیک مسلم کیے ہوئے ہیں، واقعات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسی سلسلہ میں ایک مشہور سنی عالم قاضی حسین میبذی کو بھی ترکی دربار کے سفراء کے سامنے شہید کیا گیا۔ ص۱۲۰

اسکے بعد قاضی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے داد تحقیق دیتے ہیں کہ آپ ہی کی کتاب "ہدایہ" درس میں داخل ہے۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہدایہ کے مصنف تو علامہ مرغینانی ہیں۔ قاضی حسین میبذی نے البتہ ہدایۃ الحکمت مصنفہ اثیرالدین ابہری کی شرح کی ہے اور "میبذی" ہی کے نام سے وہ درس نظامیہ کے فلسفہ کی کتابوں میں شریک ہے۔ بیچارے کو ہدایت الحکمت کی شرح اور ہدایہ فقہ کی کتاب میں اشتباہ ہوگیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ اسی قسم کے خام کاروں پر آج اعتماد کی جو حالت ہے کیا وہ اسکے مستحق ہیں۔؟

امیر شکیب ارسلان نے ابن خلدون کے مقدمہ پر ایک مقدمہ لکھا ہے در اصل ترکی سلطنت کی تاریخ ہی لکھ ڈالی ہے۔ ایک واقعہ پر سلطان سلیم کے تذکرہ میں اسکا ذکر کرتے ہوئے، کہ سلیم نے چاہا تھا کہ جتنے عیسائی ممالک محروسہ ترکی میں آباد ہیں انکو دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے قبول کرنے پر مجبور کیا جائے۔ اسلام قبول کرلیں، یا ملک سے باہر ہو جائیں (معلوم ہوتا ہے کہ ایران کو دیکھ کر سلیم کو سارا اسکا خیال پیدا ہوا ہی ہو رہا تھا کہ یہ جبر لوگوں کا دین بدلوایا جا رہا تھا۔ لیکن جیسے علمائے مذہب شیعہ نے اسماعیل صفوی کو روکنا چاہا اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ نصف بچے اسی طرح لکھا ہے کہ سلیم سے اس زمانہ کے مفتی جمال آفندی نے جا کر کہا،

"قطعاً تمہارے لیے ایسا کرنا جائز نہ ہوگا ہم مسلمان صرف ان سے دو ہی چیزوں کا جزیہ ادا کرسکتے ہیں، حکومت کی اطاعت (بغاوت و غداری نہ کریں) دوسرے ازوئیا خدمت سے مستثنیٰ ہونے کی وجہ سے جزیہ لیں" مفتی صاحب کی بات سلطان نے ان لی اور اپنے ارادہ سے باز آگیا'

اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد امیر نے لکھا ہے کہ سلطان سلیم کے متعلق یہ قصہ کتابوں میں بھی لکھا ہوا ہے اور زبان زد عام بھی ہے۔ پھر انھوں نے موجودہ احرار ترکوں کے اس طرز عمل کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہ عیسائیوں کو یہ جبر ملک سے جو نکالا گیا اسکا الزام وہ لوگ اسلام ہی پر دھرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسلام ہماری حکومت کا مذہب اگر نہ ہوتا تو ملک میں عیسائیوں کو ان وسیع آبادیوں کا موقع نہ ملتا جنکی بدولت ہم آج اس حال تک پہنچے ہیں۔ امیر لکھتے ہیں کہ یہی وجہ ہے کہ برسر اقتدار آتے ہی ترکان احرار نے جنگ عظیم کے بعد عام قانون نافذ کردیا کہ "ترکی علاقے سے سارے نصاری نکل جائیں" اسی کا نتیجہ ہے کہ قسطنطنیہ کے سوا اب ترکی علاقہ میں کہیں عیسائی نہیں باقی رہ گئے ہیں۔ کیونکہ لوزان کا نفرنس میں دول یورپ قسطنطنیہ کے مقیم عیسائیوں کے متعلق راضی نہیں ہوئی۔ اسکے بدلے میں تراکیہ میں جو یونانیوں کے قبضہ میں تھا مسلمانوں کو رہنے کی اجازت دی گئی ہے۔

امیر نے ان چیزوں کو نقل کردینے کے بعد کتنی اچھی بات لکھی ہے، کہ واقعات بتا رہے ہیں کہ سلطنت عثمانی کے زمانہ میں مذہب اسلام ہی نے عیسائیوں کو اسوقت بچا لیا، اور انکی حفاظت کی، جب سلیم کے زمانہ میں انکے ساتھ جب کچھ کیا جاسکتا تھا۔ لیکن آج یورپ والے بھی یورپ والے اسلام سے ناراض اور دنیا سے اسکے مٹانے کی فکر میں رہتے ہیں حالانکہ اسی اسلام نے ممالک اسلامیہ میں ان عیسائیوں کی تعداد دس لین کے قریب قریب تھی، تمام انسانی حقوق سے استفادہ کرتے ہوئے یہ عیسائی خوشی و خرمی کی زندگی اسلام کے زیر پناہ گزار رہے تھے۔ مگر پھر بھی یورپ والے ترکان احرار کی لامذہب حکومت پر آفریں حالانکہ ان ہی لوگوں نے عیسائیوں کو انکے وطن سے جلا وطن ہونے پر مجبور کیا وہ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں کہ مذہب اسلام سے یورپ کے تعصب کی یہ انتہا ہے وہ اسلام کو مٹا دینا چاہتے ہیں خواہ اسلام انکی حفاظت ہی کیوں نہ کرے اور زوال اسلام پر راضی ہیں خواہ انکا زوال ہی اسلام کے زوال سے کیوں نہ ہو۔ یا للعجب! '

(ص۱۸۹ تعلیقات بر ابن خلدون)

---

[1] استغراب، استشراق کے مقابلہ میں لفظ بنایا گیا ہے۔ مغرب کے باشندوں میں مشرقی چیزوں سے دلچسپی لینے والوں کو مستشرق اور انکے طرز عمل کا نام استشراق رکھا گیا ہے، تو مشرق کے باشندوں میں مغربیات سے دلچسپی رکھنے والوں کو مستغرب اور انکے طریقہ کار کا نام استغراب کیوں نہ رکھا جائے۔ ۱۲ منہ [اس لفظ کے وضع کرنے میں مولانا کو ذرا صدق سے توارد ہوا ہے۔ صدق]

قرآن مجید دنیا کی ہر زبان میں

ایک ضروری مراسلہ

(از مولانا عبدالرحیم صاحب، صاحب تفسیر تعلیم القرآن، محبوب گنج، حیدرآباد دکن)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ایک صاحب خیر اور اسلامی درد بھرا دل اپنے پہلو میں رکھنے والے بزرگ چاہتے ہیں کہ دنیا کی اُن تمام اہم زبانوں میں جن میں قرآن مجید کا ترجمہ نہیں ہوا ہے، ترجمہ مرتب اور شائع کریں۔ اور چاہتے ہیں کہ جلد سے جلد اس کام کا نہ صرف آغاز فرمائیں بلکہ اپنی آنکھوں سے اسکو تکمیل شدہ حالت میں دیکھ لیں۔ اور وہ تجدید کی نمازوں میں اسکے لیے روزانہ اُنھوں نے کہا کہ دعا بھی کیا کرتے ہیں۔ لہذا میں اُنکے ایما پر جناب والا سے درخواست کرتا ہوں کہ اس اہم اور مفید ترین کام کے لیے کیا صورت اختیار کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اس باخدا بزرگ کو اپنے فضل وکرم سے کافی دولت عطا فرمائی ہے اور وہ اسکو صرف بھی کرنا چاہتے ہیں۔ اس لیے روپے کی کمی نہیں ہے، صرف طریق کار تاکہ جلد سے جلد یہ مقصد پورا ہو سکے۔ اسکے لیے جناب والا کی مفید تجاویز اور بیش بہا رائے کی ضرورت ہے کہ اول (۱) کن زبانوں میں ترجمہ کیا جائے (۲) (آ) صرف ترجمہ کافی ہے یا ضروری تشریح نوٹ اور تفسیر بھی۔ (ب) بصورت ثانی کن محترم بزرگ کی تشریحات اور تفسیر کا ترجمہ کرایا جائے، یا مترجم ہی کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے (۳) دنیا کی کُل زبانوں کی فہرست کہاں سے ملیگی (۴) دنیا کی کتنی زبانوں میں اب تک ترجمۂ قرآن مجید ہوچکا ہے اور وہ کہاں سے مل سکتا ہے (۵) جو زبانیں صرف بولی جاتی ہیں اور لکھی پڑھی نہیں جاتیں اُنکے لیے کیا انتظام کیا جائے۔ (۶) مترجم صاحبان کن کن زبانوں میں ایسے دستیاب ہوسکتے ہیں جو عربی وعلوم شریعت کے ساتھ ساتھ اپنی زبان سے پوری طور پر واقف ہوں۔ اس امر کے اطمینان کے لیے کہ وہ مطابق حقیقت اور اہل السنۃ والجماعۃ ہی کے عقائد صحیحہ کے موافق اور حالات حاضرہ اور اس زبان کے بولنے والے حضرات کے خیالات وافکار کے لحاظ سے تشفی بخش طریقہ پر تحریر فرمائینگے۔ کیا طریقہ اختیار کیا جائے اگر زبان عربی اور علوم شرعیہ سے واقف نہ ہوں تو کیا اسکا ترجمہ اردو یا انگریزی میں بھی جسکے جاننے والے علما حیدرآباد میں موجود ہیں کرا کے اطمینان کرایا جائے یا ہر زبان کے ایسے اچھے ادیب کو عربی اور علوم شرعیہ سے واقف کرایا جائے (۷) اگر ایسی درسگاہ قائم کی جائے تو کن زبانوں میں اوّلاً ایسے اصحاب تیار کیے جائیں۔ (۸) اس کام کی تکمیل کے لیے وقت ضرورت حیدرآباد اور بیرون حیدرآباد کے کن منتخب بزرگوں سے مشورہ لینا مناسب ہے۔ (۹) اس کام کے لیے جناب کے خیال مبارک میں کسقدر رقم اور مدت درکار ہوگی۔

اگرچہ جناب والا کے مشاغل نہایت اہم اور کثیر ہیں، لیکن چونکہ یہ بھی ایک نہایت مفید اور بہترین کام ہے اس لیے میری استدعا ہے کہ ازراہ کرم بطور خاص امور مندرجہ بالا پر جو باتیں اسکے لیے ضروری ہیں اُن سے جناب اپنا اس فہرست پر مطلع و ممنون فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ اجر بے حساب حاصل فرمائیں تو کرم ہوگا۔ اگر بعض امور کے جوابات مکمل نہ مل سکیں تو جسقدر فوری طور پر ممکن ہوں اُن سے سرِدست اور متعاقب بقیہ امور سے آگاہ فرمائیں کیونکہ وہ صاحب آج کل شدت کے ساتھ اسکی طرف متوجہ ہیں اور بعجلت ممکنہ خواہاں آغاز وتکمیل ہیں۔

صدق — مراسلہ مدیر صدق کے پاس ذاتی حیثیت سے آیا تھا۔ لیکن مکمل جواب تنہا اسکے بس کا کسی طرح بھی نہ تھا۔ مکتوب کی اشاعت سے مقصود یہ ہے کہ واقفکار اور اہل الرائے حضرات اپنے اپنے مشوروں سے مستفید فرمائیں۔

جن چند سوالوں کا جواب بن پڑا، وہ مکتوب نگار کی خدمت میں روانہ کر دیا گیا۔

خلاصۂ مراسلات

روحی پردہ

سید قبول احمد صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر سیتاپور صدق ۔۔۔ میں ایک شائع شدہ مراسلہ کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ

(۱) "میں چہرہ ڈھانکنے کو روحی پردہ ضرور سمجھتا ہوں اور چونکہ علاوہ قانون بنگیا ہے، لہذا جد وجہد کرکے اسکو توڑنے کا زبردست مؤید ہوں۔ لیکن برقع کے استعمال کو شرعی پردہ کا جزو لازمی سمجھتا ہوں۔"

(۲) اعتراض کے سلسلہ میں سید صاحب لکھتے ہیں کہ

"اگر ازواج مطہرات کے پردہ کی کامل تقلید عام عورتوں کے لیے لازمی سمجھی جاتی اور عام طور پر یہ ممکن ہوتی تو خداو رسولؐ عورتوں کے لیے وجہ وکفین کا استثناء نہ فرماتے"

مدیر صدق کے آخری نوٹ کو درج کرکے سید صاحب لکھتے ہیں

"میرا خیال ہے کہ چہرہ کھولنے کے سلسلہ میں یہ کہنا کہ بوقت ضرورت کھولا جا سکتا ہے یا بلا ضرورت نہ کھولا جائے، کچھ معنی نہیں رکھتا۔ ان الفاظ کا استعمال کرکے ہم چہرہ کھولنے کی اجازت یا رخصت کو عملاً حرف غلط کی طرح مٹا دیتے ہیں اور ... پردۂ مروجہ کی گرفت ذرا بھی ڈھیل نہیں پڑتی"

صدق :— خلاصہ درج ہوگیا۔ سید صاحب نے اب جو توضیحات کی ہیں اور جن غلط اصول پر انھیں چہرہ کی بے پردگی پر اصرار ہے۔ یہ اگر شروع سے ظاہر ہوگئی ہوتیں تو صدق انکی تائید اور ہمت افزائی ہرگز نہ کرتا۔ چہرہ کا پردہ ضروری نہ ہونا، اور اسکے کھلے رہنے پر اصرار، ان دونوں میں عظیم الشان فرق ہے۔ کھلے رہنے کی مصلحتیں

ایک پرمغز خطبۂ صدارت

(از مولانا عبد الرؤف دانا پوری مدظلہ صدر جمعیۃ علماء اسلام، کلکتہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد۔ حضرات علماء کرام و حاضرین۔ آج جس مقصد کے لیے ہم سب جمع ہوئے ہیں وہ بہت اہم ہے اور بعض حیثیت سے وہ اپنی نوعیت کا بالکل نیا مقصد ہے۔

اس اجتماع کی غرض یہ ہے کہ علماء ہند کی ایک جدید آل انڈیا جمعیۃ قائم کی جائے۔ حالانکہ علماء کی ایک آل انڈیا جمعیۃ پہلے سے موجود ہے اور اس میں جناب مولانا سید حسین احمد مدنی اور جناب مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جیسے بلند پایہ علماء شریک ہیں۔ یہ حضرات مسلم لیگ کے نزدیک بھی دینیات کے مستند اور ماہر علماء میں سے ہیں اور اسی لیے مسلم لیگ نے اس جمعیۃ کی دینی قیادت کو ایک تحریک کے ذریعہ تسلیم کرلیا تھا

لیکن باوجود اسکے ایک اہم اجتہادی اور سیاسی مسئلہ میں جمعیۃ مذکورہ نے جو روش اختیار کی ہے وہ مسلم لیگ کے اراکین و علماء کے نزدیک غلط اور مسلمانوں کے حقوق و مفاد کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ اس روش کی وجہ سے اس جمعیۃ کی طرف سے مسلمانوں میں برابر برافروختگی بڑھتی جا رہی ہے، اور اب بہت سخت ناگوار صورت اختیار کر رکھی ہے۔

حضرات علماء، بڑی ضرورت ہے کہ اس سیاسی اختلاف کی نوعیت کو آپ اچھی طرح ذہن نشین کرلیں۔ اسکے بعد آپ فیصلہ قائم کرسکیں گے کہ آیا محض اس سیاسی اختلاف کی بنا پر علماء کی دوسری جمعیۃ قائم کرنا مناسب ہے یا نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ یہ اپنی نوعیت کا نیا مقصد ہے علماء کا مذہبی نئی چیز نہیں ہے نہ مذہبی اختلافات کی وجہ سے علماء کا فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جانا نئی چیز ہے۔ مگر سیاسی خیال کی بنا پر علماء کا فرقوں اور جماعتوں میں بٹ جانا یا صرف سیاسی اغراض کے لیے دو جمعیتیں بنانا بلاشبہ نئی چیز ہوگی۔

آپ حضرات واقف ہیں کہ ہندوستان کے باشندے اس وقت ایک بڑی کشمکش میں مبتلا ہیں۔ خلافت تحریک کا زمانہ آپ نے خود اپنی نظروں سے دیکھا ہے۔ ہندو، مسلمان اور ہندوستان کی ساری قومیں ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوگئی تھیں اور ہندوستان کی آزادی کے لیے متفقہ طور پر ہر طرح کی قربانی کے لیے تیار تھیں۔ مسلمانوں نے اپنی قلت تعداد اور قومی افلاس کے باوجود اس وقت ایثار و قربانی کا وہ نمونہ پیش کیا جو اپنی نظیر آپ تھا۔ اکثر ارباب سیاست فرماتے ہیں کہ خلافت تحریک سے پہلے کانگریس پچاس کی ایک بے جان جماعت تھی، مسلمانوں کے جوش عمل اور ایثار و قربانی کا یہ اثر تھا کہ وہ ملک کی بے انتہا طاقتور سیاسی جماعت بن گئی اور اسکے ساتھ مسلمان رہنماؤں کی بے لوث خدمت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ مسلم رہنماؤں کو ملک میں بڑی ہی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ مسلمانوں کی مقبولیت اور مسلم رہنماؤں کا عملی تفوق ہندو گوارا نہ کرسکے۔ غیر ملکی حکومت سے آزادی حاصل کرنے کے بجائے وہ پہلے مسلمانوں کو کمزور کرنے کی ترکیبوں میں لگ گئے۔ بڑے بڑے کانگریسی لیڈروں نے برائے نام علیحدہ پلیٹ فارم بناکر شدھی اور سنگھٹن کی تحریکیں شروع کردیں اور سارے ملک میں بے علم اور بیچارے مسلمانوں کو مرتد کرنے کا کام جاری کردیا گیا۔ ہندو راجہ اور امراء نے اسکے لیے اپنے خزانہ کا منہ کھول دیا اور بے حساب دولت صرف کی جانے لگی۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہندوؤں نے یہ عہد کرلیا ہے کہ ہندوستان کی سرزمین کو فوراً فرزندان توحید سے خالی کرالیا جائے۔ سارے ملک میں طوفان بے تمیزی برپا ہوگیا۔ مگر کانگریس یا نیشنلزم کے دعویداروں نے اسکی کسی طرح عملی مخالفت نہ کی۔ بلکہ درحقیقت کانگریس ہی کے تجربہ کار رہنما دوسرے نام اور دوسرے پلیٹ فارم سے یہ سب کچھ کر رہے تھے۔

اسکے علاوہ انہیں ایام میں کانگریس کے بڑے بڑے لیڈروں نے ترک موالات کے خلاف کانگریس کے اندر سوراجیہ پارٹی بنائی۔ اور کونسل میں جانے کے لیے انتخاب میں کھڑے ہوگئے۔ اور یہ دیکھ کر مسلمانوں کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ انکی طرف سے بڑے بڑے پوسٹر شایع ہوئے جن میں گائے کی تصویر تھی اور اسکے نیچے لکھا تھا کہ اگر گئو ماتا کو بچانا چاہتے ہو تو فلاں صاحب کو ووٹ دو۔ یہ فلاں صاحب بڑے پایہ کے کانگریسی اور نیشنلسٹ تھے۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۲)

شایع کرتے رہنا ہی مناسب ہے۔ مانا کہ آپ تردید بھی فرماتے جاتے ہیں، پھر بھی گمراہ کن خیالات کی اشاعت تو فی نفسہ مضر ہے۔ خصوصاً ہمارے ان نوجوانوں کے لیے جنہوں نے خود کو قوم پرست طبقہ کے نام سے مشہور کر رکھا ہے

مکتوب میں اور بہت کچھ بھی اسی سلسلہ میں تھا۔ صرف ایک حصہ اوپر درج ہوا۔ اور یہی ایک مراسلہ نہیں اسی قسم کی ملامت مختلف اور حلقوں کی طرف سے بھی تحریری اور زبانی موصول ہوچکی ہیں۔ مضمون کی اشاعتی گزر رہی کا ذکر تو آغاز مضمون ہی میں کردیا گیا تھا مضمون کی اشاعت پا جانے سے یہ ہمیشہ لازم نہیں آتا کہ مضمون مدیر کی نظر میں کامل قوت بھی رکھتا ہے۔ کبھی کبھی دوسری مصلحتوں کا بھی نظر رکھنی ہوتی ہے۔ پھر یہ تاثر درست نہیں کہ ایسے مضمون مضر ہی سمجھے گئے تھے، جواب میں جتنی مفید چیزیں اشاعت پذیر ہوگئیں، وہ خود غالباً نہ ہوتیں۔

مدیر شیخ شوکت علی نے پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ جانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

اب یہ [illegible] لکھنؤ سے

مضامین کے [illegible] خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

... DEC 1945

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق اس پتہ پر مراسلت کیجیے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
[illegible] آرٹ پریس۔ گولہ گنج، لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے [illegible] سالانہ
قیمت فی پرچہ [illegible]
ٹیلیفون نمبر (۲۹۱)

صدق
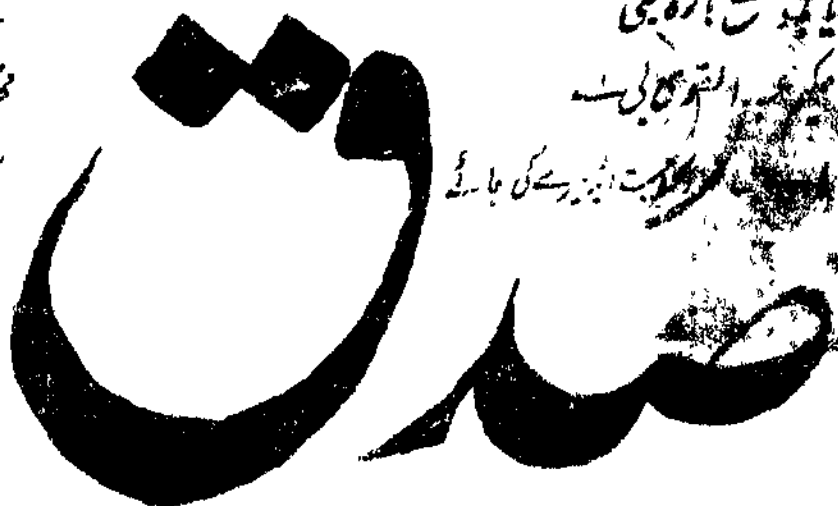
نمبر ۵۲ | یوم چہار شنبہ - ۲۹ - ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

عربی کی نصاب [illegible] تعلیم و اصلاح تو عالموں فاضلوں کے لیے چھوڑ دیجئے، لیکن عربی کے علاوہ فارسی میں تو اب تک ہمارے بچے مکتبوں، مدرسوں میں جا رہے ہیں۔ اور مکتبوں، مدرسوں کے سوا، انٹرنس اور بی اے، اور ایم اے کے اور منشی اور منشی فاضل اور مولوی اور عالم اور دبیر اور دبیر کامل وغیرہ کے بہت سے سرکاری اور غیر سرکاری کورسوں میں بھی تو شامل ہے۔ لیکن ان نصابوں میں کون کون سی کتابیں شامل ہیں؟ وہی قصائد بدر چاچ، قصائد قاآنی، قصائد عرفی، وہی یوسف زلیخا، وہی بہار دانش وغیرہا جو آج سے صدیوں پیشتر، بالکل مختلف احوال میں، بالکل مختلف ضرورتوں اور مقصدوں کے لیے تیار ہوئی تھیں۔ آج وہ شاہ پرستی کی فضا کہاں باقی ہے؟ آج امراء کے درباروں میں اُن قصیدوں کے واسطہ سے رسائی پیدا کرنے کی ضرورت کسے ہے؟ پھر کیوں اُس مذاقِ طبیعت، اُس معیار اخلاق کے برقرار رکھنے پر آخر آج کیوں اصرار کیا جائے؟ اس کئی سو سال کی مدت میں گویا دو چار بھی نہ اچھے شاعر پیدا ہوئے نہ اچھے ادیب! اس سارے عرصہ میں نہ کوئی شخص غالب نامی گزرا ہے، نہ کوئی اقبال!

—— کیا یہ بھی کوئی دینی خدمت ہے، کہ ہر قدیم چیز جوں کی توں قائم رہنے دی جائے؟ کیا دین خدانخواستہ قدامت پرستی اور جمود کے مترادف ہے؟

مثنوی مولانائے روم، گلستان سعدی وغیرہ درجہ اول کی کتابوں کو چھوڑ دیجئے کہ وہ بشاشت ہر رنگ اور ہر زمانہ کے لیے ہیں۔ باقی اور اس صدیوں قدیم مجلسی ادبیات میں آخر کیا رکھا ہے، کہ مذہبی نوشتوں کی طرح ہم نے مطلق اس کی پوجا اختیار کر رکھی ہے! مجلس مبالغہ کی کوئی حد ہے؟ دفتر کے دفتر مضامین سراسر بیہودہ عریانی اور عریانی کے ان میں بھرے پڑے ہیں، کوئی حق انھیں آئندہ زندہ رہنے کا ہے؟ یوسف زلیخا جیسی عزیز اور ایک پیغمبر برحق کی شان میں گستاخانہ کتاب، اگر آج شریعت کی حکومت ہوتی، تو نذر آتش ہونے سے بچ سکتی تھی؟ ملا جامی کے نام کے تقدس کا سہارا خدا اور رسول کی عدالت میں کیا کام دیگا؟ ——

پیام مشرق، زبور عجم، جاوید نامہ، بال جبریل، ارمغان حجاز، ضرب کلیم وغیرہ میں کیا کوئی اس قابل نہیں، کہ ہمارے نصاب سازوں کی توجہ اپنی طرف مائل کر سکے؟ قومیں زندہ وہی رہتی ہیں، جنکے لڑکے اور نوجوان کتابیں بھی زندگی بخش و حیات پرور پڑھتے رہتے ہیں۔

غالیوں میں اتحاد

کسی شیعہ کو ووٹ ہرگز نہ دو، اور چونکہ مسلم لیگ اس اصول کی قائل نہیں، اس لیے اسکے شیعہ دشمنی [illegible] کی مخالفت کرو۔ شیعہ امیدوار کی تو اس لیے کہ وہ شیعہ ہے، اور سنی امیدوار کی اس لیے کہ وہ اینٹی شیعہ نہیں۔ — لکھنؤ کے سنی الیکشن بورڈ نے کہا!

کسی لیگی کو ووٹ ہرگز نہ دو، اس لیے کہ وہ اینٹی سنی نہیں — — یہ شیعہ پولیٹیکل کانفرنس کے صدر نے کہا!

مبارک ہو لیگ کو کہ اسکی ضد میں غالی شیعہ اور غالی سنی متحد ہوگئے!

—— یورپ کی تاریخ میں ایک اصطلاح HOLY ALLIANCE (مقدس یا پاک اتحاد) کی آئی ہے کاش اسکے مقابلہ میں کوئی اصطلاح HOLY ALLIANCE (غیر مقدس یا ناپاک اتحاد) کی بھی ہوتی!

کہ اپنے اور غیر کے سامنے محتاج و ذلیل نہ کر، ہمیشہ بقدر ضرورت رزق عطا فرما۔

ج ۔ اصل سوال اسی بقدر ضرورت پر راضی و قانع ہونے کا ہے۔ ہر شخص نے (الا ما شاء اللہ) اپنی ضرورتیں اس قدر بڑھالی ہیں کہ نمایاں و بیّن "اسراف" کو بھی "ضرورت" ہی میں داخل کرنے لگا ہے۔ محض ضرورت پر اگر قناعت ہو جائے تو آج دنیا کی آدھی مصیبتیں ختم ہو جائیں اور نزدوجماعت دونوں ایک بڑے عذاب سے نجات پا جائیں۔

س ۔ کچھ لکھتے بہت سالگی۔ یا شاید حضرت والا کو تکلیف کا باعث ہو۔ معاف فرمائیں، یہ دلی اثرات تھے جو آپ کے سامنے پیش کر دیے تاکہ کوئی بہتر کام نکل آئے، خادم عمل کرنے کے قابل ہو جائے۔

ج ۔ سب جوابات اوپر آچکے ہیں۔ تھوڑی حد تک فکر و تعب، مشقت تو لازمۂ زندگی ہیں، ان سے مفر کسی حال میں اس عالم آب و گل میں نہیں، لیکن ان میں غلو کرنا، یہ بھی زیادتی ہے۔

س ۔ حضرت والا گزشتہ خط میں خواب کی تعبیر کے ماتحت تحریر فرما چکے تھے کہ خواب دیکھنے والا بدعتوں میں مبتلا ہے، مگر اہل حق سے تعلق مضبوط ہونے کی بنا پر شفا عنقریب ہو جا سکیگا۔ پریشان ہوں کہ بدعتوں سے کیسے چھٹکارا حاصل کروں۔

ج ۔ چھٹکارا حاصل کرنے کی راہ تو وہی ہے، اچھی صحبت، اچھا مطالعہ۔ ان سے بصیرت بھی اپنے اندر حق سے تعلق پیدا ہوتی ہے۔ خضوع و خشوع سے دعائیں بھی بہت معین ہو جاتی ہیں۔ لیکن خود خواب کی تعبیر کو بھی یقینی سمجھ لینا صحیح نہیں۔ محض ایک ظنی و تخمینی چیز ہے۔

س ۔ کونسی بدعتیں خادم کے اندر ہیں

ج ۔ تفصیل کا علم یا خود اپنے کو ہو سکتا ہے یا پھر پروردگار کے ساتھ دینے والے بے تکلف ہمنشیں کو۔

س ۔ اگر رمضان کے آخری دن غروب آفتاب سے پہلے چاند نظر آجائے، تو کیا اسی وقت روزہ افطار کر لینا جائز ہوگا؟

ج ۔ روزہ کا افطار رات کے شروع ہونے سے قبل جائز نہیں، اتمو الصیام الی اللیل۔ اور ظاہر ہے کہ شب کا آغاز غروب آفتاب کے بعد ہی سے ہوگا نہ کہ اسکے قبل سے۔ اس لیے دن چھپنے سے قبل ۳۰ رمضان کو محض چاند دیکھ کر افطار کر لینا جائز نہیں۔

(بقیہ صفحہ ۲)

آپ کے دو امتحان (زرداری اور ناداری) کے پہلے ہو چکے تیسرے امتحان کا دور اب شروع ہو رہا ہے۔ پیمبر برحق (ﷺ) پر بھی یہ وقت پڑ چکا ہے سب کچھ چھین گیا تھا ۔ مدتوں چھنا رہا۔ پھر سب کچھ واپس بھی مل گیا۔ مرتبہ نبوت میں فرق نہ زرداری نے پیدا کیا، نہ ناداری نے

... سلمہا کا مسرت نامہ پہونچا تھا۔ اس دعا نامہ کو وہ بھی پڑھ لیں اور .... سلمہ بھی اور انکی والدہ ماجدہ بھی سن لیں بہرحال اللہ سب کو مبارک کرے۔

لیجیے دو سطروں کا تہنیت نامہ دو صفحہ کا وعظ نامہ بن چلا۔ جی نہ مانا، اور آپ لوگوں کے اخلاص اور شفقتوں کی بنا پر جی نہ مانا کہ میرا سیوں کی طرح خالی خولی مبارکباد کی صدا لگا کر بات ختم کر دی جائے۔

مذہب اور حفظان صحت

حال میں انگلستان کی ایک تعلیمی رپورٹ کو دیکھنے کا موقع ملا۔ اس میں ایک موقع پر ان امور کی تفصیل بیان کی ہے جن کی پابندی کے بغیر کسی بچہ کو پرائمری اسکولوں میں داخلہ کی اجازت نہیں ہے۔ منجملہ دیگر پابندیوں کے رپورٹ میں ایک خاص پابندی کے متعلق لکھا ہے :

> ختنہ پر [illegible] اسکولوں میں بچوں [illegible] کے بیے یہ ضروری [illegible] کیا ہے [illegible] ہوں، کیونکہ تجربہ سے یہ ثابت ہوا ہے کہ بچوں کو ابتدا ہی میں [illegible] طریقہ ختنہ سے [illegible] نہیں ہو سکتا جن اسکولوں میں داخلہ کی یہ شرط نہیں ہے وہاں حفظان صحت کے بعض اہم اصولوں کی رعایت کرنے کے باوجود کامیابی نہیں ہوئی اور بچے ان امراض کا شکار ہوئے بغیر نہ رہے جو ختنہ نہ کرانے کا لازمی نتیجہ ہیں۔

دنیا میں صرف مسلمان اور یہودی ہی دو قومیں ہیں جن میں ختنہ کرانے کا رواج ہے اور سے سنت ابراہیمی کہا جاتا ہے۔ آج سائنس و حکمیات کی جدید تحقیقات سے ختنہ کی افادیت ظاہر ہوئی اور ان متقنین کی صداقت بھی ثابت ہو گئی پیغمبروں نے جس اصول کے بغیر محض باطنی اور الہامی تحریک سے اسکی تعلیم دی یا انسائکلوپیڈیا برٹانیکا میں ذیل "ختنہ" لکھا ہے

تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کسی بڑے عقلمند اور دوراندیش قانون ساز نے ختنہ کا سنگ بنیاد رکھا ہے جبکہ جاری کرنا بہت سے فوائد کا حامل ہے"

ختنہ کی معمولی رسم پر اسلام کے اہم قوانین کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اور ایک جویائے صداقت پر بصیرت کی بہت سی راہیں کھل سکتی ہیں۔ (ندائے حرم)

لاہور میں نیا کعبہ

... مقصد یہ ہے کہ جو چیزیں اسلام میں شعائر اللہ کے حکم میں داخل ہیں وہ بھی ہماری دست درازیوں سے محفوظ نہیں ہیں۔ اسلام کا حکم تھا کہ ذی استطاعت مسلمان عمر میں ایک بار حرم مقدس میں ضرور حاضری دیں اور وہاں جاکر اسلام کے مرکز سے اپنی وفاداری کا اظہار کریں۔ مگر مسلمان کو اس پر صبر اور قناعت کہاں! جب

ایک پُر مغز خطبۂ صدارت

(۱)

(مولانا عبدالرؤف دانا پوری [illegible] صدر جمعیۃ علماء اسلام کلکتہ)

غرض ملک میں ایسی فضا پیدا ہو گئی جس سے مسلمانوں کو یقین ہو گیا کہ ہندو لیڈروں نے لڑائی کا راستہ اس لیے دیا ہے ... پہلے ملک پر بالکل ہندو راج قائم کر دینا چاہتے ہیں۔ اس وقت مسلمانوں نے طے کیا کہ آزادی سے پہلے اپنے حقوق اور مفادات کا انتظام کرنا ضروری ہے مگر عین معرکے کے وقت علیحدگی نہ چاہیے جیسا اس سے پہلے ایک مرتبہ تحریک خلافت کے بعد ہو چکا ہے۔ اسی لیے کانگریس سے علیحدہ اپنا پلیٹ فارم قائم کرنے کا خیال پیدا ہو گیا۔ اس وقت مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور علماء جمعیۃ العلماء، تمام علماء دیوبند، علماء فرنگی محل اور قدیم و جدید خیالات کے سب مسلمان کانگریس کے طرز عمل سے ناراض تھے۔ اور مسلمانوں کی علیحدہ تنظیم کے حامی تھے۔ کانگریس کے ساتھ بہت تھوڑے مسلمان رہ گئے تھے۔

مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد جمعیۃ العلماء نے پھر کانگریس کی تائید شروع کر دی۔ جسکی وجہ سے اس وقت کانگریس اور حکومت کے خلاف مسلمانوں کا محاذ نہ بن سکا بلکہ ایک نیا اختلاف مسلمانوں کے اندر لیگ اور جمعیۃ کی وجہ سے پیدا ہو گیا۔ جمعیۃ علماء ہند پہلے علماء ہند کی واحد سیاسی انجمن تھی اور ہر خیال کے علماء اس میں شریک تھے۔ جمعیۃ نے جب عام مسلمانوں کی سیاسی انجمن مسلم لیگ کے خلاف کانگریس کی امداد شروع کی تو اسکا اثر مسلمانوں میں انتشار کے سوا اور کیا ہو سکتا تھا۔

نتیجہ یہ ہوا کہ بہت مسلمان اس وقت لیگ سے اس لیے جدا ہو گئے کہ سارے علماء لیگ سے علیحدہ ہو گئے ہیں۔ بات یہ نہ تھی، مگر جمعیۃ کی جدائی کا مطلب یہی سمجھا گیا۔ اور اسی طرح بہت سے علماء جو جمعیۃ کے شامل تھے اس لیے علیحدہ ہو گئے کہ جمعیۃ ہندوؤں سے مل گئی ہے۔ لیگ کے اندر بڑی تعداد ایسے لوگوں کی تھی جو تحریک خلافت کے وقت آزادی کے لیے بزرگانہ خدمات انجام دے چکے تھے۔ اور وہی جوش و ولولہ ان میں موجود تھا۔ ایسے لوگ لیگ میں سرکاری آدمیوں کی کثرت تعداد کو پسند نہ کرتے تھے۔ مگر بہر حال مسلمانوں کی تقویت و تنظیم ضروری سمجھتے تھے اور جانتے تھے کہ بغیر سرکاری آدمیوں کو ساتھ رکھے مسلمانوں کی تنظیم ممکن نہیں ہو سکتی۔ اور کانگریس بھی پہلے سرکاری آدمیوں کے آغوش میں پل کر جوان ہوئی ہے۔

مولانا محمد علی مرحوم اسی آخری جماعت کے ہمخیال تھے۔ وہ مسلمانوں کو منظم کرکے حکومت اور کانگریس کے مقابل مسلمانوں کا ایک متحدہ قومی محاذ بنانا چاہتے تھے۔ وہ جمعیۃ العلماء کے خلاف تھے مگر مسلمانوں کو صحیح راستہ پر منظم کرنے کے لیے علماء کی ایک متحدہ قوت مسلم لیگ کے ساتھ رہنا ضروری سمجھتے تھے۔ اس لیے انکی کوشش سے ایک دوسری جمعیۃ العلماء اسی وقت بن گئی جس میں علماء فرنگی محل، بدایوں، رامپور اور کانپور وغیرہ شامل ہوئے اور اس اختلاف کے بعد علماء اہلحدیث عموماً دونوں جماعتوں سے علیحدہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ اور جمعیۃ العلماء کی وہ اجتماعی قوت باقی نہ رہی۔

وہ زمانہ مسلمانوں کے اضطراب و پریشانی کا زمانہ تھا۔ ہندوؤں کے طرز عمل سے پریشان ہو کر من حیث القوم وہ کانگریس سے جدا ہو گئے تھے اور اپنی تنظیم علیحدہ کرنا چاہتے تھے۔ مگر سرمایہ کی قلت اور تجربہ کار رہنماؤں کی کمی کی وجہ سے تنظیم کی بہت سی اسکیمیں ناکام رہیں اور ہندوؤں نے ارادہ کر لیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو مسلمانوں کو ایک مرکز پر جمع نہ ہونے دیا جائے۔ دھمکی، لالچ اور خوشامد ذرہ ذرہ کر کے مسلمانوں کو جماعت سے علیحدہ رکھنے کی کوشش کی گئی۔ غلط پروپیگنڈے کے ذریعہ مسلمانوں کو مسلمان رہنما سے جدا رکھنے کا اہتمام کیا گیا۔ ہندو حکام نے ان پر کھلی بے انصافیاں کیں۔ ہندو زمینداروں نے مسلمان رعایا پر ظلم توڑے اور بے شمار زیادتیاں کیں۔ قربانی اور مسجد کے سامنے باجہ بجانے کا بہانہ بنا کر ملک میں فسادات برپا کر دیے گئے۔ بہت سے مسلمان قتل کر دیے گئے۔ بہت سے زخمی کر دیے گئے۔ بہت سے خاندان تباہ کر دیے، بہت سی مسجدیں برباد کر دی گئیں یا ان کی بے حرمتی کی گئی۔ شاہ آباد کے پورے ضلع میں تباہی برپا کر دی گئی اور مسلمانوں کی سیکڑوں بستیاں برباد کر دی گئیں۔ مظالم اتنے سخت اور اتنے زیادہ ہوئے کہ ہر مسلمانوں کو مایوس اور ساکت کر دینے کے لیے کافی تھے۔ مگر ہندوستان کی بائیس کروڑ ہندو آبادی کی طرف سے کبھی کسی سانحہ میں نہ ظالم ہندوؤں پر ملامت کی گئی، نہ مسلمان مظلوموں کے ساتھ صرف لفظی ہمدردی کا اظہار ہی کیا گیا۔ حکومت کانگریس کی طاقت سے مرعوب تھی یا حکومت کی مشینری حکومت کے اختیار سے باہر تھی۔ شاہ آباد، بہار، دربھنگہ اور بھاگلپور وغیرہ کے فسادات نے ثابت کر دیا ہے کہ لا اینڈ آرڈر کی موجودہ مشینری ملک کے منظم فرقہ وارانہ فسادات کو روک دینے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ خود مسلمان فسادات کی جگہ تعداد میں بھی بہت کم تھے اور غیر منظم بھی تھے کچھ نہ کر سکے۔

افسوس یہ ہے کہ ان تمام مظالم کے بعد بھی مسلمان اپنی تنظیم سے اور اپنی قوت کو مجتمع کرنے سے غافل رہے۔ تنظیم کے نام سے کمیٹیاں قائم ہوئیں اور ٹوٹ گئیں کچھ نہ کر سکیں۔ مولانا محمد علی مرحوم نے جمعیۃ علماء قائم کی تھی۔ مگر اسکا کہیں پتہ بھی نہ رہا۔ جمعیۃ علماء ہند بڑے بڑے ذی اثر تجربہ کار علماء کی پرانی جماعت ہے۔ اسکے اراکین خود شکستہ رہے، ارتداد کے میدان میں انکو خود مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ باوجود اسکے نہ انھوں نے مسلمانوں کو منظم کرنے کی پرواہ کی نہ ہندوؤں کا ساتھ چھوڑا۔

میں ان حضرات کو اپنا پیشوا سمجھتا ہوں، مگر اتنا عرض کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنے کا یہ قاعدہ نہیں ہے کہ اپنی قوت کو مجتمع کرنے سے غفلت کی جائے۔ آزادی کے لیے مقدم

خانقاہ و خلافت

سیاسیات کا تعلق روحانیات سے

(از مولوی شاہ ابو احمد غلام دستگیر صاحب - گلبرگہ - دکن)

تقویٰ عملی طور پر وہ قلبی کیفیت اور صلاحیت ہے جو نفسانی خواہشات سے علیحدہ ہو کر کسی انسان کو نیکی کی طرف رجوع ہونے کے لیے آمادہ کرتی ہے - تقوے کا ادنیٰ درجہ اسی فطری صلاحیت کے کسی نہ کسی درجے پر موجودگی کا نام ہے، جو باوجود ماحول کی گندگی اور سالہا سال کی بداعمالی کے ختم اللہ علیٰ قلوبہم سے قبل فنا نہیں ہوتی - تقوے کی تدریجی بلندی اسی کیفیت و صلاحیت کی قوت حاصل کرتے ہوئے تمام نیک اور حدود الٰہی کی نگرانی کرتا ہے - اس قوت کا تدریجی حصول ایمان، عبادات اور عمل صالح پر منحصر و موقوف ہے - حصول فلاح کے لیے ہدًی للمتقین الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰہم ینفقون - کی شرط لگائی گئی ہے - اس تقوے سے مراد ہی عمل اور کم درجہ کی صلاحیت ہے اور بتدریج بلندی پر اولٰئک علیٰ ہدًی من ربہم واولٰئک ہم المفلحون کی بشارت دی جاتی ہے -

یہ تقوے کی فطری قوت و صلاحیت انسان کو پس پردہ عالم سے لگائے رکھتی ہے - اس کی پہلی منزل یؤمنون بالغیب میں قدم رکھنا اور پس پردہ عالم سے آنے والے پر ایمان لانا ہے - ہر حاضر دربار ہونے والا تقوے کی صلاحیت فطری کی بنا پر آپ کی دعوت الی اللہ میں، آپ کی سیرت و کردار میں، آپ کے اخلاق و صفات حسنہ میں، آپ کے عدل و انصاف میں، آپ کی مساوات میں، آپ کے عفو و کرم اور آپ کی شفقت میں، آپ کے عزم و ثبات اور استقلال میں، آپ کے چہرہ پر برسنے والے انوار میں، ایمان و ایقان سے معمور نظر و دل کی تابانی پر یتلوا علیہم آیاتہ کی تفسیروں کو پاتا ہے - انہی آیات بینات کے تسلسل و تکرار سے حاضر ہونے والے کے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے - پھر وہ قرآن و حکمت کو پاتا ہے - لا یمسہ الا المطہرون، تنزیل من رب العٰلمین الم نشرح لک صدرک اور انا اعطینٰک الکوثر کے انوار سے ہر مومن فیض پاتا ہے - صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ - رسول برحق کے رنگ میں رنگ جاتا ہے اور ہر صحابی کا دیکھنے والا اور رسول برحق کا اقرار کرنے والا سیرت صحابہ سے فیضیاب ہوتا ہے - اصحابی کالنجوم فبایہم اقتدیتم اہتدیتم - قرآن و حکمت سے منازل ترقی پر گامزن ہوتا ہے -

اس عالم کے صفحات پر خاتم النبیین کے اخلاق حسنہ، سیرت و کردار اور سراپا انوار مجسم اور منقش ہیں، اور قرآن کی تعلیمات انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون، کلی طور پر محفوظ ہیں - قرآن سیرت و کردار نبوی کی تصدیق کرتا ہے - اور سیرت و کردار نبوی عملی طور پر اس کی تفسیر ہیں - ہر طالب حق، قرآن و سیرت ہر دو کو پیش نظر رکھتے ہوئے تقوے کے ادنیٰ درجے سے بلند مدارج کو پا سکتا ہے - نفوس قدسیہ سیرت و کردار نبوی کے باعمل ترجمان ہوتے ہیں - اس لیے ان کی صحبتوں سے فیض پہنچتا ہے -

مجرد فہم و ادراک اور شعور و فکر کا تعلق عالم مادی سے ہے - احساسات و تجربات سے انکی نشوونما ہوتی ہے - انسانی کلام انہی احساسات کی شکل و صورت اور آواز ہے - تعلیم و تعلم ان تمام احساسات انسانی کے ہزارہا سال کے پیدا کردہ محفوظ تجربات ہیں -

تقوے کا تعلق عالم باطن سے ہے اور عبد و رب کا تعلق اسی تقوے سے ہے - ان تعلقات کی وضاحت آفاق و انفس میں اللہ کا کلام ہے - ذٰلک الکتٰب لا ریب فیہ ہدًی للمتقین، اللہ کا کلام عالم باطن کے تعلق سے بصورت نطق و آواز ہے - اس کلام سے مخاطب بقدر استطاعت و استعداد عبد و رب کے تعلقات روشن ہوتے ہیں - اسی علم ہی کے تحت فہم انسانی و جذبات انسانی کی صحیح تربیت و نشوونما ہوتی ہے -

کلمات بصورت کائنات انسان کو تغیرات ارضی و سماوی سے اسباب و علل کی کڑیوں میں پرو کر سمجھاتے ہیں - اور اللہ کا کلام بغیر اسباب و علل کے انسانوں کی اندرونی و باطنی و اختیاری قوتوں کو عالم باطن کا انکشاف کر کے تقویت پہونچاتا ہے - استغفار، توبہ و دعا و استجابت و مغفرت اسی راست تعلق و قربت کا اظہار کرتے ہیں یہاں اسباب و علل اور تدریجی ارتقاء کی تمام نظر آنے والی کڑیاں ٹوٹ پھوٹ جاتی ہیں اور مجرد عقل والے یہاں حیران و سرگرداں ہیں - انبیاء کی نبوت کسب نہیں ہوتی - یہ فطری صلاحیتوں کی جاگزیں شدہ طاقت نہیں یہ وہ قوت نہیں جو سوتی ہے اور پھر بیدار ہوتی ہے - یہ ہمیشہ بیدار رہتی ہے - کذٰلک اوحینا الیک روحًا من امرنا ما کنت تدری ما الکتٰب ولا الایمان ولٰکن جعلنٰہ نورًا نہدی بہ من نشاء من عبادنا - یہی روح اور نور ہے جو اللہ اور اس کے رسول سے ایمان لانے والے پاتے ہیں - اومن کان میتًا فاحییناہ وجعلنا لہ نورًا یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منہا -

تزکیہ باطنی تو قوتوں کا باطن سے محفوظ شدہ کیفیات اور مسلسل طاری ہونے والی کیفیات سے اجاگر ہو جاتا ہے - اس مقام پر علم الیقین، باطن سے حق کی عطا کو پا کر، تو اس پر کائنات پر حاکم اور متصرف نظر آتا ہے - مادیات سے آگے کا قدم تو اس میں اس کائنات پر حاکم و متصرف نظر آتی ہے - یہ فکر اور ذکر مسلسل ہے - الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبہم ویتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ہٰذا باطلًا سبحٰنک فقنا عذاب النار - عبد و رب کے ان تعلقات کی استواری اور تزکیہ سے تمام نفسانی خواہشات جاہ و دولت و حکومت مٹ جاتے ہیں - وہ الہٰکم التکاثر حتیٰ زرتم المقابر سے بچ جاتا ہے -

انسانی نظروں کے آگے اس عالم کی رنگا رنگی اور نفوس انسانی کا ایک طوفانی سمندر موجزن ہے - اندرونی قوتوں کی بیداری کے بعد اس عالم مادی سے ان جاگزیں شدہ قوتوں کا تقابل ہوتا ہے - دل سے اٹھنے والی قوت جو نفوس انسانی کو

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ :- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجیے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلات اس پتہ پر کیجائے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ ۸ روپے
" ششماہی ۴ روپے
بیرون ہند سے ۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

رجسٹرڈ نمبر ل ۱۳۹۱

نمبر ۶۰ | شنبہ ۱۶ محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲- دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

"بھوپال کے مشہور بڑے میاں (پولیس کے پنشنر) نے بالآخر ۱۴۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ آخر وقت تک اچھے خاصے تندرست رہے۔"

"اسکاٹ لینڈ کے ایک پیرمرد نے ۱۱۵ سال کی عمر پاکر انتقال کیا۔ موت سے کچھ ہی عرصہ قبل تک چلنے پھرنے کی عادت قائم تھی۔"

یہ دو محض تازہ نمونے ہیں۔ وقتاً فوقتاً اس طرح کی خبریں شائع ہی ہوتی رہتی ہیں۔ فلاں کی عمر اتنی ہوئی اور فلاں کی اتنی۔ سن سن کر حیرت ہوتی ہے کہ الٰہی آخر یہ کس طرح سے سو سو برس سے اوپر تک جیے —— انسان، زندگی کا حریص، دماغ میں حیرت پیدا ہونا، اور زبان پر ایسے سوال آنا بالکل قدرتی۔ لیکن اصل شے ذہن میں رکھنے کی یہ ہے کہ جس زمانہ میں ان لوگوں نے آنکھیں کھولیں، وہ آج کا نہیں، آج سے سوسوا سو برس قبل کا تھا! اُسوقت احوال کے لیے خیال ہی ۱۹۴۵ء کا کیوں کیا جاتا ہے۔ خیال تو ۱۸۲۵ء یا ۱۸۳۰ء کے احوال کا کرنا چاہیے۔ حیرت خود بخود کم ہو جائیگی۔

اُسوقت یہ "زنانا" کہاں تھیں۔ اُس وقت یہ بجلی کے قمقمے جلتے ہوئے کہاں تھے! یہ بجلی کے پنکھے کتنے گھروں میں تھے؟ یہ ریڈیو ہر وقت کہاں بولتے رہتے تھے! یہ ملوں، کارخانوں، دریوں کا دھواں کہاں چھایا رہتا تھا؟ یہ موٹروں، موٹر سائیکلوں، لاریوں، بازاروں، بگھیوں، سائیکلوں کا شور و شغب ہر وقت کہاں برپا رہتا تھا! ہماری رفتار بلکہ ہوا کو گرد وغبار بنا دینے والی سواریوں نے کب انسان کے قدرتی اعضاء نقل و حرکت کی جگہ لے لی تھی؟ یہ گلی گلی آئس کریم اور ملائی کی برف کہاں بک رہی تھی؟ یہ لیمونیڈ، سوڈا، بلیئر واٹر کی گرم بازاری کب تھی؟ بیڑی، سگرٹ، سگار، ہر ایک کے لب آشنا کب ہوتے تھے؟ یہ غذا، دوا، ہر قسم سے ہر چیز نقلی، گھی نقلی، شکر نقلی، دودھ نقلی، کب ایجاد ہوچکے تھے؟ یہ رات رات بھر سینما اور تھیٹر کہاں ہوا کرتے تھے؟ —— سادہ زندگی تھی۔ سادہ کھانا، سادہ قدرتی پانی، سویرے سویرے اٹھنا، اپنے ہاتھ پیر سے پورا کام لینا، جسمانی محنت کرنا سب کا معمول تھا۔ کان، آنکھ، معدہ، قلب، دماغ، جگر، ہر عضو کو تھکا دینے والے، اُسے مشتعل کر کرکے اُس پر بار ڈال دینے والے شغلے کب فیشن میں داخل تھے؟ اُس ماحول میں پلنے اور بڑھنے والا اگر سو سوا سو برس تک جی گیا، تو اس میں اتنی زیادہ حیرت کی بات ہی کیا ہے؟ آج بھی دیہاتیوں کا اوسط عمر کیا ہے، اور شہریوں کا کیا؟

کام کی رفتار

تاج کمپنی کی اطلاع ۹ دسمبر کے مکتوب میں:— "پارۂ سوم پریس میں جا چکا ہے، لیکن کمپوزیٹروں کے نہ ملنے سے کمپوز کرنے کا کام ابھی رکا ہوا ہے"

پارۂ دوم (انگریزی) کے طبع و شائع ہو جانے کی اطلاع کئی ہفتہ قبل انہیں صفحات میں نکل چکی ہے۔

اُردو تفسیر کا کام سردست رکا ہوا ہے۔ پارۂ دوم سے پارۂ پنجم تک کا مسودہ نظر ثانی کے بعد پریس میں جانے کے لیے صاف ہو رہا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلات اس پتہ پر ہوں:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی صر
بیرون ہند سے ۱۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۶۱ | چہار شنبہ - ۲۱ - محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶ - دسمبر ۱۹۴۵ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

(از صاحب معارف مولانا ڈاکٹر سید سلیمان ندوی مدظلہ)

عجیب بات ہے کہ لڑائی ہوئی تو عیسائی قوموں میں، مگر اس لڑائی کے خاتمہ پر اسکا خمیازہ مسلمان قوموں کو بھگتنا پڑ رہا ہے۔ ترکی سے "ارمنستان" کے دو شہر اور ایران سے آذربائیجان کا باقی صوبہ روس کو چاہیے۔ جاوا اور سماترا کے مسلمان انگریزی سنگینوں کے زور سے پھر ہالینڈ کے تابع بنائے جا رہے ہیں۔ فلسطین میں امریکہ اور انگلینڈ کی مدد سے یہود کی ریاست کا انتظام درپیش ہے۔ شام اور لبنان میں فرانس پھر سے اپنا قبضہ جمانا چاہتا ہے۔ شمالی افریقہ میں آزادی خواہ عربوں کو قید و بند اور پھانسی کی سزائیں مل رہی ہیں۔ افریقہ میں انجیریا کی اسلامی ریاست اصلاحات کے مطالبہ سے بھی محروم بتائی جا رہی ہے۔ مصر ابھی تک انگریزی فوجوں سے خالی نہیں ہوا ہے۔ کیا یہ صورت حال ہر سمجھدار مسلمان کی آنکھیں کھولنے کیلیے کافی نہیں؟

آجکل مسلمان اہل سیاست میں علماء کو برا کہنے کا عام رواج ہو رہا ہے۔ اب علماء جمعیۃ علماء اسلام نے ہمت کرکے انکی تائید میں آواز بلند کی ہے۔ اور اب یہ نہیں کہا جا سکتا کہ علماء عموماً مسلمانوں کی موجودہ اکثری سیاست سے علیحدگی برت رہے ہیں۔ تو کیا اب یہ امید کی جائے کہ ہمارے دوستوں کے گزشتہ طرز عمل میں کوئی تبدیلی ہوگی؟ کسی قوم کی حالت کا اس سے زیادہ برا منظر اور کیا ہوگا، کہ اس کا نقطۂ دلچسپ منتشر نسبت، بدگوئی اور باہمی طعن و طنز ہو۔

فساد کی جڑ "فلسطین دنیا کے تین مذہبوں مسیحیت، یہودیت اور اسلام کے لیے ایک ارض مقدس ہے، محمد کے اعجازی سفر آسمانی کا راستہ چونکہ یروشلم ہی سے ہو کر تھا، اس لیے یہ شہر مسلمانوں کے لیے بھی دنیا کا دوسرا مقدس ترین شہر ہے۔ اور یہی ایک بڑی وجہ ہے اس حقیقت کی کہ فلسطین کا معاملہ تاریخ کے ہر دور میں بہت نازک رہا ہے، اور یہی .... اور اس مسئلہ کے ساتھ ہی بہتوں کے جذبات بھڑک اٹھتے ہیں، زائرین بیت المقدس کو یہ دیکھ کر حیرت ہی ہوتی ہے اور رنج بھی، کہ تینوں مذہبوں کے لوگ ایک ہی مقام کو مقدس بھی کہے جاتے ہیں اور پھر اسکے متعلق لڑے جاتے ہیں۔ کاش تینوں مذہبوں کے موجودہ پیشوا و سردار دوستانہ طور پر مل کر آپس میں میل مصالحت کا کوئی راستہ نکال لیں!" (آبزرور، لندن، ۲۸ - اکتوبر ۱۹۴۵ء)

سیاسی و آئینی مصالحت کی صورت تو جو کچھ بھی ہو، دینی مصالحت تو اسی سے ظاہر ہے کہ اسلام ہی ایسا مذہب ہے جو اسحٰقؑ اور یعقوبؑ اور موسیٰؑ پیمبران یہودیت کی بھی عزت و احترام کرتا ہے، اور عیسیٰؑ و یحییٰؑ پیمبران مسیحیت کی بھی تصدیق کرنا لازمی سمجھتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں یہود و نصرانیوں کا طرز عمل پیمبر اسلامؐ کے متعلق کیا ہے؟ بجز عناد و سب و شتم کے اور بھی کچھ ہے؟

"مشرقی" افلاس "زندگی کے جس ابتدائی دور کی طرف جرمنی کو واپس آنے پر جنگ نے مجبور کر دیا ہے، اس میں اور مشرقی ممالک کے غریبوں کی زندگی میں بہت بڑی مشابہت و مماثلت ہے۔ مشرق میں کوئی چیز کیسی ہی ردی اور بوسیدہ ہو، غریبوں کے کام کسی نہ کسی طرح آ ہی جاتی۔

حکیم الامت

نقوش و تاثرات

(۱۹)

از عبد الماجد

جوابی ارشادات [علامت "ا"] مع میرے ملخص معروضات [علامت "م"] کے ملاحظہ ہوں :-

م- سچ میں ادارت سے ایک مضمون احادیث رجال پر نکل رہا ہے۔ کل پرچے یکجا کرکے ارسال خدمت ہیں۔ اگر حسب فرصت ان پر ایک نظر کر لی جائے تو مجھے استفادہ کا بہت موقع مل جائے۔

ا- مشکل سے آج کچھ وقت ملا۔ خیال تھا کہ آج ہی روانہ کر دوں مگر ایک صاحب بیچ میں آگئے اس لیے کامیاب نہ ہو سکا۔ انکے جانے کے بعد ڈاک نماز کا وقت نہ رہا۔

[یہ واقعی حماقت تھی کہ اتنا بڑا پلندہ مولانا کی نہایت درجہ مشغولی کا خیال کیے بغیر روانہ کر دیا تھا۔ مولانا آج کا کام کل پر رکھنا جانتے ہی نہ تھے۔ فرط اخلاق سے ضروری کاموں کا ہرج کرکے ادھر متوجہ ہوگئے۔ یہ جملۂ معترضہ تھا۔ اب آگے اصلی ارشادات پھر نقل ہو رہے ہیں]

ا- مفصل دیکھنا تو مشکل تھا لیکن سرسری مطالعہ بھی غالباً مفصل مطالعہ کی طرح کافی ہوگیا۔ ہر دو پر نہایت مختصر اصولی جواب لکھ دیا ہے اب ضرورت اسکی ہے کہ کوئی صاحب علم اصل مضمون کو مطالعہ کریں اور میری مختصر عرضداشت ذہن میں رکھیں، تو امید ہے کہ کوئی جزو بلا جواب نہ رہا ہوگا۔

اسکا ضرور قلق ہے کہ اخبار سچ کے عموماً لوگ معتقد ہیں۔ اس میں شائع ہونے سے مضمون کو سچ ہی سمجھے ہونگے اور باطل میں مبتلا ہوگئے ہونگے۔ اس لیے میں نے پہلی یا دوسری ملاقات میں زبانی یا تحریراً عرض کیا تھا کہ کوئی مضمون دینی بدون ملاحظہ مولانا حسین احمد صاحب کے شائع نہ کیا جائے۔ معلوم نہیں، کب تک اس سے قلق رہیگا۔ اصل سبب اس توسع کا مذموم نہیں، یعنی حسن ظن۔ لیکن ہر شے کے حدود ہوتے ہیں۔ حسن ظن کی بھی ایک حد ہے۔ اس سے تجاوز ایسا ہے جیسے غذائے لطیف و مقوی کی مقدار معقول سے تجاوز کرکے تخمہ کا سبب بنتا ہے۔ چنانچہ شیخ شیرازی نے جہاں گلستاں میں حسن ظن کی تعلیم فرمائی ہے ؎

هر کرا جامہ پارسا بینی — پارسا دان و نیک مرد انگار

وہاں بوستاں میں اس کی حد بتانے کو یہ بھی فرمایا ہے ؎

نگہ دار آں شوخ در کیسہ دُر — کہ دانی ہمہ خلق را کیسہ بُر

یعنی قبل تجربہ و امتحان سب کے ساتھ معاملہ احتیاط کا کرے۔ اسی طرح

تر شاع :

ہر صالح صورت عالم نام کا ادب و عظمت تو ضروری ہے، مگر اسکی تحریر و تقریر کے ساتھ کوئی ایسا معاملہ کرنا جسکا اثر اپنے نفس پر یا دوسروں کے نفس پر ایسے رنگ میں ہو جو بڑی خطرناک ہے یہ حد سے تجاوز ہے الا ان یشہد لصحتہ من کان موثوقاً بہ بدلیل صحیح۔

میرا یہ معروضہ اگر موجب ثقل ہو معافی کے بعد بے تکلف مطلع فرمایا جائے تاکہ آئندہ صرف دوستی کا علاقہ رکھوں اور مشورہ میں قدم نہ رکھوں۔ والسلام۔ اشرف علی۔ اور کا ٹکٹ لگا کر پرچے خدمت میں مرسل ہیں۔

مولانا کی اصل تنقید تو آگے چل کر آئیگی، سردست دادِ مکتوب کی جامعیت، بدحقت کی دے لینے دیجیے۔ تبلیغ کی تبلیغ اور پھر اتنی نرم و شیریں زبان میں! —— حق، کون کہتا ہے کہ ہمیشہ کڑوا ہی ہوتا ہے؟ —— تنقید مضمون نگار کے اصل مضمون پر جو ہوئی وہ تو ہوئی، باقی خود اڈیٹر کی تنبیہ بھی بہت برمحل رہی۔ اسے بتا دیا گیا کہ اڈیٹر کی ذمہ داری بہت بڑی ہوتی ہے۔ ہر رطب و یابس کو چھاپ دینا اسکا کام نہیں۔ مضامین اگر گمراہ کن ہیں تو اشاعت باطل کی ذمہ داری سے وہ بچ نہیں سکتا۔ اور "الدال علی الخیر" پر جب اجر موعود ہے تو "الدال علی الشر" پر کیوں نہ وعید موجود ہو؟ مولانا کو اپنے اس نیازمند کی خاطر بہت عزیز تھی، اور یقیناً وہ اسکے معاملات میں بڑی رعایت اور مروت کو دخل دیتے تھے، اس سے بہت ہی رواداری برتتے تھے۔ تاہم اصلاحی شان سب پر غالب تھی۔ اور اپنے مخلصوں، نیازمندوں، خادموں کو وہ ضرورت کے موقع پر اور ضرر دینی سے بچانے کے لیے نہ ٹوکنا، قرین دانش و صداقت کے خلاف، اور بجا طور پر خلاف سمجھتے تھے —— طبیب کی دوستی اور خیر اندیشی یہی ہے کہ وہ مریض پر نہیں، مریض کے مرض پر نظر رکھے!

خط میں دو باتیں اور بھی عرض کی گئی تھیں۔ اور وہ تمامتر ذاتی تھیں۔ ایک سوال یہ تھا کہ جہری نماز پڑھانے میں بڑا تکلف ہوتا ہے، سہو کثرت سے ہونے لگتا ہے، خصوصاً جب یہ علم ہو کہ نمازیوں میں کوئی حافظ یا نیم حافظ موجود ہے۔ اسکا کیا علاج ہے؟ جواب آیا:-

"ضعف قلب و ضعف دماغ اسکا سبب ہے۔ اسکے دو علاج ہیں، ایک قرأت طویل نہ پڑھنا، دوسرا علاج حق تعالیٰ کی طرف یا خانہ کعبہ کی طرف توجہ رکھنا"

پہلے علاج یعنی اختصار قرأت پر عمل تو پہلے ہی سے تھا۔ دوسرے علاج میں جو شق ثانی ارشاد ہوئی، یعنی خانہ کعبہ کی طرف مرکزیت توجہ یہ حکیم الامت کے مخصوصات میں سے ہے۔ اور تجربہ سے معلوم ہوا کہ ہم جیسے عامیوں کے حق میں یہی مشورہ بہترین ہے، خاص کر ان لوگوں کے لیے جو زیارت بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ایک مادی صورت، صورت خانۂ کعبہ کا تصور جتنا

علوم فارسی

(از مولوی عبد الرؤف خاں صاحب نائب ناظم مدرسہ عربیہ انگرامدگنج ضلع بستی)

صدق ۵۔ دسمبر ۱۹۳۵ء میں مروجہ منشی کامل و دبیر کامل کے فارسی تعلیم و تکمیل پر حضرت مولانا دریابادی نے جرح کا ایک ادارتی نوٹ دیکھ کر میرا پرانا خیال تازہ ہو گیا۔

میں عرصہ سے فارسی کے رائج موجودہ نصاب تعلیم میزان منشعب، صرف میر، نحو میر وغیرہ کو دیکھ کر یہ حیرت کرتا تھا کہ آخر ہمارے اس نظام تعلیم میں فارسی زبان کب تک صالح اور مفید عنصر سمجھا جاتا رہیگا۔ اگر یہ کتابیں اردو میں منتقل ہو جاتیں تو کم از کم اس حیلہ سے اردو زبان کی اہم خدمت ہو جاتی اور ایک پنتھ دو کاج کا مضمون پیدا ہو جاتا۔ سوچیے کہ عربی زبان تو اس لیے ضروری ہے کہ اس میں ہمارے مذہبی تعلیمات اور اسلام کا اصلی سرچشمہ موجود ہے اور اُردو اس لیے کہ ہندوستان میں ہماری یہ قومی اور ملکی زبان ہے اور تفاسیر و احادیث و مسائل دین کا بہت بڑا سرمایہ اس میں منتقل ہو چکا ہے۔ پس عربی کی قدر باعتبار مذہب کے اور اُردو کی ضرورت باعتبار خدمت ملک کے ایسا مہتم بالشان واقعہ ہے کہ اسکا انکار مکابرہ ہے۔ مگر آخر فارسی کس مرض کی دوا ہے۔ اور ملیبہ یوسف زلیخا اور نو طرز مرصع، رقعات مرزا قتیل، دیوان نظیری وغیرہ میں ٹکر ٹکر پرانی شاعری اور تغزل کے مذاق سے کیا حاصل کر سکتے ہیں۔ نہ یہ زبان مذہبی ہے نہ خود حکومت کی دلپسند ہے۔ پھر ایسی زبان میں عمروں کو اور قیمتی وقتوں کو گنوا دینے سے کیا حاصل؟ الحمد للہ کہ ہمارے مدرسہ سراج الاسلام میں بجائے گلستاں، بوستاں، اخلاق محسنی تک حکایات حکمت و نصائح کے پیش نظر تعلیم دی جاتی ہے اور میزان، پنج گنج، نحو میر کی جگہ پر اُردو میں مولانا مشتاق احمد صاحب چرتھاولی کی جدید و مفید کتابیں تعلیم دی جاتی ہے

پھر یہ تاریخی حقیقت بھی نہ بھولیے کہ حکومت انگریزی نے فارسی تعلیم کو تو خود دفع الوقتی کے طور پر رائج کیا تھا۔ سرسیدؒ نے لکھا ہے کہ جب انگریزی تعلیم کی قدر دانی سے عام طور پر رجحان انگریزی کی طرف ہونے لگا تو شروع شروع میں عہدے تو خوب ملے لیکن بعد کو انگریزی خوانوں کی بیکاری ہونے لگی۔ اس لیے انگریز مدبرین نے حمایت علوم مشرقی کے حیلہ سے لوگوں کو ادھر ملتفت کرنے کے لیے اسکے بھی اسکول کھول دیے۔ چنانچہ سرسید نے اپنے شکایت نامہ میں بھی اسکو صاف لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو مسلمانوں کا روشن مستقبل۔

بہر حال مقصود یہ ہے کہ اگر حکومت کو دبیر کامل اور منشی فاضل کی پالیسی کو نبا ہنا ضروری ہے تو حضرت علامہ اقبالؒ کی حکیمانہ کتابیں پیام مشرق، زبور عجم وغیرہ کو مولانا دریابادی کے خالص دانشمندانہ و مخلصانہ رائے کے مطابق نصاب فارسی میں قطعی ڈال دینا چاہیے اور مدارس و مکاتب سرکاری و غیر سرکاری کو گذشتہ صدیوں کے لا یعنی طومار بندیوں کے دفاتر سے مروجہ نصاب کو پاک و صاف کر دینا چاہیے۔

شیعیان مدینہ

اس سال جو حاجیوں کا قافلہ مکہ اور مدینہ کی زیارت سے واپس آیا اس میں ہماری آل انڈیا شیعہ کانفرنس کی مرکزی کمیٹی کے ممبر سید اکبر حسین صاحب آنریری پریذیڈنٹ بھی واپس آئے ہیں۔ مجھ سے معلوم ہوا کہ تمامی مدینہ میں تقریباً چار ہزار شیعہ ہیں جن میں زیادہ تر وہ ہیں جنکا تعلق اہلبیت علیہم السلام کی غلامانہ حیثیت سے تھا، بہت تھوڑے سے ایسے گھر شہر کے بہت تھوڑے سے ایسے گھر کے شہر کے قریب اور مضافات میں ہیں جو معلوم ہوتا ہے کہ سابق عہد کے خطا طہرے ہیں اور اپنی جان و ایمان کے تحفظ کے لیے دیہاتوں میں کچھ دور جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اور وہ نسل بنی ہاشم سے ہیں۔ مدینہ کے شیعوں سے اور دیگر زعمائے اسلام سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ شیعوں نے قصابی، ترکاری فروشی وغیرہ کے قسم کے پیشے اختیار کر لیے ہیں۔ ایک صاحب جو قصابی کا پیشہ کرتے ہیں، شب کو انھوں نے عربی زبان میں ایک مجلس پڑھی۔ (سرفراز)

صدق۔ یہ اعداد اور یہ حالات خدا معلوم کس حد تک صحیح ہیں۔ نقل اسی امید پر شایع کی جاتی ہے کہ باخبر ناظرین سے عجب نہیں کہ روایت کی پوری تحقیق ہو جائے۔

دوائے دیمک

(از عبد الماجد)

پچھلے دنوں مکان میں دیمک پیدا ہوئی۔ پہلے معمولی بات سمجھ کر کچھ زیادہ فکر نہ ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے خود مکان اور مکان کے اندر کی تمام چیزوں کا صفایا شروع کر دیا۔ تنہا کتابوں ہی کا نقصان سیکڑوں تک کا کر دیا۔ بیسیوں نئی اور پرانی، قیمتی سی قیمتی کتابیں بیکار کر دیں۔ تارکول، ہلدی کا پلاسٹر، سرکہ، بہار کا نمک، کافور کے چھڑکے، وغیرہ جتنی دوائیں علم میں آئیں، سب کر دیکھی گئیں۔ تقریباً بے نتیجہ رہیں۔ مہینوں گزر گئے، اور مصیبت بدستور رہی۔ حال میں ایک انگریزی دوا تجربہ میں آئی، اور خدا کا شکر ہے کہ وہ پوری طرح کامیاب و موثر ثابت ہوئی۔ کئی ہفتے ہو گئے، اور جہاں جہاں وہ دوا چھڑکی گئی، وہاں دیمک کا اب تک پتہ نہیں۔ یہ مصیبت چونکہ عام ہے، خلق خدا کی منفعت کے لیے دوائے مذکور کا نام و پتہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

نام: Cowon's White Ant Exterminator

قیمت عمر رو پیکاری۔

پتہ: Bez... & Co. 10 Radice Road Lucknow

فوجی، صنعتی غرض تمام شعبوں میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ اس دلیل سے بیک جنبش قلم اس چیز کو جو کل تک صرف "مباح" کے مقام پر تھی، فرض کفایہ کے درجہ پر پہونچا دیا۔ دین میں بھی ترمیم (دین میں یہ ترمیم تھی، علماء کا رات دن ہی کے سامنے اجتہاد نہ تھا تا قد) تھی جس کی بدولت بڑے بڑے متقی و دیندار حضرات شبیہوں کو گوارش دیتے ہوئے وکالت و منصفی کے پیشوں میں داخل ہوئے۔"

یہ ہے مولانا مودودی صاحب کی تنقید علماء اسلام کے ان فتاوی کی بابت وقتاً فوقتاً صادر فرمائے۔ ان میں سے کوئی فتوے مولانا مودودی صاحب کے نزدیک ایک جائز شرعی اجتہاد کا درجہ نہیں پاتا، بلکہ یہ سب فتاوی بہانے اور حیلے ہیں، یا شرع اسلامی میں ناجائز ترمیمیں۔

میں نے "حکومت وقت" کا لفظ قصداً استعمال کیا ہے کیونکہ مولانا مودودی صاحب اور جماعت اسلامی کے نزدیک خلفائے راشدین کی حکومتوں کے بعد جملہ اسلامی حکومتیں بھی حکومتہائے فاسدہ تھیں۔ اس لیے ان سب کی رکنیت یا نوکری بھی ایک مسلمان کے لیے اسی طرح ناجائز تھی جس طرح کہ انگریز کافرانہ نظام حکومت کی نوکری۔

امام ابو یوسفؒ جو خلیفہ ہارون الرشید کے زمانہ میں قاضی بغداد تھے وہ بھی اسی زمرے میں داخل سمجھے جائیں گے۔

مولانا کی مذکورہ بالا تنقید سے یہ نتیجہ صرف نکلتا ہے کہ جملہ علمائے اسلام "علماء سوء" تھے۔ اس لیے قدرتاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس ساڑھے تیرہ سو برس کی اسلامی زندگی میں خلافت راشدہ کے تیس سال کو چھوڑ کر کچھ علماء حق بھی پیدا ہوئے یا نہیں؟ اگر پیدا ہوئے تو انھوں نے ان علماء سوء کے ناجائز فتاووں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی یا نہیں؟ اور اس دور تحریک کا بانی مولانا مودودی صاحب کے منصۂ شہود پر آنے سے پیشتر ایسے فتاوے صادر فرمائے یا نہیں جو شرعاً حق اور جائز و صحیح ہوں؟

معاملہ کے یکسو کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مولانا مودودی صاحب سب علماء کی نہیں تو ان میں سے سربرآوردہ علماء کی ایک فہرست "ترجمان القرآن" میں شائع فرمادیں جنھوں نے فاسد نظام حکومت میں مسلمانوں کی زندگی بسر کرنے کے متعلق وہ بہانے اور حیلے تراشے ہیں اور وہ ترمیمیں کی ہیں جن کا حوالہ مودودی صاحب نے اپنی محولہ بالا تنقید میں دیا ہے۔ نیز ان علماء حق کی بھی ایک فہرست شائع فرمادیں جنھوں نے ان علماء سوء کے قول کی تردید کی ہو۔ فقط والسلام

صدق - مولانا مودودی کی تحریک کا نقطۂ آغاز بالکل صحیح اور قابل قدر ہے۔ امت میں غیر اسلامی نظام حکومت بلکہ پورے ماحول سے متعلق جو ایک بےحسی اور جمود کی کیفیت پیدا ہو گئی تھی، اور اس پر بالکل قناعت کر لی گئی تھی، اسے صرف دور کرنا تھا۔ مسلمان کا صحیح نصب العین (آئیڈیل) تو بہرحال حکومت اسلامی ہے، اور یہی ہونا چاہیے۔ اور اس کے لیے اپنے اپنے ظرف، استعداد، وسائل، ہمت کے موافق کوشش بھی ہر فرد امت پر واجب ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مولانا اس میں غلو کر کے اس نظریہ تک پہنچ گئے کہ غیر اسلامی حکومت و ماحول سے اشتراک عمل ہر صورت اور ہر حال میں، اور ہر درجہ میں حرام ہے۔ اور اس کے لیے انھیں آیات قرآنی کی، نیز سیرت رسول اور تاریخ امت کی ایسی ایسی تاویلیں بعض اوقات کرنی پڑنے لگیں، جو مسخ کر دینے کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ آہ ایسے زبردست اور سلیم الفکر صاحب قلم کا اہل حق کی صف سے نکل جانا، ملت کی بدقسمتی ہے۔ اللہ تو اب بھی قدرت ہے کہ مسلک حق اُن پر واضح کر دے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

صادق علی خاں صاحب (حیدرآباد دکن) — ہر پرچہ کا ایک خاص سرمایہ اور ایک خاص موضوع ہوتا ہے۔ آپ کا مراسلہ صدق کے لیے موزوں نہیں۔ آپ نے اپنا پتہ لکھ دیا ہوتا تو مراسلہ آپ کی خدمت میں واپس بھیج دیا جاتا۔

ایک مضمون نگار صاحب کے اسم گرامی کی تصحیح

صدق نمبر [illegible] میں "تصوف و اسلام" کے نام سے جو مضمون شائع ہوا تھا، اس کے مضمون نگار کا اسم گرامی بدر الحسن صاحب ہے۔

ضرورت معلم

تحفۂ خسروی

(مطبوعہ حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ - باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر)

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون ۵ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: - عبدالماجد
پتہ: - دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: - حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گوئن روڈ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی ۔۔ ع
بیرون ہند سے ۱۰ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۶۲	شنبہ - [illegible] محرم الحرام ۱۳۶۵ھ مطابق - ۲۹ - دسمبر ۱۹۴۵ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

۔۔ اپنی فلاح وبہبود کی دعا ہم نے، آپ نے، کس نے نہیں کی ہے؟ اور بار بار نہیں کی ہے؟ لیکن فلاح وبہبود سے مراد کیا رہی ہے؟ وہی روپیہ، پیسہ، [illegible] دولت، رزق کی وسعت کیلیے، معیشت کی فراغت کیلیے، گھوم پھر کر الفاظ کچھ لایئے، لفظ وعبارت میں جو کچھ چاہیے اور دل سے کام لیجیے، مفہوم ایک ہی نکلتا ہے کہ جو کچھ اب مل رہا ہے، اُس سے زیادہ ہی ملنے لگے! —— دعائیں بارہا قبول بھی ہوئیں۔ آرزوئیں بارہا بر بھی آئیں۔ سَو والے کو پانسو ملنے لگے، اور پانسو والے کو ہزار نصیب ہو گئے۔ لیکن تجربہ نے سبق کیا سکھایا؟ عملاً نتیجہ کیا حاصل ہوا؟ کہیں کسی کی پیاس بجھی؟ کہیں کسی کو قرار آگیا؟ کہ بس اس سے زیادہ زیادہ نہ ملے؟ یا برعکس اسکے ہوس کی آگ اور تیز نہیں ہو گئی؟ طلب وخواہش کی پیاس اور بڑھ نہیں گئی؟ —— سیکڑوں اور ہزاروں اور لاکھوں کا کیا ذکر ہے، جنھیں بڑی سے بڑی بادشاہتیں مل گئیں، اُن کی طلب وخواہش کا دامن بھی اسی طرح پھیلا ہوا، اُنکے اندر کی آگ بھی ویسی ہی شعلہ زن!

ہم چنان اندر بند اقلیم دگر!

روح گورنگ برطانیہ پر - برطانیہ کے واثت [illegible] پڑے ہوے!

کیوں نہ اتنے تجربوں کے بعد ایک بار ذرا ان کوششوں اور خواہشوں کا رخ بدل کر دیکھیے۔ اور بجائے دولت، دولت کی رٹ لگانے کے ایک بار دولت قناعت کو طلب کیجیے —— کہتے ہیں کہ دنیا میں ایک حکیم گذرا ہے، سب داناؤں سے بڑھکر دانا، اور سارے عالموں سے زیادہ حقیقت شناس۔ اب وقت ہے کہ اُس کی بتائی ہوئی دعا بھی کبھی ورد زبان کر لیا کیجیے: —

اللھم قنعنی بما رزقتنی وبارک لی فیہ۔	اے اللہ تونے مجھے جو کچھ بھی دیا ہے اُسی پر مجھے قانع کر دے، اور اُسی میں میرے لیے برکت رکھ دے!

روزمرہ جانوں اور عرضداشتوں میں یہ دعا بھی تو اُسی کی سکھائی ہوئی ہے:

اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک۔	اے اللہ حرام رزق سے بچا کر اپنے حلال رزق ہی کو میرے لیے کافی کر دے! اور اپنے فضل کے سوا سب کی طرف سے مجھے بے نیاز بنا دے!

آمدنی میں اضافہ کے سیکڑوں ہزاروں ذریعے سوچتے رہنا، دن رات تنخواہ میں ترقی، کاروبار میں ترقی، "دست غیب" میں ترقی کی فکر اور اُدھیڑ بن میں پڑے رہنا اچھا، یا سب پر لات مار کر قناعت اور بے نیازی کی دولت سے سرفراز ہو جانا اچھا ہے —— دل کے چین اور مسرت کا چشمہ دل کے اندر سے ابلتا ہوتا ہے، یا اُسے لانے کیلیے کہیں باہر جانا اور ہاتھ پھیلانا ہے؟

آنچہ خود داشت زبیگانہ تمنا می کرد!

---

۸۸ سال کا نوجوان!

نیوز کرانیکل (لندن) نے خبر دی ہے کہ کوہ ہمالیہ کی بلند ترین چوٹی ایورسٹ پر پہنچنے کی تازہ کوشش (جو ساتویں کوشش ہے) عنقریب شروع ہوگی، اور یہ مہم ۱۹۴۷ء میں عملی شکل حاصل کر سکیگی۔ محققین کا مختصر سا قافلہ چھ ارکان پر مشتمل ہوگا، اور قافلہ کے سالار ایک مشہور انگریز کوہ پیما اور کپتان ہونگے، یہ ۲۴ ہزار فٹ تک ہمالیہ پر چڑھ چکے ہیں - انکی عمر اس وقت ۸۰ سال کی ہے، ۱۹۴۷ء تک پورے ۸۸ سال کے ہو جائیں گے۔ (۱۸ - دسمبر ۱۹۴۵ء)

نہیں ہمارے آپ کے کام کی چیز سالار قافلہ کی عمر ہے ۔ ۔ ۔ یا ۹۰ سال ! اس عمر پر اور یہ حوصلہ ! ایورسٹ کی چڑھائی کوئی معمولی کارنامہ ہے ؟ اچھے اچھے مضبوط اور آزمودہ کار جوانوں کی بھی ہمتیں جواب دے جائیں گی ۔ اور پھر خالی چڑھائی ہی نہیں، مہم کی ساری انتظامی اور عملی سرداری بھی ! یہ ہیں زندہ قوموں کے زندہ کارنامے ہمارے ہاں کے پچاس سال بلکہ پینتالیس اور چالیس سال کی بھی عمر والے اتنا عمر رسیدہ سمجھے ہیں ! ـــــ دنیا میں اگر سربلندی حاصل کرنا اور انتم الاعلون ان کنتم مومنین کا مصداق بننا ہے، تو محض تلاوت و تسبیح ہرگز کافی نہیں، محنت اور تحمل، مشقت کے امتحان قدم قدم پر دینے ہونگے ۔

"صاحب" کی "رواداری"

ٹوکیو ۔ جنرل میک آرتھر کے تازہ فرمان کے بموجب جاپان کا سرکاری مذہب شنتو ازم آج سے ختم ہو گیا ۔ اب اسکا حکومت اور کاروبار سلطنت سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا ۔ میکاڈو (شہنشاہ جاپان) کی الوہیت پر بھی آج سے مہر لگ گئی ۔ اب وہ دیوتا یا اوتار نہیں، عام لوگوں کی طرح معمولی انسان ہیں " (خبر)

شنتو دھرم، جاپان کا قومی اور ملکی مذہب، ایک مشرکیہ مذہب تھا، جس میں حلول کے واسطے سے الوہیت کا درجہ شاہ جاپان کو حاصل رہا تھا، یہ توحید کے نقطۂ نظر سے اچھا ہوا کہ ۰۰ سال کے بعد اس شرک جلی کا وجود مٹا ۔ لیکن ذرا و کرم تاریخ سے دریافت کر کے یہ ارشاد ہو کہ مسلمانوں نے دور خلافت راشدہ سے لیکر اسوقت تک کن کن مذہبوں کو مٹا کر رکھا ؟ یہود، مسیحی، مجوس، ہندو، جین، بدھ مت، سب ہی انکے زیر حکومت، انکی رعایا رہے ہیں، ان میں سے کسی کے مذہب کو بھی انھوں نے مٹایا ؟ ـــــ اس پر بھی مسلمان ظالم تھے، سفاک تھے، وحشی تھے ! اور برطانیہ و امریکہ "روشن خیال" ہیں، رواداری کا مجسمہ ہیں، اور مذہبی تعصب و تنگ خیالی سے منزلوں دور ہیں !

حکومت جاپان ظاہر ہے کہ اب اس مذہب پر ایک پیسہ خرچ نہ کر سکیگی، لیکن حکومت ہند کا محکمۂ مذہبی ECCLESIASTICAL DEPT جو بے دریغ لکھوکھا روپیہ ہر سال تثلیث اور مسیحیت کی تبلیغ، ترویج اور تقویت پر صرف کر رہا ہے، اسکے جواز کی کوئی دلیل "روشن خیال" اور "روادار" برطانیہ کے پاس ہے !

"مسلم" کلچر

شیعہ آرگن کی شکایت :-

" مسلم لیگ نے اپنی بعض مجبوریوں کی وجہ سے راجہ صاحب محمود آباد اور مسٹر جناح کو اپنے ظل عاطفت میں جگہ دے رکھی ہے ۔ ورنہ عام طور پر لوگ اسکو سنی لیگ خیال کرتے ہیں' اور اسی وجہ سے زیادہ تر شیعہ اس سے الگ ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ شیعوں کا کلچر، مذہبی حقوق اور بہت سی خصوصیتیں ایسی ہیں، جنکی امتیازی وجہ سے شاید انکو کافر اور غیر مسلم یعنی ہندوؤں کے اچھوت سے بھی بدتر سمجھا جاتا ہے "

لیکن مسلم لیگ کے پروگرام میں تو شاید سب سے بڑی اور اہم دفعہ مسلم کلچر ہی کی حفاظت کی ہے، اور دور دور تک اسی سب سے زیادہ زور دیا جا رہا ہے ۔ مگر وہ مسلم کلچر کیا ہے بجز اصلاً وعلاً شیعہ کلچر کے ؟ اچھے اور برے سے یہاں بحث نہیں، بحث نفس واقعہ سے ہے ۔ واقعیت کے لحاظ سے کس کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ ہمارے تمدن، ہماری معاشرت، ہمارے آداب و رسوم، ہماری زبان و ادب، سب پر سب سے زیادہ نمایاں اثر شیعہ عقائد، شیعہ اخلاق، شیعہ مراسم ہی کا ہے ۔ اور موجودہ مسلم کلچر کا تحفظ درحقیقت شیعہ کلچر کا تحفظ ہے !

غریب مسلم لیگ ! شیعہ کلچر کے تحفظ کا یہ صلہ خود شیعہ حلقوں سے !

وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں !

ایک نئی گالی

" سرسید کی اولاد جو علیگڈھ کے زیر سایہ پل رہی ہے ۔ ۔ ۔ ان نوجوانوں نے ایسے برخوردار بھی تھے، جنھوں نے مولانا [ابوالکلام] کے ڈبہ میں داخل ہو کر اپنی پتلونیں اتار دیں اور اپنی شرم گاہوں کا نظارہ کرایا ۔ ۔ ۔ ۔ مولانا حسین احمد مدنی جیسے عالم دین کی بے حرمتی کرنے میں سرسید احمد کی اولاد یہاں تک چلی گئی کہ انکی ٹوپی جلا دی گئی، اسکی نورانی داڑھی میں شراب کی بوتل انڈیل کر اپنے اخلاق کی انتہائی پستی کا ثبوت دیا "

(تقریر مولانا عطاء اللہ بخاری ۔ سندر یہ زمزم وہند)

جس تقریر دلپذیر کا یہ نمونہ درج ہوا ہے، اس کے ستوں [illegible] سے قطع نظر کیجیے، اسے بھی جانے دیجیے کہ جسوقت ولا تقف ما لیس لک به علم، ان السمع والبصر والفؤاد کل اولئک عنه مسؤلا کی تعمیل علم کی بابت پرسش ہو رہی ہوگی، اسوقت اس خطیب اعظم کے پاس کیا جواب ہوگا ۔ یہاں دادِ صرف اسکی دیجیے، کہ اردو میں ایک نئی گالی خوب ! ہاتھ آگئی ۔ "سرسید کی اولاد" ! ــــــ "بچۂ شمر" "اولاد یزید" "ذریت شیطان" ۔ ۔ ۔ ۔ "ابلیس" کے قبیلہ کے الفاظ کو مبارک ہو کہ انھیں ایک نیا ساتھی "سرسید کی اولاد" شاہ صاحب کی عنایت سے خوب مل گیا !

پاپیوں کا راج

" ۱۸ ۔ دسمبر ۔ لندن ۔ سرکلاڈ آکنلک کمانڈر انچیف ہند کی درخواست طلاق لیڈی آکنلک کے خلاف کل عدالت سے منظور ہو گئی ۔ اور سر موصوف کو ڈگری مع خرچہ کے مل گئی ۔ مشترکہ مدعا علیہ ہوائی سپہ سالار ہند چیف مارشل سر چارلس پیرز تھے ۔ کا بیان یہ تھا کہ سر چارلس جب ہندوستان میں اس عہدہ پر تھے اسی زمانہ میں لیڈی آکنلک سے انکے دوستانہ تعلقات قائم ہوئے اور جب وہ ہندوستان سے واپس ہوئے تو برائٹن ہوٹل کے ایک کمرے میں میاں بیوی کی طرح ٹھہرے " (رائٹر)

" ۱۸ ۔ دسمبر ۔ لندن ۔ سابق وزیر اعظم مسٹر چرچل کے لڑکے میجر رینڈولف چرچل کے خلاف طلاق کی جو درخواست

سورۂ بقرہ ــ رکوع ۲۴

بہ سلسلہ صدق نمبر

(از عبدالماجد)

۲۰۱ - ومنهم من يقول ربنا آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار	اور کوئی ان میں ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے پروردگار ہمارے ہم کو دنیا میں (بھی) بہتری دے اور آخرت میں (بھی) بہتری۔ اور ہم کو آگ کے عذاب سے بچائے رکھ۔[۲۲۸]

[۲۲۸] یہ اشارہ انسانیت کے پسندیدہ طبقہ یعنی اہل ایمان کی جانب ہے مومنین کی دعائیں، تمنائیں، آرزوئیں، دنیا و آخرت دونوں کی فلاح و بہبود کی جامع ہوتی ہیں۔

حسنۃ وہ طاعت ہے جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ و بہتر ہے اور اس کے اندر ہر قسم کی خیر و خوبی آگئی

ان حسنة نكرة في بيان الدعاء فهو محتمل لكل حسنة من الحسنات على البدل (قرطبی)

والحسنة الكاملة في الدنيا بالفعل جميع حسناتها (روح)

دنیا میں حسنۃ توفیق خیر ہوئی اور آخرت میں حسنۃ ثمرۂ خیر۔

والذي عليه أكثر أهل العلم ان المراد بالحسنتين نعم الدنيا والآخرة وهذا هو الصحيح فان اللفظ يقتضي هذا كله (قرطبی)

ایسی جامع و ہمہ گیر دعا کی نظیر سے ادیان و ملل کے صحیفے خالی ہیں۔ رسول مقبول صلعم خود اس دعا کی کثرت رکھتے تھے۔

كان أكثر دعوة يدعو بها النبي صلعم يقول اللهم آتنا في الدنيا حسنة وفي الآخرة حسنة وقنا عذاب النار (بخاری و مسلم - عن انس)

مال، اولاد، صحت، اطمینان، وغیرہ جو چیزیں بھی تحصیل خیر میں معین ہو سکتی ہیں، خواہ بظاہر کیسی ہی دنیوی اور مادی ہوں، سب مومن کا مقصود و مطلوب بن سکتی ہیں۔ البتہ خود دنیا ہرگز کسی مومن کا مدعا اور مقصود نہیں بن سکتی۔

آیت کی ترکیب خوب نظر میں رہے۔ آتنا کا مفعول صرف حسنۃ ہے۔ یعنی جس چیز کی طلب و تمنا کی جا رہی ہے وہ حسنۃ یا بہتری ہے، فی الدنیا اور فی الآخرۃ صرف ظرف یا محل ہیں۔ ترکیب میں یہ مفعول یا معنی کے لحاظ سے مقصود کسی طرح بھی نہیں ہو سکتے۔ مراد محض یہ ہے کہ ہمیں تو آپ کے دربار سے صرف بھلائی یا بہتری درکار ہے۔ وہ دنیا میں ہو تو بھی اور آخرت میں ہو تو بھی۔ مزید تفسیر یہ کہ دنیا میں بھی اعمال خیر عنایت ہوں اور آخرت میں ثمرات خیر۔

۲۰۲ - اولئك لهم نصيب مما كسبوا والله سريع الحساب	یہ وہ لوگ ہیں جنھیں حصہ[۲۲۹] ملے گا بوجہ اسکے کہ جو انھوں نے عمل کر رکھا ہے اور اللہ حساب جلد لے لیگا[۲۳۰]

بعض نادان اور سطحی دماغ والے اہل قلم نے آیت سے یہ عجیب و غریب نتیجہ نکالا ہے کہ آخرت کی طرح دنیا بھی مومن کا مقصود بن سکتی ہے بلکہ قرآن خود طلب دنیا کی تعلیم و ترغیب دیتا ہے! ــــ تعالی اللہ عن ذلك علوا كبيرا۔ منشاء الٰہی کی غلطی اوپر کھولی جا چکی ہے۔ مادہ پرست قوموں کی دنیا طلبی اور دنیا پسندی سے مرعوب ہو کر خود مسلمانوں کو طلب دنیا کی تعلیم دینا بلکہ اسے قرآنی تعلیم قرار دینا خدمت اسلام کی عجیب و غریب صورت ہے!

[۲۲۹] (دونوں جہانوں میں۔ اور یہ گمراہ قوموں کی طرح بے بہرہ نہ رہیں گے)

[۲۳۰] (اور یوم حساب خود ہر لمحہ قریب آتا جا رہا ہے، بس اس سے غفلت ہرگز مقتضائے عقل و دانش نہیں)

مما كسبوا میں من سببیہ ہے۔

اي من أجل ما كسبوا (بحر) من اجله (بیضاوی)

سریع الحساب اس جیسے قدرت والے مالک کو حساب کرنے یا بندوں کو انکے اعمال کی جزا دینے دیر ہی کیا لگ سکتی ہے۔

اي سريع المجازاة للعباد باعمالهم (قرطبی)

جاہلی قوموں نے اس وصف خاص میں بھی اپنے دیوی دیوتاؤں کے باب میں بڑی ٹھوکریں کھائی ہیں۔

[۲۳۱] یعنی ایام تشریق میں، زمانۂ قیام منیٰ میں۔

منیٰ مکہ معظمہ سے شمال و مغرب میں ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ پہلے کبھی محض میدان تھا۔ اب بہت ہی پختہ اور عالیشان عمارتیں بن گئی ہیں۔ سال بھر تو خالی پڑی ہیں۔ موسم حج میں خوب آباد ہو جاتی ہیں۔ صاحب حیثیت حاجی انھیں بڑے بڑے کرایوں پر لے لیتے ہیں۔ بعض سرکاری عمارتیں بھی ہیں۔ بازار بھی اس زمانہ میں یہاں بہت بڑا اور بہت پر رونق لگتا ہے۔ دنیا جہان کی چیزیں بکنے آ جاتی ہیں۔

تشریق کے معنی قربانی سکھانے کے ہیں۔ ایام تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ ہیں۔ حاجیوں کے قافلے عرفات و مزدلفہ سے واپسی میں ۱۰ کو صبح یہاں پہونچ جاتے ہیں، اور ۱۲ کی شام تک تو بہر حال یہاں قیام رہتا ہے۔ حج کے سلسلہ میں متعدد واجبات و مستحبات یہیں انجام پاتے ہیں۔ مثلاً قربانی کرنا، سر کے بال اتروانا، شیطانوں کو کنکریاں مارنا، جامۂ احرام اتارنا۔

واذكروا الله اوپر حج کا ذکر بیان آیا، اب مزید ذکر الٰہی کی تاکید

۲۰۶ - واذکروا اللہ فی ایام معدودات فمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ ومن تاخر فلا اثم علیہ لمن اتقی واتقوا اللہ واعلموا انکم الیہ تحشرون	اور اللہ کو (ان چند) گنے ہوئے (دنوں) میں (برابر) یاد کرتے رہو - جو شخص (ان) دو دنوں میں جلدی کرے اس پر (بھی) کوئی گناہ نہیں - (یہ) اُسکے لیے ہے جو ڈرتا رہتا ہے - اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جانے رہو کہ تم (سب) اُسی کی طرف جمع کیے جاؤ گے

پھر ختم ہوگئی -

تکبیر کی کثرت قیام زمانۂ منیٰ کا ایک خاص جزو ہے -

ایام معدودات اس پر صحابہ وتابعین سب کا اتفاق ہے کہ اس سے مراد زمانۂ تشریق ہے -

خلاف بین اہل العلم الا المعدودات ایام التشریق وقد روی ذالک عن علی وعمر وابن عباس وابن عمر وغیرہم (جصاص)

۲۳۳ یعنی منیٰ سے مکہ معظمہ کی طرف روانگی کے لیے دونوں صورتیں بالکل جائز ہیں - اب اگر کوئی شخص ۱۰ کے بعد صرف دو دن قیام کرکے ۱۲ کی شام کو مکہ چلا آئے تو بھی درست ہے، اور جس کا جی چاہے ۱۳ تک وہیں ٹھہرا رہے، جب بھی درست ہے۔

(امام شافعیؒ کے ہاں اگر ۱۲ کو شام ہوجاتی ہے تو قبل غروب رمی جمرات (کنکریاں پھینکنے) سے فراغت کرلے - اور امام ابو حنیفہؒ کے ہاں اگر ۱۳ تک ٹھہرنا ہے، تو قبل طلوع آفتاب ہی رمی جمرات کرڈالے -

فلا اثم علیہ نفی دونوں صورتوں سے گناہ کی کی گئی ہے - گویا بلحاظ جواز دونوں شقیں یکساں ہیں - یہ مراد نہیں کہ دونوں میں کوئی افضل ومفضول نہیں - اور بلحاظ درجہ بھی دونوں مساوی ہیں - فقہاء حنفیہ کے ہاں ۱۳ کا قیام افضل ہے -

۲۳۴ یعنی یہ سب احکام نافع اُسی کے حق میں ہوسکتے ہیں جو دل میں خوف خدا وخشیت الٰہی رکھتا ہو -

تقوے الٰہی کی اس شدومد سے تاکید یوں ہی اور بیکار نہیں - مومن کے دل پر تقوے کی اہمیت نقش کرنے کے لیے ہے - وہ مومن ہی کیا جو متقی نہ ہو!

۲۳۵ (اور اُسی کے سامنے اعمال کا جواب دہ ہونا ہوگا)

یہ یاددہانی حفظ اعمال میں کس درجہ موثر ہے! سارا کھیل اسی استحضار ہی کا تو ہے۔

معذرت

نہایت افسوس ہے کہ اس نوٹ کی سطور بہتر سے اڑ گئی ہیں - اتنے حصہ کو صدق کے آئندہ پرچہ میں انشاء اللہ شائع کردیا جائیگا -

۲۰۷ ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیوۃ الدنیا ویشہد اللہ علی ما فی قلبہ وہو الد الخصام	اور لوگوں میں کوئی شخص ایسا بھی ہے کہ جس کی گفتگو دنیوی غرض سے آپ کو اچھی معلوم ہوتی ہے اور جو اسکے دل میں ہے اُس پر وہ اللہ کو گواہ لاتا ہے اور حالانکہ وہ شدید ترین دشمن ہے -

۲۳۶ (اس کی چرب زبانی کی بنا پر اسکے دعوائے اسلام وحب اسلام کے باعث) - اوپر دو قسم کے انسانوں کا ذکر تھا - آخرت کے قائلین ومعتقدین کا اور آخرت کے منکرین کا - اب ذکر تیسری قسم، اور منافقین کا ہوتا ہے - اور ابتداء منافقین کے بیان سے ہوتی ہے -

ومن الناس لازمی نہیں کہ ایک ہی شخص مراد ہو - ایک بھی ہوسکتا ہے، بہت سے بھی ہوسکتے ہیں -

اشارۃ الی بعضہم نعم او واحد ویحتمل الجمع (کبیر)

فی الحیوۃ الدنیا - فی اظہار مقصودیت کے لیے ہے، یعنی گفتگو سے مقصود محض حصول دنیا ہوتی ہے، طلب آخرت نہیں -

یطلب بہ حظا من حظوظ الدنیا (کشاف) یطلب مصالح الدنیا (کبیر)

فی اس باب میں 'فی' 'دربارہ' کے معنی میں بھی ہوسکتا ہے - اس صورت میں معنی ہونگے "اس کی دنیوی امور سے متعلق"

اے فی قولہ فی امور الدنیا واسباب المعاش (بیضاوی) دربابت زندگانی دنیا (شاہ ولی اللہ دہلوی)

شان نزول کی روایتوں میں آتا ہے کہ قبیلۂ ثقیف کے ایک شخص خوش منظر وخوش تقریر اخنس بن شریق نامی تھا - مجلس رسول میں جب آتا تو خوب لمبے چوڑے دعوے اپنے ایمان واسلام کے کرتا، بات بات پر خدا کو گواہ ٹھہراتا - لیکن جب مجلس سے اٹھ کر چلا جاتا تو طرح طرح کی خلق شرانگیزی میں لگ جاتا۔

نزلت فی الاخنس بن شریق الثقفی (ابن جریر) کان رجلا حلو الکلام حلو المنظر (معالم) کان منافقاً حسن العلانیة خبیث الباطن (کبیر) گو شانِ نزول کی روایتوں سے یہ مطلب نہیں ہوتا کہ آیت کا انطباق صرف اسی خاص شخص تک محدود رہے، جہاں کہیں بھی وہ صفات پائی جائیں گی، وہاں وہ آیت بھی چسپاں ہوگی

اقول الاولیٰ فی الآیة وهو اختیار اکثر المحققین من المفسرین ان هذه الآیة عامة فی حق کل من کان موصوفاً بهذه الصفات المذکورة (کبیر)

(اللہ کے دین کا، اللہ کے رسول کا)۔

یشهد اللہ۔ یعنی آپ کو اللہ کی قسمیں کھا کھا کر یقین دلاتا ہے، قسم کا مفہوم بھی شہادت میں پیش کرنا ہوتا ہے۔

یقول اتبعک ویحلف باللہ علیٰ ذلک (معالم)

رسول سے علم غیب کی نفی پر دلائل بہت سے قائم ہیں۔ ایک مزید دلیل اس آیت سے نکلتی ہے

منافق کے نفاق کا علم آیت کے ذریعہ سے حق تعالیٰ آپ کو کرا رہا ہے۔ ورنہ آپ تو اس کی باتوں سے خوش ہو رہے تھے۔ اگر آپ اسے منافق پہچان گئے ہوتے، تو ظاہر ہے کہ اس سے گفتگو میں لطف ہی کیوں لیتے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری جنوری ۳۶ء میں ختم ہو رہی ہے۔ براہ عنایت قریب فرصت میں اپنا چندہ بھیج دیں۔ ورنہ جنوری ۳۶ء میں وی پی روانہ ہوں گے۔ اور وی پی میں خرچ زائد ہوتا ہے:—

نمبر ١٢٢٣، نمبر ١٢٧٨، نمبر ١٥٤٧، نمبر ١٥٩٩

نمبر ١٦٠٩، نمبر ١٦١١، نمبر ١٦٢١، نمبر ١٦٢٢

نمبر ١٦٢٣، نمبر ١٦٢٤، نمبر ١٧٢٨، نمبر ١٧٣٨

نمبر ١٧٧٥، نمبر ١٥٤٢، نمبر ١٥٢١، نمبر ١٣٨٠

مہتمم صدق لکھنؤ

دلائل ہستی باری تعالیٰ

یہ کتاب صانع عالم حق تعالیٰ کے وجود کے اثبات پر لکھی گئی ہے، جو روشن خیالوں "دہریوں" کی تردید کے سلسلہ میں ستر دلائل پر مشتمل ہے۔ طلبۂ کرام کے علاوہ تمام ناظرین کرام اردو داں حضرات کے مطالعہ کے قابل ہے۔ صدق ۱۰ دسمبر ۳۵ء میں مولانا دریابادی مدظلہ نے اس پر ایک تقریظ بھی لکھی ہے۔ قیمت فی نسخہ علاوہ محصولڈاک آٹھ آنے ہے ۸؍ کا ٹکٹ بھیجکر طلب کریں۔

پتہ:- (۱) دفتر اخبار اہلحدیث۔

(۲) مدرسہ جھنڈا نگر پوسٹ ڈمریا گنج ضلع بستی

عبدالرؤف رحمانی

قرآن کریم اور بائبل کا باہمی تعلق

(جناب مولوی عبدالرؤف خاں صاحب جامعہ اسلام جھنڈانگر کے قلم سے)

قرآن کریم کی نسبت ہمارا وہی اعتقاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسکے لیے خود ہمیں تجویز فرمایا ہے۔ سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیه من الکتاب ومهیمنا علیه۔ ہم نے تیری طرف سچی کتاب اتاری ہے جو پہلی کتاب کی مصدق ہے اور علاوہ مصدق کے اس پر خبرگیر بھی ہے۔ اس آیت میں پہلی کتابوں کی تصدیق کرکے انکے بعض مضامین کے مخلوط اور محرف ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کلام پاک کو ان کے مضامین کا مہیمن (محافظ و نگراں) قرار دیا ہے۔ پس قرآن مجید کے دو لقب ہیں۔ ایک مُصَدِّق۔ دوسرا لقب مُہَیمِن۔ اب دیکھیں کہ قرآن شریف کے مصدق ہونے کی وجہ جو اللہ تعالیٰ نے خود واضح فرما دی ہے۔ کیونکہ اگر قرآن شریف محض مصدق کتب ہو تو ایک نئے لقب کے ساتھ اسکے نزول کی کوئی حاجت باقی نہیں رہتی۔ پس اس شبہ کے دفع فرمانے کے لیے خداوند تعالیٰ نے اسکے متصل ہی فرمایا کہ علاوہ تصدیق کرنے کے مہیمن بھی ہے۔ یعنی قرآن مجید کا نزول اس لیے ہوا کہ اگلی کتابوں (انجیل، توراۃ وغیرہ) میں جو تحریف اور حوادث اور معانی کم و بیش پیدا ہو چلی۔ اور وہ مراد الٰہی تعلیم خداوندی کے برخلاف تھی۔ ان میں اپنے نزول اجلال و فیصل الحق سے اصلاح کرے۔ اور اس کی غلطیوں کو واضح اور آشکارا کردے۔ شیخ سعدی نے خوب لکھا ہے۔

نہ از لات و عزیٰ برآورد گرد — کہ توریت و انجیل منسوخ کرد

ہمیں اس موقع پر قرآن کریم کے مصدق ہونے سے کوئی بحث نہیں ہے۔ ہم تو صرف یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ قرآن کریم نے ان عقائد و اعمال میں کیا کیا اصلاحیں کی ہیں۔ اور وہ یہ کہ کتنی اہم اور ضروری تھیں۔ باوجود ان اصلاحی کارناموں کے جنکی فہرست ہم بعد میں لکھیں گے قرآن کریم کو بعضوں نے بائبل وغیرہ کی عین نقل بتلایا، اور اسی سے ماخوذ کہا ہے۔ چنانچہ رسالہ ہمارا قرآن صفحہ ۳۰ پر پادری سلطان محمد خاں صاحب نے لکھا ہے "اگر ہم ان اقتباسات کو جنکو ہم نے مقابلۃً انتخاب کیا ہے، اپنا حق لیکر قرآن مجید سے علیحدہ کر لیں تو قرآن مجید میں کیا باقی رہیگا" اور اس سے بڑھ کر بعضوں نے قرآن کو بلا ضرورت کہدیا اور قرآن کریم کے مصلح ہونے سے انکار کر دیا۔ اور بعضوں نے عدم ضرورت قرآن پر مسئلۂ نسخ کو بے بنیاد کہکر اعتراض کیا۔ ان میں سے ہر ایک خیال کی ہم الگ الگ تردید کریں گے۔

پادریوں کا شبہہ اول

زمانۂ قدیم کے پادریوں نے بھی اور زمانۂ حال کے پادری سنڈل

محرّم

اسلامی تعلیمات کے نقطۂ نظر سے ماہ محرم کی کوئی اہمیت نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے عہد میں یہ ایک مہینہ تھا دوسرے مہینوں کی طرح۔ البتہ عرب میں سال کے چار ماہ جن میں جنگ و قتال حرام تھا، یہ مہینہ بھی ماہ حرام تصور ہوتا تھا۔ اسلام نے بھی اس حرمت کو قائم رکھا۔ کیونکہ اس کی منزل تو یہ ہے کہ نوعِ انسانی پورے سال ہر جنگ و جدال سے الگ رہے اور خدا کی زمین پر کامل امن و امان قائم رہے۔

لیکن ۶۱ھ میں جب حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت دشتِ کربلا میں واقع ہوئی تو جو لوگ حبِ اہلبیت کے نام سے امت میں تفرقہ، خانہ جنگی اور قتل و ہلاکت جاری کرنے کے خواہشمند تھے۔ انہوں نے اس واقعہ کو تبلیغِ مقاصد کا ذریعہ بنا لیا۔

اسلام کی تاریخ میں اس سے پہلے بھی بعض نہایت الم انگیز سانحات پیش آ چکے تھے۔ مگر چونکہ اسلام کا مزاج ماتم گساری اور سینہ کوبی سے بالکل میل نہیں کھاتا۔ اسکے نزدیک زندگی کا ہر واقعہ خواہ وہ مسرت کا ہو یا غم کا، زندگی کا ایک واقعہ ہے۔ اور زندگی مسرت اس لیے ہے کہ خدا کی راہ میں کام آئے۔ اس لیے مسلمانوں نے واقعاتِ شہادت کو غم انگیزی اور ماتم آرائی کا ذریعہ بنانے کی کبھی ضرورت محسوس نہ کی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بڑی اندوہ آفریں اور جگر گداز تھی مگر ایک وقتی حزن و ملال کے علاوہ جو ہجر و فراق کا قدرتی نتیجہ تھا۔ اس واقعہ کو کوئی خاص اہمیت نہ دی گئی۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا واقعہ ہے جو غالباً تمام انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا ایک ہی سانحۂ المیہ ہے۔ اسکو بھی اسلامی تاریخ کا کوئی مستقل عنوانِ غم نہ بنایا گیا۔ بلکہ اللہ کے رسول کے حقیقت آشنا دوستوں نے داماد رسولؐ اور پیروانِ حق کے امیر و امام کے جنازے کو اندوہگیں قلب اور پرنم آنکھوں کے ساتھ کندھا دیا، جنت البقیع میں اُسے پہونچایا، اُنکی میت کو سپردِ خاک کرکے دعائے مغفرت کی اور قصہ ختم کر دیا۔

فی الحقیقت پوری انسانی تاریخ میں —— صرف اسلامی تاریخ ہی میں نہیں —— شہادتِ حسینؓ کے غم آفریں سانحے کو جو شکل و نوعیت دی گئی اسکی مثال کہیں نہیں ملتی۔ سانحہ بہت المناک تھا۔ ایک مردِ حق کا اپنے تمام کنبے کے ساتھ مصیبت و تکلیف کے انتہائی احوال میں بیکسی کے ساتھ جان دے دینا معمولی واقعہ نہیں، مگر اس واقعہ کا جو استعمال محبانِ اہلبیت نے کیا، وہ نہ صرف غیر اسلامی ہے بلکہ غیر شریفانہ اور غیر انسانی بھی ہے۔

سب سے پہلے تو اسکو صرف غم و اندوہ کا سامان بنایا گیا۔ گویا اس کا مقصد ہی یہ ہے کہ سینہ کوبی کی جائے اور صرف چند آنسو بہا دیے جائیں۔ اور امام حسین رضی اللہ عنہ نے شہادت کا جو عظیم الشان کارنامہ سر انجام [illegible] نہ صرف یہ تھی کہ ماتم و سوگواری کی ایک مستقل یادگار قائم کر دی جائے، تاکہ امت میں ایک دوسرے کے لاسے داغ کی ہمیشہ ہو جائے جسکے نزدیک نجاتِ اخروی کا مدار ہی غمِ حسینؓ پر چند آنسو گرانا ہو۔

دوسرے اس واقعۂ شہادت کو شتم صحابہ اور سبِ صلحائے امت کا ذریعہ بنایا گیا۔ گویا حسین رضی اللہ عنہ کو میدانِ کربلا میں کوفیوں نے قتل نہیں کیا تھا جو چند روز پیشتر حامیانِ حسینؓ تھے، بلکہ صدیق، فاروق اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے تلوار چلائی تھی۔ اور کسی واقعہ کی اتنی غلط اور بیہودہ تعبیر سے انسانی تاریخ یکسر خالی ہے۔

تیسرے شہادت کی جو اصل غرض و غایت تھی اور اسکے جو حقیقی اسباب تھے، اُن پر پردہ ڈال دیا گیا۔ اور اسے سیاسی پروپگنڈے کے لیے آلۂ کار بنا لیا گیا، جسکا مقصد صرف یہ تھا کہ بنی امیہ کی حکومت و امارت کے خلاف گروہ بندی کی جائے اور بالآخر جب بنی امیہ کا اقتدار ختم ہو گیا اور منصور و سفاح کے ذریعہ بنی عباس برسرِ حکومت آ گئے تو پھر انکی جڑیں کھود دینے میں واقعاتِ کربلا کو آلۂ کار بر آری بنایا جائے۔ یہاں تک کہ امت ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے، اور خانہ جنگی کا ایسا لا متناہی سلسلہ جاری ہو جائے کہ اسلام کی سطوت و طاقت بالکل ختم ہو جائے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی مظلومیت کی حقیقی صورت نہیں کہ انہیں دشتِ کربلا میں اعزہ و اقربا کے ساتھ شہید کر دیا گیا، بلکہ یہ ہے کہ اُن کے مقصدِ شہادت کا نقشہ بگاڑ دیا گیا۔ اور انکو انسانی تاریخ میں ایک طالبِ حکومت جنگ آزما شخص کی حیثیت میں جگہ دی گئی۔ جس نے حریف کے سامنے بیکسی سے اپنی جان دے دی۔ غور فرمایئے کہ اگر حقیقت اتنی ہی ہے تو کردارِ حسینؓ میں کونسی عظمت باقی رہ جاتی ہے؟

لیکن حاشا و کلا شہیدِ کربلا کی زندگی اس قسم کی پست انکار و خیالات اور ادنیٰ اغراض و مقاصد سے بالکل پاک ہے۔ حقیقت میں اُنکی زندگی کی ساری جد و جہد اسلام کے چند بنیادی اصولوں کی حفاظت پر مرکوز رہی اور بالآخر اسی راہ میں انھوں نے شہادت پائی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ جس مرحلے پر امت کی تاریخ کے پردے پر نمودار ہوئے تھے وہ اپنی نوعیت میں نہایت نازک تھا۔ اُس وقت اسلام مشرق و مغرب اور ایران و روم میں پھیل چکا تھا اور اسکی تہذیب کی فکر باہمی تہذیبوں سے ہو رہی تھی۔ اس فکر کا سب سے بڑا مظاہرہ یہ تھا کہ اسلامی اسٹیٹ کا نظم صرف ان اصولوں پر قائم ہو، اسکی بنیاد صلحائے امت کے شورے پر ہو یا قیصر و کسریٰ کے رسم و رواج کے مطابق رسیدی، نیابتی اور نسلاً بعد نسلٍ ملوکیت کے نظام و اصول پر۔ بدقسمتی سے ایک طبقہ خلافتِ راشدہ کے آخری دور کے واقعات سے اس نتیجہ پر پہونچا تھا کہ امت میں اب مسلمانوں کی اتنی تعداد اور اسکا افراد نہیں رہا کہ انکے بغیر امارت و خلافت کا فیصلہ ہو سکے۔ جیسے کہ دیکھا کہ روم کی عیسائی سلطنت میں ایک بادشاہ مرتا ہے اور اُسکا بیٹا چپکے سے تختِ حکومت پر جلوہ گر ہو جاتا ہے اور خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہیں ٹپکتا۔ اسلام

میں غلط خیال میں مبتلا ہو گئے کہ جانشینی اور ولیعہدی کا نظام سیاست ہی اس وقت کار فرما اور مفید مطلب نظام ہے۔ یزید اسی غلط خیال کی پیداوار تھا اور اسکی خلافت و امارت اسی غلط مفروضہ پر مبنی تھی۔ اس وقت ضرورت تھی کہ ایک مرد حق اُٹھے اور اس جاہلی فلسفہ کے تار و پود کو بکھیر کر رکھدے۔ اور صفحۂ عالم پر اپنے خون گرم سے روشن حروف سے یہ لکھ دیا جائے کہ اسلام میں ملوکیت اور اس پر قائم ہونے والے نظام سیاست کے لیے کوئی گنجائش نہیں ——— حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسلام کے اس تقاضہ کو پورا کیا اور اپنی جان اس غرض کے لیے قربان کر دی حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے اس عظیم الشان کارنامہ کی عظمت کا اندازہ لگانے کے لیے تھوڑی دیر کے لیے فرض کیجیے کہ واقعۂ شہادت پیش ہی نہیں آیا۔ شہید کربلا کے واقعات زندگی کو تاریخ میں سے نکال دیجیے اور پھر بتایئے کہ اسلامی سیاست کے اس پہلو کو ثابت و ظاہر کرنے کے لیے کوئی سامان موجود رہے؟ ——— اس سوال کا جواب ایک کامل نفی میں ملیگا۔ اسلام کی تاریخ ما بعد میں سلاطین جابر کے سامنے کلمۂ حق کہنے اور اسلامی نظام سیاست کے شورائی پہلو کو واضح کرنے کے لیے حضرت حسین کی عزیمت ایک ناگزیر شے ہے۔ ایک طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے کہ حضور اپنا جانشین کسی شخص کو مقرر نہیں کرتے۔ مہاجرین و انصار کا طریق کار ہے کہ وہ اسلامی ریاست کا رہنما منتخب کرنے کے لیے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو منتخب کر لیتے ہیں۔ اسکے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی اولاد میں سے کسی کو نامزد کرنے کے بجائے اپنے بعد بہترین شخص کو مقرر کرتے ہیں اور حضرت عمرؓ ایک کابینہ سا بنا دیتے ہیں تاکہ اسکے ارکان اپنے میں سے کسی شخص پر اتفاق کریں۔ اور اپنے بیٹے کو اس کا رکن نامزد کرنے کے باوجود خلافت کی امیدواری سے محروم کر دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ صورت حال ہے کہ خلیفۂ اسلام اپنے بیٹے کو ولیعہد نامزد کرتے ہیں۔ کیا ایسے وقت میں اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ حقیقت کو قائم کرنے کے لیے کوئی شخص میدان میں نکلے ——— اور ایسا شخص اسوقت حسینؓ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ لیکن امت کی بدنصیبی دیکھیے کہ جس غرض کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی جان دے ڈالی اُسکے بالکل برخلاف نظریہ پیش کیا گیا، اور کہا گیا کہ یہ سارا قصہ محض اس لیے پیش آیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد امت نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ کے عمزاد بھائی ہونے کی بنا پر جانشین رسول نہ بنایا۔ گویا بات وہی صحیح تھی جسکو حضرت معاویہؓ نے اختیار کیا۔ اسلامی ریاست کا اصول جانشینی ہی کا ہے فرق صرف یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اصول حق کے لیے میدان میں نکل نہ سکے بلکہ وہ "تقیہ" کرکے اپنی جان سلامت لے گئے۔ اور اُنکے فرزند گرامی نے اپنی جان دے ڈالی۔ اگر اس نظریہ کو تسلیم کر لیا جائے تو فرمایئے اسلام اور اس کی تاریخ کے دامن میں کیا باقی رہ جاتا ہے۔

لیکن یہ نظریہ بالکل غیر اسلامی ہے۔ اس کی تعبیر غیر اسلامی ہے اسکا فلسفہ غیر اسلامی ہے، اور حق وہی ہے جس پر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم قائم رہے اور جسکو قائم کرنے کے لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے صبر و تحمل سے اور حضرت حسینؓ نے جہاد و شہادت سے کام لیا۔ اور محرم کے نام سے آج جو بدعات و خرافات امت کے مختلف فرقوں میں پائی جاتی ہیں اس سے اسلام کو کوئی تعلق نہیں۔ انکی بنیاد صرف سیاسی پروپگنڈے پر ہے۔ جسکا آج کوئی مصرف نہیں اور نہ ضرورت ہے۔ اب نہ یزید ہے نہ اُسکے نام لیوا ہیں۔ نہ مسئلۂ خلافت ہے اور نہ اُسکے امیدوار۔ اب تو اسلام کے سامنے دوسرے مسائل در پیش ہیں۔ آج قضیۂ خلافت نہیں پورے اسلام کو از سرِ نو دنیا پر قائم کرنے کا سوال امت کے سامنے ہے۔ دین باطل نے ہمہ گیر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ضرورت اُن پیروان حسینؓ کی ہے جو اقامت دین حق کے لیے اُٹھیں اور باطل کی فوجوں سے ٹکرا جائیں۔ (کوثر)

(بقیہ صفحہ ۲)

مسز چرچل کی طرف کی ہے بیوفائی کی بنا پر گزری تھی وہ آج منظور ہو گئی۔ اور مسز چرچل کو طلاق مل گئی۔ شادی ۱۹۲۹ء میں ہوئی تھی"۔ (ریوٹر)

شوہر و انگریزی قانون میں بیوی سے افتراق جبھی حاصل ہوتا ہے جب بیوی پر جرم بدچلنی ثابت ہو لے۔ اور "شریک رفاقت علیہا" سے قانونی اصطلاح میں مراد وہ شخص ہوتا ہے جس سے بدچلنی پائی جائے۔ سپہ سالار افواج ہند، سپہ سالار ہند شعبۂ ہوائی، سیکرٹری جیل۔ ان سے بڑھ کر سوسائٹی میں معزز افراد اور ممتاز عہدہ دار اور کون ہو سکتے ہیں۔ اس مرتبہ کے معززین و شرفاء کے ہاں بدچلنی و حرام کاری کے واقعات ہمارے دَور تہذیب میں ہی کبھی پائے گئے تھے؟ دَور عروج میں نہیں، دَور انحطاط میں! ——— قصور اشخاص و افراد کا اتنا نہیں، جتنا اخلاق سوز ماحول، عصمت کُش تہذیب جیسائی بے دَور تعلیم کا ہے۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

<u>شفقت جیلانی صاحب۔ (ضلع جالندھر)</u> اگر مناظرہ و مباحثہ کی گنجائش باقی ہوتی تو سردست ہی کیوں دستبرداری اختیار کی جاتی۔

بزم ہمدردان صدق

(۱) داؤد محمد صاحب (ڈربن، جنوبی افریقہ) صہ۔

(مہتم صدق)

آج رات (۵ دسمبر ۱۹۴۶ء) میں ایک مقالہ سوا کالم پڑھنے کا طویل ڈورتھی ٹامسن کے قلم سے ہے، جو امریکہ کی مشہور و ممتاز اہل قلم صنفِ نازک ہیں۔ مقالہ کے نقل و ترجمہ کے حقوق قانوناً محفوظ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ امریکہ نے باوجود جنگ میں سب سے کم نقصان اٹھانے کے، اپنی روح کو مجروح، اور اپنے اخلاق کو داغدار کر چکا ہے۔ اور اسراف وغیرہ کی لعنت میں بری طرح مبتلا ہے۔ مقالہ کا عنوان ہے "بہترین دور، بدترین دور"۔ اور خاتمہ پر مشہور برطانوی ناول نویس ڈکنس کا یہ فقرہ درج ہے کہ "یہ بہترین زمانہ بدترین تھا"! — کون کہتا ہے کہ زمانہ کی شکایت، اور جور فلک کا شکوہ، مشرقیوں کے ساتھ مخصوص ہے؟ دل میں بے چینی جس کسی کے بھی ہو، وہ مشرقی ہو یا مغربی، ایرانی ہو یا امریکی، زبان پر "الٰہی فریاد" بہر حال آکر رہیگا۔ اور مصیبتیں اور پریشانیاں، فرنگی دنیا کے اقبالمند فاتحین کی بھی، اب صبر و ضبط کی حد سے گزر چکی ہیں۔

قول اور عمل

"رامپور ہاٹ۔ بیربھوم۔ ۲۲ دسمبر۔ آج گاندھی جی نے اپنی ہندوستانی تقریر میں، کانگریس کارکنوں کے سامنے کہا کہ ہندو مسلم اتحاد تو صرف اسی صورت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کی بے لوث خدمت سیاسی اغراض سے الگ ہو کر کی جائے۔"
(ایسوشی ایٹڈ پریس)

خبر میں یہ درج نہیں کہ تقریر کے اس جزو کا اثر گاندھی جی کے خاص الخاص ماننے والوں نے، شیدائیوں نے، پرستاروں نے، ہونے والے جانشینوں نے کیا قبول کیا! اس تعلیم پر عمل اگر کسی درجہ میں بھی ہوتا، تو آج ملک کی فضا کتنی بدلی ہوئی ہوتی؟ ہندوستان کی تاریخ ہی کچھ کی کچھ ہوتی!

خلاصۂ مراسلات

(از جناب قدرت علی صاحب بھوپال) ۱۳۔ دسمبر۔ جمعرات مطابق ۲۰۔ محرم کو منشی راحت علی صاحب انصاری رسولوی وکیل ۸ بجے صبح وظیفہ سے فارغ ہوتے ہی اچانک حرکت قلب بند ہونے سے رحلت فرما گئے۔ بڑے دیندار اور ہر دلعزیز تھے۔ صدق کے بہت پرانے خریدار، سچ کے زمانہ سے تھے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم اردو ۲ سالہ پرانی ~~و~~ تصنیف)

حاکم و محکوم کے تعلقات پر احادیث و قرآن اور علمائے یونان کے اقوال سے بحث۔ ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ آنے پر بھیجی جا سکتی ہے۔ پتہ محمد تقی خان۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نئی کتابیں

(۱) **قرآن اور تصوف** ۔ از جناب ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب صدر شعبۂ فلسفہ جامعہ عثمانیہ۔ دکن۔ صفحات ۳۰۲، صفحے۔ تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت غیر مجلد ، پتہ:۔ ندوۃ المصنفین، دہلی، قرول باغ۔

"تصوف پر اردو میں اب تک بہت کچھ آ چکا ہے، بعض اچھے اچھے اہل نظر کے قلم سے بھی۔ پھر بھی ابھی بہت کچھ لکھنا باقی ہے۔ اور اس ضرورت کے پورا کرنے والوں میں ایک امتیازی مقام صدر شعبہ فلسفہ جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب کو حاصل ہے۔ اسکے قبل بھی وہ اس قسم کے مضامین پر متعدد بار قلم اٹھا چکے ہیں۔ انکا یہ تازہ ترین افادہ شاید انکا بہترین افادہ بھی ہے۔

تصنیف کا صحیح تعارف خود مصنف کی زبان سے سننے کے قابل ہے:۔

"اس کتاب میں تحقیقی اسلامی تصوف کا صاف و واضح بیان ہے جسکا مقصود و حصول مقام عبدیت مع الالوہیت و دریافت و شہود حق ہے جسکا نتیجہ محویت فی الحق اور دریافت و شہود خلق و حق ہے۔ اس تصوف کا ماخذ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلعم ہے۔ اسکو شاید پہلی مرتبہ اس وضاحت و منطقی ترتیب سے پیش کیا جا رہا ہے۔ راقم الحروف کو اسکے اہم مقامات کی لسانی تعلیم عارف تام الوقت حضرت مولانا محمد حسین صاحب قبلہ سے ملی ہے۔ اس مقالہ کی ہر سطر مستند بالکتاب و السنۃ ہے۔ اسکو اکابر اولیاء دین کی تائید حاصل ہے۔ گو ہر مقام پر انکی کتابوں کا حوالہ دینا ضروری نہیں خیال کیا گیا، اس سے وہی طبیعت مستفید و مستریح ہو سکتی ہے جسکو تفقہ فی الدین کی نعمت عطا کی گئی ہے جس نے اپنی عقل کو علم اللہ کے تابع کر دیا ہے، اور کتاب و سنت کو معیار حق و باطل قرار دے لیا ہے" (ص ۲۴-۲۵)

ایک مفصل و مبسوط مقدمہ کے بعد کتاب کے ابواب حسب ذیل ہیں:۔ عبادت و استعانت۔ قرب و معیت۔ تنزلات ستہ۔ خیر و شر، جبر و قدر، یافت و شہود۔

ان میں سے دو باب پہلے بھی مالک کے علمی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ باب اول قرآن کا فلسفۂ مذہب کے عنوان سے، باب دوم خلق و حق کے نام سے۔ اور باب سوم

کتاب اپنی نوعیت کے اعتبار سے اسکی متحمل نہیں، کہ اس کے مباحث کے خلاصے درج کیے جائیں یا کتاب کے چند اقتباسات سے کام چل جائے۔ کتاب سے لطف و نفع حاصل کرنے کے لیے کتاب ہی کا مطالعہ کرنا ہوگا، و دیکھیں شروع سے آخر تک — کتاب کے مباحث مربوط ہی ایک دوسرے سے ایسے ہیں — البتہ ناظرین یہ اطمینان رکھیں کہ مطالعہ پر جو وقت صرف کیا جائیگا وہ ضائع کسی طرح نہ ہوگا۔ مصنف کے قلم اور کتاب کے دقیق سے دقیق مباحث میں بھی جان موجود ہے۔ اور مصنف، چونکہ تصوف کے علاوہ،

فلسفہ، منطق، شعر و ادب، اور قرآن مجید، حدیث، اور کلام و فقہ وغیرہ دوسرے علوم شرعیہ میں بھی دخل و درک، بلکہ بصیرت کامل رکھتے ہیں، اس لیے کتاب عام اہل علم کے لیے بھی اچھی خاصی دلچسپ اور پُرمغز ہو گئی ہے۔

کتاب تصوف سے زیادہ فلسفۂ تصوف پر ہے، اور عام، کم استعداد و ناظرین کے قابل نہیں۔ سمجھنے کے قابل صرف انھیں لوگوں کے ہے، جو خود بھی نفسِ موضوع سے کچھ تعلق اور دلچسپی رکھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے علمی شبہات بھی بہت سے دور ہو جائیں گے، اور عملی تعبیریں بھی بہت کچھ حاصل ہو جائینگی —— جن لوگوں نے قبر پرستی، اور ذات پرستی، اور دوسرے بدعات و خرافات کا نام تصوف رکھ لیا ہے، وہ کتاب کو چھوئیں بھی نہیں۔ مصنف کو ایسے عالم کی ہوا بھی نہیں لگی ہے۔ انکے صفحات پہلا سے آخر تک نور توحید پر ہے۔

نکتہ چینی کی نگاہ کو صرف ایک جگہ حرف رکھنے کی ملی۔ صلہ کے دسط میں غزالیؒ کا جو قول بلا سند و حوالہ، "اپنے ایام بطالت" سے متعلق نقل کیا ہے، اس سے مفہوم یہ پیدا ہوتا ہے کہ علوم شرعی کی تدریس و اشاعت میں وقت صرف کرنا ہی عمر برباد کرنا ہے! اس لیے یا تو یہ قول ہی غلط نقل ہوا ہے، یا پھر اسکی کوئی معقول و لطیف توجیہ کر دینی تھی۔

حیدرآباد میں، مولانا محمد حسین، بہ ظاہر دنیا دار، ایک خاص طرز و رنگ کے اینڈ پہ صوفی بزرگ تھے۔ گفتگو کی ایک ایک نشست میں خدا جانے کتنے نکات معرفت بیان کر جاتے تھے۔ مقدر یہ ہو چکا تھا کہ انکی ملفوظات کا ایک بڑا اور اہم جز یوں ایک "یورپ رسیدہ" ڈاکٹر آف فلاسفی کے قلم سے محفوظ ہو جائے!

(۲) **قصص النبیین للاطفال** - الجزء الثالث (عربی) از مولانا سید ابو الحسن علی ندوی ۱۵۱ صفحے - قیمت عہ پتہ:- مکتبۂ اسلام - ۳۷ گوئین روڈ - لکھنؤ۔

کتاب کے حصہ اول، دوم دونوں پر تبصرہ اسکے قبل نکل چکے ہیں۔ بڑے شکر اور مسرت دونوں کی بات ہے کہ تیسرا حصہ بھی شائع ہو گیا۔ حضرت ابراہیمؑ، حضرت یوسفؑ، حضرت نوحؑ، حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ کے قصے اُن حصوں میں آ چکے تھے۔ اس تیسرے حصہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا پورا قصہ درج ہے۔ اور شروع میں تکمیل سلسلہ کے لیے حضرت یوسفؑ کا بھی باقی قصہ آ گیا ہے۔ یعنی حضرت یعقوبؑ و اولادِ یعقوبؑ کا کنعان سے مصر منتقل ہو آنا اور یہیں رہ پڑنا۔

کتاب کی زبان اور مضمون دونوں درجِ توصیف سے مستغنی ہیں۔ انداز بیان نہایت سلیس، سادہ، زیادہ تر قرآنی زبان میں۔ اور جزئیات واقعات کی تکمیل تاریخ اور توریت سے کرنے گئے ہیں —— کتاب مبتدیوں کے لیے عربی سیکھنے کے لحاظ سے بھی بے نظیر، اور بہ حیثیت قصص الانبیاء کے بھی ہر طرح مستند و معتبر۔

کتاب میں جا بجا نقشے اور مقاموں وغیرہ کی تصویریں بھی ہیں،

اور شروع میں مولانا مسعود عالم ندوی کے قلم سے مقدمہ۔

اب بعض مشورے طبع ثانی کے لیے عرض ہیں:-

(۱) فہرست مضامین کے ساتھ نقشوں کی فہرست بھی شروع میں ہوتی۔

(۲) اعراب کی تصحیح پر مزید توجہ لازم ہے، غلطنامہ کافی نہیں۔

(۳) صلہ پر اس کی تصریح کر دینی تھی کہ بنی اسرائیل اسوقت تین طرف سے گھرے ہوئے تھے۔ سامنے سمندر ہے، اور دو طرف پہاڑوں سے۔ صرف ایک ہی سمت کھلی تھی۔ اور اُدھر فرعون کا لشکر آ گیا۔

(۴) صلہ وسط سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ گویا نو سورج سے پیدا ہے۔ واقعہ اسکے برعکس ہے۔

(۵) صلہ پر جو تفصیلی کیفیت تابوت کے آمد کرنے کی درج ہے وہ محل گفتگو ہے۔

(۶) صلہ پر فرعون کا جو اصلی جرم بیان ہوا ہے اُس میں نمایاں پہلو اُسکے نسلی غرور کا نکل رہا ہے۔ حالانکہ اسرائیلیوں کا اصلی جرم اسکی نظر میں یہ تھا کہ وہ سرکاری مذہب کے باغی اور مصری عقائد کے منکر تھے۔

(۷) عہد موسوی کے سنین اب حد الطبیعت تک متعین ہو چکے ہیں۔ انکا ذکر کر دینا تھا۔ تقریبی و تخمینی حیثیت سے سہی۔

(۳) **تصویر علم و عقل کی روشنی میں** - از مولانا محمد اسحٰق سندیلوی و مولانا ابو الاعلیٰ مودودی - ۴۸ صفحے - قیمت ۶ر پتہ:- مکتبہ نشاۃ ثانیہ - چپل گوڑہ - حیدرآباد دکن۔

کتاب دراصل دو مختلف مقالات کا مجموعہ ہے۔ پہلا مقالہ اسی عنوان سے مولانا محمد اسحٰق سندیلوی کے قلم سے ہے جو صفحہ ۲۶ تک آیا ہے، اور "دیندار" رسالہ الفرقان کے دو نمبروں میں شائع ہوا تھا۔ آخر کے دو صفحوں میں مولانا ابو الاعلیٰ کا ایک مطبوعہ مضمون فوٹو کا مسئلہ کے عنوان سے شامل ہے۔

پہلا مقالہ ماشاءاللہ ہر طرح مکمل، مفصل، مدلل ہے۔ اور سارے تعلیم یافتہ گروہ کے مطالعہ کے قابل۔ محض فقہی فتوے نہیں بلکہ نفس مسئلہ اور اُسکے اطراف و جوانب پر ایک پُرمغز مقالہ۔ حکیمانہ و نفسیاتی حقائق سے لبریز۔ مولانا مودودی کا مضمون بھی اپنے اختصار کے اندر جامع و قاطع ہے۔ ضرورت ہے کہ دونوں مقالوں کی اشاعت پڑھے لکھوں میں زیادہ سے زیادہ ہو۔

اخبارات

(۱) **سرفراز - محرم نمبر** - ۶۰ صفحے - قیمت عہ پتہ:- دفتر روزنامہ سرفراز - ناداں محل روڈ - لکھنؤ۔

شیعہ روزنامہ سرفراز نے حسب معمول اب کی بھی سالانہ محرم نمبر شایع کیا ہے۔ اشتہارات کا حصہ نکال دینے کے بعد بھی اچھا خاصہ ضخیم مضامین نظم و نثر تقریباً سب، شیعہ نقطۂ نظر کے ترجمان ہیں، اگرچہ بعض سنی ناموں سے بھی ہیں۔ تسنیم امروہوی کا مرثیہ شاعری کے اعتبار سے

خوب ہے۔ کاش یہی بات اُس کی صورت سے بھی متعلق کہی جا سکتی! اور یہی حال غالب کے سلام کا بھی ہے۔ پیاموں میں ہوش یار جنگ بہادر کا پیام قابلِ قدر ہے۔ متعدد مضمون ایسے ہیں جنکے پڑھنے میں اہلِ سنت تکلیف محسوس کرینگے۔ حالانکہ تھوڑی ہی سی توجہ و احتیاط سے تلخیاں شیرینیوں میں تبدیل ہو سکتی تھیں ——— حسینؓ کا نام اس قدر آشفتگی سے لینے والے بھی اس حیثیت سے کتنے دور ہیں!

(۲) **قومی آواز** - روزنامہ - اڈیٹر: حیات اللہ صاحب انصاری لکھنوی - قیمت سالانہ [illegible] فی پرچہ ۱ر پتہ: — منیجر قومی آواز - لکھنؤ -

لکھنؤ سے شام کو شایع ہونے والا یہ کانگرسی روزنامہ حال میں نکلنا شروع ہوا ہے اور اس وقت تک اسکے کل پانچ نمبر نظر سے گزرے ہیں۔ اڈیٹر صاحب لکھنے والے اچھے خاصے ہیں اور رسالہ [illegible] میں انکے مضامین انکے ذوقِ علم کے بھی شاہد ہیں۔ لیکن پرچے کے اب تک کے نمبر نہ انکی شہرت میں کچھ اضافہ کر رہے ہیں اور نہ کانگرس جیسی ذمہ دار و اہم جماعت کے معیارِ سنجیدگی ہی کے مطابق ہیں۔ اڈیٹوریل مضامین اور شذرات اوسط درجہ کے ہیں، گو ان میں بھی اصل رُخ گورنمنٹ سے زیادہ مسلم لیگ کی جانب ہے، لیکن "گلوریا" کے زیرِ عنوان "لعابیں" کے نیچے زنانی زبان اور زنانے لب و لہجہ میں جو کچھ اب تک نکلا ہے اسکی رکاکت و ابتذال ایک بلند پایہ روزنامہ کے لیے باعثِ فخر نہیں، باعثِ شرم ہے۔ حیرت ہے کہ اڈیٹر صاحب کے ذوقِ سلیم نے اسے گوارا کیسے کر لیا۔ اور اس سے بڑھ کر حیرت پرچہ کے سرپرست جناب رفیع احمد قدوائی اور پنڈت جواہر لال پر ہے (بشرطیکہ پنڈت جی ایک اردو پرچہ سے اس حد تک باخبر ہوں)! معلوم یہ ہونے لگتا ہے کہ پرچہ کا مقصد آزادیِ ملک کی دعوت اور اتحادِ ہند کی تبلیغ ہے یا خلیق الزماں اور حسن ریاض کی شخصی تضحیک! آخر انگریزی میں اسی کے ساتھ نیشنل ہیرلڈ بھی تو نکلتا ہے، وہ اپنا رُخ بالکل سچا طور پر گورنمنٹ کی جانب رکھے ہوئے ہے، اور لیگ پر جب لکھتا بھی ہے تو ذاتیات کی اتنی پست سطح پر بہرحال نہیں اُترتا۔ صحیح سیاسی تعلیم و تربیت کی اردو خوانوں کو بہت شدید ضرورت ہے، اور معاشی، اخلاقی، معاشرتی، تعلیمی، تہذیبی حیثیتوں سے اس وسیع ترین موضوع پر سیکڑوں مضامین و مقالات کی گنجائش ہے۔ جیسا کہ رسالہ جامعہ نے اپنا مسلک رکھا تھا، اور متعدد جامعی بحمد اللہ اب بھی اس رنگ کو نباہ رہے ہیں۔ شوخ نگاری کانگریس کی حمایت میں سہی، آخر پیام کے انداز کی بھی ہو سکتی ہے، گو یہ بھی سچ ہے کہ ہر شخص قاضی عبد الغفار نہیں ہو سکتا۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفترِ صدق، گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

تذییل تفسیر (قرآنی)

بہ سلسلہ سورۂ بقرہ، رکوع ۲۴ (صدق نمبر [illegible])

(مسودہ کی ذیل سطریں گذشتہ پرچہ میں چھپنے سے رہ گئی تھیں)

سہ شنبہ ۸ اپریل ۱۹۴۱ء (مطابق ۱۰ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ) کو تفسیر کا مسودہ ابھی یہاں تک پہونچا تھا، کہ سہ پہر کے وقت دنیا میں سب سے زیادہ عزیز و مکرم ہستی یعنی والدۂ ماجدہ کی شدید علالت کی خبر نعیم آباد سے آئی۔ پہلی ٹرین سے گیا، رات میں پہونچا۔ حقیقی بہن بڑی آخری خدمت کی۔ یکشنبہ ۱۳ اپریل ۱۹۴۱ء (مطابق ۱۵ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ) کے سہ پہر کو بعد نمازِ عصر عالمِ نزع طاری ہوا۔ ہمشیرہ نے سورۂ یٰسین کی تلاوت کی، دوسرے اعزہ کلمۂ طیبہ پڑھتے اور اللہ اللہ کرتے رہے۔ عصر کا وقت آخر ہو چکا تھا، اور آفتاب غروب ہو رہا تھا، کہ اس نیک اور متقی، گزار بندی کی زندگی کا آفتاب بھی تقریباً ۷۵ سال کی عمر میں غروب ہو گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ نعش وطن لاکر دوشنبہ کی دوپہر کو خاندانی مسجد کی عین پشت پر [illegible] مرحومہ سپردِ خاک کی گئی۔ تفسیر کا کام دو ڈھائی ہفتہ رکا رہا، اب کل ۲۷ اپریل (۲۹ ربیع الاول) سے ان شاء اللہ پھر شروع ہوگا۔ ناظرین سے التجا ہے کہ اس مرحومہ کے حق میں دعائے خیر کرکے خود بھی اجر حاصل کریں!

سنیما اور بچے

بچوں کی فطرت ہے کہ وہ ہر اس شے کی نقل کرنے لگیں جسکو دیکھیں۔ اور انکی اسی فطرت کے مظاہرہ کا اندازہ انکی بات چیت، انکے کھیل کود اور انکی زندگی سے لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً ریلوے ملازمین کے بچے جب کھیلیں گے تو وہ جمع ہو کر ریلوے ٹرین گارڈ اور ڈرائیور وغیرہ بننے کی کوشش کریں گے۔ تاجر پیشہ لوگوں کے بچے مصنوعی گاہک اور دوکاندار بنتے ہیں۔ کاشتکاروں کے بچے بات چیت میں زمین کی کاشت [illegible] نقل کرتے ہیں۔ چنانچہ آج ہم ہر گلی اور ہر گھر کے اندر اگر کوئی [illegible] بھی وہ گئے بھی وہ "ہماری گلی آنا" "کالے بادل گھر گھر آئے" وغیرہ عشقیہ گانے گاتے ہوئے سنتے ہیں تو اسکی وجہ ہندوستانی سنیما اور انمیں دکھائی جانے والی فلمیں ہیں۔ کیونکہ بچے اگر سنیما دیکھیں گے تو وہ اپنی فطرت کے باعث سنیما میں گائے جانے والے گانے اور دکھائے جانے والے سین کی نقل کرنے کے لیے مجبور رہیں۔ اس میں ان کا کوئی قصور نہیں۔ سنیما کے ان اثرات اور ان اثرات سے پیدا شدہ ملک کی آیندہ نسل کی تباہی کا خیال کرتے ہوئے مناسب تو یہ تھا کہ والدین اپنے بچوں کو سنیما کی فضا سے بالکل الگ رکھتے تاکہ انپر یہ برے اثرات نہ ہوتے۔ مگر وہ لوگ اپنے بچوں کے کیرکٹر کی پروا کیا کریں، جو خود اپنے کیرکٹر کی پروا نہ کرتے ہوں اور جھوٹ بولنے، بد دیانتی کرنے اور انسانیت سے محروم ہونے کو ایک آرٹ اور قابلیت سمجھتے ہوں۔ بچوں کو برے اثرات سے بچانے کی صورت تو صرف ایک ہی ہے۔

قرآن کریم اور بائبل کا باہمی تعلق

(جناب مولانا عبدالرؤف خاں صاحب جھنڈے نگر کے قلم سے)

(۲)

ایک وہم کا ازالہ اس موقعہ پر کہہ دینا چاہیے کہ قرآن مجید جنت اور جہنم، جنت اور ملائکہ وغیرہ امور میں انجیل و توریت سے مشترک ہے۔ پس اس سے ایک ظاہر بین کے نگاہ میں یہ بات ضرور وزن رکھے گی کہ چونکہ قرآن متاخر ہے اور اہل کتاب کی کتابیں متقدم ہیں۔ اس لیے متاخر کا مضمون متقدم سے مطابق ہونے کی وجہ سے اس شبہ سے بری نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے ماخوذ ہے۔

الزامی رنگ میں جواب ویدوں کی نسبت دیباچہ بھومکا میں پروفیسر ولسن صاحب وغیرہ کے اقوال کا اقتباس کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اہل یورپ کی رائیں ویدوں کی نسبت گیارہ ہزار برس قبل مسیح سے ۲۵۰ برس قبل تک شائد ہزار برس سے الگ الگ ہوں گی (دیکھو دیباچہ بابو خوال سنگھ مندرجہ بھومکا صفحہ ...)

اب دیکھو کہ ویدوں کا تاریخ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سیکڑوں ہزاروں برس پہلے سے موجود ہے، اور اس میں یہ حکم ہے کہ اے انسانو! تمہارے توپ، بندوق وغیرہ آتشگیر اسلحہ اور تلوار وغیرہ میری عنایت سے مضبوط و فتح نصیب ہوں۔ تم دشمنوں کی فوج کو ہزیمت دے کر انہیں روگرداں اور پسپا کر دو۔ تمہاری فوج جرار اور کارگزار نامی گرامی ہو۔ تاکہ تمہاری عالمگیر حکومت قائم ہو، اور تمہارا حریف ناہنجار شکست یاب ہو اور نیچا دیکھے۔ (رگ وید اشٹک ۱ ادھیائے ۳۔ بحوالہ رگ وید بھومکا صفحہ ۲۲۹)

اب اسلحہ جنگ کی درستی کے متعلق مسیح کی ہدایت کو انجیل لوقا میں پڑھیں۔ اب جس کے پاس بٹوا ہو لیوے اور اسی طرح جھولی بھی۔ اور جس کے پاس نہیں وہ اپنے کپڑے بیچ کر تلوار خریدے (لوقا باب ۳۶)

ہماری غرض اس عبارت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ حکم جہاد و درستی اسلحہ دونوں میں مشترک ہے۔ اب عیسائی حضرات بتلائیں جو اس خیال کے موید ہیں کہ وید دھرمیوں (آریہ سماجیوں وغیرہ) کا یہ کہنا کہ چونکہ وید بائبل پر مقدم ہے اور بائبل کے وہ مضامین جو وید کے مطابق ہیں وید ہی سے ماخوذ ہیں۔ کیا اسے آپ تسلیم کریں گے۔ اور کیا اعتراف کریں گے کہ بائبل وید کا خوشہ چیں ہے۔ اگر نہیں تسلیم کیا جا سکتا۔ تو پھر ایسی چند سرسری مطابقت کی بنا پر قرآن کو انجیل کا خوشہ چیں کیوں سمجھتے ہیں۔ آنچہ بر خود نپسندی بر دیگراں مپسند۔

ایک اور وہم کا ازالہ پادری بشیر احمد الہ آبادی نے اظہار حقیقت میں لکھا ہے۔ خود قرآن ہی سے ثابت ہے کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ پہلے کتب مقدسہ میں تھا۔ جیسا کہ ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراہیم و موسیٰ فرمانے سے ظاہر ہے۔

الجواب پوری آیت یہ ہے والآخرۃ خیر و ابقیٰ، ان ہذا لفی الصحف الاولیٰ، صحف ابراہیم و موسیٰ۔ یعنے آخرت بہتر اور باقی رہنے والی چیز ہے، بیشک یہ مضمون (آخرت کا بہتر ہونا) پہلے صحیفوں میں بھی تھا۔ خاصکر ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں۔ پس قرآن ہرگز یہ نہیں کہتا کہ قرآن میں جو کچھ ہے وہ اگلی کتابوں کا مضمون ہے۔ بلکہ اس میں تو صرف یہ خبر ہے کہ قیامت اور آخرت کی بابت پہلے صحیفوں میں خاصکر ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں بھی تنبیہ کر دیا گیا تھا۔ قرآن نے ان دونوں صحیفوں میں اسی اتباع کا خصوصیت سے اس لیے ذکر کیا کہ رب قرآن کو یہ معلوم تھا کہ آخر ان دونوں صحیفوں کا پتہ نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو اس میں معاد و آخرت کا ذکر نہ ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی امر واقع ہوا۔ کہ بائبل کے عہد عتیق موسیٰ کی کتابوں سے شروع ہوتی ہے مگر موسیٰ کی ساری کتابوں میں قیامت اور طریق نجات کا کہیں ذکر تک نہیں ہے۔ اور یہودیوں نے ابراہیمی صحیفے گم کر دیئے کہ ساری بائبل میں کہیں اسکا پتہ نہیں۔ ومن ادعی فعلیہ البیان۔

باہمی اشتراک مضامین عیسائیوں کے اعتراض کی تردید

اگر عیسائیوں کا یہ نظریہ صحیح ہو کہ عہد جدید کی جتنی باتیں عہد عتیق سے ملتی جلتی ہیں وہ سب عہد عتیق سے ماخوذ ہیں۔ مثلاً استثناء باب ۲۶ کے فقرہ ۱۶ میں ہے۔ سو تم اپنے سارے دل اور سارے جان سے ان پر عمل کرنا۔ اور متی باب ۲۲ فقرہ ۳۷ میں یہی مضمون ہے کہ اپنے خدا سے سارے دل اور ساری جان سے محبت رکھ۔ اسی طرح سیکڑوں مثالیں ہیں۔ اب مضمون متی پر استثنا کا سرقہ و خوشہ چینی کا الزام لازم آتا ہے۔ ما ہو جوابکم فہو جوابنا۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ تقریباً ہر رائج الوقت مذہب کی تعلیم یہی ہے کہ جھوٹ نہ بولو، جھوٹی گواہی نہ دو۔ چوری نہ کرو۔ ناحق خون نہ کرو، زنا، بدکاری وغیرہ نہ کرو۔ ایسا ہی تعلیم ہے۔ ماں باپ کی عزت کرو۔ اساتذہ کا ادب کرو۔ ہمسایہ کا حق پہچانو۔ لڑکے کو تعلیم دلاؤ، وغیرہ۔ پس کیا اس اشتراک کی وجہ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بعض بعض کی نقل ہے اور ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے ہم ایسا نہیں کہہ سکتے۔ ورنہ پھر کسی کتاب کو ہم اس الزام سے بری نہیں ٹھہرا سکتے کیونکہ قرآن مثلاً بائبل سے ماخوذ ہے تو بائبل وید سے اور وید ژند و زرتشت والوں کی کتاب ژند پاژند (اوستا) سے ماخوذ ہے وہکذا۔

سوامی جی اس نکتہ کا خیال نہ کرکے ادعاء باطل تک پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ انکا قول ستیارتھ پرکاش و بھومکا میں موجود ہے کہ جو سچائی بھی کسی کتاب میں ہے وہ وید ہی کی سچائی سے نکلی ہے اور اسی سے ماخوذ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ادعا محض خوش عقیدگی ہے ورنہ

وہ حقیقت کچھ نہیں۔ کیونکہ اس طرح وید ژند سے ماخوذ ہوگا۔ وید کا ژند پاژند سے ماخوذ ہونا اس طرح پہ ہے کہ نورالدین شاہ میں یہ تحقیق لکھتا ہے کہ مجوس اپنی کتابوں (ژند پاژند) کی مدت قدامت بیان کرتے ہیں۔ مہاراجہ شکو کے آگے اور سترہ صفر بڑھاتے ہیں اور ہندو اپنی کتابوں کی مدت ہر دوں کی مدت سے بھی کئی گنا زیادہ بتلاتے ہیں۔ ہر فریق مدعی قدامت ہے۔ پس یہ طریق کتابوں کی الہامی اور اصلی ہونے کا گمان مٹا دینے کا باعث ہوگا۔ تمام ہو جو ایم نوجوانا۔

اسی طرح قرآن مجید کے بعض مضامین سے متوافق ہونے پر سرقہ اور اخذ و نقل کا گمان کرنا محض فاسد کا سد گمان ہے جو اوقات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح سائل اگر آریہ ہے اور بائبل کے اشتراک مضامین کی بنا پر قرآن کی عدم ضرورت کا قائل ہے تو اسکو جواب دیا جائیگا کہ تمھارے مسلمات کے روسے یہ امر محقق ہے کہ چاروں ویدوں (رگ، یجر، سام، اتھروں) میں سے ہر ایک وید میں ایک ہی طرح کے مضامین ہیں مثلاً اگر رگوید کرم کانڈ (عمل) اور گیان کانڈ (علم) اپاسنا کانڈ (عبادت) وگیان کانڈ (معرفت) کا بیان ہے تو اسی طرح یجروید میں بھی چاروں کانڈ کا بیان ہے اسی طرح سام اور اتھروید میں بھی۔ چنانچہ یجوید کا اردو کے حاشیہ میں بابو غال سنگھ مترجم یجوید نے لکھا ہے:-

یہ مراد نہیں ہے کہ رگوید میں محض گیان کانڈ ہے کرم یا اپاسنا کانڈ نہیں ہے۔ یا یجروید میں صرف کرم کانڈ ہے اپاسنا گیان کانڈ نہیں ہے بلکہ ہر وید میں سب ہی مضمون ہے۔ (صفحہ [illegible])

پس اگر اشتراک مضامین کے باوجود وید چاروں سکتے ہیں اور ان پر کچھ اعتراض نہیں کیا جا سکتا ہے کہ یہ وید ایک دوسرے سے ماخوذ یا دوسری کی نقل ہیں۔ تو اسی طرح قرآن شریف پر بھی بعض مضمون میں مشترک ہونے سے کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر مضامین ایک دوسرے کے ساتھ مشترک ہو جانے سے دوسری کی ہستی ضروری ہے ایک وید کے سوا باقی ویدوں کا انکار ضروری ہوگا۔ پس اس اعتراض کا لا یعنی ہونا ثابت ہوا۔ علاوہ ازیں اگنی کی پوجا میں یا ہون میں آتشکدہ فارس کی عبادت سے جو مشابہت ہے اسکے پیش نظر اس طریق کو زردشتی اصولوں کی نقل قرار دیا جا سکتا ہے۔ کیا آریہ حضرات اس اشتراک کی بنا پر اس خیال کو صحیح سمجھیں گے؟ اگر نہیں تو بھی نظر انصاف ہر جگہ قائم رکھیں

ادا سے دیکھ لو جاتا رہے گلہ دل کا
بس اک نگاہ پہ ٹھہرا ہے فیصلہ دل کا

پادریوں کا شبہۂ ثانی

اہل بائبل کی طرف سے یہ اعتراض ہوتا ہے کہ مسلمان قرآن کریم کو خوشہ چینی کے الزام سے محفوظ رکھنے کے لیے قرآن کریم کی اصلاحی آیات پیش کرتے ہیں مگر یہ بھول جاتے ہیں کہ اس میں کلام آخر کا کلام اول کے لیے مصلح و ناسخ ماننا لازم آئے گا حالانکہ خدا کے لیے نسخ جائز نہیں کیونکہ پہلے حکم کو اٹھانا اسکے ناتجربہ کاری اور لاعلمی پر مبنی ہوتا ہے چنانچہ حکام سلطنت کسی حکم و قانون تجویز کرتے وقت نہیں ہوتا۔ اور یہ امر خدا تعالیٰ کی شان علم کے خلاف ہے کیونکہ خدا علام الغیوب ہے۔ پس نسخ کا عقلاً نادرست ہونا مقتضی ہے کہ آخری کتاب مصلح ہونے کی حیثیت سے نہ آئے۔ ایک نقلی روایت کو بھی اصحاب انجیل بیان کرتے ہیں کہ قرآن میں ارشاد ہے۔ لا تبدیل لکلمات اللہ۔ یعنی اللہ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ اور یہی حضرت مسیحؑ نے توریت کے متعلق فرمایا ہے۔ کیونکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان و زمین ٹل نہ جاویں توریت کا ایک نقطہ یا شوشہ نہ ٹلیگا۔ (انجیل متی باب ۵ درس ۱۷) آسمان و زمین کا ٹل جانا شریعت کے ایک نقطہ کے مٹ جانے سے آسان ہے (لوقا $\frac{16}{17}$) پھر کیونکر ممکن ہے کہ احکام توریت وغیرہ احکام قرآن سے منسوخ ہوں۔ پس جبکہ حکم خداوندی کا منسوخ ہونا۔ ہر دو دلیل سے ثابت ہوا۔ تو لا محالہ قرآن کا ناسخ اور مصلح ہونا بھی غلط ٹھہرا۔ لہذا نتیجہ کہنا پڑا کہ قرآن کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ (باقی آئندہ)

ہماری زبان

(ڈاکٹر تاراچند کے خطبۂ صدارت کی آخری قسط)

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر وہ سمجھتے ہیں کہ اردو کو ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں نے مل کر بنایا ہے تو انھیں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہ زبان کیوں بنائی گئی۔ اس کی غایت یہی تھی کہ دونوں مل کر رہ سکیں۔ زبان کلچر کی حامی ہوتی ہے۔ اور اگر زبان ایک ہے تو کلچر بھی ایک ہی ہونا چاہیے۔ اگر اردو زبان کے مشترک ہونے پر زور دیا جاتا ہے تو اسکے نتائج سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔

ہندوؤں سے میں کہوں گا کہ اردو ملک میں چند سو برس سے آج تک رائج ہے۔ اسکا نام چاہے جو ہو۔ یہ کسی بیرونی ملک کی زبان نہیں ہے۔ ہم سب کو اس پر فخر کرنا چاہیے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ ہر زبان سدا ایک ہی نہج پر نہیں رہتی۔ نظامی کی زبان ولی کی زبان سے مختلف ہے۔ ولی کی زبان سودا کی زبان نہیں ہے۔ سودا کی زبان آتش کی زبان سے الگ ہے اور آتش و ناسخ کی زبان آج کل کی زبان نہیں تھی۔ اگر ہندو اپنی زبان کو اس میں دکھنی کی طرح اور الفاظ رائج کرنا چاہیں تو انھیں کوئی روک نہیں سکتا۔ زبان کے طرز الگ الگ ہوتے ہیں۔ شمالی جرمن لکھنے والے جنوبی جرمن نہیں سمجھتے۔ اور جنوبی جرمن بولنے والے پروشیا کی زبان نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اردو کے بھی مختلف طرز ہو سکتے ہیں۔ اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ ہندو تہذیب کے خیال اردو سے ظاہر نہیں ہو سکتے۔ مذہبی کتابیں

اُردو میں موجود زبان بہت سے ہندو بنت پران اور سمرتی کے اُردو ترجموں میں سے اپنی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں ہے کہ اُردو مسلمانوں کی زبان ہے۔ اُنکی مذہبی زبان عربی ہے بنگال کے مسلمان ہندوؤں کی طرح بنگالی بولتے ہیں۔ مثلاً وہاں صدر کا لفظ نہیں بولا جاتا بلکہ سبھا پتی مہاشے کہتے ہیں۔ میں ابھی مدراس سے آرہا ہوں۔ وہاں مسلمان اساتذہ تامل تو فرّاٹے سے بولتے ہیں مگر جب اُردو میں بات کرتے ہیں تو اس پر ہنسی آتی ہے۔

زبان کا مسئلہ پیچیدہ ہوتے ہوئے بھی کوئی زیادہ دشوار نہیں ہے۔ اُردو، ہندی اور ہندستانی، لسانی حیثیت سے ایک ہی ہیں۔ زبان کے علمی اعتبار سے تین پہلو ہوتے ہیں۔ صرفی، حروف نحو اور الفاظ کی بناوٹ جہاں تک پہلے اور دوسرے پہلو کا تعلق ہے ان تینوں زبانوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگرچہ (ح) (ذ) (ض) اور (ق) کی آوازیں ایسی ہیں جنکے ادا کرنے میں پورب والوں کو دشواری ہوتی ہے مگر آوازیں کھڑی بولی میں شامل ہیں۔ البتہ ہندی لکھنے والے اب بعض آوازیں استعمال کرتے ہیں جنکے استعمال کا انہیں کوئی حق نہیں ہے اسلیے کہ سنسکرت کی سب آوازیں کھڑی بولی میں نہیں رائج ہیں۔ مثلاً سنسکرت میں (ریت) کے بجائے (رِیت) اور (رُت) کے بجائے (رِتْ) بولا جاتا ہے۔ ہندی والے ان پرانے الفاظ کو جگا کر اپنی زبان کی خوبی بڑھانے کے بجائے اسے نقصان پہونچاتے ہیں۔ چنانچہ اس ہندی کے شعر زبان پر نہیں چڑھتے اور اُردو کے شعر غیر ارادی طور پر زبان پر چڑھ جاتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ ہندی ایک نئی زبان ہے۔ یہ انیسویں صدی میں پیدا ہوئی۔ اور اس میں اُردو کی ایسی صفائی اور ستھرائی نہیں ہے۔ اگر ہندی والے سنسکرت کی آوازیں اور ترکیبیں ترک کر دیں اور اُردو والے بھی عربی اور فارسی ترکیبیں چھوڑ دیں تو دونوں ایک دوسرے سے بہت قریب آسکتے ہیں۔

ایک اور اہم سوال یہ ہے کہ ہماری علمی اور ادبی کتابیں کس زبان میں لکھی جائیں۔ انکے لیے اصطلاحات کہاں سے لائی جائیں۔ انکے لیے ایک طرف سے عربی اور فارسی کو پیش کیا جاتا ہے اور دوسری طرف سے سنسکرت کو دونوں میں کافی وزن ہے۔ لیکن بیچ کا راستہ سب سے اچھا ہوگا۔ بہتر یہ ہوگا کہ علوم کو کئی شاخوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ بعض علوم ایسے ہونگے جنمیں اصطلاحی حصہ بہت زیادہ ہے۔ اسکے لیے ہمیں انگریزی کی ہر دو یہ اصطلاحات لے لینی چاہیے البتہ انکی آواز کو ہندستانی بنانا پڑیگا اس لیے انکے قاعدے مقرر کر لینے چاہییں۔ کچھ علوم ایسے ہیں جن میں بانیہ جیسے اصطلاحی حصہ سے زیادہ ہے مثلاً فلسفہ ان علوم کی اصطلاحات بھی ایک ہوں تو اچھا ہے لیکن اگر مشترکہ اصطلاح نہ مل سکے تو وہ اصطلاحات بھی رکھی جاسکتی ہیں۔ اسکے بعد ادبیات اور اس قسم کے دوسرے علوم آتے ہیں۔ ان میں سب کو آزادی ہونی چاہیے۔ تمہیں اُردو اور ہندی کی آسان شکلیں قریب قریب یکساں رہیں گی۔ جہاں تک خالص ادب کا تعلق ہے اس میں کوئی پابندی کسی پر نہیں لگائی جاسکتی۔

ہمیں کوئی نئی زبان بنانے کی ضرورت نہیں ہے۔ زبان تو صرف اس پہلے ہی سے موجود ہے۔ صرف نئے الفاظ کی ضرورت ہے اور ہماری زبان میں نئے الفاظ کے لیے گنجایش موجود ہے۔ پچھلی جنگ میں جرمنی نے فرانسیسی الفاظ نکال لیے۔ اسی طرح انگلستان میں جرمن نام اور الفاظ نکال دیے گئے۔ مختصر یہ کہ اگر ہمارے دلوں میں یہ جذبہ ہے کہ اس ملک کے لوگ ایک ہی گروہ میں ہیں تو ہمیں اس سوال کو حل کرنا ہوگا کہ اُس گروہ کی زبان کونسی ہو۔ اور میرے خیال میں وہ زبان وہی ہوسکتی ہے جسے میں ہندستانی کا نام دیتا ہوں۔ (ریڈیو)

(بقیۂ صفحہ ۵)

قانون اور قانون کے ڈنڈے کے ذریعہ معصوم اور بے گناہ بچوں کو بچایا جائے۔ اور اسکا طریقہ صرف ایک ہی ہے، کہ بچوں کے لیے اُن تمام فلموں کا دیکھنا والدین اور مالکان سنیما کے لیے قانوناً جرم قرار دیا جائے جو فلمیں بچوں کے ذہن پر بُرے اثرات پیدا کر سکتی ہیں۔

یورپ اور امریکہ میں قانونی پوزیشن یہ ہے کہ نابالغ بچے عام فلموں کو نہیں دیکھ سکتے۔ اور اگر عام فلموں کو دکھائے جانے کی صورت میں کوئی بچہ سنیما میں داخل ہو تو بچہ کے والدین اور مالک سنیما کو سخت سزا دی جاتی ہے۔ اور بچے صرف وہی فلمیں دیکھ سکتے ہیں جو بچوں کے لیے تیار کی جاتی ہیں۔ اور بچوں کے مذاق کے مطابق دلچسپ ہوتی ہیں۔ چنانچہ گورنمنٹ ہند کا فرض ہے کہ وہ ہندستانی بچوں کی موجودہ تباہی پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے۔ اور چاہیے گورنمنٹ کے انتظام میں ہو یا فلمسازوں کو مجبور کیا جائے۔ بچوں کے لیے علٰحدہ فلمیں تیار کی جائیں اور ان فلموں کے تیار ہونے کے بعد ایک قانون نافذ کیا جائے جسکے مطابق بچوں کے لیے سوائے بچوں کی فلم کے دوسری فلمیں دیکھنے کی سخت ممانعت ہو۔ اور اس قانون پر سختی سے عمل کرکے ہمسایوں عام فلموں کی فضا سے دور رکھا جائے۔ ضرورت ہے کہ گورنمنٹ اس اہم مسئلہ پر فوراً توجہ دے۔ (ریاست)

گزارش

ناظرین صدق براہ کرم خط وکتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمائیں [illegible]

ربنا تقبل منا (؟)

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ	(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب و نگراں حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ

" ششماہی صہ

بیرونِ ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

(رجسٹرڈ نمبر ۔۔۔)

نمبر ۶۹	چہارشنبہ - ۱۰ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۳ - جنوری ۱۹۴۶ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

سنہ آج سے ۳۰ سال قبل ۱۹۱۶ء کا ہے۔ پیرس میں آل انڈیا میوزک کانفرنس "عالمی نمائش موسیقی" ہو رہی ہے۔ ہندوستان کے مشہور شوقین رئیس اور ایڈوکیٹ، جو آگے چل کر نامور لیڈر بھی ہوئے پنڈت موتی لال نہرو ایسے جلسہ کو کیسے چھوڑ سکتے تھے، ہندوستان سے سفر کر کے پیرس پہنچے ہیں، اور ہندوستان کے ایک مشہور "ایتے" استاد فن کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں۔ ہندوستان غریب کو یہاں کوئی کیوں پوچھنے لگا تھا، لیکن پنڈت جی کی دوڑ دھوپ آخرکار رائیگاں نہ رہی، اور ہندی گویے کے لیے بھی بمشکل چند منٹ کا وقت جلسہ کے بالکل آخری دن، ۱۲ بجے رات کے وقت نکل آیا۔ استاد ڈائس پر وقتِ مقررہ پر آ تو جاتے ہیں، لیکن پیرس کے جلسہ کو شاید لکھنؤ کی بزم نشاط پر قیاس کیے ہوئے ہیں، وقت کا کوئی احساس ہی نہیں۔ ۵ منٹ، ۱۰ منٹ بلکہ ۲۰ منٹ گزرتے اور استاد خاصدان سے گلوریاں نکال نکل کر چباتے جاتے، اور ہاتھ سے ساز ملاتے جاتے ہیں۔ اہل مغرب اسی پر لوٹے جاتے ہیں، اور تحسین و آفرین کی تالیوں کے ساتھ تقاضہ ہر طرف سے ہونے لگتا ہے، کہ اصل مجرا شروع کرنے میں اب دیر نہ کیجیے۔ استاد کرامت اللہ خاں ... معافی کر کے الگتا کی دھن شروع کرتے ہیں، اور ... ——— کام شروع کرنے سے پہلے نام ... لیتے۔!

قصہ کا راوی اس جزئیہ کو خاص طور پر نوٹ کرتا ہے، اور یہی ہمارے آپ کے کام کا بھی ہے۔ راگ راگنی کا ہماری شریعت میں کوئی درجہ ہی نہیں، اور گانے بجانے کو بطور پیشہ اختیار کرنا کھلی ہوئی اور یقینی ایک صورت فسق کی ہے۔ محفل بھی ظاہر ہے کہ تمامتر اہل غفلت ہی کی تھی۔ لیکن مسلمان فاسق عین حالت فسق میں بھی اپنے اللہ سے اتنا تعلق ... کہ باقی نہیں رکھتا کہ اُسکا نام تک بھول جائے! ناسمجھی سے سہی، حماقت سے سہی، بہت ہی بے محل سہی، لیکن بہرحال وہ نام اب بھی اُسی کا جپے جاتا ہے۔ عمل معصیت کی پرسش اور سرزنش بالکل اپنی جگہ پر، لیکن دوسری طرف اللہ کے ساتھ یہ کمزور سا لگاؤ، یہ ہلکا سا اٹکاؤ، یہ تمرد و بغاوت سے بچاؤ، کیا سرے سے بیکار ہی رہیگا؟ کیا طلبِ رحمت کے یہ بہانے، بہانے کا کام بھی نہ دے سکیں گے؟ ——

شریعت کے ایک ایک جزئیہ کی پابندی کا اہتمام و انتظام یقیناً پوری شدت اور پوری قوت کے ساتھ کیجیے، لیکن نظر رحمت ہمیشہ گنہگاروں پر، فاسقوں پر بھی رکھیے۔ انھیں منکروں، باغیوں کے درجہ پر نہ پہونچا دیجیے —— ایمان و اقرار کا ہلکے سے ہلکا درجہ، ادنیٰ سے ادنیٰ مرتبہ بھی، اللہ کو قابل تحقیر نہیں۔ "کل" کیا خبر، کسے خبر، کہ کتنا قیمتی نکل آئے، کیا پُر وزن ثابت ہو جائے!

شراب کی نہریں

لندن - ۱۲ - جنوری - ہر امکانی کوشش اس کی کی جا رہی ہے کہ ... سے وسکی شراب کی برآمد ہندوستان کے لیے مقدار میں دگنی ہو جائے۔

ششماہی مختتمہ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۴ء میں اسکی تعداد ۷۰ ہزار گیلن تھی

" ۱۹۴۵ء میں یہ مقدار نصف رہ گئی

شماری مختتمہ ۱۹۲۵ء میں یہ مقدار ایک لاکھ ۲۰ ہزار گیلن رہ گئی تھی، ہر ممکن کوشش اس کی ہو رہی ہے کہ اس شماری میں یہ مقدار اگر ۱۹۲۵ء سے دوگنی نہ ہو سکے تو کم از کم ۱۹۱۳ء والی مقدار کے تو ضرور برابر آ جائے۔" (ریوٹر)

اعداد میں اس کا ذکر نہیں کہ یہ "نعمت عظمیٰ" صاحبوں کے حصہ میں کتنی پڑتی ہے، اور خوش نصیب کالوں کو کتنی نصیب ہوتی ہے!

—— اس دور سے قبل اس آسانی اور اس ارزانی کے ساتھ کب جام گردش میں رہتا تھا؟ اعداد صرف ولایتی شراب کے، اور اس کی بھی صرف ایک خاص قسم کے ہیں!

ذکر اشرف

لکھنؤ یونیورسٹی کے ایک ایم اے لکھتے ہیں:—

"ریل کے ایک تازہ سفر میں ایک مسلمان فوجی عہدہ دار (صیغہ ہوائی) کا ساتھ ہوا۔ دوران گفتگو میں عورتوں کے پردہ کا ذکر آیا، اور ضمناً نام حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی نور اللہ مرقدہ کا میری زبان پر آیا، اس پر وہ صاحب بولے کہ "مولانا کی ذات تو عجب بابرکات تھی۔ تھانہ بھون بھی حاضری کا اتفاق ایک بار ہو چکا ہے۔ نہ پوچھیے کہ دل پر کیا اثر ہوا۔ باتوں باتوں میں مولانا نے سب ہی کچھ ارشاد فرما دیا۔ نصیحتیں بھی تھیں اور حکایتیں اور ہدایتیں بھی تھیں۔ اس صدی میں اتنی پاکیزہ اور اس درجہ باشریعت زندگی بسر کرنا مولانا ہی کا حصہ تھا"۔ خیر ادھر تو ہم لوگ یہ باتیں کر رہے تھے، ادھر دوسری بنچ پر ایک پنڈت جی بیٹھے ہوئے ہماری باتیں سن رہے تھے۔ آخرکار بول اٹھے، کہ "مولانا صاحب کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ میں تو انھیں بھگوان سمجھتا ہوں۔ اپنی ملازمت کے سلسلہ میں مدتوں میں تھانہ بھون میں رہ چکا ہوں۔ بارہا مولانا صاحب کے درشن کیے۔ ہمیشہ اچھی باتیں بتاتے تھے۔ ایسے لوگ اب کہاں؟" اس تذکرہ سے آپ سے بڑھ کر خوش ہونے والا اور کون ہے، اس لیے یہ مختصر روداد سفر آپ کی خدمت میں لکھے بھیجتا ہوں"۔

بیشک مولانا کی ذات ایسی ہی تھی۔ عقائد اسلام پر پختگی، اور احکام شریعت کی پابندی ہرگز اس کے منافی نہیں کہ غیر مسلموں کے ساتھ بھی معاملہ فراخدلی اور حسن سلوک کا رکھا جائے۔ اور مولانا کی زندگی اس کی ایک جیتی جاگتی مثال تھی۔ ہمدردی و ہمسایگی کے حقوق بھی تو آخر شریعت اسلام میں ایک اہم مقام رکھتے ہیں۔

حکومت اسلامی

ایک کانگریسی معاصر میں سوالات:—

"اسلامی حکومت۔ اس ایک لفظ میں نہ جانے کتنی دلربائیاں چھپی ہوئی ہیں۔ .... سیدھے سادے مسلمانوں کی آنکھیں اس جھلک کے سامنے خیرہ ہو جاتی ہیں، دل بے اختیار اس کی طرف بھاگتا ہے اور دماغ تھوڑی دیر کے لیے اس نام کی لذت سے سرشار ہو کر معطل ہو جاتا ہے۔ ذرا دیر کے بعد یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ یہ اسلامی حکومت کیسی ہوگی؟ حجازی قسم کی، یا عباسی قسم کی، یا ہندی مغلی قسم کی؟ پھر یہ سوالات اٹھتے ہیں کہ وہاں سنی فقہ چلیگی یا شیعہ فقہ؟ اور سنی فقہ حنفی ہوگی یا حنبلی؟ اسی طرح کے بہت سے سوالات"۔

الزامی جوابات (مثلاً یہ کہ سوراجی حکومت کس کے خیالات کے مطابق ہوگی؟ گاندھی جی کے اصول کے یا پنڈت جواہر لال کے نقشہ کے یا سوبھاش چندر بوس کے نظریات کے مطابق؟ وقس علی ہذا) سے اگر قطع نظر کر لی جائے جب بھی پیش کردہ سوالوں کا جواب بہت ہی آسان ہے —— اسلامی حکومت اپنی بدتر سے بدتر شکل میں، اور کسی فرقہ کے نقشہ کے مطابق ہی سہی، بہرحال ہر کافرانہ حکومت سے بہتر و قابل ترجیح ہوگی، صحت کمزور سے کمزور ہی، بہرحال بیماری کی ہم سطح تو نہیں ہو سکتی! روشنی دھیمی سے دھیمی سہی، بہرحال تاریکی سے تو غنیمت ہی رہیگی۔

فسق کا عروج

بمبئی کرانیکل (۲۰-۱۲ جنوری) صفحہ ۱۲ پر صدر جمہوریہ امریکہ کی قد آدم تصویر درج ہے۔ صدر صاحب کچھ پڑھ نہیں رہے ہیں، لکھ نہیں رہے ہیں، تقریر نہیں کر رہے ہیں، بلکہ سامنے پیانو رکھا ہوا ہے اور صدر صاحب اسے اپنے ہاتھوں سے بجا رہے ہیں! نیچے نوٹ لکھا ہے کہ صدر صاحب بڑے ماہر پیانچی ہیں، اس مزے سے بجاتے ہیں کہ سننے والے جھوم جاتے ہیں، اور چشم بد دور گھر بھر گانے بجانے میں بہت آگے ہے، خصوصاً صاحبزادی جن کا نام مارگریٹ ہے، باپ بیٹی ساتھ مل کر گاتے بجاتے ہیں۔ اور صدر کے سرکاری مکان میں تین پیانو، تین مختلف کمروں میں رکھے ہوئے ہیں! —— ہم اور آپ یہ سب سنتے ہیں اور خاموشی سے گزر جاتے ہیں۔ اب یہ ارشاد ہو کہ ہمارے ملوک و سلاطین میں جو نیک نام ہوئے ہیں، ان کا ذکر نہیں، جو بدنام ترین گزرے ہیں، جن کی عیش پرستیاں اور رنگینیاں ضرب المثل کی حد تک پہونچ چکی ہیں، ان میں بھی کسی کے متعلق یہ ضعیف روایت بھی منقول ہے کہ بادشاہ دیوان خاص میں بیٹھ کر طبلہ بجایا کرتا تھا، شہزادی صاحبہ گایا کرتی تھیں، اور بادشاہ صاحب ساز ملاتے رہتے اور تال دیا کرتے؟ "صاحب" اور ان کے سارے لوازم زندگی سے مرعوبیت کی بھی آخر کوئی حد ہونی چاہیے۔

شیعہ سنی اشتراک عمل

شیعہ روزنامہ سے:—

"ہمارے سامنے ایک طرف سنی اکثریت ہے تو دوسری طرف ہندو اکثریت، تیرہ سو برس کی پچھلی تاریخ پیش نظر رکھتے ہوئے یہ فیصلہ آسان نہیں کہ ان دونوں میں سے کون اکثریت ہمارے لیے قابل ترجیح ہے یعنی ان میں سے کس نے ہم کو شیعہ سمجھتے ہوئے ہمارے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا ہے، اور کون صدیوں کی معاشرت میں بہتر رفیق و ہمسایہ ثابت ہوتی ہے"۔

کیا سنی الکشن بورڈ جب شیعوں کی مخالفت میں کچھ کہنا چاہتا ہے تو اس سے زیادہ کچھ کہنے کی ضرورت اسے باقی ہے؟ —— "ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو!"

"یعنی نہ گاندھی سے مطلب نہ ابوالکلام سے سروکار۔ ہمارے لیڈر کا نام

علی مرتضیٰؓ ہے، ہر بہ حیثیت شیعۂ علیؓ کے اپنے کو منظم و مستحکم کرینگے۔

ماشاء اللہ - تو بہتر ہوگا کہ بس فیصلہ بھی اپنے انہیں لیڈر پر چھوڑیے۔ تنہا آپ کے نہیں، اہل سنت کے بھی اسی قدر محترم لیڈر اور پیشوا ہیں۔ کیا نعوذ باللہ انہیں بھی گاندھی جی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے درمیان "تذبذب و تردد" تھا؟ کیا خدانخواستہ تاریخ کی ساری شہادتوں کو بسر جھٹلا کر رکھ دیا جائیگا؟ کیا نہج البلاغہ کے اوراق خدانخواستہ دنیا سے ناپید ہوگئے ہیں؟ کیا علی مرتضیٰؓ کا ربط و اتحاد صدیقؓ و فاروقؓ کے ساتھ تاریخ کا کوئی چھپا ڈھکا واقعہ ہے؟ کیا صدیقؓ کی وفات پر، نیز زندگی میں بہترین مدح و توصیف کے الفاظ مرتضیٰؓ کی زبان سے منقول نہیں!

"اگر شیعوں کو پاکستان میں نماز ادا کرنے کی اجازت ہے تو کیا مسلم لیگ ہمیں پاکستان کا کوئی حصہ شیعہ فرقہ کو نماز ادا کرنے کے لیے عنایت کریگی"؟

لیگ کیا کریگی، اس کا جواب تو کوئی لیگ ہی کا ممبر دے سکتا ہے، البتہ اس سوال کو پڑھ کر چند اور سوال خیال میں آگئے۔ کیا یہ واقعہ نہیں، کہ تبرے وغیرہ پر جو کچھ بھی جھگڑے ہوئے ہوں، نماز سے متعلق تو اب بھی کوئی جھگڑا شیعہ سنیوں میں نہیں؟ کیا علیگڈھ (مسلم یونیورسٹی) میں ایک ہی مسجد میں سنی اور شیعہ، دونوں اپنے اپنے اماموں کے پیچھے اپنی اپنی نمازیں سالہا سال سے پوری آزادی کے ساتھ، بلاشائبۂ کشمکش پڑھتے نہیں چلے آرہے ہیں؟ کیا عراق میں، ایران میں، مصر میں، فلسطین میں، شام میں، حجاز میں، نماز پر بھی کوئی صاحب ہنگامے شیعہ سنیوں کے درمیان ہوئے ہیں؟ کیا خود لکھنؤ میں راجہ محمود آباد کے مکان میں سنی شیعوں نے مل کر نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ کیا حیدرآباد کی کسی مسجد میں شیعہ عہدہ داروں نے ایک سنی امام کے پیچھے نمازیں نہیں پڑھی ہیں؟ —— اور ابھی کے ایک شیعہ رئیس نے (نام بھی ظاہر کیا جاسکتا ہے) کم از کم ان سطور کے راقم آثم کے ساتھ خوشی خوشی جماعت میں کھڑے ہوکر اپنے طریق پر نماز ایک بار نہیں، دس بیس بار تو ضرور ہی پڑھی ہے۔ بغیر اکراہ نہیں، بطیب خاطر و انشراح قلب کے ساتھ۔

چکی کے پاٹوں کے درمیان

امریکہ کا YASSAR کالج

"زنانہ تعلیم گاہ کی حیثیت سے دنیا میں ایک بہترین و مشہور ترین درسگاہ ہے .... یہاں رقص جسمانی تعلیم کا ایک اہم عنصر ہے اور یہاں کی لڑکیاں فاسی میں کمالات فن کے بہت اونچے مرتبہ پر ہیں" (ہمیں کرانیکل - ۱۲ جنوری)

"کل سہ پہر کو بھارت بالیکا ودیالہ (لڑکیوں کی تعلیم گاہ) نرہی، لکھنؤ کے سالانہ تقسیم انعام کا جلسہ مسز سمپورنانند سابق وزیر تعلیمات یوپی کی صدارت میں ہوا .... تقریروں کے بعد بڑا دلچسپ پروگرام لڑکیوں کے گانے اور ناچ کا پیش ہوا۔ مختلف صوبوں کی لڑکیاں رنگ برنگ پوشاک پہنے ہوئے وطنی ترانہ گاتی ہوئی آئیں، اور انکے رقص و سرود نے سماں باندھ دیا" (پانیر - ۱۴ جنوری)

مسلمان لڑکیاں اب تک بڑی حد تک بچی ہوئی سہی، لیکن آخر کب تک فرنگی تہذیب اور ہندو تہذیب کی اس دوہری مار کے بعد بچی ہوئی رہ سکیں گی؟ اول ہی جب معیار عزت یہی ٹھہرا تو کب تک اپنے کو ماحول سے متاثر ہونے

حکیم الامتؒ :

نقوش و تاثرات

نمبر (۲۰)

از حکیم الامتؒ

[خوب خیال کرلیا جائے، مقالۂ حکیم الامت کی یہ بیسویں قسط، بقلم عبدالماجد نہیں، بقلم حکیم الامت ہی ہے]

ملـ نصوص کا اپنے ظواہر پر محمول کیا جانا اجماعی منقولی مسئلہ ہے اور معقولی بھی۔ ورنہ تمام نصوص اور تمام قوانین سے امن مرتفع ہوجاتا ہے۔ البتہ اگر کوئی عقلی یا نقلی معارضت ہو تو بضرورت غیر ظاہر پر محمول کرلیا جائیگا مگر معارضت کا محض خیالی یا ذوقی ہونا کافی نہیں، ورنہ ہر فرقہ قرآن و حدیث کا تحریف کرنے والا ایسے خیال یا ذوق کا مدعی ہوسکتا ہے۔ اور صوفیہ کی تاویل اس سے مستثنیٰ ہے کیونکہ وہ ان معانی کے مدلول نص ہونے کے مدعی نہیں بلکہ اصل مدلولات کو قبول کرکے ان مدلولات کے مشابہ کو بطور اعتبار کے ظاہر کرتے ہیں۔

ملـ احادیث متضمنۂ خروج دجال و یاجوج و ماجوج کو صحیحین میں بھی مذکور ہیں، جو شخص خلو ذہن کے ساتھ پڑھ لیگا اسکے ذہن میں محقق جو معانی آوینگے وہی ان احادیث کے مشہور اور صحیح محمل ہیں۔

ملـ ان معانی کا امتناع نہ کسی دلیل عقلی سے ثابت اور نہ کسی دلیل نقلی سے۔ مثلاً کسی دوسری ایسی ہی صحیح حدیث میں اسکے خلاف آیا ہو یا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکے خروج کا کوئی زمانہ معین فرمایا ہو اور وہ زمانہ گزر گیا ہو۔ مگر ایسا بھی نہیں ہوا بلکہ ایک صحیح حدیث میں تصریح ہے کہ آپ کو دجال کے متعلق یہ بھی احتمال تھا کہ شاید میرے ہی زمانہ میں ظاہر ہوجائے۔ تو ایسی صورت میں حقیقت کو چھوڑکر مجاز مراد لینا کیسے صحیح ہوگا۔

ملـ پھر وہ مجاز بھی بعض قلیل عبارات میں جاری کیا گیا ہے۔ اور جو عبارات اس مجاز سے بھی خالی چھوڑدی گئیں وہ بہت زیادہ ہیں۔ چنانچہ مضمون مذکور کی تاویلات کو احادیث پر منطبق کرنے سے واضح ہوسکتا ہے۔ چنانچہ نمونہ کے طور پر ایک عبارت بالمعنی پیش کرتا ہوں۔ کہ ان دونوں واقعات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف رکھتے ہونگے جس میں ایک واقعہ ختم ہوگا اور دوسرا شروع بھی اور ختم بھی ہوگا۔ اور حدیثوں میں آپ کے نام مبارک کے ساتھ لفظ نبی اللہ بھی آیا ہے۔ اس لیے اس کی کوئی صحیح تاویل بھی نہیں ہوسکتی۔

گے نہ رہیگی؟ جاہلی تہذیب، دونوں طرف سے بلکہ چاروں طرف سے اپنے لشکر لیے ہوئی فسق و معصیت کے جھنڈے لہراتی ہوئی، لذات نفس کی رشوتیں پیش کرتی ہوئی مسلمانوں کو گھیرتی ہوئی چلی آرہی ہے، مسلمان اپنا تقوی، اپنا حیا، اپنی ایمانداری میں بھی کب تک محفوظ رہ سکتا ہے؟

اگر کسی کا دل چاہے مشکوٰۃ کے یہ ابواب ان مدعی صاحب کے سامنے لیکر بیٹھ جاوے۔ معلوم ہو جائیگا کہ کتنی جگہ گاڑی اٹکیگی۔

۵۔ اسی لیے علماء امت میں سے حضور سے ساتھ خیر القرون میں سے کسی کو ایسے معانی کا احتمال بھی نہیں ہوا۔ اگر یہ کہا جائے کہ وقوع سے پہلے حقیقت سمجھ میں نہیں آتی۔ اول تو یہ بات غلط ہے جب حقیقت واضح ہے۔ سمجھ میں نہ آنے کی کوئی وجہ نہیں۔ پھر اسی میں کلام ہے کہ ابکہ وقوع کہا گیا ہے یہ وقوع ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ وقوع اسی طور پر ہو جیسا مدلول متبادر ہے۔

۶۔ پھر اگر علماء یا صحابہ نہ سمجھے ہوں تو خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں تو یہ احتمال نہیں۔ پھر جب بعض صحابہ کا متبادر معنی پر محمول کرنا آپ کو معلوم ہوا تھا آپ نے اسکی نفی کیوں نہ فرمادی اس معنی کی تقریر کیوں فرمائی۔ چنانچہ حدیث صحیح میں ہے کہ جب حضرت عمرؓ کو ابن صیاد پر دجال ہونے کا شبہہ ہوا تو حضورؐ سے اسکے قتل کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا اگر یہ وہی ہے تو تم اس پر مسلط نہیں ہوسکتے، اگر وہ نہیں ہے تو اسکا قتل کرنا اچھی بات نہیں۔ آپ نے یہ کیوں نہ فرمایا کہ یہ دجال ہو سکتا ہی نہیں، کیونکہ دجال شخص واحد کا نام نہیں خاص قوم کا نام ہے اس لیے یہ دجال نہیں ہوسکتا۔ خصوصاً جبکہ وہ اس قوم میں بھی نہ تھا۔

۷۔ پھر اگر ایسی ہی تاویلات کا باب مفتوح ہو تو اسکی کیا دلیل ہے کہ جو اسوقت سمجھا گیا وہی مراد ہے۔ ممکن ہے دوسری قوم اور دوسرے واقعات مراد ہوں جو واقع ہوچکے ہوں یا آیندہ واقع ہوں اور اس حالت میں مرزا کی تاویل پر بھی حتی کہ دعوے نبوت میں بھی کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ اس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ اسی تحریر میں اس نے بھی ایسی ہی تطبیق کی کوشش کی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دونوں تطبیقوں میں تعداد احادیث کی کمی وبیشی کا تفاوت ہو۔

۸۔ کسی مدعا کے اثبات میں زیادہ کوشش کرنا کوئی حقانیت کی دلیل نہیں ہے۔ اہل باطل اپنے آراء واہواء کے اثبات میں اس سے زیادہ کوشش کرتے ہیں مگر ان کے باب میں یہ ارشاد ہوا ہے الذین ضل سعیهم فی الحیاة الدنیا وهم یحسبون انهم یحسنون صنعا۔ اور ارشاد ہوا ہے لا یالونکم خبالا۔

۹۔ اسی طرح دعا کے بعد رائے نہ بدلنا کوئی شرعی دلیل نہیں۔ مرزا نے بھی ایسے دعوے کیے ہیں۔ شرعی ادلہ متعین ہیں یہ اُن میں سے نہیں۔ اور راز اس کا یہ ہے کہ بعض دعا شرائط سے خالی ہوتی ہے۔ اس لیے قبول نہیں ہوتی۔

۱۰۔ پھر غضب پر غضب یہ ہے کہ بلا دلیل اپنے دعوے پر اتنا جمود ہے کہ مخالف پر جسکے پاس شرعی دلیل بھی ہے طعن واستہزا واستخفاف بلکہ سب وشتم بھی کیا گیا ہے۔ کیا یہ مجاز ایسا ذی [illegible] راجح ہوگیا کہ حقیقت کا قائل نسخ و ابطال کے قابل ہوگیا۔

۱۱۔ مدیر صاحب کی یہ شکایت ہے کہ بغیر تحقیق اسکو شائع کر دیا۔ معلوم نہیں کتنی امت محمدیہ غلطی میں مبتلا ہوگئی ہوگی اور جو مضمون اشاعت کا لکھ لیا ہے محققین علماء سے استفتاء کر لیا جائے کہ وہ عنداللہ درست ہوسکتا ہے یا نہیں۔ تاوقتیکہ اس مضمون کے بطلان کی اور اشاعت کے خطا ہونے کی تصریح شائع نہ کی جاوے۔

[میرا ذاتی خیال اسوقت بھی تھا اور اب تو اور زیادہ جزم و وثوق کے ساتھ ہے کہ جس طرح حقیقی دجال کا اطلاق آخر زمانہ کی کسی ایک متعین شخصیت پر ہوگا، اسی طرح مجازی، صفاتی دجال عند اسلوم کس کثرت سے پیدا ہوچلیں گے، افراد بھی اور اقوام بھی۔ چنانچہ اسی خیال کی وضاحت کے لیے ذیل کا نوٹ بھی [illegible] کے مضمون کے نیچے شائع ہوا]

سچ۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی مدظلہ اسوقت علماء امت کے ان گنے چنے افراد میں سے ہیں، جنکی رائے ہر مسئلہ دین میں خواہ وہ ہم عامیوں کی سمجھ میں پوری طرح آسکے یا نہ آسکے، بہر حال پوری عزت و احترام، توجہ و التفات کی مستحق ہوتی ہے۔ مضمون "یورپ اور اسلام" اور اسی سلسلہ کے دوسرے مضامین کے بہت سے نمبر پچھلے ماہ میں مولانا موصوف کی خدمت میں بغرض اظہار رائے گرامی بھیجے گئے تھے۔ مولانا نے کمال عنایت وقت نکال کر انہیں ملاحظہ فرمایا اور انکے غور و تحقیق نے اس پر جو کچھ ارشاد فرمایا وہ بجنسہ درج کر دیا گیا۔ امید ہے کہ ہمارے کرم جناب مولوی عبداللہ شاہ صاحب قادری حیدرآبادی اس انتقاد کی روشنی میں آنے والے بحث کو آیندہ اور زیادہ منضبط و مدلل بنانے کی کوشش کریں گے۔ انتقاد اگر تحقیق و حسن نیت کے ساتھ کیا گیا ہے تو ہر صورت مفید ہی ہوتا ہے۔

جہاں تک سچ و مدیر سچ کے ذاتی عقیدہ کا تعلق ہے جیسا کہ ان صفحات میں بارہا اس سے پیشتر بھی عرض کیا جا چکا ہے، دجال کے ظہور ذاتی اور ظہور صفاتی میں اسے کوئی تناقض نہیں نظر آتا۔ بلکہ اسکے فہم ناقص میں یہ دونوں عقیدے ایک دوسرے کے ممد اور ایک دوسرے کے مکمل و متمم ہیں۔ اور سچے رسول کی پیشینگوئیوں کی پوری عظمت بھی درحقیقت یوں ہی ظاہر ہوتی ہے کہ وہ مجازی اور حقیقی، لفظی اور معنوی، ذاتی اور صفاتی ہر رنگ سے پوری ہوکر رہیں۔ اگر آج ان صفحات میں موجودہ فرنگی تمدن کو شیطانی تمدن سے یا موجودہ فرنگی حکومتوں کو فرعونی حکومتوں سے تعبیر کیا گیا ہے تو اسکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ ابلیس کی کے شخصی وجود یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے فرعون کی تاریخی شخصیت سے انکار ہے۔ ٹھیک اسی طرح موجودہ تمدن یا فرنگی قوموں کو دجالی قرار دینا اسکا مستلزم نہیں کہ آیندہ کسی شخصی دجال کے ظہور سے انکار ہے۔ آج صفاتی حیثیت سے بے شمار دجال اور بے شمار مہدی موجود ہیں ر دیکھ

لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں

علامہ عصر مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا خطبۂ صدارت
لیگ کانفرنس میرٹھ میں

(۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یمرقون من الدین کما یمرق السہم من الرمیۃ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کا جسم چھید کر صاف نکل جاتا ہے۔ اور فرمایا لئن ادرکتہم لاقتلنہم قتل عاد وثمود۔ اگر میں نے انکو پایا تو عاد اور ثمود کی طرح انکا استیصال کروں گا۔ اور ہم شر الخلق وہ بدترین خلائق ہیں اور ابغض الخلق الی اللہ تعالیٰ وہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض ہیں۔ اور قد کانوا مسلمین فصاروا کفاراً، پہلے یہ مسلمان تھے پھر کافر ہوگئے اور فاینما لقیتموہم فاقتلوہم۔ تم ان کو جہاں پاؤ قتل کرو۔

اس فرقہ کا عقیدہ ہے کہ جو مسلمان کسی ایک گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو وہ کافر ہے۔ اس کی جان و مال سب حلال ہے۔

خیال کیجیے کہ آج اس عقیدہ کے موافق کتنے آدمی مسلمان رہ گئے۔

علامہ ابن عابدین رحمۃ اللہ علیہ ان کے حال میں لکھتے ہیں۔
یستحلون دماء المسلمین ویکفرون الصحابۃ۔ وہ مسلمانوں کے خون اور انکے اموال کو حلال سمجھتے ہیں اور صحابہ العیاذ باللہ (حضرت علیؓ وغیرہ) کو کافر کہتے ہیں۔

اب خیال فرمایئے کہ ایسے فرقے سے کسی طرح کے تعلقات رکھنا یا مدد کرکے انکی شوکت کو بڑھانا کہاں تک صحیح ہوسکتا ہے۔

ان تمام امور کے باوجود حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر ان خوارج کی مڈبھیڑ مشرکین بت پرستوں اور کفار محاربین سے ہوجائے تو اہل حق مسلمانوں کو کچھ مضائقہ نہیں کہ ان کفار اور مشرکین کے مقابلہ میں انکی مدد کریں، کیونکہ وہ اس وقت کفر صریح کے فتنہ کو دفع کرنے اور نقش اسلام کو ظاہر کرنے کے لیے لڑ رہے ہیں۔ یعنی چونکہ کلمہ گو ہیں اور اس وقت مشرکین کے مقابلہ میں اس کلمہ کو بلند کرنا انکا مقصد ہے خواہ فی الحقیقت وہ کتنے ہی برے بنے ہوئے ہیں۔ اس لیے کھلم کھلا کلمۂ اسلام سے انکار کرنے والوں کے مقابلہ میں انکا لڑنا محض اسلام کے نام اور اسکے کلمہ پر لڑنا ہے، لہذا انکی مدد کی جاسکتی ہے۔ غور کیجیے کہ خوارج کی یہ امداد کیا انکی تقویت کا سبب نہ بنیگی۔ مگر دیکھنا صرف یہ ہے کہ اس وقت ان کا مقابلہ ان لوگوں سے ہے جو نفس اسلام سے چڑھتے ہیں اور کلمہ سے علانیہ بیزار ہیں۔

اتفاق سے آج ہندوستان میں مسلم لیگ کا مقابلہ بھی کفار و مشرکین سے ہے اور مسلم لیگ میں شریک ہونے والے کلمہ گو مدعی اسلام ہیں۔ جو مسلمانوں کے قومی استقلال، سیاسی اقتدار، نفس کلمۂ اسلام کے اعلاء اور ملت اسلامیہ کو من حیث المجموع مضبوط، طاقتور اور سربلند کرنے کے لیے ایک آئینی جنگ ان کفار و مشرکین سے مقابلہ پر کر رہے ہیں۔ پھر مسلم لیگ میں شامل ہونے والے بے شمار آدمیوں میں ان باطل پرستوں کی تعداد اہل حق کے نسبت عشر عشیر نہیں۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلم لیگ اہل باطل کو نوٹس دے رہی ہے کہ وہ کل آدمی جو لیگ میں شامل ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مؤمن مسلم ہیں۔ اس نے اپنے دستور میں اعلان کردیا کہ ہماری مراد مسلم کے لفظ سے صرف اس قدر ہے کہ اس کا ممبر بننے والا اسلام کا دعویٰ رکھتا ہو اور اسکا کلمہ پڑھتا ہو کیونکہ مسلم لیگ کوئی مذہبی جماعت نہیں۔ علماء کے فتاوے اپنی جگہ پر قائم رہیں کہ صرف غیر کلمہ گویوں کے مقابلہ میں قاعدے توسیع کردیا گیا ہے۔ گو واقعۃً اس قدر توسیع بھی مستحسن نہ ہو، تاہم مسلم لیگ سے کنارہ کشی کے لیے یہ عذر نہیں بن سکتا۔ اب سب کے بعد تمام علماء کا یہ کام ہے کہ وہ سب مل کر لیگ میں آئیں جس طرح پہلے آچکے تھے اور معقولیت اور اکثریت کے زور سے اس چیز کی اصلاح کریں۔ اور فاسد عناصر سے اسکو پاک کرنے کی متفقہ کوشش عمل میں لائیں۔ نہ یہ کہ مسلم لیگ سے خفا ہوکر دشمن کے کیمپ میں شامل ہوجائیں۔ اگر آج تمام علماء مع اپنے متبعین کے ادھر آجائیں تو سب کا متفقہ مطالبہ یہاں کی ہمسایہ اقوام کو بھی ماننا پڑیگا۔ اور اس طرح تمام ہندوستانی مل کر آپس کے معاہدات کے ماتحت بیرونی طاقت کی غلامی سے تھوڑے وقت میں آسانی نجات حاصل کرلیں گے۔

ادھر لیگ کے موجودہ رہنما اور قائدین جو غلطیاں علماء اسلام کے نزدیک دین سے بےخبری یا لاپروائی کی بنا پر کرچکے ہیں یا کر رہے ہیں انکے تدارک کی بھی واحد صورت یہی ہوسکتی ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ اپنا اثر اور رسوخ لیگ میں بڑھائیں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ عامۃ المسلمین اور بہت سے اونچے طبقہ کے حضرات کی طاقت ایسی اصلاحی تحریک کی پوری قوت کے ساتھ تائید کریگی۔

اب میں آخر میں بطور اتمام حجت اور بمقتضائے الدین النصیحۃ[1] مسلم لیگ کے ممتاز اور ذمہ دار قائدین کو ایک خادم دین کی حیثیت سے نہایت خلوص قلب کے ساتھ مخاطب کرنا چاہتا ہوں

ذمہ دار قائدین لیگ سے خطاب

مسلم قوم کی تنظیم، نصب العین کی وحدت، ہندی مسلمانوں کی قومی و سیاسی استقلال اور انکی مرکزیت کو مضبوط تر بنانے کے لیے آپ حضرات نے جو خدمات جلیلہ انجام دیں وہ یقیناً لائق تبریک و تحسین ہیں۔ ہر فرد مسلم جسے اس نازک ترین دور میں ملت کی اجتماعی ضروریات کا صحیح احساس ہے۔ آپ کے لیے جذبات امتنان اپنے قلب میں موجزن پاتا ہے۔ اس کے ساتھ اس نازک موقع پر جبکہ نواب محمد اسمٰعیل خاں صاحب صدر مجلس عمل آل انڈیا مسلم لیگ علماء ربانیین سے لیگ کی دستگیری اور حمایت کی پرزور اپیل کر رہے ہیں۔ چند اہم امور کی طرف

[1] دین خیر خواہی کا نام ہے۔

جو وقت آپ کی توجہ منعطف کرانا بھی ہم ضروری سمجھتے ہیں۔ علمائے کرام کی ایک مستند جماعت نے خصوصاً جمعیۃ علمائے اسلام کے اجلاس کلکتہ منعقدہ میں مسلم لیگ کے اصل مطمح نظر کو تقویت پہونچانے کے لیے جو آواز بلند کی ہے اُس کا مقصد نہ آپ کو خوش کرنا ہے اور نہ محض لیگ کے بڑھتے ہوئے اقتدار میں حصہ دار بننے کے لیے اپنے ہاتھ اپنے دامن کو وابستہ کر دینا ہے۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ ایک صحیح اصول کی تائید و حمایت شخصیات سے بے نیاز ہو کر مناسب حد تک کی جائے۔ مسلم لیگ کامیاب ہو یا نہ ہو۔ بلکہ فرض کر لیجیے کہ وہ خود کل اس مسلک کو چھوڑ دے جسے آج اُس نے اختیار کر رکھا ہے، تب بھی انشاء اللہ یہ نہ ہوگا کہ جس چیز کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اُسے غلط کہنے لگیں۔ حق کہنے والے کو اکیلے رہ جانے سے گھبرانا نہیں چاہیے۔ احادیث صحیحہ میں ہے کہ بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام قیامت کے دن ایسے آئیں گے جن کا اتباع کرنے والے صرف ایک یا دو آدمی ہوں گے۔ بلکہ بعض وہ ہوں گے جن کے ساتھ ایک آدمی بھی نہ ہوگا۔ کیا کہا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ وہ حق پر نہ تھے۔ بہر حال آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ ہر جماعت کی بعض حق کے لیے حق سمجھ کر تائید کر رہے ہیں۔ جس سے بڑی غرض و غایت یہ ہے کہ اگر مسلم لیگ کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ اپنے فضل و رحمت سے کامیابی عطا فرما دے اور پاکستان قائم ہو جاوے تو آپ اور قائدین لیگ اپنے حسب ذیل مشہور اعلانات کے صدق سے پابند رہیں:

لیگ کے سب سے بڑے قائد مسٹر محمد علی جناح نے نومبر ۱۹۳۹ء عید الفطر کے موقع پر بمبئی سے مسلمانوں کو اس طرح مخاطب فرمایا تھا:

"مسلمانو! ہمارا پروگرام قرآن پاک میں موجود ہے۔ ہم مسلمانوں کو لازم ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور قرآنی پروگرام کے ہوتے ہوئے مسلم لیگ مسلمانوں کے سامنے کوئی دوسرا پروگرام پیش نہیں کر سکتی۔"

آل انڈیا مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے موقع پر انہوں نے ہزارہا مسلمانوں کی موجودگی میں نہایت تاکید سے فرمایا تھا کہ

"قرآن حکیم تمام مسلم قوم کی پشت پناہ ملجا و ماویٰ اور قومی کشتی کا کھیون ہار ہے۔ ہم مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن پاک کو بغور پڑھیں اور اس پر عمل کریں اور تعلیمات قرآنی کو سب سے مقدم سمجھیں۔"

اسی طرح کی نصیحتیں علیگڈھ، سیالکوٹ، دہلی، لاہور، وغیرہ مختلف مقامات پر کیں۔ پھر ستمبر ۱۹۴۵ء گذشتہ عید کے موقع پر جو پیغام آنحضور نے دیا وہ بہت ہی مفصل و مشرح تھا۔ اس کا ایک جملہ یہ ہے کہ "ہر مسلمان کا فرض اسلامی ہے کہ وہ قرآن پاک کی تلاوت کیا کرے۔ تاکہ احکام الٰہی سے واقفیت ہو، اور ان پر عمل کرنے دنیوی معاملات میں خیر و برکت اور آخرت میں نجات حاصل ہو۔"

ابھی حال میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ نے بمقام پشاور بموجودگی ارکان عہدہ داران محفل اعلان فرمایا کہ "پاکستانی علاقوں میں تمام نظام و انتظام حکومت قرآن پاک کے احکام اور اصولوں کے بموجب ہوگا۔"

چنانچہ انھیں اعلانات سے متاثر ہو کر جناب ارباب عبد الغفور خاں صاحب خلیل مع جملہ افغانان تیرگر سرحد مسلم لیگ شامل ہوگئے۔

مذکورہ بالا اعلانات کی روشنی میں مجھے کہنے دیجیے کہ قرآن حکیم کی ہدایات و احکام پر عمل کرنے کے لیے کچھ قیام پاکستان کے انتظار کی ضرورت نہیں۔ بلکہ سچ پوچھیے تو پاکستان کا ملنا احکام شرعیہ اور تعلیمات قرآنیہ پر استقامت کے ساتھ عملدرآمد رکھنے کا ثمرہ ہوگا۔

فرض کیجیے پاکستان ملے یا نہ ملے، جلد ملے یا دیر سے ملے، قرآنی احکام تو کسی وقت ملتوی نہیں ہو سکتے۔ تاکید و استطاعت ہم کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں ہمہ وقت احکام اسلام کی پابندی ضروری ہے۔ خصوصاً ارکان خمسہ (کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کا التزام۔ اور شراب، سود، زنا، قمار، غرض تمام منکرات و فواحش سے اجتناب و احتراز ہر صورت لازم ہے۔ اور ان چیزوں کا لزوم جس قدر عامہ مسلمین کے حق میں ہے اُس سے زیادہ لیگی علماء اور قائدین کے حق میں سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ اُنکے ذاتی افعال و اطوار کا اثر دوسروں تک پہونچتا ہے۔ اور اُنکے صلاح و تقویٰ سے قوم کا مزاج درست ہوتا ہے۔ اور اس طرح پوری قوم حق تعالیٰ جل شانہٗ کی نصرت و حمایت کی مستحق ہو جاتی ہے۔ پھر خداوند قدوس کی نصرت اگر حاصل ہو جائے تو تمام مخالف خائب و خاسر ہو کر رہ جاتے ہیں (ان ینصرکم اللہ فلا غالب لکم وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون)

اکبر مرحوم نے خوب کہا ہے ؎

اُنکے مضبوط جہازوں کی مددگار ہے آگ ۔۔۔ میری ٹوٹی ہوئی کشتی کا سہارا اسلام

خوب حق الغیب احمد کو تہ جوڑے اکبر ۔۔۔ منحصر ہے انھیں دو لفظوں پہ سارا اسلام

(باقی آئندہ)

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر

کے احکام شرعی کے متعلق ایک فاضلانہ و مبصرانہ فتویٰ

(از مولانا مفتی محمد شفیع صاحب استاد فرنگی محلی - مدرسہ عالیہ کلکتہ)

(۲)

مگر یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کے انتظام کی شرعاً کوئی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں، ہر مقام کے لیے وہاں کی رویت و عدم رویت پر وہاں کے لوگوں کا روزہ رکھنا اور نہ رکھنا کافی ہوتا ہے۔ کسی مقام کے مسلمانوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ دوسرے مقامات کی رویت و عدم رویت سے اپنے کو باخبر رکھنے کی کوشش کریں۔ یہ دوسرا امر ہے کہ اگر اتفاقاً دوسرے مقام کی خبر رویت "بطریق موجب" الحول جائے تو اسکا اعتبار کریں بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ جب شریعت اسلامیہ نے کسی عبادت میں سہولت قائم کی ہے تو ایسا انتظام کرنا جس سے اجتماعی طریقے سے اس سہولت کی گنجائش نہ باقی رہے "التزام ما لا یلزم" کی وجہ سے بالکل غیر مناسب ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ دینی بھی مقصود نہیں اور اندیشہ ہے کہ چند دنوں کے بعد مسلمانوں کے ذہن میں یہ راسخ ہو جائے کہ شریعت کی طرف سے اس میں سہولت نہیں ہے"۔ شوال اور دوسرے مہینوں کے ثبوت رویت کے فیصلہ کے لیے محض خبر رویت بغیر اسکے کہ وہ بطریق شہادت ہو کافی نہیں، اس لیے اگر بغیر اسلامی مداخلت کے بغیر کوئی مناسب انتظام بھی کر دیا جائے (جیسا کہ نمبر الف میں مذکور ہوا) اور ریڈیو کبس سے سنی ہوئی آواز بولنے والے ہی کی اصل آواز قرار دی جائے تب بھی ریڈیو سے "نشر شدہ خبر" ثبوت رویت کے فیصلہ کے لیے کافی نہ ہوگی۔ کیونکہ شہادت کے لیے ضروری ہے کہ شاہد اس شخص کے روبرو میں شہادت دے، کہ جو شہادت پر فیصلہ کرنے والا ہے۔

البتہ شرعی شہادت کی بنا پر ثبوت رویت کا جو فیصلہ ہوا ہے اس فیصلہ کی خبر معتبر ہونے کے لیے چونکہ "خبر بالشہادۃ" ضروری نہیں اس لیے غیر اسلامی مداخلت کے بغیر اگر اس فیصلہ کے نشر کا معقول انتظام ہو جائے تو فیصلہ ثبوت رویت ہلال رمضان کی خبر کی طرح (ان حدود کے ماتحت جو نمبر الف میں مذکور ہوئے) اس نشر شدہ خبر کے اعتبار کی بھی گنجائش پیدا ہو سکیگی بشرطیکہ جس مقام پر فیصلہ کی خبر سنی گئی ہو وہاں کے قاضی کا فیصلہ اسکے خلاف نہ ہو۔ کیونکہ ایک جگہ کے قاضی کا فیصلہ جو شہادت کی بنا پر ہو، دوسری جگہ کے قاضی کے لیے حجت نہیں۔ اور مقامی قاضی کے فیصلہ کے خلاف عمل کا جواز مشتبہ ہے۔

لیکن جیسا کہ نمبر الف میں مذکور ہوا اس قسم کے انتظام کی شرعاً کوئی خاص ضرورت اور اہمیت نہیں، اور غیر مناسب بھی ہے جبکہ شہادت پر رویت کا فیصلہ کرنے والے عموماً اصلی معنوں میں قاضی نہیں ہوتے بعض عرفاً اکثر ان کا فیصلہ قاضی کے فیصلہ کے حکم میں قرار دیا گیا ہے اور اسکے فیصلہ کو قبول کرنے

کے لوازم میں سے یہ نہیں کہ ریڈیو کے ذریعہ فیصلہ کی خبر بھی نشر ہو، یہاں تک کہ کہا جائے کہ الشیٔ اذا ثبت ثبت بلوازمہ) بغیر اسکے بھی بآسانی کام چل سکتا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

(۲) یہ امر بالکل ظاہر ہے کہ نماز بخشوع و خضوع ادا ہونا چاہیے (نماز میں خشوع و خضوع کے منافی حالات کم از کم کراہت سے خالی نہیں ہوتے) اور اعمال نماز کے علاوہ نماز کی حالت میں کوئی عمل نہ ہونا چاہیے تسبیح و تہلیل اور قرآن وغیرہ کے علاوہ نماز پڑھنے والے کی زبان سے جو ایسے الفاظ ادا ہوں کہ جو حقیقۃً یا حکماً کلام الناس کے تحت میں آتے ہوں ان الفاظ کا ادا ہونا عمل کثیر جو افعال نماز میں سے نہ ہو، اسی طرح کھانا پینا ان سب کو مفسدات نماز میں سے شمار کیا جاتا ہے) اور نماز پڑھنے کی حالت میں حقیقی تکلم جسے "بات چیت" کہتے ہیں جائز نہیں، خواہ یہ تکلم ایک ہی نماز پڑھنے والے اور خارج نماز شخص کے مابین ہو، البتہ وہ امور کہ جو اگرچہ حقیقۃً تکلم نہیں مگر عرف کے لحاظ سے وہ تکلم ہی سمجھے جاتے ہیں (مثلاً کسی شخص کے پکارنے پر جواب دینے کے موقع پر جس چیز کے پڑھنے میں مشغول تھا اسے زور زور سے پڑھنے لگنا تاکہ پکارنے والے شخص کو معلوم ہو جائے کہ میں نماز پڑھنے کی وجہ سے جواب نہیں دیتا، یا کسی شخص کے کسی حکم دینے پر اسکے موافق عمل کر لینا، یا اشارۃً کسی امر کو منع کرنا یا اشارۃً سلام کا جواب دینا یا کسی کے چھینک آنے پر "یرحمک اللہ" کے مثل الفاظ ادا کرنا و مثل ذلک) تو ان میں سے بعض کے متعلق احادیث و اقوال علماء سے صراحۃً جواز کا حکم ملتا ہے اور بعض کے متعلق ممانعت کا بایں طور کہ نماز کے فاسد ہو جانے کا حکم ہے یا نماز کے مکروہ ہونے کا اور بعض کے متعلق جواز بلا کراہت کا اور بعض کے متعلق استحباب بلکہ لزوم کا۔

بنا بریں نہ تو کلیۃً یہ کہا جا سکتا ہے کہ خارج از نماز شخص کے قول یا فعل سے نماز پڑھنے والے کا اثر قبول کرنا اور اس سے اعمال نماز میں تغیر و تبدل کر دینا نماز کو فاسد یا مکروہ کر دیتا ہے ورنہ لازم آئے گا کہ جب مسافر امام ہو اور وہ اپنی دو رکعتیں پڑھنے کے بعد اپنی نماز سے فارغ نہ ہو جائے اور مقتدیوں سے کہے کہ تم لوگ اپنی اپنی نماز پوری کرو اور اسکے اس کہنے کے بعد مقتدین اپنی اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں تو انکی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ نماز کا فاسد یا مکروہ ہونا تو درکنار امام کا اس طرح کی تلقین اور مقتدین کا اس تلقین کو قبول کرکے اپنی اپنی بقیہ رکعتیں پوری کرنا ہی (یعنی مقتدین کا تلقن) طریقہ شرعیہ ہے، اسی طرح لازم آتا ہے کہ آنے والے کی آہٹ پاکر (جبکہ آنے والے کی شخصیت معلوم نہ ہو) رکوع میں طول دینے والے کی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ اصح یہی ہے کہ یہ مکروہ بھی نہیں۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اگر کوئی پکارے (مثلاً باپ یا ماں) اور اس امر کو جتانے کے لیے کہ میں نماز میں مشغول ہوں تکبیرات انتقالات کو بالجہر ادا کرے یا بالجہر سبحان اللہ کہدے تو انکی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے، حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے

نماز کروہ بھی نہیں ہوتی۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ بچہ کے رونے کی آواز سن کر نماز میں تخفیف کر دینے سے بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے حالانکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس پر تھا کہ آپ تخفیف فرما دیتے تھے۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات کے زمانہ میں جو نماز پڑھائی اور جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعد کو تشریف لا کر شریک ہو گئے وہ اُن کی نماز فاسد یا مکروہ قرار دی جائے کیونکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو محسوس کر کے پیچھے ہٹنا چاہا لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا (جو اس وقت نماز میں شریک نہ تھے) اشارہ پا کر وہ اپنی جگہ ہی پر قیام پذیر رہے۔ کیا کوئی فقیہ اس بات کو کہہ سکتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ نماز فاسد یا مکروہ ہو گئی (نیز بعض علماء کے قول میں خصیصۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے اسکا تعلق بھی اس واقعہ سے نہیں ہے ورنہ علماء اس واقعہ سے تبلیغ خلف الامام کے جواز کا استنباط نہ کرتے۔ خصیصہ کا تعلق صرف طریقۂ اقتدا سے ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اشارۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اثر پذیر ہونے سے خصیصہ کا تعلق لائق تسلیم نہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا محض ارادۂ قلبی تھا کہ اگر ایسا ہوتا اور عمل سے اسکا اظہار نہ ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنے ملکۂ نبوت سے اس امر قلبی کو معلوم کر کے اشارہ منع کیا ہوتا تو روایت حدیث میں بازرہنے کی وجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ کو نہ بیان کیا جاتا جبکہ راوی حدیث خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہیں، اور راوی اس علم کو حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب منسوب نہیں کرتا، فلیفہم) اور نہ یہی کلیۃً کہا جا سکتا ہے کہ نماز فاسد یا مکروہ نہیں ہوتی ورنہ لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والے کو اگر خارج نماز شخص لقمہ دے (قرآن شریف پڑھنے میں جو غلطی ہوئی ہے اُسے بتا دے) اور وہ اسے قبول کر لے (بتانے کے مطابق صحت کر لے) تو اسکی نماز فاسد نہ ہو۔ حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے۔ اسی طرح لازم آتا ہے کہ نماز پڑھنے والا اگر سلام کا جواب زبان سے دے تو نماز فاسد نہ ہو، حالانکہ صراحت اسکے خلاف ہے وغیر ذالک۔

اور جب خارج از نماز شخص کے قول یا فعل سے نماز پڑھنے والے کے اثر پذیر ہونے کے متعلق کلیۃً نہیں کہا جا سکتا اگرچہ اس سے اعمال نماز میں دخل بھی ملتا ہو، کہ اس سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے۔ جب تک کہ یہ اثر پذیری خشوع و خضوع کے خلاف نہ ہو یا اُس سے نماز کی حالت میں اعمال نماز کے علاوہ کسی عمل میں مشغول ہونا لازم نہ آتا ہو۔ اسی وجہ سے نماز کی حالت میں مصحف سے دیکھ دیکھ کر تلاوت قرآن سے نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے لیکن اگر مکتوب پر نظر پڑ جائے تو نماز کروہ بھی نہیں ہوتی اگرچہ نظر پڑنے کے ساتھ ہی مکتوب کے الفاظ یا معانی بھی ذہن میں آ جائیں۔ درمختار میں ہے (ولا یفسد نظرہ الی مکتوب وفہمہ) ولو مستفہما وان کرہ۔ علامہ شامی "ولو مستفہما" کے تحت تحریر فرماتے ہیں، اشارۃ الی نفی ما قیل انہ لو مستفہما تفسد عند محمد فی البحر وانہ یدہ اتفاقا لعدم الفعل منہ وللشبہۃ الاختلاف الخ اور "وان کرہ" کے تحت تحریر فرماتے ہیں ای لا تفسد لانہ لیس من اعمال الصلوٰۃ ولا الاخذ ... نظرہ بلا قصد وفہمہ فلا یکرہ۔

اور مذکورہ بالا کے پیش نظر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آلۂ کبر الصوت کے ذریعہ امام کی آواز سن کر مقتدی اگر رکوع و سجود کریں تو نماز فاسد یا مکروہ ہوگی۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ آلۂ کبر الصوت کے ذریعہ جو آواز سنی جاتی ہے وہ بولنے والے کی اصل آواز نہیں ہوتی آواز کے مماثل ہوتی ہے جیسے کہ ثابت کرنا چاہیے) کیونکہ یہ امر نہ خشوع و خضوع کے خلاف ہے اور نہ یہ حقیقۃً یا حکماً تعلم من الغیر ہے (جبکہ مماثل آواز کسی جاندار کی آواز نہیں ہوتی) اور نہ اسکی وجہ سے نماز میں اعمال کے علاوہ کسی دوسرے عمل میں نماز کا مشغول ہونا لازم آتا ہے (اور نہ یہ وہ تلقن من الخارج ہے جو مطلقاً نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ یعنی اس تلقن کا تعلق تکبیرات سے نہ کہ قراءت قرآن سے) اور نہ خود اسکے متعلق کتب فقہ میں کوئی جزئیہ موجود ہے کہ اس صورت میں نماز فاسد یا مکروہ ہوتی ہے اور نہ اسکے مماثل کسی صورت کے متعلق نماز کے فاسد یا مکروہ ہونے کا کوئی جزئیہ موجود ہے (سجدہ والی آیت کی سماعت سے سجدۂ تلاوت کا واجب نہ ہونا دوسری چیز ہے اور نماز میں کسی حالت سے اثر پذیر ہونے کی وجہ سے نماز کا فاسد یا مکروہ ہو جانا دوسری چیز ہے سماعت کا اصل حکم میں نہ ہونا صرف اس امر کو مستلزم ہے کہ لاؤڈ اسپیکر والی آواز نماز سے ایک خارج چیز ہے، لیکن ہر خارجی امر نماز کو فاسد یا مکروہ نہیں کرتی۔ کلام مرد سیاق ... (ظاہراً بجزئیہ تنہا) اور اصل عبادات میں صحت بلا کراہت ہے۔

اس سلسلہ میں یہ امر قابل لحاظ ہے کہ نماز کی حالت میں خارجی امداد سے نماز کے فاسد یا مکروہ ہونے کے جو جزئیات کتب فقہ میں مذکور ہیں تقریباً وہ سب ایسے ہیں کہ انکا تعلق اُس خارجی امداد سے ہے کہ جو نماز کی حالت میں نماز پڑھنے والا حاصل کرے یعنی بالقصد والارادہ امداد لینے کا صدور اور وجود نماز کی حالت میں ہو اگر نماز شروع ہونے کے پہلے ایسا خارجی سامان کر دیا جائے کہ جس سے نماز پڑھنے والے کو نماز کے دوران میں بغیر اسکے قصد و ارادہ کے امداد ملتی رہے تو کیا اس امداد سے بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائیگی؟ (باقی آیندہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

آیندہ کیا عجب ہے کہ کسی شخصیت کے اندر دجال کامل اور کسی ایک شخصیت کے اندر مہدی کامل کا ظہور ہو جائے۔ غرض سچ تو یہ ہے کہ نزدیک علماء و سنت کے عام و مستقر عقیدہ اور مولوی عبد اللہ شاہ صاحب کے عقیدہ کے درمیان سلاً کوئی تناقض و تعارض نہیں پایا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ دونوں فریق ایک ایک پہلو پر زیادہ زور دے رہے ہیں۔

تصحیح نمبر ۶

ف۔ پرک کے وسط میں، اور کر کے ثلث اول میں آ دو جگہ کتاب و پر ریویو کے سلسلہ میں (کتاب نمبر ۲ و کتاب نمبر ۴ کے آخر میں) ایلویونگا کے دستخط رموز چھپنے سے رہ گئے ہیں۔ دونوں جگہ (ع۔ ق) پڑھا جائے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
کاتب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج . لکھنؤ
چندہ سالانہ [illegible]
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے [illegible]
قیمت فی پرچہ [illegible]
(ٹیلیفون نمبر ۲۹۱)

صدق

نمبر ۷۰	شنبہ - ۲۱ - صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۶ - جنوری ۱۹۴۶ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

"کراچی - ۲۴ جنوری - گورنمنٹ کے اس تازہ حکم کا کہ پانسو اور ہزار، اور دس ہزار کے نوٹ یک بیک منسوخ سمجھے جائینگے ایک اثر یہاں یہ ہوا کہ ۴۰ کی عمر کی ایک پنجابن جسکے پاس ایک ایک ہزار کے نوٹ ۱۱ لاکھ کے نذر و نقد تھے، انکی حرکت قلب اس ناگہانی صدمہ سے ساکت ہوگئی اور وہ ختم ہوگئیں" (اے، پی، آئی)

دوسری خبر اسی طرح کی مرگ ناگہانی کی الموڑہ یا نینی تال سے ابھی موصول ہوئی ہے، بہت ممکن ہے کہ اور بھی ہوئی ہوں، جنکی خبر کسی خبررساں ایجنسی کو نہ پہونچی ہو - اور نیم مردہ تو خدا معلوم کتنے ہی لوگ ہو چکے - اخباروں میں بکثرت رپورٹیں چھپ رہی ہیں کہ بمبئی، کلکتہ، کراچی، کانپور، دہلی وغیرہ ہر تجارتی مرکز کے کاروباری حلقوں میں تہلکۂ عظیم برپا ہوگیا ہے، اور کتنے لوگ اپنے ہوش و حواس کھو بیٹھے ہیں! ——— یہ نفع خوار اور سٹہ باز اور صحیح معنی میں "سرمایہ دار" اور مہاجن اور ساہوکار، جس دولت پر تکیہ کیے ہوئے تھے، وہ سہارا کیسا بودا تھا! ——— سارے عیش کا سہارا، اندر کا اطمینان، باطن کی راحت نہ تھی - خارج کی آرزوئیں تمنائیں، امیدیں تھیں، وہ کیسی کچی، کیسی بے ثبات، کیسی کمزور نکلیں! لکھ پتی اور کروڑپتی، دم کے دم میں مفلس قلاش ہوگئے - بنے ہوئے گھر بگڑ گئے - اونچے اونچے محل فرش زمین پر آرہے! افسانوں اور کہانیوں میں نہیں، واقعات کی ٹھوس مجسم دنیا میں! ——— دنیا میں کسی تارک، زاہد، صالح کو بھی کبھی کسی [illegible] ہاتھ ملتے دیکھا ہے؟ اسکے لیے بھی کبھی اس کا کوئی امکان، کوئی خطرہ ہے کہ حکومت ایک جنبش قلم سے اُسے اسکے دل کی ریاست سے محروم کردے؟

بڑا ناز اور پورا اطمینان اپنی جن کمائیوں پر تھا، وہ تو یوں کوڑی نکلیں! اور اپنی بڑی سی بڑی چالاکیاں اور ہوشیاریاں حسرت نصیبوں کی اس گھڑی کے ٹالنے میں ذرا بھی نہ کام آسکیں! ——— دل نے کہا کہ آج جن جن کمائیوں پر یہاں بہت ناز ہے، جس قال اور جس حال کو، جن عقائد اور جن اعمال کو آج قابل قدر، قابل فخر سمجھا جا رہا ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ "کل" خدانخواستہ، حاکم اعلیٰ کے سامنے، میدان حشر میں بھی کھوٹے سکے اور جعلی نوٹ ثابت ہوں، اور انکی بھی وہاں کچھ قیمت نہ ٹھہرے! کیا حال ہوگا اُس بدنصیب کا اُس گھڑی جب بڑی بڑی مشقتوں اور کاوشوں اور بڑی بڑی تدبیروں سے حاصل کیے ہوئے اپنے زرق برق کارنامے وہاں بے اصل اور بے حقیقت نکلیں گے! ——— لفظ و عبارت کی کوئی کوشش اُس یاس و حسرت کے جذبات کا نقشہ کھینچ سکتی ہے؟ کیوں نہ اپنے ان قیمتی اور بھاری نوٹوں کی "آج" ہی کی فرصت میں خوب اچھی طرح جانچ پڑتال کر رکھیے!

ایک آیت کے معنی

ایک دینی درس گاہ کے فاضل اور معلم قرآن اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

"سورۂ الانبیاء کی آیت لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذناہ من لدنا کے متعلق خاص طور پر دریافت کرنا تھا کہ جناب نے اس آیت کا ترجمہ اختیار فرمایا ہے۔ آیت بہت مشکل معلوم ہوتی ہے۔ قرآن مجید کو ہر نوع سے آسان سمجھنے والوں کو کیا کہا جائے۔ یہاں تو ہر قدم پر گاڑی رکتی ہے۔"

قرآن مجید کو ہر نوع سے آسان سمجھنے والے بس وہی لوگ ہیں جو معنی اور حقیقت کو سمجھے بغیر محض لفظ بول دینے کے عادی ہیں۔ قرآن مجید کے اشکالات کا اندازہ تو کچھ وہی کرسکتے ہیں، جنھیں تجربہ عربی کلاسوں میں قرآن پڑھانے کا یا قرآن کے تفسیر و ترجمہ کرنے کا ہوچکا ہے۔ اور یہ دشواریاں اسوقت ہیں، جب اس کثرت سے تفسیریں اور تشریحیں پہلے سے لکھی ہوئی چلی آرہی ہیں۔ یہ ذخیرہ نہ موجود ہوتا، تو ہم لوگ تو شاید چند سطریں بھی نہ حل کرپاتے۔

آیت کا پورا سیاق وسباق یہ ہے:-

وما خلقنا السماء والارض وما بینھما لٰعبین۔ لو اردنا ان نتخذ لھوا لاتخذنٰہ من لدنا ان کنا فٰعلین۔ بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق ولکم الویل مما تصفون۔ (سورۂ انبیاء ع ۲۔ آیت ۱۶-۱۸)	اور ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے اسکو (اس طرح) نہیں بنایا کہ ہم فعل عبث کرنے والے ہوں، اگر ہم کو یہی منظور ہوتا کہ ہم کوئی مشغلہ ہی کریں تو ہم اپنے پاس (ہی کی چیز) کو مشغلہ بنا لیتے، اگر ہم کو یہ کرنا ہی تھا (لیکن یہ ہمیں منظور ہی نہ ہوا) بلکہ ہم حق کو باطل کے اوپر پھینک مارتے ہیں تو وہ اُسکا بھیجا نکال دیتا ہے، سو وہ (باطل) نابود ہو جاتا ہے، اور تمہارے لیے تو بڑی کمبختی ہے اس سے کہ جو تم گھڑتے رہتے ہو

اوپر سے ذکر نافرمان اور مشرک قوموں کا چلا آتا ہے، جو بالآخر غضب سے ہلاک ہوئیں۔ انکے عقائد شرکیہ کی تردید میں ارشاد ہورہا ہے کہ اس کارخانۂ عالم کو حقیقت سے معرّیٰ اور معنی و مقصد سے خالی نہ سمجھو، یہ "ایشور کی لیلا" یا خدا کی تماشہ گاہ نہیں، جیسے خدا نے یونہی بغیر کسی غرض و مقصد کے محض اپنی تفریح و تماشہ کے خاطر رچا دیا ہو۔ آسمان اور زمین اور ساری مخلوقات کی خلقت بیشمار حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے۔ بالفرض ہمیں تفریح، تماشہ، مشغلہ (لہو) ہی مقصود ہوتا، تو اسکے لیے ہم مخلوق کے محتاج نہ تھے۔ بلا واسطۂ مخلوقات ہم اپنے براہ راست اپنی ہی ذات سے متعلق (من لدنا) کسی چیز کو اختیار کرلیتے۔ مثلاً اپنی ہی صفات کمال کا مشاہدہ کیا کرتے۔ ذی شعور و صاحب اختیار مخلوق کو اس جھگڑے میں کیوں ڈالتے۔ لیکن یہ تو جب ہوتا، جب ہماری مشیت تکوینی یہ ہوتی۔ (ان کنا فاعلین)

لیکن یہ تو سرے سے ہماری مشیت ہی نہیں۔ تم مشرکوں نے خواہ مخواہ ایک عجیب خالق کائنات سے متعلق گڑھ لیا بلکہ ہم نے تو یہ کائنات بجائے تفریح گاہ یا تماشہ گاہ کے ایک جنگگاہ یا معرکہ گاہ کے پیدا کی ہے، جس میں ہر وقت حق و باطل، نور و ظلمت، صدق و کذب، خیر و شر کی کشمکش جاری رہتی ہے، اور ہم کذب و باطل کو پاش پاش کرتے رہتے ہیں۔ سو تم جو ملحدین اور مشرکین کے اس باطل نظریہ میں گرفتار ہوکر عالم، حقیقت و معنی سے معرّیٰ، ایک کھیل ہی کھیل ہے، سو اپنی باطل پرستی کا مزہ خود چکھو گے

آیت سے ضمناً کلام اور سالک دونوں کا یہ مسئلہ بھی نکل آیا، کہ تخلیق کائنات خود مخلوق ہی کے نفع و مصلحت کے لیے ہے۔ سچ کہا ہے عارف نے ؎

من نہ کردم امرتا سودے کنم — بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

ایک خواب پر مزید روشنی

صدق نمبر ۵۹ میں ایک خواب لیگ کی بحث سے متعلق شائع ہوا تھا، اُس کے سلسلہ میں شیخ الحدیث علامہ گیلانی حیدرآباد دکن سے لکھتے ہیں:-

"گیلان سے ابھی ابھی واپس پہونچا ہوں۔ صدق کے کئی پرچے جو وہاں نہیں دیکھے تھے، یہاں دیکھنے کو مل گئے۔ سنوسی الطریقہ صاحبہ کے خواب کو دیکھ کر خیال آیا کہ جناح صاحب کے قائل ہوجانے کی خبر صاحب خواب کو ایک مجہول الاسم والصفات راوی کے ذریعہ سے ملی ہے اس قسم کی روایت جب بہ حالت بیداری مجہول روایت کہی جاتی ہے، تو خواب کی ایسی مجہول روایت مجہولیت کے جس درجہ میں ہوگی ظاہر ہے۔ ما من نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ نص محکم ہے۔ اسکے بعد سیاسی وسائل کے القاء میں جو شکوک، وہ بھی بہ حالت خواب پیدا ہوسکتے ہیں، محل غور و تامل ہے۔ اور اصلی بات تو یہی ہے کہ اسلام میں رؤیا سے حجت ہی نہیں۔"

غیروں کی نظر میں

کلکتہ کے ایک مشہور یوروپین کے قلم سے روزنامہ مارننگ نیوز (کلکتہ) میں:-

"میں مذہب اسلام کے اُس نظم و تنظیم کے نظارہ کو کبھی بھول نہیں سکتا، جو میں نے اپنی زندگی میں پہلی بار اُسوقت پایا، جب میں نے ایک مصری کو اہرام مصر کے قریب شارع عام پر نماز پڑھتے ہوئے مشاہدہ کیا تھا۔ میں دنگ رہ گیا کہ اسلام میں کس درجہ نظام ہے، درآنحالیکہ دوسرے مذہب اس سے خالی ہیں۔ اور پھر ساتھ ہی عمومیت و جمہوریت بھی کس درجہ کی، کہ ایک ہی جانماز پر بادشاہ کے پہلو بہ پہلو ایک گداگر بھی کھڑا ہوا۔" (ڈان، ۱۹-جنوری ۱۹۴۶ء)

کاش ہم خود بھی وہ دیکھ سکتے جو دوسرے ہم میں دیکھ رہے ہیں! نماز جماعت کے پُراثر منظر سے غیروں کے تاثر کی یہ پہلی مثال نہیں۔

نیا رجز

مشرقی صاحب کا اعلانِ جہاد" اور تازہ خبر:-

"میں نے اور خاکساروں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ آئندہ پنجاب بھر میں مسلم لیگ کا کوئی جلسہ نہ ہونے دینگے۔ ہم مسٹر جناح کا پیچھا کریں گے اور

جاہتے ہیں کہیں کہ ہمیں انکو وہ آسانی دیں گے۔

اس مقصد کے لیے اگر ہمیں سیکڑوں اخلاص کار بھی جانا پڑے، تو ہم اس سے دریغ نہ کریں گے۔ ہم مسٹر جناح کا خاتمہ کر دینا چاہتے ہیں، ہم دیکھیں گے کہ اب مسٹر جناح زندہ کس طرح رہ سکتے ہیں۔ خاکسار سپاہی جانباز ہوتا ہے"

(مس۔ بیت۔ سروس، بحوالہ انقلاب، لاہور)

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے!

یہ آخر ہے کیا! کچھ ان بزرگ پر جنون سوار ہو گیا ہے! یہ کہ موسم گل کے قرب میں جوش جنون ہے؟ لیکن ابھی تو موسم بہار کے شروع ہونے میں عرصہ ہے! —— ہر حال جو کچھ بھی ہو، ایسے بیانات اب نکلتے کہاں ہیں؟

اتنے رکیب، اتنے شستہ، اور اتنے سبق آموز!

مرتا ہوں اس آواز پہ ہر چند کہ سر اڑ جائے

جلاد سے لیکن وہ کہے جائے کہ ہاں اور!

ایک عالم دین اور بعض مسائل حاضرہ

ایک عالم دین جو تحریک خلافت کے زمانہ میں جیل جا چکے ہیں، اور جنکی ہمدردیاں آج لیگ سے کہیں زیادہ کانگریس کے ساتھ ہیں، اپنے ایک تازہ مکتوب میں لکھتے ہیں:—

"میں لیگ و کانگریس کے معاملہ میں ذہنی حیثیت سے آپ کے خیال کے بالکل مخالف ہوں۔ لیگ کی سیاست کو فرقہ کلاس کی سیاست سمجھتا ہوں اور فتنہ انگیز بھی۔ لیکن اب چونکہ اسی شر سے خیر پیدا ہوتے دیکھ رہا ہوں اس لیے اس مخالفت میں بھی بہت کمی ہو گئی ہے۔ اور عملی حیثیت سے بالکل بے تعلق جانبین سے ہے۔ مسئلہ خالص سیاسی ہے، اسے مذہبی رنگ دینے والے سخت مجرم ہیں۔ مولانا مدنی کی سیاست اصولی حیثیت سے تو سمجھ میں آتی ہے، لیکن عملی حیثیت سے نہایت درجہ غلط ہے۔ مولانا آزاد کی اصولی اور عملی دونوں سیاستیں اپنی جگہ پر ہیں۔ ...... چودھری خلیق الزماں صاحب کے معاملہ میں مولوی ظفر الملک صاحب کے مسلک سے کچھ ہی پیچھے ہوں۔ خوب یہ لکھ چکا ہوں لیکن اگر چودھری صاحب امیدوار کی حیثیت سے کھڑے ہوں، تو ظفر الملک صاحب کے برعکس میری ہمدردی چودھری صاحب کے ساتھ ہوگی، کہ اسکے وہ ضرور اہل ہیں۔"

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری فروری ۴۶ء میں ختم ہو رہی ہے۔ براہ عنایت اپنا چندہ فوری فرصت میں بھیجدیں، تاکہ آپکو وی پی نہ روانہ کیا جائے جو آغاز فروری سے روانہ ہوں گے۔

۱۵۷۹، ۱۶۲۵، ۱۶۲۶، ۱۶۲۷

۱۶۳۸، ۱۶۲۲، ۱۷۸۳

خادم مہتم صدق۔ لکھنؤ

سورہ بقرہ رکوع ۲۶

بسلسلہ صدق نمبر

از عبد الماجد

۲۱۸ یسئلونک ماذا ینفقون	آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں[۸۲۸]، آپ
قل ما انفقتم من خیر	کہدیجیے کہ جو کچھ تمھیں مال سے خرچ کرنا
فللوالدین والاقربین	ہے[۸۲۹] سو وہ حق ہے والدین کا اور عزیزوں
والیتمٰی والمسٰکین و	کا اور یتیموں کا اور مسکینوں کا اور مسافروں
ابن السبیل وما تفعلوا	کا[۸۳۰]، اور جو بھی نیکی کرو گے، اللہ کو اسکا
من خیر فان اللہ بہ علیم	پورا علم رہتا ہے[۸۳۱]۔

۸۲۸ — (اور کن موقعوں پر)

سال المومنون رسول اللہ صلعم این ینفقون اموالہم (روح۔ عن ابن جریج) المطلوب بالسوال ان جہۃ ای شئی ہو (کبیر۔ عن القفال) مرادہم من قولہم لیس ہو طلب الماہیۃ بل طلب المصرف (کبیر)

سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا، اور اس باب میں تھا کہ اپنی حسب ہمت و حیثیت اور خوشدلی سے کب خرچ کریں۔ باقی جو خرچ کہ فرض ہو چکا تھا، یعنی زکوٰۃ، اس کا حساب کھلا ہوا تھا۔ سوال اسکی بابت نہ تھا۔

الاکثرون علی ان الآیۃ فی التطوع (روح) عن الحسن ہی فی التطوع (مدارک)

قرآن جو مکمل دستور حیات ہے، اس میں معاشیات کے مسائل کو نظرانداز نہیں کیا گیا ہے، اپنی جگہ پر وہ پوری اہمیت اسکے اندر رکھتے ہیں۔

۸۲۹ — خیر کا مفہوم، علاوہ نیکی اور بھلائی کے معروف و متعارف معنی کے، محمود اور نیک کمائی والے مال کے بھی ہیں۔

المال من وجہ محمود (راغب)

اور یہاں یہی مراد ہے۔

۸۳۰ — مصارف خیر کی یہ فہرست کیسی جامع اور اسکی ترتیب کسقدر حکیمانہ ہے! سب سے بڑھا ہوا اور اہم ترین حق انسان کے ماں باپ کا ہے۔ جتنی بھی مالی خدمت ہو سکے، انکی کی جائے۔ پھر دوسرے عزیزوں کا نمبر ہے، اور اس میں بھائی بہن، چچا، پھوپھی وغیرہ سب آ گئے —— شریعت نے اپنے نظام میں خاندان کو جو مرکزی اہمیت دی ہے، اس پر یہ ایک اور دلیل ہے —— پھر امت کے وہ فرزند ہیں، جو معاش کے سب سے بڑے ظاہری سہارے یعنی شفیق باپ کے سایہ سے محروم ہو چکے ہیں۔ پھر وہ اللہ کے بندے ہیں، جن پر کسی طبعی معذوری کی وجہ سے یا اور کسی خارجی سبب سے معاش کے عام ذریعے بند یا تقریباً بند ہو چکے ہیں۔ اور اپنی ضرورتوں کے پوری ہونے کے لیے بیرونی امداد کے محتاج ہیں۔ اور آخر میں وہ عام انسان آتے ہیں، جو اپنے وطن سے علٰحدہ ہونے کے باعث عارضی طور پر احتیاج یا تنگدستی میں مبتلا ہیں۔

ازدواجی زندگی اور درازی عمر

بیوی کی اہمیت شباب میں اور ادھیڑ سن میں اور بڑھاپے میں

(از ڈاکٹر محمد حبیب محمد خاں صاحب ایم۔ آر۔ سی۔ ایس۔ ڈی۔ ایس (لندن))

ازدواجی زندگی آیا راحت آرام کا ذریعہ ہے؟ اس بارے میں اختلاف رائے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسی زندگی مسرت و شادمانی کی انتہا ہے۔ اور بعض کا خیال ہے کہ ازدواجی زندگی دوزخ نہ سہی، کم از کم جنت کا نمونہ تو نہیں کہلا سکتی۔ ذاتی طور پر میں یہ کہوں گا کہ اس امر کے باوجود کہ شادی نے بہت سے لوگوں کو خوش رکھا ہے کافی شہادت موجود ہے بلکہ ایسی شہادتیں موجود ہیں جہاں شوہر کے مر جانے سے بہت سے آدمیوں کو اپنے متوفی شریک زندگی کا ماتم سن کر رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اگرچہ ازدواجی زندگی کو منقطع ہوئے ایک عرصہ کیوں نہ گزرا ہو۔

بے شک شادی دوسری اور صورتوں کی طرح ازدواجی زندگی میں راحت و سکون پیدا کرتی ہے۔ فکروں اور پریشانیوں سے دور رکھتی ہے جن سے ہر شخص متاثر رہتا ہے اور قبل از وقت بوڑھا ہو جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ازدواجی زندگی درازی عمر کا سبب بن جاتی ہے۔ غم کا حصہ ہوا تو غم بھی آدھا ہو گیا۔ اور ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ دنیا کے مصائب و آلام کا حصہ دار ہوا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سر کی گٹھری بھی ہلکی ہو گئی۔ یہ امر بھی صحیح ہے کہ انسانی زندگی اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک "بہتر نصف" اس کے ساتھ نہ ہو۔ جسمانی ساخت اور ترکیب کے علٰحدہ ہو جانے کی وجہ سے نسوانی سیرت مرد کی سیرت سے کچھ ایسی مختلف ہے کہ ان دونوں کے امتزاج سے مرد اور عورت کی سیرت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس طرح سے ازدواجی زندگی دونوں کو فائدہ پہونچاتی ہے۔ اس قسم کی زندگی سے صرف یہی ایک فائدہ پہونچے تو کہنا چاہیے شادی بڑی نعمت ہے۔

ازدواجی زندگی سے جنسی خواہشات کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ ان خواہشات سے اگر روکنے کی کوشش کی جائے تو ہر مرد اور عورت کی صحت خراب ہو جاتی ہے۔ اور انکو اگر بے ہنگام چھوڑ دیا جائے تو گناہ کی اجرت ادا کرنی پڑتی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر بقائے شباب کے لیے ازدواجی زندگی کا مشورہ دیا جاتا ہے بشرطیکہ اس میں اعتدال سے کام لیا جائے اس وجہ سے کہ جنسی تعلقات انسانی نسل کے پھیلانے کے لیے ہیں شہوانی خواہشات کی تکمیل اسکا مقصد نہیں ہوتا۔

ازدواجی زندگی گھریلو زندگی کی ضامن ہوتی ہے۔ کوئی مرد یا عورت ازدواجی زندگی میں منسلک نہیں ہے اس کو گھر کے آرام اور سکون سے دور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ مجردین کی زندگی ہوٹلوں میں بسر ہوتی ہے اور موت شفا خانہ میں واقع ہوتی ہے۔ ہوٹلوں میں انکی غذا کا ایسا بے ضابطہ اہتمام رہتا ہے کہ انکا شفا خانہ پہونچ جانا کوئی قابل تعجب امر نہیں۔ غرض وہ لوگ جو تنہا رہنا پسند کرتے ہیں۔ وہ اکثر ایسے اثرات قبول کر لیتے ہیں کہ انکی زندگی کے دن پورے ہونے نہیں پاتے۔

ہم اس سے واقف ہیں کہ درازی عمر کا ایک ذریعہ اعتدال ہے اور یہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جبکہ ایک آدمی ازدواجی زندگی کو مجرد زندگی پر ترجیح دے۔

کرگھے کی صنعت

ہندوستان کی چند نایاز صنعتوں میں سے یہاں کی پارچہ بافی کی صنعت تھی۔ یہ صنعت قدیم تو اتنی ہے کہ چھ سات ہزار سال پرانی ممیاں جو مصر کے مقبروں سے برآمد ہوتی ہیں، انکے بدن پر جو کپڑا لپٹا ہوتا ہے وہ ہندوستان کا بنا ہوا ہے۔ یہ قدیم صنعت رفتہ رفتہ ترقی کرکے اتنی بلندی پر پہونچ گئی تھی کہ اس نے ساری دنیا کو حیرت زدہ کر دیا تھا۔ اس کی ایک شاخ ڈھاکے کی ململ تھی، جسکے بیس بیس گز کے تھان کا وزن ڈھائی تولہ تک ہوتا تھا۔ کپڑا کیا مکڑے کا جالا ہوتا تھا۔ اسی طرح ہندوستان کی شالیں، قالین، زربفت، کمخواب، یہ سب صنعتیں اتنی ترقی کر چکی تھیں کہ انکے معمولی معمولی نمونے بڑے بڑے شاہنشاہوں کے لیے تحفے سمجھے جاتے تھے۔

جب یہاں انگریز آتے ہیں تو انکو کرگھے کی صنعت کی بہتریاں ایک آنکھ نہیں بھاں، کیونکہ یہاں کے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابل میں انکی مشینوں کی پیداوار ماند تھی۔ اور وہ سستا اتنا ہوتا تھا کہ لوگ اسے انگلستان لے جا کر فروخت کرتے تھے تو وہاں کی مشین کے بنے ہوئے کپڑے کے مقابل میں سستا اور اچھا رہتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے بیوپار بھلا دیسی صنعتوں کے ان نمودوں کو کب معاف کر سکتی تھی۔ اس نے ٹیکس پر ٹیکس، محصول پر محصول بڑھائے، درآمد و برآمد پر پابندیاں لگائیں، ذرائع حمل و نقل میں دشواریاں پیدا کیں، اور جب اس میں بھی کامیابی نہیں ہوئی تو وہ تاریخی جلا دی عمل میں آئی یعنی کاریگروں کے انگوٹھے کاٹ ڈالے۔

ان حادثوں کے بعد اس صنعت کو ختم ہو جانا چاہیے تھا، لیکن اسکے وارث ایسے جری اور مستقل مزاج نکلے کہ سب کچھ جھیلے پر بھی ہندوستان کے ہر صوبہ کی کمائی کو نہ ٹوٹنے دیا۔ چنانچہ آج تک وہ باقی ہے۔ حکومت کی طرف سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے، پھر بھی باقی ہے۔ صنعت والوں کی کمائی کا زیادہ حصہ بیچ کے لوگوں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے پھر بھی وہ باقی ہے۔

کرگھے کا وجود آئندہ ہندوستان میں ضروری ہوگا کیونکہ ہم کروڑ ننگوں کو کپڑا پہنانے کے لیے جتنی مشینوں کی ضرورت ہے وہ ہم سردست مہیا نہیں کر سکتے اور اتنی کیا اسکا دسواں حصہ بھی مہیا نہیں کر سکتے اور مزدوں مہیا نہیں کر سکتے۔ اس لیے اگر ہندوستان کو ننگا نہیں رکھنا ہے تو کرگھے کو ترقی دینا چاہیے۔ قومی حکومت کا تو یہ پہلا فرض ہوگا، لیکن موجودہ حکومت کا بھی فرض ہے۔ اگر وہ کچھ اور نہیں کر سکتی

قرآن کریم و بائبل کا باہمی تعلق

(۲)

(از مولانا عبد الرؤف خاں صاحب مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر)

اناجیل کی کثرت اور انکی بے اعتباری پر ایک اور بیان

جب ہر جگہ جھوٹی اور سچی انجیلیں لکھی جانے لگے تو نیقیہ کی کونسل منعقد ۳۲۵ء میں جو پہلی کوشش ہوئی وہ یہ تھی کہ مستند و غیر مستند جتنی بھی انجیلیں تھیں سب گرجا کے صدر مقام پر رکھدی گئیں اور بزرگان مسیحیت نے بڑے خشوع و خضوع سے دعا مانگنی شروع کی کہ جتنی کتابیں مستند ہوں وہ اوپر رکھی رہیں اور جتنی غیر مستند ہوں نیچے گر پڑیں۔ پس اس موقع پر جو کتابیں نیچے گر پڑیں وہ مسترد کردی گئیں اور جو اوپر رکھی رہیں واجب العمل مانی گئیں۔ کونسل کے ممبروں میں سے دو بشپ بیچ انعقاد کونسل کے زمانہ میں مرگئے۔ کونسل کی کارروائیوں پر استناد کے لیے ان دونوں کے دستخطوں کی بھی ضرورت تھی۔ کونسل کے فیصلوں کی مسلیں انکی قبروں پر لے جاکر رکھ دی گئیں اور پہرہ مقرر کردیا گیا کہ کوئی اندر نہ جانے پاوے۔ محترم بزرگان کلیسا رات بھر دعا مانگتے رہے۔ صبح کو جاکر دیکھا تو مسلوں پر دونوں مرحومین کے دستخط موجود تھے (حوالہ کے لیے مسیح و مسیحیت مصنفہ مولوی عبد الحلیم شرر لکھنوی مرحوم ص۱۱۲ دیکھیے)

حیرت و استعجاب

یہ ہے ان اناجیل کے معتبر و مستند ہونے کی وہ عجیب و غریب داستان کہ جس میں نہ تواتر کی ضرورت ہے نہ سلسلۂ اسناد کی، اس طرح نہ سند متصل ہے نہ کوئی جرح کا موقع۔ یہ ہے وہ خوش عقیدگی کہ ایک رات کی تاریکی اور لمبی دعا، مسلوں پر دستخط کرا لیتی ہے اور غیر مستند انجیلوں کو مستند کرا کے چھوڑتی ہے۔ اگر اناجیل کے مستند کرانے کے لیے مرے ہوئے پادریوں کی دستخط، بس دعا کی تاثیر سے کرائی جا سکتی ہے تو سخت تعجب و حیرت ہے کہ خود زندہ مسیح کی دستخط بس دعاؤں کے ذریعہ کیوں نہ حاصل کرلی گئی جو سب کے لیے حجت قطعی ہوتا۔ (ارباب کونسل کے اس طریقۂ کار کی کیا کوئی موشگافی کی جا سکتی ہے یا اس زمانہ عجائب کے لیے محض خوش عقیدگی کافی ہے؟

موجودہ اناجیل ناقص ہیں

ناظرین کرام موجودہ اناجیل کے ناتمام ہونے کی اندرونی شہادت یہ ہے۔ انجیل یوحنا باب ۱۶ فقرہ ۱۲ میں ہے "مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم اسکی برداشت نہیں کرسکتے" اس سے صاف ظاہر ہوا کہ خود حضرت عیسیٰؑ نے تمام باتیں بندوں کو نہیں پہونچائیں اسی طرح یوحنا باب ۲۰ فقرہ ۳۰ میں ہے "سب معجزات اس کتاب میں نہیں لکھے گئے۔ اگر وہ ساری لکھی جائیں تو جو کتابیں ان سے تیار ہوتی وہ دنیا جہان میں نہ سما سکتیں۔"

بائبل کے غیر محفوظ ہونے پر اندرونی شہادتیں

ناظرین کرام اب تک بائبل کے غیر محفوظ و غیر معتبر ہونے پر تاریخی روشنی میں تباہی و بربادی کے حالات اور نیز انکے زمانۂ تصنیف کی تعیین و قدیم نسخوں کی گمشدگی اور مدار علیہ قدیم نوشتہ کے تلف و لاپتہ ہونے کے حالات آپ پڑھ چکے ہیں۔ اب ہم اندرونی شہادات سے بہت سی کتب سماوی کے معدوم و لاپتہ ہونے کا اظہار کرتے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:—

ما عہد نامہ موسیٰ لاپتہ ہے۔ اس کتاب کا حوالہ خروج باب ۲۴ فقرہ ۷ میں ہے

۲۔ جنگنامہ خدائی لاپتہ ہے اسکا حوالہ گنتی باب ۲۱ فقرہ ۱۴ ۔۔ ۔۔

۳۔ کتاب الیاسر لاپتہ ہے اسکا حوالہ یوشع باب ۱۰ فقرہ ۱۳ ۔۔

۴۔ کتاب اعمال سلیمان لاپتہ ہے اسکا حوالہ سلاطین باب ۱۱ فقرہ ۴۱ ۔۔

اب عہد جدید کے غیر محفوظ اور ناقص ہونے کا حال سنیے۔

(۱) یوحنا کی انجیل باب ۲۱ فقرہ ۲۵ میں ہے۔ "اگر وہ جدا جدا لکھے جاتے تو میں گمان کرتا ہوں کہ ان سے جو کتابیں بنتیں وہ دنیا میں نہ سما سکتیں۔" اس سے معلوم ہوا کہ انجیل بھی ناتمام ہیں۔

(۲) پولس مقدس کا ؟ نامہ اول کا نامۂ اول لاپتہ ہے۔ اسکا حوالہ قرنتیون باب ۵ فقرہ ۹ میں ہے۔

جبکہ کئی مکمل کتابیں اور کئی مجموعے کا کھویا جانا بائبل کے اندرونی شہادت سے ثابت ہے تو اس بائبل کی بربادی و غیر محفوظ اور محرّف ہونے کا اس سے زیادہ ثبوت اور کیا دیا جا سکتا ہے۔ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ مجموعہ اور غلط نصوص اور بشری کوتاہیوں کے بنیر طبع دنیا اور بعض دیگر اغراض کے ماتحت منصوص کی کمی و بیشی کی گئی۔

تحریف جدید کے تازہ امثلہ

(۱) انجیل متی امریکہ والی مطبوعہ سنہ ۱۹۲۰ء میں یہ الفاظ ہیں "ایک شخص آیا اور اس نے (یسوع سے) کہا اے نیک استاد میں کونسا نیک کام کروں۔ اس نے جواب میں کہا تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے، نیک تو کوئی بھی نہیں۔ مگر ایک یعنی خدا۔ انجیل متی امریکن۔ باب ۱۹ فقرہ ۱۶-۱۷۔ لیکن بائبل کے انگریزی نسخہ مطبوعہ اکسفورڈ۔

(۲) یونیورسٹی سنہ ۱۹۲۱ء کے متی باب ۱۹ فقرہ ۱۶ (تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے) کے الفاظ حذف کر دیے گئے۔ (اہلحدیث ۱۹ اگست ۱۹۲۱ء) ان الفاظ کے اڑا دینے کی غرض یہ ہے کہ حضرت مسیح کو نیک اور معصوم ہونا ثابت کیا جائے کیونکہ بقول عیسائیاں حضرت مسیح کا بقیہ تمام انبیاء کے برخلاف معصوم اور نیک ہونا ہی کفارہ کے لیے وجہ وجیہ ہے۔

(۳) انجیل متی باب ۱۷ فقرہ ۲۱۔ مگر اس طرح کے دیو بغیر دعا اور روزے کے نہیں نکالے جاسکتے۔ (ملاحظہ ہو انجیل مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۳۱ء یا انجیل مطبوعہ مرزاپور سنہ ۱۸۷۰ء۔ اسکے بالمقابل برٹش فارن بائبل سوسائٹی لاہور کی انجیل مطبوعہ سنہ ۱۹۲۳ء۔ متی کے باب ۱۷ کا

لیگ ایک عالم ربانی کی نظر میں

علامۂ عصر مولانا شبیر احمد صاحب کا خطبۂ صدارت
لیگ کانفرنس میرٹھ میں

(۳)

میں نے جہاں تک قرآن کریم میں تدبر کیا، اجمالی طور پر دو آیتیں ہماری انفرادی و اجتماعی کامیابیوں کے لیے کافی ہیں۔ انہیں کی تفصیلات قرآن کریم کے بہت سے مقامات پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ایک آیت فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیراً لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولئک ہم المفلحون (التغابن ع۲)

دوسری آیت واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترہبون بہ عدو اللہ وعدوکم وانتم لا تظلمون (الانفال ع۸)

حق تعالیٰ کی شفقت و حکمت کو دیکھیے کہ دونوں جگہ استطاعت کی شرط کی تصریح فرما دی ہے،

تاکہ استطاعت کی حد تک تو کوشش میں چندے کمی نہ کریں اور جو تیاری و استطاعت سے باہر ہو۔ اس کے فقدان سے بیدل اور مایوس نہ ہوں۔

اگر آپ ٹھنڈے دل سے یکسوئی کی ساعتوں میں غور فرمائیں گے تو منکشف ہو جائیگا کہ پاکستان حاصل ہونے تک کا یہ درمیانی زمانہ ہماری سخت آزمائش کا زمانہ ہے۔ ہم کو بعد پاکستان کے لیے قرآنی تعلیم و تربیت کا ابھی سے درس حاصل کرنا ہے اور اپنے نفس کو اس کی خواہشات کے خلاف اُن امور کا خوگر بنانا ہے جو پاکستان حاصل ہونے کے بعد ہم کو زیادہ منظم اور زیادہ وسیع پیمانہ پر انجام دینے ہونگے۔
آپ کو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے تمکین فی الارض (یعنی اسلامی حکومت) کی کیا غرض و غایت بیان فرمائی ہے۔ سنیے، الذین ان مکناہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور۔ اگر ابھی سے ہم نے ان چیزوں کی عادت نہ ڈالی تو اُس وقت ہمارا نظام کیسے درست ہوگا۔ اگر ہم آج ہر شعبۂ زندگی میں اللہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں کے سامنے کشادہ دلی سے گردن ڈالنا نہ سیکھیں گے تو کل کیا توقع کی جا سکتی ہے کہ ہم دوسروں کو ان فیصلوں کی طرف دعوت دیں گے تو لوگ ہماری دعوت پر لبیک کہیں گے۔ فلا وربک لا یؤمنون حتیٰ یحکموک فیما شجر بینہم ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجاً مما قضیت ویسلموا تسلیماً۔ ہم اس وقت غیر اللہ کی غلامی میں رہتے ہوئے جس قدر آزاد ہیں جو چاہیں کرتے رہیں، کوئی احتساب اور روک ٹوک نہیں آزادی ملنے کے بعد یہ آزادی نہ رہیگی بلکہ ایک بہت بڑی غلامی (اللہ کی عبودیت) کا عملی ثبوت دینا ہوگا

کیا آپ حضرات اپنے ایک مخلص بھائی کی استدعا پر توجہ نہ فرمائیں گے۔ خدا کی قسم اگر ہماری قوم کے بڑے آدمیوں نے مثلاً قرآنی احکام کی پابندی بلا تاخیر اور بلا کسی ہچکچاہٹ کے شروع کر دی تو موجودہ تحریک میں بے حد و بے حساب زور پیدا ہو جائیگا، اور رفتہ رفتہ خواہی نخواہی توفیق اللہ کی مدد سے سب درست ہوتے چلے جائینگے قرآنی احکام کا لفظ استعمال کرتے وقت یہ واضح رہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کا اتباع اور آپ کے ارشادات گرامی کا امتثال بھی اسی لفظ کے تحت میں آ جاتا ہے۔ بلکہ سلف صالحین کے طور و طریق کا تتبع کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ سب سے پہلے ایسی چیز پر نظر اور ایسی چیز کی تلاش کرتے تھے کہ کسی قسم کے پیش آنے والے معاملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریق کار کیا تھا. کیونکہ وہ حضور کے مبین و شارح قرآن ہونے کی حیثیت کو بجا طور پر سمجھتے تھے۔ پھر یہ چیز بھی محالات عادیہ میں سے ہے کہ کسی معاملہ میں قرآن کا کوئی حکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح اور تفریح صدیاں گزر جانے پر بھی تمام امت مرحومہ کی سمجھ میں نہ آئے اور مرور دہور کے باوجود امت کے تمام اہل علم اور ائمہ مجتہدین باوجود انتہائی جد و جہد اور غایۃ تفقہ و احتیاط کے ساتھ اس کی صحیح مراد سے (معاذ اللہ) جاہل رہیں. کسی حکم شرعی کے متعلق جس پر عمل پیرا ہونے کی امت کو ہدایت کی گئی ہو ایسا خیال کرنا گویا قرآن مبین کو چیستان بنا دینا ہے۔

بنا بریں علیہ میں تمام ذمہ دار قائدین کو ایک قرآنی خادم دین کی حیثیت سے نہایت پُر زور طریق پر دعوت دیتا ہوں کہ خود اپنے اعلان کردہ الفاظ کے مطابق قرآنی احکام کی سرّاً و علانیۃً پابندی فرمائیں اور مسلمانوں کو برابر باقاعدہ یہ اطمینان دلاتے رہیں کہ الیکشن میں کامیابی کے بعد دستور سازی کے وقت ہم اپنی امکانی حد تک کوئی ایسا قانون بنانے کی اجازت نہ دینگے جو ہمارے مسلمہ اور شرعی معاملات کے بارے میں علماء اسلام کے طے کردہ فیصلہ کے خلاف ہو اور اس طرح کی غلطیاں نہیں کی جائیں گی جو آمنی میں احکام شرعیہ سے بے خبری یا لاپروائی کی بنا پر آپ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں۔ اگر خدا نخواستہ ایسی غلطیوں کا صدور رہا تو یہ چیز عامہ مسلمین کے لیے ناقابل برداشت ہوگی اور وہ یہ سمجھیں گے کہ جو مقصد لیگ کی حمایت اور اسکے حق میں ووٹ دینے کا تھا وہ حاصل نہ ہوا۔

بہر حال ہم سب کو اس کی پوری کوشش کرنی چاہیے کہ اس سلسلہ میں ہم عند اللہ و عند الناس ماخوذ نہ ہوں۔ میں امیدوار ہوں کہ آپ ایک بے لوث مخلص کی گزارش پر اسی اسپرٹ میں نظر کریں گے جس میں وہ پیش کی گئی ہے۔ قال اللہ ما کان لی من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادعوا الی اللہ علیٰ بصیرۃ انا ومن اتبعنی۔

خاتمۂ کلام پر ایک اور ضروری چیز پر متنبہ کرتا ہے اور وہ یہ کہ آپ پورے جوش، ولولہ اور عزم و استقلال کے ساتھ مسلم لیگ کو آگے بڑھانے، ابھارنے، سنوارنے اور نکھارنے میں سرگرم رہیے اور ساتھ ہی اسکے نام کی لاج رکھیے۔ دیکھیے مسلم لیگ ہے

اور حدیث شریف میں آیا ہے کہ المسلم من سلم المسلمون من لسانہ و یدہ (مسلم وہ ہے کہ جسکے ہاتھ اور زبان سے لوگ محفوظ رہیں) جو لوگ آپ کے سیاسی اتحاد کے مخالف ہیں ان سے بھی آپ کا معاملہ شرافت، صبر، تحمل اور حسن اخلاق کے ساتھ ہونا چاہیے۔ گو دوسری طرف سے بجو زیادتی اور اشتعال انگیزی بھی کی جائے۔ بعض مقامات پر جو ناشائستہ برتاؤ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کے ساتھ کیا گیا ہے اگر اسکے متعلق اخبارات کی روایات صحیح ہیں تو میں اظہار بیزاری کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مولانا کی سیاسی رائے خواہ کتنی ہی غلط ہو انکا علم و فضل بہر حال مسلم ہے اور اپنے نصب العین کے لیے انکی عزیمت و ہمت اور ان تھک جد و جہد ہم جیسے کاہلوں کے لیے قابل عبرت ہے۔

اگر مولانا کو اب مسلم لیگ کی تائید کی بنا پر میرے ایمان میں خلل بھی نظر آئے یا میرے اسلام میں شبہ ہو تو مجھے انکے ایمان اور بزرگی میں شبہ نہیں۔ کیا کروں۔ علماء نے لکھا ہے کہ مومن کا اپنے ایمان میں شک کرنا بھی کفر ہے۔ اس لیے بہر حال اپنے ایمان میں تردد تو نہیں کر سکتا۔ ہاں اپنی سیاہ کاریوں کے پیش نظر اپنے کو مومن کہتے ہوئے ذرا شرم آتی ہے۔ البتہ ڈرتے ڈرتے اتنا عرض کرنے کی ضرور جسارت کروں گا ؎

گو دعوے تقوےٰ نہیں درگاہ خدا میں
بت جس سے ہوں خوش، ایسا گنہگار نہیں ہوں

اب میں آپ حضرات کی عزت افزائی اور مہمان نوازی کے شکریہ اور دعا پر اپنا معروضہ ختم کرتا ہوں۔

اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابہ
سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون، وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین۔

دلائل ہستی باری تعالیٰ

یہ بالکل سچ ہے کہ اطاعت بلا محبت اور محبت بلا معرفت حاصل نہیں ہو سکتی۔ کسی اسٹیشن پر رات کی اندھیری میں باپ کا بستر بھی اگر بغل میں لگا ہے اور میں نے نہیں پہچانا تو اس عدم معرفت سے محبت نہ ہوگی۔ اور جب محبت نہ ہو سکی تو اطاعت یعنی انکی خدمت کا جذبہ بھی دل میں نہ ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح اطاعت الٰہی کے لیے محبت الٰہی اور محبت الٰہی کے لیے معرفت الٰہی کی ضرورت ہے اس لیے جس نے باری تعالیٰ کے ساتھ معرفت و یقین کامل کی وابستگی پیدا کرنے کے لیے ۷۲ صفحات میں یہ رسالہ لکھا ہے۔ اس میں ائمۂ دین کے دلائل اور روشن خیالوں اور دہریوں کی تردید کا حقہ کی گئی ہے۔ قیمت مع محصول ۱۳ / ہے

پتہ :۔ مولانا عبد الرؤف خاں رحمانی۔ نائب ناظم مدرسہ جھنڈا نگر۔ ڈاکخانہ وارث گنج۔ ضلع بستی

بقیہ صفحہ [illegible]

کا یہ فقرہ اڑا دیا گیا ہے۔ (بحوالہ اہلحدیث ۵ جون [illegible]ء)

یہاں اس عبارت کے حذف کرنے کی غرض یہ ہے کہ اس میں کفارہ کا بطلان موجود ہے کیونکہ عیسائی حضرات کہتے ہیں کہ اعمال سے نجات نہیں کفارہ مسیح پر ایمان لانا ہی موجب نجات ہے۔ اور الفاظ مذکورہ میں عمل کی ضرورت، نماز روزہ پر رتبہ علائی گئی ہے جو عقیدہ کفارہ پر ضرب کاری ہے۔

(۴) قاضیوں کی کتاب باب اول آیت ۱۱ میں [illegible] تک بیچھے کی بائبلوں میں قینی کو حضرت موسیٰ کا سسر لکھا ہے۔ اور ۱۹۳۱ء کی بائبل میں قینی کو حضرت موسیٰ کا سالا بتایا ہے۔ یہ تحریف اسلیے کی گئی ہے تاکہ تعدد ازدواج موسیٰ کا ثابت نہ ہو سکے۔

(۵) اسی طرح ۱۹۳۱ء سے پہلے کے نسخوں میں امثال باب ۷ فقرہ ۲ میں صاف مذکور ہے "تم میرے حکموں پر چلو اور میری شریعت کو حفظ کرو۔" لیکن مطبوعہ انارکلی لاہور ۱۹۳۱ء کی بائبل میں یہ عبارت بالکل اڑادی ہے۔ اسکی جگہ "تم میری شریعت کو اپنا کرو" لکھا ہے۔ اس تحریف سے انکا یہ فائدہ ہے کہ کوئی اہل بائبل سے یہ نہ کہے کہ تم کو بموجب آیت مذکورہ حفظ کرنے کا حکم تھا اور خود تمہاری کتاب میں یہ حکم موجود ہے۔ پس جب تم نے حفظ نہیں کیا اس لیے تحریف کی کمی و بیشی بآسانی راہ پا گئی۔ پس مثل مشہور کے مطابق کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ عبارت ہی (حفظ کرو) کا حذف پر دیا کہ نہ وہ عبارت رہے نہ الزام دیا جا سکے۔

(۶) کتاب استثنا باب ۳۱ فقرہ ۲ کی عبارت ۱۹۳۱ء کے قبل والی تمام قدیم نسخوں میں موجود ہے مگر ۱۹۳۱ء میں نہیں ہے۔ یہ تحریف اس لیے کی گئی ہے تاکہ مسلمان اہل بائبل کو الزام نہ دے سکیں۔

(۷) گنتی باب ۲۳ فقرہ ۱۹ میں ہے کہ خدا آدمی نہیں [illegible] ہو ۱۹۳۱ء کے بائبل میں (کہ پشیمان ہو) کا لفظ اڑا دیا [illegible] جگہ یہ مندرج ہے کہ اپنا ارادہ بدلے۔ ارادہ بدلنا، جو کچھ چاہا کر گزرنا کمال قدرت کی دلیل ہے اور پشیمان نہ ہونا ندامت نہ ہونا کمال علم کی دلیل ہے۔ کیونکہ ناقص علم والا بعض باتوں کے انجام سے بیخبری کی بنا پر پچھتاتا ہے۔ اب یہ تحریف اس لیے کی گئی تاکہ کتاب پیدائش کا تعارض نہ باقی رہے۔ کیونکہ پیدائش میں خدا کی خلقت کی گنہگاری کو دیکھ کر پچھتانے کا صاف ذکر ہے۔ چنانچہ یرمیاہ پیغمبر خود اقرار ہے کہ بائبل میں تحریف ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں، تم کیونکر کہتے ہو کہ خدا کی شریعت تمہارے پاس ہے۔ دیکھو لکھنے والوں کے باطل قلم نے بطالت پیدا کی ہے۔ (یرمیاہ۔ باب ۸ فقرہ ۸) دوسری جگہ فرماتے ہیں تم نے خدا کے کلام کو بگاڑ ڈالا ہے۔ (یرمیاہ باب ۲۳ فقرہ ۳۶) یحرفون الکلم عن مواضعہ (مائدہ) کی آیت کریمہ انکے اس مقصد تہ حرکت کی شہادت پر ہے (باقی آئندہ)

بزم ہمدردان صدق

(۱) جناب ذکاء اللہ خاں صاحب بریلی ۔۔۔ ۵ شہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

صدق

ایڈیٹر- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی صہ
بیرون ہند سے ۸ شلنگ سالانہ
قیمت فی پرچہ ۲ر
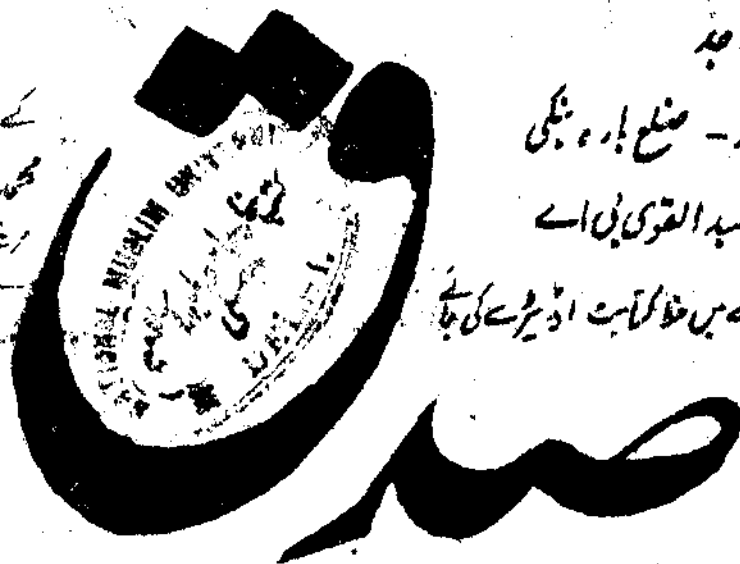
نمبر ۱۷ | یوم چہارشنبہ - ۲۴ صفر المظفر ۱۳۶۵ھ مطابق ۳۰- جنوری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

ڈیلی میل، لندن کا مشہور معروف اخبار، اپنے ایک تازہ نمبر میں لکھتا ہے لکھتاہے، کہ ہم (اہل برطانیہ) میں ایک وصف ایساہے جس کی پیروی دوسری قوموں کو کرنا چاہیے- وہ یہ کہ ہم وقت پڑنے پر آپس کے سارے اختلافات اور نزاعات بھلا کر، بالکل ایک ہو جاتے ہیں- اور سوال ہمارے سامنے یہ بالکل نہیں رہ جاتا کہ کس پارٹی کو کیا حاصل ہو رہا ہے- بلکہ صرف یہ رہتاہے کہ ملک و قوم کے نفع کا تقاضا کیاہے ——— جنگ کے اس چھ سال میں کس نے جاناکر دی؟ کون اور لیبر پارٹی والا کون اور لبرل کون؟ نہ کوئی سرلیتا تھا نہ کوئی سرمایہ بیزار، سب سب کے سب صرف انگریز تھے——— یہ جنگ جیتی ہوئی- اب فرمایئے، "آپ بیتی" کیاہے؟ آپ کبھی تو صرف مسلم اور محمدی بنئیں کبھی تو برادری پر، فرقہ پر، اپنی سیاسی ٹولی پر، دین کو اور اسلام کو مقدم رکھیں!

رائٹ آنرایبل سرتیج بہادر سپرو کی سالگرہ ابھی حال ہی میں منائی گئی تھی، اور اتفاق سے اسی زمانہ میں پنڈت مدن موہن مالوی جی کی بھی- مبارکباد دینے والوں میں، آپ کو معلوم ہے کہ سب سے پیش پیش کون تھے؟ ——— کوئی اور نہیں، پنڈت جواہرلال نہرو، خلوص قلب کے ساتھ مبارکبادیں دیں، مدحیہ مضمون لکھے، دونوں کی خدمات کو سراہا، دونوں کے کارناموں کی داد دی——— اس سوشلسٹ اور برطانیہ بیزار جواہرلال کو سرمایہ دار اور خطاب یافتہ اور برطانیہ دوست سپرو سے، اور ملحد و آزاد خیال جواہرلال کو ٹھیٹھ اور پختہ ہندو مالوی جی سے کوئی بھی مناسبت ہو سکتی تھی؟ جواہرلال اور ان دونوں کے درمیان بجز ہندویت کے اور کونسی چیز مشترک ہے؟ ——— ایک آپ ہیں کہ اپنی پارٹی، اپنی ٹولی سے باہر کسی خوبی کا وجود فرض بھی نہیں کرتے اور دو چار بھی کوئی کہے، اور کہنے والا آپ کی پارٹی سے ہے تو شاید اُسکی تردید بھی آپ واجب سمجھیں!

انگریز کو چھوڑیے کہ وہ تو آپ سے بہت آگے ہیں، ہی کو لیجیے، کہ وہ تو آپ ہی کی طرح محکوم ہیں، پابند ہیں نے اتنا "ڈسپلن" اپنے اندر کہاں سے پیدا کرلیا ہے- نظم و انتظام فرق مراتب کا احساس، اختلاف و اشتراک کے حدود کا تعین کہاں سے سیکھ لیاہے؟

ایک آیت پر سوال

قرآن مجید کے ایک مسلم و متعلم کا سوال:-

"سوال سورۂ یوسف کی آیت کذلک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمہ من تاویل الاحادیث میں لنعلمہ کا محل کیاہے- اب تک اس کا جواب میں شرح صدر نہیں ہو سکاہے؟"

جہاں تک آیت کے مفہوم کا تعلق ہے، بحمداللہ وہ صاف و بےغبار ہے۔ وکذلک یعنی جس طرح ہم نے یوسف کو اُنکے دشمن بھائیوں کے شر سے نجات دی تھی، قتل سے بچا دیا تھا، اندھیرے کنوئیں سے رہائی دلائی تھی، اُسی طرح مکنا لیوسف فی الارض اب ہم نے یوسف کو مصر میں قدم جمانے کی جگہ دیدی، اور اسکے لیے گویا زمین تیار کردی کہ وہ آیندہ بھی بہتر

دنیوی انعام کے مورد ہو سکیں [آیت کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام اُس دور خوردسالی میں عزیز کے گھر میں بڑی خاطر کے ساتھ رکھے جاتے تھے، اور قرآن مجید کے الفاظ اگر یہی نہ ہوتے، تو بھی اسی جانب اشارہ کر رہے ہیں]

ولنعلمہ من تاویل الاحادیث - اور یوسفؑ کو نجات دلانے والی مرتبہ پر پہونچانے میں ایک غرض یہ بھی تھی کہ ہم انھیں تعبیر خواب کی تعلیم دیں، اور وہ لوگوں کو مادی اور روحانی برکتوں سے سرفراز کریں۔

اصل معنی و مفہوم میں تو کوئی اختلاف ہی نہیں۔ اب سوال صرف ترکیب کا رہ جاتا ہے۔ سوال تفسیری نہ رہا کہ مسائل پر خود روشن ہے بلکہ نحوی و عربیت کے ماتحت اسکی تحت صورتیں اختیاری ہیں، مثلاً یہ کہ واؤ زائد ہے یا یہ کہ اسکا عطف مکّنّا کے متعلق محذوف پر ہے اور مکّنّا اصل میں لنمکنہ تھا - یا یہ کہ واؤ مقحمہ ہے اور تقدیر کلام یوں ہے - مکّنّا یوسف فی الارض لنعلمہ، وقس علی ہذا۔ اور جب قاعدہ زبان ان سب ترکیبوں کی اجازت دیتے ہیں، تو سوال صرف ترجیح کا رہ جاتا ہے، نہ کہ جواز و عدم جواز کا ——— حرف واؤ کے ترجمہ میں ہم ہندیوں کو بیشتر جگہ دشواری پیش آتی ہے، اور بناء اسکی یہ ہے کہ ہم لوگ ہر جگہ اسکے بجائے اُردو کا "اور" رکھنا چاہتے ہیں، حالانکہ عربی کے اسلوب بیان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جگہ اسکا ترجمہ سرے سے نظر انداز کر جانا ہی صحیح ترجمانی ہے۔

آٹھ گنا ٹیکس

"آج ہندوستان کے باشندے اُس سے آٹھ گنے سے زیادہ ٹیکس دے رہے ہیں، جتنا وہ ۱۹۳۹ء میں دیتے تھے! اور پھر بھی اس آمدنی سے مرکزی حکومت کے خرچ صرف ۶۰ فی صدی پورے ہو جاتے ہیں، درانحالیکہ ۱۹۳۹ء کے آمدنی سے ۹۹ فی صدی پورے ہو جاتے تھے، ..... یہ تو آج ہے، اور کل کیا ہوگا؟ اسکے جواب میں سرکاری اعلانات شائع ہو چکے ہیں، کہ ٹیکسوں کی کمی کی کوئی اُمید نہ قائم کی جائے، اس لیے کہ ملک کی ترقی کی جو اسکیمیں ہیں، اور جنکے لیے لکھو کھا ٹرینڈ افسروں، ڈاکٹروں، انجینیروں، ماسٹروں وغیرہ کی ضرورت ہوگی، وہ بغیر اتنے سرمایہ کے چل سکتی نہیں؟ (ٹائمس آف انڈیا، بمبئی، ۱۲؍ جنوری کے لیڈنگ آرٹیکل سے)

ماہرین فن کہتے ہیں کہ ٹیکس میں اضافہ جب ہی ممکن ہو جب پیداوار میں اضافہ ہو لیکن خود پیداوار میں اضافہ کیونکر ہو جب رعایا ٹیکس کے بار سے اس درجہ لدی ہوئی ہو؟ —— غرض یہ کہ جنگ کے زمانہ میں جو بیتنا تھی وہ تو بیت ہی چکی اب امن کے زمانے میں جو کچھ گزر رہی ہے، یا گزرنے والی ہے، یہ اُس سے کچھ کم ہے؟ —— خوب ہوتی ہے "صاحب" کی بھڑکائی ہوئی جنگ، اور خوب تر ہے "صاحب" کی لائی اور پھیلائی ہوئی امن!

"صاحب" کی رجعت پسندی!

"نوجوان لڑکیوں کا فوجیوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط ہمارے ان کے کم سنوں کی جرائم پیشگی کا ایک بڑا باعث ہے۔ لیکن اسکی ذمہ داری فوجیوں پر اتنی نہیں عائد کی جا سکتی، جتنی خود ان نوجوان لڑکیوں کی مریضانہ ذہنیت پر، جسکے باعث وہ آپ فوجیوں پر گری پڑتی ہیں۔ نوجوان طبقہ اپنے اوقات فرصت کو بھی بے انتہا غلط استعمال کر رہا ہے۔ آج کل کی پھیلی ہوئی [illegible] اور رقص خانوں پر اُسی طرح پابندی عائد کرنے کی ضرورت ہے جس طرح شراب پر عائد کی گئی تھیں۔ وزارت کو اس میں کامیابی کی توقع نہ ہو کہ ۱۸ سال سے کم عمر والوں کا رقص خانوں میں داخلہ ممنوع ہو جائے تو بہرحال ۱۶ سال سے کم عمر والوں کے لیے تو ضرور ہی غور کیا جائے۔"

یہ سب کچھ حال ہی میں برطانوی پارلیمنٹ کے ایک مزدور ممبر مسٹر آسٹن نے اپنی ایک پارلیمنٹی تقریر میں کہا! اور کہتے ہوئے یہ نہ سوچا کہ اسکے بعد تہذیب فرنگ کیسی مفلس و تہی دست ہو کر رہ جائیگی! شراب پر بندش، مرد و زن کے آزادانہ اختلاط پر بندش، سینما پر بندش، رقص خانوں پر بندش، اتنی بندشوں کے بعد پھر اس تہذیب میں مزہ ہی کیا رہ جاتا ہے! اور پھر آخر وہ رسوا، بدنام "اسلامی" ہی تہذیب کیا بُری ہے؟ پوری نہ سہی، لیکن آدھی، تہائی، کچھ اس سے آ ہی جاتی ہے!

گاندھی آشرم کی دعائیں

"گاندھی آشرم کی پرارتھنا اور دعا" کی تشریح کے ضمن میں خود گاندھی جی نے لکھا ہے —

"... سادھو کیشر جی تھے جب بی بی ریحانہ طیب جی کچھ دنوں کے لیے یہاں آگئی تھیں ..... بی بی ریحانہ گانے میں بہت مشاق ہیں اور اُنکے پاس ہر طرح کے بھجنوں کا خزانہ بھرا ہے - وہ روزانہ یہاں گاتی تھیں، اور قرآن کی شیریں آیتیں بھی سناتی تھیں - میں نے اُن سے کہا کہ یہاں بھی کسی آدمی کو جو سیکھ سکتا ہو کچھ آیتیں سکھاتی جاؤ۔ وہ خوشی سے اسکے لیے تیار ہو گئیں یہاں آنے والے اور لوگوں کی طرح ریحانہ بھی سب کے ساتھ شیر و شکر ہو گئی تھیں۔ وقت ختم ہو جانے پر ریحانہ چلی گئیں، لیکن اپنی ایک چھوٹی سی یادگار چھوڑ گئی ہیں - یعنی سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص جو آشرم کی پرارتھنا میں شامل ہو گئی ہیں" (مضمون مندرجہ قومی آواز، لکھنؤ)

آشرم کی غیر اسلامی عبادات میں اسلامی عبادات کی آمیزش، اور سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص یا اُنکے ترجموں کی روزانہ تلاوت یقیناً غیر مسلموں کے لیے باعث برکت و موجب مسرت ہے۔ لیکن خود مسلمانوں کے لیے ایسی مشترک و مخلوط دعاؤں میں شرکت کس حد تک مفید و مناسب بلکہ جائز بھی ہے؟ اس سے بھی قطع نظر، ایک مسلمان خاتون کا یہ وصف کہ وہ بڑی مشاق گانے والی ہیں، اور بھجن خوب گاتی پھرتی ہیں، یہ اُنکی مدح ہوئی یا عین ہجو و ذم؟ —— نقطۂ نظر یا دینیات کا بنیادی اختلاف بھی انسان کو کہاں سے کہاں پہونچا دیتا ہے!

جرائم کی ترقیاں

"۱۹۳۹ء کے مقابلہ میں ۱۹۴۵ء میں جرائم کا اضافہ :—

دوکان توڑ کر گھس آنے کے واقعات میں	۹۲	فی صدی کا اضافہ
ڈاکہ، رہزنی، حملہ آوری	۱۰۶	"

موٹر کار کی چوری کے واقعات میں	۲۵ فیصدی	کا اضافہ
مکانات کے اندر سرقہ " "	۱۰۰	"
جیب کی چوریاں "	۲۱	"

(آبزرور، لندن، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۵ء)

جرائم کی تعداد میں یہ سو سو سوا سو ڈیڑھ ڈیڑھ سو فی صدی اضافے، افریقہ کے جنگلوں میں نہیں، ہندوستان کے دیہات میں نہیں، آسٹریلیا کے وحشی علاقوں میں نہیں، خاص الخاص لندن اور اس کے مضافات کے ہیں! — اور یہ فہرست بھی ظاہر ہے کہ صرف چند نمونے چن کر مرتب کی ہے۔ کُل کا قیاس اسی جزء پر کر لیا جائے! — تشخیص یہ کی گئی ہے کہ ہندوستان کے امراض کی علت یہاں کے باشندوں کی جہالت ہے، اور سب کا علاج تعلیم ہے، تو کیا "فرنگستان جنت نشان" میں بھی تعلیم کی کمی ہے؟ کیا لندن کا علاقہ بھی جاہل اور حرف ناشناس ہے؟ اسکولوں، کالجوں کی وہاں کچھ بھی کمی ہے؟ —— ہمارا ادبی کا ہر وہی غریب اپنی "ترقی" و فلاح کے لیے اسی تعلیم، اسی تہذیب، اسی نظام معاشرت کا محتاج ہے؟

تفاوت راہ "وہ آشرم کے ہر کام میں گرمجوشی سے حصہ لیتے، وہ ایک قابل تقلید ستی تھے۔ وہ اپنے اصولوں میں بہت ثابت قدم تھے۔ وہ روزانہ صبح شام گھوم گھوم کر ڈھول بجاتے، اور منتر پڑھتے نظر آتے تھے ..... جب پولیس بلا کسی اطلاع کے انھیں گرفتار کرنے آئی، تو وہ اپنا پسندیدہ منتر پڑھ کر رخصت ہو گئے، وہ اپنی ڈھول میرے ہی پاس چھوڑ گئے۔"

یہ گاندھی جی نے اپنے ممدوح ایک آشرم نشیں غیر مسلم کی مدح میں کہا۔ فقروں کی نقل سے مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ عبادت کے بارے میں اسلامی اور غیر اسلامی تخیل میں کتنا فرق عظیم ہے! یہ صبح وشام "ڈھول بجا بجا کر گھومتے رہنا" اسلامی نقطۂ نظر سے کسی درجہ کی بھی عبادت ہے؟ کوئی شائبۂ عبادت بھی اپنے اندر رکھتا ہے؟ —— کیا ظلم صریح ہے کہ ہندو مسلم کلچر کو ایک کہا جاتا ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

جناب سردار احمد (رہنلی بھیت) آپ کے مضمون کے لیے کوئی روزنامہ موزوں ومناسب ہوگا۔

بعض مضمون نگاروں سے (۱) مضامین، مراسلات یا خانگی مکتوبات میں دفتری و انتظامی امور سے متعلق لکھنا، کاتب و مکتوب الیہ دونوں کا محض وقت ضائع کرنا ہے۔ (۲) صدق روزانہ نہیں، سہ روزہ ہے۔ پھر گنجائش محدود، اپنے ہر چھوٹے بڑے مضمون کے لیے یہ توقع رکھنا کہ وہ فوراً چھپ ہی جائیگا اور فوراً چھپے گا اور اس توقع کی بنا پر جلد جلد تقاضا نامہ بھیجتے رہنا، —— بہت ہی بیجا قسم کا حسن ظن ہے۔

سورۃ البقرہ رکوع ۲۷

بسلسلۂ صدق نمبر ۔۔

(از عبد الماجد)

۲۳۰ وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرٌ بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ	اور آپ سے حرمت والے مہینوں کی بابت (یعنی) اس میں قتال (کی بابت) دریافت کرتے ہیں، آپ کہہ دیجیے کہ اس میں قتال کرنا بڑا (گناہ) ہے، اور (اس سے کہیں بڑے جرم) اللہ کے نزدیک اللہ کی راہ سے روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور مسجد الحرام سے روک دینا ۔

۵۵۵ الشهر الحرام بالشهر الحرام کی ذیل میں اوپر گزر چکا ہے کہ قمری سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، عرب جاہلیت میں متبرک و محترم تھے۔ قتل و غارت تو ان لوگوں کا پیشہ تھا، لیکن اس زمانہ میں ہر قسم کی جنگ بند رہتی تھی

الشهر الحرام سے یہاں مراد ماہ رجب ہے۔ ہوا یہ کہ سنہ ۲ ہجری تھا یعنی ہجرت مدینہ سے کوئی ۱۷ مہینے بعد ایک بار سفر میں بعض صحابیوں کا مقابلہ مشرکین سے ہو گیا، اور ایک مشرک مقابلہ میں جان سے مارا گیا۔ واقعہ کی تاریخ صحابیوں کے خیال میں ۳۰ جمادی الثانی کی تھی۔ بعد کو علم ہوا (جیسا کہ آج بھی قمری مہینوں میں اکثر ہوتا رہتا ہے) کہ چاند ہو گیا تھا، اور وہ تاریخ یکم رجب کی تھی۔ مشرکین نے سہو و غلطی کی اس رائی کو لیکر پہاڑ بنا دیا، اور طعن و اعتراض شروع کر دیا کہ مسلمانوں کو اب محترم مہینوں کی حرمت کا بھی لحاظ نہیں!

ان محمداً بعث سرية فلقوا عمرو بن الحضرمي آخر ليلة من جمادى و اول ليلة من رجب و ان اصحاب محمد صلعم كانوا يظنون تلك الليلة من جمادى وكانت اول رجب ولم يشعروا فقتله رجل منهم واحد (ابن جرير ۔ عن ابن عباس)

لقى واقد من عبد الله عمرو ابن الحضرمي اول ليلة من رجب وهو يرى انه من جمادى فقتله (ابن جرير ۔ عن مقسم)

قتالٍ فيه ترکیب میں بدل ہے الشهر الحرام سے ۔

بدل اشتمال من الشهر الحرام (بیضاوی) وهذا يسمى بدل الاشتمال كقولك اعجبني زيد علمه ونفعني زيد كلامه (کبیر)

۵۵۶ یعنی دانستہ یعنی ماہ حرام کا علم رکھنے کے باوجود ہو ۔ (۱) یہ جرم مسلمانوں سے سرے سے سرزد ہی نہیں ہوا) ۔

وما وقع من الصحابة عليه السلام كان من باب الخطأ في الاجتهاد وهو معفو عنه (روح)

فقہاء و مفسرین میں ایک بڑی بحث اسکی ہوئی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں قتال اب بھی جائز ہے یا نہیں؟ محققین کا متفقہ فیصلہ ہے

ریڈیو اور لاؤڈ اسپیکر
کے احکام شرعی کے متعلق ایک عالمانہ وتبصرانہ فتوے

از مولانا محمد شفیع حجت اللہ ذکی مکلی ۔ مدرسہ عالیہ کلکتہ

(۳)

اگر کہیں ایسا ہی ہے تو پھر جاننا چاہیے کہ نماز پڑھنے میں نماز کو فاسد یا مکروہ ہو جانا چاہیے اور اس میں جلا کا کہنے کا نماز پڑھنے سے بھی نماز کو فاسد یا مکروہ ہو جانا چاہیے اور مکبرین کے لیے جو کہرے "بلنے جا" بنے ہیں جیسا کہ دہلی کی جامع مسجد میں ہے) اور مکبرین "اُن مکبرین" پر کھڑے ہو کر نماز میں تکبیریں ادا کر کے مقتدیوں کو امام کے انتقالات کی خبر دیں تو امام سے بہت دور جو مقتدی ہوں وہ محض اُن تکبیروں کی سماعت سے (جن میں مکبرہ کو دخل ہو تا ہے اس طور کہ اگر مکبرہ " نہ ہوتا تو اُن تک مکبرین کی بھی آواز نہ پہنچتی، اور آخری صورت میں تو ایک خارجی چیز یعنی " مکبرہ " تلقن میں اثر انداز ہے - علاوہ اسکے بظاہر یہ صورت بدعت منافی العبادۃ المقصودۃ ہے اور اس سے تشبیہ بالصلوٰۃ " اور " اتصال بالمناکب " کے احکام کی خلاف ورزی ہوتی ہے) اگر رکوع و سجود کریں تو انکی بھی نماز فاسد یا مکروہ ہو جائے وغیرہ وغیرہ کہ ان سب صورتوں میں نماز پڑھنے والوں کی نماز کے ارکان آرام و سہولت ادا کرنے میں امداد ملی - ولا یلیق امثال ان یتفوہ بہ - صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے متعلق تو یہ مروی ہے کہ وہ سجدہ کو بآرام ادا کرنے کے لیے تپتی ہوئی زمین پر سجدہ کی جگہ کچھ رکھ لیا کرتے تھے تاکہ پیشانی جھلس نہ جائے - آلہ مکبرالصوت کا انتظام نماز کے دوران میں نہیں ہوتا ، نماز شروع ہونے سے قبل اس کا انتظام کیا جاتا ہے (اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ امام اپنے بدن کے کسی حصہ پر آلہ مکبرالصوت لگا لیتا ہے اور یہاں بحث یہاں یہی صورت ہے) تاکہ نماز کے دوران میں نمازیوں کو متابعت امام کے لیے اس سے امداد ملے جس میں کسی غیر نمازی انسان کی آواز کا دخل کبھی نہیں ہوتا اگر ہوتا ہے تو امام کی آواز کا (جو لاؤڈ اسپیکر والی آواز کے سلسلہ کی ابتدائی کڑی ہے) اور زیادہ سے زیادہ ایک جامد چیز مثلاً بجلی یا ہوا یا پتھر کا اور جامد خارجی چیزوں کے دخل کے بغیر یوں بھی کوئی مقتدی امام کی اصل آواز کو نہیں سن سکتا - خلاصہ یہ کہ " مدد لینا " اور " مدد مل جانا " ان دونوں کے مابین فرق ہے ، نماز کو فاسد یا مکروہ کر دینے والی اُس خارجی مدد کو اگر کہا جائے کہ جو نماز پڑھنے والا نماز کی حالت میں بالقصد والارادہ " حاصل کرے " تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ نماز پڑھنے والے کو نماز کی حالت میں اگر خارجی مدد " مل جائے " تو اس سے بھی نماز فاسد یا مکروہ قرار دی جائے جبکہ یہ خارجی مدد نہ تو خشوع و خضوع کے خلاف ہو (جیسے اپنے ملازم کو حکم دینا کہ میں جب نماز پڑھوں تو میرے پنکھا جھلتے رہنا ، اور وہ اس حکم کی تعمیل کرے - اور نماز پڑھنے والے کو اس سے آرام ملے یا بلا ضرورت لکڑی یا دیوار کے سہارے نماز میں کھڑے ہونا کہ یہ امور خلاف خشوع و خضوع ہیں اس لیے انہیں مکروہ کہا جا سکتا ہے اگرچہ کراہت تنزیہی ہو) اور نہ اعمال نماز کے علاوہ کسی دوسرے عمل میں مشغول ہونا لازم آتا ہو (جیسے دیواروں پر منقوش قرآن کو دیکھ دیکھ کر پڑھنا اور نہ یہ امداد عرفاً تکلم مع الغیر کے تحت میں آتی ہو (جیسے کسی خارج از نماز شخص کی قرأت یا تکبیر سن کر نماز پڑھنے والے کا اپنی قرأت میں یا اپنے انتقالات نماز یہ میں تغیرات کر دینا) قطع نظر اس سے کہ کسی جزئیہ کا قیاس دوسرے فقہی جزئیہ مجتہدہ پر کہاں تک درست ہے ؟ خصوصاً جبکہ علت حکم بھی مجتہد سے منقول نہ ہو) کہا جا سکتا ہے کہ آلہ مکبرالصوت کے ذریعہ تکبیر سن کر رکوع و سجود کرنے کا قیاس قرآن شریف سامنے رکھ کر اُسے دیکھ دیکھ کر پڑھنے پر (جیسا کہ بعض حضرات کے کلام میں دیکھا گیا ہے) قیاس مع الفارق ہے - کیونکہ نماز میں قرآن پاک اپنے نقش ذہن سے پڑھنے کا حکم ہے (شروح ہدایہ میں سے عنایہ اور فتح القدیر میں اور دیگر معتبر کتب فقہیہ میں جس تلقن عن الخارج کو مطلقاً مفسد نماز قرار دیا گیا ہے اس تلقن کا تعلق صرف " قرأۃ قرآن " سے ہے ورنہ کا یہ کے خلاف خود انہی کتب میں جزئیات موجود ہیں) اسی وجہ سے نماز میں شریک شخص کے لقمہ دینے سے پڑھنے میں تغیر کر دینے کو بھی بعض متشدد علماء مفسد نماز قرار دیتے ہیں جبکہ بقدر مفروض قرأت ہو چکی ہو - دوسرے علماء اگرچہ مفسد نماز نہیں کہتے لیکن کراہت سے خالی نہیں قرار دیتے (تراویح کا بضرورت تحفظ قرآن دوسرا حکم ہے) حالانکہ شریک نماز کی تکبیروں کے ذریعہ امام کے انتقالات کا حال معلوم کر کے رکوع و سجود کرنے میں کوئی حرج نہیں - علاوہ اسکے ایک خارجی چیز سے امداد لینا لازم آتا ہے جو اس امر کو مستلزم ہے کہ نماز پڑھنے والا اعمال صلوٰۃ کے علاوہ ایک عمل یعنی بالقصد " نظر الی المصحف " اور " نظر فی المصحف " میں مشغول ہو ، بخلاف آلہ مکبرالصوت والی صورت کے کہ اس آواز کے سننے میں (جسکی وجہ سے اعمال نماز میں امداد ملتی ہے) مقتدی کے دوران نماز کے کسی عمل اور فعل کا دخل نہیں ہوتا - کما ہو ظاہر - اسی طریقہ سے اسکا قیاس اُس مبلغ کی تکبیرات انتقالات پر بھی جس نے تکبیر افتتاح محض بغرض اعلام بغیر قصد احرام ادا کی ہو درست نہیں - کیونکہ مقیس علیہ میں حکم کی علت " اقتداء بالغیر " بتائی گئی ہے (دوسرے لفظوں میں تکلم مع الغیر عرفاً " یہی علت حکم قرار دی جا سکتی ہے) اور مقیس میں اقتداء بالغیر (یا تکلم مع الغیر عرفاً کا) وجود نہیں کیونکہ آلہ مکبرالصوت میں " مقتدی " بننے کی صلاحیت نہیں (اور اسکی آواز میں غیر نمازی انسان کی آواز کا دخل نہیں کہ تکلم کا عرفاً تحقق ہو سکے) صاحب فتح القدیر نے قرأۃ المصحف والے مسئلہ میں " حی مسلم " یا " غیر حی مسلم " کے جس قیاس کا ذکر کیا ہے وہ نظیر میں نہیں پیش کیا جا سکتا ، کیونکہ وہاں " وصف جامع " موجود ہے یعنی قرأۃ قرآن کے بارے میں تلقن عن الغیر (تلقین کا وجود صاحب فتح کے نزدیک غیر موثر ہے) اور قرأۃ قرآن کے بارے میں تلقن عن الغیر مطلقاً مفسد نماز ہے (کیونکہ نماز میں قرأۃ قرآن نقش ذہنی سے ہونا چاہیے) اور یہاں " وصف جامع " موجود نہیں کیونکہ مقیس علیہ میں علت حکم " اقتداء بالغیر " (یا تکلماً تکلم مع الغیر) ہے اور اقتداء کا (اور تکلم مع الغیر کا) وجود بغیر اس کے ممکن نہیں کہ کوئی دوسرا مقتدا ہو اور حکم

مع الغیر کے وجود کے لیے دوسرا کوئی متکلم ہو یا تکلم کی صلاحیت رکھتا ہو) اور لاؤڈ اسپیکر میں مقتدیوں تک پہنچنے کی صلاحیت نہیں (اسی طرح متکلم ہونے کی بھی) کہ اس کے لیے ذی روح ہونا ضروری ہے۔ بنا بریں آلۂ کبیر الصوت والی آواز سن کر رکوع و سجود کرنے میں "اقتداء بالغیر کا (اور تلقین الغیر کا) وجود نہیں پایا جاتا"۔ یعنی قراءۃ قرآن کے بارے میں غیر کی اثر پذیری مفسد نماز ہونے کے لیے کافی ہے (کیونکہ قراءۃ قرآن نقشِ ذہنی سے ہونا چاہیے) غیر کے فعل اور عمل کا اقوال صاحب فتح القدیر اس "مفسد نماز ہونے میں کوئی خاص اثر نہیں" اسی وجہ سے اس غیر کا ذی روح ہونا ضروری نہیں)

اور تقلید بالغیر میں (اسی طرح تلقین الغیر میں) محض اثر پذیری کافی نہیں ورنہ لازم آتا ہے کہ قراءۃ قرآن کے علاوہ صورتوں میں بھی جب نماز کی حالت میں خارج سے اثر پذیری ہو تو نماز فاسد ہو جائے۔ حالانکہ جزئیات اسکے خلاف موجود ہیں۔ کلام۔

آلۂ کبیر الصوت کے متعلق اوپر جو کچھ لکھا گیا اس کا رواج دینا کوئی ضروری امر نہیں۔ چونکہ آلۂ کبیر الصوت کے متعلق خطرہ رہتا ہے کہ وہ کام کرتے کرتے کہیں اپنا کام نہ چھوڑ دے اس لیے نماز میں اگر اسکا رواج ہوگا تو مکبرین کا انتظام نہ باقی رہنے کی وجہ سے (جیسا کہ عادۃً اسکا لزوم ہے) مقتدیین کو امام کے رکوع و سجود کی اطلاع نہ ہو سکیگی۔ اگر دورانِ نماز میں لاؤڈ اسپیکر فیل ہو جائے (آلۂ کبیر الصوت اپنا کام چھوڑ دے) اس لیے شرعی طریقے سے مناسب یہی ہے کہ نماز میں اسکا رواج نہ دیا جائے۔
خطبہ کے الفاظ کا ہر شخص کے کانوں میں پڑنا (خصوصاً جبکہ اسکے معنی بھی سمجھ میں نہ آتے ہوں جیسا کہ ہندوستان میں خطبوں کی زبان عربی ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے) کوئی لازمی چیز نہیں جسکے لیے آلۂ کبیر الصوت کا انتظام کیا جائے، علاوہ اس کے اندیشہ ہے کہ مسجد کے قریب رہنے والے اپنے گھر ہی سے خطبہ سنتے رہنے کی وجہ سے خطبہ کے وقت مسجد میں آنا چھوڑ دیں (جو منشاء شریعت کے خلاف ہے) علاوہ اسکے لوگوں کو اگلی صف میں جا کر بیٹھنے کا شوق جاتا رہے گا۔ حالانکہ اسکے فضائل حدیثوں میں مروی ہیں۔ اس لیے عام طور سے خطبہ کے لیے بھی اس قسم کا انتظام غیر مناسب ہے۔ لیکن اگر کسی وقتی ضرورت کی وجہ سے آلۂ کبیر الصوت خطبہ کے وقت کام میں لے آیا جائے تو شرعاً کوئی قباحت نہ ہوگی۔ قباحت رواج دینے میں ہے۔

خطبہ میں خطبہ کے الفاظ کا ہر حاضر شخص کے کانوں میں پڑنا ضروری نہیں اور نماز میں رکوع و سجود وغیرہ کا ادا کرنا بہ اتباع امام لازم ہے یعنی رکوع و سجود میں امام کی پیروی لازم ہے جو امام کی آواز تکبیر کی سماعت کے بغیر متعذر ہے اس لیے دونوں کے مابین جواز و عدم جواز مناسب و غیر مناسب کے لحاظ سے اور مناسب و غیر مناسب کے مراتب اعلیٰ و ادنیٰ کے لحاظ سے تفاوت کیا جا سکتا ہے۔ بنا بریں خطبہ میں آلۂ کبیر الصوت کے نفس استعمال (قطع نظر از عوارض) کا جواز حقیقتاً بلا شبہہ ہے نماز میں اسکا جواز اس قدر موید نہیں جبکہ بعض معتبر لوگوں کی تحقیق یہی ہے کہ آلۂ کبیر الصوت والی آواز بعینہ بولنے والے کی آواز نہیں ہوتی

مقتدیین آلۂ کبیر الصوت سے جو آواز سنتے ہیں وہ بعینہ امام کی آواز نہیں ہوتی، امام کی آواز کی حکایت ہوتی ہے جسکے لحاظ سے مقتدیین رکوع و سجود کریں تو اس کا جواز محض حکماً ہے کہ اس طرح گویا رکوع و سجود میں امام کی اتباع حاصل ہو جاتی ہے جو اصل مقصود ہے جو کچھ فرق ہے وہ امام کی حالت کے ذریعہ علم میں ہے جو مقصود اصلی نہیں اس لیے نماز میں بہ نسبت خطبہ کے زائد احتیاط کی ضرورت ہے۔ واللہ اعلم و علمہ اتم و احکم۔

امور مذکورہ بالا سے قطع نظر کرتے ہوئے اسلامی عبادات کی سادگی اس امر کی مقتضی ہے کہ خطبوں اور نمازوں میں اور بہ سلسلہ رویت ہلال رمضان اور عیدین میں آلۂ کبیر الصوت یا ریڈیو کے انتظامات سے کنارہ کشی کی جائے جبکہ اس سے کوئی فائدہ دینی منحصر نہیں خصوصاً ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کے معاملات کسی شرعی حکومت کی نگرانی میں نہیں اور آلۂ کبیر الصوت اور ریڈیو وغیرہ قسم کی چیزیں غیر اسلامی حکومت کی نگرانی میں ہیں ان چیزوں کا استعمال اس غیر اسلامی حکومت کے قوانین اور ہدایات کے ماتحت ممکن ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

جسم کے حقوق

آپ کا جسم صرف قوت کی پیداوار کا کارخانہ نہیں، بلکہ یہ محنت کی بچت کی بھی ایک حیرت انگیز مشین ہے۔ تھوڑے سے خرچ سے یہ کارخانہ بہت بڑی پیداوار دیتا ہے۔ آپ دس فی صدی توجہ دیکر اپنے جسم سے نوے فی صدی قوت حاصل کر سکتے ہیں۔ اس کارخانہ کو اچھی حالت میں رکھنا آپ کا اولین فرض ہے۔ جسم ایک خدائی امانت ہے جو آپ کو نہایت درست اور کارگر حالت میں سونپا گیا ہے۔ اسکو بے پروائی اور بے احتیاطی سے کمزور کر دینا اور تندرست نہ رکھنا جرم اور بد اخلاقی ہے۔

جسم اس لیے کمزور نہیں ہوتا کہ آپ اس سے کام لیتے ہیں بلکہ اس میں فرسودگی اور کمزوری صحت کے قدرتی قوانین اور آپ کی بے پروائیوں اور بیجا خواہشوں کے تصادم سے پیدا ہوتی ہے۔ زیادہ کھانا، بے وقت کھانا، ناقص غذائیں اور محرکات و مکیفات کا استعمال کرنا، بے قاعدہ سونا اور جاگنا، روشنی اور ہوا سے دور رہنا، جسم کی اندرونی اور بیرونی صفائی کا پورا خیال نہ رکھنا، اس قسم کی بہت سی بے احتیاطیاں ہیں جنکا مقابلہ جسم زیادہ دن نہیں کر سکتا اور انکی وجہ سے تندرستی خراب ہو جاتی ہے۔ آپ اس سے بچنا چاہتے ہیں تو زندگی کے طبعی اصول اور صحت کے قدرتی قوانین سے دلچسپی لیجئے بلکہ اپنے جسم اور صحت کے متعلق کچھ معلومات حاصل کیجیے اور ان سے فائدہ اٹھائیے

موجودہ زمانہ میں جسمانی قوتوں کو ایک بڑا خطرہ عیاشی سے

سے لاحق ہوگیا ہے اور آجکل کی بڑھی ہوئی جنسی ہوس صحت کو ناقابل تلافی نقصان پہونچا رہی ہے۔ گر عیاشی کی حد یہیں ختم نہیں ہو جاتی بلکہ ہر وسیع خواہش جس میں عقل کی رہنمائی شریک نہ ہو اسکے سامنے سر ڈال دینا عیاشی کے حکم میں داخل ہے اور جسمانی قوتوں کے زوال کا باعث ہوتی ہے۔ اگر آپ تندرستی اور زندگی کی کامیابی چاہتے ہیں تو ان تمام عیاشیوں اور بے اعتدالیوں کو ترک کر دیجیے جو قوتوں کو برباد کرتی ہیں یا انکو بے موقع خرچ کر دیتی ہیں اور اپنی ذہنی اور جسمانی صلاحیتوں کو زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لیے کارآمد بنانے میں لگ جائیے۔

(صحت عامہ)

سکھ مذہب اور معاصر صدق لکھنؤ

صدق ۱۵۔ دسمبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں ایک مضمون "سکھ اور مسلمان" کے عنوان سے شایع ہوا ہے۔ جس میں لکھا ہے:۔

"یہ بات پایۂ ثبوت تک پہونچ سکتی ہے کہ مسلمان اور سکھ توحید ذات باری تعالیٰ کے مقصد میں بالکل برابر کے شریک ہیں گر افسوس ہے کہ ان ہر دو موحد اقوام میں سے کسی نے اتحاد و اتفاق کی کوشش نہ کی۔ . . اگر دیگر اعمال معاشرت و تمدن پر غور کیا جائے تو سکھوں اور مسلمانوں کے کئی رشتے مودت کے موجود ہیں"۔ اس مضمون پر معاصر صدق رقمطراز ہے:۔ "سب سے بڑی چیز توحید کا اشتراک ہے۔ افسوس ہے کہ خود ہمارے علماء کا بڑے بڑے بھی اتنے گہرے رشتۂ اتحاد ہونے کے باوجود بھی سکھوں کو اپنانے کی طرف توجہ نہ کی"۔

مضمون نگار نے انتہائی تجاہل عارفانہ سے کام لیا ہے۔ اور محترم مدیر صدق جیسے باخبر بزرگ کے نوٹ پر بھی ہمیں سخت تعجب ہے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس طرف سب سے پہلے توجہ حضرت امام عصر حاضر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مبذول فرمائی۔ مسلمانوں اور سکھوں کے درمیان توحید کے اشتراک کو واضح کیا اور اس موحد قوم میں اسلامی تبلیغ کے لیے میدان تیار کیا۔ اور بعد میں آپ کے متبعین نے سکھوں میں تبلیغ اسلام کو عملی طور پر جاری رکھا۔ جماعت احمدیہ لاہور کے ایک قابل مشنری شیخ محمد یوسف صاحب گرنتھی اس کام کے لیے وقف ہیں اور حال ہی میں آپ گورمکھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ مکمل کر چکے ہیں۔ قادیان سے اخبار نور تقریباً ۳۳ سال سے سکھوں میں تبلیغ اسلام کا کام کر رہا ہے اور محترم مدیر نور نے گورمکھی میں قرآن مجید کا ترجمہ شائع کیا جو بہت مقبول ہوا۔ گورمکھی زبان میں آنحضرت صلعم کی سیرت شایع کی اور سکھ مذہب کے متعلق اعلیٰ درجہ کا لٹریچر پیدا کیا۔ غرضیکہ حضرت امام عصر حاضر کے متبعین کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ سکھوں اور مسلمانوں کے توحید کے اشتراک کو نمایاں کرکے اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کو دور کریں اور انھیں اسلام کے قریب لائیں۔ چنانچہ معاصر صدق کے مضمون نگار نے جماعت احمدیہ کے پیدا کردہ لٹریچر سے ہی استفادہ کیا ہے اور اسکے مضمون کا سارا مواد اسی لٹریچر سے مستعار ہے جس کام کی طرف معاصر صدق نے توجہ دلائی ہے اس کی بنیاد آج سے پچاس سال پیشتر رکھ دی گئی تھی۔ تعجب ہے کہ اسکا علم نہ معاصر صدق کو ہے اور نہ معاصر مذکور کے مضمون نگار کو ہے۔ ہم ان حقائق کو معاصر صدق کے نوٹس میں لاتے ہوئے یہ عرض کرنے کی جرأت کرتے ہیں کہ یہ کام آجکل کے علماء کا نہیں بلکہ علماء ربانی کا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ تجدید دین کے لیے مبعوث فرماتا ہے۔

پیغام صلح - لاہور

ایک اپیل

پاکستانی کوششوں سے متعلق

(از مولوی عبد الرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ معینیہ اگروالت گنج ضلع بستی)

میرے خیال میں ملک و قوم کی صلاح و فلاح کے لیے پاکستانی تجویز نہایت مناسب ہے۔ دونوں قومیں مومنین و مشرکین کا الگ الگ رہنا تو خود تعلیم نبوی کے مطابق بھی ہے۔ علامہ سیوطی خصائص میں لکھتے ہیں کہ جنوں کا ندآیا اور بڑا شور و غل بپا ہوا۔ جب یہ سب آوازیں بند ہوئیں تو صحابۂ کرام کے دریافت پر آپ نے فرمایا کہ یہ جنوں کی جماعت تھی انکا آپس میں آبادی کے متعلق جھگڑا تھا میں نے یہ فیصلہ کیا کہ مسلمانوں کی جماعت پہاڑوں اور دیہاتوں میں رہے اور مشرکوں کی جماعت نشیبی زمین اور دریاؤں کے پاس رہیں۔ (خصائص۔ جلد ثانی صـ۳)

اسی طرح دوسرے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لا تری نارا ہما دونوں جماعتوں کی آگ اکٹھی نہ دیکھی جاوے۔ اس سے ایک حد تک پاکستانی اصول کے مطابق دونوں جماعتوں کی حدود کا الگ الگ ہونا ثابت ہوتا ہے۔ البتہ مسلمانوں اور غیر قوموں کے خطوط الگ الگ رکھنے کے سلسلہ میں وہ فتنہ و فساد جو خود مسلمانوں کی جماعتوں میں انفرادی طور پر بپا ہے اسکا نہایت افسوس ناک تعلق ہے۔ صدق کے تازہ پرچہ ۵۔ جنوری ۱۹۴۶ء میں کسی صاحب نے مصالحت کی کوشش کے لیے پُر درد طریقہ سے لکھا ہے مولانا دریابادی کا معروضہ اسکے جواب میں صحابہ کے باہمی مشاجرات و تنازعات کے تاریخی واقعات کی طرف اشارہ کرکے یہ ہے کہ جب عہد صحابۂ کرام میں مصالحین کے باہمی مفاہمت کی کوششوں کے باوجود جو کچھ ہونا تھا ہوتا رہا تو اب کیا سہارا کیا جائے حالانکہ متعدد بار تازہ کوششیں عملاً ناکام رہیں۔ در اصل بات یہی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی صحابی نے خواب میں بھڑکتے ہوئے آگ کو دیکھ کر تعبیر پوچھی تو آپ نے فرمایا یہ اشارہ ہے اس فتنہ کی طرف جو میرے بعد واقع ہونگے۔ صحابی نے پوچھا حضور وہ فتنہ کس طرح کا ہوا آپ نے فرمایا یشتجرون حتی تصیر دم المومنین احلی من شرب الماء یعنی مسلمانوں میں اسقدر کشیدگی و تنازعات ہونگے کہ مسلمان کا خون نہ صرف یہ کہ پانی کی طرح بہایا جائیگا بلکہ حسد و کینہ کی پیاس بجھانے کے لیے پیاسے پانی سے مسلمان کا خون شیریں معلوم ہوگا۔ (خصائص۔ جلد ثانی صـ۱۳۳)

پس تمام مسلمانوں سے اپیل ہے کہ پاکستان کا اصول جس قدر صحیح ہے سمجھ کر

محرکات کا استعمال

ڈاکٹر اشرف الحق کے تاثرات

بعض آدمیوں کو چائے کافی۔ کوکو۔ تمباکو اور دیگر محرکات کے استعمال سے ایک خاص قسم کی تقویت ہوتی ہے اور دماغی کام کرنے کے لیے بالخصوص وہ انکے استعمال سے بہت زیادہ تیار ہو جاتے ہیں لیکن ہم انکا استعمال عام طور سے جائز نہیں سمجھتے۔

بعض ڈاکٹروں نے ان اشیاء کو بہت ہی مضر بتایا ہے اور انکے نزدیک یہ چیزیں زہریلی ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد خاص طور پر یہی ہے کہ مبالغہ اور تنگ نظری سے بچکر ایسے توازن پیش کریں جو زندگی کے لیے عموماً بہترین ثابت ہوں۔ ۔ ۔

چائے کے خاص اجزاء حسب ذیل ہیں۔ تھیئین جو کافی کے کیفین سے ملتا جلتا ہوتا ہے اور اسٹیری تیل ٹینن اور اکسٹر اکٹیوس۔ سبز چائے میں بمقابلہ کالی چائے کے تھیئین اسٹیری تیل اور ٹینک ایسڈ زیادہ ہوتے ہیں چائے کی ایک پیالی پینے کے بعد طبیعت کو بہت فرحت محسوس ہوتی ہے۔ تکان دور ہو جاتی ہے اور جسم ہلکا معلوم ہونے لگتا ہے۔ یہ اثر تھیئین اور اسٹیری تیل کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض حیثیتوں میں ٹینک ایسڈ کا اثر بھی مفید ہوتا ہے۔ اثرات کے لحاظ سے کافی اور چائے ایک دوسرے سے مماثل ہیں پھر بھی ان میں تھوڑا فرق ہے اگرچہ کیمیاوی حیثیت سے دونوں ایک ہیں۔ کافی اور چائے دونوں کے استعمال سے ہم دماغی اور جسمانی کام زیادہ دیر تک کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں۔ لیکن بعض لوگوں کو بمقابلہ کافی کے چائے سے اعصابی تشنج زیادہ پیدا ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے نیند اُچاٹ ہو جاتی ہے۔ چائے کے مقابلہ میں کافی پیشاب زیادہ آور کرتی ہے۔ کمزور معدہ والوں کو دونوں سے پرہیز کرنا لازمی ہے۔ جب کوئی شخص انکو کثرت سے استعمال کرنے لگتا ہے تو شدید اعصابی خرابیوں کی علامات ظاہر ہونے لگتی ہیں مثلاً طبیعت چڑچڑی ہو جاتی ہے۔ نیند بہت کم ہو جاتی ہے۔ اختلاج قلب اور رعشہ شروع ہو جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ بعض اثرات زہریلی علامات نمایاں ہونے لگتی ہیں۔ گردوں کے لیے چائے اس قدر مضر نہیں ہے جتنی کہ کافی۔ اسکے استعمال سے فوائد پیدا ہوتے ہیں [illegible] شراب کی طرح چائے اور کافی کے استعمال میں بھی اعتدال کو [illegible] دینا چاہیے۔ بچوں کے لیے تو کمزور سے کمزور چائے یا کافی بھی نقصان رساں ثابت ہوتی ہے۔ کافی میں بہت زیادہ جزو کیفین ہے [illegible] سے ملتی جلتی ہوتی ہے۔ جب کافی بھونی جاتی ہے تو اس میں سے [illegible] تیل نکلتے ہیں۔ اور انہیں کی وجہ سے اس میں مخصوص عمدہ خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ کافی قلب کو بھی قوت پہنچاتی ہے اور اعصابی سسٹم کو بھی مفید ہے۔ گردوں پر جو اسکے مفید اثرات ہوتے ہیں ہم انکا بیان کر چکے۔ جب کافی پی جائے تو بہترین صورت یہ ہے کہ تیز ہو اور اس میں بالائی یا دودھ ملا ہوا ہو....

تمباکو بہت سے لوگوں میں ایک قسم کی فرحت پیدا کرتا ہے اور سگرٹ کے عادی سگرٹ پینے کے بعد زیادہ کام کرنے کے قابل ہوتے ہیں [illegible] ایسی صورت میں [illegible] انھیں دماغی کام کرنا [illegible] تمباکو میں زہر یلا مادہ نکلتا ہے نکوٹین ہوتا ہے۔ وہ لوگ جو اسکے عادی نہیں ہوتے انکے لیے اسکی تھوڑی مقدار بھی نشہ پیدا کر دیتی ہے۔ لیکن جو لوگ عادی ہوتے ہیں انکو زیادہ مقدار استعمال کرنے سے نشہ ہوتا ہے تمباکو کھانے یا پینے سے جو نکوٹین جسم میں داخل ہوتی ہے اسکے سبب سے مضر نتائج مترتب ہونے کا اندیشہ ہے اس لحاظ سے سگرٹ سب سے زیادہ مضر ہوتے ہیں۔ نکوٹین کے داخل ہونے سے آنکھوں کے اعصاب اور دیگر اندرونی عصب پر مہلک اثر ہونے کا امکان ہے اور اعصابی نظام پر بھی اسی قسم کا اثر ہوتا ہے۔ لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ اسکے استعمال سے سب سے زیادہ نقصان قلب اور معدہ کو ہوتا ہے۔ شروع شروع میں قلب کی حرکت بے قاعدہ ہو جاتی ہے کبھی کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قلب کی حرکت بالکل بند ہو گئی۔ اگر ان علامات کے باوجود تمباکو کا استعمال ترک نہ کیا گیا تو مستقل بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔ غالباً یہ مرض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ گردہ پر نکوٹین کا برا اثر ہوتا ہے۔ (صحت عامہ)

بہی خواہان صدق سے

(از حکیم حافظ عبدالقوی (بی' اے) نائب مدیر)

ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء میں صدق کی آمدنی ۹ [illegible] ہوئی اور مصارف کی میزان ۹ [illegible] تک پہونچی۔ ماہ جنوری ۱۹۴۶ء میں یہ تناسب حسب ذیل رہا

میزان آمدنی [illegible]

میزان مصارف ۹ [illegible]

اب آپ حضرات خود فیصلہ فرمائیں کہ آمد و خرچ کے اس تناسب کے ساتھ پرچہ کا مستقبل کیا اور کیسا رہیگا ؟

آمدنی میں سابق کی بہ نسبت یقیناً اضافہ ہوا ہے اور یہ اللہ کا فضل و احسان ہے۔ لیکن جب تک یہ اضافہ اتنی معقول مقدار میں نہ ہو کہ خرچ پورے کا پورا نکل آئے، مسئلہ بدستور لاحاصل رہیگا۔

صورت یہ ہے کہ تدابیر اگر فوراً ہی نہ کی گئیں، تو جو نتائج نکلنے والے ہیں وہ بالکل ظاہر ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)	والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون

ایڈیٹر:- عبد الماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر بھیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
ششماہی صہ
بیرون ہند سے سالانہ ۱۴ شلنگ
قیمت فی پرچہ ٢ر

نمبر ۴۳	چہار شنبہ ۳ - ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۶ - فروری ۱۹۴۶ء	جلد ۱۱

سچی باتیں

راجپوتانہ کے ملک میں ایک قدیم خود مختار ریاست سروہی کی ہے، راجپوتوں کا چوہان خاندان حکمراں، وسیع لیکن زیادہ تر غیر آباد رقبہ، قریب دو لاکھ کے آبادی، ۱۵ ضرب توپ کی سلامی۔ ۲۲ جنوری ۱۹۴۶ء کو ہندوستان کی ایک غیر مسلم مشہور نیوز ایجنسی خبر دیتی ہے کہ مہاراج نے ۵۰ سال کی عمر میں کل ۲۲ جنوری کو وفات پائی۔ اہلکاران ریاست چاہتے تھے کہ جلانے پھونکنے کے لیے (ہندو مذہب کے مطابق) نعش کو سروہی لے جائیں، لیکن متوفی کا وصیت نامہ نکل آیا۔ اُس میں یہ درج تھا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، اور میری تجہیز و تکفین مسلمانوں کی طرح ہو۔ نعش اسی بحث و گفتگو میں کل سے آج تک پڑی رہی، اور آج دہلی میں بالآخر مسلمانوں کی کے قبرستان میں دفن کی گئی ——— انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ۔

واقعہ اپنی نوعیت میں بالکل انوکھا اور بے مثال نہیں۔ ملتی جلتی صورتیں اور بھی پیش آ چکی ہیں۔ پیش آتی رہتی ہیں۔ مولانا تھانوی مولانا محمد قاسمؒ (بانی دار العلوم دیوبند) کے حوالہ سے روایت فرماتے تھے کہ میں نے ایک بار خواب میں اپنے وطن کے ایک مہاجن (ساہوکار) کو جنت میں دیکھا۔ حیرت ہوگئی۔ خواب ہی میں میں نے اُس سے پوچھا کہ تم ہندو تھے، یہ تو جنت ہے، تم یہاں کیسے؟ اُس نے جواب دیا، میاں صاحب آپ لوگوں کو پتہ نہ چلا، میں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ مسلمان ہو کر ہی جنت پہونچا ہوں" ——— حکیم عبد الکریم خان برہم مرحوم (ایڈیٹر مشرق گورکھپور) روایت ایک عرب کے حوالہ سے بیان کرتے تھے کہ انکو جنت کا رویا ہوا۔ اور اُسی میں انھیں ایک محل منشی نول کشور ہندی (مالک مطبع نول کشور) کا دکھایا گیا۔ منشی جی اُسوقت تک زندہ تھے عرب صاحب خواب دیکھ کر انکی زیارت کے مشتاق و معتقد ہو کر ہندوستان، پھر لکھنؤ آئے۔ منشی جی ویسے تو مسلمان علماء و صالحین کے بڑے ہی معتقد و خدمت گزار، اور اشاعت قرآن و علوم قرآن کے عاشق، کلام مجید وغیرہ کی طباعت کا کام صرف مسلمان پریس مینوں سے لیتے، اور انھیں بھی باوضو رکھواکر۔ عجب کیا جو در پردہ قبول اسلام کرکے اور اطلاعات ہو چکے ہوں۔

مسلمان کی موت بھی کیسی قابل رشک موت ہوتی ہے! زندگی تو غیر مومن و کافر سب کی ایک سی، ظاہری یکسانیت کے ساتھ کٹ جاتی ہے، اور جو آنکھیں صرف سطحی نظر رکھتی ہیں، انھیں دونوں زندگیوں کے درمیان کوئی خاص فرق ہی نظر نہیں آتا، لیکن مسلمان کی موت تو ایک نمایاں امتیاز رکھتی ہے۔ کیسے خوش قسمت ہیں وہ انسان جو دنیا میں جس طرح بھی جیے، لیکن بہرحال رخصت ہوئے اللہ کے علم میں مسلمان ہی ہو کر، انکی روح اسکی شہادت دیتی ہوئی، انکی زبان اسکے نام کا کلمہ پڑھتی ہوئی!

مذہب کے نام پر!

ایک انگریز لیڈی ڈاکٹر کے قلم سے:-

"کئی سال کی بات ہے۔ میری تعیناتی ایک بڑے شہر میں تھی جہاں

مکان کے قریب ہی ایک مندر تھا۔ ایک روز سہ پہر کو میں بیٹھا ہوا دریچہ میں جھانک رہا تھا کہ کسی بچہ کے خوب ہنسنے کی آواز آئی۔ آنکھ اٹھا کر دیکھا، تو ایک ہندو عورت تھالی میں چڑھاوا لیے مندر کو جا رہی تھی، اور اُسکے ساتھ ایک پیارا سا بچہ خوب اچھے کپڑے پہنے ہوئے تھی۔ کچھ دیر بعد دیکھتی کیا ہوں کہ اس مندر سے نکلی ہوئی چلی آ رہی ہے، اور اُس کے پیچھے وہی پیاری بچی چیختی چلاتی آسمان سر پر اُٹھائے دوڑتی ہوئی آتی ہے۔ اس نے کی اپنی راہ چلی گئی۔ اور بچی مندر میں زبردستی روک لی گئی۔ میں متاثر ہوکر اس سے بول پڑی، کہ کس مقصد سے بچیاں یہاں چھوڑی جاتی ہیں، اُسے جان بوجھ کر پھر اپنی بچی یہاں چھوڑے جاتی ہو! اس نے بولی، کہ خوب جانتی کھیتی ہوں لیکن نہ کروں تو کروں کیا۔ ابھی پانچ سال کی تو بات ہے کہ لڑکا سخت بیمار پڑا تھا، اور پنڈتوں نے کہا تھا کہ لڑکا اچھا ہو جائیگا مگر اس لڑکی جب سات برس کی ہو جائے، تو اُسے لاکر اس ٹھاکر دوارہ کی نذر کرنا ہوگا! ——— بیٹے کی جان کی خاطر بیٹی کی عزت قربان ہو رہی تھی!

دو برس بعد کا ذکر ہے کہ ایک معزز ہندوستانی دو حسین بچیوں کو لے کر میرے مطب میں آئے، اور بولے کہ یہ دونوں دیوداسیاں ہیں، ایک ۱۱ سال کی عمر کی، اور دوسری ۹ سال کی۔ لیکن یہ ابھی کام میں نہیں لائی گئی ہیں، آپ انکے باکرہ ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیجیے، تو میں انھیں شرمناک زندگی سے نجات دلا کر کسی اچھی جگہ پہونچا دوں۔ میں نے معاینہ کیا، تو پایا کہ دونوں میں سے کوئی بھی باکرہ نہیں۔ سرٹیفکیٹ کا اصرار اب بھی مجھ سے جاری رہا۔ میں نے بالکل ہی معذوری ظاہر کی۔ اور یہ بھی جتا دیا کہ ایسے سرٹیفکیٹ آپ کو شہر میں دآسانی اور بکثرت مل جائیں گے۔ جواب ملا کہ آپ کے سرٹیفکیٹ کی ساکھ بکا اندھے میں نے عرض کیا کہ یہ ساکھ اُسی وقت تک ہے جب تک میری طرف سے احتیاط قائم ہے" (اسٹیٹسمین۔ ۱۳ جنوری ۱۹۴۶ء)

دیوداسیوں (یعنی دیوتاؤں کی کنیزوں) کا رواج ہندو مذہب اور دوسرے مشرکانہ مذہبوں کے لیے کوئی نیا نہیں۔ قدیم مذہبوں میں کثرت سے اسکی مثالیں ملینگی۔ مسلمان عزیب کا ذہن بھی یہاں تک پہونچ سکتا ہے؟

پہلی آواز

"سورت۔ ۲۱۔ جنوری۔ مسٹر مرارجی ڈیسائی، جو کانگریسی حکومت کے زمانہ میں صوبۂ بمبئی کے ہوم ممبر رہ چکے تھے، آج انھیں سورت کے چیمبر آف کامرس (ایوان تجارت) کی طرف سے ایڈریس دیا گیا ایڈریس کے جواب میں اُنھوں نے فرمایا:-

لکھوکھا آدمی ہندوستان میں بھوک اور فاقہ سے تڑپ تڑپ کر مرگئے، دراںحالیکہ جنگ یہاں چھڑی تک نہیں۔ یہ سب اندھیر اس لیے کہ یہاں کے کاروباری لوگ نفع خوری کی دُھن میں لگے رہے، اور غریبوں کا کسی نے خیال بھی نہ کیا۔ آیندہ ایسا نہ ہو سکے گا۔ ہمارے کاروباری طبقہ والے اسے خوب سن رکھیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ کاروباریوں کے اشتراک عمل کے بغیر کوئی بھی حکومت نہیں چل سکتی، لیکن آیندہ کاروباریوں کو ملک کا قوم کا خادم بنکر رہنا ہوگا۔ ہندوستان کو ہندوستانیوں کے ہاتھ سے تو تاجروں ہی نے کھویا۔ یہ لوگ اپنی ذات کےلیے نفع اندوزی میں لگے رہے اور ملک کو انگریزوں کے ہاتھ بیچ ڈالا! ..... یہ کاروباری طبقہ اگر یہ سمجھے ہوئے ہے کہ قومی حکومت اُن پر ٹیکس نہ لگائیگی یا انکی حرکتوں پر اُنھیں یوں ہی چھوڑے رہیگی، تو یہ انکی بڑی غلط فہمی ہے" (اے پی آئی)

روزنامچہ نگار صاحب یہ کیا فرما رہے ہیں! آج تک کسی نے فرمایا تھا؟ ——— یہ مہاجن اور یہ پارسی سیٹھ اور ساہوکار، لوگ کبھی قصوروار ہوئے؟ آج تک ہر طرح کا قصوروار اور ملک کی تباہی و بربادی کا ذمہ دار بجز انگریز اور انگریزی حکومت، یا پھر زمیندار اور تعلقہ دار کے کوئی دوسرا بھی ہوا ہے! ——— سیٹھوں، ساہوکاروں، مہاجنوں، مل کے مالکوں کا کام تو اب تک شاید صرف یہ تھا، کہ وہ بڑے بڑے نذرانے اور ہماری تھیلیاں بڑے بڑے لیڈروں کے آگے پیش کردیا کریں، اور اسکے صلہ میں اُنکے تمام گناہ دُھلتے رہیں!

ہمنامی کا جُرم

"امروہہ میں عمر فاروق کا نزول!"

اس عنوان کے ساتھ شیعہ روزنامہ میں ایک فریادی اداریہ مراسلہ آگے کے اقتباسات :-

"ہم ارکان مسلم لیگ کی اس جسارت اور بہادری کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتے .... کتنی مناسبت رکھتی ہے امروہہ کے شیعوں کی لگام عمر فاروق کے ہاتھ میں! .... اچھا شیعیان مسلم لیگ ذرا امیدان میں آئیے اور دو چار نعرے لگائیے۔ تمہارے قائد عمر فاروق، تمہارے نمائندہ عمر فاروق، تمہارے لیڈر عمر فاروق! اب تو حمیت مذہبی بیدار ہوگی"

دنیاں ہم عقیدگی وہم خیالی کے ساتھ ساتھ ہموطنی اور ہم جنسی تو خیر اب بھی غلط یا صحیح بہرحال کہیں نہ کہیں جُرم سمجھی گئی تھی، لیکن ہمنامی کو جرم قرار دینا، دنیا کی تاریخ تعزیرات میں شاید بالکل پہلی مثال ہے! ——— شیعہ حکومتیں دنیا کے مختلف حصوں میں صدہا سال سے قائم ہیں اس "انصاف" کی نظیر انھوں نے کبھی اور کہیں پیش کی ہے!

اپنے مراسلہ نگاروں سے

خریدار ۱۷۵۵ آپ نے شاید صدق کو لیگ کا ترجمان یا نقیب سمجھ کر اس مضمون کی فرمایش کی ہے۔ مدیر صدق نہ لیگ کا ممبر ہے، نہ اُس سے پوری طرح متفق، نہ اُسکے جلسوں میں شریک ہوتا ہے (جس طرح جمعیۃ وغیرہ کے جلسوں میں بھی شریک نہیں ہوتا)۔ البتہ موجودہ حالات میں اسکے نظریہ کو دوسرے سیاسی نظریوں کے مقابلہ میں اسلام اور مفاد مسلمین سے قریب تر پاتا ہے

حاجی عبدالکریم ولی محمد صاحب (امراؤتی) آپ کا مرسلہ مطبوعہ پمفلٹ تا ہنوز کسی دل لگی باز کا محض مذاق معلوم ہوتا ہے، اگرچہ نو قسم کا مذاق۔ بعد تحقیق اگر کچھ اصلیت معلوم ہوئی تو ان شاء اللہ مزید کارروائی کی جائیگی۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۵۲)

س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی

س ۔ نماز کی سنت رکعتیں اگر دیدہ و دانستہ نہ پڑھی جائیں تو کیا کوئی گناہ لازم آتا ہے؟ کیا اس طرح نماز نامکمل رہتی ہے؟ جب قضا نماز پر سنتیں چھوڑ دی جا سکتی ہیں، اور سفر کی نماز میں بھی، تو نماز کی تکمیل کے لیے سنت رکعتوں کا لازمی طور پر پڑھا جانا تو ضروری نہ ہوا۔ اور پھر سنت مؤکدہ اور غیر مؤکدہ کا فرق کیا ظاہر کرتا ہے؟ اس فرق سے اتنا تو ظاہر ہی ہوتا ہے کہ ایسی سنتیں بھی ہیں، جو چھوڑی جا سکتی ہیں۔ پھر سب کو چھوڑ دینے میں کیا ہرج ہے؟

ج ۔ یہ ہرج کچھ کم ہے کہ رسول کے محبوب عمل سے بالکل بے تعلقی پیدا ہو جاتی ہے؟ نماز سنت کی حقیقت بجز اس کے اور کیا ہے کہ وہ نماز رسول صلعم کو محبوب تھی، اور آپ نے اس پر یا التزام عمل فرمایا ہے۔ تو اسکے عادۃً ترک کرنے کے معنی بھی رسول کے پسندیدہ عمل کے عادۃً ترک کے ہوے۔ اور اس سے تعلق رسول میں، عظمت رسول میں، اقتدائے رسول میں، محبت رسول میں جیسا کچھ فرق پڑتا ہے، بالکل ظاہر و صریح ہے ——— باقی تفصیلی فقہی رنگ کا جواب، شامی اور عالمگیری کے حوالوں کے ساتھ، اگر مقصود ہے، تو ظاہر ہے کہ اسکے لیے مخاطب ادارۂ صدق کو بنانے کے بجاے، دیوبند، سہارنپور، فرنگی محل، وغیرہ کے دارالافتاء کو لکھنا چاہیے۔ پھر فقہی حکم تو وہاں سے معلوم ہو جائیگا، لیکن یہ ضرور نہیں کہ حکم کی علت و حکمت سے متعلق جو سوالات کیے گئے ہیں، انکا جواب بھی وہاں سے ملے۔

کسی عارض (مثلاً سفر) کی بنا پر سنت نماز کے ترک کی اجازت اسکی دلیل تو نہیں بن سکتی کہ بلا عارض بھی اسے ترک کر دیا جائے، اور پھر اجازت ترک میں بھی فقہاء کے ہاں تفصیلات ہیں۔ یہ فقہاء نے بھی لکھا ہے کہ سنتوں کے ترک سے فرض نماز میں نقص لازم نہیں آتا، البتہ فرائض کی تکمیل۔ بلحاظ اجر و ثواب سنن و نوافل سے ہوتی ہے۔

س ۔ ادھر چند دنوں سے پھر طبیعت کچھ بے کیف سی رہنے لگی ہے۔ اس بے کیفی کے عالم میں پھر ایک دفعہ ان تراشوں اور اقتباسوں کی طرف رجوع ہوا جنکا ایک آدھ بار پڑھ لینا ہی میرے لیے سکون قلب کا باعث ہوتا ہے۔ شیخ جبارکی یاد اور انکا تصور رکھنا چاہیے کہ دماغ میں بس گیا ہے۔ میں ہی جانتا ہوں کہ اس تصور میں کتنا سکون اور کتنی آسودگی ہے۔

ج ۔ الحمد للہ۔ صدق میں کثرت سے ایسی چیزیں شارع عام سے ہٹی ہوئی، علماء و فقہاء، صوفیہ و مشائخ سب کے طریق سے الگ، جو درج ہوتی رہتی ہیں، اسکا مقصد بجز اسکے کیا ہوتا ہے کہ عامیوں اور نافہموں کی جس سطح پر صدق نویس خود ہے، اسکے طبقہ اور برادری والوں کو کچھ نہ کچھ تسکین و تسلی حاصل ہوتی رہے۔

جن طبائع پر افسردگی و یاس غالب رہتی ہے، انکے لیے غزالیؒ کی احیاء علوم الدین، اور کیمیاء سعادت کے ان ابواب کا (اور صرف انھیں ابواب کا) مطالعہ مفید ہوگا، جن میں رحمت و مغفرت کی بشارتیں ہیں اور جو کتاب الرجاء وغیرہ کے تحت میں مل جائیں گے۔ حکیم الامت تھانوی کے مواعظ اور انکے مرشد و شیخ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات بھی اس اعتبار سے بہت قابل قدر ہیں۔ طالب اور سائل کو مایوس تو وہ کسی حال میں ہونے ہی نہیں دیتے۔ اقبالؒ کی نظمیں بھی طبیعت میں جوش اور امنگ پیدا کرنے میں بہت معین و موثر ہیں۔

سائل کو اپنا نقطۂ نظر بھی اشخاص و معاملات سے متعلق قصداً اہتمام کرکے کسی قدر بدلنا چاہیے۔ یعنی بجاے تاریک رخ کے، روشن پہلوؤں پر نظر رہے۔ اور جسے انگریزی میں CHARITABLE VIEW کہتے ہیں حتی الامکان ہر شخص اور ہر شے سے متعلق وہی لیا جائے۔ خلقت کی کمزوریوں اور عیوب پر بھی نظر اس سے کم کی جائیگی۔ اور دنیا اسکے بعد نظر میں اتنی مبغوض اور نفرت انگیز رہ جائیگی ———

دنیا کی محبت اور دنیا کی طرف رغبت کا غلبہ جس طرح ایک خبیث مرض ہے اسی طرح مردم بیزاری بھی ایک دوسرا مرض ہے، اور طبیعت میں افسردگی و یاس بھی لازمی طور پر تو نہیں لیکن اکثر اسی مردم بیزاری سے پیدا ہو جاتی ہے۔

مجرد انسان کے لیے شادی کر لینا اور تاہل کی زندگی بسر کرنا بھی عام حالات میں سکون قلب اور دفع وحشت و یاس میں معین ہے۔ طبی، اخلاقی، روحانی، ہر نقطۂ نظر سے۔

س ۔ ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ اسی الٹ پلٹ میں ایک انگریزی تحریر دو ڈھائی سال پرانی نظر پڑی، دیکھا تو ریڈرس ڈائجسٹ کے ایک مضمون کی نقل نکلی۔ پوری نقل خدمت والا میں بھیج رہا ہوں۔ دعا کے متعلق اس سے پہلے بھی جناب سے استفادہ کر چکا ہوں، اور اب اس انگریزی تحریر کے پیش نظر صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ ایک غیر مسلم کا دماغ دعا کے باب میں جب یقین کے اس درجہ تک پہونچ سکتا ہے مسلمانوں کی دعا کی شان امتیازی کیا ہوئی؟

ج ۔ اقتباس میں کئی فرنگیوں کے اقوال دعا کی اہمیت سے متعلق ہیں۔ اور یہ کوئی ایسی تعجب کی بات نہیں۔ انبیا کی لائی ہوئی صداقتوں کی آواز بازگشت بار ہا منکرین کی زبان و قلم سے آئی ہے۔ عرب جاہلی کے اشعار میں بہت سے کام کے اور سچے مضمون مل جاتے ہیں۔ اور یونان، ہند، روم کے حکماء اور فلاسفہ کی زبان و قلم سے بہت سی ازلی و ابدی حقیقتیں ادا ہوئی ہیں۔ دیانت، عفت، راستبازی وغیرہ کو تو دنیا کے تقریباً ہر مذہب میں مانا ہے۔ یہ سب دہی افراد و اشیاء کی بکثیں ہیں ——— آفتاب کی روشنی سے متاثر

لطیف چیزوں کے علاوہ کثیف چیزیں بھی تو ہوتی ہیں۔

پھر مسیحیت تو بہرحال اصلاً ایک صحیح دین اور خدائی ہی مذہب ہے۔ ہزار تحریف اور لاکھ تضعیف کے بعد بھی موجودہ انجیلوں میں بہت سی بیش قیمت تعلیمات و روایات مل جاتی ہیں۔ اور انھیں میں سے ایک مسئلہ دعا بھی ہے۔ انجیلوں میں اس کی بڑی تاکید موجود ہے۔ اور اسی کے اثر سے مسیحی پادریوں اور کلیسائی سرداروں نے اس کی بڑی اہمیت جتائی ہے۔ پڑھے لکھے مسیحیوں کے لیے ایسی حالت میں بالکل قدرتی ہے کہ اسلامی نقطۂ نظر کی تائید کریں۔ خصوصاً جبکہ اپنا ذاتی تجربہ بھی کچھ ایسا ہی پاتے ہیں۔

س۔ میری بڑی مصیبت ایک یہ بھی ہے کہ عہد قدیم سے متعلق کوئی کتاب از قسم تاریخ و سوانح وغیرہ مطلق نہیں پڑھ سکتا۔ "ہمہ ہیچ" کا نقش اتنا جلد دماغ پر چھا جاتا ہے کہ پھر میں کسی کام کا نہیں رہ جاتا۔ کل ہی مولانا شبلی کی المامون نے یہ کیفیت پیدا کر دی۔ بالآخر کتاب چھوڑ کر اٹھ جانا پڑا۔ کرب کی یہ کیفیت کتاب کا زمانہ جتنا قدیم ہو اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔ ورنہ یوں تو حیات جاوید اور یادگار غالب بلا خوف و خطر گھنٹوں پڑھ سکتا ہوں۔ اس کا کیا علاج کروں؟

ج۔ کیفیات عبرت سے متاثر ہونا تو ایک نعمت ہے۔ اس کا رُخ بہت مفید کاموں کی طرف پھیرا جا سکتا ہے۔ دنیا حقیقۃً بالکل بے ثبات اور باطل محض ہے، اگر دنیا بجائے خود مقصود ہے۔ لیکن یہی دنیا نہایت درجہ اہم اور حقیقی ہے، اگر وہ مقصود بالذات نہ ہو، بلکہ آخرت کا ذریعہ یا زینہ ہو۔ اس فرق کو اگر خوب ذہن نشین کر لیا جائے، تو ان شاء اللہ بڑے مفید سبق ہر تاریخ و سوانح حیات سے ملنے لگیں گے، اور قدرۃً ان میں دل بھی لگنے لگیگا —— فلاں فلاں دنیوی سردار نے فرعون بادشاہ نے، بے دین سپہ سالار نے اپنی اتنی فتوحات، اتنی تعمیرات، اتنے کارناموں کے باوجود، اپنی عمر کیسی ضائع کی؟ فلاں پیمبر نے، فلاں صحابی نے، فلاں دیندار نے اپنی محدود عمر میں کتنے مفید کام کر ڈالے، کتنے اجر کا ذخیرہ جمع کر ڈالا، ابدی راحتوں پر اپنا کتنا حق قائم کر لیا، وقس علیٰ ہذا۔ اس نقطۂ خیال کے راسخ ہو جانے کے بعد ان شاء اللہ مطالعہ بامقصد بن جائیگا، لاحاصل نہ رہیگا، اور اس لیے بطور نتیجہ و ثمرہ کے وہ مطالعہ دلچسپ بھی ہو جائیگا، اور اس سے جی اُچاٹ نہ ہوگا۔

مزید احتیاط یہ بھی کر لی جائے کہ یکبارگی بڑی کتاب کے مطالعہ کا قصد نہ کیا جائے۔ رسالوں یا چھوٹی چھوٹی کتابوں سے عادت ڈالی جائے۔ یا اگر کتاب بڑی ہی ہو، تو اسکے مطالعہ کو بھی چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم کر لیا جائے۔

معاصر "صدق"

معاصر "صدق" میں "الفرقان" کے حوالے سے ذیل کی عبارت نقل کی گئی ہے:-

اس الکشنی کذب آفرینی کا نشانہ یہ عاجز راقم سطور خود بھی بن چکا ہے ۲۶- نومبر کے انگریزی روزنامہ پانیر میں میرے متعلق یہ اطلاع درج ہے کہ میں مسلم لیگ سے مستعفی ہو کر جمعیۃ علماء میں شامل ہو گیا ہوں۔ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے۔ نہ میں نے استعفا دیا ہے نہ میں جمعیۃ علماء کا ممبر ہوں"

یعنی مولانا محمد منظور نعمانی مسلم لیگ سے مستعفی نہیں ہوئے بلکہ بدستور اُسکے ممبر ہیں اور جمعیۃ علماء کی ممبری تو اُنکے خواب و خیال میں بھی نہیں آئی! مگر جب ہم نے اصل رسالہ "الفرقان" کو اٹھا کر دیکھا تو اس میں آخری فقرہ اس طرح پایا گیا:-

" حالانکہ یہ محض جھوٹ اور افترا ہے۔ میں نہ کبھی مسلم لیگ کا ممبر تھا، نہ میں نے استعفا دیا، نہ میں جمعیۃ علماء کا ممبر ہوں"

یعنی معاصر "صدق" میں خط کشیدہ الفاظ اُڑ گئے! مبارک ہو مدیر "الفرقان" کو کہ "الکشنی کذب آفرینی" میں آخر کار "صدق" بے چارہ کا پیوند لگ ہی گیا! "صدق" کے مدیر محترم سے یہ توقع بیجا نہیں کہ وہ اس نمایاں فروگذاشت پر اپنی پہلی فرصت میں توجہ فرمائینگے۔ (ترجمہ

صدق۔ مبارک کسی اور کو ہو یا نہ ہو، لیکن صدق کے عملۂ کتابت، طباعت، و تصحیح کو تو ضرور ہی مبارک ہو کہ مدت کی آرزو پوری ہوئی اور صدق کو "الکشنی کذب آفرینی" کا سرٹیفکیٹ ایک مسلمان معاصر کی زبان سے عنایت ہو گیا! معاصر موصوف کو تو پورا حق حاصل تھا کہ عنوان ہی کو بجائے مختصر "صدق کی کذب آفرینی" رکھ دیتے!

ارشادات اثیر

(از سید غلام رسول صاحب معتمد ادارۂ دعوت الحق بیگم بازار کوچہ محمد انس صندلی، حیدرآباد دکن)

(۱۲)

(۱) حکومت حاصل کرنے کا اصلی مقصد اقامت دین ہے جیسا کہ ارشاد ہے:-

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں طاقت بخش دیں تو یہ نماز قائم کریں گے زکوٰۃ دیں گے معروف کا حکم کریں گے اور منکر سے منع کریں گے۔	الذین ان مکنّٰہم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر (سورۂ حج - ۶)

اگر حکومت سے اقامت دین مقصود نہ ہو جیسا کہ آجکل کی حالت (یعنی سیاسی جدوجہد) سے ظاہر ہے تو ایسی حکومت پر لعنت ہے۔

(۲) خدا و رسول کے احکام کی پابندی کے بغیر حکومت یا سلطنت حاصل کرنا ایسا ہے جیسا کہ وضو کے بغیر نماز پڑھنا یا منتر جانے بغیر سانپ پکڑنا۔ جس کا انجام ہلاکت ہے۔

(۳) کسی تحریک کی طرف اوّل اہل دنیا کا مائل ہونا اسکے خالص اسلامی نہ ہونے کی دلیل ہے اور کسی تحریک کی جانب اوّلاً اہل دین

آخر وہ کیا بینات لے کر آئے تھے؟ اہل مصر کو کس چیز میں شک تھا؟

(۱۱) آپ فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف کے تقوے سے کہیں بلند ان کی پیشین گوئی یا "غیب دانی" مشہور تھی۔ قرآن کریم کا ایک طالب علم یہ دریافت کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے "بینات" لے کر آنے والے جلیل القدر پیغمبر میں تقوے کا حصہ ان کی علمیت اور تعبیر خواب کی صلاحیت سے کم تھا؟[1] اس سلسلہ میں بہت کچھ عرض کیا جا سکتا ہے لیکن جناب کی منصب پر عرض کرنا آفتاب کو شمع دکھانا ہے۔ جناب والا صاحب خطاب ہیں خواہ مخواہ "کٹھ حجتی" کرنے والوں سے بحث کرنا ہمارا شیوہ نہیں اور نہ یہ کسی طرح مفید ہو سکتا ہے۔

یہ چند معروضات "شبہات" مدیر صدق کی خدمت میں پیش کی جا رہی ہیں۔ جناب والا! اگر یہ مراسلہ "صدق" میں شائع فرما کر اس میں جواب عنایت کیا جائے تو زیادہ اچھا ہو۔ البتہ یہ گزارش ضرور ہے کہ اس سلسلہ میں کسی قسم کی کتر بیونت نہ ہو[3]۔ امید ہے کہ ان حقیر معروضات پر غور فرمایا جائیگا۔

والسلام۔

عاجز مسعود عالم ندوی

صدق — مراسلہ نگار ندوہ کے ایک ممتاز فارغ، صاحب علم اور علمی حلقوں میں معروف اہل قلم ہیں۔ افسوس ہے کہ تعجب کے جوش میں انکے قلم نے یہ تین سلپ کا مراسلہ لکھ ڈالا۔ محض سوال مقصود ہوتا تو تین سطریں بھی بالکل کافی تھیں۔ اور ان جیسے فہیم و ذکی صاحب علم پر یہ تو بالکل روشن ہونا چاہیے تھا کہ حضرت کی جب ایک مشرک کے ہاں غلامی بھی حضرت کی صدیقیت و مرتبہ تقوے کے منافی نہ ہو سکی تو وزارت تو بہر حال اس سے کہیں اونچا مرتبہ تھا۔ یہ تو محض آپ لوگوں کا ایک اختراع کیا ہوا عقیدہ ہے کہ غیر مسلم حکومت سے کسی حال میں، کسی درجہ کا اشتراک عمل نہیں کیا جا سکتا۔ اسی کو تو ثابت کرنا ہے، اور الٹے اسی مقدمہ کو آپ بطور ایک مسلم اصل کے دلیل میں پیش کر رہے ہیں ——— منطق کی مشہور اصطلاح مصادرۃ علی المطلوب تو یقیناً ذہن میں مستحضر ہوگی۔

---

[1] یہ سوال ایک صاحب علم کے قلم سے نہایت ہی حیرت انگیز ہے۔ حضرت کے تقوے کے حصہ کے کم یا زیادہ ہونے سے صدق نے کب بحث کی تھی؟ اس کی جانب اشارہ بھی کر سکتا تھا؟ سوال صرف یہ تھا اور ہے کہ مشرکین مصر کس چیز سے زیادہ متاثر ہو سکتے تھے؟ عام مشرکین اگر پہلے ہی سلیم الفطرت ہوا کرتے، تو کسی پیمبر کو بھی بجز اخلاق و تقوے کسی مادی معجزہ کی ضرورت ہی کیوں پڑتی؟ [illegible] مشرکین کے اثر [illegible] کو صدق یا کسی مسلمان کے سر ڈال دینا عجب ستم ظریفانہ [illegible] ہے۔ (صدق)

[2] تمام تر خطاب "خان بہادری" کا اعادہ اور "کٹھ حجتی" کا اضافہ [illegible] قابل داد ہیں! (صدق)

[3] فرمائش بلا ضرورت تھی، بہرحال کر دی گئی۔ (صدق)

قدرت کا ایک طمانچہ

(از مولانا عبد الرؤف صاحب حالی ناظم مدرسہ [illegible] ضلع بستی)

سودی کاروبار اور ناجائز طریقوں سے پیسہ اکٹھا کرنے والوں کو ایک سرسری نگاہ دنیوی عزت اور عروج پر دیکھ سکتی ہے لیکن اگر غور کیجیے تو تاریخ سے صاف معلوم ہوگا کہ ظلم پیشہ کبھی سرسبز نہیں ہوتے۔ اس قسم کی مثالیں ہر ایک بستی اور ہر ایک زمانہ میں بکثرت ملیں گی۔ اس جگہ ایک تازہ واقعہ سنیے!

گورنر جنرل نے ایک آرڈیننس جاری کر کے اعلان کر دیا ہے کہ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۴۶ء سے ایک سو روپیہ سے زیادہ مالیت کے کرنسی نوٹ منسوخ کر دیے گئے ہیں۔ ناظرین کرام! دیکھیے، قدرت کے مخفی ہاتھ نے اس زمانہ میں بھی بلیک مارکیٹ سے آمدنی پیدا کرنے والے تاجروں اور سپلائی افسروں کی سود و رشوت خواری کا کس آسانی سے قلع قمع کیا۔ ارشاد ہے "یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات" یعنی اللہ تعالیٰ سود اور رشوت کے کمالات نفع اندوزی کو طرح طرح سے مٹائے گا اور صاحبان خیرات کو طرح طرح سے بڑھائے گا!

وائسرائے ہند نے ایک سو سے زیادہ مالیت کے نوٹوں پر کنٹرول کر کے دراصل قدرت کا منشا پورا کیا ہے۔ قدرت نے دنیا کو بتلانا چاہا ہے کہ ظالموں کی تمام نئی نئی چالوں اور نت نئے اندازوں کے مقابلہ میں میرا قانون محق اپنے وقت پر کام کرے گا۔

کل تک رشوت خواری اور سود خواری کا بازار کیسا گرم تھا۔ صبح کے خالی جیب افسروں کی شام کو کس طرح گرما گرم ہو جاتی تھی۔ اور ان سودی [illegible] سے کیسے کیسے گرم گرم منصوبے باندھے گئے تھے۔ اور اب آج یہ حال ہے کہ پانچسو اور ہزار کی مالیت والوں پر ایک مصیبت کبریٰ وارد ہے۔ نہ پائے رفتن نہ جائے ماندن کا مضمون ہے۔ نہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ حساب صاف نہیں، نہ مخفی رکھ سکتے ہیں کہ کچھ فائدہ نہیں۔ سچ فرمایا، لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء۔ قدرت کا ارشاد تازہ ہے فانظر کیف کان عاقبۃ الظالمین۔ یعنی خود نظر کرو ظالموں کا خاتمہ کیسا ہوا۔ کسی نے کیا خوب کہہ دیا ہے ؎

ناؤ کاغذ کی کبھی چلتی نہیں ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

بس اصل عزت صاحبان خیرات کے لیے ہے۔ کیا اس دنیا میں کیا اس جہان میں، اصل ترقی اور برکت انہیں کے لیے ہے۔ "اللہ بس باقی ہوس"۔

"صاحب تمسلم"

(ایک دیندار مسلمان کے قلم سے)

بات پرانی ہو گئی لیکن آج بھی اس کی یاد تازہ ہے اور طبیعت چاہتی ہے کہ آپ سے ضرور عرض کروں۔ اسی سال وسط مارچ سے لیکر وسط اپریل تک ایک ماہ سرکاری کام کے سلسلہ میں شہر ... رہنے کا اتفاق ہوا۔ پولیس لائن کی مسجد میں نماز پڑھتا تھا۔ ایک صاحب

(۱۱) تھی گفتگو نہیں ہوئی۔ سو کچھ ترشی ہوئی، آدھیڑ عمر کے، سفید سادہ داڑھی، ٹوپی، لکلا ڈھے کا پائجامہ، شیروانی پہنے ہوئے، کبھی کبھی محض قمیض بھی پہنے ہوئے فجر، عصر، مغرب، عشا میں بہت اول وقت باوضو مسجد میں آتے تھے، اور کبھی کبھی ظہر میں بھی۔ سلام علیک کے بعد پہلا سوال اذان کے متعلق ہوتا تھا۔ اگر معلوم ہوا کہ اذان نہیں ہوئی تو بڑے شوق سے غسل خانہ کی چھت پر جس میں کہ زینہ بھی نہیں ہے، بہ دقت وہاں پہنچا جاتا ہے، وہ پہنچے اور اذان دے دی۔ اسکے بعد نوافل و سنت پڑھتے رہے۔ اور باجماعت نماز پڑھ کر واپس جاتے تھے۔ اگر مسجد میں فرش بچھایا جا رہا ہے تو سب میں پیش پیش آپ بڑے شوق و ذوق میں بچھا رہے ہیں۔ اتفاق سے ایک روز ایسا ہوا کہ نماز عصر ہو چکی تھی، نمازی و امام مسجد سے چلے گئے۔ تنہا میں مسجد میں موجود تھا کہ وہ صاحب مسجد میں آئے اور مجھ سے یہ معلوم کر کے کہ جماعت ہو چکی ہے بہت افسردہ و ملول بیٹھ گئے۔ کچھ دیر کے بعد میں نے عرض کیا کہ جماعت ہو چکی ہے، اب کیا انتظار ہے؟ تو فرمایا کہ اگر کوئی صاحب آگئے تو جماعت سے نماز پڑھوں گا۔ جمعہ کے روز ایک دن بعد نماز جمعہ امام صاحب و چند ملازمان پولیس صحن میں بیٹھے ہوئے بات چیت کر رہے تھے میں بھی موجود تھا۔ ایک کانسٹبل اپنی بیوی کی علالت کا تذکرہ کر رہے تھے، وہ صاحب نفل پڑھنے کے بعد اسی مجمع میں بے تکلفی سے بیٹھ گئے اور مریضہ کی حالت دریافت کر کے فرمایا کہ "افسوس مسلمانوں میں قرآنی تعلیم کا عمل چھوٹ گیا۔ قرآن پاک میں شہد کی تعریف ہے، میں خود اپنے یہاں عرصۂ دراز سے ہر مرض میں مریضوں کو صرف شہد دیتا ہوں اور اسی سے بفضلہ تعالیٰ شفا ہوتی ہے۔ میرے پاس اس وقت بھی شہد خالص ہے۔ اُن کانسٹبل سے کہا کہ میرے ساتھ چلو میں آپ کو شہد دوں گا، مریضہ کو استعمال کراؤ۔ اُس سے انشاء اللہ شفا ہوگی"۔ وہ کانسٹبل ان صاحب کے ساتھ چلے گئے۔ اس وقت میں نے امام صاحب سے دریافت کیا کہ یہ کون صاحب ہیں؟ انھوں نے فرمایا کہ یہ...... مثلاً آئی۔ سی۔ ایس، ڈسٹرکٹ سشن جج ہیں جو آجکل صوبہ گورنمنٹ کے لیگل ریمبرنسر ہیں"۔ نام سنا تھا، دیکھا کبھی نہ تھا۔ یقین نہ آتا تھا۔ دریافت پر معلوم ہوا کہ یہاں سے ایک فرلانگ کے قریب کرایہ کی شاندار کوٹھی میں رہتے ہیں۔

راستہ میں اگر کہیں ملاقات ہو جاتی تو سلام میں سبقت کریں دو مرتبہ سوٹ و ہیٹ میں ایک مرتبہ کار میں اور ایک مرتبہ تانگہ میں بیٹھے ہوئے راستہ میں دیکھا جب بھی سلام میں خود ہی سبقت کی۔ کیسے کیسے اللہ کے بندے ہیں کہ باایں شان و شوکت، باایں جاہ و حشم سچے مسلمان جب ظاہر میں یہ کیفیت ہے تو باطن میں نہ معلوم اللہ سے کیا تعلق رکھتے ہوں گے۔ ہم جیسے روسیاہوں سے جو ظاہر میں مسلمان صورت رکھتے ہیں۔ بدرجہا اپنے سے افضل و بہتر ان صاحب کو سمجھتا ہوں۔ آج بھی ان صاحب کا جب خیال کرتا ہوں، قلب میں ایک خاص کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ میں نے اپنی عمر میں اتنی بڑی

پوزیشن کے آدمی کو اتنا سادہ و منکسر المزاج پابند نماز نہیں دیکھا۔ دست بدعا ہوں کہ اللہ تعالیٰ انکے مراتب و مدارج میں ترقی عطا فرمائے اور انکے صدقہ میں اس گنہگار کا بھی خاتمہ بخیر ہو۔ آمین! آپ بھی میرے لیے دعا فرمائیں۔

صدق — صدق کا مسلک بحمد اللہ ذرہ برابر یہی ہے کہ امت کے اخیار و صالحین معلوم نہیں کن کن لباسوں میں، کیسے کیسے پیشوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ ان کے محض ظاہر کو دیکھ کر یا انکی بعض کھلی ہوئی کوتاہیوں پر نظر کر کے انھیں بہت دور سے دور یا عن اللہ مردود سمجھنا شامت

سلامی کی روح پر ظلم کرتا ہے۔

بہرحال مراسلہ بالا انھیں صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا جنکے متعلق وہ ہے۔ اس پر انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہ بھی اس قابل ہے کہ اسے بھی ناظرین تک پہنچا دیا جائے:—

...... صاحب کے خط کی نقل پڑھ کر مجھ کو عبرت ہوئی۔ انکو مسجد بھر کے نمازیوں میں سے ایک ہی نمازی قابل تعریف معلوم ہوا اس لیے کہ اتفاق سے وہ نمازی سرکاری عہدہ دار تھا۔ انگریزی محاورہ میں جسے INFERIORITY COMPLEX یا "احساس کمتری" کہتے ہیں وہ ایک روحانی سقم ہے۔ اور جو شخص دل سے الحمد للہ رب العالمین کہتا ہو اُس میں یہ روحانی سقم باقی نہ رہنا چاہیے۔ جس نے سب تعریف اپنے پروردگار کے لیے مخصوص کر دی اُسکو پھر کسی بندہ کی دنیوی عزت یا کمال یا دولت یا خوف سے مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ اُسی مسجد میں بہت سے نیک اور دیندار بندے پابندی سے باجماعت نماز پڑھتے تھے لیکن آپ کے مراسلہ نگار صاحب پر اُنکی دینداری کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ مثلاً ایک بہت ضعیف اور ضعیف بسکٹ والا تھا، جو خالص ان ملازمت سے گزر اوقات کرتا تھا، اور مسجد میں نہایت پابندی سے اپنا ٹوکرا لیے ہوئے نماز پڑھنے آتا تھا، مجھ کو تو اُس بوڑھے کی دینداری خاص طور پر قابل تحسین معلوم ہوئی۔ کچھ پولیس والے بھی آتے تھے جن میں نور ایمان کی شان تھی۔

چند سال قبل

جن دنوں سر سکندر حیات خاں اور علامہ اقبال (رحمہما اللہ) زندہ تھے ایک دفعہ پنڈت جواہر لال نہرو لاہور تشریف لائے۔ اُس زمانہ میں پنڈت جی اس بات پر تُلے ہوئے تھے کہ مسلم لیگ کے قائد اعظم کو بالائے طاق رکھ کر مسلمانوں کے ساتھ براہ راست رابطہ پیدا کریں۔ اور انھیں سمجھا بجھا کے کانگریس کے ساتھ صلح کر لینے کی ترغیب دیں۔

لاہور پہنچکر اُنھوں نے سر سکندر حیات خاں سے ملاقات کی اور انھیں رو غن قاز ملنے کی کوشش فرمائی۔ آپ نے کہا کہ سردار صاحب اگر مسلم لیگ کے لیڈر آپ ہوتے تو کانگریس کے ساتھ کبھی کا تصفیہ ہو چکا ہوتا"۔

[illegible]

کیا انجام ہوگا؟ بہتر یہ ہے کہ آپ کانگریس اور مسلمانوں کے تصفیے کے لیے کوئی فارمولا تیار کریں۔ اور میں کانگریس کے لیڈروں کو آپ سے بات چیت کرنے پر آمادہ کرتا ہوں۔

سر سکندر حیات خاں یہ سن کر مسکرا دیے۔ اور کہنے لگے۔ پنڈت جی میں تو صوبہ کا لیڈر اور وزیر اعظم ہوں۔ مجھ سے پنجاب کے متعلق کچھ دریافت فرمائیے تو اس کا جواب دینے کی کوشش کروں۔ آپ آل انڈیا لیڈر ہیں۔ آپ کا تصفیہ آل انڈیا لیڈروں ہی سے ہو سکتا ہے۔ اور ملک بھر کے مسلمانوں کا نقیب میں نہیں ہوں مسٹر جناح ہیں ــــ اُن سے بات چیت کیجیے اُن کا کیا ہوا فیصلہ بالکل منظور ہوگا

جب پنڈت جی نے دیکھا کہ سر سکندر نے صاف ٹال دیا۔ تو اپنا سا منہ لے کر رہ گئے آگے بات کرنے کی ہمت ہی نہ ہوئی۔ دوسرے دن آپ علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور انھیں ہموار کرنے کی کوشش کی۔ ڈاکٹر صاحب۔ آپ بین الاقوامی شہرت کے آدمی ہیں مسلمان آپ کے نام پر قربان ہوتے ہیں۔ اور دوسری قومیں بھی آپ کی بے حد تعظیم کرتی ہیں۔ کوئی ایسا طریقہ نکالیے جس سے کانگریس اور مسلمانوں کے درمیان کوئی تصفیہ ہو جائے تاکہ ملک آزادی کے رستے پر گامزن ہو سکے۔

علامہ اقبال مسکرا دیے۔ اور کہنے لگے۔ پنڈت جی۔ یہ آپ کیا باتیں کرنے لگے۔ میں تو دیہاتی آدمی ہوں اور طالب علم۔ میرے ساتھ آپ فلسفہ۔ ادب۔ اور شعر کی باتیں کیجیے۔ یہ آل انڈیا سیاسیات تو بس آپ جانیں یا مسٹر جناح۔ ہمیں ان باتوں سے کیا سروکار۔ ہم تو سمجھ بیٹھے کہ ہم مسلمانوں نے اپنا سیاسی فیصلہ مسٹر جناح کے سپرد کر رکھا ہے۔ وہ سیاہ و سفید جو چاہیں کریں۔ مسلمانوں کی طرف سے کچھ کہنا انہی کا حق ہے ہمارا کوئی حق نہیں۔

پنڈت جی ہکا بکا رہ گئے۔ ظاہر ہے کہ سر سکندر اور علامہ اقبال نے ایک ہی قسم کا جواب دینے کی کوئی سازش تو نہ کی تھی۔ بلکہ معاملہ حقیقت میں یہی تھا کہ دونوں کے نزدیک مسلمانوں کی نمائندگی کا حق صرف مسلم لیگ اور مسٹر جناح ہی کو حاصل تھا لہذا دونوں نے ہی اپنی جگہ یہی ایک جواب دیا۔ اور پنڈت جواہر لال نہرو ناکام ہو کر لاہور سے چلے گئے۔ (انقلاب)

(بقیہ صفحہ ۴)

(بقیہ صفحہ ۴)

اور اہل تصوف کا متوجہ ہونا اسکے خالص اسلامی ہونے کی دلیل ہے۔

(۴) صوفیاء کی اصطلاح میں ہر وہ چیز طاغوت ہے جو حق تعالیٰ کی اطاعت میں مخل ہو۔

(۵) کسی ایک مسئلہ یا معاملہ میں علماء کی ایک کثیر جماعت کا متفق ہو جانا اسکے اجماعیہ ہونے کی دلیل نہیں۔ کیونکہ اس سے کسی ایک معتبر عالم کا اختلاف کرنا قادح اجماع ہے۔

(۶) اللہ تعالیٰ ہی کیلیے خالقیت (امر تکوینی) اور آمریت (امر تشریعی) مخصوص ہے جیسا کہ ارشاد ہے الا لہ الخلق والامر اور ان دونوں باتوں میں کوئی اس کا شریک نہیں۔

(۷) کسی دینی و دنیوی کام کے متعلق کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینا اور کسی چیز کو جائز و ناجائز اور حلال و حرام قرار دینا امر تشریعی کہلاتا ہے۔

(۸) اسنے و چلانے' پیدا کرنے و پرورش کرنے وغیرہ کا اختیار امر تکوینی کہلاتا ہے۔

(۹) مسلمانوں پر کفار جو حکومت کر رہے ہیں درحقیقت اُن کی کوئی اہلیت نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی نااہلی کی وجہ سے ان پر کفار کو مسلط کر دیا گیا ہے۔ اگر یہ اپنی نااہلی کو دور کر دیں تو پھر ان کو ساری دنیا پر غالب کر دیا جائیگا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ سے ...

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون (اور جو کوئی سچ بات لے کر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشدآباد بلڈنگ - گوئن روڈ - لکھنؤ

چندہ سالانہ
ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ
قیمت فی پرچہ
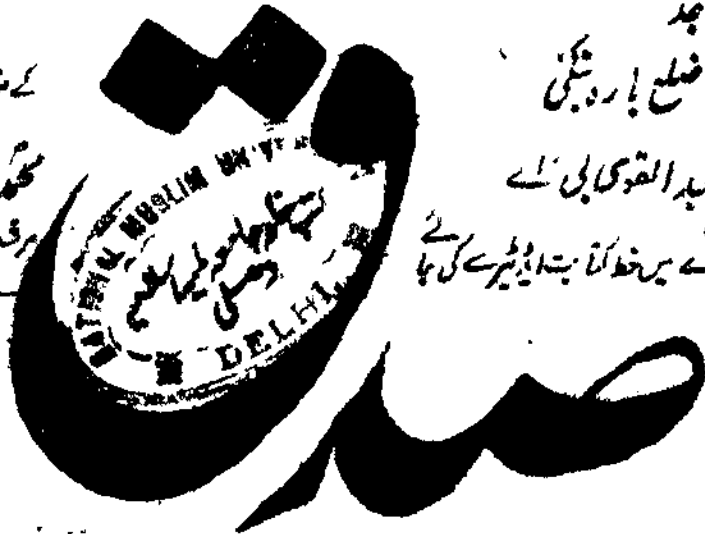
نمبر ۴۷ | شنبہ - ۶ ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق ۹ - فروری ۱۹۴۶ء | جلد ۱۱

سچی باتیں

اللھم اقسم لنا من خشیتک ما تحول بیننا و بین معاصیک و من طاعتک ما تبلغنا بہ جنتک و من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا

اے اللہ ہمیں اپنی خشیت کا حصہ دے مگر اتنا ہی جو حائل ہو جائے ہم میں اور تیرے گناہوں میں [ورنہ اس سے زیادہ خوفِ الٰہی کا تحمل کس بشر سے ہو سکتا ہے؟] اور اپنی عبادت کا بھی ہمیں حصہ دے، مگر اتنا کہ اس کے ذریعہ سے ہمیں اپنی جنت میں پہونچا دے [ورنہ جو حق عبادت ہے، وہ کون بندہ ادا کر سکتا ہے؟] اور اپنے یقین و ایمان سے بھی ہمیں حصہ دے، مگر اتنا کہ اس سے ہم پر دنیا کی مصیبتیں آسان ہو جائیں۔

رسولؐ کی زبان سے نکلی ہوئی دعائیں اتنی عجیب، اور ایسی جامع و بلیغ ہیں، کہ اگر فرض کیجئے کوئی بھی دوسری دلیل موجود نہ ہوتی، تو تنہا آپ کی دعائیں بھی آپ کے صدق و اعجاز کی شاہد عادل تھیں۔ انھیں جامع ترین دعاؤں میں سے ایک دعا یہ ہے۔ ضعف بشری کی ایسی ایسی دقیق رعایتیں بجز نبی کے اور کوئی لحاظ رکھ ہی نہیں سکتا؟ —— دعا کا ایک ٹکڑا یہ ہوا، باقی کے لیے آگے چلیے۔

ومتعنا باسماعنا وابصارنا وقوتنا ما احییتنا واجعلہ الوارث منا واجعل ثارنا علی من ظلمنا وانصرنا علی من عادانا

اور ہمارے کان اور ہماری آنکھیں کارآمد رکھ، اور ہماری قوت بھی جب تک تو ہمیں زندہ رکھے [کہ قوت جسمانی خصوصاً کان اور آنکھ کا کام زندگی بھر رہتا ہے] اور اسکی خیر کو ہمارے بعد بھی باقی رکھ۔ اور جو ہم پر ظلم کرے اس سے ہمارا انتقام لے [کہ بندہ کو ظلم کی سزا حاکم حقیقی ہی دے سکتا ہے] اور جو ہم سے دشمنی کرے، اسکے مقابلہ میں ہماری مدد کر —— دعا کا ایک جزو کیسا حاجت انسانی کے مطابق اور نفسیات بشری کا حقیقی ترجمان ہے! —— اسی دین کو بعض نا سمجھوں نے "خشک" اور "دشوار" قرار دیا!

اہم دعا کا اہم ترین حصہ اب آتا ہے۔

ولا تجعل مصیبتنا فی دیننا ولا تجعل الدنیا اکبر ہمنا ولا مبلغ علمنا ولا غایۃ رغبتنا ولا تسلط علینا من لا یرحمنا۔

اور ہمارے لیے مصیبت ہمارے دین میں نہ پیدا کر دینا [دنیا والی مصیبتیں تو خیر جھیلی جا سکتی ہیں لیکن فرائض دینی کی ادائی میں اگر دشواریاں پیش آ گئیں، تو کیا علاج ہے؟] اور دنیا کو ہمارا مقصود اعظم نہ بنا دینا اور نہ ہمارے علم کی معراج اور نہ ہماری رغبت کی منزل مقصود۔ اور نہ ہم پر مسلط کرنا جو ہم پر نامہربان ہو!

ساری دعاؤں، بلکہ سارے دین کی کلید یہی خط کشیدہ عبارت ہے۔ لا تجعل الدنیا اکبر ہمنا، ایسا نہ ہو کہ ہماری ساری کوششوں سارے ولولوں سارے حوصلوں کا محور و مرکز، منتہا بجائے رضاء الٰہی یا طلب آخرت کے، یہی دنیا اور اسکی چمک دمک ہو کر رہ جائے! —— آج ایک اسی ہدایت کے بھولے رہنے سے ہم سب کتنے بہک چلے، بھٹک چلے ہیں! جنت (و رضاء الٰہی کا محل) اور اسکی نعمتیں آج کس کا مطمح نظر ہیں؟ جو دین کے منکر ہیں، انکا ذکر نہیں، جو فی الجملہ مذہبی احساس اور درد رکھتے ہیں انکا بھی مطمح نظر بجز اسکے اور کیا ہے، کہ کوئی اچھی سی نوکری مل جائے، تنخواہ میں ترقی ہو جائے۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ مسلمان قوم کو جاہ و مال زیادہ ملنے لگے!

بولتے ہوئے اعداد

انگلستان کے مشہور روشن خیال شہر ڈبلن (آئرستان) سے متعلق کچھ اعداد اور واقعات :۔

سنہ ۱۹۳۱ء میں ناجائز بچوں کی تعداد ۲۱۹ تھی،
سنہ ۱۹۴۰ء میں " ۳۶۴ تک پہنچا۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں آتشک کے نئے مریضوں کی تعداد ۱۰۰ تھی،
سنہ ۱۹۴۲ء میں " ۸۰۰ سے اوپر پہنچی

عورتوں کی تعداد اس مرض کا شکار ہونے والی روز افزوں ہے۔ پہلے عموماً صرف فاحشہ عورتیں اس کا شکار ہوتی تھیں۔ اب کاروباری لڑکیاں بلکہ پڑھی لکھی لڑکیاں کثرت سے مبتلا پائی گئی ہیں۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں آتشک کے زیر علاج مریض ۲۰۰۰ تھے
سنہ ۱۹۴۲ء میں " " ۳۴۰۰ ہوگئے

یہ سرکاری اعداد تھے، غیر سرکاری تخمینہ کے مطابق انکی ۴۵ ہزار ہے۔"
(نیوز آف دی ورلڈ، لندن، ۲۳ دسمبر ۴۵ء)

اتنے نہ سہی، اس سے کچھ کم سہی، اس سے ملتے جلتے سہی۔ اعداد ریاض (نجد) کہ (حجاز) صنعا (یمن) غرض کسی بھی مشرقی، نیم متمدن یا غیر متمدن شہر کے ہیں، جہاں "صاحب" کے قدم اب تک نہیں پہنچے ہیں؟ —— اللہ کے بندو، کبھی تو سوچو، کہ جگمگاتے ہوئے ہوٹلوں والا "تمدن" "منظم" والی تہذیب، سنیما والی معاشرت آخر کدھر لیے جا رہی ہے؟

غیروں سے سبق

"کلکتہ۔ یکم فروری۔ یہاں کے ایک مشہور بینک نے مہاتما گاندھی کی خدمت میں ایک فارم بھیجا ہے کہ آپ اس پر اپنے نمونہ کے دستخط کر دیں، اس لیے کہ ایک گمنام شخص نے انکے نام پر بینک میں دو لاکھ کی رقم جمع ہونے کو بھیج دی ہے۔" (یو، پی، آئی)

۲ لاکھ کا نذرانہ، وہ بھی بالکل گمنام! —— ایک یہ قوم ہے اور اسکے لیڈر۔ اور ایک آپ کی قوم ہے اور آپ کے لیڈر! یہ تو دو لاکھ تھا، کسی نے محمد علیؒ غریب کو اسکا دسواں حصہ بھی یوں نذر کر دیا تھا؟ نام نہ سہی نام کے اظہار و اعلان کے ساتھ ہی سہی۔ الٹی دھمکیاں اس بات کی ہیں کہ چندہ کا حساب لاؤ، جو کچھ چندہ ملا ہے، اُسے کھا گئے ہو، اُسکا حساب کتاب دکھاؤ۔

بے قابو زبانیں

مسلم لیگ کے ایک ممبر لکھنؤ سے لکھتے ہیں :۔

"پرسوں یہاں سٹی مسلم لیگ کی نشرگاہ سے وہ خواب مع تعبیر نشر ہوا جو قائد اعظم جناح اور مولانا حسین احمد صاحب سے متعلق کسی ڈاکٹر شاغل نے دیکھا تھا اور جو صدق ۱۹ میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ناشر صاحب نے یہ بھی فرما دیا کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی خواب کے اس جزو کو کہ "مولانا حسین احمد صاحب نے فائر کر دیا" کو شیطانی قرار دیا ہے۔ تقریر کے اس جزو سے بڑی حیرت ہوئی۔ صدق تو یہ کہیں بھی درج نہ تھا۔ معلوم نہیں ناشر صاحب کو یہ غلط فہمی کیسے پیدا ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ صدق کے مطالعہ کی زحمت انھوں نے گوارا نہیں فرمائی؟

نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔ یہی زیادتیاں اور یہی غلو تو ہے، جسکے باعث لیگ (اور تنہا لیگ کیا معنی ہر سیاسی پارٹی) سنجیدہ اور اپنی ذمہ داری محسوس کرنے والے طبقہ میں بدنام ہو رہی ہے۔ صدق کی وہ چھپی ہوئی عبارت تو آج بھی با آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ "وسوسہ شیطانی" قسم کا کوئی لفظ و عبارت اس میں آس پاس بھی نہ تھی۔ —— خوف آخرت اور اپنے قول و عمل کی مسؤلیت اور ذمہ داری کا احساس دلوں سے یکسر نکل گیا ہے، اور ہر فریق کو دوسرے کے مقابلہ میں گویا ایک سادہ چلت پھرت سی ہے، کہ جو کچھ جی میں آئے بے تکلف زبان سے بک دیا گیا —— خوب ہے یہ قوم و ملت کی خدمت!
جو کہ سیکھے تو اب ہے آج!

اعلان صلح

شیعہ روزنامہ سے :۔

"ایک پروپگنڈا یہ ہے کہ ہم شیعہ سنی اختلافات بڑھانا چاہتے ہیں، درآنحالیکہ اس سے زیادہ غلط بات کوئی اور نہیں ہے۔ شیعہ سنی اختلافات بڑھانا کیسا، ہم تو اسے بالکل ختم کر دینا چاہتے ہیں۔۔۔۔ ہماری لڑائی اہل سنت والجماعت سے نہیں ہے، بلکہ آل انڈیا مسلم لیگ سے ہے، جس میں وہ تمام شیعہ سنی شامل ہیں جو شیعہ حقوق اور جن مطالبہ سے انکار کرتے ہیں۔۔۔۔ مسلم لیگ کے باہر جو شیعہ سنی کے تعلقات ایسے خاصے ہیں اور اچھے خاصے رہیں گے۔ ہم ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آتے ہیں اور کام آئیں گے۔ ہم انکے ساتھ عزیز بھائی کی طرح رہنے پر تیار ہیں۔ لہذا ہماری تحریک کو شیعہ سنی لڑائی کہنا بالکل غلط ہے۔"

الحمدللہ! —— سنتے ہیں لکھنؤ میں ہر سال کوئی قضیہ مدح صحابہ کا شیعہ سنیوں کے درمیان ہوا کرتا ہے۔ اور اس کا زمانہ اب آ ہی رہا ہے۔ یہ اعلان صلح خوب وقت سے نکل آیا! امید ہے کہ اسکے بعد اب جلوس مدح صحابہ وغیرہ پر ہمارے ان عزیز بھائیوں کو کوئی اعتراض نہ رہیگا۔ اور جنگ کا رخ بجائے اہل سنت کے تمام تر مسلم لیگ ہی کی طرف پھر کر رہے گا۔

عقل کی بات

ڈاکٹر سید محمود (سابق وزیر تعلیمات صوبہ بہار) کا مضمون قومی آواز میں :

"میں نے بارہا کہا ہے کہ باوجود سیاسی اختلافات کے مسلمانوں کی مختلف جماعتوں کو ان باتوں میں جن میں اختلاف نہیں ہے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہونا چاہیے۔ سیاسی اختلافات تو صرف ایک بات کا ہے۔ باقی ۹۹ باتیں ایسی ہیں کہ جن میں اتفاق ہے۔ تو ان باتوں کو سلجھانے کے لیے ہم ایک پلیٹ فارم پر کیوں نہ جمع ہوں، اور آپس میں مل کر کیوں نہ

عن دینه - دین سے یہاں کوئی بھی مراد دین اسلام ہے کہ خطاب یہاں مومنین ہی سے ہے۔

خالدون - خلود کے معنی ہیں کسی چیز کا اکیلالت پر بغیر کسی قسم کا خلل پڑے ہوئے قائم باقی رہنا۔

الخلود بقاء الاشیاء علی الحالة التی علیها من غیر اعتراض الفساد (راغب)

اس تصریح نے اور صاف کر دیا۔ ورنہ یوں بھی عالم آخرت ہمیشگی کا عالم ہے۔ وہاں کی ہر سزا اور ہر جزا تا وقتیکہ موقت و محدود نہ کر دی جائے، یوں ہمیشہ رہنے والی ہوتی ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ قدیم محقق مترجمین نے اپنے ترجموں میں اس پہلو کو نمایاں کر دیا ہے۔

ایشان دران جاوید ند (شاہ ولی اللہ دہلوی)

وہ نت اسکے ہمیشہ رہیں گے۔ (شاہ رفیع الدین دہلوی)

الذین ہاجروا - دین کی تحفظ و بقا کی خاطر وطن جیسی عزیز و محبوب چیز کو مع اس کے تمام مرغوبات و مالوفات کے چھوڑنا اور کفر کی بستی کو ترک کر کے ایمان کی بستی میں آ جانے کا نام ہجرت ہے۔

الخروج من الکفر الی دار الایمان (راغب)

جاہدوا - جہاد کے معنی شدید کوشش اور جد و جہد کے ہیں۔ اس میں سب طرح کی لڑائیاں اور تکلیفیں آ گئیں، اور اس کی بڑی فرد قتال ہے۔ ناظر کائنات کے قانون میں ہجرت و جہاد دونوں کے بڑے فضائل اور بڑے مرتبے ہیں، ایمان خود ہی کیا کم دولت ہے، اور پھر جب اسکے ساتھ یہ دونوں مرتبے بھی حاصل ہو جائیں، تو اسکے درجہ کا کیا ٹھکانا ہے!

نفس ایمان تو سب صحابیوں میں مشترک تھا ہی، کثرت سے صحابہ ان دونوں دولتوں سے بھی مشرف ہو چکے تھے۔

فی سبیل اللہ - یہ قید لگا کر پھر اس حقیقت کو صاف کر دیا، کہ ہجرت و جہاد بجائے خود کیسے ہی بھاری سہی، اللہ کے ہاں مقبول جبھی ہیں، جب خدا کی راہ میں ہوں، دین خدا کے واسطے ہوں۔ ورنہ محض محنت ہی محنت ہاتھ رہیگی — وطن، قوم، نسل، رنگ کے نام پر جانیں دے دینے والے، بڑی سی بڑی مصیبتیں جھیل لے جانے والے آج ہندوؤں، پارسیوں، جرمنوں، انگریزوں، روسیوں، امریکیوں، جاپانیوں سب میں لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں مل جائینگے، سب فی سبیل اللہ اور الذین آمنوا کے وصف سے خالی!

اکبرؔ نے خوب کہا ہے ؎

ثواب تب ہے کہ ناخوش ہوا س بنا پر تم
دلوں کو طاعت حق سے یہ دور کرتے ہیں

نہ یہ کہ عیش میں میرے ہیں یہ خلل انداز
ہمیں ضعیف سمجھ کر غرور کرتے ہیں

ملاحظہ اس میں بشارت و تسلی اُن مومنین کے لیے ہے جنکے ہاتھ سے ایک مشرک کا قتل کم رجب کو (بغیر صحیح تاریخ سے واقفیت کے) ہو گیا تھا۔

ملاحظہ ان صفات کے اثبات سے مقصود مومنین کی مزید تشفی و بشارت ہے۔

غفور - سو وہ اپنی صفت غفوریت کے تقاضہ سے اس سہو و خطا کو معاف کریگا۔

رحیم - سو وہ اپنی صفت رحیمیت کے تقاضہ سے جزائے مرحمت کرے گا۔

(باقی آئندہ)

مراسلہ

ملاقات شاہ مصر و ملک الحجاز

— بقول ایک مرحوم دوست کے۔ اسلام علی حیثیت سے سمٹ سمٹا کر پھر اسی مرکز پر جمع ہو گیا ہے، جہاں سے وہ نور افشاں ہوا تھا۔ عرب کی سرزمین کا وہ خطہ جہاں عربوں کو زندہ اعلیٰ حاصل ہے، بفضلہ ابھی تک اسلام پر بڑی حد تک عامل ہے، جہاں بعض نے افراط کی حدود کو بھی توڑ دیا، اگر عرب تفریط سے نفرت کریں تو یہ درست ہے اور عصر حاضر دور میں تفریط زیادہ ناگوار اور خطرناک ہیں۔ حبشہ کے بعد مصر ہی پہلا ملک تھا جس نے آنحضرتؐ کے نامۂ مبارک کا مقبولیت سے جواب دیا تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ اور عمرو بن العاصؓ نے اسے آغوش اسلام میں لیا۔ اب تک کچھ ملکی نسبت حجاز و مصر میں پائی جاتی ہے۔ حجاز کا بادشاہ مصر کی طرف رخت سفر باندھے ہوئے ہے۔ ارادے نیک ہی ہیں۔ حجاز و مصر کا باہمی تعامل بھی وہی ہے۔ ایک اسی گنامی وادی غیر ذی زرع کی صورت، جدید تمدن کی رنگینیوں سے کوسوں دور، صرف توحید کی امانت کو سینوں میں محفوظ کیے ہوئے۔ اسی دولت ایمانی پر قانع ہے۔ ابرہہ کو حسد صرف اس لیے تھا کہ کیوں حرم معظم عرب میں واقع ہے۔ اسی طرح غیر مسلم حرص و آز کی نگاہیں پڑ رہی ہیں کہ کیوں یہ خطہ تیل وغیرہ کو اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہے۔ اپنی بقا اور سب کی بقا کے لیے باہمی میل جول ضروری اور تعلقات استوار کرنا لابدی تھا۔ نامہ جات روانہ کیے گئے تھے، حق ظاہر کیا گیا تھا۔ الحمد للہ کہ شاہ فاروق نے بصیرت فاروقی کا ثبوت دیا۔ مصر کو کیا کہا جائے، اس زمانہ میں بھی یونانیوں کا مرکز تھا۔ اور اب بھی باوجود مشرقی ہونے کے مشرق کے "پیرس" سے موسوم کیا جا سکتا ہے۔ اور سچ پوچھیے تو اسکے بعض کوچے پیرس سے بھی زیادہ دلکش ہیں۔ اور اب تو پیرس کا نام ہی نام باقی ہے۔ اس ماحول میں رہنے کے باوجود اپنے معزز کی خاطر ان ادقات میں ایسی مصروفیات سے اجتناب کریں گے۔ محافل میں تو قع رقص و سرود نہ ہوگا۔ اس طرح اس ذرا سی تبدیلی سے ان مجالس کی ہیئت ترکیبی میں بڑی بھاری تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اگر ذکر اذکار سے یہ محافل پُر نہ ہوں تو کم سے کم مصروفیات اور اشغال کی نوعیت بھی حسب سابق نہ ہوگی۔ ممکن ہے مصری اس تبدیلی کو بڑی حد تک محسوس کریں اور ایک خلا سا محسوس کریں۔

اب اگر اس خلا کو اسلامی ماحول میں پرورش پائے ہوئے

(بقیہ صفحہ ۱۰)

جماعت اسلامی اور موجودہ انتخابات

(از جناب ذکاء اللہ خاں صاحب سون لائن ۔ بریلی)

(۱)

یہ بات غالباً کسی ذی ہوش انسان کے ذہن میں آئی بھی نہ ہوگی کہ اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کی کوئی جماعت ایسی ہو سکتی ہے جو جو انتخابات میں حصہ لینے سے اجتناب کرے یا ایسے حصہ کو ناجائز قرار دے لیکن ذیل کے استصواب اور اس کے جواب سے جو رسائل اور مسائل کے زیر عنوان ترجمان القرآن بابت رمضان و شوال ۱۳۶۴ھ میں شائع ہوا۔ ناظرین کرام پر واضح ہوگا کہ ایسی جماعت واقع میں موجود ہے اور اپنے زعم و پندار کی بنا پر اپنے کو حق پر اور ہندوستان کی جملہ دیگر جماعتوں کو باطل کا پیرو سمجھتی ہے۔ وہ استصواب اور مولانا مودودی صاحب کا اس کا جواب حسب ذیل ہے :-

استصواب اس وقت مسلمانان ہند دو فتنوں میں مبتلا ہیں۔ اول کانگریس کی وطنی تحریک کا فتنہ جو واحد قومیت کے مفروضہ اور مغربی ڈیموکریسی کے اصول پر ہندوستان کی اجتماعی زندگی کی تشکیل کرنا چاہتی ہے۔

دوم مسلم نیشنلزم کی تحریک جس کو مسلم لیگ چلا رہی ہے ......

مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش کے مطالعہ سے یہ بات ہم پر واضح ہو چکی ہے کہ یہ دونوں تحریکیں اسلام کے خلاف ہیں لیکن حدیث میں آیا ہے کہ انسان جب دو بلاؤں میں مبتلا ہو تو چھوٹی بلا کو قبول کر لے۔ اب کانگریس کی تحریک تو سراسر کفر ہے ..... اس کے مقابلہ میں لیگ کی تحریک اگرچہ غیر اسلامی ہے لیکن اس سے یہ خطرہ نہیں ہے کہ دس کروڑ مسلمانان ہند کی ہستی ختم ہو جائے۔ لہذا کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم لیگ سے باہر رہتے ہوئے اس کے ساتھ ہمدردی کریں۔

اس وقت ہندوستان میں انتخابات کی مہم درپیش ہے اور یہ انتخابات فیصلہ کن حیثیت رکھتے ہیں۔ ایک طرف تمام غیر لیگی عناصر مل کر مسلم لیگ کو پچھاڑنے کی کوشش کر رہے ہیں جن میں اگر وہ کامیاب ہو جائیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کانگریس کی وطنی تحریک مسلمانوں پر زبردستی مسلط ہو کر رہ جائیگی۔ دوسری طرف مسلم لیگ یہ ثابت کرنا چاہتی ہے کہ مسلمان ایک قوم ہیں وہ اپنی قومی حکومت قائم کرنے کے خواہشمند ہیں ..... ایسی صورت میں ہم کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ کیا ہم لیگ کے حق میں ووٹ دیں اور دلوائیں یا خاموش بیٹھے رہیں یا خود اپنے نمائندے کھڑے کریں؟

جواب آپ نے جو سوال ہمارے سامنے پیش کیا ہے اس کے متعلق میں دو باتیں واضح طور پر عرض کیے دیتا ہوں

(۱) اول یہ کہ ہماری جماعت کے مقصد قیام کو اچھی طرح سمجھ لیجیے۔ اس کے بعد کچھ ایسا غیر ضروری تفصیل ہے کہ یہ جماعت کس سبب سے ... (باقی)

(۲) دوم یہ کہ ووٹ اور الیکشن کے معاملہ میں ہماری پوزیشن کو صاف ذہن نشین کر لیجیے۔ پیش آمدہ انتخاب یا آئندہ آنے والے انتخابات کی اہمیت جو کچھ بھی ہو اور ان کا جیسا کچھ بھی اثر ہماری قوم پر ہمارے ملک پر پڑتا ہو بہر حال ایک بااصول جماعت ہونے کی حیثیت سے ہمارے لیے یہ ناممکن ہے کہ کسی وقتی مصلحت کی بنا پر ہم ان اصولوں کی قربانی گوارا کر لیں جن پر ہم ایمان لائے ہیں۔ موجودہ نظام کے خلاف ہماری لڑائی ہی اس بنیاد پر ہے کہ یہ نظام حاکمیت جمہور کی بنیاد پر قائم ہوا ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ اور اسمبلی کو قائم کرتے ہیں اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے۔ جبکہ یہ کسی بالاتر سند کو تسلیم نہیں کرتے۔ برخلاف اس کے ہم جس عقیدہ توحید کا بنیادی تقاضہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو اور آخری سند خدائی کتاب کو مانا جائے اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز۔ اگر ہندوستان کے علماء اور عامۃ المسلمین اس حقیقت سے ذہول برت رہے ہیں اور وقتی مصلحتیں ان کے لیے مقتضیات ایمانی سے اہم تر بن گئی ہیں تو اس کی جواب دہی وہ خود اپنے خدا کے سامنے کریں گے۔ آپ خود ہی سوچ لیجیے کہ توحید کا یہ عقیدہ رکھتے ہوئے ہم انتخابات میں کیسے حصہ لے سکتے ہیں۔ کیا ہمارے لیے یہ جائز ہو سکتا ہے کہ ایک طرف تو ہم کتاب اللہ کی سند سے آزاد ہو کر قانون سازی کو شرک قرار دیں، اور دوسری طرف خود اپنے ووٹوں سے ان لوگوں کو منتخب کرنے کی کوشش کریں جو خدا کے اختیارات غصب کرنے کے لیے اسمبلی میں جانا چاہتے ہیں ..... ہمارے لیے اس معاملہ میں صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ ہے کہ ہم اپنا سارا زور اس اصول کے منوانے میں صرف کریں کہ حاکمیت صرف خدا کی ہے اور قانون سازی کتاب الٰہی کی سند پر مبنی ہونا چاہیے جب تک یہ اصول نہ مان لیا جائے ہم کسی انتخاب اور کسی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے۔"

جیسا کہ اوپر کے کسی قدر طویل اقتباس سے ظاہر ہوگا سائل کا استصواب بہت سیدھا سادہ تھا اور اس کا جواب بہت مختصر ان چند الفاظ میں ہو سکتا تھا یعنی یہ کہ (۱) جماعت اسلامی کے ارکان کو لیگ کے حق میں ووٹ دینا یا دلوانا چاہیے (۲) جماعت اسلامی کے ارکان کو خاموش بیٹھ رہنا چاہیے۔ (۳) یا خود اپنے نمائندے کھڑے کرنا چاہییں۔ اس مختصر جواب کی تائید میں جو کچھ دلائل ضروری ہوتیں وہ دلائی جا سکتی تھیں۔ مگر مولانا مودودی صاحب نے اپنی عادت کے موافق بہت طویل اور غیر ضروری تمہید کے بعد جواب دیا ہے۔ اس جواب کا خلاصہ

یہ ہے کہ چونکہ موجودہ نظام حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ یا اسمبلی کو منتخب کریں اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے۔ برخلاف اس کے ہمارے عقیدۂ توحید کا بنیادی نقطہ یہ ہے کہ حاکمیت جمہور کی نہیں بلکہ خدا کی ہو ..... اور قانون سازی جو کچھ بھی ہو کتاب الٰہی کے ماتحت ہو نہ کہ اس سے بے نیاز ...... ہمارے نزدیک کتاب اللہ سے آزاد ہو کر قانون سازی شرک ہے اس لیے ان انتخابات میں ہم کسی قسم کی رائے دہی کو حلال نہیں سمجھتے"۔

ان الفاظ سے اگرچہ مولانا مودودی صاحب ارکان جماعت اسلامی کو ہدایت فرماتے ہیں کہ وہ ان انتخابات میں سائل نے جو تین شقیں پیش کی تھیں ان میں سے دوسری شق کو اختیار کریں یعنی خاموش بیٹھے رہیں اور الیکشن کے میدان میں جو جماعتیں لڑ رہی ہیں اُن میں سے کسی کے حق میں نہ ووٹ دیں نہ دلائیں۔ ظاہر ہے کہ مولانا مودودی صاحب کی یہ ہدایت بعض ارکان جماعت اسلامی ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ کل مسلمانوں کے لیے ہے۔ یعنی ہندوستان کے جملہ مسلمانوں کے لیے ان انتخابات میں حصہ لینا، ان انتخابات کی کسی سیٹ کے لیے کھڑا ہونا اور کسی امیدوار کے لیے رائے دینا یا دلانا شرعاً حلال نہیں ہے بلکہ حرام ہے۔ مسلمان مولانا کے اس فتوے کو اگر مان لیں اور اس پر عامل ہو جائیں تو مسلمانوں کے اس ترک فعل کا جو نتیجہ ہوگا مولانا مودودی صاحب پر لازم تھا کہ اسکو بھی ظاہر فرما دیتے اور اس پر بھی حکم لگاتے کہ وہ شرعاً مذموم ہے یا ممدوح، مگر مولانا نے ایسا نہیں کیا اس لیے مسلمانوں کے اس ترک فعل کا جو نتیجہ ہوگا اس کو میں عرض کیے دیتا ہوں۔ اور وہ یہ ہے کہ مسلمان ان انتخابات میں حصہ نہیں لیں گے ان کے انتخابات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے ظاہر ہے کہ انتخابات رک نہیں جائینگے۔ غیر مسلم اقوام ان انتخابات میں حصہ لینگی اور وہ منتخب ہو کر کونسلوں اور اسمبلیوں میں پہنچ کر برسرِ حکومت آ جائینگے اور ان صوبوں میں جن میں مسلمان اقلیت میں ہیں اور نیز ان صوبوں میں جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں اور غیر مسلم اقوام بلا شرکت غیرے اور سالمیت اصولے مسلمانوں پر حکومت کرینگے اور مسلمان ان غیر مسلم اقوام کی رعایا اور انکے محکوم بن کر رہیں گے باوجود اسکے کہ مسلمانوں کو یہ قدرت حاصل تھی کہ ان انتخابات کے ذریعہ سے بعض صوبوں میں بطور اقلیت کے اور بعض صوبوں میں بطور اکثریت کے حکومت کی مشنری پر قابض ہوتے اس لیے مسلمانوں کے لیے مودودی صاحب کے عقیدۂ توحید کی رو سے یہ امر تو ناجائز اور حرام ہے کہ وہ موجودہ انتخابات میں حصہ لیں اور حکومت کی مشنری پر بعض صوبوں میں بطور اقلیت کے اور بعض صوبوں میں بطور اکثریت کے قابض ہوں، لیکن اس عقیدۂ توحید کی رو سے مولانا مودودی صاحب کے نزدیک مسلمانوں کے لیے یہ بالکل جائز ہی نہیں بلکہ ایک فعل محمود ہے کہ مسلمان اپنے ترک فعل کے ذریعہ سے غیر مسلموں کو حکومت کی مشنری پر مسلمان اقلیت اور اکثریت دونوں قسم کے صوبوں میں بلا شرکت غیرے قابض ہو جانے دیں اور مسلمان سارے ہندوستان میں ہندوستان کے غیر مسلموں کے محکوم ہو جائیں

(یہ بات واضح رہے کہ جو لوگ مسلم لیگ کی پاکستانی اسکیم کے حامی ہیں وہ اس بات کو جائز نہیں سمجھتے ہیں کہ ہندوستان کی حکومت میں کوئی ایسا مرکز ہو جس میں غیر مسلم اکثریت ہو اور یہ مرکز صوبوں کی حکومتوں پر اپنا جائز یا ناجائز اثر ڈالتا رہے اس لیے اس پاکستانی اسکیم کی رو سے جن صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت ہوگی وہی اکثریت سیاسی اقتدار اعلیٰ کی مالک ہوگی) کیا مولانا مودودی صاحب اور دیگر ارکان جماعت اسلامی اس نتیجہ کو تسلیم کرنے کے لیے تیار ہیں، اگر نہیں ہیں تو کیا میں امید کروں کہ مولانا مودودی صاحب اپنے فتوے کو واپس لینگے اور ارکان جماعت اسلامی کو اپنی صوابدید کے مطابق موجودہ انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت دیں گے۔

(۳) اب رہا مولانا مودودی صاحب کا وہ استدلال جس کی بنا پر وہ انتخابات میں حصہ لینے کو مسلمانوں کے لیے ناجائز قرار دیتے ہیں اور وہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا یہ ہے کہ موجودہ نظام حکومت حاکمیت جمہور کے اصول پر قائم ہے اور جمہور جس پارلیمنٹ کو منتخب کرے اس کو قانون بنانے کا غیر مشروط حق دیتا ہے جو مسلمانوں کے عقیدۂ توحید کے منافی ہے۔ اس کی بابت صرف اس قدر عرض ہے کہ اس باب میں اگر مولانا مودودی صاحب خود فریب میں مبتلا نہیں ہیں تو ضرور مسلمانوں کو دیدہ و دانستہ فریب دینا چاہتے ہیں۔ مولانا کا یہ جواب اس غلط مفروضہ پر مبنی ہے کہ مسلمانوں کی جملہ سیاسی جماعتیں اس بات کی قائل ہیں کہ مسلمانوں کا جمہور جو اس وقت کوئی حکومت قائم کرتا ہے یا آئندہ کوئی حکومت قائم کرے وہ ایسا جمہور ہے کہ اس کو شریعت حقہ میں ترمیم و تنسیخ کا حق حاصل ہے اور وہ ایسی قانون ساز جماعت ہے کہ خدا کے اُتارے ہوئے قانون کو منسوخ کر کے جیسے چاہے ویسے قوانین وہ جمہور یا اُس کا منتخب کردہ پارلیمنٹ بنا اور جاری کر سکتا ہے۔ ان جماعتوں کے ارکان یا ان جماعتوں کے ارباب حل و عقد کی کوئی تقریر یا تحریر یا ان کا کوئی قول نقل کیے بغیر ان جماعتوں کی طرف اس قسم کے نظریہ کو منسوب کرنا سراسر افترا و بہتان نہیں تو اور کیا ہے۔ میرے خیال میں تو مسلمانوں کی سیاسی جماعتوں میں سے کوئی جماعت بھی ایسی نہیں ہے کہ جو اس بات کی مدعی ہو کہ مسلمانوں کے جمہور کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ شریعت حقہ میں ترمیم و تنسیخ کر کے جیسے قانون چاہے جاری کر سکتی ہے۔ اس بات کا بار ثبوت مولانا مودودی صاحب پر تھا اور ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کریں کہ مسلمانوں کی جملہ سیاسی جماعتیں اس بات کی قائل یا مدعی ہیں کہ مسلمانوں کا جمہور اس بات کا اہل ہے کہ شریعت حقہ میں جو ترمیم یا تنسیخ وہ چاہے کر سکتا ہے لیکن مولانا مودودی صاحب نے اس کا کوئی ثبوت نہیں دیا اس لیے جس بنیاد پر مولانا ممدوح نے اپنا فتوے صادر فرمایا تھا جب وہی منہدم ہو گئی تو مولانا کا فتوے بھی کالعدم ہو گیا۔ کسی نظام کا جمہوری نظام ہونا اس بات کو ہرگز مستلزم نہیں ہے کہ وہ خدا کے ساتھ بغاوت پر مبنی ہو۔

(باقی آئندہ)

ایک مراسلہ

حیدرآباد دکن - ۲۹ - صفر ۷۱ھ

حضرت مولانا عبدالماجد صاحب قبلہ

سلام نیاز - حق کی حمایت کرنے میں آپ کا قلم اور آپ کا اخبار صدق بہت پیش پیش رہتا ہے - ذیل میں جامعہ عثمانیہ کی مخلوط تعلیم کے متعلق "رہبر دکن" بابت ۲۲ صفر کی حالیہ ایک مراسلہ کی نقل روانہ کر رہا ہوں۔ اگر آپ میں صحیح اسلامی جذبہ ہوگا تو آپ ضرور ناظر یار جنگ کی تحریک کی مخالفت اپنے اخبار میں کریں گے ورنہ صدق کے خلاف یہاں مضمون کسی اخبار میں شایع کر دیا جائیگا

ایک ہمدرد

صدق - رہبر کا وہ مراسلہ نہ آیا۔ دوسرے مراسلہ کے صدق میں نقل ہونے کے لیے دفتر کو روانہ کیا جا چکا تھا کہ اس گمنام کارڈ کے موصول ہونے کے بعد ہی سکا۔ ورک دینا ہی مناسب معلوم ہوا۔ کارڈ نویس اب بہ مسرت تمام صدق کی مخالفت میں قلم اٹھا سکتے ہیں۔ صدق میں اس مراسلہ کے بجائے اب رہبر ذیل میں نقل ہو رہا ہے۔

جامعہ عثمانیہ اور مخلوط تعلیم

یہ اطلاع ملک میں بڑے افسوس اور ہیجان کے ساتھ پڑھی گئی کہ مجلس رفقائے جامعہ عثمانیہ کے آئندہ اجلاس میں جو ۵ فروری کو منعقد ہو رہا ہے یہ تحریک بغرض منظوری پیش ہوگی کہ جامعہ عثمانیہ میں مخلوط تعلیم کی ابتدا کر دی جائے۔ یہ امر اور زیادہ افسوسناک بلکہ المناک ہے کہ یہ تحریک جو بیسیوں مفاسد کا پیش خیمہ ہے، امیر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ الحاج ڈاکٹر ناظر یار جنگ کی جانب سے پیش ہوئی ہے۔ اس تحریک نے نہ صرف مجلس علماء دکن اور ملک کے دیگر بہی خواہ اور درد مند حلقوں کو انسدادی تدابیر اختیار کرنے پر آمادہ کر دیا ہے بلکہ خود طلبا و طالبات میں بھی، جن کی بڑی اکثریت بفضلہ تعالیٰ مذہبی اور مشرقی روایات کو اپنی عزیز ترین متاع تصور کرتی ہے، مخلوط تعلیم کی اس تحریک سے ایک ہیجان پیدا ہو گیا ہے اور وہ رنج و افسوس کے ساتھ یہ سوال کر رہے ہیں کہ ان کے پر سکون ماحول میں کیوں اختلال پیدا کیا جا رہا ہے اور ایسی تحریک کیوں پیش کی جا رہی ہے جس کا انجام بتدریج یہ ہوگا کہ کلیہ اناث اور دیگر نسوانی تعلیمی اداروں کو برخاست کر کے ملک میں مخلوط تعلیم عام کر دی جائے۔ اور نتیجۃً ساری معاشرت کا شیرازہ بکھیر دیا جائے۔

مخلوط تعلیم اور اس کے مفاسد اتنے عیاں اور مسلمہ ہیں کہ مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ جن ممالک اور جن اداروں میں مخلوط تعلیم کا رواج ہے وہ خود اب اس سے نالاں ہیں اور مفاسد سے گھبرا کر صورت حال کی اصلاح کے لیے تڑپ اٹھے ہیں۔ مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرت کی خرابیاں ان کالموں میں واقعات و حقائق کی روشنی میں اس کثرت سے پیش کی جا چکی ہیں کہ ہر صاحب فہم و صاحب کردار شخص کی آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے۔ یورپ، امریکہ اور دوسرے ممالک کا حال چھوڑیے جہاں اخلاقی پستی کا یہ عالم ہے کہ غیر شریفانہ افعال ہی کو شرافت کی دلیل تصور کیا جانے لگا ہے۔ خود ہندوستان کی بعض جامعات میں مخلوط تعلیم کے باعث جو تعلیمی اور اخلاقی زوال عام پیدا ہو گیا ہے وہ شدت سے منظر عام پر آ چکا ہے۔ اور لکھنؤ، لاہور اور دوسرے مقامات کے حالیہ افسوسناک واقعات ان خرابیوں کے تازہ شواہد ہیں۔ ان شرمناک واقعات نے بعض دوسری ہند کی جامعات کو اخذ ارتجاع پر ... ہے۔ اور جامعہ عثمانیہ میں مخلوط تعلیم کی تحریک کر کے نہ صرف ان سارے مفاسد کا دروازہ یہاں بھی کھولنے کی کوشش کی جا رہی ہے بلکہ اس کا ایک افسوسناک نتیجہ یہ بھی ہوگا کہ کہیں یہ جامعہ جو اپنے رفیع المرتبت بانی سابق کے اسم گرامی سے انتساب کی سعادت رکھتی ہے، مذاہب خوردہ کل کے دوز اپنی امتیازی نیک نامی و شہرت سے محروم ہو کر انگشت نمائی اور حرف گیری کی مورد نہ بن جائے۔

مخلوط تعلیم، تعلیمی اداروں میں ڈراموں، ناچ گانے اور اس قبیل کی چیزوں کی نسبت اہل ملک کے جذبات کی ترجمانی ان کالموں میں بارہا کی جا چکی ہے اور ان جذبات کا ایک شدید مظاہرہ کئی سال قبل کلیہ اناث کے ایک مخلوط مشاعرہ کی تجویز کے سلسلہ میں ہو چکا ہے۔ ان جذبات کی شدت کو صدر اعظم وقت سر اکبر حیدری مرحوم اور ان کے رفیق کار نواب عبدالعزیز جنگ صاحب سابق صدر المہام امور مذہبی نے محسوس فرما کر عین وقت پر اس مخلوط مشاعرہ کو منسوخ اور ایک سخت ہیجان کا ازالہ فرما دیا تھا۔ اب بھی ضرورت ایسے ہی تدبر اور صحیح طریقہ کار کی ہے۔

مخلوط تعلیم کے بغیر بھی ہمارے یہاں کے تعلیمی اداروں میں بعض خرابیاں فوری اصلاح طلب ہیں۔ تعلیمی اداروں میں اب بھی ڈرامے اور رقص و موسیقی کے مظاہرے ہوتے ہیں اور ارباب مدارس کی اسی بے راہ روی کے اثرات طلباء و طالبات پر پڑتے ہیں۔ "ترقی پسندی" طلبا و طالبات میں بھی آہستہ آہستہ سرایت کرتی جاتی ہے اور ان کے اس غلط نظریۂ حیات کا اظہار ان کے اعمال سے ہونے لگا ہے۔ اس وبا سے تعلیمی اداروں اور خصوصاً نسوانی تعلیمی اداروں کو محفوظ رکھنے کی سخت ضرورت ہے۔ اگر جناب امیر شعبۂ دینیات کم از کم جامعہ کے تحت کے تعلیمی اداروں کے ان امور پر توجہ فرماتے، مواد فراہم کرتے، اس کا بنظر غائر مطالعہ فرماتے تو یہ آپ کے معزز اور ذمہ دارانہ منصب کے شایاں ہوتا اور ملک اور خود طلبا و طالبات آپ کی اس خدمت کے لیے ممنون و شکرگزار ہوتے۔ اس کے برعکس جامعہ میں مخلوط تعلیم کی ابتدا کی تحریک پیش کر کے آپ نے اس منصب کے حق اور اہلیت سے

گوارا فرمائی

اس امر سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اب ضرورت معاشرہ کو صالح بنانے اور تعلیمی اداروں کی وساطت سے صالحین اور صالحات کی جماعت تیار کرنے کی ہے۔ اس مقصد کے تحت ضرورت اس کی نہیں ہے کہ جامعہ میں مخلوط تعلیم کے جو آثار ابھی پائے جا رہے ہیں انہیں پروسعت دے کے نشو ونما دیا جائے۔ طالبات کے لیے ایسی تعلیمی سہولتیں فراہم کی جائیں کہ انہیں مرد ماہرین سے تعلیم پانے اور جامعہ کے احاطہ میں آنے کی احتیاج نہ رہے۔ یہ عمل جامعہ اور ارباب جامعہ دونوں کی نیک نامی اور وقار کے مطابق ہوگا۔ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۲)

کیوں نہ کام کریں۔ مثلاً مسلمانوں کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ سوشل خرابیوں اور اصلاحات کا مسئلہ ہے۔ مسلمان پیشہ ور جماعتوں کی اقتصادی حالت کا مسئلہ ہے، شیعہ سنی کا جھگڑا ہے، غرض ایک سیاست کو چھوڑ ۹۹ ایسے مسئلے ہیں، جن میں ہم بحیثیت مسلمان کے ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر ان مسائل کے متعلق متفقہ اور متحدہ کوشش کر سکتے ہیں۔

عقل کی بات، جس کسی کی بھی زبان سے پیش ہو بہر حال قابل قبول ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے ہم سب کی یہی ہے، کہ ہر شخص کی نظر مابہ الاشتراک سے کہیں زیادہ مابہ الاختلاف پر پڑنے لگی ہے، اور کھلی ہوئی مشترک چیزوں کو نظر انداز کر کے اختلافی اور نزاعی مسئلے ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر نکالے جا رہے ہیں!

قادیانی مشنری

رائٹر ایجنسی نے ایک تار کے ذریعہ اطلاع دی ہے کہ ۱۲ احمدی مشنریوں کا دستہ ابھی ۱۶ جنوری کو لندن پہونچا ہے۔ یہاں زبان وغیرہ کی ٹریننگ چھ مہینے حاصل کر کے یہ لوگ یورپ کے مختلف ملکوں میں پھیل جائینگے، اور وہیں تبلیغ کیا کریں گے تین تین سال کے بعد انکی جگہ نیا دستہ کارکنوں اور مبلغوں کا آجائیگا۔

قادیانی عقائد جو کچھ ہیں، انہیں نظر انداز کر دینے کے بعد قادیانی مبلغین کا یہ جوش اور انکی یہ تنظیم یقیناً ہم سب کے لیے باعث رشک اور ہمارے لیے ایک سبق ہونا چاہیے۔

مراسلہ

تصحیح

"الصدق ینجی: الکذب یہلک"

بجناب صاحب السعادت مدیر الصدق لا زالت اوقاتہ روضۃ بالصفاء و شمسۃ الکریۃ نا کلۃ من الجمیع الثناء،

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد ۱۶ جنوری نمبر ۲۶ جلد ۱۱ کے صدق میں حضرت والا نے مولانا منظور نعمانی صاحب کی عبارت جو الفرقان سے نقل فرمائی ہیں، حضرت والا سے یہ جملہ چھوٹ گیا۔ وہ جملہ یہ ہے "میں نہ کبھی مسلم لیگ کا ممبر تھا" جس کی وجہ سے عام لوگ یہ سمجھیں گے کہ مولانا موصوف لیگ میں داخل ہیں۔ حالانکہ مولانا داخل نہ کر رہے تھے۔ امید ہے کہ حضرت والا تصحیح فرمائیں گے۔ کیونکہ ہے

واسن کا تب الا سیبلی ویبقی الدہر ما کتبت یداہ
فلا تکتب بخطک غیر شیئٍ یسرک فی القیامۃ ان تراہ

ان ارید الا الاصلاح والسلام وما علینا الا البلاغ

کاتب الحروف د اسمٰعیل الدین

صدق - اسی مفہوم کا ایک مراسلہ سب سے پہلے کسی ڈاکٹر صاحب (جہلم؟ ضلع) کا آیا تھا۔ افسوس ہے کہ وہ بار بار کے لکھے جانے میں ڈاک میں ضائع ہو گیا۔

(بقیہ صفحہ ۴)

سلطان ابن سعود کی شخصیت پر کردے۔ اور اس خلا میں اسلامیت جاگزیں ہو جائے تو خدا کی رحمت سے کیا بعید ہے۔ اس تین ہفتہ کی صحبت میں کیا سادگی اور صداقت شعری پاکیزہ اسلامی عادات اس نوجوان کے دل پر کوئی اثر نہیں کر سکتے۔ قلب و نظر کی تبدیلی اگر تائید ایزدی شامل ہو تو صرف چند لمحوں کی بات ہے۔ بہر حال مواقع تو پیدا ہو رہے ہیں۔ اگر حضرت فاروقؓ کی زندگی چند لمحات میں تبدیل ہو سکتی ہے، حضرت ابراہیمؑ کلیم پوش ہو سکتے ہیں، تو خدا کی ذات سے ہم کو تو امید بند صحیح ہے کہ فاروق اول کے ہاتھوں اس مغربی سیلاب کو جو مشرق پر امڈا ہوا ہے، جس کا پہلا شکار خود مصر ہی ہوا تھا، اب مصر ہی سبقت کر کے اُس کا رُخ پھیر دیگا۔ اگر اس ملاقات سے مسلم فرماں رواؤں کی شخصی ملاقاتوں کا سلسلہ شروع ہو جائے۔ تبادلۂ خیالات اتحاد و اتفاق پر منتج ہو تو اسلامی وحدت پیدا ہو گی۔ ابن خلدون کا خیال ہے کہ سلطنتوں کی حالت میں کم و بیش دو سو سال بعد انقلاب آتا ہے۔ عالمگیرؒ کو انتقال کیے ہوئے، ترکی کا بیڑہ ڈوبے ہوئے، اور عام طور پر مسلمانوں کی پسپائی اور شکست کو شروع ہوئے دو صدیاں گزر گئیں۔ گزشتہ چند سالوں سے انحطاط رکا ہوا ہے، آثار ترقی پیدا ہیں۔ خدا کرے یہ نیا دور حق و صداقت کا ہو۔ فاران سے نکلے، ہر ہر میں اُبھرے اور عالم پر چھا جائے۔ ہو المراد۔ السعی منا و الاجر الیہ۔

سید عبد الفتاح۔ کریم نگر، دکن۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

علی احمد خاں صاحب (ضلع جالندھر) ۲۵ مرتب ہو چکا تھا جب آپ کا سوال نامہ موصول ہوا۔ کوشش کی جائیگی کہ اسکے لیے جگہ ۲۶ یا ۲۷ میں نکل سکے، گو وعدہ کسی نمبر کے لیے بھی کرنا مشکل ہے۔ دوسرے مضامین کئی کئی ہفتہ سے آئے ہوئے پڑے ہیں۔

اے، وڈی، جوشی کا نام لیتے ہیں، جو ڈنبرا یونیورسٹی میں منطق و خطابیات کے اُستاد ہیں۔ انکی کتاب سولیزیشن سائنس اینڈ ریلیجن (تہذیب، سائنس اور مذہب) ملاحظہ فرمائیے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ اس میں لکھا ہے اسے مان لیجیے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ اس طرح کی کتاب جنگ سے قبل کوئی فلسفی نہ لکھتا!" (لندن ریڈیو کا ہفت روزہ لنڈن کالنگ نمبر ۳۰۹)

دیکھیے "صاحب" کی تقلید میں اب ہندوستانی "صاحبوں" کا کفر کیسے ٹوٹتا ہے! اور وہاں تو مذہب کے سہارے مذہب کا فیشن چلا داخل ہوتا ہے ——— مذہب بطور فیشن کے بھی بہرحال لامذہبی سے تو بہتر ہی ہے۔

بے حجابی کے بعد

"ہالی ووڈ (امریکہ) لباس کی بہترین پارچہ تراش خاتون نے پیشگوئی کی ہے کہ اب بعد جنگ امریکہ میں زنانہ لباس کا جو نیا فیشن چلنے والا ہے، اس میں سینہ بالکل برہنہ رہا کریگا۔ جس طرح گذشتہ عالمی جنگ کے خاتمہ پر اسکرٹ (گھاگھرے) اتنے اُٹھ گئے تھے کہ گھٹنے نظر آنے لگے۔ وہ یہ بھی کہتی ہیں کہ آخر روم کی شاہنشاہی کے آخر زمانہ میں بھی تو سینے کا لباس بس ایک شفاف ریشمی ٹکڑا رہ گیا تھا" (اے، پی، اے)

تاریخ کی بحث چھوڑیے۔ آج بھی وحشی اور جنگلی قبیلوں کی عورتوں کا لباس، خواہ ہندوستان اور عام طور پر مشرق میں کیا ہے؟ ——— بے حجابی کے بعد تو لازمی طور پر نمبر بے ستری کا آنا ہی تھا، اور وہ دن دور یقیناً نہیں ہے جب بے ستری کے لحاظ سے امریکہ کی سب سے زیادہ "اپ ٹو ڈیٹ" خاتون افریقہ کی سب سے زیادہ وحشی عورت کی سطح پر آ جائے!

نیتوں پر حملے

زمیندار میں معافی نامہ چھپ رہا ہے۔ معافی نامہ ایڈیٹر اور مراسلہ نگار دونوں کی طرف سے، کہ اسکے قبل زمیندار میں دو لدھیانوی مولوی صاحبان کے خلاف جو یہ الزام چھپا تھا، کہ وہ کانگرس سے یا ہندوؤں سے تنخواہ پاتے ہیں، وہ سراسر غلط اور بے بنیاد تھا۔ معافی نامہ نہ پیش کر دیا گیا ہوتا، تو پرچہ کو لدھیانہ کے مجسٹریٹ کے اجلاس سے ہتک عزت کی دفعہ میں سزا ہو گئی ہوتی۔

زمیندار پنجاب کا ایک قدیم، مشہور اور معزز پرچہ ہے۔ اس کی سزایابی ہرگز باعث مسرت نہ ہوتی۔ اس کی معافی طلبی قابل عبرت ہے۔ کسی مسلمان پر بھی، چہ جائیکہ کسی دودار مسلمان پر، رشوت خواری اور غداری جیسے کریہ الزامات عائد کرنے کی آخر ضرورت ہی کیا تھی؟ بالفرض تھوڑا بہت ثبوت موجود ہوتا، جب بھی کیا ضرورت تھی؟ کون سی دلیل بغیر اسکے ناتمام یا کمزور رہ جاتی؟ اختلاف شدید سا شدید اور اعتراض سخت سے سخت بھی کیا، دورو نہیں ہو سکتا جب تک شخصیت کو بھی زیر بحث نہ لے آیا جائے؟ گویا رائے کی غلطی، عقل و فہم کی کجی، بصیرت کی کمی کوئی چیز ہی نہیں، بلکہ ہمیشہ اس کا محرک نیت یا طینت کی خباثت ہی ہوگی؟ یہ آخر ہم پر کیا شامت سوار ہے کہ ہم کسی کی ایسی اصولی تردید سے اختلاف کر ہی نہیں سکتے، جب تک اسے بے ایمان، بد دیانت، بدنفسی کے ساتھ متہم نہ کرلیں! کاش اب بھی ہم سب کی آنکھیں کھلیں اور ایک دوسرے کی عزت کا پاس و احترام کرنا سیکھیں!

بلا تبصرہ

"میرٹھ۔ ۱۰ فروری۔ آج صوبائی انتخابات کی نامزدگی کی آخری تاریخ تھی۔ تمام جماعتوں کے امیدوار اپنے اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کے لیے کچہری میں جمع ہو رہے تھے۔ جمعیۃ العلماء کی طرف سے حلقۂ غربی (دیہات) میں مسلم لیگ کے امیدوار نواب حافظ محمد اسمٰعیل خاں کے خلاف مسٹر محمد الیاس (وکیل) نے کاغذات نامزدگی داخل کرنے کی کوشش کی۔ اس پر سید احمد اشرف صاحب پریزائیڈنگ افسر نے اعتراض فرمایا کہ محمد الیاس صاحب مسلمان نہیں ہیں، اس لیے مسلمانوں میں شامل ہو کر یہ کاغذات نہیں داخل کر سکتے اور نہ مسلم نشست کے لیے امیدوار ہو سکتے ہیں۔ اس پر مسٹر محمد الیاس نے اپنے غیر مسلم اور دہریہ ہونے کا اقرار کرتے ہوئے کاغذات خود ہی واپس لے لیے۔ واضح ہو کہ مسٹر محمد الیاس اس سے پہلے بھی عدالت کے سامنے خدا کے وجود سے انکار کر چکے ہیں مگر پھر بھی جمعیۃ العلماء اور تمام قوم پرست مسلم مجلس کی رکنیت کا سہرا اُن کے سر ہے"

[خبر کی تصدیق لیڈر وغیرہ کے نامہ نگار بھی کر چکے ہیں]

یہ امریکہ!

امریکہ کے متعلق چند شائع شدہ اعداد:—

شکاگو۔ ایک سال کے اندر ۸ ہزار مقدمات طلاق کے دائر ہوئے

۲۰ اور ۴۴ سال کی عمر کے درمیان ۱۰ لاکھ مرد بن بیاہے بیٹھے ہیں، اور ۴۰ لاکھ عورتیں بن بیاہی بیٹھی ہیں۔

(ڈیلی میل، لندن، ہفتہ وار ایڈیشن ۱۲، جنوری ۱۹۴۶ء)

مس میو اسی امریکہ کی تھیں؟ یہی امریکہ ہندوستان اور مشرق کی زبوں حالی پر سب سے زیادہ کراہیں، مقالات، مضامین شائع کرتا رہتا ہے؟

بیگمات فرنگ!

"نو دن کے عرصہ میں شہزادی الزبتھ کل دوسری بار ویسٹ اینڈ کی ایک نمائش گاہ میں، اور پھر پکاڈلی کے مشہور تماشہ خانہ میں اپنی پارٹی کے ساتھ تشریف لے گئیں۔ جہاں آپ نے شب کے کھانے کے بعد رقص کیا" (ڈیلی میل، لندن، ہفتہ وار ۲۲ دسمبر ۱۹۴۵ء)

"برطانیہ کے نامور سابق وزیر اعظم مسٹر چرچل کی صاحبزادی مس چرچل، ۲۳ سال کی عمر میں، فوج سے واپس آ کر پھر تھیٹر کی ایکٹرسوں میں شریک ہو گئی ہیں۔ پہلے تماشہ میں سارا خاندان آپ کے ساتھ گیا۔ اور مجمع اتنا تھا کہ پولیس کو خاص انتظام کرنا پڑا" (ڈیلی میل ۲۲ دسمبر ۱۹۴۵ء)

اس دل گردہ کی شاہزادیاں اور وزیرزادیاں کبھی دنیا کے کسی مشرقی خصوصاً خشک اور بے رنگ مسلمان سلطنتوں کو بھی نصیب ہوئی تھیں!

—— آہ بدنام بیگمات اودھ!

کلمۂ حق

ذیل کی خبر کراچی کے روزنامہ حیات میں شائع ہوئی ہے، جو لیگ کا نہیں بلکہ سید گروپ کا ترجمان ہے:—

"کراچی۔ ۵۔ فروری۔ مسلم طلبہ کے ایک وفد نے حضرت مولانا آزاد سے ملاقات کی۔ ایک جوشیلے نوجوان نے لیگیوں کے غنڈہ پن کی شکایت کرتے ہوئے کہا کہ آیندہ ہم بھی اس غنڈہ پن کا جواب تشدد سے دیں گے۔ اس پر حضرت مولانا نے طالبعلم کو ٹوک کر فرمایا کہ "یاد رکھیے، بدی کو بدی نہیں مٹا سکتی، بلکہ اسکو اور مستحکم کر دیتی ہے۔ بدی کو صرف نیکی ہی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ لیگی ہمارے بھائی ہیں، اُنکے ساتھ بھائیوں ہی کا سا سلوک ہونا چاہیے۔ آپ کا فرض ہے کہ لیگی بھائیوں کے سامنے صحیح نقطۂ نظر کو محبت اور خلوص کے ساتھ پیش کریں، وہ ضرور اسکو قبول کرینگے۔ مولانا نے فرمایا کہ اپنے بھائیوں کی کسی بد اخلاقی پر رحم و ہمدردی کے جذبات پیدا ہونے چاہییں نہ کہ غصہ کے۔"

کاش یہی چیز سیاسی اختلافات کے وقت عام ہوتی، ہر سیاسی پارٹی میں نہ سہی، کسی ایک ہی پارٹی میں بھی یہی ہوتا، تو آج اس قدر تلخی، ناگواری، بغض و عداوت کی نوبت ہی کیوں آتی!

شرافت و سیاست

"اسمبلی کی زنانی مسلم سیٹ کے لیے بیگم بشارت حسین کے مقابلہ سے ہٹ جانے سے اب بیگم مولانا محمد علی کے لیے انتخاب کا راستہ بالکل آسان ہو گیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بیگم بشارت حسین رفیع احمد قدوائی صاحب کی تحریک پر مقابلہ سے ہٹ گئیں۔" (پاینیر ۲۰، فروری سنہ ۴۷ء)

مولانا کی شخصیت کے احترام میں اُنکی بیگم صاحبہ کو بلا مقابلہ اسمبلی میں جانے دینا یقیناً دلیل شرافت ہے۔ اور یہ پہلی مثال نہیں، جناب رفیع احمد قدوائی صاحب نے سیاسی کشمکش میں بھی شرافت کا معیار قائم رکھا ہے۔ خود لکھنؤ شہر کی مسلم سیٹ کے لیے کسی نیشنلسٹ یا کانگریسی ٹکٹ پر امیدوار کا مسلم لیگ کے لیڈر کے مقابلہ میں میدان میں نہ آنا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ —— اس سے قدوائی صاحب کی عزت دلوں میں گھٹی نہیں، بڑھ ہی گئی ہے۔

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک قدیم ۲۵ سالہ تالیف)

حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن و حدیث اور حکمائے یونان کے اقوال پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ۱۰؍ کے ٹکٹ بھیجنے پر ارسال کی جاتی ہے۔

ملنے کا پتہ:- مولوی محمد تقی خاں۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

سورۂ بقرہ - رکوع ۲۷

سلسلہ صدق ۵۵

۲۱۹ یسئلونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر ومنافع للناس واثمھما اکبر من نفعھما۔	(لوگ) آپ سے شراب اور قمار کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ [۸۸۵] آپ کہہ دیجیے کہ ان میں بڑا گناہ ہے، اور لوگوں کے لیے فائدے بھی ہیں۔ اور انکا گناہ انکے فائدوں سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔

۸۸۵ یعنی ان کے حکم شرعی کی بابت۔ انکے جواز و عدم جواز کی بابت۔ والمعنی یسئلونک عما فی تعاطیھما بدلیل (کشاف) ولی تخصیص الجواب علی ان ذلک السوال کان واقعا تامرۃ لمقرالعقل (بوغب)

الخمر خمر اور میسر یہاں دونوں اپنے عام و وسیع معنی میں ہیں۔ خمر کے تحت میں ہر وہ نشیلا مشروب داخل ہے جو عقل کو مختل کر دے۔ اسم لکل مسکر خامر العقل (تاج) الخمر ما اسکر من عصیر کل شئی (تاج) سمیت لکونھا تخامر العقل والحکمۃ (کبیر) شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم کو قبول کر لیا ہے۔ صحابیوں اور تابعین سب سے یہی معنی منقول ہیں۔

الخمر خامر العقل (بخاری عن ابن عمرؓ) الخمر کل شراب خمر العقل وسترہ وغطی علیہ (ابن جریر)

المیسر بھی ایسے ہی وسیع معنی میں ہے، اور جوئے کے تمام اقسام پر شامل ہے

کل شئی فیہ قمار فھو من المیسر (تاج)

علماء شریعت نے بھی اسی لغوی مفہوم پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے

المیسر ھو القمار (ابن کثیر) یعنی القمار (معالم)

وفی حکم المیسر انواع القمار والنرد والشطرنج وغیرھا (مدارک)

شراب اور جوا جس طرح آج فرنگی تہذیب میں جائز ہی نہیں، بلکہ عین اس تہذیب کا جزو بنے ہوئے ہیں، اور دلیل عزت و شرافت ہیں، اسی طرح قدیم عربی تہذیب کا بھی جزو تھے، اور لوازم شائستگی میں سے سمجھے جاتے تھے۔ اور اسکے عرب ہی پر موقوف نہیں، یہ مشغلے سارے روے زمین پر پھیلے ہوئے تھے، اور ہندی تہذیب، مصری تہذیب، یونانی تہذیب، رومی تہذیب تو خیر خود ہی جاہلی تہذیبیں تھیں، اسرائیلی اور مسیحی تہذیبیں تک، جو شرف رسالت کے لحاظ سے مشرف تھیں، انکی روک تھام نہ کر سکی تھیں۔ شریعت اسلامی ہی دنیا کا وہ قانون ہے، جس نے آکر انکی قطعی حرمت کا اعلان کیا۔

یہ آیت سلسلۂ حرمت کی سب سے پہلی آیت ہے۔ قطعی حکم

(۱۶) کیا تخلیق کے لیے اس کو کوئی مجبوری تھی کہ بلا اسکے کام نہیں چل سکتا تھا یا تخلیق بے اختیارانہ طور پر ہوئی۔

جواب – "مجبوری" اور "بلا اختیاری" میں فرق کیا ہوا؟ یعنی ایک ہی بات کو دونوں شقوں میں دہرا دیا گیا ہے۔ سوال کا جواب یہ ہے کہ تخلیق اضطراراً نہیں، اختیار سے ہوئی ہے۔

(۱۷) دعا کے لیے شرائط کیوں ضروری ہیں۔ کیا بلا شرائط کے دعا کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ کیا وہ کسی قانون کے ماتحت اسکے لیے مجبور ہے۔

جواب – سوال اپنی نوعیت کے لحاظ سے بڑا صبر آزما ہے۔ وجوہ شرائط اگر "مجبوری" کے مرادف ہے تو پھر دعا ہی کی کیا قید ہے کائنات کی ہر شے پر بعینہٖ یہی سوال وارد ہو سکتا ہے کہ اسکے لیے شرائط و اسباب کیوں ہیں؟

(۱۸) کیا اعمال کی جزا و سزا دنیا میں بھی ہوتی ہے۔ اگر نہیں تو مصائب اور خوش حالی کس کا نتیجہ ہیں اگر تو انین قدرت کے موافق اور خلاف کا نتیجہ ہے تو اس میں اسکے علم اور امتحان کے کیا معنی ہیں؟

جواب – سائل کا انتشار ذہنی پوری طرح سوال میں نمایاں ہے۔ جزا و سزا دنیا میں بھی ہو سکتی ہے، اور جزواً کبھی ہو جاتی ہے، لیکن اصلاً دار الجزاء وہی دار العمل کے بعد ملیگا۔

(۱۹) کیا خدا کی جزا و سزا اسکے اختیاری ہے یا قوانین قدرت کے ماتحت ہے۔

جواب – خدا معلوم سائل نے ہر جگہ قانون قدرت اور قادر کے درمیان تناقض کیوں فرض کر لی ہے؟ جزا و سزا بالکل ظاہر ہے کہ تمامتر اللہ کے اختیار میں ہے، خواہ وہ اپنے جس قانون کے ماتحت چاہے دے۔

ایک اور سوال نامہ

السلام علیکم۔ خان بہادر نواب ذکاء اللہ صاحب نے مولانا مودودی کے مضمون پر جو تنقید "صدق" میں کی ہے، وہ اور اس پر آپ کے نوٹ، نیز "صدق" نمبر ۶ صلہ پر "خیالات باطل اور اسلام" کے تحت ایک سوال کے جواب میں آپ نے جو تحریر فرمایا ہے، اسی سلسلہ میں مندرجہ ذیل سوالات ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ یہ سوالات مع جواب "صدق" میں شائع کیے جائینگے:—

(i) عقیدۂ توحید کا تعلق آیا زندگی کے کسی خاص شعبہ یا شعبوں سے ہے یا اس کا تقاضا پوری زندگی کو اللہ کے امر شرعی کے تحت کر دینے کا ہے؟

جواب – ہر شعبہ سے لیکن بہ تقدیم ما قدم کے اصول کے ماتحت اہم ترین شعبہ سے تعلق بھی اہم ترین، اسکے بعد درجہ وار۔

(ii) آیا وہ عقیدۂ توحید صرف انفرادی زندگی کو تابع امر رب کر دینے کا مطالبہ کرتا ہے یا اجتماعی زندگی کو بھی؟

جواب – انفرادی زندگی کو اصلاً اور براہ راست۔ اجتماعی زندگی کو ضمناً و بالواسطہ۔ یہ جواب سوال کی شقوں کے لحاظ سے ہے۔ ورنہ اصل سوال کی یہ تشقیق ہی صحیح نہیں۔

(iii) آیا سیاست اور انتظام ملکی اور نظم معیشت اور نظم عدالت و قانون عقیدۂ توحید کے اس مطالبہ کے اندر ہے یا باہر؟

جواب – براہ راست اور مطالبہ قریب کے لحاظ سے باہر۔ بالواسطہ اور مطالبۂ بعید کے لحاظ سے اندر۔

(iiii) اگر یہ تمام امور عقیدۂ توحید کے حدود کے اندر نہیں ہیں۔ بلکہ جزوی طور پر ان میں سے کچھ امور سے ہی توحید کا مقصد پورا ہو جاتا ہے تو ازراہ کرم فرمایا جائے

(i)۔ زندگی کے کون کون سے پہلو توحید کے دائرہ مقتضیات کے اندر ہیں اور کون کون سے اسکے باہر؟

جواب – اللہ کی یکتائی پر یقین رکھنا ذات و صفات میں کسی کو اس کا شریک نہ سمجھنا، آمر و متصرف … خالق و ناظر صرف اسی کو سمجھنا، یہ اقل قلیل مطالبۂ توحید ہے، نجات کے لیے کافی۔ اس سے زائد عملی احکام کا اتباع حالات اور ہمت و وسعت کے تابع ہے۔

ii – اس تقسیم دوائر کی دلیل کیا ہے

iii – اگر یہ تقسیم دوائر درست ہے تو پھر اسلامی حکومت کا نام لینا اور نبی صلعم کا ایک مذہبی حکومت قائم کرنا اور صحابۂ کرامؓ کا روم ایران و مصر وغیرہ پر حملہ آور ہونا اور ان حکومتوں کو پاش پاش کر کے انکی جگہ اسلامی حکومت قائم کرنا یہ سب الا علاوہ دین سے تجاوز قرار پائے گا جن تک آپ کے نزدیک دین کا دائرہ محدود ہے!

جواب – اگر یہ سب چیزیں یکساں درجہ میں ضروری نہیں تو خود رسول اللہ صلعم نے انکے لیے سالہا سال کا کیوں انتظار فرمایا۔ اور بعض اجزا کا تکملہ تو آپؐ کی حیات مبارک بھر بھی نہ ہو سکا تو کیا آپ بھی نعوذ باللہ مقتضیات توحید کو پورا نہ کر سکے؟

اگر آپ مقتضیات توحید کی کلیت کے قائل ہیں، تو

i۔ منصب نبوت جن کاموں کا براہ راست مقتضی ہے انکی فہرست سے آخر اجتماعی زندگی کے اہم ترین اور موثر ترین پہلو یعنی نظام حکومت کو آپ کس بنا پر خارج کرتے ہیں؟

جواب – خارج ہرگز نہیں قرار دیا گیا۔ صرف انکے لازمۂ توحید ہونے سے انکار ہے۔ اور انکار پر دلیل علاوہ نصوص قرآنی و حدیثی کے خود انبیاء کرام (بہ شمول رسول اللہ صلعم) کا تعامل ہے۔ جونہی حالات اجازت دیں، یقیناً حکومت اسلامی ہی قائم کرنا چاہیے۔ اور اسکی تمنا تو ہمہ وقت دل میں رکھنا چاہیے، بلکہ بقدر وسعت و ہمت کوشش بھی اسکی کرتے رہنا چاہیے۔ لیکن یہ چیز صحیح نہیں کہ جب تک یہ نہ ہو سکے اسوقت تک عبادات لا حاصل اور ایمان کالعدم ہے۔ یہی چیز دین میں غلو کی ہے۔

ii۔ اگر توحید کا اقتضاء انسانی زندگی کو اسکے تمام انفرادی اور اجتماعی پہلوؤں کے ساتھ بندگی رب کے تحت لانا ہے تو آپ کو

قرآن کریم و بائبل کا باہمی تعلق

بسلسلہ صدق عدد

(جناب مولوی عبد الرؤف خاں صاحب نائب ناظم، سراج العلوم جھنڈے نگر)

(۸)

مع ہذا ہم تدریجاً اس التزام (متعلقہ بائبل و قرآن) کی نسبت یہ وجہ وجیہ بیان کرتے ہیں۔ اس قرآن کے لانے والے نبی آخر الزماں تھے جن کے بعد کسی نبی کے آنے کا امکان نہیں تھا۔ اور بصورت وقوع تحریف و تبدیل آنے والا نبی اسکی اصلاح و تکمیل کر دیتا۔ اس لیے خدا نے اس قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی۔ تاکہ نہ تحریف و تبدیل ہو اور نہ کسی نبی کے آنے کی ضرورت پیش آئے۔ چونکہ توراۃ و انجیل کے بعد قرآن کا نزول اور حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری علم الٰہی ازلی میں مقرر تھی۔ اور اس طرح سے ان کا تدارک جو توراۃ و انجیل کی عدم حفاظت کے سبب وقوع میں آسکتا تھا، اس وجہ سے خدا نے قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی اور توراۃ و انجیل کی حفاظت توراۃ و انجیل والوں کے ذمہ ڈالی جیسا کہ شہادت انہیں کتابوں میں موجود ہے لیکن وہ مختلف اسباب و حوادث کی بنا پر اسکی حفاظت نہ کر سکے۔ اور نتیجۃً اس دین موسوی و عیسوی کی اصلاح کے لیے نبی آخر الزماں کا ظہور اور قرآن جیسی اکمل الکتب کا نزول ہوا۔ اگر اس جواب سے تشفی نہ ہو تو ہم ایک اور طریقہ سے عرض کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اگر سائل مسلمان ہے تو وجہ مذکور (حفاظت قرآن بذمہ خویش و عدم حفاظت بائبل) کو قرآن میں دیکھ لے۔ اور اس وجہ کی وجہ خدا سے پوچھے۔ اور اگر وہ عیسائی ہے تو توراۃ کی کتاب استثناء اور عہد جدید کے مکاشفات کا مطالعہ کرے (جہاں توراۃ و انجیل کی حفاظت خود انہیں پر عائد کی گئی ہے) اور اپنے خدا سے یوں سوال کرے کہ اے آسمانی باپ تو نے توراۃ و انجیل کو ہمارے سپرد کیوں کیا تھا؟ اور اسکی حفاظت کو اپنے ذمہ کیوں نہیں لیا تھا؟ جس طرح کہ مسلمانوں کے خدا رب عالم نے قرآن کی حفاظت کو اپنے ذمہ لیا اور اسکو پورا کر کے دکھا دیا۔

ازالۂ وہم یہ وہم کیا گیا ہے کہ مقتضائے حکمت کا یہ نہیں ہے کہ جو کتاب روح القدس کی تائید سے دی گئی ہو اسکو ایسا محرف اور نیست و نابود کر دے کہ پھر کسی کے ہاتھ نہ آسکے اور اگر وہ انسان کی تربیت کے لائق ہی نہ تھی تو انکو پہلے ہی کیوں دیا تھا؟

الجواب کسی کتاب کے معدوم ہو جانے سے حکمت الٰہی پر کچھ دھبہ نہیں ہو سکتا۔ اگر ایک ہی کتاب انسان کی ہر بات کی تربیت کو کافی ہوتی تو اولڈ ٹسٹامنٹ (عہد نامہ قدیم توراۃ) کے بعد نیو ٹسٹامنٹ (عہد نامہ جدید انجیل وغیرہ) کی حاجت کاہے کو ہوتی اور دین موسوی میں کچھ تغیر و تبدل کا دخل نہ ہوتا تو حضرت عیسیٰ انجیل کیوں لاتے اور تکمیل توراۃ کا دعوے کیوں کرتے۔

الغرض جس طرح علم الٰہی میں توراۃ کے بعد انجیل کا آنا مقرر تھا اسی طرح انجیل کے بعد قرآن کا نزول بھی ازل ہی سے علم الٰہی میں مقرر تھا۔ چنانچہ سالہا سال حکمت مخفی کے مطابق ظہور میں آیا۔ توراۃ میں جب تبدیل واقع ہوئی تو انجیل کو نازل کر دیا۔ اور جب خود انجیل میں بگاڑ ہوا تو خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کو بھیجا۔ اب چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کا آنا علم الٰہی میں مقرر نہ ہوا تو قرآن میں نقصان واقع ہوتا اور اس میں تحریف ہوتی اور اسکی اصلاح کے لیے اسی اصول کے مطابق کوئی نبی مبعوث ہوتا۔ مگر چونکہ یہ آخری کتاب تھی اور یہ نبی بھی آخری نبی تھے اس لیے خداوند کریم نے اس مصلحت کی رعایت سے قرآن کی حفاظت کو اپنے ذمہ لے لیا اور یہ اعلان انا لہ لحافظون فرما دیا اور اس وعدہ کو پورا فرمایا اور فرماتا ہے اور فرماتا رہیگا۔

پادریوں کا شبہۂ ناس اگر قرآن شریف سے من حیث القرآن توراۃ و انجیل کے لیے منسوخ قرار دیا جائے تو یہ کتابیں ہدایت و نور کے خواص سے محروم ہو جائینگی۔ حالانکہ خود قرآن کریم نے توراۃ و انجیل کو ہدایت و نور قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ وانزل التوراۃ والانجیل من قبل ہدی للناس (آل عمران) دوسری جگہ فرمایا: وآتیناہ الانجیل فیہ ہدی و نور (مائدہ) یعنی توراۃ و انجیل میں لوگوں کے لیے روشنی و ہدایت کا سامان ہے۔ پس اب یہ کہنا کہ بائبل تحریف و تبدیل کی بنا پر قابل استناد نہیں ہے خود قرآن کی ان آیات کریمہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ یہ آیتیں توراۃ و انجیل کو ہدایت و نور کہتی ہیں۔ پس ان میں قرآن کریم کی تصریح کے مطابق نہ تحریف کا قول درست ہے اور نہ پھر قرآن کے ناسخ بننے کی کوئی حجت رہ جاتی ہے۔

معقول جواب اسکا یہ ہے کہ توراۃ موسیٰ پر اور زبور حضرت داؤد پر اور انجیل حضرت عیسیٰ پر نازل کی گئی تھی۔ اگرچہ ہر مسلمان کا ایمان ہے ارشاد ہے کل آمن باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ لا نفرق بین احد من رسلہ (بقرہ) پس ان کتابوں پر اور انکے انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے۔ لیکن اب دیکھنا یہ ہے کہ اب جو کتابیں یہود و نصاریٰ کے ہاتھ میں انجیل و توراۃ کے نام سے موجود ہیں انکی حیثیت کیا ہے اور آیا یہ اصلی ہیں یا محرف ہو چکی ہیں؟ اور ان میں تحریف و الحاق موجود ہے یا نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بخاری میں یہ حدیث موجود ہے کہ یہودی مسلمانوں کو عربی میں ترجمہ کر کے عبرانی توراۃ کا مطلب بتلاتے تھے اس پر حضور نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانو تم اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب اور کہو کہ ہم اس پر ایمان لائے جو خدا کی طرف سے اتارا گیا۔ امام احمد نے ایک روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے توراۃ کا ترجمہ کسی نے پڑھا تو حضور کا چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا تم اہل کتاب سے کچھ نہ پوچھا کرو وہ خود گمراہ ہو گئے ہیں تم کو کیا

مستند ریکارڈ کی حیثیت رکھتی ہے۔ اب انھوں نے اسے کتابی صورت کے ساتھ شایع کیا ہے۔ یو۔پی کے ایک نوجوان سید مطلوب الحسن سید نے جو عرصہ تک مسٹر جناح کے پرائیویٹ سکریٹری [illegible] کتاب کو مرتب کیا ہے۔ یہ کتاب مسٹر جناح کی ابتدائی تفصیلی سیرت [illegible] کی حیثیت تو نہیں رکھتی [illegible] [illegible] خصوصاً [illegible] سیاسی زندگی کی [illegible] حیثیت رکھتی ہے۔ مسلم انگریزی خواں [illegible] کہ اس میں وہ سب کچھ آگیا ہے جسکے جاننے کی ضرورت [illegible] میں انکو ضرورت ہے۔

(اس کتاب ۲۹ ابواب میں منقسم ہے۔ اسکے بعد ضمیمے [illegible] مسٹر جناح کے چند خطبات صدارت مسلم لیگ کے اجلاس لکھنؤ کے [illegible] وغیرہ شامل ہیں۔ اور ایک اشاریہ (انڈکس) شامل ہے۔ [illegible] خواجہ ناظم الدین سابق وزیر اعظم بنگال کا [illegible] پیش لفظ ہے۔ مسٹر جناح کے [illegible] [illegible] مجموعہ میں شامل ہیں)۔

کتاب کے مندرجات کے استناد کے لیے یہ امر کافی ہے کہ اس کی ترتیب ایک ایسے شخص نے کی ہے جو عرصہ تک مسٹر جناح کا معتمد علیہ اور پرائیوٹ سکرٹری رہا ہے۔ اور ظاہری خوبیوں کے لیے شیخ محمد اشرف صاحب اشرف کا نام کافی ہے۔ (ع۔ ق)

(۴) **اسرار حیات**۔ از ڈاکٹر ایشور اٹوپا (ڈی فل) [illegible] ۱۷۱ صفحات۔ قیمت درج نہیں۔ ملنے کا پتہ، انگو اکاڈمی حیدرآباد دکن۔

جنوبی ہند کے صوبہ اندھرا میں ایک صوفی منش غیر مسلم ویما نامی گزرے ہیں، جنکو جنوبی ہند میں غالباً وہی حیثیت حاصل ہے جو شمال میں کبیر داس کو حاصل رہ چکی ہے۔ ان کا مجموعۂ کلام، جیسا کہ بعض ریسرچ کرنے والوں کا خیال ہے، ڈھائی ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں جامعہ عثمانیہ حیدرآباد کے ایک فاضل ڈاکٹر ایشور اٹوپا (جو اردو میں اس سے قبل بھی چند محققانہ کتابیں لکھ چکے ہیں) نے اردو زبان میں پہلی بار ویما کے کلام اور پیام سے اردو خوانوں کو واقف کیا ہے۔ باوجود شاعر کے غیر مسلم ہونے کے جابجا کلام کی بلندیاں اس مجموعہ میں ملتی ہیں۔ مثلاً صفحات ۱۲۲ تا ۱۲۵ پر، جہاں اس نے پتھر کی مورتیوں کی پرستش کو برا کہا ہے۔

شاعر کے منتخب کلام کی تشریح و توضیح، فاضل مرتب نے مختلف عنوانات مثلاً انسانی تہذیب کا راستہ، انسانی امارت اور عزت زندگی کے بندھن، خدا پرستی اور انسان وغیرہ) قائم کرکے سلیس اردو میں کی ہے۔ علمی دلچسپی رکھنے والوں کے حلقہ میں ڈاکٹر صاحب [illegible] کی یہ کوشش یقین ہے کہ عزت و قدر کی نگاہ سے دیکھی جائیگی۔ (ع۔ ق)

ایک شیعہ ایلکشن مینی فسٹو

میں نہایت لجاجت سے اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ رافضی و خارجی و منافق جیسے بدنما اور قابل اعتراض الفاظ شیعوں کیلیے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہ دیں نہ ایسے الفاظ کی کسی اسلام کے دوسرے فرقہ کیلیے اجازت ہونی چاہیے۔ اگر اس طرح مسلمانوں کے تمام فرقوں میں [illegible] اتحاد و اتفاق پیدا ہو سکے [illegible] زیادہ اصلی ضرورت ہے کہ [illegible] کو ایسے الفاظ [illegible] [illegible] اسلام کے مختلف فرقوں [illegible] [illegible] کر رکھا ہے اور اسی طرح [illegible] پیدا کر دیا ہے [illegible] بھائی بھائی نہیں رہے۔ یقین ہے کہ [illegible] زبان کی کسی لغت میں کہیں اور کسی وقت بھی ایسے گالی کے الفاظ کو نہیں لکھا گیا ہے اس لیے کہ ان الفاظ سے انکے دل میں گہرے زخم پڑ جاتے ہیں جو ہمیشہ رستے رہتے ہیں۔ جیسا نقصان یورپین لوگوں کے ایشیا والوں کو "نگرو" کہنے سے ہوتا ہے جو سفید قوموں کے مقابلہ میں دوسری قوموں کو سیاہ نام کہتے ہیں۔ اس سے کہیں زیادہ نقصان شیعوں کو رافضی، خارجی، اور منافق کہنے سے پیدا ہوتا ہے۔

میں امید کرتا ہوں، اس نصیحت کے لیے مجھے معاف کیا جائیگا مگر میں ایسا کرنے میں حق بجانب ہوں اس لیے کہ ہر مسلمان مطالبہ اصول آزاد ہے کہ جس پر ایمان داری کے ساتھ یقین رکھتا ہے اس کو ظاہر کردے۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ میں خود اور میرے دوسرے بھائی ذاتی طور پر گزشتہ الکشن کے موقع پر نقصان اٹھا چکے ہیں۔ جیسا کہ [illegible] مجاز سے ثابت ہو چکا ہے۔ [illegible] اور [illegible] الکشن میں کھڑے ہونے والے امیدواروں کو رافضی و منافق ہی نہیں کہا گیا بلکہ تمام شیعہ جماعت کو رافضی و منافق کہا گیا اور انکو کافر گردانا گیا کہ یہ لوگ ہمارے کتاب مقدس یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے (معاذ اللہ) ایسی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ چیزیں (جنکا ذکر کرنا میں مناسب نہیں خیال کرتا) الکشن کی جدوجہد کے زمانہ میں پروپیگنڈا کے طور پر بعض ایسے غیر ذمہ دار امیدواروں نے کہیں جو الکشن کو صرف الکشن کی حیثیت سے نہ لڑ سکتے تھے، اور اس لیے وہ اپنے مقابل کے مذہبی اعتقادات پر اتر آئے، اور ووٹروں کو گمراہ کیا۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ سے شائع کیا

مطالبہ کرتے ہیں کہ تو مجھ کو اپنے خزائن پر متصرف کر دے، فرعون مصر آپ کے اس مطالبہ کو منظور کرتا ہے اور آپ اُسکے خزائن پر متصرف ہو جاتے ہیں"

پس اب کیا کوئی شخص دیانت اور امانت کے ساتھ یہ کہ سکتا ہے کہ اس مذکورہ بالا صورت میں حضرت یوسف علیہ السلام فرعون[1] مصر کی حکومت کے رکن نہیں بنے؟ فرض کرو کہ اس قصہ کے ہیرو حضرت یوسف علیہ السلام نہ ہوتے، بلکہ کوئی اور شخص زید، عمرو، بکر ہوتا اور فرعون کہتا کہ لے آؤ زید کو میرے پاس، میں خالص کر رکھوں اپنے کام کیلئے، پھر جب وہ بات کرتا زید سے تو اُس سے کہتا "واقعی تو نے آج ہمارے پاس جگہ پائی معتبر ہو کر" اس کے بعد زید فرعون سے مطالبہ کرتا کہ مجھ کو اپنے خزانوں پر متصرف کر دے" اور فرعون زید کے اس مطالبہ کو منظور کرتا اور اپنے خزانوں پر اسکو متصرف کر دیتا" یہ الفاظ بجنسہٖ زید اور فرعون کے درمیان بعینہ وہ معاملہ پیش آتا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوتا کہ زید فرعون مصر کی حکومت کا ایک رکن بن گیا؟ اگر زید کی صورت میں یہ کہنا صحیح ہوتا تو حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت میں کیوں صحیح نہیں ہے؟ کیونکہ کسی فقرہ یا کسی عبارت کا مفہوم لغت اور نحوی قواعد کی رو سے ایک ہی ہونا چاہیے خواہ اس میں جو فاعل (فاعل) ہے وہ زید ہو یا حضرت یوسف علیہ السلام۔

اسی کے ساتھ یہ بھی عرض کیا جاتا ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت کا مفہوم اصلی وہی ہو سکتا ہے جو لغت عرب کی رو سے اس کا صحیح مفہوم ہے (اگر وہ آیت قطعی الدلالۃ ہے) بلا لحاظ اس امر کے کہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے مفہوم سے تناقض پیدا ہوتا ہے یا نہیں۔ مثلاً آیۂ کریمہ "ایاک نعبد وایاک نستعین" کے کہ عربی لغت کے لحاظ سے ایک متعین معنی ہیں، یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد و نصرت چاہتے ہیں اس آیت کے ہمیشہ یہی معنی رہیں گے، خواہ ایسا کرنے سے کسی دوسری آیت کے معنی سے بظاہر تناقض پیدا ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔

اسی اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے راقم الحروف نے یوسف علیہ السلام کے قصہ کے متعلق جو آیات قرآن پاک میں وارد ہوئی ہیں انکا وہ معانی و مفاہیم اختیار کیے جو لغت عرب کی رو سے انکے صحیح معنی و مفہوم ہیں، انکے مفہوم میں اپنی طرف سے نہ کوئی لفظ اور نہ کوئی نقطہ گھٹایا ہے اور نہ بڑھایا ہے، اور نہ ایسا کرنے کا اس عاصی کو کوئی حق تھا، اور نہ کسی بڑے سے بڑے عالم یا مجدد کو یہ حق ہے کہ کلام پاک کی کسی آیت میں وہ لفظاً یا معناً کچھ گھٹا دے یا بڑھا دے۔ یعنی لفظی یا معنوی تحریف کا وہ ارتکاب کر سکے۔

اسکے برعکس مولانا مودودی صاحب کو کلام پاک کے معانی میں تغیر تبدل، کمی اور بیشی کرنے میں کبھی باک نہیں ہوتا، بشرطیکہ ایسا کرنے سے اُنکے کسی نظریہ کی تائید ہوتی ہو۔ چنانچہ مولانا مودودی صاحب نے آیت کریمہ "قال اجعلنی علیٰ خزائن الارض" الخ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنے پہلے مضمون میں فرمایا تھا کہ

"خط کشیدہ فقرے صاف ظاہر کر رہے ہیں کہ مطالبہ کلّی اختیارات کا تھا، اور ملے بھی کل اختیارات ہی"

ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ آیت کریمۂ زیر بحث میں "کلّی" کا لفظ کہیں نہیں ہے اس لیے اس آیت کی تفسیر میں "کلّی" کا لفظ بڑھانا آیت کی معنوی تحریف ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی تنقید میں اس معنوی تحریف کے خلاف احتجاج کیا تھا۔ میرے اس احتجاج کا مولانا پر اتنا اثر ضرور ہوا کہ موصوف نے اپنے موجودہ مضمون میں "کلّی اختیارات" کے الفاظ کے استعمال سے احتراز کیا ہے مگر دوسرے الفاظ اور دوسرے پیرایہ میں بڑے ہیر پھیر کے ساتھ اُسی مفہوم کو لوٹا گیا ہے۔ چنانچہ مولانا موصوف سورۂ یوسف کے زیر بحث مقامات سے بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"حضرت یوسف کی دعوت کا خلاصہ سورۂ یوسف رکوع ۵ میں بیان ہوا ہے، جس سے ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ اُنکا بلاوا ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف نہیں تھا (خدا کا رسول ارباب متفرقون کی بندگی کی طرف بلا وا دے ہی کیسے سکتا ہے، ناقد) بلکہ ایک رب کی بندگی کی طرف تھا۔ . . . . . . یہ تبلیغ وہ قید خانہ ہی میں کر رہے تھے (میں نے خود اپنی تنقید میں یہی عرض کیا ہے، ناقد) اسکے دوران میں یکایک یہ صورت پیش آئی کہ دیانت اور تقوے اور حکمت اور بصیرت کے جو غیر معمولی نشانات اُنکی ذات سے ظاہر ہوئے تھے (کلام پاک کی روایت کے مطابق اسوقت تک آپ کے جو محاسن ظاہر ہوئے تھے وہ صرف اسی قدر تھے کہ زلیخا کی دعوت علی الاثم والعدوان کے خلاف آپ ثابت قدم رہے، اور آپ نے اپنے دو ساتھی قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں بیان فرمائی تھیں، جن میں سے قیدیوں کے خوابوں کی تعبیریں تو صحیح ثابت ہو چکی تھیں لیکن فرعون کے خواب کے صحیح یا غلط ثابت ہونے کی ابھی نوبت نہیں آئی تھی۔ ان دو واقعات سے جتنا کچھ تقوے اور بصیرت یوسف علیہ السلام کی ثابت ہے اسکا اتنا تو ہم پر فرض ہے، مگر اس سے زیادہ کو فرض کر کے استدلال کرنا ناجائز ہے۔ یہ دونوں باتیں ضرور یوسف علیہ السلام کے تقوے اور بصیرت پر دال تھیں، لیکن کیا وہ ایسے معمولی نشانات یا معجزے قرار دیے جا سکتے ہیں کہ انکی بنا پر فرعون اپنی سلطنت کا سب سیاہ و سفید حضرت یوسف علیہ السلام کے سپرد کر دینے کا فیصلہ

---

[1] اس ساری بحث میں بہتر یہ ہوتا کہ فریقین بادشاہ مصر کے لیے لفظ "فرعون" نہ استعمال کرتے۔ قرآن مجید نے "فرعون" کی اصطلاح حضرت موسیٰ کے عہد کے مصری تاجدار کے لیے استعمال کی ہے، اور اسی کا اتباع بہتر تھا۔ حضرت یوسف کے قصہ میں قرآن مجید بار بار لفظ "ملک" لایا ہے۔ طریق اسلم اسی کی پیروی ہے۔ (صدق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(زمر ع ۴) اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں	والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون

ایڈیٹر - عبد الماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب - حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد، بلیس گورگنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپے
" ششماہی
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

نمبر ۱۵	یوم چہار شنبہ ۱۹ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۱۹ - جون ۱۹۴۶ء	جلد ۱۲

سچی باتیں

"نئے شاعروں میں فلاں، فلاں، و فلاں خاص ہونہار تھے۔ ریڈیو اور مشاعروں میں ان کی اچھی مانگ رہنے لگی تھی۔ تازہ اطلاع ہے کہ بمبئی کی کسی سینما میں منسلک ہو گئے ہیں۔ محمد تقی سلطان پوری کے نام سے اکثر ادبی رسالے پڑھنے والے واقف ہوں گے۔ خبر ہے کہ وہ بھی کسی سینما میں چلے گئے۔ ... حبیب احمد ایم اے (علیگ) ریڈیو کے اسسٹنٹ اسٹیشن ڈائرکٹر تھے، اور سرکاری عہدہ چھوڑ اب بمبئی پہنچ گئے۔ مشہور مزاح نگار شوکت تھانوی ایک مدت تک اس کوچہ کی سیر کر چکے۔ ساغر نظامی، بلکہ جوش ملیح آبادی کے مرتبہ، شہرت کے شاعر پہلے ہی سینما کو آباد کر چکے ہیں۔ اور جناب جگر مرادآبادی تک پر دو ڈورے آ چکے ہیں ——— یہ نمونہ کے طور پر چند نام مردوں کے ہوئے۔ باقی شریف گھرانوں کی بیویاں اور بیویاں، فلاں آئی سی ایس جج کی لڑکی اور فلاں ... بہادر کی بہو، جو باقاعدہ فلمی بیسوائی اپنا پیشہ بنا چکی ہیں، اور لاکھوں مسلم و غیر مسلم ناظروں کے سامنے اپنے نیم برہنہ جسم کے ناچ سے کھلے خزانے روپیہ بٹور رہی ہیں، انکے نام اور پتے درج کرنے کی ہمت کہاں سے لائی جائے!

——— یہی کمد: وہ دنیا کے اندر ساری عمر بسر کر لے جانے والے شرفا کو کچھ اس کا اندازہ بھی ہے، کہ کڑی اور روشن دنیا کدھر سے کدھر جا رہی ہے اور کہاں بات کہاں پہنچ گئی ہے؟ اکبر تو اپنے زمانہ میں کہہ گئے تھے۔۔

شفقت چلی ہے اُس بت کافر ادا کے ساتھ
رہ جائینگے رسول ہی بس اب خدا کے ساتھ!

جن ایکٹروں نے ۳۰۰-۴۰۰ روپیہ سے زائد کی شکل کبھی مہینہ میں نہ دیکھی ہو، اور بعض اکبارگی دو ڈھائی سو ماہوار ملنے لگیں، جن کی محدود ماہانہ آمدنیاں کبھی سو ڈیڑھ سو سے آگے نہ بڑھی ہوں، اور جناب بعض شاید سات سو کا مشاہرہ ملنے لگے" تو فرمائیے، وہ کیسے اپنی جگہ قائم و ثابت رہ سکیں گے، پھسلیں گے، اور ضرور پھسلیں گے، گریں گے، اور یقیناً گریں گے، پھر جبکہ شہرت، عزت، اور طرح طرح کی دوسری مادی لذتیں بھی کمک پر ہوں! ——— جاہ و مال جب دونوں قوتیں متحد ہو جائیں تو عام اور معمولی آدم زادوں میں سے کس کے قدم انکے مقابلہ پر ٹک سکیں گے؟

——— کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ کانگریسی اور لیگی، احرار، خاکسار، جمعیۃ علماء ہند، جمعیۃ علماء اسلام، حنفی و اہلحدیث، اہل سنت، شیعہ، ہر طبقہ اور ہر خیال کے نرم و گرم ہر قسم کے مسلمان مل کر غور کریں کہ اس تیز و تند سیلاب میں غرق ہونے سے ملت کو بچانے کی آخر عملی تدبیریں کیا ہیں؟ کیا قیامت ہے کہ ادنیٰ ادنیٰ جزئی اختلافات پر مذہبی فرقے مستقل طور سے قائم ہو گئے۔ سیاسی ٹولیاں ایک دوسرے کی دشمنی میں اندھی ہوئی ہیں، لیکن جو چیزیں سب کے نزدیک مسلم ہیں، اور جو فتنے سب کے سب یکساں مہلک ہیں، انکی طرف ادنیٰ توجہ و التفات بھی نہیں!

فرقہ پرستی یورپ میں

لندن ۱۱ جون۔ پچھلے انتخابات کے موقع پر مغربی یورپ کے کیتھولک کلیسا نے اپنی قوت کا پورا اظہار کر دیا، اور ایک نہیں چار ملکوں کے چار الکشنوں میں اپنا غلبہ و تفوق مذہبی پارٹیوں پر ثابت کر دیا۔ یہ ملک بلجیم، ہالینڈ، فرانس اور اٹلی ہیں

نئی کتابیں

(۱) مولانا ابوالکلام آزاد۔ از ابو سعید بزمی صاحب صفحات ۲۱۱ سائز ... قیمت ... ملنے کا پتہ، اقبال اکیڈمی سرکلر روڈ ... چوک ... لاہور

مولانا آزاد بلا شبہہ ایک بڑی شخصیت کے مالک ہیں۔ اُن کے کمال خطابت، انشاپردازی اور سیاسی و مذہبی علوم بالخصوص اسلامیات پر گہرے عبور، حق اصل یہ ہے اُس سے انکار کرنا گناہ ہے۔ سیاسی دنیا بالخصوص یورپ اور امریکہ میں وہ انڈین نیشنل کانگریس کے صدر کی حیثیت سے روشناس ہیں۔ لیکن دراصل وہ مملکت علم و ادب کے حکمراں ہیں۔

ہندوستان میں مسلم سیاست کے طوفانی دور کی تاریخ جس کی مدت تقریباً بارہ سال یعنی ۱۹۱۲ء سے لیکر ۱۹۲۴ء تک ہے۔ اقبال، آزاد، اور جوہر کی حیثیت "مشتری و مہر و ماہ" سے کم نہیں۔ اس دور میں الہلال کے ذریعہ مولانا آزاد نے جس طرح آوازۂ حق بلند کیا تھا، اُسکے نقوش نہ معلوم دلوں پر کب تک تازہ رہینگے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ اقبال اور جوہر کو قضا کے ہاتھوں نے مسلمانوں سے علیحدہ کر لیا۔ مولانا مسلم سیاست کی کامیابی سے مایوس اور وطنیت اور متحدہ قومیت کی مغربی تحریکوں سے مرعوب ہوکر خود کو مسلمانوں سے اور مسلم تحریکوں سے تقریباً ۲۰ سال سے بالکل غیر متعلق بنا لیا ہے اور ان کے ساتھ وہ رشتے جو انھوں نے ۱۹۱۲ء میں قائم کیے تھے، منقطع کرلئے۔ اسی لحاظ سے مولانا آزاد کی زندگی کا یہ موجودہ دور مسلم سیاست کی سب سے بڑی ٹریجڈی ہے۔

بزمی صاحب نے اس کتاب میں مولانا کے علمی تبحر، انکے خوش اخلاقی، خاموش منفرت، گفتگو طرازی، قناعت اور سادگی، حافظہ کی قوت اور سیاسی دوربینی کے متعلق اپنے ذاتی تجربات اور مولانا کے ساتھ ذاتی تعلقات اور ملاقاتوں کی بنا پر جو کچھ بھی اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہے، اس میں اگرچہ بعض جگہ مبالغہ کی جھلک نظر آتی ہے جو محبت، خوش عقیدگی اور شخصی عظمت کے رعب کا فطری نتیجہ ہے اور اسلیے قابل معذرت ہے۔ لیکن مولانا کے یہ سب وہ کمالات ہیں جن میں اگر دس گنا مبالغہ سے بھی کام لیا جائے تو مضائقہ نہیں۔

البتہ انکی سیاسی زندگی بالخصوص مسلم سیاسیات ہند کے متعلق انکا طرز عمل آج بھی انکے معتقدوں اور پرانے خلافتی رفقاء کار کے لیے ویسا ہی ایک ناقابل حل معمہ ہے جتنا کہ نہرو رپورٹ کے وقت مولانا محمد علی مرحوم کے نزدیک تھا۔ تاہم مسٹر جناح انکے سیاسی مسلک سے اسی طرح بیزار ہوکر انکو کانگریس کا آلۂ کار (شو بوائے) سمجھتے ہیں جس طرح آج سے سولہ سال قبل مولانا محمد علی مرحوم انکے طرز عمل سے مایوس ہوکر انکو "ابوالسکوت امیر" کہہ بیٹھے تھے۔

بزمی صاحب مولانا کے ساتھ ایک غیر معمولی عقیدت رکھنے کے ساتھ ساتھ ایک مشہور "قوم پرور" اخبار مدینہ کے اڈیٹر بھی رہ چکے ہیں۔ اور اس لحاظ سے انکے ہم مسلک اور ہندوستان میں وطنیت اور متحدہ قومیت کے قیام کے داعی بھی ہیں۔ لیکن خود انکو بھی اسکا اعتراف ہے کہ مولانا صرف ایک سیاسی مفکر کی حیثیت سے ناکام رہے اور مسلم سیاست کی رہنمائی سے کنارہ کش ہوگئے بلکہ انکے کسی طرز عمل پر اگر کوئی اعتراض کرتا ہے تو خود مولانا کے جوابات اکثر تسلی بخش نہیں ہوتے۔ چنانچہ انکی تفسیر "ترجمان" کے سلسلے میں جب علماء اسلام نے اعتراضات پیش کیے تو انھوں نے مصنف کو لکھا کہ وہ اپنے مسلک کی توضیح تیسری جلد میں کریں گے جس سے ان اعتراضات کا جواب شافی طور پر مل جائیگا۔ اس پر بزمی صاحب اپنے تاثرات صفحہ ۱۰۰ پر اس طرح پیش کرتے ہیں

"لیکن آج دس بارہ سال ہونے کو آگئے، مگر نہ تو یہ تیسری جلد شائع ہوئی اور نہ مولانا کا کوئی اور توضیحی بیان"!

ہندوستانی سیاسیات میں مولانا کے مسلک بالخصوص حمایت کانگریس کی توضیح اس کتاب میں جس طرح کی گئی ہے اسکو پڑھ کر نہ صرف ایک غیر جانبدار ناقد بلکہ مولانا کا بڑے سے بڑا پرستار اور معتقد بھی مایوس ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ بزمی صاحب کے سوالات کے جوابات جس طور سے مولانا نے دیے ہیں اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کی سیاسی عمارت کی بنیاد کسی تعمیری و اثباتی اصول پر نہیں ہے، نہ حق و باطل کا کوئی معیار اُنکے سامنے ہے، بلکہ صرف "سلبی معیار" پر ہے۔ انکی کانگریس میں شرکت اور مسلم لیگ کی مخالفت صرف اس لیے ہے کہ وہ ہندوستان سے انگریزی تسلط کو ختم کرنا مقصود بالذات سمجھتے ہیں اور مسٹر جناح کی قیادت کی سختیوں سے نالاں ہیں۔ چنانچہ صفحہ ۲۴۴ پر بزمی صاحب رقمطراز ہیں:—

"اس پر میں نے مسلم لیگ کا ذکر کیا تو مولانا نے پورے جوش کے ساتھ کہا کہ میں مسلم لیگ کے بنیادی اصول اور مسلمانوں کے اس طریقۂ تنظیم و اتحاد کو بیحد ضروری سمجھتا ہوں لیکن اسی کے ساتھ آپ نے اس امر پر افسوس کا اظہار کیا کہ لیگ کے نام سے جو تنظیم ہوئی ہے وہ عملاً رجعت پسند مسلمانوں کی تنظیم ہوکر رہ گئی ہے۔ تاہم آپ نے انجمن میں شامل ہوکر کام کرنے سے اتفاق کیا، بلکہ اس امر پر زور دیا کہ مسلمانوں کو چاہیے کہ یا تو لیگ کو ترقی پسندوں کے زیر اثر لائیں اور یا پھر مسلمانوں کی از سر نو تنظیم کریں"۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کے قیام اور اس کے بنیادی اصول کو برحق مانتے ہیں۔

پاکستان کے متعلق ۱۹۴۰ء میں اپنی گفتگو مولانا کے ساتھ ہوگئی

بیان کی ہے

"میں نے کہا: آپ کو پاکستان پر کیا اعتراض ہے؟
بولے۔ اسوقت اس سوال کو کھڑا کرنے سے انگریز کو مدد ملتی
ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد اگر مسلمان چاہیں تو پاکستان
بنا لیں۔ زیادہ سے زیادہ اسوقت ہندوؤں سے یہ منوا لیں
کہ آزادی کے بعد وہ پاکستان بنانے میں آزاد ہوں گے"

اس مکالمے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مولانا مسلم لیگ کے بنیادی مطالبہ
پاکستان کے خلاف نہیں ہیں۔ اختلافات صرف حصول کے طرز کا ہے۔
لیکن آج جبکہ ہندوستان کو مکمل آزادی ملنے والی ہے مسلم لیگ کی طرف
سے پاکستان کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو مولانا صاف اعلان فرما دیتے ہیں
کہ ہندوستان کو تقسیم کرنے کی بنا پر کوئی حکومت وظیفہ نہیں لے سکتی
صرف یہی نہیں بلکہ حال ہی میں مولانا کی جو خط وکتابت وزیر ہند
اور وزراء کے وفد کے ساتھ شایع ہوئی ہے اس سے صاف ظاہر ہے
مولانا نہ صرف پاکستان کے مخالف ہیں بلکہ مرکز میں ہندو اور مسلم صوبوں
کی باہمی مساوات کے بھی خلاف ہیں۔

مسلم لیگ کے مطالبات کی مخالفت اور کانگریس کی تائید
ہوتا ہے۔ برنی صاحب کی ملاقات کی روداد سے یہ مخالفت اس لیے
ہے کہ مولانا کانگریس کی حمایت کو بذات خود برحق سمجھتے ہیں،
بلکہ اس لیے کہ مسٹر جناح نے ایک مرتبہ انکو "شو بوائے" کہکر
لاجواب کر دیا تھا — گویا کہ مولانا کی تمام پالیسی اور انکی ساری سیاسی
زندگی صرف مسٹر جناح کی زبان سے نکلے ہوئے ایک لفظ کا ردعمل
ہے۔ قوت ارادی اور ایمان کی کمزوری کی اس سے بدتر مثال ملنی
مشکل ہے — برنی صاحب صفحہ ۱۱۴ پر اپنے ان تاثرات کو ان
الفاظ میں پیش کرتے ہیں: —

"بلکہ میں تو یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ مولانا شاید کانگریس سے
علٰحدہ ہو جاتے۔ بلکہ شاید وہ لیگ کی تائید بھی کرنے لگتے
لیکن جناح صاحب کے ایک لفظ "شو بوائے" نے وہ کام
کیا جو بڑے سے بڑے زہریلے تیر نہیں کر سکتے"

برنی صاحب نے بظاہر مولانا کی موافقت میں ان واقعات کو بیان
کیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی نجی گفتگو کے جوابات کو شایع
کر کے انھوں نے مولانا کی شخصیت کو بڑا نقصان پہونچایا ہے۔ اور اگر
واقعی یہ مکالمات مولانا کے خیالات کی صحیح ترجمانی ہوتے ہیں تو اس
پر اس کے اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ جو شخص اب سے ۳۰۔۳۲ سال
پہلے ہندوستان میں قیام اسلام کی دعوت لے کر کھڑا ہوا تھا آج وہ
ترقی کی اس حد تک پہونچ گیا ہے کہ اپنی کل دعوت انقلاب اور
سیاسی لائحہ عمل کو مسٹر جناح کی مخالفت اور مسٹر گاندھی کی کورانہ
تقلید میں مقید کر دیا ہے۔ چنانچہ مہاتما گاندھی کا جو اثر مولانا آزاد
کی سیاسیات پر ہے اس کا ذکر برنی صاحب صفحہ ۱۴۲ پر اس طرح
کرتے ہیں: —

"غرض گاندھی جی اپنی اس صفت کی وجہ سے مولانا
آزاد کی رائے کو ہمیشہ یا تو اپنی مرضی کے مطابق بنا لیتے ہیں
اور یا اسے اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں کہ مولانا ان پر غصہ
نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ مولانا کی صحبت نے گاندھی
جی کی رائے کو اتنا متاثر نہیں کیا جتنا خود مولانا ان کی
رائے سے متاثر ہوئے ہیں"

برنی صاحب کا یہ خیال بالکل صحیح ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد
اپنی خاموش فطرت کی وجہ سے ایسا نہیں کرتے بلکہ حقیقتاً وہ
گاندھی جی کو اپنا سیاسی امام اور پیشوا سمجھتے ہیں۔ چنانچہ رامگڑھ
کا خطبہ صدارت مولانا ان الفاظ پر ختم کرتے ہیں

"آج ہماری ساری کامیابی کا دارومدار تین چیزوں
پر ہے، اتحاد، ڈسپلن، اور مہاتما گاندھی کی رہنمائی پر
اعتماد۔ یہی ایک تنہا رہنمائی ہے جس نے ہماری تحریک کا
شاندار ماضی تعمیر کیا ہے اور صرف اسی سے ہم ایک
فتحمند مستقبل کی توقع کر سکتے ہیں"

بہرحال کتاب (جو دراصل مالک پیام حق برنی صاحب کے
چند مضمون کی کتابی شکل ہے) ہر صاحب نظر کے لیے دلچسپ
اور مولانا کے معتقدین کے لیے عبرت کا ایک مرقع ہے۔

(تبصرہ ابو حمید خاں بی اے ایل ایل بی لکھنؤ)

(۲) انتخابات اور رائے دہی۔ ضخامت ۹۰ صفحے کتابی سائز۔
معمولی کتابت وطباعت قیمت ۱۰ مرتبہ مجلہ دہنیات۔ دفتر مجلس
نمائش، باغ عامہ حیدرآباد دکن۔

جامعہ عثمانیہ کے گریجویٹوں (طالبانین) نے اپنے ممبروں کے قلم سے
مقالوں کا ایک مفید سلسلہ شروع کیا ہے جس میں تاریخی معاشی ادبی
سیاسی اور اسلامی ہر قسم کے موضوع شامل ہیں۔ پیش نظر مقالہ
اس سلسلہ کی افتتاحیہ کڑی ہے۔ اس علمی خدمت پر انجمن اور
اسکے ارکان قابل مبارکباد ہیں اور دوسری یونیورسٹیوں کے لیے
قابل تقلید ہیں۔

زیر نظر کتابچہ میں سیاسیات کے ایک نازک فنی مسئلے پر مصنف
نے قلم اٹھایا ہے۔ پہلے حصہ میں، مسئلے کے نظریات سے بحث کی ہے اور
اس ضمن میں انتخابات، حق رائے دہی، سیاسی جماعتوں کی رائے دہی
کی صلاحیت، اسکے مختلف معیار، جداگانہ اور مخلوط انتخابات، رائے
دہی کے مختلف طریقے، انتخابات کی تفصیل، انتخابی مہم، پولنگ کے حالات
غرضکہ تمام ضروری چیزوں کا مختصراً ذکر کیا ہے۔ دوسرے حصہ میں
ریاست حیدرآباد کے انتخابی طریقہ کو مع اسکی تفصیل کے بیان کیا ہے، مجالس
مقامی، مجالس بلدیہ، مجالس اضلاع وغیرہ وغیرہ کا جو ذکر آگیا ہے۔ یہ
رسالہ ایک بڑی کمی کو پورا کرتا ہے۔ عوام کی سیاسی تربیت اور ان میں
صحیح واقفیت پیدا کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ
سے اسکی کوشش کی گئی ہے۔ اسکی افادیت اور زیادہ ہو جاتی اگر
زبان سلیس اور عام فہم ہوتی اور نا مانوس سیاسی اصطلاحات خاص کر
حیدرآبادی اصطلاحات مثلاً والیان سمستان کی تشریح کر دی جاتی اور ملے

اصول تکفیر وضروریات دین

نمبر (۱۳)

(از مولوی عبدالرحیم صاحب بی اے۔ فرنگی محل لکھنؤ)

ولا ینبغی ان یظن ان التکفیر ونفیہ ینبغی ان یدرک قطعاً فی کل مقام بل التکفیر حکم شرعی یرجع الی اباحۃ المال وسفک الدم والحکم بالخلود فی النار فمأخذہ کمأخذ سائر الاحکام الشرعیۃ فتارۃ یدرک بیقین وتارۃ بظن غالب وتارۃ یتردد فیہ۔ ومہما حصل تردد فالوقف فیہ عن التکفیر اولیٰ والمبادرۃ الی التکفیر انما تغلب علی طباع من یغلب علیہم الجہل الی ان قال قد فہمت من ہذہ التفریعات ان النظر فی التکفیر یتعلق بامور احدہا ان النص الشرعی الذی یعدل بہ عن الظاہر ہل یحتمل التاویل ام لا فان احتمل فہل ہو قریب ام بعید ومعرفۃ ما یقبل التاویل وما لا یقبل التاویل لیس بالہین بل لا یستقل بہ الا الماہر الحاذق فی علم اللغۃ العارف باصول اللغۃ ثم بعادۃ العرب فی الاستعمال فی استعاراتہا وتجوزاتہا ومنہاجہا فی ضرب الامثال، الثانی فی النص المتروک انہ ثبت تواتراً او آحاداً او بالاجماع المجرد فان ثبت تواتراً فہو علی شرط التواتر ام لا اذ ربما یظن المستفیض تواتراً وحد التواتر ما لا یمکن الشک فیہ کالعلم بوجود الانبیاء ووجود البلاد المشہورۃ وغیرہا وانہ متواتر فی الاعصار عصراً بعد عصر الی زمان النبوۃ فہل یتصور ان یکون قد نقص عدد التواتر فی عصر من الاعصار وشرط التواتر ان لا یحتمل ذلک کما فی القرآن اما فی غیر القرآن فیغمض مدرک ذلک جداً ولا یستقل بادراکہ الا الباحثون عن کتب التواریخ واحوال القرون الماضیۃ وکتب الاحادیث واحوال الرجال واغراضہم فی نقل المقالات اذ قد یوجد عدد التواتر فی کل عصر ولا یحصل بہ العلم اذ کان یتصور ان یکون للجمع الکثیر رابطۃ فی الاتفاق لا سیما بعد وقوع التعصب بین ارباب المذاہب الی ان قال وما یستند الی الاجماع فدرک ذلک من اغمض الاشیاء الی ان قال وقد صنف ابوبکر الفارسی رحمہ اللہ کتاباً فی مسائل الاجماع وانکر علیہ کثیر منہ وخولف فی بعض تلک المسائل فاذا من خالف الاجماع ولم یثبت عندہ فہو جاہل مخطی ولیس بمکذب فلا یمکن تکفیرہ والاستقلال بمعرفۃ التحقیق ہذا لیس بیسیر۔

عبارت مذکورہ بالا سے منجملہ دیگر امور کے جن سے اس احقر کے اکثر معروضات سابقہ کی تائید ہوتی ہے۔ یہ امر صاف ہو گیا کہ جس طرح حضرت شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ نے دلیل نص قرآنی کو "بشرط ان یکون نصاً صریحاً لا یحتمل التاویل" کی قید کے ساتھ مقید کیا تھا اُسی طرح دلیل سنت متواترہ کو بھی "بشرط ان یکون السنۃ لا یحتمل التاویل" کی قید کے ساتھ مقید ہونا چاہیئے اور یہ کہ تواتر معنوی سے جو امر ثابت ہو اسکا انکار خواہ مثل انکار تکذیب رسول نہیں (ورنہ انکار شفاعت، انکار رویت وغیرہا کی وجہ سے معتزلہ کی تکفیر لازم آتی ہے) اس لیے حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ کی عبارت میں "المتواتر لفظاً" کے ساتھ "او معنیً" غزالی کے مسلک کے لحاظ سے کچھ مناسب نہیں معلوم ہوتا، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عقلیات اور فقہیات کے سلسلہ میں تکفیر کے بجائے "تخطیہ" مناسب ہے اس لیے حضرت شاہ رحمہ اللہ کی عبارت میں مطلقاً "من العقلیات" کا اضافہ غزالی کے مسلک کے موافق نہیں، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ معاملہ مجمع علیہ ایسا نہیں کہ جیسے منکر کی تکفیر کی جائے ورنہ سب سے پہلے اجماع کو حجت قطعیہ نہ ماننے والے کی تکفیر ہونی چاہیئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ خلافت شیخین کا انکار بھی موجب تکفیر نہیں، پھر شاہ صاحب رحمہ اللہ کا تحریم بنات و امہات کے انکار اور خلافت شیخین کے انکار کو یکجا ہر کیاں سمجھکر فرمانا کہ "ولا شبہۃ ان من انکر امثال ہذہ الامور لم یصح ایمانہ بالکتاب والیقین" اسے محض انکی رائے تو قرار دیا جا سکتا ہے مگر دوسروں کے لیے وہ حجت نہیں جبکہ غزالی ایسا شخص اسکے موافق نہیں۔ اور اس معاملہ میں دوسرے محققین بھی غزالی کے ہم آواز ہیں۔ بنابریں حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مذکورہ عبارت سے ضروریات دین کا جو ضابطہ بنایا جائے (اُس صورت میں بھی کہ جب شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت مذکورہ کی وہی تشریح اور توضیح ہو جو مولف الکفاء الملحدین کے کلام سے اور انکی اتباع میں مولانا بنوری کے کلام سے مستفاد ہوتی ہے) وہ ضابطہ مسلمانوں کیلئے حجت نہیں ہو سکتا۔ ضابطہ "ضابطہ مسلمہ" نہیں بن جائیگا زیادہ سے زیادہ اسے حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی رائے قرار دیا جائے گا جس میں وہ منفرد بھی ہیں۔ بسلسلۂ تکفیر کتب فتاویٰ میں جو جزئیات موجود ہیں ان سے اسکی تائید ہو سکتی ہے مگر ان جزئیات کا حال اوپر ملا علی قاری کی عبارت سے بیان ہو چکا ہے۔

اصل یہ ہے جیسا کہ عرض کیا گیا ہے کہ ضروریات دین کا انحصار ان ہر سہ امور میں بتانا شاہ صاحب رحمۃ اللہ کا مقصد سمجھنا چاہیے (نہ یہ کہ ان ہر سہ امور کا انحصار ضروریات دین میں) ورنہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت شائبہ کذب سے خالی نہیں رہتی (العیاذ باللہ) کیونکہ شاہ صاحب رحمہ اللہ خبر دے رہے ہیں کہ ضروریات دین اُن لوگوں کے نزدیک (علماء اہل حق کے نزدیک) فلاں فلاں چیزوں میں منحصر ہیں اور بہ تشریح مولانا بنوری فلاں فلاں امور میں سے ہرایک ضروریات دین میں سے ہوتا ہے) لفظ "عندہم" سے بظاہر یہی سمجھا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ علماء کا مسلمہ مسلک بیان کر رہے ہیں۔ اور یہ ظاہر ہے کہ محققین کے کلام سے یہ بات بالکل عیاں اور واضح ہے کہ شاہ صاحب رحمہ اللہ کا بیان کردہ خیال علماء کا مسلمہ مسلک نہیں ہے۔ (باقی آئندہ) [illegible]

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

گاندھی جی اور عقیدۂ نبوت

از علامہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی

مکرم و مخدوم — السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ — صدق بھی مسلسل ادھر مل رہا ہے۔ گاندھی جی سے اپنی ملاقات کا ذکر آپ نے خوب مزہ لے کر فرمایا ہے۔ اپنے کسی عریضہ میں اسی مسئلہ کے متعلق پہلے بھی عرض کر چکا ہوں۔ آپ حضرات مزید علم رسالت کے متعلق۔ آپ سے بڑی شہادت اس کی اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو گاندھی جی "ہادی عالم" تسلیم کر چکے ہیں۔ باقی ہادی عالم کا مطلب اُنکے نزدیک کیا ہے؟ اگر وہی مطلب ہے جو ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ یعنی حق سبحانہٗ تعالیٰ سے براہ راست غیر مشکوک علم لے کر دنیا میں تقسیم کرنے والوں کو ہم رسول سمجھتے ہیں۔ اگر "ہادی" کے لفظ سے گاندھی جی کی بھی یہی مراد ہے۔ تو "عالم" کے اضافہ کے بعد "نبوت محمدیہ" کی چند اہم خصوصیتوں میں سے جو سب سے بڑی اہم خصوصیت ہے۔ گاندھی جی اس خصوصیت کو بھی گویا تسلیم کر چکے ہیں۔ بلکہ بڑے بڑے دعووں کے باوجود نبوت کے دعوے کا اعلان گاندھی جی کی طرف سے اب تک جو نہیں ہوا ہے، اسکو دیکھ کر مجھے اکثر خیال آتا ہے کہ تشریعی طور پر نہ سہی شاید تکوینی طور پر انکو بھی محسوس ہوا ہے کہ "دعوے نبوت" کا وقت اب باقی نہیں رہا ہے۔ دوسرے الفاظ میں کہا جاسکتا ہے کہ اپنے طرز عمل سے نبوت محمدیہ کی دوسری خصوصیت یعنی "ختم نبوت" سے بھی انکا انکار نہیں پایا جاتا۔ مگر با ایں ہمہ مطلب صرف یہ ہے کہ عالم کے ہادی کی ہدایت کا رخ گاندھی جی خود اپنی طرف اور اپنی قوم کی طرف کیوں نہیں سمجھتے۔ یقیناً عالم میں گاندھی جی اور انکی قوم بھی داخل ہے۔ آن لوگوں کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق احترام، تعظیم، مدح، توصیف کے الفاظ لکھا کرتے ہیں۔ لیکن اسی کے ساتھ خود اپنے لیے اس "نبوت عالمیہ شاملہ" پر ایمان لانا ضروری نہیں سمجھتے۔ ان کی تعریفی و تعظیمی الفاظ کی کوئی توجیہ ایسی صورت میں سمجھ میں نہیں آتی۔ کیونکہ آدم کی اولاد میں شریک ہونے کے بعد گزشتہ تیرہ صدیوں میں نجات کا واحد راستہ نبی العالم کی نبوت پر ایمان لانا اگر وہ ضروری نہیں قرار دیتے تو اسکے معنی یہی ہوئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر دعادی میں (یعنی) میں کافۃ الناس کے لیے رسول ہوں، یا ایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (لوگو، میں تم سب کی طرف رسول ہوں) وغیرہ میں ایک غیر واقعی امر کا مدعی سمجھا جائے، یا صاف لفظوں میں کہنا چاہیے کہ آپ کی صداقت کو مشتبہ قرار دینا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ غلط بیانی یا دروغ گوئی کا الزام جس پر لگایا جائے۔ اور جھوٹ ہی کیا؟ خالق کائنات پر افترا۔ حضرت تو سارے جہاں، اور ہر فرد انسان کے لیے آپ کو نبی نہیں بنایا تھا لیکن اسی خدا کی طرف آنحضرت کا یہ منسوب کرنا کہ اسی نے سارے عالم کا آخری پیغمبر مجھے بھیجا ہے بتایا جائے کہ جھوٹ کی اس سے بھی زیادہ مکروہ ترین صورت اور کیا ہو سکتی ہے بس یہی سمجھ میں نہیں آتا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت عامہ کے دعوی کی تکذیب کرنے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کی گنجائش اپنے قلب میں کس طرح پیدا کر لیتے ہیں مجھے انکا یہی طرز عمل یہ یاد کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ زبان و قلم سے یہ جو کچھ کہتے ہیں صرف زبان و قلم سے کہتے ہیں۔ دل بھی انکا اس بیان میں زبان و قلم کا ہمنوا ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چاہیے تھا کہ وہ بھی اسی طرح اپنا محبوب پیغمبر مان لیتے۔

اسی قسم کا ایک طبقہ مشائخ چشتیہ* پایا گیا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی تو مانتا رہا ہے۔ لیکن اپنا نبی نہیں مانتا۔ ابن صیاد جسکے متعلق بعضوں کا خیال ہے کہ "المسیح الدجال" کی کوئی مثالی شکل تھی، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ دریافت فرمانے پر کہ میں کون ہوں اس نے جواب میں یہی کہا تھا کہ

انک لرسول الامیین — تم امیین (ام القری والے عربوں) کے پیغمبر ہو۔

تاہم کچھ ہو، اصل مسئلہ جس نے محمد کی جماعت کو دوسری جماعتوں سے الگ کیا ہے، وہ خالق اور مخلوقات کی عبادت کا مسئلہ ہے۔ ہم محمد والے خالق کے سوا مخلوق کی عبادت کو شرک یقین کرتے ہیں، وہی دل جسکے خیالوں سے عبادت کبھی ہرگز نہیں کر سکتی۔ دوسرے الفاظ میں گویا مخلوقات کے صرف خالق ہی کے لیے اپنے آپ کو سمجھنا محمدی پیغام کی روح

سے حل نہیں، یہی تو اصلی فرق ہے۔ اور اگر گاندھی جی وہی سمجھنے لگیں جو ہم آپ سمجھتے ہیں، تو پھر وہ مسلمان ہی نہ ہو جائیں۔

انکے اصلی انکار کی چیز یہی مسئلہ وحی ہے۔ وہ وحی کے اس معنی میں قائل ہی نہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے براہ راست اور غیر مشکوک قطعی علم ہے۔ بلکہ وہ وحی کے صرف اس حد تک قائل ہیں، جیسے ہم آپ بزرگوں کے کشف یا زیادہ سے زیادہ الہام کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ہر انسان بلا استثناء ناقص ہے۔ اور جب ناقص ہے، تو اسکا کوئی بھی علم بالکل قطعی و غیر مشکوک نہیں ہو سکتا۔ بس ریاضتوں اور روحانی مشقوں سے اتنا ہوتا ہے کہ انسانیت میں ایک جلا پیدا ہو جاتی ہے، اور انسان کی اشرفیت نمو پاتی ہے۔ انکے آگے کوئی مرتبہ نہیں —— گویا پیمبر انکے خیال میں بس وہ مرتبہ رکھتا ہے، جیسے ہمارے خیال میں شیخ سعدی یا حافظ یا مولانا روم

---

* خواجہ اجمیری۔ ایک صاحب اخلاق "مرتاض" بزرگ۔ لیکن نہ ایسے کہ جنکا ہر ہر لفظ ہمارے لیے سند و حجت ہو۔

وحی رسالت کے تخیل اور ما ینطق عن الہوی ان ہو الا وحی یوحی کے عقیدہ سے یہ لوگ محروم ہیں۔ اور اصل یہ ہے کہ چونکہ توحید ہی انکی ناقص قسم کی ہے، اس لیے یہ گمراہی دور سے چلتی ہے۔ یعنی صفات الٰہیہ کے فہم ناقص سے۔

شرک محض اور الحاد و جحود سے اتنا عقیدہ بھی بہت غنیمت اور ہزار درجہ بہتر ہے، لیکن وہ توحید و رسالت ہمارے معنی میں کہاں نصیب! (عبد الماجد)

اور گاندھی جی آپ کے سامنے اس توحید کا اقرار کر چکے ہیں۔ لیکن کچھ سمجھ
نہیں آتا کہ باوجود اس اقرار کے، انکے دل میں اسی خالق کی مرضیات سے
واقف ہونے کا جذبہ کیوں نہیں ابھرا جسکے لیے اب آپ اپنی زندگی
اور موت کو منتقل کرنا چاہتے ہیں۔ ہم خالق ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں
تو یہ بے معنی الفاظ تو نہیں ہیں۔ جسکے لیے ہم پیدا کیے گئے ہیں اس سے
بے پروا ہو کر دریافت کرنا کہ ہم کیا کریں، کیا ضروری نہیں ہو جاتا۔ خود اپنی عقل
سے باتوں کا پتہ چلانا، اور انکو خدا کی طرف منسوب کر دینا، یعنی کہہ دینا
کہ خدا ان باتوں سے خوش ہوتا ہے یا ان سے ناخوش ہوتا ہے، خدا پر کتنا بڑا
افترا اور شانِ الٰہی کے ساتھ کتنی بڑی گستاخی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر
جسارت یہ ہے کہ قطعی طور پر جن چیزوں کے متعلق معلوم ہو چکا ہے کہ خدا کی
خاص مرضیات کی ٹھیک ٹھیک تعبیر کرتیں یہ بالکل غلط ہے، اُن مذہبی کتابوں
کی طرف منسوب کرنے والے جنھیں خدا کی طرف منسوب کر رہے ہیں۔
کو تورات و انجیل وغیرہ۔ کیا خود یہ منسوب کرنے والے نہیں جانتے کہ
ان کتابوں کی ہر بات کو خدا کی طرف منسوب کرنا، خدا پر افترا ہے۔ کیونکہ
وہ قطعاً جانتے ہیں کہ ان کتابوں کی بہت سی باتیں خدا کی نہیں بلکہ ان
لوگوں کی ہیں جنھوں نے خدا کے کلام کو اپنے کلام کے ساتھ خلط ملط کر دیا ہے۔
اور ناقابلِ انکار قطعی یقین کے بعد، ان ہی کتابوں کو یا ان کتابوں کی باتوں
کو خدا ہی کی طرف منسوب کرنا، اور انکو خدا کی مرضیات کی ظاہر کرنے والی
کتابیں قرار دیتے ہوئے اس کتاب سے تغافل اختیار کرنا جسکے متعلق یہ بھی
نہیں کہ جو اسے خدا کی کتاب مانتے ہیں۔ بلکہ جن لوگوں کو ابھی اس میں تردد
ہے کہ کہاں تک وہ یعنی اب اعتراف پر مجبور ہیں، کہ پیش کرنے والے
نے دنیا کے سامنے جس حال میں، اس کتاب کو پیش کیا تھا، قطعاً بغیر کسی
ردوبدل و ادنیٰ تفاوت، بعینہٖ آج دنیا میں وہ موجود ہے میرا اشارہ
"ذٰلک الکتاب لا ریب فیہ"
کی خصوصیت رکھنے والی کتاب قرآن مجید کی طرف ہے۔ گاندھی کی شہادت
کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادیٔ عالم ہیں اگر دل کی شہادت ہے۔
تو پھر کون سی چیز انکو روک رہی ہے کہ جس خالق کے لیے اپنے آپ کو وہ
سمجھتے ہیں۔ اسکی خالص مرضیات کا علم اسی ہادی کی کتاب سے حاصل
کریں، خود اپنی عقل کی تراشی ہوئی باتوں کو وہ خدا کی بات آخر کب تک
قرار دیتے رہیں گے۔ جن باتوں میں خدائی باتوں کے ساتھ باتیں شریک ہو گئی
ہیں۔ انہی کو خدائی باتیں وہ کب تک یقین کرتے رہیں گے۔ انکا اصرار
بیجا اصرار ہوگا۔ … کہ خدا کی … باتوں کو نہ مانیں گے۔ جو انکے نسلی
بزرگوں کی … سے پہنچی ہیں۔ … میں بھی کامیاب ہونے کی تدبیر یہی
ہو سکتی ہے کہ ساری نسلوں کو مختلف زبانوں اور مختلف ملکوں میں ہادیوں،
اور … کے ذریعے جو کچھ دیا گیا تھا، ہر قسم کی غیر خدائی آلائشوں سے
پاک کر کے، ان باتوں کو خود خالق تعالیٰ نے اپنی جس آخری کتاب میں جمع کر
کے پیش کر دی ہیں اسی کتاب کو وہ مان لیں۔ گاندھی جی کو انکے نسلی بزرگوں کی
ساری باتیں بالکل تر و تازہ حالت میں بھی قرآن واپس کر دیگا، اس طرح واپس
لوٹا دیگا، جیسے عیسائیوں کو حضرت عیسیٰ کی تعلیم اور یہودیوں کو حضرت موسیٰ کی
تعلیم اسی کتاب کی راہ سے واپس مل چکی ہے۔

مذہب کے دینی و ازلی حقائق میں جو مذہب کے غلط نمائندوں نے
انسانوں کی ہی اوہام کی تاریکیاں پھیلا کر انکو مشتبہ کر دیا ہے۔ قرآن ان ساری
تاریکیوں کو چھانٹ کر ان ہی حقائق کو انسانی یقین کے سامنے [illegible]
کرتا ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ بجائے یقین کے شک کی شکلوں میں ان
حقائق کے ماننے پر لوگ کیوں اصرار کر رہے ہیں۔ حقائق ہی جب کہ اگر
آپ کا شک یقین کے قالب میں ڈھل جاتا ہے، تو اس یقین کے
لینے سے گریز کی آخر وجہ ہی کیا ہو سکتی ہے؟ ان ہی باتوں کو جنھیں کل
سے الگ … شک کی شکلوں میں اب مان رہے ہیں، کیوں نہیں مانا جا
سکتا کہ ان ہی کے ساتھ یقین کا تعلق اب پیدا کر لیتے ہیں۔

بقیہ صفحہ ۲

اور ان کے بجائے صرف بھرتی عورتوں کے لیے ایک الگ اور مخصوص جیل
بنایا جائیگا۔" (سٹیٹسمین، ہیرالڈ ۔ ۱۲ مئی)
گو یہ عجیب مایوس کن اور افسردگی انگیز سی خبر ہے! کانگریسی حکومت کے
آجانے سے توقع تو مزید ترقیوں ہی کی قائم ہو رہی تھی، اور خیال یہ ہو رہا تھا کہ "روشن
خیالی" "زن و مرد" کی تفریق ہی سرے سے مٹا کر ایک ہی جیل مردوں عورتوں
دونوں کے لیے کافی سمجھیگی، اور دلائل اس قسم کے پیش ہونگے کہ بحیثیت مجرم
عورت و مرد میں فرق ہی کیا؟ اور جب کمائی کے تجربے دفتروں اور کچہریوں میں
ہو چکے، اسکولوں اور کالجوں میں ہو چکے تو پھر جیل میں علیحدگی کے معنی کیا؟
لیکن یہ کیا، کہ یہاں تو الٹی گنگا بہنے لگی، اور رجعت پسندی کا ستارہ چمکنے لگا!

بقیہ صفحہ ۶

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی مؤلف … المعتقدین نے اسکی جو تشریح کی ہے اسکی
تشریح کی ہے انکے نقل کے بعد مولانا بنوری ارشاد فرماتے ہیں "اس تشریح سے
ضروریات دین کی حقیقت واضح ہو گئی۔ بات تو بہت لمبی ہو گئی لیکن توقع ہے کہ طالب حق
کے لیے نوعیت کا رد ثابت ہو گئی" بشرطیکہ مولانا بنوری نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے
طالب حق صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے، اسکے ساتھ جو کچھ میں نے عرض کیا ہے اسے
بھی پیش نظر رکھے۔ اب تک ضروریات دین کی حقیقت نہ سمجھی تو بنا ہے، بظاہر تو یہی
معلوم ہوتا ہے کہ بقول صاحب قول فیصل (جنکا فیصلہ صدق نمبر ۲ جلد ۱۱ میں
شائع ہو چکا ہے۔ مولانا بنوری "قطعیات" اور "ضروریات دین" ان دونوں میں
مساوات کے قائل ہیں حالانکہ واقعہ یہ نہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قطعی
کا ضروریات دین میں سے ہونا ضروری نہیں ہے خصوصاً جب یہ بھی مسلّم ہو کہ ضروریات
دین میں تاویل بھی مانع تکفیر نہیں۔ شاید مولانا بنوری نے ضروریات دین
اور لوازم دین کو مفہوماً متحد سمجھ لیا ہے اگر ایسا ہے تو یہ "ضروریات" کا بحث
نہیں، ضروریات دین کی حقیقت سے اگر کچھ نقاب اٹھتا ہے تو فیصل التفرقہ
بین الاسلام والزندقہ للغزالی کے ذریعہ نہ کہ مولانا بنوری کے بیان کیے
ہوئے "بے ضابطہ" ضابطے۔

دیگر شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھاپ کر اسکے دفتر "صدق"
گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:—
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ آٹھ روپیہ
" ششماہی " چار "
بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۱۶ | یوم شنبہ ۔ ۲۱ رجب المرجب ۱۳۶۵ھ مطابق ۲۲ ۔ جون ۱۹۴۶ء | جلد ۱۲

سچی باتیں

"ادھر کئی سال سے سلطان کی صحت بگڑ گئی تھی ۔ جہاد کی پرمحن زندگی سے آرام و سکون کا موقع نہ ملتا تھا ۔ بیماری کی وجہ سے رمضان کے بہت سے روزے قضا ہوگئے تھے ۔ دمشق آنے کے بعد انکو پورا کرنا شروع کیا ۔ روزے مزاج کے موافق نہ پڑتے تھے ۔ اس لیے طبیب نے روکا کہ صحت پر برا اثر پڑیگا ۔ سلطان نے جواب دیا معلوم نہیں آیندہ کیا پیش آئے اور کل روزے پورے کیے ۔ اس سے صحت اور بگڑ گئی ، اور وسط صفر ۵۸۹ھ میں پھر بیمار پڑگیا ۔ علالت معمولی بخار سے شروع ہوئی ، اور بہت جلد مرض الموت کی شکل اختیار کرلی ۔ وفات سے تین دن پہلے غشی طاری ہوگئی ، جو آخر تک قائم رہی ۔ عالم احتضار میں شیخ ابو جعفر نے قرآن کی تلاوت شروع کی ۔ جب اس آیت ھو اللہ الذی لا الٰہ الا ھو عالم الغیب والشھادۃ پر پہنچے تو سلطان نے آنکھ کھول دی ۔ زبان سے نکلا "سچ ہے" لبوں پر تبسم اور چہرہ پر بشاشت طاری ہوئی ۔ اور پھر ہمیشہ کے لیے آنکھ بند کرلی ۔ یہ صفر کی ۲۷ تاریخ ، دوشنبہ کا دن اور فجر کا وقت تھا"! (خلافت عباسیہ ۔ جلد ۲ ۔ صفحہ ۲۳۹-۲۴۰)

فرمایئے ، یہ موت کچھ لذیذ اور قابل رشک سی معلوم ہوئی یا نہیں ؟ معلوم ہوئی ہو ، تو صرف اتنا اور سوچ لیجیے کہ یہ انجام ، خیر کس کا ہوا ؟ کسی صحابی کا ؟ کسی ولی کا ؟ ائمہ فقہ میں سے کسی کا ؟ مشائخ طریق میں سے کسی کا ؟ دوسری یا تیسری صدی کے کسی نامور محدث کا ؟ مفسر کا ؟ جی نہیں ، ایک بادشاہ کا ، اور بظاہر بالکل دنیا دار بادشاہ کا ! اور وہ بھی چھٹی صدی ہجری کے دنیوی بادشاہ کا ، جسکا اصلی سرمایہ دین کی غیرت و حمیت تھا !— اللہ کی رحمتیں اور نوازشیں ، اور اللہ کے اس قرب ، آپ اب بھی کہیے گے کہ کسی خاص طبقہ کے ساتھ مخصوص و محدود ، اور کسی خاص لیبل کا پابند و محکوم ہے ؟ —— امت کے لوگ مسلمین کی جو اختتیں جب فیشن میں داخل ہوچکی ہو ، اور انکی تفضیح و رسوائی کی ہوا جب عام ہوچکی ہو ، تو کیا مضائقہ ہے ، اگر کبھی کبھی کسی کی دعائے مغفرت کے لیے بھی ہاتھ اٹھ جایا کریں ؟

شراب نوشی میں ترقی

ہمارے صوبہ یوپی میں پارسال شراب اور دوسری نشہ آور چیزوں کی بکری ۳۱ مارچ ۱۹۴۵ء کو ختم ہونے والے سال میں ۱،۵۲،۹۶،۲۲۴ روپیہ کی ہوئی تھی ۔ اگلے سال ۳۱ مارچ ۱۹۴۶ء کو ختم ہونے والے سال میں ۱،۶۰،۲۱،۲۰۱ روپیہ کی ہوگئی

یعنی اس سال ترقی دو کروڑ ۱۲،۳۳،۱۷۷ کی ہی !! (لیڈر، ۲۰ رجون ۱۹۴۶ء) اور یہ صوبہ افلاس زدہ ہے قحط کے کنارے پر ہے ، ننگا اور بھوکا ہے !—— صرف ۱۲ مہینہ کی مدت میں پچھلے سال ایک کروڑ ۵۳ لاکھ کی شرابیں پی ڈالی تھیں ، اور اگلی ایک کروڑ ۶۰ لاکھ سے زائد کی !—— اور پھر شکوہ اپنے سے نہیں ، اپنی تقدیر سے ہے !

خدا کی خدائی

" ۳۰ ۔ اپریل ۱۹۴۶ء کو مقام چگان (؟ ، مگستان) میں کوئلہ کی کان کے قریب لوگ بیری ناسے ۶۰ سال کی عمر کا ایک

کہ اس قسم کے مقالات و مضامین ان احتیاطوں کی امید نہ کرنی چاہیے جو قانونی اور فقہی مسائل کی تعبیر میں برتی جاتی ہیں۔ گویا اپنی ان تعبیروں کو انھوں نے ایک قسم کی خطابی تعبیر قرار دیا۔ اور گو پچھلے دنوں سے مولانا کے مقالات و افادات میں اب وہ بے اعتدالیاں کم پائی جاتی ہیں جو پہلے ہوتی تھیں۔ لیکن ان کے اتباع کا قلم اب بھی بے لگام ہو جاتا ہے۔ تاہم اس سلسلہ میں مجھے امید ہے کہ بجائے آگے بڑھنے کے نوجوان بزرگوں کو بالآخر اعتدال کے نقطہ تک کھینچ کر لے ہی آئیگا۔ اپنے نقطۂ نظر میں یہ غلط ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ حالت انکو فترت کے زمانہ کے لوگوں کے مشابہ نظر آتی ہے۔ اللہ کو بھی مان رہے ہیں، رسول کو بھی مان رہے ہیں، اللہ کی کتابوں کو بھی مان رہے ہیں، ملائکہ کو بھی مان رہے ہیں، خدا کے غیر فرشتہ ہونے کو بھی سمجھتے ہیں، مرنے کے بعد جی اٹھنے کو بھی اپنے ایمان کا لازوال جزو بنائے ہوئے ہیں، انکی ایک بڑی تعداد نمازوں کی بھی پابند ہے، اکثریت انکی روزے بھی رکھتی ہے۔ حج کا فرض بھی ادا کرنے والے اور کرنے والے ادا کر رہے ہیں، زکوٰۃ و صدقات کی نیکیوں میں بھی مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ ہے، قرآن کی تلاوت کو مسلمانوں کی اکثریت نے اب تک نہیں چھوڑا ہے، بلکہ ہر ملک اور ہر صوبہ ہر ضلع بلکہ شاید ہر آبادی میں اس وقت بھی کثیر تعداد ان لوگوں کی مل سکتی ہے جنکے سینوں میں پورا قرآن محفوظ ہے۔ الغرض بزرگوں کے ساتھ جیسا کہ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے اچھوں کی بھی ایک اچھی خاصی تعداد مسلمانوں کی اس وقت بھی دنیا میں موجود ہے۔

پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ مسلمانوں کے ہاتھوں جب عثمان رضی اللہ تعالیٰ کا مقدس خون قرآنی حروف پر بہایا گیا، جب حرہ کے واقعہ میں مسلمانوں ہی نے اپنے پیغمبر کے مدینہ کو لوٹا کھسوٹا، صحابیوں کو صحابیوں کی اولاد کو انتہائی بے دردیوں سے قتل کیا، اور جو باتیں کہی نہیں جا سکتیں انکا ارتکاب پیغمبر کے اس شہر میں مسلمانوں ہی نے کیا، اللہ کا گھر جلایا گیا، کعبہ کی بے حرمتی کی گئی، اور اسی لیے جسے کعبہ سے بھی زیادہ اسلام میں جسکا احترام تسلیم کیا گیا ہے، یعنی مسلمانوں کی گردنیں اسی کعبہ کے جلانے والے کے ہاتھ کی تعداد میں دی، اسلام کے رسول کا گھرانا دشت کربلا میں مسلمانوں ہی کے ہاتھوں کرب و بلا میں جب مبتلا ہوا، اور کیسا کرب؟ کیسی بلا کیسی ابتلاء۔ اور یہ تو موٹے موٹے تاریخ اسلام کے وہ واقعات ہیں، جنکے دہرانے کی ہمت مجھے اس لیے ہوئی کہ میرے دہرائے بغیر بھی لوگ ان سے واقف ہیں۔ لیکن جن چیزوں کا ذکر مسلمانوں کے ہولی کا ذکر بالاسرع جائیگا۔ جو ان سے واقف ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ جن عام بدعملیوں کی شکایت آج مسلمانوں کی کی جا رہی ہے بمشکل ہی سے کوئی ایسی صدی نکل سکتی ہے جس میں ان بدعملیوں کا ارتکاب کرنے والے مسلمانوں میں نہیں پائے جاتے تھے۔ بنی امیہ والوں کا دمشق ہو یا غرناطہ و قرطبہ، اور عباسیوں کا بغداد ہو یا شیراز، مصر ہو یا ہندوستان، کسی ملک کے صرف بدنام سلاطین ہی نہیں بلکہ خوش نام عوام میں بھی وہ ساری آلودگیاں آپ کو نظر آئیں گی جنھیں آج مسلمانوں میں آپ دیکھ رہے ہیں۔ نہ کبھی پہلے اچھوں ہی اچھوں سے دنیا معمور تھی، اور نہ آج بروں ہی بروں سے دنیا بھر گئی ہے۔ کچھ اچھے کچھ برے پہلے بھی تھے اور آج بھی اسی قانون کا گذر رہے ہوئے لوگوں کی یہ کوئی ہو گی ورنہ شہر پیغمبر اور اقنا بذریع

جنگ کی چھینٹا ہو سکتی ہے، یہی حال ہے۔

میری غرض یہ نہیں ہے کہ اس تاریخی تجزیہ کو پیش کر کے میں ان کی شکایت سے لوگوں کو میں روکنا چاہتا ہوں۔ اور نہ یہ مقصود ہے کہ الیاذ باللہ جن مسلمانوں نے پیغمبر کے شہر کو لوٹا، پیغمبر کے خاندان کو خاک و خون برباد کیا، مسلمانوں کا قتل عام کیا، انکو سراہنا چاہتا ہوں۔ بلکہ کہنا یہ ہے اور صرف یہی ہے کہ فترت کے زمانہ سے تشبیہ دینے کے لیے آخر مسلمانوں کے اس عہد کو کیوں مخصوص فرمایا جا رہا ہے، جس میں یہ واقعہ ہے کہ کسی نے رسول کے نواسے کے خون سے اپنے ہاتھوں کو رنگین نہیں کیا ہے، نہ نیا انور سول کے مخدرات عبا پوش و عصمتیاں بلکہ تیغ عنایت کے ناموس پر دست درازی کی ہے۔

زیادہ سے زیادہ ان پچھلے دنوں اور آج جو دن گزر رہے ہیں ان دونوں میں کچھ فرق اگر پیدا ہوا ہے، تو یہی پیدا ہوا ہے کہ سیاسی اقتدار مسلمانوں کا ان دنوں عالم پر جو قائم تھا، اس عالمی اقتدار رکھنے والی سیاسی خصوصیت سے وہ محروم ہو گئے ہیں۔ لیکن ایام فترت کی تعریف میں سیاسی اقتدار کے وجود و عدم کا سوال میں تو نہیں جانتا کہ کسی زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔ چونکہ سیاسی اقتدار سے محروم ہو گئے تھے اس لیے فترت والوں کو فترت کی حالت میں بتایا گیا تھا۔ میں اس قسم سے قطعاً ناواقف ہوں۔ پھر موجودہ مسلمانوں کے حال کو فترت والوں کے مشابہ جو قرار دیا جا رہا ہے، بتایا جائے کہ آخر اسکی وجہ کیا ہے؟ سیاسی نقطۂ نظر سے بھی دیکھیے تو اس میں شک نہیں کہ مسلمانوں کو عالمی اقتدار کا جو مقام حاصل تھا، اس مقام سے وہ نیچے گر گئے ہیں، لیکن باوجود اسکے عالم پر نہ سہی، عالم کے مختلف حصوں پر انکا سیاسی اقتدار مختلف نوعیتوں سے قائم ہے۔ کہیں وہ مطلقاً آزاد سیاسی اقتدار رکھتے ہیں، کہیں سیاسی اقتدار رکھنے والوں نے اپنے اقتدار کو باقی رکھنے کے لیے انکو اس علاقہ کا سیاسی اقتدار سپرد کر دیا ہے، لیکن انکی حالت یہ ہے کہ کسی قسم کا کوئی سیاسی اقتدار اس علاقہ میں مسلمانوں سے قطع نظر کر کے قائم نہیں کیا جا سکتا، گو یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ایسے مسلمان بھی ہوں جنھیں اقتدار کی مذکورہ بالا قسموں میں سے کسی قسم کا کوئی اقتدار حاصل نہ ہو۔ لیکن ان مسلمانوں کی حالت کو بھی فترت کی حالت سے تشبیہ دینے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے بعد تیرہ سال تک بغیر کسی قسم کے سیاسی اقتدار کے مکہ معظمہ میں مسلمان جن دنوں تک رہے، تو کیا وہ اپنے پیغمبر کے ساتھ فترت کی حالت میں مبتلا تھے، یا نبوت محمدیہ پر ابتداءً ہی ایمان لانے والوں کا جو گروہ ہجرت کے برسوں بعد اس علاقہ میں جا کر جو رہ گیا تھا، جہاں عیسائیوں کا سیاسی اقتدار قائم تھا، یعنی حبشہ۔ اور اسی حال میں ایک بڑی تعداد اسی ملک میں وفات پا گئی، تو کیا وہ بیچارے "ایام فترت" یا "ایام جاہلیت" کی طرف اسلام لانے کے بعد واپس ہو گئے تھے۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ بیرون عرب جہاں رومیوں اور ایرانیوں کی حکومت قائم تھی۔ کچھ لوگ پیغمبر کے ہاتھ پر اسلام لائے اور اسلام لانے کے بعد پھر انھیں رومیوں اور ایرانیوں کے علاقوں میں واپس ہو جانے کا

[...] ہوئے، وہ فرعونیت کی حالت کی طرف لوٹ گئے۔ وفد عبد القیس جو [...] سے آیا تھا۔ انکے حالات پوچھے، نیز رومی حکومت انکی بعض [...] مسلمان ہونے کے بعد اپنے اپنے اوطان کی طرف جو لوٹ گئی تھی لکھا ہے اور سوچیے، کہ عہد حاضر کے مسلمان نزعت کی حالت میں آپ کو جو نظر آتے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کا یاد دیکھیے، وہاں کی نظر کا تصور ہے۔ بہر حال مجھے مولانا مودودی اور انکے اتباع سے گلہ کچھ اگر رہا ہے وہ اسوقت تک ہے، وہ مسلمانوں کے متعلق ان حضرات کا یہی خالصۃ تشدد الطریق ہے۔ ورنہ سچ یہ ہے کہ مولانا مودودی میں "اسلامی حقائق" خصوصًا جنکا اجتماعیات اور سیاسیات سے تعلق ہے، انکی تعبیر و تحبیر کی جو غیر معمولی قدرتی صلاحیت ہے، اسکو دیکھ کر ہمیشہ اسی آرزو نے دل میں سر اٹھایا کہ کاش! مولانا کا شہپر قلم کفر کے مقابلہ میں غزاہ جہاد کے لیے آمادہ ہو جاتا۔ مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت سے نکال کر پھر انکو مسلمانوں کی جماعت میں شریک کرنے کی کوشش انکی طرف سے اور انکے متبعین کی طرف سے جو ہو رہی ہے) میں نے ایک دفعہ نہیں بار بار مولانا سے نجی مراسلات میں عرض کیا کہ غیر مسلموں کو مسلمانوں میں لانے کی طرف اگر آپ توجہ کریں گے، تو کامیابی کی مجھے زیادہ توقع ہے۔ تازہ دم مسلمانوں کی تازہ ایمانی حرارتوں سے اسکی بھی امید ہو سکتی ہے کہ افسردہ دل ٹھنڈے مسلمانوں کے قلوب بھی گرما جائیں۔ لیکن مولانا کے آستانہ عالی تک فقیر کی صدا رسائی نہ حاصل کر سکی۔ اگرچہ ترجمان القرآن کی بعض اشاعتوں میں خیال آتا ہے کہ مولانا نے خود اعتراف فرمایا ہے کہ غیر مسلموں پر انکی تحریروں کا اثر تعجب انگیز طور پر پڑ رہا ہے، جب انکی طرف مخاطب نہیں ہے، اسوقت تاثیر کے متعلق خود مولانا کو جب ایسے تجربات حاصل ہو رہے ہیں تو براہ راست مخاطب بنا لینے کے بعد یقینًا شاندار نتائج کی توقع قائم کی جا سکتی ہے۔ مولانا مودودی ایک خداداد سلیقہ سے سرفراز ہیں۔ اس قسم کے مسائل میں انکی نظر محیط اور ہمہ گیر واقع ہوئی ہے۔ بحث کا مشکل ہی سے کوئی ایسا پہلو باقی رہ جاتا ہے، جسے انکے قلم نے تشنہ چھوڑ دیا ہو۔ طرز ادا دلنشیں، طریقۂ تعبیر دل آویز، اسی کے ساتھ انکی فطرت کی بلندی کی شہادت تو مصدق ہیں کہ ذریعہ سے متعدد بار ادا کر چکا ہوں۔ خود خاکسار نے مولانا عبد الباری کی رفاقت میں مولانا سے جامعہ عثمانیہ کی پروفیسری کی طرف طلبہ کے فائدے کی غرض سے ایک دفعہ نہیں بار بار توجہ دلائی، لیکن جس وقت انکے حالی دماغ "تقریبًا میعز" کی حیثیت رکھتے تھے، انتہائی خندہ جبین کے ساتھ مولانا نے ہم لوگوں کے مشورے کو مسترد فرما دیا۔ خناسے قلب کے مقام رفیع پر جو اپنے قدم استوار کر چکا ہو، اور ذہنی و دماغی، تحریری و انشائی حیثیت سے ان خداداد خصوصیتوں کا ایک مجموعہ جیسے مالک مولانا مودودی خدا کی طرف سے بنائے گئے ہیں، اندازہ کرنا چاہیے کہ صحیح استعمال اگر انکا لیا جاتا یا اب بھی اگر لیا جائے تو کیسے کیسے نتائج نہیں برآمد ہو سکتے ہیں۔ لیکن ہم مسلمانوں کی یہ بھی بدقسمتی ہے کہ جو دوسروں کو مسلمانوں میں لانے کے لیے پیدا کیا گیا تھا وہ الٹ گیا، اور مسلمانوں کو مسلمانوں کی جماعت نکالنے پر اپنا سارا زور صرف کر رہا ہے، اور نکالنے کے بعد پھر ان مسلمانوں کو مسلمانوں میں داخل کیا جا رہا ہے انکے لیے اصل الفاظ الٰہی سے مجرد کر کے اردو کا ایک قرآن تیار کیا جا رہا ہے۔ اور وہ قرآن نہیں جسے خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے عطا کیا تھا، بلکہ اس قرآن سے مولانا مودودی کا مقصد قرآن بزبان اردو جو تیار کیا جا رہا ہے، اسی کو مروج کرنے کی جیسا کہ معلوم ہوتا ہے کوشش انکے سامنے ہی مولانا مودودی کا مستقل ترجمہ و تفہیم یہی کا مقصود قرآن جسکا نام انہوں نے

"ترجمان القرآن"

رکھا ہے، جب خدا کے الفاظ سے محروم ہو کر مولانا مودودی کے الفاظ میں رسالۂ ترجمان القرآن میں پہلی دفعہ شائع ہوا، تو خاکسار نے اسی وقت مولانا کو لکھا، اور جن خطرات کے احساس نے مسلمانوں کو تیرہ سو سال سے اس طریقۂ کار کے اختیار کرنے سے روکے رکھا، انکی طرف توجہ دلائی۔ جواب میں مولانا نے اسوقت خاکسار کو یاد دلایا تھا کہ اس مسئلہ میں بالکلیہ میں مسلمانوں کے عام متوارث طریقۂ کار ہی کا پابند ہوں۔ بطور نمونہ کے چند اجزاء اسوقت "ترجمان القرآن" میں شایع کیے جا رہے ہیں۔ لوگوں نے اگر پسند کیا، تو پھر اصل الٰہی الفاظ کے ساتھ اس ترجمہ کو شائع کیا جائیگا۔ لیکن نمونہ نمونہ باقی نہ رہا۔ نصف سے زیادہ مولانا مودودی کے الفاظ والا قرآن رسالہ ترجمان القرآن کا جزو بنکر شایع ہو رہا ہے۔ اور کیا تعجب ہے کہ مولانا کے ماننے والوں نے بجائے خدائی الفاظ کے مودودی صاحب کے الفاظ والے قرآن ہی کو زیادہ مفید خیال کر کے اسی کی تلاوت شروع کر دی ہو۔

(باقی آئندہ)

بقیہ صفحہ ۲

ایک انگریز کا مراسلہ:-

"[illegible] میں جب میں سیلون میں تھا، میں نے مشہور و معروف [illegible] آدم کی قبر کو دیکھا تھا۔ دس گز لمبی قبر تھی، اور اس پر زیارت گاہ کی طرح جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں"۔

اس بیان کو پڑھ کر یاد پڑ گیا کہ ہندوستان میں بھی (کم از کم صوبہ اودھ تو یقینًا) بڑی لمبی لمبی قبریں مسلمان پیروں کی جانب منسوب ہیں۔ "نو گزے پیر" کہلاتے ہیں، اور انکی قبروں کا طول تو نو گز بیان کیا جاتا ہے! — عجب نہیں کہ یہ بلا بھی بہت سی دوسری بلاؤں کی طرح مشرک و جاہل قوموں کی دیکھا دیکھی ہمارے ہاں آ گھسی ہو۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

... اقبال منزل (آگرہ) حسن ظن کا شکریہ۔ لیکن صدق کا دائرہ محض سیاسیات کی ان جزئیات پر بحث کا نہیں۔ تنویر (لکھنؤ) نشور (دہلی) وغیرہ کو آپ اپنی فرمائش لکھ سکتے ہیں۔

[illegible] دیکھتے ہی دیکھتے حیدر آباد کا خون آلودہ
[illegible] ہو جائے گا۔ ہندوستانی سرحدوں کا ایک سمندر تھا جو بیت الامت
[illegible] ایک جنگل تھا، ایک مجمع! بلکہ مجمع کیوں کہئے! ایک فوج تھی جو اپنے سپہ سالار
[illegible] ملک کے مختلف شہروں اور ضلعوں سے ٹولیاں بن کر آ رہی تھیں۔ ایک
[illegible] منظر دیکھنے کا تھا [illegible] اور دل ہی تیغوں کے سامنے
[illegible] والا، جوان سال وجوان فکر قائد مجمع میں تھا۔ زور سے
[illegible] حیدر آباد کی حیثیت سے اسٹیٹ جاتی لیکن جانتے ہیں آپ کیا ہوا!
[illegible] میں رحمت للعالمین کا نام لیوا عفو و کرم کا درس دیتے گا۔ کہاں
[illegible] اور کہاں پرلی خواہش دار و گیر و سیع ہنگامی سیلاب اس من سکون
[illegible] جیسے سکوں انداز کی فضا میں کبھی کوئی پرجوش نعرہ بھی بلند نہ ہوا تھا۔
[illegible] ہوا قائد اعظم کو غش میں ملا۔ سرد مہری نا شیر دل کی آنکھیں عشق کی جیتی رہ
[illegible] پکارنے والی سیاسی نظر نے کہا مجبوں کو تسلی کرنے والے مغرور
[illegible] دیکھے ہیں لیکن جوش اور پھر ایسے جوش پر قابو پانے والا خطیب نہ میں نے
سنا ــــ یہ شان خطابت یہ حوصلہ!! یہ فکر و نظر!!! ع

تیرے جلووں کے آگے ہمت شرح و بیاں رکھ دی

جسے نہ مال کی ہوس ہو نہ جاہ و منصب کی پروا اس کا کوئی کیا بگاڑ
قلندر سکتا ہے؟ درویش خدا مست کے لئے مقام اور منزل کا کیا تعلق؟
[illegible] سے مطلب نہ عہدہ سے نہ سرکار سے جو کلمہ حق زبان سے نکلتا ہے
[illegible] دارالسلام کی فضا کے لئے بھی تھا اور منزل کے ماحول کے لئے بھی۔ اپنے
[illegible] عزیز ساتھی کی معمولی سے معمولی لغزش پر کڑی سے کڑی نکتہ چینی بھی کی
[illegible] ملت کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ دار کی غلط روش پر سخت سے سخت تنقید
[illegible] نے ایک جرأت سی جرأت پائی تھی، ایک بیباکی سی بیباکی۔ ایک
بے نیازی سی بے نیازی جو خوف خدا کے سوا اور کوئی خوف راہ نہ ہو سکتا تھا
[illegible] سرمایہ کو بھی قلندری کرے۔ اسکی شان قلندرانہ کوئی کیا بتائے؟

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

[illegible] راز ہندوستانی سیاست کی فریب کاریوں نے حیدر آباد کے امن و اماں
پر چھاپا مارا، آریہ سماجیوں کی یورش شروع ہوئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے
[illegible] افراتفری شروع ہوگئی۔ حالات کے مایوس کن پس منظر میں ہیجان اور
[illegible] اور دل کے پرخطر ماحول میں مسلمانوں کو ایک خضر کی ضرورت تھی
[illegible] شر و فساد کا جواب عصائے موسوی ہی ہو سکتا تھا۔ میلاد کی
[illegible] الامت نے نعرہ حق بلند کیا۔ [illegible] نے مجبور کر جدید حیدر آباد کے لئے
[illegible] سرگرمیاں شروع کیں۔ ایک طرف سیاست حیدر آبادی تھی دوسری
طرف اتحاد المسلمین کا پیار دیا۔ کبھی برادران ملک سے گفتگو و مفاہمت کو
[illegible] حکومت سے مراسلت، دن اور رات مصروفیت ہی مصروفیت تھی۔
[illegible] وقت کے لئے منبر اور [illegible] تھے۔ بہت جلد یہ کٹھن گھڑیاں گزر گئیں
[illegible] تدبیر نے بہت سی گتھیاں سلجھائیں مسلمانوں کی آرزوؤں اور تمناؤں
[illegible] نے "بیت الامت" کا ایک سہارا دل گیا۔ مگر قائد ملت کہلانے والے
[illegible] ملت کے لئے مصروفیتوں کا ایک باب کھل گیا۔ اس دانائے راز
[illegible] آزے آئی کبھی خطاب اور جاگیر کا دوٹ بن گئے۔
[illegible] آزادیوں کی جگہ طرح طرح کی پابندیاں شروع ہوئیں۔ منزل کٹھن تھی

رہ پرخطر، مگر ایمان سلامت تھا اور خدا کا مضبوط سہارا۔ بڑی سے
بڑی قربانی دی۔ سارا اختیار کیا۔ یہ سب مسلمانوں کے لئے، ان کی تنظیم
کے لئے وہاں ایک ہی خواہش تھی صرف ایک ــــ اگر کچھ ہو سکے تو
خدمت اسلام کر جاؤں!

یادگار ملک و ملت کے لئے تن من دھن لٹا دینے والے سپاہی کی شہادت پر
مسلمانوں نے کیا کیا؟ ہندوستان مردہ پرست سمجھا جاتا ہے
حیدر آباد نہ زندہ پرست نہ مردہ پرست!! ایسے مجاہد، ایسے زعیم کی وفات
کو آج دو سال گزرتے ہیں ملت نے اس کی کیا یادگار قائم کی؟ مجلس نے
اس کے لئے کیا کوشش کی؟ ــــ حیران ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر
کو میں!! یادگار تو اس مرد خدا کی خدمات ہیں! اس مجاہد اسلام کے اپنے اعمال!
ان کے آگے کوئی اور یادگار کیا قائم ہو سکتی ہے؟ یوں کہنے کو محفل کے لئے
ٹیکنیکل کالج کی بات کچھ بری نہیں ان چوبیس مہینوں میں جانتے ہیں آپ
مرنے والے کے ہمدرد و دمساز۔ ملک و ملت کے بڑے بڑے خدمتگزار
کیا کیا کچھ کر گزرے ہیں؟! اس اجمال کی تفصیل! کوئی بتلائے کہ ہم بتلائیں کیا

نشان راہ یہ سب باتیں ایک طرف یہ تو بتائیے کہ قائد کی حیات
اور وفات نے مسلمانوں کو کیا سمجھایا؟ کیا بتایا؟! داغ
مفارقت اپنی جگہ ایک مستقل ناسور سہی لیکن اس شہید ملت کی زندگی اور
اس کی موت دونوں نے جو نشان راہ ملت کے لئے چھوڑا ہے اس پر
عمل پیرا ہونے کی خواہش کیوں بیدار سے زیادہ بیدار نہیں؟! جسے
دیکھئے تو اس کی آنکھیں پرنم ہیں اور یہ اس لئے کہ آبدیدہ ہونا عبادت
محبت قرار دے دیا گیا ہے۔ حالانکہ یہ [illegible]
ہے! ہائے اور وائے کا سہل اور آسان کام عورتوں اور [illegible] کے لئے
ہے عمر رسیدہ اور جوان ہمت افراد ملت کو تو قائد نے عمل اور پیہم عمل
کی دعوت دی ہے۔ لیکن کتنے قلوب ہیں اور کتنے ذہن جو نام نہاد اظہار
محبت سے ہٹ کر صحیح معنوں میں اپنے قائد کی یاد اپنے عمل سے تازہ رکھے
ہوئے ہیں؟ اگر اتحاد المسلمین صرف بہادر یار جنگ کا پلیٹ فارم تھا تو بہادر
یار جنگ کے ساتھ یہ پلیٹ فارم بھی ختم ہو گیا۔ لیکن اگر یہ ملت اسلامیہ
کی شیرازہ بندیوں کا تھا تب تو قدرت خدمت اسلام کے لئے [illegible]
جمال الدین افغانی اور [illegible] سید اکرتی رہے گی۔ جنہیں قائد مرحوم
سے تعلق خاص ہے

وہ مجلس سے اپنا رشتہ کیوں نہیں جوڑتے؟
ان کی ساری عمر کی کمائی کو ٹھکرا کر صرف آنسو بہاتے رہنا نہ تقاضائے
فراست ہے نہ نشان مردانگی! مسلمانوں کو [illegible] بڑے بڑے ہیں لیکن
سچ سچ بتائیے کہ دو سال کے اس عرصہ میں مجلس کے ساتھ اپنی وابستگی
کا مسلمانوں نے اور مسلمانوں کے قائدین نے کیا ثبوت دیا ہے۔ قائد کہہ
چکا ہے کہ مجلس زندہ ہے۔ قیادت کا انتخاب مقدر لیکن یہ نشان [illegible]
[illegible] تنظیم کی [illegible] مجلس کی شکست و ریخت یہ موت ہے یہ سانحہ
ارتحال ہے! آج ترک نے بستر مرگ سنبھالا تھا تو [illegible] ایک ساعت نہ
سکو تھا کس لئے کہ مرنے والے کو یقین تھا قومی شعور اتنا بیدار
ہو چکا ہے کہ ترکی کا بچہ بچہ اب اتاترک ہے۔

[illegible] ہے یہی حیاتِ اجتماعی سب
کچھ ہے۔ یہی وہ سنگ میل ہے جس کی طرف قائد کی رہنما مسلمانوں کو بلا رہی ہے۔ لکھو مسلمان ہو اور یہ نشانی ہے! اچھی طرح سمجھ لیجئے — فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں!

(دوا بیر دکن)

اسلام اور مسلمان

ایک دوست لکھتے ہیں۔ مسلم لیگ کے کسی مخالف نے پچھلے سال لکھا تھا کہ "محمد علی جناح کے مجوزہ پاکستان میں پاکستانی جکلہ۔ پاکستانی سینما اور پاکستانی شراب خانے ہوں گے" یہ تو ایک معاندو مخالف کے جلے دل کے پھپھولے تھے۔ جو اس شکل میں پھوٹے۔ لیکن حال ہی میں ایک اشتہار نظر پڑا "پاکستانی لنگی"۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے۔ کہ یہ لنگی خالص ریشم کی ہے جسے بیاہ شادی کی تقریبوں میں لوگ زیب سر کرتے ہیں۔ مسلمانوں کو یہ لنگی ضرور خرید لی چاہیئے۔ حالانکہ حضور سرورِ کائنات صلعم نے ایک ہاتھ میں سونا اور دوسرے میں ریشم تھام کر فرمایا تھا۔ "هذان محرمان على ذكور امتی" میری امت کے مردوں پر یہ دونوں چیزیں حرام ہیں۔ یہ اشتہار پڑھ کر اندیشہ ہوا۔ کہ کہیں اس مخالف کی بات ٹھیک ہی نہ نکلے۔ جس نے پاکستانی سینما۔ پاکستانی جکلہ اور پاکستانی شراب خانہ کا طعنہ دیا تھا۔ ہمارے یہ دوست نہایت ہی دقیانوسی قسم کے مسلمان معلوم ہوتے ہیں جو آج کل کے زمانے میں اسلام اور شریعت کا نام لیتے ہیں۔

اجی حضرت۔ آج کل عربی اسلام غریب کو کون پوچھتا ہے۔ اب تو اسلام یہی ہے کہ سیاسی نعرے لگائے جائیں اور مغربی تمدن اختیار کیا جائے۔

"پاکستانی سینما" ابھی عنقریب معرضِ وجود میں آنے والا ہے۔ لاہور میں "ملت اسلامیہ" کے چند غیور حضرات علامہ اقبال کی تعلیمات اور قائد اعظم کی سیاسیات کو پردہ سیمیں پر لانے کا بندوبست فرما رہے ہیں۔ اور اس مقصد کے لئے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی ایک کھیپ کی کھیپ فراہم کی جا رہی ہے۔ بشرط صحت چند مہینوں میں "پاکستانی سینما" قائم ہو جائے گا۔ اور ہم آپ سب "اسلامی تھیٹر" میں جا کر اور اسلامی فلمیں دیکھ کر "اسلامی ایکٹرسوں" کے اسلامی حسن و جمال کا چرچا کیا کریں گے۔ کیونکہ اسلام کے مفاد کا تقاضا یہی ہوگا۔ کیا آپ نے نہیں سنا۔ حال ہی میں مصری شراب کے ایک ہزار بکس جن کی قیمت ڈیڑھ لاکھ روپیہ ہے۔ کراچی میں پہونچ گئے ہیں۔ اور یہ پہلا مبارک واقعہ ہے۔ کہ ایک اسلامی ملک سے "اسلامی شراب" ہندوستان پہنچی ہے۔

ایک زمانہ تھا۔ جب ہندوستان میں سندھ کے ساحل پر سب سے پہلے محمد بن قاسم نے قدم رکھا تھا۔ آج سندھ ہی کے ساحل پر ایک اسلامی ملک کی تیار ہوئی شراب پہلی دفعہ اتاری جا رہی ہے۔ ع

ابتدا وہ تھی۔ انتہا ہے یہ

اب ان اسلامی ملکوں کی صنعتی ترقی پر کون بدبخت شبہ کر سکتا ہے۔ ایران تو ہمیشہ ہی سے مشہور تھا۔ اور شرابِ شیراز کو اسلام بھی شکست نہیں دے سکا اب تو عراق، فلسطین اور مصر بڑے بڑے یورپی ملکوں سے بھی آگے بڑھ

رقم [illegible] کے [illegible] اس میں شور [illegible] احتجاج کرایا گیا۔ اس کے بعد وہ فرشکی ہندوستان میں نظر نہیں آیا [illegible] اسلامی ملکوں میں اب بھی دستیاب ہو سکتی ہوگی۔

ایک دوست نے بیان کیا۔ کہ ایران کے بازاروں میں سقراط و دیگر [illegible] حضور سرورِ کائنات۔ حضرت علی اور حسنین رضی اللہ عنہم کی تصویریں اسی طرح بکتی ہیں۔ جیسے یہاں کرشن۔ ارجن اور بھیم اور دیگر [illegible] کی تصویریں ہندو دکانوں میں آویزاں نظر آتی ہیں۔ آپ پاکستانی سینما اور پاکستانی شراب خانے کو رو رہے ہیں۔ یہاں تو آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے ہم آپ جیسے اولڈ فیشن اسی طرح چیختے چلاتے مر جائیں گے۔ اور دنیا سیاسی و تمدنی "ترقی" کے راستے میں بدستور گامزن رہے گی (انقلاب)

مراسلہ

کرم فرمائیاں

ناظرین صدق اس اطلاع سے انشاء اللہ ضرور مسرور ہوں گے کہ مدرسہ حنفیہ انگرد واقع ریاست نیپال کی تعمیر ضروریات پر دو بزرگوں نے خاص طور سے دلی توجہ کر کے منعطف فرمائی ہے۔ چنانچہ جناب محمد عارفین صاحب کلکتہ نے ایک بیمہ صمار یا تعمیر اور تکمیل عمارت کے لئے دعائیں بھی دیں جزاہ الہی نی اور جناب غلام محمد صاحب حیدر آبادی نے تو بڑا کرم فرمایا کہ درسگاہوں میں سے ایک درسگاہ کا کمل خرچ میری درخواست پر مبلغ یکہزار روپے ارسال فرما دیا۔ بارک اللہ

مقامی لوگوں سے مدرسہ کا سالانہ تعلیمی خرچہ اساتذہ و خادمین و طلبہ و دیگر متعلقہ اخراجات بحمد اللہ پورے ہوتے جا رہے ہیں۔ اب صرف بقیہ درسگاہوں اور کتب خانہ کی عمارت کے لئے دس ہزار کی ضرورت ہے۔ اہل دل و اہل نظر عربی پسند اسلام دوست امراء کرام سے درخواست ہے کہ ماہ رجب آ گیا ہے اس میں اپنے زکاتوں کی رقوم سے کوئی رقم بھیج کر ہماری امداد قبول فرمائیں۔ وکان سعیکم مشکورا

ترسیل زر کا پتہ
عبد الرؤف خاں بہرائچی۔ نائب ناظم مدرسہ حنفیہ
ڈاکخانہ [illegible] ضلع بستی

آ شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

اس مجموعہ کے اندر ہندوستان کے مختلف ماہرین تعلیمات (خواجہ غلام السیدین، ڈاکٹر رضی الدین صدیقی، ڈاکٹر عابد حسین، پروفیسر محمد مجیب، سجاد مرزا صاحب، پروفیسر عبدالغفور وغیرہ) کے ٹھوس تعلیمی خطبے اور مقالے مختلف تعلیمی عنوانات پر ہیں۔ پروفیسر عبدالغفور صاحب نے شگفتہ زبان میں ہندوستان کی متعدد تعلیمی اداروں اور تحریکوں کا جائزہ لینے کی کوشش کی ہے۔ مجموعہ اُن لوگوں کے کام کا ہے جو مسائل تعلیم سے کسی حیثیت سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں، اور اسکا دائرہ افادہ صرف جامعہ ملیہ کے متعلقات تک محدود نہیں۔ شروع میں دو تحریریں ڈاکٹر ذاکر حسین خاں کے قلم سے ہیں۔

(۴) **مجلہ عثمانیہ**۔ (جلیل نمبر) مرتبہ مسعود حسن الدین احمد صاحب ایم اے (عثمانیہ)۔ ضخامت ۲۹۴ صفحات۔ قیمت درج نہیں غالباً [illegible]۔ پتہ:۔ منیجر مجلہ عثمانیہ حیدرآباد دکن۔

جلیل (جانشین امیر مینائی) اس دور آخر کے ایک بڑے جلیل القدر شاعر گزرے ہیں۔ انکا کلام قدیم رنگ تغزل کا نہایت بہترین نمونہ ہے۔ اور وہ تو نہ صرف اُستادی کا مرتبہ رکھتے تھے، بلکہ صحیح معنی میں امام فن بھی گزرے ہیں۔ ضرورت تھی کہ انکی یادگار میں کسی ادبی رسالہ کا کوئی اچھا ضخیم و جامع نمبر نکلتا۔ اس ضرورت کو مجلہ عثمانیہ کے اس نمبر نے پورا کر دیا، اور یادگار منانے کا حق ادا کر دیا۔ — گو عاشقان کلام جلیل تو ہر صورت ہر نمبر یا ہر کار کو تشنہ اور ادھورا ہی پائیں گے۔

مجموعہ ادبی، تنقیدی، سوانحی ہر حیثیت سے بعض اچھے اچھے مقالات کا حامل ہے۔ چند لمحہ جلیل کے ساتھ، جانشین امیر مینائی، ذکر جلیل، جلیل استاد فن کی حیثیت سے، جلیل کا رنگ تصوف، حکمت، وغیرہ متعدد مضمون چھپے اور پڑھنے کے قابل ہیں، البتہ پرچہ کا ادبی معیار شروع سے آخر تک یکساں نہیں کہیں کہیں زبان کی ایسی غلطیاں نظر پڑیں جو جلیل جیسے زبان داں کے یادگار نمبر کے لیے تو بہت ہی افسوسناک ہیں۔ صحت کتابت و طباعت کا بھی زیادہ اہتمام نہیں رکھا گیا ہے (گویا اس لحاظ سے صدق کا پرچہ تو اس قابل قدر کوشش پر بھی بازی لے گیا!!)

بہر حال یہ دیکھ کر کہ پرچہ محض طلبہ کا مرتب کیا ہوا ہے اسکی خامیاں نظر انداز کرنے کے قابل اور اسکی خوبیاں ہر طرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہیں۔ پرچہ ہر اس شخص کی نظر سے گزرنے کے قابل ہے، جو کلام جلیل یا امیر مینائی کے دبستان شاعری بلکہ خود نظم و سخن سے دلچسپی رکھتا ہو۔

(۵) **رمضان اینول** (انگریزی) اڈیٹر محمد مکی۔ صفحات دو سو سے اوپر مع اشتہارات و تصاویر بکثرت۔ کاغذ و طباعت اعلیٰ۔ قیمت ۲ شلنگ سالانہ پتہ:۔ ڈربن۔ جنوبی افریقہ۔

جنوبی افریقہ سے یہ سالنامہ رمضان، انگریزی زبان میں مشہور مبلغ اسلام مولانا عبد العلیم صدیقی کے زیر نگرانی اور محمد مکی صاحب کی ادارت میں نکلتا ہے۔ سالنامہ بابت ۱۳۶۵ھ پیش نظر ہے۔ کاغذ، چھپائی، کثرت تصاویر، کثرت اشتہارات سب انگریزی ذوق کی، اور انگریزی معیار کے مطابق ہیں۔ مضامین کا تنوع اور انکی معنوی سطح اوسط درجہ کی ہے، اور مخاطبین کے لیے فی الجملہ مفید ہی ہے۔ لکھنے والے مسلمانوں کے علاوہ متعدد غیر مسلم بھی ہیں۔ ایک مضمون تہذیب پر بھی ہے ڈاکٹر "ساہنی" صاحب کے قلم سے ہے۔ اس میں نام [illegible]

یہ ہے کہ ابو طالب کا ذکر تو تفصیل کے ساتھ ہے اور حضرت ابو بکر کا نام ہی سرے سے غائب ہے! یہ مضمون یقیناً نگران اعلیٰ کی منظوری کے بغیر ہی شائع ہوا ہے۔ پرچہ میں یہ اطلاع پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آئندہ سے یہ سالانہ ماہانہ ہو کے مشہور مبلغ اسلام حافظ فضل الرحمن انصاری ایم اے، پی ایچ ڈی، ریسرچ اسکالر مسلم یونیورسٹی کے ہاتھ آ جائیگا۔

(۶) **فائیو پلرز** FIVE PILLARS یعنی ارکان خمسہ (انگریزی ماہانہ رسالہ) بابت جولائی ۴۶ء اڈیٹر محمد مکی صاحب بابت نومبر ۴۶ء ۴۰ صفحے۔ اڈیٹر حافظ فضل الرحمن انصاری (عالیگ)۔ ۸۴ صفحے۔ قیمت ۱۲ شلنگ۔ پتہ:۔ ڈربن جنوبی افریقہ۔

پرچہ کا مقصد تبلیغی ہے، اور یہ پرچہ مولانا عبد العلیم صدیقی کی نگرانی میں نکل رہا ہے۔ جولائی نمبر کے مضامین بھی اچھے ہیں، اور نومبر نمبر کے اس سے بہتر اور دلچسپ تر۔

تصویروں کی اشاعت اور اشتہارات کی کثرت ایسے دینی پرچہ کیلئے بجائے خود بے تکی معلوم ہوتی ہے، لیکن حیرت ہے کہ نومبر نمبر میں نگران اعلیٰ کے ایک مضمون کے ساتھ (جو پرچہ میں ولایتی گوشت کی حرمت پر ہے) خود انکی تصویر بھی شامل ہے! چہ کفر از کعبہ الخ۔

(۷) **البلاغ** (ہفتہ وار) اڈیٹر مولوی عبدالقدوس ہاشمی ندوی۔ بڑی تقطیع مصور۔ ۲۰ صفحے۔ قیمت سالانہ [illegible] پتہ:۔ دفتر البلاغ۔ دارالشفا۔ حیدرآباد دکن۔

مولوی سید عبدالقدوس ہاشمی ندوی حیدرآبادی سیاسی اور ملی مسائل کے ایک ممتاز و سنجیدہ لکھنے والے ہیں۔ اقبال کی ترجمانی اور پاکستانی نقطہ نظر کی تشریح، انکے قلم کا حصہ ہے۔ یہ پہلا نمبر ظاہری اعتبار سے مولانا ابوالکلام والا البلاغ ہے۔ اور حصۂ مقالات میں مقالہ بھی سب سے پہلا اور بڑا انہیں کے قلم کا (انکے نام کی تصریح کے بغیر) ولادت نبوی پر البلاغ سابق سے لیکر درج ہے۔ سیرۃ نبوی سے متعلق بعض ضروری سنین، اسلامی مرکز میں اقبال کا پیام، وغیرہ کئی مضمون اسی قبیل کے ہیں۔ گو مضمون اسلامی مرکز اپنے بعض جزئیات کے لحاظ سے متفقانہ نہیں۔ یہ پہلا نمبر بھی بہ حیثیت مجموعی قابل مطالعہ اور مستحق سفارش ہے، لیکن آئندہ نمبر توقع ہے کہ اس سے بھی بہتر اور جو معیار اڈیٹر صاحب کے نام سے ذہن میں آتا ہے اسکے مطابق ہونگے۔

(۸) **الحسنات** (ماہنامہ) اڈیٹر ابو سلیم محمد عبد الحی صاحب بی اے بی ٹی۔ ضخامت ۴۴ صفحے۔ قیمت سالانہ [illegible] پتہ:۔ دفتر رسالہ الحسنات، ریاست رامپور (یو۔پی)

اسکا صرف ایک نمبر یعنی نمبر ۲ وصول ہوا ہے۔ کسی ایک نمبر سے پوری اور قطعی رائے قائم کرنا مشکل ہے۔ بہر حال رسالہ دینی قسم کا ہے، اور زبان سلیس و عام فہم۔ اصل مقصد لوگوں میں مذہبی احساس کی بیداری معلوم ہوتی ہے۔ مذہب کے علاوہ بعض مضامین سائنس اور علم جغرافیہ، تاریخی معلومات پر بھی ہیں۔ مذہبی مضامین اچھے ہیں، لیکن بعض جگہ یکطرفہ یا نامکمل بیان سے حقیقت ذرا مشتبہ ہو کر رہ گئی ہے۔ مضمون "سرور عالم" میں "دیکھئے اور سوچئے" کی تکرار تکیہ کلام کی حد تک پہونچ گئی ہے۔ ایک خاص خامی [illegible] مستقل طور پر تغیر کا ہونا ہے۔

(بقیہ پر ص ۹)